تبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

ترجمہ: حقیقت آگاہ معرفت پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

ہفتم

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدۃ تا سورۃ الناس)

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

معارف القرآن

ترجمہ : عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

تفسیر : شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ : شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدۃ تا سورۃ الناس)

(جلد ہفتم)

پارہ ۲۴ تا ۲۷

سورۃ ص تا سورۃ الحدید

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ®
LG-29 حمادیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37242117 - 0332-4377621

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

نام کتاب ———— معارف القرآن وتفسیر عثمانی
جلد ———— ہفتم
سن اشاعت ———— محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر 2017ء
کمپوزنگ ————
ناشر ———— مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)
باہتمام ———— انیس احمد مظاہری
اسٹاکسٹ ———— مکتبۃ المظاہر، جامعہ احسان القرآن لاہور
0332-4377501

کاوش: اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشنگانِ علوم نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب معارف القرآن وتفسیر عثمانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شب وروز کی محنتِ شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کارفرما رہی اس عظیم کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے میں ہیئۃ العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زر کثیر خرچ کر کے کروائی گئی ہے اور بار بار پروف ریڈنگ کروائی گئی تاکہ اغلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہرکیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسب سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت وکوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبانِ حدیثِ رسول وقرآن کو کسی مقام پر کوئی قابل تصحیح عبارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکرگزار ہوں گے اور اس غلطی کی درستگی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت ہی ہم اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

فہرست مضامین

مکتبہ حلیبیہ رشیدیہ

غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ ص

اس سورت کا نام سورۂ ص ہے یہ سورت بھی مکیہ ہے جس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (قرطبی) امام احمد حنبل ؒ نے اپنی مسند میں اور بعض دیگر محدثین نے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ ابو طالب جب بیمار ہوئے تو کفار قریش کی ایک جماعت جن میں ابوجہل بھی تھا آنحضرت ﷺ کی شکایت کرنے آئے کہ محمد ﷺ ہمارے معبودوں کی ہجو اور توہین کرتے ہیں اور انکو بہت ہی برا بھلا کہتے ہیں ابو طالب نے ان لوگوں کی موجودگی میں آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا میں ان لوگوں سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں یہ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم جزیہ دینے لگیں، یہ لوگ پوچھنے لگے ایسی کون سی وہ بات ہے ایک تو کیا ہم دس باتیں ماننے کو تیار ہیں بتایئے وہ ایک بات کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "لا الہ الا اللہ"۔ یہ سننا تھا کہ وہ سب نہایت برافروختہ اور مشتعل ہو کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے عجیب بات ہے کیا سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا اس پر یہ سورت آیت ﴿بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ﴾ تک نازل ہوئی بالعموم رِوایات اور محدثین ومفسرین کی نقول میں یہ سورت سورۂ ص کے نام سے معروف ہے لیکن بعض مفسرین نے اس سورت کا ایک اور نام سورۂ داؤد بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس میں داؤد علیہ السلام کے قصہ کو خاص عظمت اور اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۸ سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ ۳۸) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اٰیاتھا ۸۸ رکوعاتھا ۵)

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ① بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ② کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ

قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی بلکہ جو لوگ منکر ہیں غرور میں ہیں اور مقابلہ میں فـ۱ بہت غارت کر دیں ہم نے ان سے

قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی۔ بلکہ جو لوگ منکر ہیں غرور میں ہیں اور مقابلہ میں۔ بہت کھپا دیں ہم نے ان سے

فـ۱ یعنی یہ عظیم الشان، عالی مرتبہ قرآن (جو عمدہ نصیحتوں سے پر، اور نہایت موثر طرز میں لوگوں کو ہدایت ومعرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے) باآواز بلند شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ قرآنی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم وتفہیم میں کچھ قصور ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور اس کی تبلیغ وتبیین میں معاذ اللہ مقصر ہیں۔ بلکہ انکار وانحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی، جاہلانہ غرور ونخوت اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق وصداقت کی صاف سڑک نظر آئے۔

① شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ؒ کے دست مبارک کے لکھی ہوئی بسم اللہ کا عکس جب کہ موصوف محترم حضرت والد صاحب ؒ کی تعزیت کیلئے لاہور تشریف لائے اور ناچیز کو معارف القرآن کی تکمیل کیلئے فرمایا تو آیندہ مسودہ کی ابتداء اپنے قلم مبارک سے بسم اللہ لکھ کر فرمائی اس کیفیت کے ساتھ کہ حضرت والد صاحب ؒ کے فراق پر آنکھوں سے جاری تھے اور ہاتھ کانپ رہے تھے ۱۲ محمد مالک کاندھلوی ؒ۔

قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

پہلے جماعتیں پھر لگے پکارنے اور وقت نہ رہا خلاصی کا ف۱ اور تعجب کرنے لگے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈر سنانے والا

پہلے سنگتیں پھر لگے پکارنے اور وقت نہ رہا خلاصی کا۔ اور اچنبھا کرنے لگے اس پر کہ آیا ان کو ایک ڈر سنانے والا

مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا

انہی میں سے اور کہنے لگے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا ف۲ کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی بندگی یہ بھی ہے

انہی میں سے۔ اور لگے کہنے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا۔ کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدل ایک ہی کی بندگی؟ یہ بھی ہے

لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ

بڑے تعجب کی بات اور چل کھڑے ہوئے کئی پنچ ان میں سے کہ چلو اور جمے رہو اپنے معبودوں پر ف۳ بیشک

بڑے تعجب کی بات۔ اور چل کھڑے ہوئے کتنے پنچ ان میں کہ چلو اور ٹھہرے رہو اپنے ٹھاکروں پر۔ بے شک

هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦

اس بات میں کوئی غرض ہے ف۴ یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں اور کچھ نہیں یہ بنائی ہوئی بات ہے ف۵

اس بات میں کچھ غرض ہے۔ یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں۔ اور کچھ نہیں یہ بنائی بات ہے۔

ف۱ یعنی ان کو معلوم رہنا چاہیے کہ اسی غرور و تکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے۔ پھر جب برا وقت آ کر پڑا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے۔ مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ رہائی اور خلاصی کا موقع گزر چکا تھا، اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و پکار کی طرف توجہ کی جائے۔

ف۲ یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادوگر نے جھوٹا ڈھونگ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھا کر انہیں معجزہ کہنے لگا اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں۔ اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔

ف۳ یعنی اور لیجیے! اتنے بیشمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بیوقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابوطالب کی بیماری میں ابو جہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابوطالب سے آن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا! میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگیں۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے، آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں۔ فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر سب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا۔ چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت و حمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈا کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی ان تھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر و استقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

ف۴ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اس قدر زور و شور اور عزم و استقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے، وہ یہی کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم سب کو اپنا محکوم اور مطیع بنا لیں اور دنیا کی حکومت و ریاست حاصل کر لیں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم ان کو =

آغاز سورت از بیان حقانیت قرآن ووعید وتنبیہ بر غرور وانکار متکبرین وکفار

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ... الی ... اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾

ربط سورۃ:...... گزشتہ سورۃ والصافات کی ابتداء توحید کے مضمون سے ہوئی اور خاتمہ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۞ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۞ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ سے مسئلہ نبوت وتوحید پر ہوا اس مناسبت سے اس سورۃ کا آغاز قرآن کریم کی حقانیت اور عظمت شان سے ہوا جو آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے نیز گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی انبیاء سابقین کے واقعات ذکر فرمائے گئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے وہ احوال بیان فرمائے گئے جو گزشتہ سورت میں نہیں تھے سورت کے آخری حصے میں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا تھا ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۞ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ کہ اگر ہمارے پاس اولین کا کوئی ذکر ہوتا تو ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوتے تو اس سورت کی ابتداء میں قرآن کی صفت ﴿ذِی الذِّکْرِ﴾ ارشاد فرما کر یہ ظاہر فرمادیا گیا کہ جس ذکر کی تم تمنا کرتے تھے اب وہی قرآن ﴿ذِی الذِّکْرِ﴾ نازل کردیا گیا لہٰذا اب تم کو چاہیے کہ حسب وعدہ ایمان لاؤ اور اللہ کے نیک اور فرمانبردار بندے بن جاؤ۔

پھر مضمون سورت کا اختتام اس وعدۂ الٰہیہ پر ہوا ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ﴾ ... الی ... ﴿لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ انبیاء علیہم السلام کی تائید ونصرت کا فیصلہ ہو چکا اور یہ کہ اللہ کا لشکر کافروں اور دشمنوں پر غالب آئے گا تو اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کے بیان سے کی گئی اور اس پر ایمان نہ لانے والوں پر تنبیہ وتہدید فرمائی گئی ارشاد فرمایا۔

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ﴾ قسم ہے اس قرآن کی جو بڑی ہی عزت [1] وشرف اور عبرت والا ہے جو دنیا وآخرت کی سعادت وہدایت کے جملہ علوم پر مشتمل ہے کہ اسکی صداقت وحقانیت عزت وشرف کا باعث ہے اور امم سابقہ کے احوال اور تاریخ حقائق عبرت ونصیحت کا سامان ہیں۔

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ﴾ میں واؤ قسمیہ ہے اور عربیت کی رو سے جملہ قسمیہ جواب قسم پر پورا ہوتا ہے تو یہاں جواب قسم محذوف ہے سورۃ یٰسین کی ابتداء ہی ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ﴾ جملہ قسمیہ تھی مگر وہاں جواب قسم مذکور تھا یعنی ﴿اِنَّكَ

= کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے "ان ھذا لشیء یراد" کا مطلب یہ لیا ہے کہ بیشک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ ہی کر چکے ہیں کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونے والی ہے۔ اللہ کو یہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے صبر وتحمل سے اپنے قدیم دین وآئین کی حفاظت کرتے رہو۔ یا ممکن ہے از راہ تحقیر کہا ہو کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سب کچھ ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو۔ چاہیے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔

فٖ ۵ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "پچھلا دین کہتے تھے اپنے باپ دادوں کو۔ یعنی آگے تو سنے ہیں کہ اگلے لوگ ایسی باتیں کہتے تھے۔ پر ہمارے بزرگ تو یوں نہیں کہہ گئے۔" اور ممکن ہے پچھلے دین سے عیسائی مذہب مراد ہو۔ جیسا کہ اکثر سلف کا قول ہے۔ یعنی نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان کو بھی ہم نے نہیں سنا کہ سب خداؤں کو ہٹا کر ایک خدا رہنے دیا ہو۔ آخر وہ بھی تین خدا تو مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اگر پہلی کتابوں میں کچھ اصل ہوتی تو وہ ضرور قبول کرتے۔ معلوم ہوا کہ محض گھڑی ہوئی بات ہے۔ العیاذ باللہ۔

---

[1] میں عزت وشرف کے ساتھ لفظ عبرت کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ ذکر وضع عربیہ کے لحاظ سے دو معنی پر دلالت کرتا ہے ایک عزت وشرف اور دوسرے عبرت ونصیحت اور یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔ ۱۲

لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں جواب قسم محذوف ہے اور آئندہ آیت ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ اس کے مضمون پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ عذاب آخرت سے ڈرانے والے انکے سامنے آئے تو کفار مکہ غرور وتکبر اور مخالفت وسرکشی پر کمربستہ ہوگئے تو آنحضرت ﷺ کا عذاب آخرت سے ڈرانا تو فرض رسالت تھا مگر بجائے ایمان لانے کے کافروں نے غرور وتکبر اور مخالفت کا طریق اختیار کیا تو جواب قسم کا مضمون اس طرح مقدر مان لیا جائے۔ انه لحق والایمان به ولمن جاءبه لازم یعنی قسم ہے قرآن کی جو بڑی ہی عزت اور عبرت والا ہے بیشک یہ قرآن حق ہے اور اس پر اور قرآن لانے والے پر ایمان لانا لازم ہے لیکن افسوس کافر ایمان نہ لائے بلکہ تکبر اور مخالفت میں لگے رہے بعض مفسرین جواب قسم میں سورۃ یٰسین کی طرح ہی ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ کے مضمون کو جواب قسم قرار دیتے ہیں، یہ قرآن عالی مرتبت بیشک آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے اس میں تو کوئی خفا یا شبہ نہیں کہ کافر اس وجہ سے آپ ﷺ پر ایمان لانے میں تردد کریں (﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ) نہیں بلکہ کافر اپنے تکبر اور مخالفت میں ایمان لانے سے انحراف کررہے ہیں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے تو اسی مضمون کو جواب قسم قرار دیا (تفسیر مظہری: ۸/ ۱۵۴) زاد المسیر میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جواب قسم انه لمعجز او ان محمدا لصادق ہے یعنی قرآن معجز ہے یا یہ کہ محمد ﷺ سچے ہیں۔ لہٰذا کفار مکہ کو چاہیئے کہ وہ قرآن پر بھی ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کو بھی مانیں الغرض ایسی عظمت وشرف والی کتاب پر ایمان نہ لانا یقیناً اس کتاب میں کسی تردد وشبہ کی بنا پر تو ممکن نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہ اپنے غرور ونخوت اور عداوت ومخالفت میں پڑے ہوئے ہیں اس عناد وسرکشی میں مبتلا ہونے والوں کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے ہم تو ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں جو قوت وشوکت میں ان سے بھی بڑھ کر تھے لیکن جب ان پر عذاب آیا تو چیخ اٹھے اور پکارنے لگے کہ کوئی انکی فریاد کو پہنچ جائے مگر وقت نہ ❶ رہا تھا کہ بھاگ سکیں اور بچ جائیں اور بجائے اسکے کہ ایمان لاتے ان کافروں نے اس بات پر تعجب کیا کہ آ گیا انکے پاس ایک پیغمبر انہی میں سے جو ان کو ڈرانے والا ہے حالانکہ اس بنا پر کہ وہ انہی کی قوم اور قبیلہ کا جانا پہچانا تھا مگر انہوں نے یہ کہا یہ تو یقیناً جادوگر بڑا ہی جھوٹا ہے نہ یہ وحی ہے اور نہ یہ اپنے اعلان میں سچا ہے بلکہ جو معجزات وخوارق ہیں وہ جادو ہے اور جو اعلان نبوت ہے وہ جھوٹ ہے کیا یہ شخص سچا ہوسکتا ہے جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دینا یہ تو بیشک بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ایک خدا ساری کائنات کا کام چلائے اور جب آپ علیہ السلام نے لوگوں سے یہ کہا اگر تم یہ کلمہ مان لو عرب وعجم تمہارے غلام ہوجائیں گے تو انکے سربرآوردہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو، یہاں سے چلو اور اپنے معبودوں پر مضبوطی سے جمے رہو بے شک یہ بات تو یقیناً ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے کسی مقصد کا ارادہ

❶ لفظ لات حین منصاص کا یہ ترجمہ ہے کہ لفظ لات دراصل نفی کیلئے وضع کردہ لفظ لا ہی ہے جس پر تا کا اضافہ کرکے لات کی صورت میں استعمال کیا گیا جیسے لفظ "رب" اور "ثم" تا کے اضافہ کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں، "اخفش" کا قول ہے لا نفی جنس کا ہے اور خبر محذوف ہے اے لا حین مناص کائن لکم" یعنی تمہارے واسطے خلاصی کا وقت نہیں ہونے والا ہے، سیبویہ رحمہ اللہ اور خلیل رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کے دو معمولوں یعنی اسم وخبر میں سے کوئی محذوف ہے سند ابوداؤد، طیالسی کی روایت میں ہے کہ کسی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا لیس بحین نزو ولا فرار ا۔ یعنی نہیں ہے وقت اترنے اور بھاگنے کا "مناص" مصدر ہے جس کا مادہ نوص ہے اہل لغت کے نزدیک نوص تاخیر یعنی پیچھے ہٹنے کو اور بوص تقدم یعنی آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔

کیا گیا ہے شاید اپنی غرض ومطلب برآری کیلئے تم سے یہ کہا جارہا ہے اور اس طرح اپنی سرداری کا ارادہ ہوگا ہم اس شخص کو اپنی غرض میں ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں گے اس لئے یہاں سے اٹھ کھڑے ہو اور چلو اور اپنے معبودوں پر ہی جمے رہو ہم نے تو یہ بات (توحید کی) پہلے کسی ملت میں نہیں سنی نصاریٰ بھی تین خداؤں کے قائل ہیں مجوس وآتش پرست بھی، دو خدا یزدان، اور اہرمن کے قائل ہیں اور خود ہمارے آباء واجداد قریش کے تمام قبیلے بھی بہت سے خداؤں کے قائل تھے تو پھر اس مدعی نبوت نے کہاں سے یہ بات نکالی کہ خدا ایک ہی ہے بس یہ (توحید کی بات) تو صرف اسی شخص کی اپنی طرف سے نئی ایجاد کردہ بات ہے جس کو اس نے اپنے دل سے گھڑ لیا کفار مکہ کے اصل بنیادی شبہے تین تھے ایک توحید کے متعلق۔ دوسرا نبوت کے متعلق، اور تیسرا معاد یعنی قیامت کے متعلق تو ان آیات میں پہلے شبہ یعنی انکار توحید کا بیان ہے کہ منکرین نے اعلان توحید سن کر بڑی قوت کے ساتھ اس کا رد کیا اور شرک ہی پر جمے رہنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہے اور یہ کہ نبوت کا اعلان کرنے والے اس شخص کا اپنا کوئی مقصد ومطلب معلوم ہوتا ہے، اور بظاہر اس بہانہ سے اپنی سرداری قائم کرنا چاہتا ہے اور ہم ان کو اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

بعض مفسرین نے ﴿اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ بیشک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد ﷺ ارادہ ہی کر چکے ہیں کفار مکہ کے اس پچھلے شبہ کے ذکر کے بعد دوسرا شبہ انکار رسالت کے متعلق آئندہ آیات میں ذکر فرمایا جارہا ہے۔

ءَ اُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا

کیا اسی پر اتری نصیحت ہم سب میں سے ف۱ کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی انہوں نے چکھی نہیں

کیا اسی پر اتری سمجھوتی ؟ ہم سب میں سے۔ کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں۔ کوئی نہیں ابھی چکھی نہیں

عَذَابِ ۞ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۞ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ

میری مار ف۲ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہربانی کے جو کہ زبردست ہے بخشنے والا یا ان کی حکومت ہے

میری مار۔ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہر کے ؟ جو زبردست ہے بخشنے والا۔ یا ان کی حکومت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۞ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ

آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے تو ان کو چاہیے کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر ف۳ ایک لشکر یہ بھی وہاں

آسمانوں میں اور زمین میں اور جو ان کے بیچ ہے تو چاہیئے چڑھ جائیں رسیاں تان کر۔ ایک لشکر یہ ہے وہاں

ف۱ یعنی اچھا قرآن کو اللہ کا کلام ہی مان لو اور یہ بھی نہ سہی کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا مگر یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا انتخاب ہوا۔ کیا سارے ملک میں ایک یہ ہی اس منصب کے لیے رہ گئے تھے؟ اور کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا۔

ف۲ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نامعقول یاوہ گوئی کا جواب ہوا۔ یعنی ان کی یہ خرافات کچھ نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ابھی ہماری نصیحت کے متعلق ان کو دھوکا لگا ہوا ہے۔ وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جارہا ہے وہ ضرور پیش آکر رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدائی مار کا مزہ نہیں چکھا۔ جس وقت خدائی مار پڑے گی تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔

ف۳ یعنی رحمت کے خزانے اور آسمان وزمین کی حکومت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ زبردست ہے اور بڑی بخشش والا ہے جس پر جو انعام چاہے کرے کون=

مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ⑫

تباہ ہوا ان سب لشکروں میں ف۱ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون میخوں والا ف۲

تباہ ہوا ان سب لشکروں میں۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے، نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور فرعون میخوں والا۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ ⑬ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ ف۳ وہ بڑی بڑی فوجیں یہ جتنے تھے سب نے یہی کیا کہ جھٹلایا رسولوں کو

اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ۔ وہ فوجیں۔ یہ جتنے تھے سب نے یہی جھٹلایا رسولوں کو،

فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ وَقَالُوْا رَبَّنَا

پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا ف۴ اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ مگر ایک چنگھاڑ کی جو بیچ میں دم نہ لے گی ف۵ اور کہتے ہیں اے رب

پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا۔ اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ بھی، مگر یہی ایک چنگھاڑ کی، جو بیچ میں دم نہ لے گی۔ اور کہتے ہیں اے رب

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯

جلد دے ہم کو چھٹی ہماری پہلے حساب کے دن سے ف۶

شتاب دے ہم کو چھٹی ہماری، پہلے حساب کے دن سے۔

تنبیہ وتوبیخ برانکار رسالت سید المرسلین ﷺ ومقابلہ قدرت رب العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ ... الی ... قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾

= روک سکتا ہے یا نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی بشر کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو تم دخل دینے والے کون ہو کہ صاحب اس پر یہ مہربانی فرمائی ہم پر نہ فرمائی۔ کیا رحمت کے خزانوں اور زمین و آسمان کی حکومت کے تم مالک و مختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے ہو۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب و وسائل کو کام میں لے آؤ۔ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ تاکہ وہاں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آنا بند کر سکو اور علویات پر قابض ہو کر اپنی مرضی و منشاء کے موافق آسمان و زمین کے انتظام و تدبیر کا انجام دے سکو۔ اگر اتنا نہیں کر سکتے تو آسمان و زمین کی حکومت اور خزائن رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بے حیائی یا جنون کے اور کیا ہوگا۔ ایاز قدر خود بشناس۔

ف۱ یعنی کچھ بھی نہیں۔ زمین و آسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو یہ بیچارے کیا ہوتے۔ چند ہزیمت خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ و برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ منظر "بدر" سے لے کر "فتح مکہ" تک لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اگلی قومیں برباد ہوئیں۔ اگر چڑھ جائیں تو ان میں ایک یہ بھی برباد ہوں۔" گویا اس آیت کا ربط ماقبل سے بتلا دیا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی بہت زور و قوت اور لاؤ لشکر والا جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑھ دیئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو چومیخا کر کے مارتا تھا اس سے اس کا نام ذوالاوتاد (میخوں والا) پڑ گیا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام جس کی طرف مبعوث ہوئے۔

ف۴ یعنی یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں اور رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں۔ تمہاری تو حقیقت کیا ہے۔

ف۵ یعنی صور کی آواز کے منتظر ہیں۔ پوری سزا اس وقت ملے گی۔ اور ممکن ہے "صیحہ" سے یہیں کی ایک ڈانٹ مراد ہو۔

ف۶ یعنی جب وعدہ قیامت سنتے مسخرا پن سے کہتے کہ ہم کو تو اس وقت کا حصہ ابھی دے دیجئے ابھی ہم اپنا اعمالنامہ دیکھ لیں اور ہاتھ کے ہاتھ سزا جزاء سے فارغ ہو جائیں۔

کفار مکہ کے دوسرے شبہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جارہا ہے ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا﴾ کیا نازل کیا گیا ہے یہ ذکر اور کتاب نصیحت یعنی قرآن ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر حالانکہ نہ یہ کوئی دولت مند ہے اور نہ کسی بستی کا سردار ہے حقیقت اس طرح نہیں ہے کہ اگر انکی خواہش کے مطابق قرآن کسی بستی کے سردار یا دولت مند پر اتارا جاتا تو یہ لوگ اسکی اتباع کر لیتے جیسے ان کا یہ قول قرآن کریم نے نقل کیا ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ کہ کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں مکہ اور طائف کے کسی بڑے سربرآوردہ شخص پر بلکہ ان لوگوں کا عقل وفہم سے بعید باتیں کرنا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ابھی ہمارا عذاب چکھا نہیں ہے اگر عذاب کا مزہ چکھ لیں تو ایسی سب باتیں بھول جائیں گے خدا کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل اور مہلت سے مغرور ومتکبر ہوگئے ہیں انسان کی یہ بڑی ہی غلطی ہے کہ خداوند عالم کے حلم و درگزر کو فراموش کر کے اسکے مقابلہ وشرکشی پر آمادہ ہوجائے ان کفار کا یہ احمقانہ قول کہ آپ ﷺ ہی پر وحی الٰہی کیوں نازل کی گئی ایک ناقابل عفو گستاخی ہے کیا انکے پاس اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو بڑا ہی غالب وزبردست اور خوب عطا کرنے والا ہے پھر یہ کون ہوتے ہیں کہ اللہ کے انعام ورحمت کو روک لیں یا اس پر کوئی نکتہ چینی کرے وہ اپنی حکمت و دانائی سے جس کسی بشر کو چاہے منصب نبوت ورسالت سے نواز دے یا ان کے پاس کیا حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ اسکے درمیان ہے اس بناء پر وہ اس بارے میں حجت بازی کر رہے ہیں، اور ایسا انداز اختیار کر رہے ہیں کہ وہ خدا کے فیصلوں کا مقابلہ کریں گے اگر بالفرض ایسا ہے تو ان کو چاہئے کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر اور جتنے بھی وسائل واسباب انکی قدرت میں ہیں سب کو کام میں لے آئیں اور وحی الٰہی جو ملاء اعلیٰ سے آپ ﷺ پر اترتی ہے علویات پر چڑھ کر اس کو روک دیں لیکن ایسا کچھ بھی نہیں آسمان وزمین کی حکومت اور وہاں کے خزائن کے مالک تو کیا ہوتے یہ تو ایک بھیڑ ہے اس جگہ جسکی شکست کا فیصلہ ہو چکا ہے ایسے ہی شکست خوردہ لشکروں سے یہ شکست خوردہ جماعت اللہ اور اسکے رسول کا کیا مقابلہ کرے گی ان سے پہلے جھٹلا چکی قوم نوح اور قوم عاد اور فرعون میخوں والا ● اور ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے ان سب نے ہی رسولوں کو جھٹلایا مگر انکی تکذیب وانکار سے نہ اللہ کے دین کو نقصان پہنچا اور نہ اسکے رسول ناکام ہوئے بلکہ میرا عذاب ہی ان پر ثابت ومسلط ہوا ان طاقتور قوموں کے عبرتناک واقعات سے چاہئے تو یہ تھا کہ اہل مکہ اپنی سرکشی سے باز آتے اور عبرت ونصیحت حاصل کرتے تامل وتردد کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہ تھی سمجھ میں نہیں آسکتا اب کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ اہل مکہ کسی چیز کا مگر ایک ایسی ہیبت ناک چیخ کا جس کے واسطے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اور ایک ہی لحہ میں سب یہ منکرین بڑی شدت کے ساتھ انکار ورد کر رہے ہیں یہی نہیں کہ ان حقائق سے عبرت پکڑتے، گستاخی کی یہ انتہا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو ہمارا پروانہ حساب

● مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تو ہاتھوں میں میخیں ٹھوک کر لٹکانے کا حکم کرتا اور اس کو اسی طرح لٹکایا جاتا عربی لغت کے اعتبار سے اوتاد جمع وتد کی ہے جسکے معنی میخ اور کھونٹی، بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں فرعون کی شان عظمت اور سلطنت کی پائیداری کا مفہوم ذکر کیا ہے کہ وہ کھونٹوں والا تھا یعنی اس نے اپنی سلطنت اور اقتدار کے کھونٹے گاڑ دیتے تھے بعض اہل لغت نے اوتاد بمعنی جنود یعنی لشکر کہا ہے تو ترجمہ لشکروں والا کیا جائے اور ظاہر ہے کہ فرعون کی فرعونیت ان تینوں صورتوں میں پائی جارہی ہے۔

کے دن سے پہلے ہی دیدے لیکن ظاہر ہے کہ یہ گستاخی اور تمسخر اسی وقت تک ہے جب تک عذاب اور قہر خداوندی نہیں اترتا اور جب قہر خداوندی نازل ہوگا تو ایک لحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے گی اسی طرح قیامت پر نفخ صور ہی انکو ایک لحہ کی مہلت نہ لینے دے گا۔

ان آیات میں منکرین کے انکار رسالت اور انکار قیامت کا رد کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی اور اس ضمن میں یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ آپ ﷺ کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والے ناکام و ذلیل ہوں گے اور اللہ رب العزت آپ ﷺ کو کامیابی و سربلندی عطا فرمائے گا اہل مکہ کا یہ کہنا کہ انہی پر کیوں وحی اتاری گئی اور قرآن کریم مکہ وطائف کے سرداروں میں سے کسی سردار پر کیوں نہ اتارا گیا مہمل اور بے معنی بات ہے کیا ان کے پاس رحمت کے خزائن ہیں اور یہ اسکے مالک ہیں کہ جس کو چاہیں رحمت سے نوازنے کے لئے مخصوص کردیں یا انکے پاس آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے کہ علویات سے نازل ہونے والی رحمتوں اور وحی کو روک سکتے ہیں اور زمین پر انکی حکمرانی ہے کہ عالم زمین پر اترنے والی وحی کو پیغمبر کی بجائے کسی دوسرے کیلئے مختص کردیں جب نہ یہ آسمان کی کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ فرشتوں کو وحی لانے سے روک سکتے ہیں نہ زمین پر کوئی تصرف کر سکتے ہیں تو پھر عقلاً ان لوگوں کا اس پر نکتہ چینی کرنا بے معنی اور احمقانہ فعل ہے حق تعالیٰ نے ان کی تعجیز و تحمیق کرتے ہوئے فرما دیا کہ یہ لوگ محض چند انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جن کے لئے شکست مقدر ہو چکی ہے چنانچہ یہ منظر بدر سے لے کر فتح مکہ تک دیکھ لیا گیا۔

لفظ ﴿جُندٌ مَّا هُنَالِكَ﴾ سے قریش کے لوگ ہی مراد ہیں لفظ ما کے متعلق بعض ائمہ نحو کی رائے یہ ہے کہ زائد ہے اور بعض کی رائے یہ ہے یہ تحقیر اور تقلیل کے لیے ہے قتادہ ؒ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس گروہ کے شکست کی خبر دی جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ تو اس خبر کے ساتھ سابقہ قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے والوں پر تنبیہ وتہدید کے ساتھ حجت قائم کردی۔

اس کے ساتھ انکار قیامت پر بھی رد کر دیا گیا کہ ان لوگوں کا یہ مطالبہ ﴿عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا﴾ کہ ہمارا پروانہ ہمیں جلدی ہی دے دیجئے یوم حساب سے پہلے ہی درحقیقت ایسا مطالبہ اور اس کی جرأت صرف اسی وجہ سے ہے کہ نہ خدا کی قدرت پر انکو ایمان ہے اور نہ قیامت کا یقین حافظ ابن کثیر ؒ اپنی تفسیر میں ابن عباس ؓ مجاہد ؒ ضحاک ؒ اور حسن بصری ؒ سے نقل کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ قتادہ ؒ نے یہ بھی بیان کیا یہ بات وہی ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار مکہ شقاوت و بدبختی سے یہ کہا کرتے تھے۔

اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ من السمآء او ئتنا بعذاب الیم۔

اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش کردے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آیئے۔

تو اس کا بھی رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ عذاب خداوندی کے نزول سے قبل کی باتیں ہیں، عذاب خداوندی جب بھی نازل ہوا کوئی قوم اس سے نہیں بچ سکی اسی طرح یہ لوگ بھی نہ عذاب سے بچ سکیں گے اور نہ ہی قیامت ٹل

سکے گی تو سورۃ صٓ کی ان ابتدائی آیات میں قرآنی عظمت وشرف کو بیان کرتے ہوئے پہلے توحید خداوندی کو ثابت کیا گیا اسکے بعد نبوت ورسالت کا اثبات اور مکذبین رسل کی تباہی وبربادی کا ذکر فرمایا گیا اوران واقعات ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ یعنی آپ ﷺ بھی اسی طرح صبر وتحمل کیجئے جیسا کہ آپ ﷺ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے صبر اور ہمت سے کام لیا اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ

تو تحمل کرتا رہ اس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو وہ تھا رجوع رہنے والا ف۱ ہم نے تابع کئے پہاڑ

تو سہتا رہ جو کہتے رہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد کو، ہاتھ کے بل والا، وہ تھا رجوع رہنے والا۔ ہم نے تابع کئے پہاڑ،

مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا

اس کے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو اور صبح کو ف۲ اور اڑتے جانور جمع ہو کر سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے ف۳ اور قوت دی ہم نے

اس کے ساتھ پاکی بولتے شام کو اور صبح کو۔ اور اڑتے جانور جمع ہو کر۔ سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے۔ اور زور دیا ہم نے

مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا

اس کی سلطنت کو ف۴ اور دی اس کو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا ف۵ اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کود کر آئے

اس کی سلطنت کو، اور دی اس کو تدبیر اور فیصلہ بات کا۔ اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی؟ جب دیوار کود کر آئے

الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا

عبادت خانہ میں جب گھس آئے داؤد کے پاس تو ان سے گھبرایا ف۶ وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے ایک نے

عبادت خانہ میں۔ جب پیٹھ آئے داؤد پاس تو ان سے گھبرایا، وہ بولے مت گھبرا۔ ہم دو جھگڑتے ہیں، زیادتی کی ہے ایک نے

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اس جگہ ان کو (داؤد کا قصہ) یاد دلوایا کہ انہوں نے بھی "طالوت" کے (عہد) حکومت میں بہت صبر کیا۔ آخر حکومت ان کو ملی اور (جالوت وغیرہ) مخالفوں کو جہاد سے زیر کیا۔ یہی نقشہ ہوا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔"

(تنبیہ) "ذا الاید" کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے "ہاتھ کے بل والا" کیا ہے۔ یعنی قوت سلطنت، یا ادھر اشارہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ یا "ہاتھ کا بل" یہ کہ سلطنت کا مال نہ کھاتے اپنے دست وبازو سے کسب کر کے کھاتے۔ اور "اواب" یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع رہتے تھے۔

ف۲ یعنی صبح وشام جب حضرت داؤد تسبیح پڑھتے، پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورۃ "سبا" میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف۳ یا سب اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف رجوع رہتے کما قال بعض المفسرین۔

ف۴ یعنی دنیا میں اس کی سلطنت کی دھاک بٹھلا دی تھی اور اپنی اعانت ونصرت سے مختلف قسم کی کثیر التعداد فوجیں دے کر خوب اقتدار جما دیا تھا۔

ف۵ یعنی بڑے مدبر ودانا تھے۔ ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ بہرحال حق تعالیٰ نے ان کو نبوت، حسن تدبیر، قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی وعملی کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن امتحان وابتلاء سے وہ بھی نہیں بچے۔ جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔

ف۶ حضرت داؤد نے تین دن کی باری رکھی تھی۔ ایک دن دربار اور فصل خصومات کا، ایک دن اپنے اہل وعیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خالص اللہ کی عبادت کا۔ اس دن خلوت میں رہتے تھے دربان کسی کو آنے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آ کھڑے =

عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ

دوسرے پر سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ ف۱ یہ جو ہے

دوسرے پر، سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا، اور دور نہ ڈال بات کو، اور بتادے ہم کو سیدھی راہ۔ یہ جو ہے

اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

بھائی ہے میرا اس کے یہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے یہاں ایک دنبی پھر کہتا ہے حوالہ کر دے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے

بھائی ہے میرا۔ اس کے ہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے ہاں ایک دنبی۔ پھر کہتا ہے، حوالے کردو مجھ کو وہ اور زبردستی کرتا ہے

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ

مجھ سے بات میں ف۲ بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں ف۳ اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں

مجھ سے بات میں۔ بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر، کہ مانگتا ہے تیری دنبی، ملانے کو اپنی دنبیوں میں۔ اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں

لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ

ایک دوسرے پر مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے ف۴ اور خیال میں آیا

ایک دوسرے پر، مگر جو یقین لائے اور کام کئے اچھے، اور تھوڑے لوگ ہیں ویسے۔ اور خیال میں آیا

دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا

داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام ف۵ اور اس کے لیے ہمارے پاس

داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا، پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے، اور گرا جھک کر اور رجوع ہوا۔ پھر ہم نے معاف کردیا اس کو وہ کام، اور اس کو ہمارے پاس

= ہوئے داؤد علیہ السلام باوجود اپنی قوت وشوکت کے یہ ناگہانی ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے۔ آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیواروں کو پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض اچانک یہ عجیب ومہیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف بٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے، قائم نہ رہ سکی۔

ف۱ آنے والوں نے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھائیے۔ ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے۔ کوئی بے راہی اور ٹالنے کی بات نہ ہو۔ ہم عدل وانصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں (شاید گفتگو کا یہ عنوان دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام اور زیادہ متعجب ہوئے ہوں)

ف۲ یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے ہاں صرف ایک دنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کرلے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے۔ جب بولتا ہے تو مجھ کو دبالیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملادیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لیے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔

ف۳ حضرت داؤد علیہ السلام نے بقاعدہ شریعت ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ بیشک (اگر یہ تیرا بھائی ایسا کرتا ہے تو) اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے۔ چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے (مطلب یہ کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے)

ف۴ یعنی شرکاء کی عادت ہے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی۔ قوی حصہ دار چاہتا ہے کہ ضعیف کو کھا جائے۔ صرف اللہ کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر وہ دنیا میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔

لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ

مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا ف۱ اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں

مرتبہ ہے، اور اچھا ٹھکانا۔ اے داؤد! ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں، سو تو حکومت کر لوگوں میں

ف۵ یعنی اس قصہ کے بعد داؤد کو تنبہ ہوا کہ میرے حق میں یہ ایک فتنہ اور امتحان تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اپنی خطا معاف کرانے کے لیے نہایت عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے جھک پڑے۔ آخر خدا نے ان کی وہ خطا معاف کر دی۔ داؤد علیہ السلام کی وہ خطا کیا تھی؟ جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کیے ہیں۔ مگر حافظ عماد الدین ابن کثیر ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ "قد ذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ۔" اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے باقی ابوحیان وغیرہ نے ان قصوں سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو محمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بناء پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح وتکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو۔ (یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے روز وشب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کی عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی، ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا۔ (ہزار کوشش کرے، نہیں نباہ سکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا۔ (یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا۔ دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے۔ بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے (اخرج ھذا الاثر الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذھبی فی التلخیص) یہ روایت بتلائی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہیے کہ جس وقت داؤد علیہ السلام عبادت میں مشتغل ہوں باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤد کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے۔ تب داؤد کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔ لفظ "فتنہ" کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہ بچپن میں قمیص پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھا لیا اور فرمایا صدق اللہ "انما اموالکم واولادکم فتنۃ" بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کرے کہتا ہے کہ "اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا۔" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھ کو توفیق دی۔" اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی، تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا۔" تو اللہ کہتا ہے" اور تو نے عمل کیا تو نے ارادہ کیا تو نے یہ نیکی کمائی۔" (مدارج السالکین: ۱/۹۹) اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشتغل نہ رہتے ہوں کیسے پسند آ سکتا تھا۔ بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے۔ اسی لیے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیے گئے تاکہ متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہ ہی ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسی مشہور قصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ موضح القرآن میں دیکھ لیا جائے۔

ف۱ یعنی بدستور مقرب بارگاہ ہیں اس غلطی سے تقرب اور مرتبہ میں فرق نہیں آیا۔ صرف تھوڑی سی تنبیہ کر دی گئی۔ کیونکہ مقربین کی چھوٹی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ "حسنات الابرار سیات المقربین"

گرچہ یک مو بدگنہ کو جستہ بود — لیک آں مو در دو دیدہ راستہ بود
بود آدم دیدہ نور قدیم — موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے

انصاف سے، اور نہ چل جی کی راہ پر، پھر تجھ کو بچلاوے اللہ کی راہ سے۔ مقرر جو لوگ بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے،

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶ ع ۱۱

ان کے لیے سخت عذاب ہے ف ۱ اس بات پر کہ بھلا دیا انہوں نے دن حساب کا ف ۲

ان کو سخت مار ہے، اس پر کہ بھلا دیا دن حساب کا۔

تلقین صبر وتسلی نبی کریم ﷺ بذکر قصہ حضرت داؤد علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ... الی ... بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾

ربط:...... ماقبل آیات میں مکذبین رسل کا انجام ہلاکت بیان فرمایا گیا اور یہ کہ بڑی قوت وطاقت اور پائیدار سلطنتیں اللہ کے رسولوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوسکیں تو یہ کفار مکہ اور قریش کے لوگ جن کے پاس نہ اس طرح کی طاقت وقوت ہے اور نہ حکومت وسلطنت کیسے نبی کریم ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب ہوجائیں گے تو بطور تسلی حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے فرمایا ﴿اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ﴾ اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کافر کہہ رہے ہیں کبھی استہزاء وتمسخر میں کبھی تردید وتکذیب اور کبھی تحقیر وتوہین کرتے ہوئے اور یاد کیجئے ہمارے بندہ داؤد کو جو بڑی ہی قوت وہمت والے تھے کہ انکے علم وحلم عزم وحوصلہ اور ریاضت وعمل کی قوت اور سلطنت وحکومت کے دبدبہ کی کوئی حد نہ تھی اور بیشک وہ خدا کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والے تھے کہ انکے اوقات ذکر وتسبیح اور عبادت میں مصروف رہتے نصف رات تہجد میں گزارتے اور ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا معمول بنایا ہوا تھا اور پھر قوت کا یہ عالم تھا جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا "وکان لایفر اذا لاقی" کہ دشمن سے مقابلہ ہوتا تو میدان چھوڑ کر بھاگتے نہ تھے اور اپنی خاص نعمتوں میں ایک نعمت سے اس طرح نوازا تھا کہ ہم نے پہاڑوں کو انکے تابع کر رکھا کہ تسبیح کیا کریں انکے ساتھ شریک ہو کر شام وصبح جو داؤد علیہ السلام کے خاص اوقات تھے ذکر وتسبیح کے اور اسی طرح پرندوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ بھی صبح وشام داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوا کریں جمع ہوکر (۱) اس وقت یہ جبال وطیور سب ہی

ف ۱ یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنالیا لہٰذا اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل وانصاف کے ساتھ شریعت الٰہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے۔ اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانا کہاں۔

ف ۲ یعنی عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لیے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (تنبیہ) ممکن ہے کہ "یوم الحساب" کا تعلق "لھم عذاب شدید" کے ساتھ ہو نسوا کے ساتھ نہ ہو یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہوگا حساب کے دن۔

(۱) "والطیر محشورۃ" کا ترجمہ جمع ہوکر عام اہل لغت اور مفسرین کی رائے کے مطابق ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں محشورۃ کا ترجمہ محبوسۃ کیا ہے یعنی پرندہ ہوا میں اڑتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح سن کر رک جاتے تھے اور انکے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہوجاتے اسی طرح اونچے اونچے پہاڑ بھی نغمہ =

داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونے والے تھے یہ کس قدر عظیم انعام تھا اور اللہ کی طرف سے داؤد علیہ السلام کی عظمت و عزت تھی کہ گویا انکے حلقہ ذکر میں صرف انسان نہیں ملائکہ کے ❶ علاوہ جبال وطیور بھی شامل ہوتے تھے اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ہم نے انکی حکومت و سلطنت کو مضبوط بنایا تھا اور مزید ؏ تیسری نعمت یہ کہ ہم نے انکو فیصلہ کن خطاب وگویائی کی قوت عطا کی تھی کہ ان کی بات نہایت ہی فصیح وبلیغ اور جامع ہوتی قوت دلائل سے ایسی محکم ہوتی کہ حق و باطل اور ظلم وانصاف کے درمیان فیصلہ کن ہوتی تھی یہ نہیں کہ سلطنت وحکومت کی رعونت میں ازخود رفتہ ہوکر حق وناحق کا فرق نہ کریں اور جو کچھ دل میں آئے بس اسی کو اپنی طاقت سے نافذ وجاری کردیں بلکہ عدل وانصاف احتیاط اور دلائل و اصول کے پورے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے بات فرماتے تھے چنانچہ انکے اس طرح کے واقعات میں سے اے ہمارے پیغمبر ﷺ کیا آپ ﷺ کو ان مقدمہ والوں کی خبر پہنچی جو محراب و دیوار، عبادت خانہ پھلانگ کر داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں گھس آئے حالانکہ پہرہ داروں کا زبردست پہرہ تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے تقسیم اوقات میں یہ دن عبادت کے لئے مخصوص کررکھا تھا اور ان پہروں کے باعث کسی کو جرأت نہ ہوسکتی تھی کہ اس طرح کوئی شخص انکی عبادت گاہ میں داخل ہوجائے اور انکی عبادت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ میں مخل بنے تو انکے اس طور سے داخل ہونے سے داؤد علیہ السلام گھبرا گئے کہ یہ کیسے پہنچ گئے خدا جانے یہ کون ہیں کیا مقصد لے کر آئے ہیں انکی اس گھبراہٹ کو دیکھ کر اہل مقدمہ بولے ڈرو نہیں، ہم تو ایک خصومت و جھگڑے والے ہیں جو اپنا مقدمہ لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے ہیں کسی دشمنی یا برے ارادہ سے نہیں آئے کہ آپ علیہ السلام گھبرائیں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیجئے اور ہمارے اس معاملہ میں کوئی ناانصافی اور کسی ایک کی طرف کسی طرح کا جھکاؤ اور جانبداری اختیار نہ کیجئے اور ہم کو سیدھے راستہ پر ڈال دیجئے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجازت پر اہل خصومت میں سے ایک نے کہنا شروع کیا اے داؤد! بات یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے باعتبار دین کے یا باعتبار تعلق وملاقات کے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے مجھے ہی اس کا کفیل اور ذمہ دار اور مالک بنادے اور اپنی منہ زوری سے بات کرنے میں مجھ پر غالب آگیا ہے کہ میری بات چلنے ہی نہیں دیتا اور نہ ہی بولنے کا موقع دیتا ہے جب بات شروع ہوتی ہے تو مجھے ہی دبالیتا ہے یہ صورت حال سن کر داؤد علیہ السلام نے کہا اس شخص نے تو بیشک تجھ پر ظلم کیا تیری ایک دنبی کو اپنی دنبیوں میں شامل کرلینے کا تجھ سے سوال کرکے حقیقت تو یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی اس فراخی اور وسعت کے ہوتے ہوئے تو یہ چاہئے تھا کہ اپنے بھائی پر تبرع واحسان کرتا جو تنگ دست ہے اور صرف ایک ہی دنبی کا مالک ہے اسکے برعکس یہ اپنے غریب بھائی کو اس سے بھی محروم کردینا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے دنیا میں ظلم وستم کا یہی حال ہوچکا ہے کہ بہت شرکاء ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کیا کرتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ اپنے ساتھی اور شریک کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں داؤد علیہ السلام نے یہ مضمون مظلوم کی تسلی اور حق کے تحفظ کے لیے فرمادیا اس قضیہ کے

= داؤدی کے ساتھ آواز بلند کرتے یہ تمام فضائل داؤد علیہ السلام کے معجزات نبوت تھے۔

❶ ملائکہ کے علاوہ کی قید اس وجہ سے واضح کی گئی کہ اللہ کے فرشتے تو ہر حلقہ ذکر میں موجود ہی ہوتے ہیں تو داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور شرف یہ تھا کہ اس حلقہ ذکر میں فرشتوں کے علاوہ پہاڑ اور پرندے بھی شامل ہوتے تھے۔ ۱۲

سننے میں اور اپنی بات کرنے میں کچھ وقت گزرا اور اس چیز کی بنا پر کہ ان کے طے کردہ وقت میں انہماک عبادت اور ذکر اللہ میں اشتغال کے بجائے ایک جھگڑے کی قسم نے خلل اور تشویش میں ڈالا خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے کہ دیکھیں کیسے صابر و متحمل ہیں کہ بلا اجازت عبادت گاہ اور خلوت میں آنے پر برافروختہ و ناراض تو نہیں ہوتے کہ اتنے بڑے بادشاہ کے خاص محل میں کس بے ڈھنگے پن سے گھس آئے اور یہ کہ عبادت کے اوقات مخصوص کرنے پر دل میں یہ جو خیال تھا کہ میں نے عبادت کا جو معمول بنایا ہے اس میں خلل نہیں ہوگا اور یہ بہت ہی اچھی صورت ہے تو سمجھ گئے کہ یہ میرا امتحان لیا گیا ہے اور قدرت خداوندی سے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ کسی بندہ کو اپنی عبادت یا پابندی اوقات پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے بغیر توفیق ومشیت خداوندی بندہ اپنے معمولات ایک روز بھی قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا پس فوراً ہی اپنے رب کے سامنے استغفار و توبہ کی اور گر پڑے سربسجود ہوتے ہوئے اور خاص طور پر خدا کی طرف رجوع کیا پس ہم نے معاف کر دیا اس چیز کو اور جو کمی صبر وتثبت کے مقام میں اس تخیل کی وجہ سے پیش آئی تھی اس کا تدارک کر دیا اور بیشک داؤد علیہ السلام کے واسطے تو ہمارے یہاں کا بہت ہی عظیم مقام اور عنایت ہی بہترین انجام و ٹھکانا ہے کہ ایک معمولی خیال پر اس قدر بے قراری و تضرع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں تائب ہوتے ہوئے سربسجود ہوگئے اور تل برابر چیز کو پہاڑ سمجھ لیا اور ظاہر ہے کہ مقربین کی یہی شان ہوتی ہے کہ معمولی سی کوتاہی ان کے واسطے بے چینی و بے قراری کا باعث ہوتی ہے اور انکی یہ بے قراری اور دعا و استغفار ان کے مقام کی اور بلندی کا باعث ہوتی ہے جب داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے اور انابت الی اللہ کا یہ بلند تر مقام ان سے ظاہر ہوا تو ہم نے انکی اس سعادت کو سراہتے ہوئے اعلان کر دیا اے داؤد علیہ السلام ہم نے بنا دیا تم کو زمین پر حاکم سو لوگوں کے درمیان تم حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہو جس طرح کہ اب تک کرتے رہے ہو اور آئندہ بھی نفس کی خواہش کی پیروی مت کرنا جیسا کہ پہلے بھی نفس کی خواہشات کی تم نے پیروی نہیں کی اس لیے کہ نفس کی خواہشات کی پیروی اگر تم نے کی تو وہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا اور بیشک جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں انکے واسطے سخت عذاب ہوگا اس بنا پر کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے اور ظاہر ہے کہ ہر طرح کی گمراہی اور عدل وانصاف سے انحراف اور کسی کی حق تلفی آخرت کی یاد بھلانے ہی کے باعث ہے اس معیار اور ضابطے کو اگرچہ خطاب داؤد علیہ السلام کے دوران بیان فرمایا گیا لیکن مراد دوسروں کو تنبیہ کرنا ہے جیسے کہ بعض مواقع میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب بنا کر دوسروں کو متنبہ کیا گیا۔

قصہ داؤد علیہ السلام

قرآن کریم کی ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف بطور کنایہ و رمز بیان کیا گیا ہے جس کے ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں دو خصومت کرنے والوں کا ایک مقدمہ لے کر آنا اور پھر اس مقدمہ میں باہمی معاملات میں ایک دوسرے پر تعدی کرنا اور اس پر حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ کہ یہ طریق ظلم و عدوان ہے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا توبہ و استغفار اور خدا کی بارگاہ کی طرف رجوع اور حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے مرتبہ کی عظمت و بلندی اور خلافت فی الارض کا انعام اور عدل وانصاف قائم کرنے کی تاکید نفس کی خواہشات سے اجتناب کا حکم اور نفس کی پیروی کا انجام گمراہی اور اس کا اصل سبب فکر آخرت سے قلب و دماغ کا خالی ہونا بیان فرمایا گیا۔

واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بعض غیر مستند اور بے اصل روایات

آیات متذکرہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کا اجمالاً و اشارۃً ذکر فرمایا گیا ہے اس کی تفسیر وتشریح میں بعض مفسرین نے ایک قصہ بروایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے جسکو بعد کے مفسرین نے بھی اپنی تفاسیر میں نقل کیا اس وجہ سے وہ شہرت پذیر ہوگیا حالانکہ وہ قصہ نہ روایۃً صحیح ہے بلکہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور نہ عقلاً اس کے تصور کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بلا شبہ وہ قصہ نہایت ہی بے ہودہ کہانی ہے جس کا قرآن کریم خود اپنے سیاق وسباق سے انکار کرتا ہے۔

اس حدیث خرافہ اور لغو قصہ کا حاصل یہ ہے ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام اپنے خلوت خانہ میں ذکر وعبادت میں مشغول تھے کہ ایک خوبصورت کبوتر اڑ کر سامنے آیا آپ علیہ السلام نے اس کو عجیب وغریب پا کر اس کے پکڑنے کا ارادہ کیا تو وہ ایک سوراخ سے نکل کر اڑ گیا حضرت داؤد علیہ السلام دریچہ سے جب اس کو جھانکنے لگے تو ایک حسین وجمیل عورت پر نظر پڑی جو غسل کر رہی تھی اس کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اوریاہ کی بیوی ہے جو آپ علیہ السلام کے ایک لشکر کا سپہ سالار ہے اور جو آج کل کسی جہاد میں باہر گیا ہوا ہے آپ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال ہوا کہ اگر یہ سپاہی مارا جائے تو میں اس کی بیوی سے نکاح کرلوں اس لئے آپ علیہ السلام نے فوج کو یہ حکم بھیجا کہ اوریا کو تابوت سکینہ کے آگے رکھا جائے تابوت سکینہ کے سامنے جو سپہ سالار رہتا اس کے لئے امکان نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر میدان جہاد سے بھاگ جائے اس کے ذمہ تھا کہ وہ اسی کے ساتھ رہے یا فتح ہوجائے یا وہ شہید ہوجائے اس طرح اوریاہ کسی غزوہ میں شہید ہوگیا تو اسکی بیوی سے حضرت داؤد علیہ السلام نے نکاح کرلیا حالانکہ اس سے پہلے ان کی بہت سی بیویاں تھیں ظاہر ہے کہ خداوند عالم کو یہ کام ان کی شایان شان نہیں معلوم ہوا تو انکو اس پر متنبہ کرنے کے لئے دو فرشتے بصورت مدعی اور مدعا علیہ بھیجے حقیقت میں ان کے درمیان نہ کوئی جھگڑا تھا اور نہ وہ کسی مقدمہ کے فیصلہ کے واسطے آئے تھے اور نہ ان میں سے ایک کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں اور نہ دوسرے کے پاس ایک انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنے کے لئے اس طرح کا مقدمہ بنا کر پیش کیا کہ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے اور یہ مجھ کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ یہ ایک بھی میں اس کو دیدوں حالانکہ اس کے پاس تو پہلے ہی بہت سی ہیں اور میرے پاس تو صرف ایک ہی ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ تو کردیا کہ یہ مطالبہ نہایت ہی ظالمانہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اکثر شرکاء اپنے نفس کے تقاضے سے یہی روش اختیار کرتے ہیں مگر اس فیصلہ کے ساتھ فوراً یہ احساس ہوا کہ یہ قصہ تو مجھ ہی پر منطبق ہو رہا ہے میں نے کثیر الازواج ہونے کے باوجود اوریاہ کی عورت سے نکاح کرلیا جو اس کی ایک ہی بیوی تھی چنانچہ اس پر متنبہ ہو کر توبہ واستغفار میں مصروف ہوگئے جس کے بعد خدا نے ان کی مغفرت اور ان کی اس غلطی کو معاف کیا۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

یہ قصہ سرتا پا غلط بے اصل اور قطعاً اللہ کے پیغمبر پر عظیم افتراء و بہتان ہے اصل میں اسرائیلیات اور یہود سے نقل شدہ یہ قصہ ہے جس کو بعض مفسرین نے اپنی کتابوں میں درج کردیا اصول دین کے سراسر خلاف ہے جس کا زبان پر لانا حرام ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ ان میں اکثر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

اکثرها ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیها عن المعصوم حدیث لکن روی ابن ابی حاتم ههنا حدیثا لا یصح سنده لانه من روایة یزید ویزید وان کان من الصالحین لکنه ضعیف الحدیث عند الائمة

اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث، پیغمبر معصوم علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے البتہ ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں کیونکہ وہ باسناد یزید الرقاشی انس بن مالک میں سے ہے اور یہ شخص اگرچہ صالحین میں سے ہے مگر باجماع ائمہ محدثین ضعیف الحدیث اور ساقط الاعتبار ہے۔

تفسیر خازن میں بھی اسکی تصریح کی ہے اور باسناد سعید بن المسیب رحمہ اللہ اور حارث اعور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے۔

انه قال من حدثکم بحدیث داؤد علی مایرویه القصاص جلدته مأة وستین جلدة وهو حد الفریة علی الانبیاء۔

انہوں نے فرمایا جو شخص تم سے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ قصہ بیان کرے گا جس کو عام طور پر واعظین بیان کرتے ہیں میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔

مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا اصل ماخذ کتاب اصمویل ہے اور آج تک خود اہل کتاب کو بھی اس کتاب کا پورا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے وہ بحیثیت ایک تاریخ کی کتاب کے یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بلا وجہ الہامی کتاب فرض کر لیا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس قصہ کی تردید وابطال پر نہایت مفصل کلام کیا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے ان آیات کی تفسیر اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی توضیح میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن: ۱۵/ ۱۷۶ میں طبری رحمہ اللہ کی روایت سے امام ابوالسعود رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح تفسیر در منثور: ۵/ ۳۰۰ میں تفسیر روح البیان ص ۱۹ اور تفسیر مواہب الرحمن: ۲۳/ ۱۴۲ میں اس قصہ مذکورہ کے علاوہ اور اقوال ذکر کیے ہیں مثلاً یہ کہ وہ عورت اوریاہ کی مخطوبہ تھی نہ کہ منکوحہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو علم نہ تھا اس عورت کے لیے کوئی خطبہ اور پیغام پہلے سے ہے اور لاعلمی میں پیغام دے دیا تو اس پر یہ عتاب ہوا کہ پہلے تحقیق کر لینی چاہئے بے تحقیق پیغام دینا نبوت کے خلاف ہے لیکن ان میں بھی تکلف ہے [1]۔ اور روایتی حیثیت سے بھی انکی صحت ثابت نہیں ہوتی نیز شریعت کے اصول سے بھی ان اقوال پر آیات کی تفسیر مشکل ہے شرح فقہ اکبر میں بھی امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ سے ایک قول نقل کیا گیا ہے لیکن اس پر بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی شان نبوت کے لحاظ سے قلب مطمئن نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان تمام

[1] تفسیر قرطبی: ۱۵/ ۱۷۶

اقوال سے اعراض وکنارہ کشی کرتے ہوئے سکوت اختیار کیا حضرات اہل علم ان اقوال کی تفصیل کے لئے ان تفاسیر کی مراجعت فرمالیں بعض مفسرین نے اس قصہ کے تتمہ اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرات کے درجہ میں یہی بعض روایات اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی روح المعانی: ۲۳/۱۶۷ پر ایسی بعض روایات حضرات قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں محدثین کے نزدیک انکی سندیں معتبر وحجت نہیں۔ روایتی لحاظ سے اس قصہ کا لغو اور باطل ہونا تو ظاہر ہے ہی مگر انسانی عقل بھی اس بات کے تصور سے انکار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر سے ایسی ناپسندیدہ اور ذلیل ترین حرکتیں واقع ہوں وہ برگزیدہ پیغمبر جو امت کے واسطے ہادی ومصلح ہوں امت کے اعمال واخلاق کو پاکیزہ بنانا انکی زندگی کا نصب العین ہو بھلا یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس طرح کی ذلیل اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں کریں کہ کسی اجنبی عورت کو برہنہ دیکھنا پھر اس پر فریفتہ ہوجانا پھر ایک خاص حیلہ اور تدبیر سے اسکے شوہر کو شہید کرادینا اور اس کے بعد اس عورت کو اپنے نکاح میں لے آنا یہ باتیں تو کسی معمولی سے ایمان وتقویٰ رکھنے والے شخص سے بھی بعید ہیں چہ جائیکہ وہ جلیل القدر ہستیاں جن کے اوصاف وفضائل کی بلندی کی کوئی انتہا نہیں جن کی پہلی فضیلت تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو صبر کا حکم دیتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کو یاد کرنے اور ان کے اسوہ کو نمونہ بنانے کا حکم دیا گیا پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو عبدنا ہمارا بندہ جیسے پاکیزہ لقب سے یاد کیا گیا گویا اس عنوان نے ان میں عبدیت کے تمام اوصاف کاملہ وفاضلہ کو بیان کردیا یہ عنوان تو وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے لئے معراج جیسے عظمت والے قصہ کے ساتھ اختیار کیا گیا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ ان کو ﴿ذَا الْاَیْدِ﴾ قوت وعزم والا فرمایا ان کو ﴿اَوَّابٌ﴾ خدا کی طرف رجوع کرنے والا فرمایا نیز انکی فضیلت یہ کہ پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے ذکر وتسبیح کے ساتھ تابع ومسخر کردیا گیا ﴿وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً﴾ کے پرند بھی جمع ہوکر ان کے ذکر میں شامل ہوتے ان کے ملک وسلطنت کا استحکام وقوت انکو حکمت دیا جانا ''فصل خطاب'' کی نعمت سے نوازا جانا مغفرت خداوندی مرتبہ کا قرب جس کو ﴿وَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی﴾ میں بیان کیا اور اخیر میں انجام کی خوبی کا اعلان کیا گیا پھر ان سب چیزوں کے بعد خلافت فی الارض کا اعزاز جس کو ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ﴾ سے ذکر کیا گیا ہے تو کیا یہ قابل تصور امر ہے کہ جس ذات مقدس کی یہ فضیلتیں ہوں ایسے عظیم انعامات اور علمی وعملی کمالات سے نوازا گیا ہو جس کے لیے اعلان ہو خلافت ارض کا اللہ کے نزدیک مرتبہ کی بلندی اور انجام کی خوبی کی بشارت ہو دنیا میں کوئی عقل رکھنے والا انسان بیان کردہ قصہ کی ذلیل باتوں کا ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی ج ۲۳ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ایک نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اس آیت ﴿وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ کی تفسیر میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش الٰہی کے سامنے لاکر کھڑا کیا جائے گا پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا اے داؤد علیہ السلام آج اس وقت تم میری تسبیح اور کبریائی اسی لحن اور آواز سے بیان کرو جس آواز سے دنیا میں بیان کرتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار وہ بات تو دنیا کی زندگی میں تھی جواب نہیں رہی حق تعالیٰ فرمائیں گے میں وہی صوت تم کو واپس کرتا ہوں اور وہی لحن داؤدی جس سے دنیا میں پہاڑ اور پرند تمہارے ہمنوا ہوجایا کرتے تھے تم کو عطا کرتا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام ذکر تسبیح شروع کریں گے جس سے تمام جنتی بے خود ہوجائیں گے۔

پھر ان تمام وجوہ فضیلت کے علاوہ ایک عظمت و برتری کی وجہ یہ بھی قرآن کریم کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ اس قصہ کو حق تعالیٰ نے اس عنوان سے ذکر فرمایا ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ تو یہ عنوان بالکل ایسا ہی ہے جیسا ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ کہ اے ہمارے پیغمبر کیا آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو انکے پروردگار نے وادی مقدس طویٰ میں پکارا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ﴿نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ جو داؤد علیہ السلام کا بیان کیا گیا وہ عظمت وفضیلت وتقدس کے عنوان سے بیان کیا جارہا ہے ہرگز وہ ایسا فحش اور بے ہودہ واقعہ نہیں ہوسکتا جس سے ہر حیا رکھنے والا انسان نفرت کرتا ہو اور کیا قرآنی عظمت اس بات کو گوارہ کرتی ہے کہ ایسا قصہ اس اہمیت وخصوصیت سے بیان کیا جائے غرض کسی نوعیت سے بھی اس مشہور کردہ واقعہ کی صحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

آیات مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی صفات کمال

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دس صفات کمال بیان کیں اور اس کے بعد ﴿هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ کے عنوان سے یہ قصہ ذکر فرمایا ہے جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی مدح وثنا اور تعظیم مقصود ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے اور، اوریاہ شوہر کے قتل کا قصہ جو اسرائیلیات سے نقل کیا گیا ہے وہ سراسر باطل ہے کیونکہ یہ قصہ ان دس صفات کمال کے صریح خلاف ہے جو اللہ نے ان کی مدح وثنا اور منقبت میں بیان کیا ہیں جن کی تفصیل گزر چکی یہ قصہ تو کسی بدتر فاسق وفاجر کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہر سننے والا اس سے نفرت وبیزاری ظاہر کرے گا اور صاحب قصہ پر لعنت بھیجے گا لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کے برگزیدہ پیغمبر معصوم کی طرف ایسے قابل نفرت واقعہ کی نسبت کی جائے۔ دوم۔ یہ کہ اس قصہ کا تو حاصل یہ ہے کہ صاحب واقعہ ایسا شخص ہے کہ نفس کی خواہش اور طمع نے اس کو اس قدر ایمانی شعور سے بعید کر ڈالا ہے کہ اس کو کسی کے قتل کے ارتکاب میں اور اس کے بعد اسکی بیوی کو حاصل کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ جو چیز کسی ادنیٰ مومن کے لیے بھی قابل تصور نہ ہو وہ نبی معصوم کے حق میں کیسے تصور کی جاسکتی ہے۔ سوم۔ یہ کہ ایسا کام کرنے والا تو نفس اور شہوت کا بندہ ہوا نہ کہ اللہ کا بندہ وہ کیونکر اس لائق ہوسکتا ہے کہ خدا اس کو یوں کہے "ہمارا بندہ"۔ چہارم۔ یہ کہ جو شخص کسی کی عورت کو دیکھ کر بے صبر اور بے قابو ہوجائے تو ایسے واقعہ کو خداوند عالم اپنے پیغمبر کو صبر کی تعلیم وتلقین کے طور پر کیسے بیان فرماسکتا ہے اور یہ کہنا کیونکر ممکن ہوتا۔ ﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا﴾ کہ آپ ﷺ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کہہ رہے ہیں سوال ہوگا کہ کیا صبر کی تعلیم وتلقین کے موقع پر ایسا ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور کیا ایسا ہی صبر کیا جائے جیسا کہ اس صاحب واقعہ نے صبر کیا۔ "استغفر اللہ"۔ پنجم۔ یہ کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو یہ فرمایا گیا ہے یہ ہیں وہ انبیاء جن کو خدا نے ہدایت دی ہے تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ بھی انکی اقتداء کیجئے تو کیا ایسے شخص کی اقتداء کا حکم دیا جانا ممکن ہے۔ ششم۔ یہ کہ ان کو ﴿ذَا الْاَيْدِ﴾ قوت وطاقت والا کہا گیا جو شخص اپنے نفس پر ہی قابو نہ پاسکے وہ کہاں سے طاقت والا ہوا اور کہاں اس قابل ہوا کہ قرآن کریم میں اس کو قوت وہمت والا کہہ کر متعارف کرایا جائے۔ ہفتم۔ یہ کہ ان کو ﴿اَوَّابٌ﴾ خدا کی طرف رجوع کرنے والا فرمایا گیا تو یہ قصہ تو ظاہر کرتا ہے کہ وہ صاحب واقعہ

فسق وفجور کی طرف رجوع کرنے والا تھا نہ کہ اللہ اور اسکی اطاعت وبندگی کی جانب اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کا تو اللہ کی طرف رجوع وانابت کا یہ مقام فرمایا گیا کہ پہاڑ اور پرند بھی انکی تسبیح کے ساتھ ہمنوا ہوتے تو کیا جو شخص کسی کی جان اور عزت وآبرو کی پروا نہ رکھتا ہو وہ اس کرامت وعظمت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ ہشتم۔ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ملک کو اللہ نے فرمایا ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ﴾ کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کیا تھا تو جس ملک میں قتل اور فسق وفجور سے امن نہ ہو اور کسی کی جان وآبرو کا تحفظ نہ ہوسکے تو ہر گز وہ ملک مضبوط نہیں ہوسکتا۔ نہم: یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں فرمایا گیا ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ﴾ کہ ہم نے ان کو علم ومعرفت اور حکمت سے نوازا تھا اور حکمت نام ہے کمالات علمیہ اور عملیہ کا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو اس قسم کے افعال کا مرتکب ہو وہ حکیم (صاحب حکمت) کیونکر ہوسکتا ہے۔ دہم: یہ کہ ان کے حق میں فصل الخطاب یعنی فیصل کن بات کہنے کی قوت وصلاحیت دی کہ ہر بات عدل وانصاف کی ترازو میں تلی ہوئی ہو تو کیا ایسا شخص جو اس قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہو اس کو یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ہر بات عدل وانصاف کی ترازو میں تلی ہوئی ہے۔

بہر کیف یہ دس وجوہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی صفات فاضلہ وہ ہیں جن کو نہایت صراحت کے ساتھ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے پھر یہ کہ کلام کی ابتداء ان کی مدح وثنا سے اور انتہا ایسی بے پایاں عنایات نوازش سے کہ ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ بیشک ان کے واسطے ہمارے یہاں عنایت ہی قرب وفضیلت کا درجہ ہے اور بہترین انجام ہے اور آخر یہ کہ خلافت برحق کے اعزاز سے نواز دیا گیا تو ان وجوہ کے پیش نظر یہ بات بلاتردد تامل تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہ قصہ محض یہودیوں کا من گھڑت افسانہ ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ کے اولوالعزم پیغمبروں کے تقدس کو پامال کرنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے جمہور مفسرین اور محققین علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ واقعہ بلاشبہ کذب اور افتراء ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ، قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، قاضی عیاض رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ، علامہ ابوحیان رحمہ اللہ، زمخشری رحمہ اللہ، علامہ خازن رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ، علامہ خفاجی رحمہ اللہ، شیخ احمد بن نصر رحمہ اللہ اور متاخرین مفسرین میں علامہ محمود آلوسی البغدادی رحمہ اللہ صاحب تفسیر روح المعانی غرض ہر قرن اور دور کے مفسرین اس قصہ کے کذب وافتراء ہونے پر اتفاق کرتے رہے ہیں اور حافظ ابومحمد ابن حزم رحمہ اللہ نے تو اپنی کتاب "الفصل" میں بڑی شدت کے ساتھ اس قصہ اور اس کے قریب جو باتیں بعض مفسرین نے بیان کیں انکی تردید کی ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات قطعی ہے کہ یہ قصہ عصمت انبیاء کے منافی ہے اور عصمت انبیاء دین کی بنیاد ہے ظاہر ہے کہ اللہ کا دین اسکے احکام انبیاء ہی کے ذریعے تو بندوں تک پہنچتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام خدا کے سفیر اور نمائندہ ہوتے ہیں اگر وہ معصوم نہ ہوں تو پھر ان کی سفارت ہی کہاں سے قابل اعتماد ہوسکتی ہے اور ان کے لائے ہوئے احکام اور ان کا اسوۂ ہدایت اور فلاح وسعادت کیونکر ہوسکتا ہے عصمت انبیاء کا مسئلہ تو ایسے اصول مسلمہ میں سے ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا روایت کی تشریح اور واقعہ کی توضیح وتفصیل میں اس کو ایک لحہ کیلئے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض یہ ہیں وہ دلائل اور وجوہ جن کے پیش نظر ان آیات کی تفسیر میں اس قصہ یا اس کے قریب دیگر ایسی روایات

کو کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں تصور کیا جاسکتا یقیناً ان تمام آیات کی تفسیر اس قصہ سے ہٹ کر ہی کی جائے گی۔

تفسیر آیات مشتملہ بر قصہ داؤد علیہ السلام

گزشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ چیز تو واضح ہوگئی کہ یہ قصہ جو بعض مفسرین کی کتابوں میں مذکور ہونے کی وجہ سے مشہور ہوگیا لغو اور بے اصل بلکہ اصول شریعت اور خود قرآن کریم کی تصریحات کے قطعاً منافی ہے۔ اس کے بعد اب ہم ان آیات کی تفسیر وتوضیح کی طرف حق تعالیٰ کی توفیق واعانت سے متوجہ ہوتے ہیں جو روایت ودرایت اور اصول شریعت کے بھی مطابق ہو کہ اصل مقصد بیان اور سیاق وسباق سے ربط بھی معلوم ہوجائے اور یہ بھی معلوم ہوجائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے مقدمہ پیش کرنیوالے کون تھے اور مقدمہ کے فیصلہ پر حضرت داؤد علیہ السلام کے اس گمان کا کیا مطلب ہے کہ انکی آزمائش کی گئی ہے اور اس پر تو بہ واستغفار میں منہمک ہوجانا کس وجہ سے تھا پھر یہ کہ اخیر میں بیان کردہ ثمرہ ونتیجہ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ کس طرح بیان کردہ اس واقعہ پر مرتب ہورہا ہے۔ وباللہ التوفیق وھو یھدی الی الحق والی صراط مستقیم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور امام رازی رحمہ اللہ کی اختیار کردہ تحقیق کے پیش نظر آیات مذکورہ کی مراد اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتداء سورت میں قرآن کریم کی عزت وعظمت کو بیان فرمایا اور اس کے بالمقابل کفار مکہ کے مہمل اور بے ہودہ اعتراضات کا رد فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں اور یاد کیجئے ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو کہ یہ اپنی تمام تر عظمتوں دینی ودنیوی عزتوں کے باوجود کیسے صابر اور اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنے والے تھے ان کے صبر کا تو یہ عالم تھا کہ کسی بھی نامناسب بات یا کسی طرف سے بے ادبی یا تکلیف دہ چیز پر انتہائی حلم اور صبر کا معاملہ کرتے حالانکہ خدا تعالیٰ نے انکو ایسی سلطنت اور دبدبہ دیا تھا کہ وہ کسی بھی کوتاہی اور لغزش کی جو چاہتے سزا دیتے یا توبیخ وتنبیہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ جب کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ناگہاں دو شخص ایک خصومت وجھگڑا لے کر انکے عبادت خانہ کی محراب پھلاند کر اندر پہنچ گئے جب کہ وہ دن داؤد علیہ السلام کی عبادت کا تھا کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ لوگ غیر اصولی طریقہ سے بلا اجازت دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اس پر داؤد علیہ السلام طبعی طور پر گھبرائے تو بیشک کہ یہ کون ہیں کیسے اندر آگئے اور کیا ارادہ ہے ان خیالات سے گھبراہٹ طبعی امر ہے لیکن صبر وتحمل سے کام لیا نہ انکی بے قاعدگی پر تنبیہ کی اور نہ ہی کوئی سزا دی حالانکہ دنیا کے معمولی حکام اور بادشاہ بھی بلا اجازت اس طرح گھس آنے والوں کو برافروختہ ہوکر عتاب وملامت کا مورد ہی نہیں بلکہ سزا بھی دیتے ہیں ان دونوں نے آکر اپنی خصومت بیان کرنی شروع کی اور یہ مقدمہ کوئی حقیقی خصومت نہ تھی بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے من جانب اللہ ایک امتحان وآزمائش وتنبیہ کے طور پر دو فرشتوں کو بصورت مدعی ومدعیٰ علیہ بھیجا گیا تاکہ جو ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام کو ایک خیال اعجاب وخود پسندی کے درجہ میں واقع ہوا تھا اس پر تنبیہ ہوجائے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں ایک بار محض اللہ کے انعام کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا اے پروردگار! حضرت داؤد علیہ السلام کے

گھرانہ میں رات اور دن میں سے کوئی ساعت ایسی نہیں گزرتی جس میں آل داؤد میں سے کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (نماز، ذکر و تسبیح) میں مشغول نہ رہتا ہو کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو اپنے گھر والوں پر نوبت نوبت عبادت کے لیے اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے ان کا عبادت خانہ عبادت سے خالی نہ رہنے پائے اور خود اپنی ذات کے لیے دن مقرر کر رکھے تھے اور جو دن عبادت کا مقرر تھا اس میں اس کے سوا اور کوئی کام انجام نہ دیتے ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ یہ میرا احسن انتظام ہے کہ میں نے اپنے معمولات کو کیسا مرتب کر رکھا ہے کہ اس میں بحمد اللہ کوئی خلل نہیں آتا اللہ رب العزت کو یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام کے مقام کے لحاظ سے ناپسند ہوئی اس بات میں اگرچہ اللہ ہی کا شکر تھا اور اسکی حمد و تعریف تھی مگر پھر ایک طرح اعجاب و خود پسندی کا شائبہ تھا انبیاء علیہم السلام کا مقام اس قدر عالی و بلند تر ہوتا ہے کہ یہ معمولی شائبہ بھی خدا کو ناپسند ہوا کیونکہ بڑوں کی معمولی اور چھوٹی بات بھی بڑی اور قابل گرفت سمجھی جاتی[1] ہے۔

بعض روایات میں ہے ارشاد ہوا اے داؤد علیہ السلام! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر ہماری توفیق و مدد شامل حال نہ ہو تو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا خواہ ہزار کوشش کرلے اور نہ ہی نبھا سکے گا قسم ہے میری عظمت و جلال کی میں ایک روز تجھ کو اپنے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا) پھر دیکھنا کہاں تک تو اپنی عبادت و معمول کو برقرار رکھ سکتا ہے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے پس اسی روز قدرت خداوندی سے یہ معاملہ پیش آیا اور اس طرح اس آزمائش میں مبتلا کیے گئے چنانچہ وہ فریقین ایک خصومت لے کر اندر گھس آئے اور ایک نے دوسرے کے ظلم و تعدی کی داستان بیان کرنی شروع کر دی اس کے سننے کے بعد یہ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ کہ اے شخص بیشک تیرے ساتھی نے تجھ پر ظلم کیا اس بات کا مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی بھی اپنی دنبیوں میں شامل کرلے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے شرکاء اسی طرح ایک دوسرے پر ظلم کیا کرتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور عمل کریں تو اس طرح کی بات چیت اور مقدمہ کے سننے میں اور اس پر اس طرح کے اظہار خیال میں سلسلہ عبادت منقطع ہوگیا اور وہ معمول برقرار نہ رہ سکا جس پر وہ ایک نوع کا خیال آیا تھا فوراً ہی چونک گئے اور سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف سے میری آزمائش تھی جس کے ذریعہ مجھے یہ دکھلایا گیا کہ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی بھی اپنے معمول و عبادت کو بغیر توفیق اور مدد خداوندی باقی نہیں رکھ سکتا[2]۔ حالانکہ پہرے دار تھے پوری حفاظت و نگرانی تھی معمول مقرر تھا اور اس پر پابند بھی تھے لیکن ناگہاں کس طرح دو شخص تمام انتظامات کو درہم برہم کر کے اندر داخل ہوگئے اور اپنی خصومت و گفتگو میں مصروف کر کے عبادت میں انقطاع و خلل پیدا کر دیا اسی چیز کو فتنہ و آزمائش کے عنوان

---

[1] شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مدارج السالکین ص ۹۹ ج ۱ فرمایا بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے یہ کہتا ہے کہ اے پروردگار میں نے یہ کام کیا میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی میں نے کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور میں نے تیری مدد کی میں نے تجھ کو توفیق دی" اور جب بندہ کہتا ہے اے پروردگار تو نے میری مدد کی تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے" اور تو نے عمل کیا، تو نے ارادہ کیا، تو نے یہ نیکی کی"۔ (فوائد قرآن کریم شیخ الاسلام)

[2] حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس روایت کو بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اس کو درست قرار دیا۔

سے ﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾ میں تعبیر کیا گیا لفظ فتنة کا اطلاق اس جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک حدیث ❶ میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن خطبہ دے رہے تھے سامنے نظر پڑی حسن وحسین ؓ بچپن میں جس طرح بچے قمیص میں لڑکھڑاتے پھرتے ہیں اسی طرح سامنے سے آ رہے ہیں آپ ﷺ سے صبر نہ ہوسکا خطبہ قطع کیا منبر سے اترے اور انکو اٹھالیا اور پھر ارشاد فرمایا صدق اللہ انما اموالکم واولادکم فتنة۔ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ یہ آ رہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا یہاں تک کہ مجھے اپنی بات قطع کرنا پڑی تو جیسے یہاں حضور اکرم ﷺ نے بچوں پر نظر پڑنے اور اس وجہ سے خطبہ کو کچھ لمحہ کے لئے روک دینے کو فتنة سے تعبیر کیا بالکل ایسا ہی یہاں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عبادت میں خلل و انقطاع کو فتنہ سمجھا اور خداوند عالم نے انکے اس تاثر اور تخیل کی اسی لفظ کے ساتھ تعبیر کردی ﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ گھبرا گئے اور فوراً توبہ واستغفار میں مصروف ہوگئے اور اس قدر انابت الی اللہ کا رنگ غالب آیا کہ سربسجود ہوئے بارگاہ خداوندی میں تضرع وزاری کرنے لگے اسی کیفیت کو بیان فرمایا جارہا ہے، ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ ظاہر ہے کہ ایسی معمولی چوک پر یہ آہ وزاری اور سجدہ میں گر پڑنا اور توبہ و استغفار میں مصروف ہوجانا بہت ہی عظیم مقام ہے خشیت خداوندی اور انابت الی اللہ کا۔ اس توبہ واستغفار کی عظمت اور سجود وانابت الی اللہ کا مقام اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے فرمایا ایک شخص ❷ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا یارسول اللہ ﷺ آج رات میں نے اپنے کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ ایک درخت کے پیچھے کھڑا نماز پڑھ رہا ہوں میں نے سجدہ کیا تو درخت بھی میرے ساتھ سجدہ میں گر پڑا میں نے یہ سنا درخت یہ تسبیح پڑھ رہا ہے۔ اللهم اكتب لي بها عندك اجرا وحط عني بها وزرا واجعلها لي عندك ذخرا وتقبلها مني كما تقبلت من عبدك داؤد عليه السلام۔ اے اللہ تو اس سجدہ کی وجہ سے اپنے یہاں میرے لیے ایک اجر لکھ دے اور اسکی وجہ سے ایک گناہ معاف فرمادے اور اپنے یہاں اس سجدہ کو میرے واسطے ذخیرہ بنالے اور تو اس سجدہ کو ایسا ہی قبول فرمالے جیسا کہ تونے اپنے بندہ داؤد علیہ السلام سے قبول کیا ابن عباس ؓ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے یہ خواب سنتے ہی آیت سجدہ تلاوت فرمائی (بظاہر یہی آیت سجدہ تلاوت فرمائی ہوگی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ پر مشتمل ہے یعنی ﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ اور پھر سربسجود ہوئے اور میں نے سنا آپ ﷺ وہی کلمات پڑھ رہے ہیں جو اس شخص نے درخت سے سنے ہوئے الفاظ نقل کیے تھے اسی حد تک بات نہیں بلکہ اس سجدۂ داؤدی کا تو یہ مقام ہے مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں میں نے ابن عباس ؓ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت کیا کروں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ ... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ تک): اور فرمایا تمہارے نبی ﷺ کو تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی پیروی کریں اور ظاہر ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کا سجدہ میں گر پڑنا اس آیت میں بیان کیا جارہا ہے اور ان کی پیروی کا

❶ حضرت ابوہریرہ ؓ سے یہ حدیث مروی ہے جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ ابوداؤد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں تخریج کیا ہے ۱۲۔

❷ یہ ابوسعید خدری ؓ تھے شیخ جزری رحمہ اللہ نے تصحیح المصابیح میں اسی کی تصریح کی ہے مرقاۃ شرح مشکوۃ بحوالہ حاشیہ مشکوۃ المصابیح۔ ۱۲

حکم خود تمہارے پیغمبر کو دیا گیا تو تم پر بدرجہ اولیٰ اس کی تعمیل ضروری ہوگی اس حدیث نے سجدۂ داؤد علیہ السلام کی جو عظمت ظاہر کی وہ اظہر من الشمس ہے تو ظاہر ہے کہ ایک معمولی سی بات (جو صرف اس حد تک تھی کہ شکر خداوندی کے ساتھ خود پسندی کا شائبہ محسوس ہونے لگا تھا، پر ایسی توبہ و استغفار اور تضرع و انابت الی اللہ کے ساتھ سر بسجود ہونا بیشک ایسے ہی انعام کا ذریعہ ہوسکتا ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا ﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۚ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ معمولی سی بات پر ایسی بے قراری اور تضرع وزاری سے بندہ کے مقامات اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ برس ہا برس کی عبادات بھی اس کو ایسے عظیم اور بلند مقام پر نہیں پہنچا سکتیں اس بنا پر اس توبہ و استغفار پر خلافت فی الارض کا عظیم ثمرہ و انعام مرتب ہوا جس کو ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ﴾ میں ذکر فرمایا گیا کہ اے داؤد علیہ السلام ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا دیا لہٰذا تم اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرتے رہو کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

رہا یہ امر کہ مقدمہ میں خصومت کرنے والوں نے جو صورت مقدمہ پیش کی ﴿اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ اس کا کوئی تعلق حضرت داؤد علیہ السلام کے کسی واقعہ سے نہیں اور نہ ان الفاظ میں ان کی کسی بات کی طرف تلمیح و اشارہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاملات میں پیش آنے والے مظالم و زیادتیوں کا بیان ہے کہ اس طرح ہر طاقتور اپنے کمزور بھائی پر ظلم کرتا ہے اور انسان کی حرص کی کوئی انتہاء نہیں حتی کہ اگر اسکے پاس ۹۹ دنبیاں ہوں اور اس کے غریب بھائی کے پاس صرف ایک ہی بکری ہو تو وہ یہی چاہے گا اور اپنی امکانی حد تک یہی تدبیر کرے گا کہ اس غریب بھائی کی وہ ایک بکری بھی قبضا لے۔

رہی یہ بات کہ اس ظلم و تعدی کی روش کو بیان کرنے میں دنبیوں کا کس وجہ سے ذکر کیا گیا؟ ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر معیشت کا مال بکریاں ہی ہوتی ہوں اور یہ تعبیر ایسی ہی ہو جس طرح کہ بعض احادیث میں مال و دولت کے تمول کے سلسلہ میں اونٹوں کا ذکر ہے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لئن یھدی اللہ بك رجلا واحدا خیر لك من حمر النعم اے علی (رضی اللہ عنہ) اگر تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہی ہدایت دے دے تو یہ تیرے واسطے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا اور کتاب فضائل القرآن میں ہے اگر کوئی شخص صبح ہی صبح مسجد میں دو آیتیں کتاب اللہ کی کسی کو سکھا دے تو دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیات تین اونٹنیوں سے بہتر اور اسی طرح جس قدر تعداد آیات کتاب اللہ کی تعلیم دے گا اتنی ہی تعداد اونٹنیوں سے بڑھ کر ہوگا علیٰ ہذا القیاس بہت سی احادیث میں اسی طرح کا عنوان ذکر فرمایا گیا تو یہاں ان آیات میں دنبیوں کا ذکر اس زمانہ کے قابل قدر مال ہونے کی حیثیت سے ہوسکتا ہے نہ یہ کہ اس سے کسی خاص پیش آمدہ واقعہ کی طرف تلمیح و اشارہ ہو اور ننانوے کا عدد جمع میں انتہائی عدد ہے اور ایک عدد قلت میں سب سے آخری درجہ رکھتا ہے اس وجہ سے ظالم کا باوجود کثرت مال کے غریب و تنگدست پر جو انتہائی غربت و افلاس کے مقام پر ہو ظلم و تعدی کرنا ننانوے اور ایک کے عدد سے تعبیر کیا گیا۔

بعض حضرات مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی وہ لغزش جس پر من جانب اللہ تنبیہ کی گئی یہ تھی کہ انہوں نے محض مدعی کے بیان پر ایک کو ظالم اور دوسرے کو مظلوم کے درجہ میں قرار دے کر یہ فرمایا ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ

﴿نَعۡجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ﴾ حالانکہ اولاً یہ چاہئے تھا کہ مدعی کے دعوی کے بعد مدعیٰ علیہ سے وضاحت طلب کرتے پھر مدعی سے بینہ اور ثبوت طلب کرتے اس کے بعد یہ فرماتے، مگر بظاہر قرائن مؤیدہ کے باعث سمجھ لیا کہ واقعی ان میں سے ایک تعدی کر رہا ہے اور دوسرا اس صورت حال میں مظلوم ہے تو قانون سماعت دعویٰ میں بظاہر کچھ کمی رہ گئی تھی تو اس پر فوراً ہی متنبہ ہو کر استغفار و دعا اور تضرع میں مصروف ہو گئے۔

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انعامات خداوندی میں سے خلافت فی الارض کے انعام و اعزاز سے نوازنے کا ذکر فرمایا گیا نبوت و رسالت تو پہلے ہی عطا فرمادی گئی تھی مزید انعام یہ فرمایا کہ اس کے ساتھ سلطنت و حکومت سے بھی نواز دیا گیا اور ساتھ ہی اس عظیم منصب کی اہم ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ ﴿فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ﴾ اے داؤد علیہ السلام لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى﴾ کہ خواہش نفس کی کبھی پیروی نہ کرنا کیونکہ عدل و انصاف کے قیام میں اصل رکاوٹ خواہشات نفس ہیں اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والا کسی طرح بھی عدل قائم نہیں کر سکتا اور خلافت الٰہیہ کی اصل حقیقت قیام عدل ہی ہے ان دو بنیادی ذمہ داریوں کو بیان فرماتے ہوئے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ انکی اساس فکر آخرت ہے فکر آخرت سے عدل بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور ہوائے نفس سے بھی انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے خلیفہ اور بادشاہ میں فرق کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، کعب احبار رضی اللہ عنہ، اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، سے دریافت کیا کہ بتاؤ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مال غنیمت برابر تقسیم کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جیسے اپنے اہل و عیال پر کرتا ہو کعب احبار رضی اللہ عنہ کہنے لگے میرا خیال تو یہ تھا کہ یہ معنیٰ اس مجلس میں میرے علاوہ شاید کوئی اور شخص نہ جانتا ہو۔

سلیمان بن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں یہ فرمانے لگے میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بولا اے امیر المومنین خلیفہ اور بادشاہ میں بین فرق ہے اور وہ یہ کہ خلیفہ مال نہیں لیتا مگر حق کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ اور آپ رضی اللہ عنہ بحمد اللہ ایسے ہی ہیں اسکے برعکس بادشاہ ظلم کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے لے لیتا ہے اور جسے چاہے دیتا ہے (اور خدا کے فضل سے آپ رضی اللہ عنہ ایسے نہیں ہیں) یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے بعض روایات میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب منبر پر بیٹھتے تو یہ کہا کرتے، خلافت نہ مال جمع کرنے کا نام ہے اور نہ خرچ کرنے کا، بلکہ خلافت اس کا نام ہے کہ حق پر عمل کرے اور فیصلہ میں عدل کرے اور لوگوں کو حکم الٰہی پر قائم کرے۔ ازالۃ الخفاء ص ۵۸۴۔

ان آخری کلمات میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اصل حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے کیونکہ اس کا کام تو احکام الٰہیہ کا

نفاذ ہے اس لحاظ سے اس عظیم ذمہ داری کے انجام دینے لیے ایک خاص ہدایت یہ فرما دی گئی ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے اور اقامت عدل میں نفس کی خواہشات حائل بنتی ہیں تو اس سے اجتناب کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ کہ نفس کی خواہش کی پیروی ہرگز نہ کرنا اور اتباع ہویٰ اور نفس کی پیروی کا نتیجہ بھی بیان کر دیا گیا ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کہ خدا کی راہ سے بھٹکنا ہے اور خدا کی راہ سے بھٹکنے اور گمراہ ہو جانے کا انجام عذاب آخرت ہے تو ان چند الفاظ ہی میں گویا اسلامی سلطنت کے فرمانروا کی حیثیت وحقیقت اسکی ذمہ داریاں اور ذمہ داریوں کو انجام دینے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے اسباب اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج وثمرات بیان فرما دیئے گئے اب اسی مناسبت سے آیندہ آیات ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ﴾ میں تخلیق کائنات کی غرض اور دنیا میں انسانی حیات کا مقصد ذکر فرمایا جارہا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بیچ میں ہے نکما یہ خیال ہے ان کا جو منکر ہیں سو خرابی ہے

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے بیچ ہے نکما یہ خیال ہے ان کا جو منکر ہیں، سو خرابی ہے

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝۲۷ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ

منکروں کے لیے آگ سے ف۱ کیا ہم دیں گے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر ان کے جو خرابی ڈالیں

منکروں کو آگ سے۔ کیا ہم کریں گے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر ان کے جو خرابی ڈالیں

فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝۲۸ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا

ملک میں کیا ہم کر دیں گے ڈرنے والوں کو برابر ڈھیٹ لوگوں کے ف۲ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تا دھیان کریں لوگ

ملک میں؟ کیا ہم کریں گے ڈرنے والوں کو برابر ڈھیٹ لوگوں کے؟ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تا دھیان کریں

اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹

اس کی باتیں اور تا سمجھیں عقل والے ف۳

اس کی باتیں اور تا سمجھیں عقل والے۔

ف۱ یعنی جس کا آگے کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ بلکہ اس دنیا کا نتیجہ ہے آخرت، لہٰذا یہاں رہ کر وہاں کے لیے کچھ کام نہ کرنا چاہیے، اور وہ کام یہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق وعدل کے اصول پر کاربند ہو۔ اور خالق ومخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے۔ کھا پی کر ختم کر دیں گے۔ آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔ یہ خیالات تو ان کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے۔ سو ایسے منکروں کے لیے آگ تیار ہے۔

ف۲ یعنی ہمارے عدل وحکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اسی لیے ضرورت ہوئی کہ کوئی وقت حساب وکتاب اور جزاء وسزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب وآفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بے حیا مزے چین اڑاتے ہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر مخبر صادق نے دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک وبد کو اس کے برے بھلے کام کا بدلہ ملے گا۔ پھر "یوم الحساب" کی خبر کا =

بیان حکمت تخلیق کائنات و اثبات حشر و ذکر عظمت کتاب خداوندی

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ... الی... وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾

گزشتہ آیات کا مضمون حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کی ذمہ داریوں کے بیان اور اس میں اتباع نفس کے حائل ہونے اور اسکے انجام پر ختم ہوا تھا اس کے بعد اب ان آیات مبارکہ میں تخلیق کائنات کی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے اور چونکہ حیات دنیوی آخرت کی تیاری کیلئے ہے تو اجمالاً حشر کا اثبات بھی فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ قرآن کریم وہ کتاب مبارک ہے جسکی آیات میں تدبر اور ایمان وتقویٰ اور کفر ونافرمانی اور صلاح وفساد میں فرق واضح کر کے انسانوں کے دو گروہ متعین کرنا ہے ایک گروہ صالحین ومطیعین کا دوسرا مفسدین ومجرمین کا دہریہ اور نیچری قیامت کے منکر ہیں اور انکا یہ گمان ہے کہ دنیا ہمیشہ سے اسی طرح چلی آرہی ہے اور آئندہ بھی اسی طرح چلتی رہے گی لوگ پیدا ہوتے رہیں گے اور مرتے رہیں گے اور یہ سلسلہ غیر متناہی طور پر جاری رہے گا برہمن اور ہندو بھی قیامت کے قائل نہیں بلکہ وہ تناسخ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

یعنی انسان مرنے کے بعد کسی دوسرے جنم میں چلا جاتا ہے اور یہ دوسرا جنم گزشتہ جنم کی بھلائی اور برائی کے مطابق ہوتا ہی تو ان آیات میں ایسے مہمل عقائد کا بھی ابطال ورد فرمایا جارہا ہے اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے بیکار اور خالی از حکمت بلکہ ان میں بیشمار حکمتیں ہیں اور سب سے بڑی حکمت یہ کہ کائنات کی ہر موجود چیز خدا کی قدرت ووحدانیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ اس زندگی کے بعد آخرت کی زندگی برحق اور یقینی ہے اس کے واسطے انسان کو تیاری کرنے کی ضرورت ہے یہ تو خیال ہے کافروں کا کہ اس حیات کے بعد پھر کوئی حیات نہیں اور حشر ونشر اور جزا وسزا نہیں ہے پس ہلاکت وتباہی ہے ان کافروں کے لئے جہنم کی آگ سے ظاہر ہے کہ ان کافروں نے آخرت اور عذاب آخرت کا انکار کر کے اپنے واسطے جہنم کی آگ اختیار کرلی ہے۔

آسمان وزمین اور ان کے درمیان جملہ موجودات حق تعالیٰ کی قدرت وخالقیت اور کمال حکمت کی واضح دلیل ہیں ان دلائل وحقائق کو نہ ماننے والے مجرم ونافرمان اور باغی ومفسد ہیں اور ان پر ایمان ویقین رکھنے والے مومنین ومتقین ہیں اور یقیناً ان دونوں گروہوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ دونوں گروہ ہرگز ایک طرح کے نہیں ہوسکتے تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کے برابر کردیں گے جو کفر ونافرمانی کر کے دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہہ لو کہ کیا ہم پرہیزگاروں اور تقویٰ والوں کو بدکاروں اور فاجروں کے برابر کردیں گے نہیں ہرگز ایسا نہیں

= انکار کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

ف ۳ یعنی جب نیک اور بد کا انجام ایک نہیں ہوسکتا تو ضرورت تھی کہ کوئی کتاب ہدایت مآب حق تعالیٰ کی طرف سے آئے جو لوگوں کو خوب معقول طریقہ سے ان کے انجام پر آگاہ کردے۔ چنانچہ اس وقت یہ کتاب آئی جس کو قرآن مبین کہتے ہیں۔ جس کے الفاظ، حروف، نقوش اور معانی ومضامین ہر چیز میں برکت ہے۔ اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل رکھنے والے اس کی نصیحتوں سے منتفع ہوں چنانچہ اس آیت سے پہلے ہی آیت میں دیکھ لو کس قدر صاف، فطری اور معقول طریقہ سے مسئلہ معاد کو حل کیا ہے کہ تھوڑی عقل والا بھی غور کرے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

(تنبیہ) شاید "تدبر" سے قوت علمیہ کی اور "تذکر" سے قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت داؤد کے تذکرہ کے ذیل میں آگئی تھیں۔ آگے پھر ان کے قصہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔

ہوسکتا بلکہ جس حکمت کے باعث تخلیق کائنات کی گئی اس کے پیش نظر بھی ضروری ہے کہ ایمان وتوحید کے ساتھ طاعت گزاروں کو نجات وانعامات کا مستحق قرار دیا جائے اور فساق وفجار اور کفر ونافرمانی کے ذریعے زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو عذاب جہنم کا مستحق بنایا جائے یہی وہ قانون حکمت ہے جس کا ترجمان یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو آپ ﷺ کی طرف اتاری گئی بابرکت ہے اس غرض سے کہ لوگ اس کی آیت میں غور وفکر کریں اور اس حقیقت کو معلوم کر کے اور سمجھ کے اس سے اہل فہم نصیحت حاصل کریں کہ تخلیق کائنات کا یہی مقصد ہے اور حکمت خداوندی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ عدل وانصاف قائم کر کے نیکوں کو نیکی کی جزاء اور بدکاروں کو بدکاری کی سزا دی جائے اس لئے ضروری ہوا ہے کوئی وقت حساب وکتاب اور جزاء وسزا کا رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ وقت صرف آخرت اور یوم قیامت ہی ہوسکتا ہے کیونکہ دنیا تو دار العمل اور دار الامتحان ہے اور حقیقی جزا وسزا دوران عمل دار العمل اور دار الامتحان میں قائم نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ پھر دنیا کی زندگی میں خیر وشر کی آزمائش کا سلسلہ باقی نہ رہ سکے گا اس بنا پر مخبر صادق ﷺ کی خبر اور فرمان خداوندی پر ایمان لاتے ہوئے قیامت کا اقرار کرنا پڑے گا اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آسمان وزمین اور جملہ کائنات کی تخلیق عبث وبیکار اور خالی از حکمت نہیں اور ظاہر ہے کہ نیک وبد کے انجام کی یہ تفریق کتاب ہدایت ہی کے ذریعہ بتائی جاسکتی تھی اس لئے یہ کتاب مبارک حق تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تاکہ اسکی بات میں تدبر اور غور وفکر سے اہل فہم عبرت ونصیحت حاصل کرلیں اور یقین کرلیں کہ مسئلہ مجازات اور معاد وآخرت عقل اور فطرت کے عین مطابق ہے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں شاید تدبر سے قوت علمیہ اور تذکر سے قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان ہی قوتوں کی تکمیل اور اصلاح سے انسانی سعادت کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۳۰ۭ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان ف۱ بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع رہنے والا جب دکھانے کو لائے اس کے سامنے شام کو

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان بہت خوب بندہ۔ وہ ہے رجوع رہنے والا۔ جب دکھانے کو آئے اس کے سامنے شام کو

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝۳۱ۙ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ

گھوڑے بہت خاصے تو بولا میں نے دوست رکھا مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا

گھوڑے خاصے۔ تو بولا میں نے چاہی محبت مال کی اپنے رب کی یاد سے۔ یہاں تک کہ چھپ گیا

بِالْحِجَابِ ۝۳۲ۥ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ

اوٹ میں۔ پھیر لاؤ ان کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں ف۲ اور ہم نے جانچا سلیمان کو

اوٹ میں۔ پھیر لاؤ ان کو میرے پاس۔ پھر لگا جھاڑنے پنڈلیاں اور گردنیں۔ اور ہم نے جانچا سلیمان کو،

ف۱ یعنی سلیمان بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہوا۔

ف۲ یعنی نہایت اصیل، شائستہ اور تیز وسبک رفتار گھوڑے جو جہاد کے لیے پرورش کیے گئے تھے ان کے سامنے پیش ہوئے ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ =

وَاَلۡقَیۡنَا عَلٰی کُرۡسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَہَبۡ لِیۡ مُلۡکًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ

اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا ف۱ بولا اے رب میرے! معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو

اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ، پھر وہ رجوع ہوا۔ بولا اے رب میرے! معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ نہ چاہیے

لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرۡنَا لَہُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖ رُخَآءً حَیۡثُ

کسی کے میرے پیچھے بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا ف۲ پھر ہم نے تابع کر دیا اس کے ہوا کو چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچا

کسی کو میرے پیچھے۔ بیشک تو ہے بخشنے والا۔ پھر ہم نے تابع کی اس کے باؤ، چلتی اس کے حکم سے نرم نرم، جہاں پہنچا

=گئی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ شاید اس شغل میں عصر کے وقت کا وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے ہوں۔ اس پر کہنے لگے کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک طرف ذکر اللہ (یاد خدا) سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد سے وابستہ ہے۔ جب جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات و مبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہوگا۔ آخر اللہ تعالیٰ جہاد اور آخرت اور آلات جہاد کے مہیا کرنے کی ترغیب نہ دیتا تو اس مال نیک سے ہم اس قدر محبت کیوں کرتے۔ اسی جذبہ جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ۔ چنانچہ واپس لائے گئے اور حضرت سلیمان غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ آیت کی یہ تقریر بعض مفسرین کی ہے۔ اور لفظ "حب الخیر" سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ گویا خیر کا لفظ اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا، الخیل معقود فی نواصیها الخیر الیٰ یوم القیامة۔ لیکن دوسرے علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہوگیا (اور ذہول و نسیان انبیاء کے حق میں محال نہیں) (فرمایا کہ دیکھو!) مال کی محبت نے مجھ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا حتیٰ کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا۔ یا مانا کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور خدا کی یاد کا تھا۔ مگر خواص و مقربین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو۔ اور رہوتا ہے تو صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں (گو عذر سے ہو)

گر ز باغِ دل خلالے کم بود بر دل سالک ہزاراں غم بود

"غزوہ خندق" میں دیکھ لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہوگئیں۔ باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا ذنب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ تھا لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں "ملا الله بیوتهم وقبورهم نارا" وغیرہ سے بددعا فرما رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک موقت عبادت کے فوت ہو جانے سے بے تاب ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یاد الٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں۔ تاکہ سبب غفلت کو اپنے سے اس طرح علیحدہ کریں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہوگا۔ اور لفظ "فطفق مسحا" سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ سب گھوڑوں کو قتل ہی کر گزرے ہوں۔ محض اتنا ہے کہ یہ کام شروع کر دیا۔ والله اعلم۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جو طبرانی نے باسناد حسن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (راجع روح المعانی وغیرہ)

ف۱ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ "ان شاء اللہ" کہہ لیجئے۔ مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا۔ خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اسی کو یہاں "جسد" (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ اور "ان شاء اللہ" نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر "ان شاء اللہ" کہہ لیتے تو بیشک اللہ ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی۔

(تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری اور جنوں کے نقل کیے ہیں جسے دلچسپی ہو کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "ولقد رویت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضی=

اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا

چاہتا اور تابع کر دیئے شیطان سارے عمارت کرنے والے اور غوطے لگانے والے ف۱ بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں ف۲ یہ ہے

چاہتا۔ اور تابع کئے شیطان سارے عمارت کرنے والے اور غوطے لگانے والے۔ اور کتنے اور بندھے ہوئے بیڑیوں میں۔ یہ ہے

عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع ۱۲

بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہوگا ف۳ اور اس کا ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا ف۴

بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ نہیں حساب۔ اور اس کو ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔

قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وبیان انابت الی اللہ مع حکومت وسلطنت وجملہ انعامات دنیویہ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ... الی ... وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾

گزشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اور انکو دین و دنیا کی نعمتوں اور حق تعالیٰ کی طرف سے خلافت فی الارض کے اعزاز سے نوازے جانے کا ذکر تھا اس ضمن میں خلافت الہیہ کا مقصد اس کی ذمہ داریوں اور ذمہ داریوں کی تکمیل میں جو چیزیں حائل ہوتی ہیں ان کا بیان کر کے تخلیق کائنات کی حکمت کا ذکر تھا اور یہ کہ نیک و بد کا انجام یوم حساب میں سامنے آ کر رہے گا اب اس آیات میں داؤد علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے جو نبوت وسلطنت اور جملہ کمالات علمیہ وعملیہ کا حامل ہے حق تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک عظیم انعام ہے اس سے بڑھ کر کسی پر کیا انعام ہو سکتا ہے کہ اس کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند نصیب ہوا اور خود سلیمان علیہ السلام کا کس قدر عظیم رتبہ ہے کہ انکو دین و دنیا کے ہر اعزاز اور ہر طرح کی نعمت سے نوازا گیا حتیٰ کہ ان کی حکومت جن وانس پر ہوئی ہوائیں پرندے ان کے تابع کر دیئے گئے غرض دونوں ہی کمالات وفضائل میں عجیب بلند مقام رکھنے والے تھے ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ چنانچہ ارشاد فرمایا اور عطا کیا ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان جیسا فرزند

=اللہ عنہ وکلہا متلقاۃ من قصص اہل الکتاب۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ف۲ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے، نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو حوصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے۔

(تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرما لیا ہے یعنی وہ دعا ضرور ہی قبول کریں گے۔ شاید حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کی یہ وہی دعا ہو۔ آخر نبی زادے اور بادشاہ زادے تھے۔ دعا میں بھی یہ رنگ رہا کہ بادشاہت ملے اور اعجازی رنگ کی ملے۔ وہ زمانہ ملوک اور جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعا مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت وحشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہر وغالب کرنا اور قانون سماوی کا پھیلانا ہوتا ہے جس کے وہ حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو دنیاداروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔

ف۱ یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لیے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔ ہوا اور جنات کے تابع کرنے کے متعلق پہلے سورۃ "سبا" وغیرہ میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

ف۲ یعنی بہت سے جنات اور تھے جن کو سرکشی اور شرارت وتمرد کی وجہ سے قید کر کے ڈال دیا تھا۔

ف۳ یعنی کسی کو بخشش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا اور حساب وکتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا۔ حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔"

ف۴ یعنی بادشاہت کے باوجود جو روحانی تقرب اور مرتبہ ہمارے ہاں حاصل ہے اور فردوس بریں میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ٹھکانا تیار ہے وہ بجائے خود رہا۔

کیا ہی اچھے بندے تھے کہ خدا کی عبودیت و بندگی ان کی زندگی کا ذوق بنی ہوئی تھی بیشک وہ خدا کی طرف بڑے ہی رجوع ہونے والے تھے چنانچہ ان کا وہ قصہ ایک یادگار اور قابل ذکر قصہ ہے جب کہ ایک روز ❶ شام کے وقت انکے سامنے اصیل اور عمدہ ❷ تیز رو گھوڑے بغرض جہاد پیش کئے گئے اور ان کے دیکھنے میں اس قدر دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا اور نماز عصر یا اس وقت کا کوئی معمول فوت ہوگیا۔ جذبہ جہاد اور اعداء اللہ سے قتال کا شوق قلب پر اس قدر غالب تھا کہ اس امر کا خیال نہ رہا کہ وقت نکلا جا رہا ہے اور ہیبت و جلال کے باعث کسی خادم کو اس بات کی جرأت نہ ہوئی کہ مطلع یا متوجہ کردے جونہی وقت کے فوت ہونے پر تنبہ ہوا تو چونک کر کہنے لگے افسوس میں تو مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے یعنی نماز و معمول سے غافل ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا اور میری عصر کی نماز فوت ہوگئی اگرچہ جہاد کی تیاری اور جہاد کے لئے گھوڑوں کا معائنہ بھی عبادت ہے لیکن ایمان کے بعد نماز سے اور فرائض سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اس وجہ سے نماز کے فوت ہونے کا دل پر بے حد صدمہ ہوا اور اس رنج و صدمہ کی کیفیت میں خدام کو حکم دیا ان گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لے آؤ چنانچہ جب وہ لائے گئے تو ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا یعنی اس ملال و رنج اور غصہ کی کیفیت میں سب کو ذبح کرنا شروع کردیا اگرچہ یہ مال کی محبت نہ تھی بلکہ جذبہ جہاد کے باعث تھا مگر صورت ایسی واقع ہوگئی کہ اس کا یہ اثر ہوا خواص اور مقربین کی یہی شان ہوتی ہے کہ اگر بال برابر بھی فرق ہوجائے تو غم اور فکر و پریشانی کی حد نہیں رہتی۔

گر ز باغ دل خلالے کم بود　　　بر دل سالک ہزاراں غم بود

یہ بات ایسی ہی ہوتی ہے جس طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو نماز میں اپنے باغ کا خیال آیا تو سلام پھیرتے ہی اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا گیا گویا سلیمان علیہ السلام نے انکی اللہ کی راہ میں قربانی کر ڈالی اور ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں گھوڑے کا گوشت حلال ہو یا اسکی قربانی درست ہو یا یہ عمل شدت غضب میں واقع ہوا ہو بہر کیف حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبر کی غیرت

❶ العشی لغت میں زوال کے بعد سے غروب تک وقت کے لیے اطلاق کیا جاتا ہے۔
❷ صافنات جمع صافن کی ہے بعض ائمہ لغت صافن بمعنی واقف بایں معنی عمدہ گھوڑے پر اطلاق کرتے ہیں کہ عمدہ گھوڑے اگلے قدم اٹھا کر پچھلے قدموں پر کھڑے ہوجاتے ہیں جو انکی نجابت و عمدگی کی نشانی ہوتی ہے چنانچہ ابو عبیدہ رحمہ اللہ یہی بیان کرتے ہیں جیاد جمع جواد کی ہے تیز دوڑنے والے گھوڑے کو جواد کہتے ہیں بعض کا قول ہے کہ لمبی گردن کے گھوڑوں کو جیاد کہتے ہیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا جہاد والے گھوڑوں کے ملاحظہ میں مشغول ہونا خود درحقیقت ایک عبادت تھا جس میں انہماک و اشتغال سے نماز عصر کا فوت ہونا ایسا ہی ہوا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غزوۂ احزاب میں پیش آیا تھا کہ سورج غروب ہوگیا اور نماز عصر نہ پڑھ سکے تو خدا کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو یہ واقعہ غفلت سے العیاذ باللہ ہرگز نہیں پیش آیا بلکہ ایک عبادت میں انہماک و اشتغال دوسری عبادت کے فوت ہونے کا ذریعہ بنا اس پر سلیمان علیہ السلام کے رنج و غصہ کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ احزاب والے واقعہ میں وہ تھی جس کو حدیث نے بیان کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے غروب شمس کے بعد اور کفار مکہ کو بددعائیں دے رہے تھے کہ خدا ان کو ہلاک کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں بھی نہیں پڑھ سکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے ملأ اللہ بیوتھم وفی روایۃ بطونھم وقبورھم نارا حبسونا عن الصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر یعنی خدا تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھردے کہ انہوں نے ہمیں نماز عصر سے روکے رکھا تو یہاں اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کا رنج و غم اور غصہ اس طرح ظاہر ہوا کہ ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے لگے یہی تفسیر اکثر ائمہ مفسرین نے اختیار کی ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا﴾ کا ایک مفہوم بروایت علی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے جذبہ محبت اور مسرت کے ساتھ لیکن جمہور مفسرین نے اس تفسیر کو پسند نہیں فرمایا راجح قول یہی ہے کہ غم و غصہ میں ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنے لگے۔ ۱۲

ایمانی نے اس بات پر ان کو آمادہ کیا کہ جس مال کے معائنہ میں نماز ضائع ہوئی اور وہ مال ذکر خداوندی سے غفلت کا سبب بنا اس کو اس طرح ختم کر دیا جائے یہ ایمانی غیرت اور ذکر خدا کی محبت کا یہ جوش اور غلبہ یقیناً قابل مدح واقعہ تھا اس وجہ سے اس واقعہ کو اس عنوان سے ذکر فرمایا گیا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ﴾ کہ کیا ہی اچھے بندے تھے کہ کیسے اللہ کی طرف انابت ورجوع والے تھے شوق جہاد اور جذبہ اعلاء کلمۃ اللہ اور قہر اعداء اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم منقبت اور فضیلت کا قصہ تو تھا ہی اسی کے ساتھ ایک دوسرا قصہ بھی ذکر فرما دیا گیا جو انکے ایک ابتلاء وآزمائش کا تھا اور وہ بھی اسی طرح ان کی عظمت وفضیلت کی ایک عظیم نشانی ہے اور یہ دونوں قصے انکے صبر واستقامت کی کامل ترجمانی کرنے والے ہیں اس لحاظ سے گویا داؤد علیہ السلام کا جو ایک خاص رنگ ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ کا تھا وہ اس وراثت نسبی کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کو بطور وراثت کمالات نبوت کے عطا کر دیا گیا۔

فرمایا اور بیشک ہم نے سلیمان علیہ السلام کو ایک اور طرح سے بھی آزمایا اور ان کے تخت پر لا ڈالا ایک ناتمام دھڑ جس سے وہ سمجھ گئے اور متنبہ ہوئے کہ یہ تو میرا امتحان کیا گیا اور اسی ندامت وپریشانی کی حالت میں پھر ہماری طرف رجوع کیا اور تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعا مانگنے لگے کہ میرے پروردگار میرا قصور معاف کر دیجئے جو ہم سے واقع ہوا اور آیندہ کے لئے مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر دیجئے جو میرے بعد کسی کو لائق وزیبا نہ ہو بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے کہ جو چاہے عطا فرما دے تیری بارگاہ میں نہ دعا کی قبولیت کوئی دشوار کام ہے اور نہ وہ چیز عطا کرنا دشوار ہے جو مانگی ہے پس ہم نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے تابع کر دیا ان کے ہوا کو وہ چلتی نرمی کے ساتھ جہاں وہ جانا چاہتے تو اس نعمت سے گھوڑوں سے مستغنی ہو گئے جن میں وہ جذبہ جہاد کی وجہ سے مصروف ومنہمک ہوئے تھے اور اس انہماک واشتغال میں نماز کا وقت فوت ہو گیا تھا اور اس کے بعد رنج وغصہ میں ان کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں اور جنات وشیاطین کو بھی ان کے واسطے مسخر کر دیا جو ہر عمارت بنانے والے اور سمندروں میں غوطہ لگانے والے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کا حکم پاتے ہی بڑی سے بڑی عمارتیں بنا ڈالیں اور سمندروں میں گھس کر ان کا حکم بجالائیں اور بہت سے اور ایسے جن بھی ان کے واسطے مسخر کر دیئے جو زنجیروں میں جکڑے رہتے جو ان میں سے بعضوں کے تمرد اور سرکشی کی سزا بھی ہوتی یہ سب کچھ دے کر ہم نے سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا اے سلیمان علیہ السلام یہ ہے ہماری عطا کہ ہوائیں اور جن بھی تمہارے تابع کر دیئے گئے جو دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکی اب تم جس کو چاہو اس میں سے دو یا جس سے چاہو روک لو بغیر اس کے کہ تم سے اس کا کوئی حساب وسوال ہو اور بیشک ان تمام نعمتوں کے علاوہ سلیمان علیہ السلام کے لئے ہمارے یہاں ایک خاص قرب کا مقام اور بہترین ٹھکانہ ہے جو قیامت کے روز ظاہر ہوگا اور اس مقام قرب اور اخروی نعمتوں کے سامنے ظاہر ہے کہ یہ ملک سلیمانی بھی اور دنیا میں حاصل شدہ نعمتیں ہیچ اور حقیر ہیں کیونکہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی آخرت کی معمولی نعمت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی ﴿تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ کا عنوان اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معائنہ کے وقت اتنا وقت گزرا کہ سورج غروب ہو چکا تھا اس کے بعد سورج کے دوبارہ طلوع ہو جانے کا بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن کسی سند سے اس کا ثبوت نہیں بعض مفسرین نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سورج کو لوٹایا جانا ایسا ہی تھا جیسا حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے لوٹایا گیا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نماز عصر فوت ہو جانے کے بعد سورج

لوٹانے کا ذکر ہے مقام صہبا میں جو خیبر کے قریب ایک جگہ ہے ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو رد کیا اور بیان کیا کہ یہ روایت روافض کی وضع کردہ حدیث ہے غزوۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر فوت ہوجانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ ارشاد ہے ملأ الله تعالیٰ قبورهم وبطونهم نارا شغلونا عن الصلوة الوسطیٰ صلوة العصر ردشمس غزوۂ احزاب میں بھی ثابت نہیں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ نماز غروب کے بعد ادا کی۔

بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سورج کی واپسی کا واقعہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے تفصیل کیلئے تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ اور تفسیر روح المعانی ملاحظہ فرمائیں۔

تفصیل ابتلاء سلیمان علیہ السلام

ان آیات میں ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت ومنقبت اس طرح بیان کی گئی کہ حق تعالیٰ نے انکو حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت سے نوازا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو کمالات نبوت اور علم وفضل تقوی اور انابت الی اللہ کی جو عظیم خصوصیات عطا کی تھیں ان ہی میں وراثت دینا مراد ہوسکتا ہے ان کمالات کے ساتھ جو انعام خلافت وسلطنت کا حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا ظاہر ہے کہ انعام کی اس دوسری نوع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی وارثت سے نوازنا مراد ہے تو اس سلسلہ میں پہلے ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی کہ شوق جہاد میں اس قدر انہماک تھا کہ گھوڑوں کا معائنہ کر رہے ہیں مگر ساتھ ہی شوق عبادت کا یہ مقام ہے کہ اگر اس میں اشتغال وانہماک سے نماز ضائع ہوگئی تو ان گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے لگے جن کی وجہ سے یہ بات پیش آئی انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسا کوئی واقعہ جس کے باعث کسی بھی حیثیت سے کوئی چیز ان کے بلند ترین مقام سے کچھ کم ہو یا انکے خشیت وتقویٰ کے مدارج سے گری ہوئی ہو وہ چیز ایک طرح سے ابتلاء کا درجہ رکھتی ہے اگرچہ نہ وہ تقصیر ہوتی ہے اور نہ کچھ امر اور حکم کا ترک یا خلاف ورزی ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ وہ واقعہ ان کی عظمتوں اور کمالات کی مزید بلندی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح یہ بات بھی تھی تو اس واقعہ کے ساتھ دوسرا ایک واقعہ بھی بیان فرمادیا گیا جس کو ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا﴾ سے ذکر فرمایا گیا۔

سلیمان علیہ السلام کا یہ ابتلاء کیا تھا اور وہ کون سا واقعہ تھا جس کو ابتلاء کے عنوان سے یہاں بیان کی جارہا ہے، قرآن کریم نے تو اس کی کوئی وضاحت وتفصیل نہیں کی اور نہ کسی صحیح حدیث میں خاص طور سے اس ابتلاء کو معین وواضح کیا گیا۔

بالعموم اس سلسلہ میں جو قصے مشہور ہیں وہ قطعا باطل اور لغو ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ابتلاء کے واقعہ کی طرح یہ قصے بھی اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں جن کو یہودیوں نے وضع کیا اور من گھڑت افسانوں اور کہانیوں سے زیادہ ہرگز کوئی درجہ نہیں رکھتے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ان اکاذیب باطلہ میں سے بعض کو بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ کیا تو وہ انگشتری جس پر اسم اعظم لکھا ہوا تھا اپنی ایک بیوی جوان کی بیویوں میں ان کو زیادہ محبوب اور معتمد تھی دے گئے یا اپنی کسی خادمہ کو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جن وانس پر اسی

انگشتری اوراس پر اسم اعظم کی وجہ سے تھی انکے بیت الخلاء جانے کے بعد کوئی شیطان یا ایک جنی صخر نامی سلیمان علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوا اور وہ انگوٹھی لے چلا گیا اور تخت سلیمان پر جا بیٹھا اور حکمرانی شروع کر دی اور اس طرح سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور نبوت دونوں چیزیں ختم ہو گئیں سلیمان علیہ السلام جب فارغ ہو کر واپس آئے اور اپنی انگوٹھی مانگی تو اس نے کہا میں تو سلیمان علیہ السلام کو وہ انگشتری دے چکی گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل وصورت بھی متغیر ہو گئی اور ان کی بیوی نے اب ان کو پہچانا بھی نہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام بولے میں ہی تو حضرت سلیمان علیہ السلام ہوں بیوی نے کہا تم غلط کہتے ہو تم ہرگز حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں ہو اسی طرح جس کسی شخص کے سامنے حضرت سلیمان علیہ السلام جاتے وہ نہ پہچانتا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور انکی سلطنت وحکمرانی سب ختم ہو گئی اور انکے تخت پر یہ جن آ بیٹھا ان قصہ نگاروں نے بیان کیا کہ اسی کو الفاظ ﴿وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا﴾ میں بیان کیا گیا ہے اور یہی وہ فتنہ ہے جس میں انکو مبتلا کیا گیا ان احوال کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام بہت گھبرائے اور دعا واستغفار اور تضرع وزاری کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوئے اسی توجہ کو ﴿ثُمَّ أَنَابَ﴾ میں بیان کیا جا رہا ہے چالیس روز کی مدت اسی طرح گزر گئی یہاں تک کہ ایک روز سمندر کے کنارے جب سلیمان علیہ السلام مزدور کے طور پر وہاں کام کر رہے تھے اور ایک شخص نے مچھلی خریدی تھی جس کو اٹھا کر اس کے گھر تک لے جا رہے تھے تو اس نے وہی مچھلی بطور اجرت حمالی ان کو دے دی انہوں نے جب اس مچھلی کو چیرا تو اس کے پیٹ سے وہ انگشتری نکل آئی اور یہ مچھلی وہ تھی جس نے اس دیو کے ہاتھ سلیمان علیہ السلام کی انگشتری جب سمندر میں گر گئی تھی اس کو نگل لیا تھا تو وہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کے پاس آتے ہی پھر حسب سابق ان کی سلطنت لوٹ آئی اور جن وانس ان کے مطیع ہو گئے اور سلطنت کے ساتھ نبوت کے احکام بھی جاری کرنے لگے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

یہ تمام داستان اوریاہ کے قصہ کی طرح بے ہودہ لغو اور یہودیوں کی گھڑی ہوئی داستان ہے ان ہی یہودیوں کی جو سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ مشہور کرتے تھے کہ وہ ساحر (جادوگر) ہیں جس کی تردید قرآن کریم نے ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَٰنُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَٰطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ میں کی ہے کہ یہود خود سحر اور جادو جیسے کفریہ عمل کرتے اور دوسروں کو بھی جادو سکھایا کرتے تھے سلیمان علیہ السلام تو ہرگز ایسے کفر کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے یہ قصہ یا اس طرح کے دوسرے مختلف بیان کردہ قصے نہ عقلاً قابل تصور ہیں اور نہ ہی اصول شریعت سے ان کا امکان ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایسی چیزوں کا اعتقاد کفر ہے کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور ان کی عصمت وحفاظت لازمہ نبوت ہے اور نبوت اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ نبوت اور ایسے نبی کو اللہ ہی کی طرف سے عطا کردہ سلطنت کوئی جن سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر درہم برہم کر ڈالے اور صرف اتنی دیر میں کہ وہ بیت الخلاء گئے اور وہ دیو آ کر تخت سلیمانی پر حکمرانی کرنے لگے کسی جن اور شیطان کو یہ قدرت ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ پیغمبر کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کو دھوکہ دے دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی کہ جس کسی نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ میری شکل بنا کر خواب میں کسی کے سامنے آ جائے تو اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ مقام نبوت کی عظمت وبلندی کا تو یہ عالم ہے کہ خواب میں بھی کسی مسلمان کے سامنے کوئی جن یا شیطان پیغمبر کی صورت بنا کر ظاہر نہیں ہو سکتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک دیو سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آ گیا اور ایک آن

میں سلیمان علیہ السلام کے تخت سلطنت اور کارہائے نبوت پر قابض ہو گیا۔

سلیمان علیہ السلام کے ابتلاء کی حقیقت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس ابتلاء کی حقیقت اور اس قصہ کی اصل تفسیر وتشریح صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت سے معلوم ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے (جو جذبہ جہاد میں سرشار تھے اور اسی جذبہ میں گھوڑوں کا معائنہ کررہے تھے جس میں سورج غروب ہو گیا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی) ایک روز یہ کہا کہ میں آج رات اپنی بیویوں پر گشت کروں گا جن کی تعداد سو تھی اور اس قربت کی وجہ سے ہر ایک عورت بچہ جنے گی اور ہر بچہ جوان ہو کر اللہ کی راہ میں مجاہد بنے گا فرشتہ نے ان کے اس کہنے کے وقت القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لو مگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے مقربین کا مقام اس قدر بلند ہوتا ہے کہ ان کی ایسی لغزش اور چوک بھی اللہ کی طرف سے باعث تنبیہ وگرفت ہو جاتی ہے تو اس چوک پر اس طرح متنبہ کیا گیا کہ کوئی بھی ان میں سے حاملہ نہ ہوئی بجز ایک کے اور اس ایک حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا وہ بھی ادھورا ناتمام تھا بغیر ہاتھ پاؤں کا یہ جسم (دھڑ) تخت پر لا ڈالا گیا اسی کو فرمایا گیا ﴿وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا﴾ کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ایک ناتمام جسم (جسد) لاکر ڈال دیا فوراً ہی چونک گئے اور سمجھ گئے کہ یہ میری اس چوک پر گرفت اور تنبیہ ہوئی ہے کہ میں نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا حالانکہ پیغمبر کا مقام تو بہت عالی اور بلند ہوتا ہے ہر ایمان رکھنے والے شخص کو بھی ہر بات اللہ ہی کی قدرت اور اس کے ارادہ کی طرف حوالہ کرنی چاہیے اور یہ اعتقاد باطن میں ایسا راسخ ہونا چاہئے کہ کسی کام میں بھی اس بات کے تلفظ کو بھی فراموش نہ کرے تو سلیمان علیہ السلام فوراً ہی متنبہ ہو کر خدا کی طرف استغفار کے ساتھ رجوع ہوئے اور بےقراری کے عالم میں زبان سے یہ دعا نکلی رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انك انت الوهاب۔ اے پروردگار تو مجھے ایک ایسا ملک (سلطنت) عطا فرما دے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہوتا کہ نہ گھوڑوں کے معائنہ کی فکر رہے اور نہ ایسا واقعہ پیش آئے کہ ان کے معاینہ میں نماز فوت ہو جائے اور نہ ہی جذبہ جہاد میں مجاہد بیٹوں کا شوق رہے کہ اس میں کسی چوک ولغزش میں مبتلا ہو جاؤں بلکہ ایسی بادشاہی طاقت وقدرت عطا کر دے کہ ان تمام اسباب ووسائل اور ان کی فکر وتشویش سے بے نیاز ہو جاؤں تو جذبہ اخلاص وانابت سے کی ہوئی یہ دعا بارگاہ رب العزت سے قبول کی گئی اور اس قبولیت کے باعث ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ﴾ الخ ہوائیں انکے تابع کر دی گئیں کہ جہاں چاہیں، ہوا ان کو پہنچا دے اب ان کو گھوڑوں کی ضرورت نہ رہی سلیمان علیہ السلام کو فکر لگی ہوئی تھی کہ برق رفتار گھوڑوں کو مرتب کریں اس سے بڑھ کر خدا نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ہوا بھی ان کے واسطے مسخر کر دی گئی کہ ہوائیں ان کو اڑائے پھرتیں۔

اور مجاہدین کا شوق اور جذبہ تھا کہ ہر بیوی ایک لڑکا جنے جو اللہ کی راہ میں مجاہد ہو سو اس شوق اور آرزو کی تکمیل اس طرح کی دی کہ شیاطین وجنات کو ان کے واسطے مسخر کر دیا یعنی ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے کو ان کے حکم کے تابع کر دیا جو بڑی سے بڑی عمارتیں اور قلعے تیار کر لیں اور سمندروں میں بھی کود پڑیں اس لیے اب ایسی فوج عطا ہونے کے بعد اس آرزو اور جستجو کی ضرورت نہ رہی کہ اولاد کی ولادت سے مجاہدین کی جماعت تیار ہو۔

اور بہت سے دوسرے جنوں کو بھی ان کے واسطے مسخر کر دیا جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے یعنی جنات میں وہ جماعت جو مقاصد حسنہ اور دینی کاموں میں کام آنے والی تھی وہ تو ان کے حکم کے مطابق خدمات میں مصروف کر دیئے گئے اور جنات سے جو سرکش ومفسد تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا گیا تھا تاکہ وہ کسی قسم کا تمرد اور سرکشی نہ کر سکیں یہ سب کچھ عطا کرنے کے بعد ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اے سلیمان علیہ السلام یہ ہے ہماری عطا اور سلطنت وحکمرانی جو تم کو دی ہے اب اس میں تم جس کو چاہو دو یا جس سے چاہو روک لو تمہیں ان سب چیزوں کا حق اور اختیار دیا جا رہا ہے جس کا تم سے کوئی حساب نہیں نہ دنیا میں اس پر کوئی محاسبہ ہو سکے گا کہ کسی کی ماتحتی کے باعث کوئی تم سے محاسبہ یا کسی چیز پر مواخذہ کر سکے اور نہ آخرت میں اس کا کوئی حساب ہوگا کیونکہ ان سب نعمتوں کا تم کو مالک بنا دیا گیا اور مالک اپنی ملکیت میں ہر طرح تصرف کا مجاز ہے اور بلاشبہ سلیمان علیہ السلام کے لئے ہمارے یہاں بہت بڑا قرب کا مقام اور بہترین ٹھکانہ ہے کہ دنیا میں ان نعمتوں سے نوازا گیا اور آخرت میں قرب خاص عطا کیا گیا۔

غرض ان آیات میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ پر مشتمل ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت چند وجوہ سے بیان فرمائی گئی سب سے پہلے تو یہ کہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایسے بہترین فرزند کی عطا سے نوازا گیا جو اپنی ذات میں بڑی ہی خوبیوں والے تھے ان کا نشان اور زندگی کا شعار خدا کی طرف رجوع وانابت تھا خدا کی طرف انابت ورجوع کی یہ شان تھی کہ ہمہ وقت اللہ کے دین کی اشاعت وسربلندی کی فکر تھی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کی فکر ہے اس میں گھوڑوں کا معائنہ ہو رہا ہے اس انہماک میں نماز کا وقت نکل جاتا ہے تو غم وغصہ سے ان گھوڑوں کی کونچیں ہی کاٹی جارہی ہیں اسباب جہاد کی فکر کے ساتھ ہی مجاہدین کا فکر ہے اور اس جذبہ میں کبھی یہ سوچتے ہیں کہ میری تمام بیویوں کی قربت سے اولاد پیدا ہو تو سب اللہ کی راہ میں شہسوار ومجاہد بنیں اسی انہماک میں "ان شاء اللہ" کہنے کا خیال نہیں رہا تو مقام نبوت کی عظمت و بلندی کے پیش نظر یہ کچھ گری ہوئی بات تھی فوراً ہی اس طرح متنبہ کیا گیا کہ صرف ایک ہی بیوی سے ناتمام بچہ پیدا ہوا جس کو ان کے سامنے تخت پر لاکر ڈال دیا گیا فوراً ہی چونکے اور تضرع وزاری سے اللہ سے دعائیں مانگنے لگے کہ اے اللہ میرا یہ قصور معاف کر دے اور جن جذبات کے باعث یہ بات واقع ہوئی اس کے پیش نظر وہ ملک وسلطنت عطا فرمادے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو تو اسکی قبولیت میں ان کے لیے ہوائیں مسخر کر دی گئیں جن کے مقابلہ میں گھوڑوں کی کوئی حیثیت نہیں اور جنات مسخر کر دیئے گئے کہ ان کے سامنے سو مجاہد انسانوں کی کوئی طاقت نہیں۔

تو ان آیات کی یہ تفسیر حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بنا پر الحمدللہ وہ تفسیر ہے جس کی بنا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ عظمت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند ہبہ کیے جانے کے باعث ہے پھر یہ کہ انکا شوق جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ کس قدر بلند تھا اور اسی جذبہ کے باعث ایک ابتلاء وآزمائش بھی پیش آ گئی جس سے ان کا مزید انابت الی اللہ کا درجہ معلوم ہو گیا اور ان ہی عظمتوں، فضیلتوں کا یہ نتیجہ وثمرہ ہوا کہ ان کے واسطے ہوائیں اور جنات مسخر کر دیئے تو ان تمام وجوہ فضائل کے ساتھ ان واقعات کے اجزاء میں باہمی ربط ومناسبت بھی بخوبی ظاہر ہو جائے گا برخلاف من گھڑت ان واقعات اور کہانیوں کے جن کا عقلاً اور شرعاً خدا کے برگزیدہ پیغمبروں سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہو سکتا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ

دعا دنیا کی کسی نعمت یا سلطنت وجاہ کی طلب نہ تھی بلکہ یہ صرف اس غرض سے تھی کہ جتنے بھی آدمی میری دعوت وتبلیغ سے دین میں داخل ہوں گے وہ میرے اجر وثواب کا ذریعہ ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ﴾ الخ

انبیاء علیہم السلام کے احوال وخصائص جو قرآن کریم اور نصوص شریعت سے واضح ہوتے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو چیز مانگتے ہیں وہ خدا کی اجازت اور اس کی منشاء معلوم ہونے پر مانگتے ہیں اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ بغیر اذن خداوندی کسی چیز کی درخواست کرتے ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ مانگی تھی وہ اگرچہ عین منشاء خداوندی کے مطابق تھی اور مجرمین وباغیوں کی عذاب خداوندی سے سرکوبی جو عین حکمت الہیہ ہے اسی کی ترجمان تھی مگر صرف اس وجہ سے کہ صریح طور پر ایسی دعا کی وحی نہیں آئی تھی تو مدت العمر اس پر نادم رہے اور یہ ندامت روز قیامت تک ایسی باقی رہے گی کہ اس کے باعث بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرنے سے شرمائیں گے اس لیے ظاہر یہی ہے کہ غیبی طور سے اللہ نے انکے قلب کو اس بات پر مطمئن کر دیا ہو کہ اے سلیمان علیہ السلام اگر تو تم یہ دعا مانگو تو تمہاری یہ دعا قبول کر لی جائے گی لہٰذا انہوں نے یہ دعا کی اور وہ بارگاہ رب العزت سے قبول کر لی گئی اس درخواست کو محض قبولیت کے درجہ میں نہیں بیان کیا گیا بلکہ سلیمان علیہ السلام کی مدح وثناء کے طور پر بیان کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بڑے بڑے جبار اور متکبر بادشاہ تھے اور حق تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ پیغمبر جس زمانہ میں مبعوث ہوا اس کی مناسبت سے معجزات دیئے گئے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا زور تھا تو اس کی مناسبت سے عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا تو اس لحاظ سے سلیمان علیہ السلام کو یہ سلطنت عطا کی جو درحقیقت معجزہ تھی اس سے مقصود سلطنت وبادشاہت نہیں بلکہ تبلیغ دین اور مخلوق خدا کی اصلاح وہدایت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے آپ کو مسکین کہا کرتے تھے تاریخی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی ذات کے لیے سلطنت وبادشاہت سے کسی ادنیٰ درجہ کا بھی انتفاع نہ کرتے حتیٰ کہ ان کا گزران معاش زنبیل سازی بیان کی گئی گویا مزدوری کر کے اپنا کفاف مہیا کرتے۔

فائدہ:...... انسان فطری طور سے کمزور واقع ہوا ہے اکثر نعمتوں اور راحتوں میں یاد خدا سے کچھ نہ کچھ غفلت ہو جاتی ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے بھی ان کو مطمئن کر دیا گیا کہ سلیمان علیہ السلام کے واسطے ہمارے یہاں بہت ہی بلند واعلیٰ مقام قرب کا ہے اور اخروی انعامات سے اس قدر نوازا گیا کہ دنیوی نعمتیں اور سلطنت وبادشاہت کسی درجہ میں بھی حجاب یا غفلت کا سبب نہیں بن سکے گی۔

حضرت والد صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کے قلم مبارک سے لکھی ہوئی ایک عبارت جو حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے وعظ تعظیم العلم سے اقتباس ہے ملی دعا ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا قولہ تعالیٰ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ مولانا رومی رحمہ اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس سے حرص وحسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقع میں یہ ضعفاء کے حق میں ہے انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جس کی توجیہ یہ ہے

کہ (آیت) "من بعدی"۔ میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ایسا ملک عطا فرما کہ جو مجھ سے کم درجہ والوں کے لیے مناسب نہ ہو کیوں کہ وہ ایسی سلطنت مل جانے سے کفر اور تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے اب اس تفسیر پر حضور ﷺ کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ ﷺ سلیمان علیہ السلام کے اعتبار سے من معی بلکہ من قبلی ہیں یعنی آپ ﷺ تو نبوت اور رسالت میں ان کے ہم مرتبہ ہیں اور درجہ میں ان سے بھی افضل ہیں اور خاقانی کا یہ شعر:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی ۔۔۔ کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس سے سلیمان علیہ السلام کی توہین کا شبہ نہ کیا جائے، یہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جہاں دولت اور سلطنت کے ساتھ باخدا بودن جمع نہ ہو سکے بخلاف حضرت سلیمان علیہ السلام کے کہ انکی سلطنت اور مملکت باخدا بودن کے منافی نہ تھی باوجود اتنی عظیم سلطنت کے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہ تھے انتھی المراد کذا فی تعظیم العلم ص ۲۹۔ ۳۰ وعظ ششم از سلسلہ تبلیغ۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ

اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب اس نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذا اور تکلیف ف ۱ لات مار

اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو، جب پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذا اور تکلیف۔ لات مار

بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا

اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو اور بخشے ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی طرف کی مہربانی سے

اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو۔ اور دیئے ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی طرف کی مہر سے

وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ

اور یاد رکھنے کو عقل والوں کے ف ۲ اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو ف ۳ ہم نے اس کو پایا

اور یاد رہنے کو عقل والوں کے۔ اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے، اور قسم میں جھوٹا نہ ہو۔ ہم نے اس کو پایا

ف ۱ قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن امور میں کوئی پہلو شر یا ایذاء کا یا کسی مقصد صحیح کے فوت ہونے کا ہو ان کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا۔ "وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ" (کہف، رکوع ۹) کیونکہ اکثر اس قسم کی چیزوں کا سبب قریب یا بعید کسی درجہ میں شیطان ہوتا ہے۔ اسی قاعدہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری یا تکلیف یا آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی گویا تواضعاً و تادباً یہ ظاہر کیا کہ ضرور مجھ سے کچھ تساہل یا کوئی غلطی اپنے درجہ کے موافق صادر ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں یہ آزار پیچھے لگا۔ یا حالت مرض و شدت میں شیطان القائے وساوس کی کوشش کرتا ہوگا اور یہ اس کی مدافعت میں تعب و تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔ اس کو نصب و عذاب سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(تنبیہ) حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ "سورۃ انبیاء" میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے مگر واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کیے ہیں ان میں مبالغہ بہت ہے۔ ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے کما قال تعالیٰ ﴿لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ لہٰذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہیے جو منصب نبوت کے منافی نہ ہو۔

ف ۲ جب اللہ نے چاہا کہ ان کو چنگا کرے، حکم دیا کہ زمین پہ پاؤں ماریں۔ پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا۔ اسی سے نہایا کرتے اور پانی پیتے۔ وہی ان کی شفاء کا سبب ہوا۔ اور ان کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے =

صَابِرًا ۭ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

جھیلنے والا بہت خوب بندہ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا۔

سہارنے والا، بہت خوب بندہ، وہ ہے رجوع رہنے والا۔

قصہ سوم حضرت ایوب علیہ السلام ومناجات ببارگاہ رب العالمین

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ... الٰى ... نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کے ایک ابتلاء وآزمائش کا ذکر تھا اب ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ایک قصہ بیان کیا جارہا ہے جس میں ان کے ابتلاء اور آزمائش میں صبر واستقامت کا بیان ہے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر بیماری وتکالیف اور فقر وفاقہ میں بھی کیسے صابر رہے اور جب انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا تو کس طرح رحمت خداوندی سے انکی تمام تکالیف دور کر کے انعامات اور رحمتوں سے نوازا گیا اس واقعہ کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کے بعد شکر وصبر کا ارتباط رکھتا ہے وہ اللہ کے برگزیدہ ایسے شاکر بندے تھے کہ امم سابقہ میں ایک نمونہ نہیں ملتا تو ایوب علیہ السلام ایسے صابر بندے تھے کہ صبر ایوب علیہ السلام دنیا میں ایک معیار اور نمونہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

فرمایا اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو کہ کیسے صابر تھے کہ طرح طرح کے امراض ومصائب اور مشقت وتنگی میں مبتلا ہوئے تو اس وقت اپنے پروردگار کو پکارا اور التجا کی کہ اے میرے پروردگار تحقیق شیطان نے مجھ کو بڑی ہی مشقت اور تکلیف پہنچائی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے مجھ کو شیطان کے شر اور فتنہ سے بچا تو ہم نے انکی دعا قبول کی اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو چنانچہ انہوں نے پاؤں زمین میں مارا تو ان کی شفاء اور تندرستی کا بطور خرق عادت اور معجزہ سامان پیدا کرنے کے لیے ایک چشمہ جاری کر دیا گیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ یہ تمہارے واسطے نہانے کا پانی ہے ٹھنڈا اور پینے کے لئے بھی چنانچہ اس پانی میں نہائے اور اس کو پیا جس سے بالکل تندرست ہو گئے اور عطا کیے ہم نے ان کو ان کے گھر والے جو حوادث میں ضائع ہو چکے تھے اور ان ہی کے برابر انہی جیسے اور عطا کیے محض اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے تاکہ مہربانیوں اور رحمتوں کے یہ واقعات نصیحت وعبرت کا سامان ہوں عقل والوں کے لیے اور وہ یہ سمجھیں کہ خدا کے صابر بندے کس طرح کیسے عظیم انعامات سے نوازے جاتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام نے بحالت مرض کسی بات پر خفا ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سولکڑیاں ماریں گے وہ بی بی اس بیماری کی حالت میں جب کہ سب لوگ ان سے

= عطا کیے تاکہ عقلمند لوگ ان واقعات کو دیکھ کر سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا اور خدائے واحد کی طرف رجوع ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی کس طرح کفالت واعانت فرماتے ہیں۔

ف ۳ حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سولکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچی کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلا دیا جو ان ہی کے لیے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لیے اتنی بات کافی نہ ہوگی۔

(تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو، جائز نہیں۔ جیسے اسقاط زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اس کی اجازت ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

دور ہو چکے تھے تنہا ان کی رفیق وخدمت گزار تھی اور بظاہر قصوروار بھی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انکو یہ طریقہ اور قسم کو سچا کرنے کا حیلہ بتلا دیا جو صرف انہی کے لئے مخصوص تھا تو فرمایا اور اے ایوب علیہ السلام پکڑ لو اپنے ہاتھ میں سینکوں کی ایک گڈی اور پھر اس کو مارو اپنی بیوی پر تاکہ سو لکڑیاں مارنے کی قسم پوری ہو جائے اور تم اپنی قسم میں جھوٹے نہ ہو بیشک ایوب علیہ السلام کو ہم نے بہت ہی صابر پایا ان تمام شدائد مرض اور مصائب میں جو انکے حق میں منجانب اللہ اسی طرح مقدر فرمائے گئے جیسے کہ بہت سے انبیاء اور اللہ کے مقربین پر فقر وفاقہ اور دشمنوں کی طرف سے مصائب وآلام کے واقعات پیش آئے ہیں اس طرح کے صبر سے ایوب علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ وہ بہت اچھے بندے ہیں بالخصوص یہ بات قابل تعریف ہے کہ ان تمام مشقتوں میں وہ خدا کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والے تھے۔

تحقیق ابتلاء ایوب علیہ السلام

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے جس ابتلاء کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل کسی صحیح حدیث کے ذریعہ متعین نہیں بالاجمال الفاظ قرآن کریم سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ کسی مشقت وتکلیف یا بیماری کے ذریعہ آزمائش فرمائی گئی جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام مختلف قسم کی آزمائشوں میں آزمائے جاتے ہیں یہ بھی آزمائے گئے تاکہ دنیا کے سامنے خدا کے برگزیدہ بندوں کے صبر کا نمونہ ظاہر ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل کہ دنیا میں سب سے زیادہ شدائد ومصائب میں مبتلا ہونے والے خدا کے پیغمبر ہوتے ہیں پھر ان کے بعد وہ جو درجہ بدرجہ ان سے مشابہ وقریب ہوں اس بیماری یا تکلیف کے سلسلہ میں جو واقعات مشہور ہیں کہ تمام بدن گل سڑ گیا اور کوئی حصہ بدن ایسا نہ رہا جہاں آبلے اور پھوڑے نہ ہوں ان کو راکھ پر ڈال دیا گیا اور گھر سے دور کسی جگہ ڈال دیا گیا لوگ کہنے لگے اے ایوب علیہ السلام تم نے کوئی گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں تم اس مصیبت میں مبتلا کیے گئے تمام گھر اور قبیلہ کے لوگ چھوڑ گئے سوائے انکی بیوی کے وہ خدمت کرتی رہی فقر وفاقہ کی حد نہ رہی حتیٰ کہ علاج اور دوا کے لئے بھی کچھ نہ رہا اسی حالت میں کہ بیوی علاج اور دوا کی فکر میں پریشان پھر رہی تھی تو ایک شیطان بشکل طبیب ظاہر ہوا انہوں نے علاج کی درخواست کی تو شیطان نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ انکو شفا ہو جائے تو یہ کہہ دینا کہ ایوب علیہ السلام کو تو نے شفا دی اس کے علاوہ میں تجھ سے کوئی نذرانہ وغیرہ نہیں چاہتا انہوں نے ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کی بندی یہ تو شیطان تھا اب میں عہد کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ اللہ نے اگر مجھے شفا دی تو میں تجھ کو بطور سزا سو قمچیاں ماروں گا (درمنثور) ایوب علیہ السلام کو اس بات پر شدید رنج ہوا کہ شیطان کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ وہ میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہے جو موجب شرک ہوں اگرچہ ایک طرح سے تاویل بھی ممکن ہے اس رنج وغم میں اب اللہ کی طرف خاص تضرع وزاری کے ساتھ متوجہ ہوئے اور فرمایا ﴿رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اے اللہ مجھے تکلیف ومصیبت پہنچی ہوئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے کمال ادب کے ساتھ صرف اپنی حالت کا پروردگار کے سامنے اظہار کر دیا اور یہ کہ آپ ارحم الراحمین ہیں جو بھی شان رحیمی کا مقتضیٰ ہو وہ اے پروردگار میرے واسطے فرما دیجئے فوراً ہی دعا قبول ہوئی اور پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا جس سے پانی جاری

ہوگیا اور اس کے ذریعہ غسل سے بدن بھی تندرست ہوگیا اور اسکے پینے سے قلب کو بھی تسکین حاصل ہوئی بطور قدر مشترک روایات میں اس طرح کی باتیں مذکور ہیں ان روایات کے مضامین کو ذکر کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں حضرات ائمہ مفسرین اور محققین نے اس طرح کی بیماری کی داستانوں کو قابل اعتماد اور درست نہیں سمجھا اور یہ فرمایا کہ اللہ کے کسی پیغمبر کے لیے ایسی کوئی حالت جو لوگوں کے لیے باعث تنفر اور تکدر ہو نہیں ہوسکتی اس طرح کی بیماری کہ بدن سے کیڑے گرنے لگے اور لوگ ان کو گھر سے باہر کسی جگہ لے جا کر ڈال دیں انبیاء علیہم السلام کی اس عظمت و وجاہت کے منافی ہے جو اللہ کی طرف سے خاصہ نبوت ہے عوارض جسمانیہ اور امراض کا انبیاء پر ورود بیشک درست ہے لیکن ایسے امراض جو گندے اور قابل نفرت ہوں مثلاً جذام و برص، عمیٰ (نابینا پن) اور جنون و اپاہج پن سے محفوظ رکھے جاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنو اسرائیل نے ایک ایسی بیماری اور عیب کا الزام لگایا تھا جو لوگوں میں حقیر ہے تو اللہ نے اس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت ظاہر فرمادی جیسے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور ﴿وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وجاہت انبیاء علیہم السلام کا خاصہ نبوت ہے لہٰذا ایسی کوئی بیماری اور حالت جو باعث عیب یا نفرت ہو انبیاء علیہم السلام کے لیے نہیں ہوسکتی حضرت یعقوب علیہ السلام کیلئے اگرچہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سپید ہوگئی تھیں اور بینائی جاتی رہی تھی تو یہاں اولاً تو یہ بات قابل ذکر ہے کہ بقول بعض ائمہ مفسرین اصل بینائی ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ شدت غم اور کثرت بکا کی وجہ سے ایک پردہ سا آنکھوں پر چھا گیا تھا پھر یہ کہ یہ نابینا پن پیدائشی نہ تھا اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں بعض مؤرخین کا یہ کہنا کہ وہ نابینا تھے صحیح نہیں ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اغماء اور غشی تو پیغمبروں پر ممکن ہے کیونکہ وہ کوئی مستقل مرض عیب کی قسم سے نہیں البتہ جنون ممکن نہیں کیونکہ جنون عیب ہے الغرض امراض کا عارض ہونا بیشک انبیاء علیہم السلام پر ہوتا ہے لیکن صرف اسی حد تک کہ وہ قابل نفرت نہ ہوں اور نہ ہی وہ عیب کے درجہ میں ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اس قسم کو پورا کرنے کے سلسلہ میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ صورت ارشاد فرمانا ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ﴾ ایک نوع کی سہولت کا مہیا فرما دینا ہے کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور اس بیوی کو جو واقعۃً اور حقیقۃً تو کسی جرم کی مرتکب نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ کسی ایسی شرعی حد کی مرتکب بنی ہے جس پر اس طرح کی حد جاری کی جائے محض ایک وہم بعید کا درجہ ہوا اور خاندان نبوت کی شان سے قدرے گری ہوئی چیز آگئی تو اس کے تدارک کے لئے بوحی الٰہی یہ حیلہ اور طریقہ حضرت ایوب علیہ السلام کو بتا دیا گیا حقیقت میں جرم تو تھا نہیں بلکہ شبہ بعید تھا تو اس طرح کی حد (سزا) بھی حقیقت سزا نہ رہے صرف مشابہت بعید ہی کے درجہ میں صورت سزا ہی جائے۔

یہ حیلہ ایسا ہی ہوگیا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کی تدبیر کی تھی کہ ان کے سامان میں پیالہ رکھوا دیا اور پھر اعلان ہوا کہ ہماری ایک چیز گم ہوئی ہے تو اس وجہ سے تم لوگ چور ہوتا کہ وہ سب سے یہ بھی کہیں اے یوسف علیہ السلام نہیں ایسا نہیں اور اس پر یوسف علیہ السلام ان سے یہ بات دریافت کرلیں بتاؤ اگر تم جھوٹے ہو تو کیا سزا ہو

اور اس کے جواب میں وہ یہ کہہ دیں ﴿جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ﴾ کہ بس اسکی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ چیز ملے وہ شخص اسی کا بطور غلام وخادم اس کے پاس رہ جائے گا تو اس تدبیر سے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا اور اس خصوصی تدبیر کو اللہ نے خود ارشاد فرمایا ﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ﴾ کہ ہم نے ہی یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کو القاء کی کیونکہ وہ اپنے بھائی کو وہاں کے ملکی قانون کے مطابق نہیں روک سکتے تھے تو اس طرح کا یہ بھی ایک خصوصی حیلہ تھا جس کی حضرت ایوب علیہ السلام کو اجازت دی گئی فقہاء حنفیہ کے یہاں جو بعض مواقع پر حیلہ کی صورت اختیار کی گئی یا اس کی اجازت دی گئی اس کی نوعیت اس طرح ہے حیلہ اگر اس طرح ہے کہ اس سے حرام شئے کو حلال قرار دے لیا جائے یا اس سے شریعت کی غرض فوت ہو یا اس حیلہ سے کسی شخص کا حق ضائع ہوتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس طرح کا حیلہ قطعاً ممنوع ہے اور اس کو کسی بھی فقیہہ نے کسی بھی حالت میں درست نہیں سمجھا حیلہ صرف اس صورت میں گوارہ کیا گیا کہ انسان اس کو اختیار کر کے حرام میں مبتلا ہونے سے بچ جائے چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحج میں یہی فرمایا کہ حیلہ کا جواز اس وجہ سے نہیں ہے کہ انسان اس کو اختیار کر کے حرام میں داخل ہو جائے گا بلکہ اس کا جواز صرف اس حد تک ہے کہ اس کے ذریعہ حرام میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے اور اس طرح حلال صورت سے متمتع ہو سکے تفصیلات کے لیے فقہاء کے بیان کردہ جزئیات کی مراجعت کی جائے الغرض حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حکم بارگاہ خداوندی سے ازباب عفو وترحم تھا کہ ایسی نیک بی بی ایذاء رسانی سے بچ جائے اور کسی جھاڑو وغیرہ کی باریک سینک کوڑے کے قائم مقام ہو جائے اور تبدیل صورت سے تبدیل حکم ہو جانا اور باوجود معنوی مغائرت کے صوری مشابہت کو کافی قرار دے لینا یہی حقیقت حیلہ کی ہے جس کو فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں جائز قرار دیا جب کہ نہ تو کسی کا حق فوت ہوتا ہو اور نہ حرام کا ارتکاب لازم ہوتا ہو بلکہ وہ حیلہ اس کو اضطرار و مخمصہ کی مصیبت سے نکال کر حرام میں مبتلا ہونے کے بجائے ایک حلال شکل مہیا کرتا ہے تفصیل کے لیے روح المعانی جلد ۲۳ کی مراجعت فرمائیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے نسب کے بارے میں محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے ایوب بن اموص بن روم بن عیص بن اسحاق علیہ السلام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور ان کے باپ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے تو اس لحاظ سے ان کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ہوا ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد بیان کیا ہے اور بعض نقول سے سلیمان علیہ السلام کے بعد ہے۔ (روح المعانی)

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝۴۵ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ

اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے ف۱ ہم نے امتیاز دیا ان کو

اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے۔ ہم نے امتیاز دیا ان کو

ف۱ یعنی عمل اور معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین وبصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ

ایک چنی ہوئی بات کا وہ یاد اس گھر کی ف۱ اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں اور یاد کر

ایک چنی بات کا وہ یاد اس گھر کی۔ اور وہ سب ہمارے پاس ہیں چنے نیک لوگوں میں۔ اور یاد کر

إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ

اسماعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا خوبی والا ف۲ یہ ایک مذکور ہو چکا ف۳ اور تحقیق ڈر والوں کے لیے ہے

اسماعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو۔ اور ہر ایک تھا خوبی والا۔ یہ ایک مذکور ہو چکا، اور تحقیق ڈر والوں کو ہے

لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا

اچھا ٹھکانا باغ ہیں سدا بسنے کے کھول رکھے ہیں ان کے واسطے دروازے ف۴ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ان میں منگوائیں گے ان میں

اچھا ٹھکانا۔ باغ ہیں بسنے کے کھول رکھے ان کے واسطے دروازے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ان میں، منگواتے ہیں ان میں

بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ

میوے بہت اور شراب ف۵ اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی ف۶ یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا گیا

میوے بہت اور شراب۔ اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی۔ یہ وہ ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے

لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

حساب کے دن پر یہ ہے روزی ہماری دی ہوئی اس کو نہیں نبڑنا ف۷

حساب کے دن پر۔ یہ ہے روزی ہماری دی اس کو نہیں نبڑنا۔

تذکرۂ اخلاص وفضائل ابراہیم واسحٰق ویعقوب ودیگر انبیاء کرام علیہم السلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ... الی ... لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ﴾

گزشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر واستقامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام واسحٰق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام ودیگر انبیاء علیہم السلام کے اخلاص وانابت الی اللہ ودیگر فضائل کا بیان ہے جس سے یہ غرض ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ان علمی

ف۱ انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر خدا کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔

ف۲ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر پہلے گزر چکا اور "الیسع" کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے خلیفہ تھے ان کو بھی اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔

ف۳ یعنی یہ مذکور تو انبیاء کا تھا۔ آگے عام متقین کا انجام سن لو۔

ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" جب بہشت میں داخل ہوں گے ہر کوئی بدون بتائے اپنے گھر میں چلا جائے گا۔"

ف۵ یعنی قسم قسم کے میوے، پھل اور پینے کی چیزیں حسب خواہش غلمان حاضر کریں گے۔

ف۶ یعنی سب عورتیں نوجوان ایک عمر کی ہوں گی یا شکل وشمائل میں خوبو میں اپنے ازواج کی ہم عمر معلوم ہوں گی۔

ف۷ یعنی غیر منقطع اور لازوال نعمتیں ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ "رزقنا اللہ منہا بفضلہ وکرمہ فانہ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین"

وعملی اور ظاہری و باطنی کمالات کو معلوم کر کے یہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے مراتب عالیہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے انعامات ورحمتوں کی نوازش انہی اوصاف وخوبیوں کے باعث تھی اس لیے اگر کسی کو انعامات وفضائل کا شوق ہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کے ان برگزیدہ پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وانکار کرنے والوں کا انجام ہلاکت و بربادی اور ذلت کی صورت میں دنیا کی نظروں کے سامنے آیا اس لیے انبیاء علیہم السلام کا انکار وتکذیب کرنے والوں کو ان انجام سے غافل نہ رہنا چاہئے یہ واقعات عبرت ہیں ہر صاحب عقل کو ان سے عبرت حاصل کرنا چاہئے فرمایا اور یاد کرو ہمارے خاص بندوں ابراہیم واسحق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے کہ ان میں قوت عملیہ بھی کامل تھی اور قوت علمیہ بھی اور خاص کر لیا تھا ہم نے ان کو ایک خصوصی صفت کے ساتھ وہ تھی یاد آخرت کی کہ ہمہ وقت اسی کی فکر اور تیاری میں مصروف رہتے اور اپنی تمام عملی قوتوں اور نظر وفکر کی صلاحیتوں کو اسی کے لئے وقف کئے ہوئے تھے وہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالح میں ایسے کامل تھے کہ اپنے نفس پر غالب تھے طاقتور تھے نگاہوں سے عبرت کے واقعات اور دلائل قدرت دیکھتے رہتے بصر وبینائی کے اس کمال کے ساتھ بصیرت سے حق تعالیٰ کی معرفت کی بلندیوں تک پہنچے ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ علم ومعرفت اور عمل کا کمال ہی اللہ کی بارگاہ میں تقرب اور فضیلت کا باعث ہے اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے اپنی ان تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو آخرت کی فکر اور تیاری میں مصروف کیا ہوا تھا آخرت کے غم کے سوا اور کوئی فکر وغم ہی نہ تھا۔

غم دیں خور کہ غم غم دین است ہم غمہا فروتر از این است

اور بیشک یہ سب ہمارے نزدیک چنے ہوئے برگزیدہ اور نیک لوگوں میں ہیں جمہور قراء کے نزدیک (آیت) "الایدی" یا کے ساتھ ہے جو ید کی جمع ہے اور ید کے معنی ہاتھ کے ہیں تو اس لحاظ سے اولو الایدی سے عملی قوت والا ہونا مراد ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں یہی فرمایا کرتے "القوة في العبادة"۔ اور "الابصار" سے مراد "الفقه في الدين"۔ لیتے ہیں، بعض علماء نے ید بمعنی نعمت لیا ہے کہ یہ حضرات بڑے انعامات اور نعمتوں والے تھے۔

بعض قراء نے بغیر یا صرف اولی الاید۔ پڑھا ہے تو لفظ اید بمعنی طاقت ہے تو مراد عبادت میں انکی، ہمت اور جفاکشی اور قوت کا بیان ہے اور یاد کرو اسماعیل علیہ السلام اور الیسع اور ذو الکفل علیہم السلام کو بھی یہ سب بھی بہت ہی اچھے لوگوں میں ہیں اللہ کے یہاں ان کے درجات بھی ایسے ہی ہیں، جیسے کہ دیگر بیان کردہ برگزیدہ پیغمبروں کے اور ان کو بھی اللہ نے ایک خاص خوبی کے ساتھ چھانٹ لیا تھا اور وہ فکر آخرت تھی کہ اسی میں ان لوگوں نے بھی اپنی عملی اور علمی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو صرف کر رکھا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ کرنے کے بجائے مستقلاً کیا گیا انکی خصوصی عظمت شان کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ذوالکفل کا تذکرہ سورۃ انبیاء میں گزر چکا۔ "الیسع" صاحب قاموس کہتے ہیں یہ لفظ عجمی ہے اس پر "ال" کا استعمال اس لفظ کی خصوصیت کا درجہ رکھتا ہے اس کے دیگر نظائر اور اعلام عجمیہ پر الف لام کا استعمال صحیح نہ ہوگا بعض ائمہ لغت نے "اسکندر" کو الف لام کے استعمال کی خصوصیت میں شامل کیا ہے شیخ سیوطی

رحمہ اللہ نے الاتقان میں اس کے لفظ عربی ہونے کو اختیار کیا ہے اور بیان کیا کہ یہ "یسع" مضارع سے منقول ہے ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے بنو اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا بعد میں نبوت سے سرفراز فرمائے گئے یہ سب فضائل وکمالات یادگار ہیں ان سب حضرات انبیاء کے اور شرف وفضل ہیں اور آنے والی نسلوں میں ان کا بہترین ذکر ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ اور بیشک تمام تقویٰ والوں کے لیے بہترین ٹھکانا ہے اور وہ باغات ہیں ہمیشہ کے لیے بسنے کے جن کے دروازے انکے واسطے کھول دیئے گئے ہیں کہ اعزاز واکرام کا یہ مقام ہوگا کہ جب بھی وہ اپنے باغات ومحلات میں آئیں گے ان کے استقبال کے لیئے فرشتے دروازوں کو کھولے منتظر ہوں گے اس اعزاز واکرام کے ساتھ یہ مقام سکون و اطمینان ہوگا کہ تکیہ لگائے ہوں گے ان میں اعتماد وبھروسہ بھی ہوگا اللہ کی تمام رحمتوں اور عنایات پر اور وقار وسکون ہوگا جسمانی لحاظ سے منگائیں گے ان محلات وباغات میں بہت سے اقسام کے پھل اور میوے اور متعدد اقسام کے مشروبات ان تمام نعمتوں کے علاوہ عیش ولذت کا یہ بھی سامان ہوگا اور ان کے پاس عورتیں ہوگی جو نگاہوں کو نیچا رکھنے والی ہوں گی برابر ہوں گی عمر اور حسن وجمال میں جن کے حسن وجمال اور عفت ووقار سے اہل جنت کے انعامات وراحت میں مزید اضافہ ہوگا بیشک یہ ہیں وہ نعمتیں اور کرامتیں ہمارا عطا کردہ رزق جس کے واسطے نہیں ہے کوئی خاتمہ اور فنا وزوال اور اہل جنت ہمیشہ ان غیر منقطع اور لازوال نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے نہ ان راحتوں سے نکلنے اور نہ ان کے منقطع ہونے کا غم ہوگا اور نہ ہی اپنی موت کا اندیشہ ہوگا اس لیے کہ زوال وفنا تو دنیائے فانی کے خواص میں سے ہے دار الخلد تو بقاودوام کی جگہ ہے رزقنا اللہ تعالیٰ منہا بفضلہ وحسن عنایتہ فانہ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین۔ امین۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ

یہ سن چکے ف۱ اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ان کو ڈالیں گے سو کیا بری آرام کرنے کی جگہ ہے یہ ہے

یہ سن چکے! اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانا۔ دوزخ ہے جس میں پیٹھیں گے۔ سو کیا بری تیاری ہے۔ یہ ہے،

فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ

اب اس کو چکھیں ف۲ گرم پانی اور پیپ ف۳ اور کچھ اور اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں یہ ایک فوج ہے دھنستی آرہی ہے تمہارے ساتھ

اب اس کو چکھیں گرم پانی اور پیپ۔ اور کچھ اسی شکل کا طرح طرح کی چیزیں۔ یہ ایک فوج دھنستی آتی ہے تمہارے ساتھ،

لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ

جگہ نہ ملیو ان کو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں وہ بولے بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے

جگہ نہ ملیو ان کو، یہ ہیں پیٹھے آگ میں۔ وہ بولے، بلکہ تم ہی ہو، کہ جگہ نہ ملیو تم کو، تم ہی پیش لائے

ف۱ یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے۔ آگے شریروں کا انجام سن لو۔

ف۲ یعنی لو! یہ حاضر ہے۔ اب اس کا مزہ چکھیں۔

ف۳ "غساق" سے بعض نے کہا دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائش مراد ہیں۔ جس میں سانپوں بچھوؤں کا زہر ملا ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک "غساق" حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جس کے پینے سے سخت اذیت ہو گویا "حمیم" کی پوری ضد۔ واللہ اعلم۔

قَدَّمۡتُمُوۡهُ لَنَا ۚ فَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا رَبَّنَا مَنۡ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدۡهُ عَذَابًا ضِعۡفًا فِی

ہمارے یہ بلا سو کیا بری ٹھہرنے کی جگہ ہے ف۱ وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی لایا ہمارے پیش یہ سو بڑھا دے اس کو دونا عذاب

ہمارے یہ بلا۔ سو کیا برا ٹھہراؤ ہے۔ وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی ہمارے پیش لایا یہ، سو بڑھتی دے اس کو مار دونی

النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوۡا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمۡ مِّنَ الۡاَشۡرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذۡنٰهُمۡ سِخۡرِيًّا

آگ میں ف۲ اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان مردوں کو کہ ہم ان کو شمار کرتے تھے برے لوگوں میں کیا ہم نے ان کو ٹھٹھے میں پکڑا تھا؟

آگ میں۔ اور کہیں گے کیا ہوا؟ کہ ہم نہیں دیکھتے کتنے مردوں کو کہ ہم ان کو گنتے تھے برے لوگوں میں۔ کیا ہم نے ان کو ٹھٹھے میں پکڑا؟

اَمۡ زَاغَتۡ عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ ع

یا چوک گئیں ان سے ہماری آنکھیں ف۳ یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا ف۴

یا چوک گئیں ان سے آنکھیں۔ یہ بات ٹھیک ہونی ہے، جھگڑا آپس میں دوزخیوں کا۔

بعد از ذکر احوال سعداء تذکرہ مجرمین واشقیاء

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿هٰذَا ۚ وَاِنَّ لِلطّٰغِيۡنَ ... الی ... اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ﴾

قرآن کریم کا یہ طرز بیان ہے کہ اخیار و برگزیدہ بندوں کے ذکر کے بعد اشقیاء و بدبختوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور مطیعین پر انعامات کے بیان کے بعد مجرمین کی سزاؤں کو ذکر فرمایا جاتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی انبیاء سابقین کے اوصاف و فضائل کے بعد نافرمانوں اور سرکشوں کی سزاؤں اور انکی بدحالی کو بیان کیا جا رہا ہے،

فرمایا یہ سن چکے جو انعامات وفضائل تھے اہل تقویٰ اور مطیعین کے اور سرکشوں و نافرمانوں کے لئے تو بدترین

ف۱ یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی۔ جس وقت فرشتے ان کو یکے بعد دیگرے لا لا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے۔ پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا بعدہ ان کے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور گھستی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لیے چلی آ رہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آ کر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو! تمہی پر خدا کی مار ہو خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغواء واضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی۔ اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے۔ جس طرح ہو یہاں ہی سب مرد کھپو۔

ف۲ یعنی آپس میں لعن طعن کر کے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! جو بھی اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا۔ اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ ان کا دوگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہو جائے گا۔ حالانکہ وہاں تسلی کا سامان کہاں؟ ایک دوسرے کو کوسنا اور پھٹکارنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوگا۔

ف۳ وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ واعلیٰ دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ مگر جن مسلمانوں کو پہچانتے تھے اور سب سے زیادہ براجان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے۔ تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا وہ اس قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے نزدیک رہیں۔ یا اسی جگہ کہیں ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں۔ ہمارے دیکھنے میں آتے۔

ف۴ یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں۔ عذاب کا ہولناک منظر کیسے دوسری طرف متوجہ رہنے دے گا لیکن یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت میں یہ ان کے عذاب کی تکمیل ہے۔

ٹھکانہ ہوگا جو جہنم ہے جس میں یہ گھسیں گے سو کیا ہی وہ بری جگہ آرام کی ہوگی یہ ہے عذاب مجرمین کے لئے اب چاہئے کہ یہ مجرمین اس عذاب کو چکھیں جو کھولتا ہوا گرم پانی ہے اور پیپ اور اسی قسم کی اور بھی طرح طرح کی چیزیں اس طرح کے شدید اور دردناک عذاب میں ان مجرمین اور سرکشوں کو جو نافرمانوں کے پیشوا تھے مبتلا کرتے ہوئے کہا جائے گا یہ ایک اور جماعت ہے لو دیکھ لو جو گھسی اور دھنستی چلی آرہی ہے تمہارے ساتھ جہنم میں جن کو دیکھتے ہوئے تم کہو گے نہ ہو جگہ تمہارے واسطے کشادہ اور آرام کی یہ تو جہنم میں گھسنے والے لوگ ہیں اس لیے ان کے آنے کی کیا خوشی ہوسکتی ہے اور کیا ہی ان سے کوئی چیز اور نفع کی توقع کی جاسکتی ہے اس پر وہ لوگ جنہوں نے اپنے بڑوں کی پیروی کی تھی اپنے متبوعین کو غصہ اور نفرت سے کہیں گے تمہارے ہی واسطے نہ ہو کوئی جگہ کشادہ اور ٹھکانہ آرام کا تم ہی نے تو ہم کو یہاں لا اُتارا ہے سو یہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے پھر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پروردگار جس کسی نے ہمیں یہاں لا اتارا ہے اصل مجرم تو وہی ہے بس اس کا عذاب تو جہنم میں دوگنا کردے اور اسی حالت میں از راہ تعجب وحیرت کہیں گے کیا ہوگیا کہ ہم یہاں نہیں دیکھ رہے ہیں ان لوگوں کو جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے ان کے مذہب ودین اور ان کے اعمال واحوال کو ہم بری نظر سے دیکھتے تھے اور ہم نے ان ایمان والوں کو مذاق بنایا ہوا تھا جن کو دیکھ کر ہم ان پر ہنسا کرتے اور ان کو ذلیل کرتے تھے واقعۃً وہ لوگ اس جگہ نہیں ہیں یا ہماری نگاہیں ان سے چوک گئی ہیں بیشک یہ بات برحق ہے یعنی جہنمیوں کا اس طرح آپس میں جھگڑنا کہ ایک دوسرے پر لعنت وملامت کریں گے اور سوائے حسرت وملامت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن وتشنیع اور ملامت سے عذاب جہنم میں تخفیف کی بجائے قلبی کوفت اور ذہنی پریشانی میں اور اضافہ ہوگا جسمانی تکلیف کی تو پہلے ہی کوئی حد نہ ہوگی اس ذہنی کوفت سے انکی اذیتوں کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔

یہ گفتگو جس کا ذکر ان آیات میں فرمایا گیا جہنمیوں کی آپس میں ہوگی جس وقت فرشتے ان کو فوج در فوج لاکر جہنم کے کنارے پر جمع کرتے ہوں گے پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا ان کے بعد ان کے متبعین اور چھوٹوں کو لایا جائے گا تو سرداروں کی جماعت اس دوسری جماعت کو دور سے آتے دیکھ کر کہے گی لو دیکھو لو یہ ایک اور فوج دھنستی اور گھستی چلی آرہی ہے تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے خدا کی مار ہو ان پر یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے خدا کرے انکو کہیں کشادہ اور آرام کی جگہ نہ ملے ان سرداروں کی گفتگو سن کر یہ چھوٹے کہیں گے کمبختو! تم ہی پر خدا کی مار ہو تم کو ہی کوئی جگہ آرام کی نہ ملے تم ہی تو تھے کہ تم نے ہم کو گمراہ کیا اور آج تمہاری ہی بدولت ہم اس مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں اب تو بس یہی ایک ٹھکانہ ہے اور کوئی جگہ ہے کہاں کہ جس میں جائیں اس لعن وطعن کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوکر دعا کریں گے کہ اے پروردگار ان لوگوں کو دوگنا عذاب دے جنہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا اسی حالت میں ان کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ دنیا کی زندگی میں جن لوگوں کو حقیر اور کمتر سمجھتے تھے اور اپنے مال ودولت کے زعم میں اہل ایمان اور غربا اور فقراء کو حقیر سمجھتے تھے آج وہ یہاں اس ذلت و حقارت کے مقام میں نہیں ہیں تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اپنے دنیوی اس اعتقاد کا اس درجہ اثر دماغوں پر مسلط ہوگا کہ یہ سوچنے لگیں گے کہ شاید وہ ہمیں نظر نہیں آرہے ہیں ورنہ تو وہ ضرور یہاں ہونے چاہئیں تو اس طرح مزید ملال اور حسرت کی اذیت میں مبتلا ہوں گے جسمانی اذیتوں کے ساتھ آپس کی تو تو میں میں لعن طعن جھگڑا کرب اور بے چینی میں اضافہ

کرہی رہا تھا مزید برآں اس حسرت میں مبتلا ہوکر اور بھی تلملائیں گے بس یہی ان اہل نار کا حال ہوگا جو انکے اعمال واطوار کا نتیجہ ہے حمیم گرم اور کھولتے ہوئے پانی کو کہا جاتا ہے غساق۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ اور آلائش ہے جو سانپ اور بچھوؤں کے زہر کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ غساق نہایت ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جو حمیم کی ضد ہے جس کے پینے سے انتہائی اذیت اور تکلیف ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جامع ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اس غساق کا جو جہنمیوں کو پلایا جائے گا، ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو اس کی بدبو اور گندگی سے تمام دنیا والے بدبودار ہوجائیں گویا بدبو ان میں ایسی سرایت کرجائے کہ وہ بذات خود بدبودار ہوجائیں کعب احبار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس کی طرف ہر زہریلے سانپ اور بچھو کا زہر بہہ کر آتا ہے جس میں جہنمیوں کو غوطہ دیا جائے گا اور اس کی وجہ سے انکے جسم گل سڑ جائیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا رب آسمانوں کا اور زمین کا

تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنانے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ

اور جو ان کے بیچ میں ہے زبردست گناہ بخشنے والا ف۱ تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے ف۲ مجھ کو کچھ

اور جو ان کے بیچ ہے زبردست گناہ بخشنے والا۔ تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے۔ کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے۔ مجھ کو کچھ

لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾ اِذْ

خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ اور کچھ نہیں میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر ف۳ جب

خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب آپس میں تکرار کرتے ہیں۔ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ اور نہیں میں ڈر سنانے والا ہوں کھول کر۔ جب

ف۱ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ باقی سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ تو وہی اکیلا خدا ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم نہیں مار سکتا۔ ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو۔ جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز و غالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ اس کے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت و بخشش کو کس کی مجال ہے، محدود کردے۔

ف۲ یعنی قیامت اور اس کے احوال کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ مگر افسوس ہے کہ تم اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی کو کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے۔ بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہو کہ کب آئے گی۔ کیونکر آئے گی اور اتنی دیر کیوں ہورہی ہے اسے جلد کیوں نہیں بلا لیتے۔ وغیرہ ذالک۔

ف۳ ملاء اعلیٰ (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یعنی ملاء اعلیٰ میں نظام عالم کے فناء و بقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل و قال ہوتی ہے۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرما دیا وہ بیان کردیے۔ جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی و اعلام سے کہتا ہوں۔ مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ اندازے کے لیے اس کی ضرورت ہے نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں۔ پھر سب نے =

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا ف۱ پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان ف۲

کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا۔ پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ

تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے اکٹھے ہو کر مگر ابلیس نے ف۳ غرور کیا اور تھا وہ

تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدے میں۔ پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سارے اکٹھے۔ مگر ابلیس نے غرور کیا اور تھا وہ

مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ

منکروں میں ف۴ فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے دونوں ہاتھوں سے ف۵ یہ تو نے غرور کیا

منکروں میں۔ فرمایا اے ابلیس! تجھ کو کیا اٹکاؤ ہوا کہ سجدہ کرے اس چیز کو جو میں نے بنائی اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ یہ تو نے غرور کیا

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾

یا تو بڑا تھا درجہ میں ف۶ بولا میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے ف۷

یا تو بڑا تھا درجے میں؟ بولا میں بہتر ہوں اس سے، مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔

=حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی وہی جواب ملا۔ آخر سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا فرمایا" وجبۃ الساعۃ" (عین قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں البتہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے الخ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا۔ فرمایا۔ "ما المسؤول عنھا باعلم من السائل "یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ ملاء الاعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث وتکرار رہتی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت مسائل ہیں جن میں ایک طرح کی تکرار اور قیل وقال ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے کئی مرتبہ سوال کرنا۔ "فیم یختصم الملاء الاعلی "اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الٰہی کے اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہی ذریعہ ہے جس سے اہل نار کے تخاصم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی۔ اسی سے ملاء الاعلیٰ کے اختصام کی خبر لگی اور جو تخاصم ابلیس کا آدم کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ بھی اسی ذریعہ سے معلوم ہوا۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "ایک یہ بھی تکرار تھی فرشتوں کی جو بیان فرمایا۔"

ف۲ یعنی ڈھانچہ ٹھیک تیار کر کے اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "کہ "روحی" (اپنی جان) اس لیے فرمایا کہ آب وخاک سے نہیں بنی۔ عالم غیب سے آئی۔" کچھ مضمون روح کے متعلق سورۃ "بنی اسرائیل" میں گزرا ہے۔ وہاں روح کی اس اضافت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۳ یہ قصہ سورۃ "بقرہ"، "اعراف" وغیرہ کئی سورتوں میں گزر چکا اعراف کے فوائد میں ہم نے مفصل بحث کی ہے اسے ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔

ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یہ (ابلیس اصل سے) جن تھا جو اکثر خدا کے حکم سے منکر ہے۔ لیکن اب (اپنی کثرت عبادت وغیرہ کے سبب سے) رہنے لگا تھا فرشتوں میں۔"

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے۔ اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی۔" (سورۃ "مائدہ" میں پارہ ششم کے ختم کے قریب ﴿بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ﴾ کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے) ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ واحوط ہے۔

ف۶ یا جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا۔ یا واقعے میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔

ف۷ سورۃ اعراف میں اس کا بیان گزر چکا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آگ ہے گرم پر جوش اور مٹی سرد ہے خاموش۔ ابلیس نے آگ کو اچھا سمجھا اللہ نے=

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ

فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا ف۱ اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اس جزا کے دن تک ف۲ بولا اے رب

فرمایا تو نکل یہاں سے، کہ تو مردود ہوا۔ اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اس جزا کے دن تک۔ بولا تو اے رب!

فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک کہ مردے جی اٹھیں ف۳ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے اسی وقت کے دن تک جو

مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک مردے جیویں۔ فرمایا تجھ کو ڈھیل ہے۔ اسی وقت کے دن تک جو

الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

معلوم ہے ف۴ بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے ہوئے

معلوم ہے۔ بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو۔ مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے۔

قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں ف۵ مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو ان میں تیری راہ چلے ان سب سے

فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں۔ مجھ کو بھرنا دوزخ تجھ سے اور جو ان میں تیری راہ چلے ان سے سارے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلہ اور میں نہیں اپنے آپ کو بنانے والا یہ تو ایک فہمائش ہے سارے جہان والوں کو

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ نیگ اور میں نہیں آپ کو بنانے والا۔ یہ تو ایک سمجھوتی ہے سارے جہان والوں کو۔

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

اور معلوم کرلو گے اس کا احوال تھوڑی دیر کے پیچھے مدت کے بعد ف۶

اور معلوم کرلو گے اس کا حال تھوڑی دیر کے پیچھے۔

=اس مٹی کو پسند رکھا"

ف۱ یعنی بہشت میں فرشتوں کی صحبت میں جانا تھا۔ اب نکالا گیا۔

ف۲ یعنی اس وقت تک تیرے اعمال کی بدولت پھٹکار بڑھتی جائے گی۔ بعدہ کیا ہوگا؟ اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آگے آتا ہے "لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" وہاں جو لعنت ہوگی یہاں کی لعنتیں اس کے سامنے گرد ہو جائیں گی۔

ف۳ یعنی صور کے دوسرے نفخہ تک۔

ف۴ یعنی پہلے نفخہ کے قریب تک۔ اس کے بعد نہیں۔

ف۵ یعنی میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہی ہوتی ہیں۔

ف۶ یعنی نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین جو ازلی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو۔ نبیوں کا کہنا مانو تو جو تمہاری ہی خواہی کے لیے آئے ہیں۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا، نہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات کہتا ہوں۔ اللہ نے ایک فہمائش کی وہ =

اعلان توحید ورسالت وتخویف از آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ : ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ... الی ... وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ﴾

ابتداء سورت قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات و رسالت سے تھی اس سلسلہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے اوصاف ایمان وتقویٰ اور انابت الی اللہ اور ان اوصاف پر مرتب ہونے والے ثمرات و انعامات کے بیان کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف رجوع فرماتے ہوئے توحید ورسالت کو ثابت کیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ یہ اعلان کردیجئے کہ میں تو اللہ واحد قہار کی طرف سے منکرین ومجرمین کو ڈرانے والا ہوں اور میں جو کچھ کہتا ہوں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ کا رسول یہی کرسکتا ہے خدا کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہے کہ زبردستی کسی پر ہدایت مسلط کردیں جب کہ خود وہ قبول ہدایت سے انکار کرتا ہو تو ارشاد فرمایا آپ ﷺ کہہ دیجئے اے منکرین توحید ورسالت سے تمہارے اس انکار وتکذیب کا مجھے ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں اس کا اصل نقصان تو تم ہی کو پہنچے گا میں تو عذاب خداوندی سے تم کو ڈرانے والا ہوں جیسے اللہ کے دوسرے پیغمبر بھی اس کے عذاب سے لوگوں کو ڈراتے رہے اور یہ سن لو نہیں ہے کوئی معبود عبادت کے لائق بجز اللہ واحد (یکتا) کے جو بڑا ہی غالب ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا جو انکے درمیان میں ہیں جو زبردست اور گناہوں کو بڑا ہی بخشنے والا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے یہ اعلان توحید اور اس کی طرف مخلوق خدا کو دعوت دینا جس کے واسطے اللہ نے مجھ کو رسول بنایا بڑی ہی عظیم الشان خبر اور بلند پایہ مضمون ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کی طرف توجہ کرتے اور اس کو قبول کرتے مگر افسوس تم تو اس سے بے رخی کررہے ہو نہ تم رسالت پر ایمان لائے اور نہ قرآن کو مانا حالانکہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مجھے تو کوئی علم نہ تھا ملاء اعلیٰ (عالم بالا کا) جبکہ وہ اللہ کے فرشتے آپس میں تکرار وخصومت کررہے تھے تخلیق آدم اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کے بارے میں اور اس بارے میں کہ کس بنا پر آدم علیہ السلام کو خلافت الٰہیہ فی الارض کے منصب سے نوازا جارہا ہے یہ سب کچھ میں نے نہ کسی کتاب میں پڑھا اور نہ کسی معلم سے سیکھا یہ تو صرف اللہ کی طرف سے وحی ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے میں تو صرف اللہ کی طرف سے تم کو آخرت اور عذاب آخرت سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں وہ اختصام وگفتگو ملاء اعلیٰ کی یہ تھی کہ جبکہ آپ ﷺ کے رب نے فرشتوں سے کہا بیشک میں بنانے والا ہوں ایک انسان کو گارے سے سو جب میں اس کے پتلے یعنی اعضاء جسمانیہ کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح کو پھونک دوں تو تم سب اسکے سامنے سجدہ میں گر پڑنا چنانچہ جب اللہ نے اس کو بنالیا اور اس میں روح پھونک دی تو سب کے سب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا کہ وہ غرور میں آگیا اور کافروں میں سے ہوگیا حق تعالیٰ نے ابلیس کو اس غرور وانکار پر فرمایا اے ابلیس تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں [1] اور قدرت

= تمہارے تک پہنچادی۔ تھوڑی مدت کے بعد تم خود معلوم کرلو گے کہ جو خبریں دی گئیں کہاں تک درست ہیں اور جو نصیحت کی گئی کیسی سچی اور مفید تھی۔ تم سورۃ ص بعون اللہ وحسن توفیقہ وللہ الحمد والمنۃ۔

[1] لفظ "منْ روحی" میں نسبت حق تعالیٰ نے اپنی طرف اس لئے فرمائی کہ روح آب وخاک سے نہیں بلکہ عالم غیب سے آئی یہ مضمون سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکا وہاں اضافت کی حکمت پر کلام کیا گیا ہے تفصیل کیلئے استاد محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مضمون "الروح فی القرآن" کی طرف رجوع =

خاصہ سے بنایا کیا تو غرور میں آ گیا یا بتا کہ کیا تو بڑے درجے والوں میں سے تھا حالانکہ یہ باطل ہے کیونکہ جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو وہ سربسجود ہو گئے اور یقیناً تجھ سے افضل اور بڑھ کر ہیں تو یہ مجال تیری کیونکر ہوئی کہ میرے حکم کی تعمیل سے تو نے روگردانی کی کہا میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو خاک سے پیدا کیا ہے لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں تو مجھے سجدہ کا حکم دینا حکمت کے خلاف ہے ارشاد ہوا تو اچھا تو پھر آسمان سے نکل کیونکہ بے شک تو نے اس حرکت سے حکم خداوندی کا مقابلہ کیا اور اس پر طعن واعتراض کیا کہ یہ حکم خلاف عقل وحکمت ہے مردود ہوا اور بیشک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک اور ظاہر ہے کہ جس پر قیامت کے روز تک لعنت رہی تو بعد میں تو اس پر رحمت کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا کیونکہ لعنت اور غضب خداوندی کسی سے اگر منقطع ہوسکتا ہے تو وہ دار العمل میں رہتے ہوئے تائب ہو جانے کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور جب قیامت قائم ہوگئی تو توبہ کا دروازہ بند ہو چکا بولا اگر مجھ کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے ملعون ومردود کیا گیا تو پھر مجھ کو مہلت دیدیجئے قیامت کے دن تک تاکہ میں ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں ادھر قدرت خداوندی کو دار دنیا میں ہدایت وگمراہی کا مقابلہ رکھنا تھا تاکہ ابتلاء وآزمائش ہوسکے اس وجہ سے ارشاد ہوا اچھا جب مجھے تو مہلت مانگتا ہے تو جا تجھ کو مہلت دیدی گئی ایک وقت معلوم ومعین تک کہنے لگا جب مہلت مل گئی تو قسم ہے تیری عزت کی کہ میں البتہ ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں فرمایا تو ٹھیک بات ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان سے جو تیرے ساتھ دیں گے یقیناً ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ان تمام حقائق کو سن کر چاہئے کہ لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان لائیں اور ان کی صداقت وحقانیت پر یقین کریں اگر اس کے باوجود بھی کوئی بدباطن کسی قسم کا شک وتردد کرے یا کوئی معانداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کسی طمع ولالچ کا تصور کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتمام حجت اور بطور قطع عذر کہہ دیجئے میں تم سے اس قرآن اور اللہ کے احکام کی تبلیغ پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں تصنع وبناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور ایک عظیم پیغام نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اسی مقصد کے لیے اللہ نے مجھ کو نبی بنایا اور اس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے اور اگر اس حق اور حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی تم لوگ ایمان نہیں لاتے تو البتہ اس کے کچھ بعد تم کو اس کا حال خوب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کا دین حق =فرمایا جائے۔

یہ قصہ سورۃ اعراف ودیگر متعدد سورتوں میں گزر چکا ہے ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ یعنی جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ان الفاظ کے ترجمہ میں توضیحی کلمات اور قدرت خاصہ ان متکلمین کے مسلک کے پیش نظر اضافہ کئے جو اس طرح کی صفات اور شئون خداوندی کی تاویل قدرت امر اور مشیت جیسے الفاظ سے کر لیتے ہیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے۔

اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی"۔ اس وجہ سے بیدی تثنیہ کا لفظ استعمال فرمایا حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اللہ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقوی واحوط ہے یا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخلوقات کو کسی دوسری مخلوق سے پیدا کرتا ہے مثلاً بارش کو بادلوں سے اور دھوئیں کو آگ سے اور بعض کو بغیر کسی دوسری مخلوق کے پیدا کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اسی دوسری مخلوق میں سے ہیں کہ ان کو کسی کے توسط اور دخل سے نہیں پیدا کیا گیا۔

ہے اسی دین کی پیروی کرنے والوں کو فتح وکامرانی نصیب ہوگی اور اگر ان تاریخی حقائق سے بھی کسی کو حقیقت نہ کھلی تو موت بھی کچھ دور نہیں اور نہ ہی قیامت کچھ بعید ہے اور ہر شخص کی موت تو خود ایک قیامت ہی ہے تو اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کہا تھا وہ حق تھا اور ان پر ایمان نہ لانا منکرین کی ہلاکت وتباہی کا باعث بنا مگر ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد یا قیامت برپا ہونے پر اگر کسی نے حق پہچانا تو اس وقت کی معرفت یا ایمان سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا قتادہ ؒ نے بعد حین۔ کی تفسیر میں موت کو بیان کیا ہے اور عکرمہ ؒ کہا کرتے تھے اس سے قیامت مراد ہے قتادہ ؒ نے حسن بصری ؒ کا قول نقل کیا یا ابن آدم عند الموت یاتیك الخبر الیقین۔ کہ ابن آدم موت کے وقت تجھ کو یقین حاصل ہوگا (تفسیر ابن کثیر ۴)

اور سدی ؒ سے منقول ہے کہ یہ بدر کا دن ہے کہ بدر کی فتح پر منکرین کو یقین کرنا پڑے گا کہ جو کچھ غلبہ حق کی خبر خدا کے پیغمبر نے دی تھی وہ برحق ہے ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنۡ عِلۡمٍۭ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰۤى﴾ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ الفاظ'' جبکہ اللہ کے فرشتے آپس میں تکرار وخصومت کررہے تھے تخلیق آدم علیہ السلام اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کرنے کے بارے میں'' سے ان ایمہ مفسرین کے قول کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے یہ بیان کیا کہ اس ''اختصام'' سے حضرت آدم علیہ السلام کا یہ قصہ مراد ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور ابلیس نے انکار کیا اور بعض علماء مفسرین نے بیان کیا کہ خلافت آدم علیہ السلام کے متعلق مخاصمت نہیں ہے بلکہ اعمال بنی آدم یعنی کفارات میں ملائکہ کی خصومت مراد ہے جس کی تفصیل حدیث اختصام الملاء الاعلی میں مذکور ہے جس کو امام ترمذی ؒ نے اپنی جامع میں تخریج کیا ہے عبدالرحمن بن عائش باسناد مالک بن یخامر حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت نبی کریم ﷺ دیر تک تشریف نہ لائے حتی کہ سورج نکلنے کے قریب ہوگیا اس وقت آپ ﷺ بڑی عجلت کے ساتھ تشریف لائے نماز کی اقامت ہوئی اور آپ ﷺ نے نماز مختصر پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! تم اپنی اپنی جگہ اسی طرح بیٹھے رہو پھر فرمایا ہماری طرف رخ کرتے ہوئے آج رات جب میں تہجد کے لیے بیدار ہوا اور جس قدر مقدر تھا نماز پڑھی تو دوران نماز مجھ پر اونگھ (غلبہ نوم) طاری ہوئی تو میں نے اپنے پروردگار کا بڑی ہی بہترین صورت میں دیدار کیا اس وقت جبکہ مجھے اللہ کی تجلی نصیب ہوئی تو مجھ سے رب العزت نے سوال کیا اے محمد ﷺ جانتے بھی ہو ملاء اعلی کس بات میں خصومت کررہے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے نہیں معلوم آپ ہی خوب جانتے ہیں تو حق تعالیٰ نے اپنا دست بے مثال میرے شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک اور سکون مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہونے لگی جس سے میرے واسطے ہر چیز ظاہر ہوگئی (جو حق تعالیٰ مجھ سے سوال فرما رہے تھے) اور یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اشیاء فرما کر فرشتوں سے دریافت کیا گیا تو جواب ملا ﴿سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا﴾ لیکن جب ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا﴾ کی صورت ہوئی تو پھر فرمایا گیا ﴿يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ﴾ اسی طرح ان علوم ومضامین کا القاء اس طرح اس تاثیر غیبی اور باطنی سے فرما دیا گیا تو پھر آپ ﷺ نے سب باتوں کا جواب دیا اور کہا جی ہاں! اے پروردگار کفارات میں یعنی ان اعمال میں فرشتوں کی خصومت ہورہی ہے کہ ان کا اجر

وثواب کیا ہے یا یہ کہ ان اعمال کوفرشتوں کی کون سی جماعت پہلے بارگاہ رب العزت میں لے کر پہنچتی ہے اور وہ کفارات یہ ہیں باوجود مشقتوں کے وضو مکمل آداب کی رعایت کے ساتھ کرنا زیادہ سے زیادہ قدم چلنا مسجدوں کی جانب اور نماز کا انتظار کرنا نماز کے بعد، پھر ارشاد ہوا پھر کن اعمال میں خصومت ہے جواب دیا درجات میں۔سوال ہوا درجات کیا ہیں بتایا اطعام طعام افشاء سلام اور تہجد کی نماز ان اوقات میں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں ارشاد ہوا سوال کرو۔فرماتے ہیں: میں نے مانگا اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں خیر کے کاموں کا اور برائیوں کے چھوڑنے کا اور مساکین کی محبت کا اور یہ کہ میری مغفرت فرما اور جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اس سے پہلے اٹھالے۔اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت کا اور اس شخص کی محبت کا جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور اس عمل کی محبت جو تیری محبت کے قریب کردے آپ ﷺ نے یہ کلمات ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا یہ کلمات حق ہیں ان کو یاد کرلو اور سیکھ لو اور ایک روایت میں ہے کہ دوسروں کو بھی سکھاؤ یہ مضمون امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر فرمایا اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعض محدثین نے کچھ کلام کیا ہے مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تحسین فرمائی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث اختصام کو نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا اس آیت میں جس اختصام کا ذکر ہے وہ یہ اختصام نہیں کیونکہ خود قرآن کریم نے اس اختصام کی تفسیر ﴿اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ﴾ سے فرمادی کہ یہ اختصام خلافت آدم علیہ السلام اور ان کو امر بالسجود کے بارے میں ہے۔

حضرت استاد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس موقع پر اپنے فوائد قرآن میں فرماتے ہیں ملاء اعلیٰ اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرھم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں یعنی ملاء اعلیٰ میں نظام عالم کے فنا وبقا کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا اللہ تعالیٰ نے ان میں جن اجزاء پر مطلع کردیا وہ بیان کردیئے میں جو کچھ کہتا ہوں اس کی وحی اور اعلام سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوف ناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔

رہا یہ کہ یہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لیے اسکی ضرورت ہے اور نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا مجھے علم نہیں پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا انکی طرف سے بھی یہی جواب ملا آخر میں سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ عین قیامت کا تو مجھے بھی علم نہیں اور یہ لفظ فرمائے والمسؤل عنها باعلم من السائل۔

معلوم ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی بحث وتکرار رہتی ہے تو اس کے بارہ میں آپ ﷺ نے صاف فرمادیا ﴿مَا كَانَ لِیَ مِنۡ عِلۡمٍۭ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰۤی اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ﴾ کہ مجھے تو ملاء اعلیٰ کا کوئی علم نہیں جبکہ وہ اس معاملہ میں خصومت کرتے ہیں۔

بہر کیف وحی خداوندی سے آپ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ علم صرف اللہ کی شان ہے اللہ کا پیغمبر صرف وہی بتاتا ہے جو اس کو وحی سے بتادیا جائے اس کو نہ ملائکہ کی ملاء اعلیٰ میں خصومتوں کا علم ہے اور نہ قیامت کے واقع ہونے کا علم ہے کہ کب واقع ہوگی۔

اللھم ارزقنا حلاوۃ الایمان وبشاشتہ توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العلمین۔

الحمدللہ آج مورخہ ۲۲ رشوال المکرم ۱۴۰۰ھ سورۂ ص کی تفسیر سے فراغت ہوئی اے خداوند عالم قبول فرما۔ آمین یارب العالمین"۔

سورۃ الزمر

سورۃ الزمر مکی سورت ہے جس کی پچھتر اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق بہتر آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔

ائمہ مفسرین کا اس سورت کے مکی ہونے اتفاق ہے اس سورت کا دوسرا نام بعض مفسرین نے سورۃ الغرف بھی بیان کیا ہے بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل میں بروایت نحاس، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ زمر مکہ میں نازل ہوئی بجزان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشی رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر فرمائی کہ آنحضرت ﷺ ہر رات اہتمام کے ساتھ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر تلاوت فرمایا کرتے تھے (فتح البیان فتح القدیر تفسیر ابن کثیر) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۃ زمر کی تلاوت نہ کرلیں گزشتہ سورۃ ص کے زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے جن میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات منکرین کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات کا ردان کے احمقانہ تمسخر کا جواب تھا اب اس سورت میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں توحید خداوندی ثابت کرکے مصدقین کی مدح اور انکی جزا اور ان پر انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے اور مکذبین ومنکرین پر وعید وتنبیہ ہے اور ابطال شرک کے لیے عقلی اور فطری دلائل ذکر فرمائے گئے سابقہ سورت کا خاتمہ۔ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ﴾ وحی الٰہی کی حقانیت وصداقت پر تھا تو اس سورت کی ابتدا اسی مناسبت وربط کے قرآن کریم کی حقانیت سے کی گئی کہ یہ کتاب الٰہی اللہ عزیز وحکیم کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق وصداقت کے ساتھ اتاری گئی جس کا پیغام توحید خداوندی ہے اس طرح ہر دو سورتوں کے مضمون میں ربط کے ساتھ سابقہ کا خاتمہ اس سورت کی ابتداء سے ہی مربوط ہوگیا۔

(۳۹ سورۃ الزمر مکیۃ ۵۹) (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) (آیاتہا ۷۵ رکوعاتہا ۸)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ

اتارنا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا ف۱ ہم نے اتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک ٹھیک، سو بندگی کر اللہ کی

اتارا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا۔ ہم نے اتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

خالص کر کر اس کے واسطے بندگی سنتا ہے اللہ ہی کے لیے ہے بندگی خالص ف۲ اور جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے حمایتی کہ ہم تو ان کو

نری کر کر اس کے واسطے بندگی۔ سنتا ہے! اللہ ہی کو ہے بندگی نری۔ جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے حمایتی کہ ہم ان کو

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ

پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں بیشک اللہ فیصلہ کر دے گا ان میں جس چیز میں

پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچادیں اللہ کی طرف پاس کے درجے۔ بیشک اللہ چکا دے گا ان میں جس چیز میں

يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا

وہ جھگڑتے ہیں ف۳ البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا ف۴ اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرلے تو

جھگڑ رہے ہیں۔ البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو جھوٹا نہ ماننے والا۔ اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرلے تو

لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

چن لیتا اپنی خلق میں سے جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے ف۵ وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا ف۶ بنائے آسمان

چن لیتا اپنی خلق میں جو چاہتا، وہ پاک ہے، وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا۔ بنائے آسمان

ف۱ چونکہ زبردست ہے اس لیے اس کتاب کے احکام پھیل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی مقابل و مزاحم اس کے شیوع و نفاذ کو روک نہیں سکتا۔ اور حکیم ہے اس لیے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ف۲ یعنی حسب معمول اللہ کی بندگی کرتے رہیے جو شوائب شرک و ریاء وغیرہ سے پاک ہو اسی کی طرف قولاً و فعلاً لوگوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی بندگی کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو، عمل خالی از اخلاص کی اللہ کے ہاں کچھ پوچھ نہیں۔

ف۳ عموماً مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان جھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا کے نزدیک ہو جائیں گے اور وہ ہم پر مہربانی کرے گا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ ان لچر پوچ حیلوں سے توحید خالص میں جو جھگڑے ڈال رہے ہو، اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چل کر ہو جائے گا۔

ف۴ یعنی جس نے دل میں یہ ہی ٹھان لی کہ کبھی سچی بات کو نہ مانوں گا۔ جھوٹ اور ناحق ہی پر ہمیشہ اڑا رہوں گا۔ منعم حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں ہی کی بندگی کروں گا۔ اللہ کی عادت ہے کہ ایسے بد باطن کو فوز و کامیابی کی راہ نہیں دیتا۔

ف۵ یہاں سے ان کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں سے ایک خدا مانتے ہیں۔ یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی =

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اور زمین ٹھیک، لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر ف۱ اور کام میں لگا دیا سورج

اور زمین ٹھیک، لپیٹتا ہے رات کو دن پر، اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر، اور کام لگائے سورج

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری ہوئی مدت پر، سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا ف۲ بنایا تم کو ایک

اور چاند۔ ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت پر۔ سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا۔ بنایا تم کو ایک

وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ

جی سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا ف۳ اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر مادہ ف۴ بناتا ہے تم کو

جی سے، پھر بنایا اس سے اس کا جوڑا، اور اتارے واسطے چوپایوں سے آٹھ نر و مادہ۔ بناتا ہے تم کو

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ

ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر دوسری طرح کے پیچھے ف۵ تین اندھیروں کے بیچ ف۶ وہ اللہ ہے رب تمہارا اسی کا راج ہے

ماں کے پیٹ میں طرح پر طرح بناتا تین اندھیروں کے بیچ۔ وہ اللہ ہے رب تمہارا، اسی کا راج ہے،

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے، پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو ف۷

کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے۔ پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو؟

=مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لیے چنتا۔ کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں۔ پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے۔ اور جب مخلوق و خالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ بریں فرض کیجیے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ جب مخلوق سے انتخاب کی ٹھہرتی تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لیے گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا۔

ف۶ یعنی ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں۔ نہ کسی چیز کی اسے حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہوگا۔

ف۱ مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو، معلوم ہوگا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی ہوئی چلی آ رہی ہے اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف صف کی طرح لپیٹتی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ایک پر دوسرا چلا آتا ہے۔ توڑا نہیں پڑتا۔"

ف۲ یعنی اس زبردست قدرت سے یہ انتظام قائم کیا اور تھام رکھا ہے لوگوں کی گستاخیاں اور شرارتیں تو ایسی ہیں کہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے اپنی شان علو و مغفرت سے ایک دم ایسا نہیں کرتا۔

ف۳ یعنی آدم علیہ السلام اور ان کا جوڑا حضرت حواء علیہما السلام۔

ف۴ یعنی تمہارے نفع اٹھانے کے لیے چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کیے۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری جن کا ذکر سورۃ "انعام" میں گزر چکا۔

ف۵ یعنی بتدریج پیدا کیا، مثلاً نطفہ سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں، اور ان پر گوشت منڈھا، پھر روح پھونکی۔ ......

اثبات حقانیت کتاب الٰہی وتوحید خداوندی وابطال شرک

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ... الی ... فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین اثبات رسالت کے متعلق تھے اور مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت پر جو اعتراضات کرتے تھے ان کا جواب ورد تھا اور ان کے بیہودہ تمسخر پر تحمیق وتجہیل تھی اب اس سورت میں توحید خداوندی کا بیان ہے اور ابطال شرک اور یہ کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے اس میں کسی کو شریک کرنا خواہ کسی بھی عقیدہ اور تخیل سے ہو عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور شرک کے مرتکب کا انجام تباہی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ان مضامین کیلئے بطور تمہید حقانیت قرآن کا ذکر فرما کر یہ سلسلہ مضامین شروع کیا جا رہا ہے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

فرمایا یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے اس لئے کسی کو جرأت نہ ہونی چاہیے کہ اس کا انکار کرے اگر انکار وتردد کیا تو ظاہر ہے اس غلبہ اور طاقت والے پروردگار کی گرفت اور سزا سے نہیں بچ سکے گا اور چونکہ وہ حکمت والا ہے اس وجہ سے کسی کو قدرت نہیں کہ اس کے کسی پیغام وحکم کو خلاف مصلحت کہے بیشک ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو آپ ﷺ کی طرف حق کے ساتھ ٹھیک طور سے لہٰذا آپ ﷺ اللہ کی عبادت کرتے رہیے جیسا کہ اب تک آپ ﷺ اسکی عبادت میں مصروف ہیں خالص اللہ ہی کی معبودیت والوہیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے یاد رکھو اللہ ہی کے لیے عبادت وبندگی مخصوص ہے جو ہر قسم کی شرک کی گندگی سے پاک ہو اور اللہ کی توحید وخالقیت اور عبادت صرف اسی کا حق ہے یہ عین فطرت اور عقل کے مطابق ہے فطرت انسان اور عقل اس کو ہرگز گوارہ نہیں کرتی کہ اس معبود حقیقی کی عبادت میں کسی کو شریک بنایا جائے اس لیے ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ اس کو قبول کرے اور اس کے مطابق عمل کرے اور جن لوگوں نے اللہ کی عبادت خاصہ چھوڑ کر خدا کے سوا اور معبود تجویز کر رکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں عبادت کرتے ہیں ان معبودوں کی مگر صرف اس لئے کہ یہ معبود ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے اور اسکا مقرب ہم کو بنا دیں گے سو ان کا یہ گمان اور عقیدہ لغو اور باطل ہے بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے اور اہل ایمان کے درمیان قیامت کے روز انکے اس اختلافی معاملہ میں کہ اہل ایمان وتوحید کو جنت میں داخل فرما دیا جائے گا اور اہل شرک ذلت وخواری کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور اس طرح عملاً اس اختلاف کا فیصلہ ہو جائے گا آپ ﷺ ایسے بدنصیبوں کی گمراہی اور ہلاکت پر غم نہ کیجئے اور نہ تعجب کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود کیوں راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور نافرمان ہو اور جو اپنی زبان سے اقوال کاذبہ اور کفریہ بولتا ہو دل کفر کے اعتقاد سے لبریز ہو اور عمل سے نافرمانی اور کفر پر تلا ہوا ہو ظاہر ہے کہ یہ جملہ احوال ایسے شخص کی بدنصیبی اور محرومی ہی کا باعث ہیں۔

▪ ۶ ایک پیٹ اور دوسرا رحم، تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے۔ وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔

ف یعنی جب خالق، رب، مالک اور ملک وہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لیے ان صفات کا اقرار کرنے کے بعد دوسرے کی بندگی کیسی۔ مطلب کے اتنا قریب پہنچ کر کدھر پھرے جاتے ہو۔

مشرکین کا ایک شرک یہ بھی تھا کہ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تو ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر بالفرض اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا اس بات کا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہر چیز کائنات میں اس کی مخلوق ہے اور بیٹا ہونے کے لئے اگر کسی کو منتخب کرتا تو وہ بھی اس کی مخلوق ہوتا جو یقیناً اللہ کی جنس سے نہ ہوتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مخلوق اس کی اولاد ہوجائے اور اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ بہت بڑا عیب اور نقصان ہے کہ بیٹا والد کی جنس سے نہ ہو وہ تو ہر عیب سے پاک ہے وہ اللہ یکتا ہے کہ اس کا کوئی شریک اور نمونہ نہیں جو زبردست عزت اور غلبہ والا ہے لہٰذا نہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جاسکتی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایسے شرک کا ارتکاب کرنے والے اس کی گرفت اور عذاب سے بچ سکیں اس کی قوت اور غلبہ کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو حکمت سے پیدا کیا اور رات کی ظلمت کو لپیٹ دیتا ہے دن کی روشنی پر جس سے دن غائب ہوجاتا ہے اور ایسا ہی ہوجاتا ہے جیسے کسی چیز کو کسی میں لپیٹ کر چھپا دیا گیا اور دن کی روشنی کو لپیٹ دیتا ہے رات کی ظلمت پر جس سے رات غائب ہوجاتی ہے اور مسخر کردیا ہے اس نے سورج کو اور چاند کو ہر ایک کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک چلتا رہے گا ایک وقت مقرر تک ہر ایک کی رفتار اور نظام لیل ونہار قیامت تک اسی بہترین اسلوب کے ساتھ جاری رہے گا یہ آسمان اور زمین اور لیل ونہار اپنے میں کس قدر حکمتیں اور خالق رب العالمین کی وحدانیت اور الوہیت کی دلیلیں لئے ہوئے ہیں خبردار ہوجاؤ وہی ہے زبردست قدرت والا ان لوگوں کو عذاب دینے کے لیے جو ان دلائل کے باوجود اس کی توحید پر ایمان نہ لائیں ساتھ ہی بڑی مغفرت کرنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی گزشتہ زندگی کے کفر وشرک کو چھوڑ کر ایمان لے آئیں آخر سوچنا چاہیے کہ انسان اس خالق حقیقی اور رب منعم کا انکار اور اس کے ساتھ شرک کرتا ہے جس نے اس کی تخلیق میں مادہ وحدت اور یگانگت کا رکھا کہ تمام بنی نوع انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں پھر بھی وہ اس کے ساتھ شرک کرکے انسانوں میں مومن وکافر کی تفریق پیدا کررہا ہے ان باہر کے دلائل کے علاوہ خود اس کے وجود میں ایسے دلائل ہیں کہ وہ ان سے خدا کو پہچان سکتا ہے اور یہ کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لانا عین فطرت کا تقاضا ہے تو اے انسانو! پیدا کیا اس نے تم کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پھر اسی سے بنایا اس کا جوڑا یعنی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس سے دنیا انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا اور بنائے تمہارے نفع کے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ نر و مادہ، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، جو پروردگار پیدا کرتا ہے تم کو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح پر تین اندھیروں میں یعنی بتدریج تم کو نطفہ سے علقہ بناتا ہے اور پھر اس دم بستہ کو مضغۂ لحم پھر اس پر ہڈیاں اور گوشت چڑھاتا ہے پھر روح پھونک کر حیات وزندگی کے ساتھ ان تین ① اندھیروں سے تم کو باہر لاتا ہے سن لو یہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی عظیم قدرتیں اور بلند پایہ حکمتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز اسکی ربوبیت وخالقیت اور وحدانیت کی ایسی دلیل ہے جو تمہارے وجود میں رچی ہوتی ہے اسی کی سلطنت وحکمرانی ہے اس کے سوا کوئی تعریف کے لائق نہیں سو، اے انسانو! ان

① تین اندھیروں سے مراد ایک پیٹ ہے دوسرا اندھیرا رحم ہے اور تیسرا وہ جھلی جس میں بچہ محفوظ ہوتا ہے ان اندھیروں میں ہی خدا نے اس کو بتدریج نشوونما کی پھر حیات وزندگی بخشی اور پھر اس رحم مادر سے باہر نکالا تو وہ دیکھنے اور سننے والا تھا۔ ۱۲

دلائل وحقائق کے بعد بھی تم کہاں بھٹک رہے ہو تم پر واجب ہے کہ اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لاؤ۔

ان آیات مبارکہ میں حق تعالیٰ نے کتاب الٰہی کو حق کے ساتھ نازل کئے جانے پر یہ حکم متوع فرمایا ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ﴾ اس لیے کہ جو کتاب حق وصداقت لے کر نازل ہوئی اس پر عمل اس طرح ممکن ہے کہ اخلاص نیت کے ساتھ صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے اخلاص کے بغیر توحید کا حق ادا نہیں ہوسکتا کیونکہ اخلاص کی نفی اور ضد شرک اور ریاء ہے اخلاص کے حکم کے ساتھ ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ اسی کی تاکید اور تکمیل کے لیے فرمایا گیا تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ دین وہی ہے جو شرک کی آمیزش سے ہر طرح پاک ہو۔ یزید رقاشی رحمہ اللہ سے منقول ہے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں مگر وہ چاہتے ہیں ان کی شہرت ہو تو کیا ایسی صورت میں کوئی اجر وثواب ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ رب العزت صرف اسی چیز کو قبول فرماتا ہے جو صرف اسی کے واسطے خالص کی گئی ہو اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾۔

﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ سلسلہ توحید خداوندی میں یہ آیت مشرکین ونصاریٰ اور ان تمام گمراہ فرقوں کا رد ہے جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں مثلاً نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ تین خداؤں (تثلیث) کے بھی قائل ہیں اور مشرکین عرب میں بعض قبیلے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے۔

مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر خدا تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مخلوق ہی میں کسی کو اس مقصد کے لئے چنتا کیونکہ یہ بات تو دلائل سے ثابت ہوچکی کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسکی مخلوق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی طرح کا بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں ہوسکتا تو پھر ایک دوسرے کا باپ بیٹا کیسے ہوسکتا ہے اور جب مخلوق وخالق میں یہ رشتہ محال ہے تو یقیناً اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا علاوہ ازیں اگر اس محال کے بارے میں بھی یہ فرض کرلیں کہ یہ محال نہیں تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اس لیے کہ جب مخلوق میں انتخاب ہی کرنا ٹھہرا تو اس کا کیا مطلب ہے خدا تعالیٰ اپنی واسطے گھٹیا چیز انتخاب کرے یعنی بیٹیاں اور عمدہ چیز چن چن کر تمہیں دے دے یعنی بیٹے غرض یہ کہ ایسا فرض کرنا بھی امکان سے خارج ہے اور اللہ کی الوہیت میں تو کوئی دوسرا کیا شریک ہوتا اسکے ساتھ تو کسی کو نوعی یا جنسی اشتراک بھی نہیں ہوسکتا۔

﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ﴾ میں لفظ انزل بمعنی خلق یعنی پیدا کئے تمہارے واسطے آٹھ اقسام چوپایوں کے نر و مادہ سے ملا کر یہاں انزل بمعنی خلق او جد ہوا اور یہ ایسا ہی ہوا جیسے ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ﴾ اور ﴿قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ﴾ میں لفظ انزل استعمال کیا گیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عنوان اس لحاظ سے اختیار کیا گیا ہو کہ یہ تمام اشیاء از قبیل انعامات خداوندی ہیں اور انعام کی عطاء وبخشش ملاء اعلیٰ سے دنیا والوں کے لیے ہوتی ہے تو اس وجہ سے انزل کا عنوان اختیار فرمالیا گیا یا یہ کہ انعام وچوپایوں اور لباس جو نباتات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ان کے وجود میں آسمان کے پانی اور بارش کو دخل ہے یا بقول بعض مفسرین یہ اشیاء درحقیقت اپنی اصل کے لحاظ سے جنت میں تھیں انکو جنت سے زمین پر اتارا گیا۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ

اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا ف ۱ اور اگر اس کا حق مانو گے تو اس کو تمہارے لیے پسند کرے گا ف ۲

اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری، اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کی منکری۔ اور اگر حق مانو گے تو وہ پسند کرے گا

لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ف ۳ پھر اپنے رب کی طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتلائے گا تم کو جو تم

اس کو تمہارے لئے۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔ پھر اپنے رب کی طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتائے گا تم کو جو

تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦

کرتے تھے مقرر اس کو خبر ہے دلوں کی بات کی ف ۴

کرتے تھے۔ مقرر اس کو خبر ہے جیوں کی بات کی۔

شانِ بے نیازی پروردگار عالم وپسندیدگی ایمان وغضب برکفر ونافرمانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ... الی... عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

حق تعالیٰ شانہ نے دلائل توحید وخالقیت کے بعد اپنی شان بے نیازی کا ذکر فرمایا کہ کسی کے ایمان سے خدا کو کوئی نفع اور کسی کے کفر سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا وہ تو بے نیاز ہے اس کی بارگاہ میں کفر ونافرمانی پسند نہیں ہاں شکر واطاعت اس کو محبوب ہے اس لیے ہر شخص کو سمجھ لینا چاہئے ایمان وکفر کا نفع نقصان خود مومن وکافر کی ذات ہی کو پہنچے گا قانون خداوندی ہے ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ ہر انسان اپنے کئے ہوئے پر ماخوذ ہے اور ﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ خدا تمام جہانوں سے بے نیاز ہے تو فرمایا اے لوگو! اگر تم کفر ونافرمانی اور شرک کرو گے تو سن لو خدا کا اس میں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں کیونکہ اللہ بے نیاز ہے تم سے اس کو تمہاری طاعت وعبادت کی کوئی حاجت نہیں ہے تمہاری نافرمانی اور بغاوت سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور وہ اپنے بندوں کے واسطے کفر کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کفر سے خود بندوں کو ضرر پہنچتا ہے تو اس کو کفر ناپسند ہونا بندوں پر رحمت اور محبت کی وجہ سے ہے اور محبت ورأفت کا تقاضا یہی ہے بندوں کی ہلاکت وتباہی اور امن وعافیت کی بربادی ناگوار ہو اور اگر تم شکر کرو گے تو اللہ اس شکر گزاری اور طاعت وفرمانبرداری کو تمہارے واسطے پسند کرے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا نفع اے انسانو! تم ہی کو پہنچے گا اور اس کا ایمان وطاعت کو پسند کرنا اسی لیے ہے نہ کہ اس کو بندوں کے ایمان

ف ۱ یعنی کافر بن کر اس کے انعامات وحقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے، اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر ومنکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس چیز کو ان کے لیے ناپسند کرتا ہے۔

ف ۲ یعنی بندے اس کا حق مان کر مطیع وشکر گزار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے۔ جس کا نفع ان ہی کو پہنچتا ہے۔

ف ۳ یعنی ناشکری کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے، ایسا اندھیر اس کے یہاں نہیں جو کرے گا سو وہی بھرے گا۔

ف ۴ یعنی وہاں جا کر سب کے اچھے برے عمل سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ کوئی چھوٹا بڑا کام نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ دلوں کی تہہ میں جو بات چھپی ہوئی ہو اسے بھی جانتا ہے۔

وطاعت کی کوئی حاجت ہے اور یہ ضابطہ طے پا چکا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اس لیے کسی کو کفر و نافرمانی کر کے یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ اس کے گناہوں کا بوجھ کوئی دوسرا اٹھائے گا دنیا میں بیشک ایسا ہو جاتا ہے کسی کے متبعین وخدام یا دوست اور اعزا دوسرے کا بوجھ اٹھالیں مگر آخرت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا وہاں انسان کا صرف ایمان اور اس کا عمل ہی اس کا سہارا ہوگا اور اعمال کے ثمرات ونتائج بہر حال بھگتنے ہیں یہ ممکن نہیں کہ کوئی اس سے بچ جائے دنیوی حیات میں مجرمین بسا اوقات اس بنا پر اپنے جرم کی پاداش سے بچ جایا کرتے ہیں کہ ان کے جرم کی اطلاع نہیں ہوئی مگر بارگاہ خداوندی میں ہر عمل موجود ومحفوظ ہے اور وہاں ضرور رجانا ہے اس لیے اس سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ پھر تمہارے رب کی طرف تمہارا لوٹنا ہے تو وہ تمہارے سارے اعمال تم کو بتادیگا جس کے بعد تم کسی بھی عمل اور بات کا انکار نہ کرسکو گے وہ تو دلوں کی بات بھی خوب جاننے والا ہے اس لیے یہ خیال تمہارا بالکل باطل ہے کہ یہ قیامت ہے اور نہ جزاء سزا اور نہ تمہارے اعمال کی اس کو خبر ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت مبارکہ میں اپنی شان بے نیازی واستغناء کا جو ذکر فرمایا یہ مضمون مشہور حدیث قدسی میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اے میرے بندو اگر تم میں سے اولین وآخرین جن وانس زندہ ومردہ تر اور خشک یعنی جاندار اور بے جان سب کے سب مل کر ایک شقی ترین انسان کا پیکر بن جائیں تو یہ سب میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی نقصان نہیں کر سکتے یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے خطاب کے ذیل میں ذکر فرمائی فرمایا ﴿اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ﴾ (کہ اے لوگو! اگر تم اور روئے زمین کے سب انسان بھی ملکر کفر کرو تو (جان لو خدا کا کوئی نقصان نہیں) بیشک اللہ تو ہر حال میں بے نیاز ہے اور لائق ستائش وحمد وثناء ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ

اور جب آلگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اس کی طرف پھر جب بخشے اس کو نعمت اپنی طرف سے بھول جائے

اور جب لگے انسان کو سختی، پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اس کی طرف، پھر جب بخشے اس کو نعمت اپنی طرف سے بھول جاوے

یَدْعُوْٓا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ

اس کو کہ جس کے لیے پکار رہا تھا پہلے سے اور ٹھہرائے اللہ کے برابر اوروں کو تاکہ بہکائے اس کی راہ سے ف۱ تو کہہ برت لے ساتھ اپنے کفر کے

جو پکارتا تھا اس کام کو پہلے سے۔ اور ٹھہرائے اللہ کے برابر اوروں کو تا بہکادے اس کی راہ سے، تو کہہ، برت لے ساتھ اپنی منکری کے

ف۱ یعنی انسان کی حالت عجیب ہے۔ مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام واطمینان نصیب ہوا معاوہ پہلی حالت بھول جاتا ہے۔ جس کے لیے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا عیش وتنعم کے نشہ میں ایسا مست وغافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

قَلِيْلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ⑧

تھوڑے دنوں تو ہے دوزخ والوں میں ف۱

تھوڑے دنوں تو ہے آگ والوں میں۔

فراموشی وغفلت انسان از رب منعم درحالت نعمت واضطراب وانابت درمصیبت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ... الی ... مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی شان بے نیازی بیان فرمائی اب اس کے بالمقابل انسان کی اس فطری دنائت کا ذکر کیا جارہا ہے جس میں بالعموم وہ مبتلا ہوتا ہے اس دنائت وکمینگی سے پاک کرنے والی چیز صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات وتعلیمات ہیں اور اس امر کا احساس وشعور کہ خدا کے اس پر کیسے عظیم انعامات ہیں اور انعامات کا تقاضا ہے اور انسان ہر حالت میں اپنے رب کے ساتھ تعلق رکھے نعمتوں میں شاکر بن کر خدا سے رابطہ رکھے اور تکلیف ومشقت میں صابر ہو کر اس کی رحمتوں اور عنایات کا مستحق بنے۔

فرمایا اور اس انسان کو جس نے اپنے رب سے کوئی واسطہ نہیں رکھا جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے وہ رب جس کی معرفت اسکی فطرت میں موجود ہے جو عہد الست سے اس میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس وقت اس کو اپنے وہ معبودان باطلہ یاد نہیں آتے جن کو اس نے اپنا معبود بنایا ہوا یا خدا کی الوہیت میں شریک کیا ہوا ہے پھر جب اللہ اس کو اپنی طرف سے نعمت امن وعافیت اور آسائش عطا فرما دیتا ہے تو بھول جاتا ہے جس تکلیف کے دفع کرنے کے لئے پہلے سے وہ (خدا کو) پکار رہا تھا اور پھر غفلت وبغاوت کے ساتھ خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی گمراہی کے علاوہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے بھٹکا دے آپ ﷺ ایسے شخص سے کہہ دیجئے نفع اٹھالے اپنے کفر کے ساتھ تھوڑا سا کیونکہ یہ متاع دنیا قلیل ہے اور یہاں کی لذتیں اور راحتیں بھی عارضی ہیں آخرت میں بہر کیف جانا ہے بیشک تو وہاں جہنمیوں میں سے ہوگا جہاں کا عذاب شدید اور ابدی ہوگا جس سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا تو اس نافرمان وکافر انسان کی بڑی غلطی ہے کہ دنیا کی چند روزہ نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر جہنم کا دائمی عذاب اختیار کر رہا ہے ﴿لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اکثر مفسرین وقراء اس کو یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کا ترجمہ ہے تاکہ گمراہ کرے کیونکہ کافر خود اپنے عمل سے گمراہ تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ اپنی ذات کی گمراہی کے علاوہ اپنے عمل اور گمراہ کن کوششوں سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اس لیے اسکے کفر کا حقیقت میں نتیجہ یہی نکلتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔

بعض قراء مثلاً ابن کثیر ؒ اور ابوحفص ؒ اس کو فتح یا پڑھتے ہیں تو اس تقدیر پر ترجمہ ہوگا تاکہ گمراہ ہو اللہ کے راستہ سے۔

ف۱ یعنی اچھا کافرو کہ چند روز یہاں اور عیش اڑالے۔ اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ۔ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ

بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی تو کہہ کوئی

بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہے گھڑی رات کی سجدے کرتا، اور کھڑا، خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہر کی۔ تو کہہ کوئی

يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑨ قُلْ

برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بےسمجھ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہے ف۱ تو کہہ

برابر ہوتے ہیں سمجھ والے، اور بےسمجھ ؟ وہی سوچتے ہیں جن کو عقل ہے۔ تو کہہ

يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ

اے بندو میرے ف۲ جو یقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں ان کے لیے بھلائی ف۳ اور زمین

اے بندو میرے جو یقین لائے ہو ! ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں ان کو ہے بھلائی۔ اور زمین

اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

اللہ کی کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا ثواب بے شمار ف۴ تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں

اللہ کی کشادہ ہے، ٹھہرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا نیگ ان گنت۔ تو کہہ، مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں

اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ

اللہ کی خالص کر کر اس کے لیے بندگی اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار ف۵ تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر

اللہ کو نری کر کر اس کی بندگی۔ اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے حکم بردار۔ تو کہہ میں ڈرتا ہوں، اگر

ف۱ یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بیقرار کیے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بیوقوف میں کچھ فرق نہ رہا مگر اس بات کو بھی وہ سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔

ف۲ یعنی اللہ کی طرف سے یہ پیغام پہنچا دو۔

ف۳ یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی آخرت میں اس کے لیے بھلائی دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نیکی کی اس کو آخرت سے پہلے اسی دنیا میں بھلائی ملے گی ظاہری یا باطنی۔

ف۴ یعنی اگر ایک ملک میں لوگ نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے، دوسرے ملک میں چلے جاؤ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجا لا سکو۔ بلاشبہ اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اور طرح طرح کے خلاف عادت و طبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا لیکن یاد رہے کہ بیشمار ثواب بھی ملے گا تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔

ف۵ چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ⑭ فَاعْبُدُوْا مَا

حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک بڑے دن کے عذاب سے ف۱ تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اس کے واسطے اب تم پوجو جس کو

حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک بڑے دن کی مار سے۔ تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں نری کر کر اپنی بندگی اسی کے واسطے۔ اب تم پوجو جس کو

شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

چاہو اس کے سوا ف۲ تو کہہ بڑے ہارنے والے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت

چاہو اس کے سوا۔ تو کہہ بڑے ہارے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان اور اپنا گھر قیامت

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑮ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ

کے دن، سنتا ہے! یہی ہے صریح ٹوٹا ف۳ ان کے واسطے اوپر سے بادل ہیں آگ کے اور

کے دن۔ سنتا ہے ! یہی ہے صریح ٹوٹا۔ ان کے اوپر سے بادل ہیں آگ کے، اور

تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ⑯ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا

نیچے سے بادل ف۴ اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تو مجھ سے ڈرو ف۵ اور جو لوگ بچے

نیچے سے بادل۔ اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو۔ اے بندو میرے تو مجھ سے ڈرو۔ اور جو لوگ بچے

الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ

شیطانوں سے کہ ان کو پوجیں اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف ان کے لیے ہے، خوشخبری ف۶ سو تو خوشی سنا دے میرے بندوں کو جو

شیطانوں سے کہ ان کو پوجیں اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف ان کو ہے خوشخبری۔ سو تو خوشی سنا میرے بندوں کو۔ جو

يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ

سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں نیک ہے ف۷ وہی ہیں جن کو راستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں

سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس کے نیک پر وہی ہیں جن کو راہ دی اللہ نے اور وہی ہیں

ف۱ یعنی مجھ جیسا معصوم و مقرب بھی اگر بفرض محال نافرمانی کرے تو اس دن کے عذاب سے مامون نہیں تا بدیگراں چہ رسد۔

ف۲ یعنی میں تو خدا کے حکم کے موافق نہایت اخلاص سے اسی اکیلے کی بندگی کرتا ہوں۔ تم کو اختیار ہے جس کی چاہو پوجا کرتے پھرو۔ ہاں اتنا سوچ لینا کہ انجام کیا ہوگا۔ آگے اسے کھولتے ہیں۔

ف۳ یعنی مشرکین نہ اپنی جان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے نہ اپنے گھر والوں کو۔ سب کو جہنم کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ خسارہ کیا ہوگا۔

ف۴ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی۔ جیسے گھٹا چھا جاتی ہے۔

ف۵ یعنی سمجھ لو۔ یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔

ف۶ یعنی جنہوں نے شیطانوں کا کہنا نہ مانا اور سب شرکاء سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ ان کے لیے ہے بڑی بھاری خوشخبری۔

ف۷ یعنی سب طرح کی باتیں سنتے ہیں۔ پر ان میں جو بات اچھی ہو اس پر چلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی بات سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایات اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز رخصت و اباحت کی سنی، دوسری عزیمت کی، تو عزیمت کی طرف جھپٹتے ہیں۔ رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یا یوں ترجمہ =

اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱

عقل والے فـــل

عقل والے۔

مدح مومنین مطیعین و بیان مراتب عالیہ برائے اہل تقویٰ در دنیا و عقبیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ ... الى ... هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

ربط:...... گزشتہ مضمون اس قانون خداوندی کی تحقیق وتفصیل پر مشتمل تھا کہ کفر و نافرمانی اللہ کو ہرگز پسند نہیں ایمان واطاعت اور شکر اللہ کو محبوب ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت تمام جہانوں سے بے نیاز ہے اس کو نہ کسی کے کفر سے نقصان ہے اور نہ کسی کے ایمان وطاعت سے نفع اب ان آیات میں اہل ایمان وطاعت کے درجات اور ان پر خداوند عالم کے ان انعامات کا بیان ہے جو ان پر دنیا اور آخرت میں کئے جائیں گے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ علم ومعرفت اور عقل وتدبر ہی کے ذریعہ انسان ہدایت قبول کرتا ہے اس لیے علم اور جہل برابر نہیں ہو سکتے اسی سلسلہ مضمون میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ایمان وتقویٰ کی دعوت دیں اور یہ کہ اعلان فرما دیں خود میرا عمل اور طرز زندگی سراپا اخلاص اور عبادت خداوندی ہے اور خوف خدا اور فکر آخرت سے میں کسی بھی لحہ غافل نہیں اب اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی باغیانہ روش ترک نہیں کرتا تو آپ ﷺ اس سے بیزاری کا اعلان فرما دیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ ایسے لوگ خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل ومتبعین کو بھی ہلاکت وتباہی میں مبتلا کر رہے ہیں ارشاد فرمایا بھلا کیا وہ شخص جو اطاعت وبندگی میں لگا ہوا رات کے ٹکڑوں میں جبکہ بالعموم لوگ آرام وراحت کے ساتھ بستروں پر ہوں یہ بجائے نیند اور استراحت کے خدا کی یاد میں سجدے کرتا ہے اور کھڑا ہوا اللہ کو پکار رہا ہے آخرت سے ڈر رہا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے اور وہ شخص جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر شرک وکفر اور نافرمانی میں مبتلا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ قانت ومطیع اللہ کی بندگی میں مصروف رات کی تاریکیوں میں اس کے لیے سربسجود جو اس کے عذاب وقہر سے ڈر رہا ہے اور رحمت کا امیدوار ہے اللہ کے نزدیک محمود وپسندیدہ اور محبوب ہے اور وہ مشرک ونافرمان جو مطلب نکالنے کے بعد خدا کو بھلا دیتا ہے خدا کے نزدیک مبغوض اور قابل نفرت ہے آپ ﷺ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے کہہ دیجئے کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ جو جاہل ہیں کسی قسم کا قطعاً علم نہیں رکھتے۔

دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ علم اور جہل برابر نہیں اور عالم وجاہل کا درجہ یکساں نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ بھی ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان وکفر اور مومن وکافر برابر نہیں ہو سکتے مگر افسوس کہ ان حقائق کو اکثر لوگ نہ سوچتے ہیں اور نہ اس سے عبرت وسبق حاصل کرتے ہیں ان چیزوں سے تو صرف وہی لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں اور جب یہ

= کردکہ اللہ کا کلام بن کر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک اور طرح اس کا مطلب بیان کیا ہے۔" چلتے ہیں اس کے نیک پر، یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے ہیں۔ اور منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے۔ اس کا کرنا نیک ہے اس کا نہ کرنا نیک ہے۔"

فـــل یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔

واضح اور ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ لوگ صرف وہی ہیں جن کا شیوہ اللہ کی بندگی اور فکر آخرت ہی ہے تو آپ ﷺ فرما دیجئے میرے بندوں کو میری طرف سے میرا یہ پیغام اے میرے وہ بندو! جو ایمان لائے ڈرو تم اپنے رب سے اب اس طرح کا ڈر جو اس ذات بابرکت کا حق تقویٰ ادا کرنے والا ہے اور اس خوف وخشیت سے تم عبادت پر دوام و پابندی اختیار کئے رکھو اور یہ سمجھ لو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کے کام کئے ان کے واسطے بہترین بدلہ ہے آخرت میں تو یہ بدلہ ضرور ملنا ہی ہے دنیا میں بھی موجب رحمت وبرکت ہے خواہ ظاہرہ ہو یا باطنہ اور اگر جس سرزمین میں تم رہتے ہو وہاں طاعت وبندگی سے موانع ہیں تو ہجرت کر کے دوسری جگہ جاسکتے ہو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے طاعت ونیکی میں استقلال واستقامت اختیار کرو کیونکہ صبر واستقامت اختیار کرنے والوں کو اجر بے حساب دیا جاتا ہے اور ہر عمل اخلاص ہی سے بارگاہ خداوندی میں قابل اعتبار ہے تو آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس طرح کہ اسی کے لئے عبادت وبندگی کو خالص کرنے والا ہو جاؤں جس میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں طاعت کرنے والوں میں سب سے پہلا اطاعت کرنے والا ہوں تاکہ دنیا میں خدا کا ہر مطیع وفرمانبردار بندہ میری اطاعت وفرمانبرداری ہی کو اپنے واسطے اسوہ اور نمونہ بنائے اور ظاہر ہے کہ اطاعت وبندگی خشیت خداوندی کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ کوئی نڈر غلام اپنے آقا کا کبھی فرمانبردار نہیں ہوسکتا اس لیے یہ بات بھی کہہ دیجئے میں تو ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں ایک بڑے دن کے عذاب سے آپ ﷺ اگر ان تمام باتوں کے بعد بھی ان نافرمانوں میں اللہ کی طرف رجوع کا کوئی ارادہ محسوس نہ کریں تو پھر کہہ دیجئے میں تو اللہ کی عبادت اسی طرح کرتا رہوں گا اس کے لئے اپنی بندگی خالص کرتے ہوئے اب تم جس کی چاہو عبادت کرلو اس کو چھوڑ کر تمہیں خود اپنا انجام معلوم ہوجائے گا اس حقیقت کے پیش نظر آپ ﷺ اتمام حجت کے طور پر کہہ دیں پورا خسارہ اور نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کو جو ان کے نقش قدم پر چلے ہلاکت اور خسارہ میں ڈالنے والے ہیں قیامت کے روز یاد رکھو یہی صریح خسارہ ہے کہ نہ انسان کو خود نجات نصیب ہوئی اور نہ اہل وعیال اور متعلقین کو راحت دیکھنا نصیب ہوئی تو اس سے بڑھ کر اور کون سا خسارہ یا تباہی ہوسکتی ہے ان لوگوں کے واسطے تو ان کے اوپر سے سائبان ہوں گے آگ کے شعلوں کے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور یہ اوپر اور نیچے کے شعلے اس طرح ہوں گے جیسے سمندر کی موجوں کے اندر غرق انسان کے اوپر بھی موجیں اور نیچے بھی طوفانی تھپیڑے یہی تو ہے وہ عذاب جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے سو اے میرے بندو مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کی اطاعت میں لگ جاؤ ورنہ تو نافرمانوں کے لئے جو عذاب اللہ نے تیار کر رکھا ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

اور جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں اس بات میں کہ اس کی پرستش کریں اور اس کے کہنے پر چلیں اور انہوں نے نفس وشیطان سے منہ موڑ کر خالصۃً اپنی زندگی کا رخ اللہ کی طرف کر رکھا ہے تو آپ ﷺ میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو اللہ کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی ہیں وہ جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی ہیں وہ جو عقل والے تو ایسے ایمان واخلاص اور توجہ سے اللہ کی باتیں سننے اور ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور جنت میں ہر طرح کے انعام واعزاز کی بشارت سنا دیجئے۔

آیت مبارکہ ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ﴾ کا مضمون جس میں مطیعین کی تعریف اوران پر انعامات خداوندی کا ذکر فرمایا گیا بعینہ وہی مضمون ہے جو آیت ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ میں گزر چکا ان کلمات سے یہ واضح ہورہا ہے کہ قنوت کا مفہوم صرف قیام نہیں بلکہ اس کے معنی خشوع کے زیادہ راجح معلوم ہوتے ہیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بروایت مسروق رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ قانت بمعنی مطیع ہے یعنی اللہ عزوجل اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کرتا ہو ﴿اٰنَاۗءَ الَّيْلِ﴾ رات کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے رات کی تاریکی میں عبادت باعث سکون وفرحت بھی اور موجب قرب خداوندی بھی قیام لیل اور تہجد خدا کی بارگاہ میں اس قدر محبوب عمل ہے کہ فرشتے اس عمل کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لئے باہم خصومت کرتے ہیں ہر ایک فرشتہ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو لے کر وہی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں پہنچے جیسے کہ حدیث اختصام ملاء اعلیٰ میں ذکر فرمایا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں یعنی جو بندہ رات کی نینداور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا رہا کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بے قرار کئے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے تو کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی نکلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھ دار اور بیوقوف میں کچھ فرق نہ رہا مگر ظاہر ہے کہ اس بات کو وہی سوچتے اور سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے (انتھی کلامہ)، ایمان کی حقیقت اور اصل روح چونکہ خوف ورجاء ہے اس وجہ سے یہاں اہل ایمان وطاعت کی یہ خصوصی صفت بیان کی گئی ﴿يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾۔ یعنی آخرت کا ڈر اور اپنے رب کی رحمت کی امید حالت عبادت میں قائم کئے ہوتے ہو کیونکہ جس طرح یہ صفت ایمان کا کمال ہے اسی طرح یہ وصف عبادت کا بھی کمال ہے خوف ورجاء یہ دونوں کیفیتیں ایمان کی روح اور عبادت کے جوہر ہیں مگر ان میں سے ایک کیفیت یعنی خوف زندگی میں غالب رہنی چاہیے اور جب انسان دنیا سے رحلت کر رہا ہو تو پھر رجاء کا پلہ بھاری ہونا چاہئے کیونکہ اب وقت رجاء اور امید رحمت کا ہے اور خوف جو اصلاح عمل کے لیے ضروری تھا اب یہ انسان دارالعمل سے روانہ ہونے کی وجہ سے اس مرحلہ سے گزر چکا ہے عمل کے میدان کو عبور کر کے دارالجزاء کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ وقت رجاء کے غلبہ کا ہے۔

عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جب کہ وہ مرض الموت کی حالت میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا بتاؤ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسی حالت میں پا رہے ہو جواب دیا انی ارجو اللہ واخاف ذنوبی کہ میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ دو صفتیں کسی مومن بندہ کے قلب میں جمع ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا نہ فرمائے جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو مامون ومحفوظ نہ فرمادے جس سے وہ ڈر رہا ہے (جامع ترمذی۔ سنن نسائی)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ البکاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ آیت ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ

الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ﴾ پڑھتے ہوئے سنا تو سن کر فرمایا یہ شخص جس کا ذکر قرآن کریم نے ان کلمات میں کیا وہ تو عثمان بن عفان ؓ ہیں کیونکہ ان کی یہی شان تھی کہ پوری رات تہجد اور تلاوت میں گزر جاتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیتے۔

﴿اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ﴾ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ کلمات سے یہ ظاہر کیا گیا کہ انسان اگر اپنے وطن میں عبادت نہیں کرسکتا تو پھر اس کو چاہئے کہ اس سرزمین سے ہجرت کرکے ایسی جگہ جائے جہاں اپنے رب کی اطاعت کرسکے اس تفسیر پر ماقبل سے ربط بخوبی واضح ہورہا ہے کہ اس دنیا میں نیکی کرنیوالوں کی نیکی کا بدلہ ضرور ان کو ملے گا رہا یہ کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ میں تو ایسی جگہ محصور ہوں اور کفار کا غلبہ وتسلط ہے کہ اور عبادت کر ہی نہیں سکتا تو اس کو فرمایا جارہا ہے اگر یہ زمین تیرے واسطے تنگ ہے تو کیا ہوا کہیں اور چلا جا ﴿اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ﴾ اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے چنانچہ مجاہد ؒ اسکی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے فتھاجروا فیھا وجاھدوا واعتزلوا الاوثان، مجاہد ؒ کے اس کلمہ نے ایک لطیف اشارہ بھی کردیا مسلمانوں پر اگر کافروں کے غلبہ اور تسلط سے کوئی جگہ نیکی اور عبادت کے لئے تنگ ہے تو ہجرت کے ساتھ جہاد بھی کرو تاکہ جہاد کے ذریعہ اللہ کی وسیع زمین فتح کرو اور وہاں اللہ کا دین قائم کرو۔

عطاء ؒ کا قول ہے کہ جب تم کو کسی معصیت کی طرف بلایا جائے تو تم اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرو ﴿اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا﴾ اس معنیٰ اور حکم کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری ؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب من الدین الفرار من الفتن۔ قائم کیا ہے کہ دین کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ فتنوں کی سرزمین سے انسان راہ فرار اختیار کرے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْہِ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

بھلا جس پر ٹھیک ہوچکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کرسکے گا اس کو جو آگ میں پڑ چکا ف۱ لیکن جو ڈرتے ہیں

بھلا جس پر ٹھیک ہوچکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کرے گا آگ میں پڑے کو؟ لیکن جو ڈرتے رہے

رَبَّھُمْ لَھُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِھَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّۃٌ ۙ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰہِ ؕ لَا

اپنے رب سے ان کے واسطے ہیں جھروکے ان کے اوپر اور جھروکے چنے ہوئے ف۲ ان کے نیچے بہتی ہیں ندیاں وعدہ ہوچکا اللہ کا

اپنے رب سے ان کو ہیں جھروکے۔ ان پر اور جھروکے چنے ہوئے، ان کے نیچے چلتی ہیں ندیاں۔ وعدہ ہوا اللہ کا

یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی

اللہ نہیں خلاف کرتا اپنا وعدہ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں

اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ۔ تو نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر چلایا وہ پانی چشموں میں

ف۱ یعنی جن پر ان کی ضد وعناد اور بداعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہوچکا، کیا وہ کامیابی کا راستہ پاسکتے ہیں۔ بھلا ایسے بدبختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہوں۔ کون آدمی راہ پر لاسکتا ہے اور کون آگ سے نکال سکتا ہے۔

ف۲ یہ جنت کے درجات کی طرف اشارہ ہوا۔ اور یہ کہ وہ سب تیار ہیں۔ نہ یہ کہ قیامت کے روز تیار کیے جائیں گے۔

الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ

زمین کے ف۱ پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اس پر ف۲ پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد، پھر کر ڈالتا ہے اس کو

زمین کے، پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی، کئی کئی رنگ بدلتے اس پر پھر آئی تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اس کو

حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۲۱

چورا چورا بیشک اس میں نصیحت ہے عقل مندوں کے واسطے ف۳

چورا، بیشک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کو۔

ع ۱۲ / ۱۶

مذمت ووعید بر شقاوت مجرمین وفلاح وکامرانی مومنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ ... الى ... لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں بالقصد اور اصل بیان مومنین و مطیعین کا اور عند اللہ انکے درجات وانعامات کا تھا درمیان میں ضمناً مجرمین کے خسارہ کا بھی ذکر ہوگیا تھا اب ان آیات میں ایسے بدنصیب اور محروم لوگوں کی ذلت ونا کامی اور اہل ایمان وطاعت کی کامیابی کا بیان ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت کے یہاں انکے درجات کس قدر بلند ہوں گے۔

ارشاد فرمایا: کیا وہ شخص جس پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے بھلا کیا آپ ﷺ اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں اس لئے کہ جن کے حق میں یہ فیصلہ ہو چکا وہ ہرگز گمراہی سے نہیں نکل سکتے اور گمراہی پر مرنا عذاب جہنم کا موجب ہے اور جب انکی ہدایت اور ایمان اس تقدیری فیصلہ کے باعث ممکن نہ رہا تو کوئی بھی انکو جہنم میں جانے سے نہیں روک سکتا اور نہ اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے جیسا کہ خود پروردگار عالم نے یہ فیصلہ ان بدنصیبوں کے حق میں فرما دیا جو بوجہ اپنی شقاوت کے ہدایت سے محروم کردیئے گئے تو اس صورت حال میں کون ان کو جہنم سے بچا سکتا ہے اس لیے آپ ﷺ ان پر غم اور ملال نہ کریں ان پر اس طرح کا غم بے سود ہے لیکن جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا بیشک وہ انعامات خداوندی کے مستحق ہیں انکے واسطے جنت کے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان محلات کے

ف۱ یعنی بارش کا پانی پہاڑوں اور زمینوں کے مسام میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے، باقی اگر چشموں کے حدوث کا کوئی اور سبب بھی ہو، اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔

ف۲ یا مختلف قسم کی کھیتیاں مثلاً گیہوں چاول وغیرہ۔

ف۳ یعنی عقلمند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی، پھر چورا چورا کیا گیا۔ یہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہوگا۔ چاہیے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتوں ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے۔ اور ہر ایک جزء سے منتفع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانا پر پہنچائیں۔ اسی طرح دنیا کو سمجھو کہ اس میں نیکی، بدی، راحت، تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کی جائے۔ پھر اس میں سے ہر ایک جزء کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے مواد میں جا ملے۔ غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقلمند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیے وہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ اپنے وعدہ میں خلاف نہیں کرتا ایسے انعامات جنت کے محل اور باغات پر تعجب کیوں ہو جو نعمتیں اللہ نے دنیا میں بندوں کو عطا کیں اور جیسی قدرت کی نشانیاں نظروں کے سامنے ہیں ان کو دیکھ کر یہ سب کچھ سمجھنا آسان ہے تو کیا اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا اللہ نے آسمان سے کس طرح پانی برسایا پھر وہ اپنی قدرت سے اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے چنانچہ زمین کے ان ٹکڑوں سے پانی نکلتا ہے کنویں اور چشمے اپنے قعر اور گہرائیوں سے پانی ابال کر اوپر پھینکتے ہیں جس سے زمینیں سیراب ہوتی ہیں پھر اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جن کے رنگ اور اقسام مختلف ہوتے ہیں پھر وہ کھیتی پک جاتی ہے تو اے مخاطب اس کو تو دیکھے گا خشک ہو جانے کے بعد زرد رنگ کی پھر اس کو چورا چورا کر دیتا ہے جب کہ کھیتی کٹنے کے بعد روندی جائے بے شک اس میں بڑا ہی نمونہ ہے عبرت کا عقل والوں کے لیے تو یہی حالت دنیوی حیات کی ہے کہ ابتداء اسکی شادابی اور رونق وزینت ہے لیکن اس کی انتہا پامالی اور ہلاکت ہے اور پھر اس ضمن میں یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جو پروردگار عالم دنیا میں آسمان سے پانی برسانے اور سبزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسکی قدرت سے جنت کی ان نعمتوں پر بھی کوئی تعجب نہ کرنا چاہئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس مقام پر فوائد میں یہ فرماتے ہیں یعنی عقلمند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی، پھر چورا چورا کیا گیا یہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہوگا چاہئے کہ آدمی اس عارضی بہار پر مفتون ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جز سے منتفع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچائیں اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی بدی راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کی جائے اور پھر اس میں سے ہر ایک جز کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے نیکی اور راحت اپنے مستقر ومرکز پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے (نیکی اور راحت کا مستقر جنت ہے اور بدی وتکلیف کا مستقر جہنم ہے اس لحاظ سے نیکی کا انجام جنت اور جنت کی راحتیں سمجھ لینی چاہئیں اور بدی کا مستقر جہنم ہے تو بدی کا مآل جہنم اور جہنم کی تکالیف ہوگا)

غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقل مند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمان بارش سے زمین میں چشمے جاری کئے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔

أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے، سو خرابی ہے ان کو جن کے دل سخت ہیں

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر، سو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔ سو خرابی ہے ان کو جن کے دل سخت ہیں

ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۲ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا

اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکتے صریح ف۱ اللہ نے اتاری بہتر بات، کتاب ف۲ آپس میں ملتی

اللہ کی یاد سے، وہ پڑے پھرتے ہیں بہکے صریح۔ اللہ نے اتاری بہتر بات، کتاب، آپس میں ملتی،

مَّثَانِيَ ڰ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ

دوہرائی ہوئی ف۳ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل

دہرائی ہوئی، بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے۔ پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل،

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۳

اللہ کی یاد پر ف۴ یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سجھانے والا ف۵

اللہ کی یاد پر۔ یہ ہے راہ دینا اللہ کا، اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور جس کو راہ بھلا دے اللہ اس کو کوئی نہیں سجھانے والا۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ

بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منہ پر برا عذاب دن قیامت کے اور کہے گا بے انصافوں کو چکھو جو تم

بھلا ایک جو روکتا ہے اپنے منہ پر برا عذاب دن قیامت کے۔ اور کہیئے بےانصافوں کو چکھو جو تم

ف۱ یعنی دونوں برابر کہاں ہو سکتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لیے کھول دیا۔ نہ اسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک و شبہ ہے نہ احکام اسلام کی تسلیم سے انقباض۔ حق تعالیٰ نے اس کو توفیق و بصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی۔ جس کے اجالے میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا چلا جا رہا ہے۔ دوسرا وہ بدبخت جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو، نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے نہ خیر کا کوئی قطرہ اس کے اندر گھسے، کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو۔ یوں ہی اوہام و اہواء، اور رسوم و تقلید آباء کی اندھیریوں میں بھٹکتا پھرے۔

ف۲ یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔

ف۳ یعنی صحیح، صادق، مضبوط، نافع، معقول اور فصیح و بلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں۔ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہے، مضامین میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں۔ بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے سے صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی ہے۔ القراٰن یفسر بعضہ بعضًا اور "مثانی" یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواعظ و قصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تاکہ اچھی طرح دلنشین ہو جائیں۔ نیز تلاوت میں بار بار آیتیں دہرائی جاتی ہیں۔ اور بعض علماء نے "متشابہ" و "مثانی" کا مطلب یہ لیا ہے کہ بعض آیات میں ایک ہی طرح کے مضمون کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے وہ متشابہ ہوئیں اور بعض جگہ ایک نوعیت کے مضمون کے ساتھ دوسرے جملہ میں اس کے مقابل کی نوعیت کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ یا ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ یا "ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رءوف بالعباد" ایسی آیات کو مثانی کہیں گے کہ ان میں دو مختلف قسم کے مضمون بیان ہوئے۔

ف۴ یعنی کتاب اللہ سن کر اللہ کے خوف اور اس کے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف و رعیت کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا۔ اگر کبھی ضعفاء و ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات و احوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعق وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کی تفضیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ اس طرح از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۵ یعنی جس کے لیے حکمت الٰہی مقتضی ہو اس طرح کامیابی کے راستے کھول دیے جاتے ہیں اور اس شان سے منزل مقصود کی طرف لے چلتے ہیں۔ اور جس کو =

تَكْسِبُوْنَ ۞ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞

کماتے تھے ف۱ جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے پھر پہنچا ان پر عذاب ایسی جگہ سے کہ ان کو خیال بھی نہ تھا

کماتے تھے۔ جھٹلا چکے ان سے اگلے پھر پہنچا ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞

پھر چکھائی ان کو اللہ نے رسوائی دنیا کی زندگی میں اور عذاب آخرت کا تو بہت ہی بڑا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی ف۲

پھر چکھائی ان کو اللہ نے رسوائی دنیا کے جیتے۔ اور عذاب آخرت کا تو اور بڑا ہے، اگر یہ سمجھ رکھتے۔

بیان انشراح قلوب اہل ایمان وآثار خشیت وتقویٰ کہ از ذکر الٰہی وتلاوت قرآن است

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ ... الی ... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دلائل قدرت اور اثبات حق کے لیے براہین اور شواہد بیان کئے گئے تھے اور عقائد باطلہ کی تردید وابطال کیا گیا تھا اب اس کے بعد ان آیات میں آیات خداوندی سے انتفاع اور قبول ہدایت کا ایک معیار ذکر کیا جارہا ہے وہ قلب کا اللہ رب العزت کی اطاعت کیلئے منشرح ہوجانا ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ اس قلب پر اللہ کی خشیت وعظمت کے آثار ظاہر ہوں لیکن اگر قلب پر قساوت (سختی اور بے حسی) مسلط ہو تو پھر اس پر خدا کی عظمت وہیبت اثر انداز نہ ہوگی اور نہ ہی اس کو ذکر اللہ کی رغبت ہوگی۔

نیز یہ بھی ایک ربط کی وجہ بیان کی جاسکتی ہے کہ گزشتہ آیات میں زمین کے چشموں اور کنوؤں کا ذکر تھا زمین کے چشمے اور کنویں جو اپنی تہوں سے پانی ابالتے ہیں اور خشک زمینوں کو سیراب کرتے ہیں وہ دو باتوں پر مبنی ہیں بخارات کا انقلاب برودت ارض سے اور آب باراں کا زمین کی گہرائیوں میں پیوست ہوجانا اور پھر ان کا سمٹ کر جمع ہوجانا تو اسی طرح اہل ایمان کے قلوب میں علوم ہدایت (جو قلوب کی ہدایت کے لئے بمنزلہ باراں رحمت) جمع ہوئے ہیں پھر ان قلوب سے وہ علوم ہدایت چشموں کے پانی کی طرح ابلتے ہیں اور دوسرے دلوں کو سیراب وشاداب کرتے ہیں اور یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب قلوب میں اللہ کی خشیت وتقویٰ موجزن ہو اور اگر قلوب بنجر زمین کی طرح ہوجائیں تو ظاہر ہے وہ نہ خود علوم ہدایت کا ذخیرہ ان میں جمع ہوسکے گا کہ دوسروں کی تشنگی دور کرسکیں تو فرمایا: سو جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور اسلام کی حقیقت وحقانیت کو پہچان کر اس کا مطیع فرمانبردار ہو گیا تو وہ ایک نور پر ہے جو اس کو اپنے رب کی طرف سے

=سوء استعداد کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے۔ آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کرسکے۔

ف۱ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو تو ہاتھوں پر روکتا ہے۔ لیکن محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے، اس لیے عذاب کی تھپیڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی۔ تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اس کام کا مزہ چکھ جو دنیا میں کیے تھے۔ کیا اس مومن کی طرح ہوسکتا ہے جسے آخرت میں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں، اللہ کے فضل سے مطمئن اور بے فکر ہے۔ ہرگز نہیں۔

ف۲ یعنی بہت قومیں تکذیب انبیاء کی بدولت دنیا میں ہلاک اور رسوا کی جاچکی ہیں۔ اور آخرت کا اشد عذاب جوں کا توں رہا۔ تو کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے۔

حاصل ہے کیا یہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں جس طرح زندہ اور مردہ اور بینا اور نابینا برابر نہیں ایسی طرح یہ دونوں بھی برابر و یکساں نہیں پس ہلاکت و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اللہ کے ذکر اور یاد سے ایسے لوگ بے شک کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ نے تو نازل کر دیا ہے بڑا ہی بہترین کلام ایک کتاب کی صورت میں یعنی قرآن حکیم جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے کہ اس کی تمام آیات اور باتیں فصاحت و بلاغت اور اسرار وحکم اور سعادت وفلاح کے ضامن و کفیل ہونے میں متشابہ اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ان آیات و احکام اور علوم میں نہ باہم اختلاف ہے نہ تضاد اور نہ تفاوت وفرق جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کلام اسی قادر مطلق پروردگار کا ہے جس نے تمام کائنات کو کیسے حسن وتناسب اور سلیقہ سے بنایا اگر یہ کتاب غیر اللہ کی ہوئی تو ضرور تفاوت اور اختلاف پایا جاتا جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ یہ ملتی جلتی متشابہ آیات ایسی ہیں جو بار بار دہرائی گئی جن کا تکرار اور دہرانا مختلف حکمتوں اور فوائد پر مشتمل ہوتا ہے اور اس لئے کہ یہ مضامین قلب و دماغ میں راسخ ہو جائیں اور انسان اپنی فکری اور ذہنی صلاحیتوں سے ان چیزوں کو اپنی عملی زندگی میں رچانے کے لئے تیار ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ثمرہ محض ایک دفعہ پیغام کسی بات کو بیان کر دینے سے نہیں حاصل ہوتا تاوقتیکہ مختلف اسلوبوں کے ساتھ پہلے ایک بات ذہن نشین نہ کرا دی جائے پھر اس کی حکمتوں اور فوائد کے تکرار سے اس کی رغبت دل میں نہ بٹھا دی جائے حتیٰ کہ یہ شوق ورغبت اس کو عمل پر مجبور کر دے اس کتاب الٰہی کی ایسی عظیم تاثیر ہے کہ کانپ اٹھتی ہیں کھالیں یعنی بدن ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اس ایمانی اور طبعی خشیت الٰہی جس سے ان کا بدن بھی کانپتا ہو ترقی کر کے ان کی عملی زندگی کو انقیاد و اطاعت کے ایسے بلند ترین مقام پر پہنچا دے کہ نرم ہو جائیں انکی کھالیں یعنی بدن اور دل اللہ کے ذکر کی طرف طاعت وفرمانبرداری کے ساتھ یعنی پوری توجہ اور انقیاد کے ساتھ اعمال جوارح اور اعمال قلب بجالاتے ہیں یہی ہے اللہ کی ہدایت جس کی سراپا تفسیر وتشریح قرآن کریم ہے اسی کلام الٰہی کی تلاوت اس پر غور وفکر اور عمل ہدایت وسعادت اور کامیابی کی راہیں کھولتا ہے جس کو بھی اللہ چاہے اس کے ذریعے ہدایت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں اب ایسا بدنصیب جس نے اپنی قساوت قلبی سے کبھی اللہ کی طرف رخ نہ کیا ہو ظاہر ہے کہ اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے سورج کی روشنی سے تو وہی منتفع ہو سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھولے اور سورج کا رخ کرے اور جو عناد ونخوت میں اپنی آنکھیں نور ہدایت سے بند کئے ہوئے ہے اس کو اب کیا نور حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ بہرکیف وہ قلوب جن میں ایمان وتقویٰ ہے اور خوف خدا سے وہ پگھل رہے ہیں وہ ان قلوب کی طرح نہیں ہو سکتے جو قساوت کی وجہ سے مردہ ہو چکے اس وجہ سے ہر صاحب فہم یہ سمجھ سکتا ہے بھلا کیا وہ شخص جو عذاب کی سختی سے بچے گا اپنے چہرہ کے ذریعہ اس کو سپر بناتے ہوئے قیامت کے روز وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کی طرف لے جایا جا رہا ہے پہلا شخص ذلت وخواری کی اس حالت میں مبتلا ہے کہ ہاتھ بندھے ہوتے ہیں اور عذاب خداوندی سامنے سے آ رہا ہے اس کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ ہاتھ کے ذریعہ سے سامنے سے آنے والی چیز کو دفع کرے تو وہ اپنے چہرے ہی کو سامنے کرتے ہوئے اس عذاب کو دور کرنا چاہے گا اور دوسرا شخص جس کا دل اللہ نے اسلام

کے لیے کھول دیا تھا وہ اعزاز واکرام اور انعامات کا مستحق ہوگا اور اس وقت کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھ لو تم مزہ اپنے ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے کفار مکہ کو چاہئے کہ یہ باتیں سن کر یقین کریں اگر انہوں نے جھٹلایا تو پھر سمجھ لینا چاہیے ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا عذاب خداوندی کو جو ان سے پہلے گزرے ہیں لیکن آ گیا ان پر عذاب خداوندی ایسے طریقے سے کہ ان کو خبر بھی نہ تھی اور تصور بھی نہ کر سکتے ہیں اس طرح بھی کوئی ناگہانی عذاب کسی قوم کو تباہ و برباد کر سکتا ہے تو چکھادیا اللہ نے ان کو ذلت کا مزہ دنیا کی زندگی ہی میں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے کہ دنیا میں کتنی قومیں ایسی گزری ہیں کہ اللہ رب العزت کے پیغمبروں کی تکذیب ونافرمانی کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب سے تباہ کردی گئیں۔

ائمہ مفسرین مثلاً سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اسلام کے لیے سینہ کھول دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر انقیاد واطمینان نصیب ہو جائے اور یہ اطمینان ووثوق اس درجہ ہو کہ دل میں کسی بھی امر خداوندی پر کوئی تنگی باقی نہ رہے یہاں تک کہ احکام شریعت اور طبیعت کے تقاضوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے اور یہ کیفیت اس کی ایمانی استعداد کے کامل ہونے کا نام ہے۔

صدر سینہ کو کہتے ہیں اور چونکہ قلب انسانی سینہ میں محفوظ کردیا گیا ہے اور یہی قلب وروح کا منبع ہے تو جس طرح ظرف کا ذکر کر کے مظروف مراد لیا جاتا ہے یہاں بھی سینہ کے کھل جانے سے قلب کا کھل جانا مراد لیا گیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کا کھلنا کس طرح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اس میں نور داخل ہوتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے یعنی اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی رغبت اور اشتیاق محسوس کرنے لگتا ہے ہم نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس کی علامت ہے اور وہ الانابة الى دار الخلود والتجافى عن دار الغرور والتاهب للموت قبل النزول یعنی رجوع کرلینا ہمیشہ کے مسکن (جنت اور آخرت) کی طرف اور علیحدگی (وبیزاری) اختیار کرلینا دھوکہ کی جگہ (یعنی دنیا اور دنیا کی لذتوں سے) اور موت کے لیے تیاری کرنا موت کے اترنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں مراد یہ کہ جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور قبول حق میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں اسی طرح اسلام کے واسطے سینہ کھل جانے میں بھی وہ سب سے مقدم اور سب سے افضل ہیں۔

لفظ تقشعر۔ اقشعرار سے ہے اصل میں سکڑ جانے کو کہتے ہیں جب کہ شدت خوف سے کوئی کسی کی کھال سکڑ جائے اور رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

﴿اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ﴾ کا عنوان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مجرموں پر خدا کا عذاب آنے لگے گا تو طبعی تقاضہ کے باعث یہ اس عذاب کو دفع کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان ظالموں کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہوں گے تو عذاب کے تھپیڑ سیدھے منہ پر پڑتے ہوں گے یا اس بے بسی کے عالم میں یہ اپنا منہ اس کے سامنے کردے گا تو گویا یہ مجرم اپنے چہرہ

کے ذریعے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے والا ہوگا اور اس وقت کہا جاتا ہوگا مزید تذلیل وتوہین کے طور پر اے ظالمو! اپنے کئے ہوئے اعمال کا مزہ چکھ لو تو اس منظر کو ذکر کر کے سوال کیا جارہا ہے کیا ایسا شخص اور وہ مومن جو آخرت میں ہر تکلیف و پریشانی اور ذلت وحقارت سے مامون ومحفوظ ہوگا برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اس آیت کا مضمون وہی ہے جو آیت مبارکہ ﴿اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ میں بیان فرمایا گیا یا اسی طرح ارشاد ہے ﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ کہ کیا وہ شخص جو چل رہا ہو اوندھے منہ اپنے سر کے بل وہ راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو چل رہا ہے برابر استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر۔

﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ کفار مکہ اور دشمنان اسلام کو دنیا کی زندگی میں سب سے پہلی ذلت غزوۂ بدر میں شکست کھا کر اٹھانی پڑی کہ بڑے بڑے سردار مارے گئے قیدی ہوئے اور اپنا مال ومتاع چھوڑ کر بھاگے جو اللہ نے مسلمانوں کے لئے غنیمت بنایا ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ صدق اللہ العظیم۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا

اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن میں سب چیز کی مثل تاکہ وہ دھیان کریں قرآن ہے

اور ہم نے بیان کی لوگوں کو اس قرآن میں سب چیز کی کہاوت کہ شاید وہ سوچیں۔ قرآن ہے

عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ

عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تاکہ وہ بچ کر چلیں ف۱ اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اس میں شریک ہیں

عربی زبان کا جس میں کجی نہیں کہ شاید وہ بچ چلیں۔ اللہ نے بتائی ایک کہاوت، ایک مرد ہے کہ اس میں کئی شریک

مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا برابر ہوتی ہیں دونوں مثل ف۲ سب خوبی اللہ کے لیے ہیں پر وہ بہت لوگ سمجھ

ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا۔ کوئی برابر ہوتی ہے ان کی کہاوت۔ سب خوبی اللہ کو ہے، پر وہ لوگ سمجھ

ف۱ یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں قرآن تو بات بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تاکہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں۔ قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلال اور کجی اس کے مضامین یا عبارت میں نہیں۔ جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے، نہ ان کا ماننا مشکل، اور جن چیزوں پر عمل کرانا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال، غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں۔ اعتقادی وعملی غلطیوں سے بچ کر چلیں۔ اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔

ف۲ یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں۔ اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق، بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہے، چاہتا ہے کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے دوسرے شرکاء سے سروکار نہ رکھے۔ اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا۔ برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک کا ہو، اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی =

يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

نہیں رکھتے ف۱ بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے

نہیں رکھتے۔ بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں۔ پھر مقرر تم دن قیامت کے، اپنے رب کے آگے

تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

جھگڑو گے ف۲

جھگڑو گے۔

ع ۲ / ۱۰ / ۱۷

تمثیل حق و باطل و فرق درمیان عبد مومن و مطیع و بندۂ مشرک و عاصی

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ جس کسی کا دل اللہ نے ایمان کے لئے کھول دیا وہ ہدایت وسعادت کی روشنی پر ہے تو ایسا شخص جس کو نور ہدایت حاصل ہو چکا وہ اس بدنصیب انسان کی طرح نہیں ہوسکتا جو کفر و گمراہی کی تاریکیوں میں مبتلا ہے اب ان آیات میں حق و باطل کی تمثیل اور مومن و مشرک کے فرق کو ایک حسی مثال میں پیش کیا جارہا ہے اور یہ بیان کیا جارہا ہے ان حقائق کو سمجھانے میں قرآن کریم نے تو کوئی کمی نہیں کی دلیلوں سے سمجھا دیا مثالوں سے واضح کردیا اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ سمجھے اور نہ مانے تو یہ اس کی حماقت وغفلت ہے قرآن کے بیان میں کوئی کمی نہیں تو ارشاد فرمایا اور بے شک ہم نے بیان کردی ہے لوگوں کی ہدایت وعبرت کے لئے ہر قسم کی مثالوں میں سے عمدہ اور بلیغ مثال امید ہے کہ لوگ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں گے جس کی شان یہ ہے کہ وہ قرآن عربی ہے جس میں ذرہ برابر بھی کجی نہیں یہ صاف اور سیدھی باتیں اس لیے اتاری گئیں تا کہ یہ لوگ اللہ کا تقوی اختیار کرلیں ان واضح حقائق کو سن کر ہر شخص ایمان و کفر اور توحید و شرک کی حقیقت بخوبی سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ شرک و نافرمانی کا کیسا برا انجام ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیان کردی ہے اللہ نے ایک مثال موحد اور مشرک کی کہ ایک شخص ہے غلام جس میں متعدد شرکاء ہیں جو آپس میں کھینچا تانی اور مزاحمت کررہے ہیں ہر ایک مالک چاہتا ہے کہ یہ میرا کام انجام دے جو دوسرے مالک کی مرضی اور مقصد کے خلاف ہے تو ظاہر ہے کہ اس طرح مشترک

=طرح کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات وخیالات اور دوادوش کا ایک مرکز ہے۔ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ اکثر مفسرین نے اس مثال کی تقریر اسی طرح کی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ایک غلام جو کئی لوگوں کا ہو، کوئی اس کو اپنا نہ سمجھے، اور اس کی پوری خبر نہ لے، اور ایک غلام سارا ایک کا ہو، وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے۔ یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں، اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔"

ف۱ یعنی سب خوبی اللہ کے لیے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب وحقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال وشواہد سے سمجھا دیتے ہیں۔ مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔

ف۲ یعنی جیسے مشرک اور موحد میں جو اختلاف ہے اس کا اثر قیامت کے دن علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر ہوگا جس وقت پیغمبر اور امتی سب اکٹھے کیے جائیں گے اور کفار، انبیاء اور مومنین کے مقابلہ میں جھگڑے اور حجتیں نکالیں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "کافر منکر ہوں گے کہ ہم کو کسی نے حکم نہیں پہنچایا پھر فرشتوں کی گواہی اور زمین و آسمان کے ہاتھ کی گواہی سے ثابت ہوگا۔" کہ وہ اس ادعاء میں جھوٹے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی اس دن پروردگار کے سامنے ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ لفظ "اختصام" کو عام رکھا جائے تاکہ احادیث و آثار کے خلاف نہ ہو۔

غلام میں اس کے سارے مالکین ضد اضدی کریں گے اور ہر ایک اپنی خدمت کے لئے اس کو کھینچے گا جس کا انجام ظاہر ہے کہ وہ کسی کی بھی اطاعت نہ کر سکے گا اور کوئی بھی اس کے آقاؤں میں سے اس سے راضی نہ ہو سکے گا اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ غلام ہے جو پورے طور پر ایک ہی کے لئے ہے اور صرف ایک ہی غلام ہے جو پوری طرح اپنے آقا کی اطاعت بجالا سکتا ہے اور اس کا آقا اس کی اس فرمانبرداری کی وجہ سے اس سے راضی بھی ہو سکتا ہے تو کیا یہ دونوں اپنی حالت کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ پہلا غلام متحیر و بدحواس رہے گا کہ کس کی مانوں اور نہ ہی اس کا کوئی آقا تحیر کے بعد اس سے راضی ہوگا اور اس کے برعکس دوسرا بڑے اطمینان وسکون سے اپنے ایک آقا کی فرمانبرداری میں لگا رہیگا، اس کا آقا اس سے خوش ہوگا انعامات سے بھی نوازے گا اور اپنے غلام کی ضرورت وحاجت بھی پوری کرتا رہے گا یہ دیکھ کر کہ یہ تو بس میرا ہی ہے میں اس کی حاجت پوری نہ کروں تو پھر کون کرے گا اور اس کا کوئی آقا میرے سوا نہیں تو یہ کس کے در پہ جائے گا الحمد للہ کہ حق واضح ہو گیا اور ثابت بھی ہو گیا مگر افسوس پھر یہ لوگ قبول نہیں کرتے قبول تو کیا کرتے بلکہ اکثر تو ان میں سے یہ چیزیں جانتے ہی نہیں جاننا تو در کنار سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بہر حال یہ ایک فیصلہ ہے جس سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں ہو سکتی قیامت آنے والی ہے بے شک آپ ﷺ کو مرنا ہے اور اسی طرح ان کو بھی مرنا ہے پھر تم دونوں فریق قیامت کے روز اپنے پروردگار کے سامنے اپنے اپنے مقدمات پیش کرو گے اور ظاہر ہے اس وقت حق اور باطل کا عملی فیصلہ سب کے سامنے آجائے گا اور وہ باطل پرست جن کو ہر دلیل سے حق اور ہدایت سمجھایا گیا اپنی آنکھوں سے اس عذاب وقہر کو دیکھتے ہوں گے جو ان کی گمراہی کے باعث ان پر مسلط ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے فوائد میں لکھتے ہیں ایک غلام جو کئی ایک کا غلام ہو کوئی اس کو اپنا نہ سمجھے تو اسکی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے یہ مثال ہے انکی جو ایک رب کے بندے ہیں اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ﴿مُتَشٰكِسُوْنَ﴾ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہوں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق اور بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہو اور چاہتا ہو کہ یہ غلام دوسرے سے سروکار نہ رکھے تو اس کھینچ تان میں ظاہر ہے کہ غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا برخلاف اس کے کہ جو غلام پورا ایک کا ہو تو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور کئی آقاؤں کی خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح موحد ومشرک کو سمجھ لو مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات وخیالات اور داد ودہش کا (صرف) ایک مرکز ہے اور وہ پوری دل جمعی کے ساتھ اس کو خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی اور کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔

﴿عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ کی تفسیر میں بالعموم مفسرین اہل حق اور باطل کی خصومت مراد لیتے ہیں جس کی طرف دوران ترجمہ اضافہ کردہ کلمات سے اشارہ کر دیا گیا حافظ ابن منذر رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ جھگڑا صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں ہوگا بلکہ روح اور جسم بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہوں گے روح جسم سے کہے گی کہ یہ سب کچھ تو نے کیا جسم روح سے کہے گا نہیں میں تو بے قصور ہوں اصل حکم اور عمل کرانے والی طاقت تو تو ہی تھی ہر ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتا ہوگا تو اس خصومت کی حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کردے یہ فرشتہ ان سے آ کر یہ کہے گا تمہارے واسطے ایک مثال ہے اور تم دونوں کا حال اس کی مانند ہے ایک اپاہج ومعذور شخص آنکھوں والا ہے جس کو نظر تو سب کچھ آتا ہے لیکن چل پھر نہیں سکتا دوسرا شخص نابینا مگر چل پھر سکتا ہے دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اپاہج نے اندھے سے کہا اے میرے ساتھی میں یہاں باغ میں، بہت سے پھل اور میوے دیکھ رہا ہوں لیکن معذور ہوں پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا اندھے نے اپاہج سے کہا تو مجھ پر سوار ہو جا اور مجھے وہاں تک لے چل جہاں تو پھل دیکھ رہا ہے چنانچہ اپاہج اندھے پر سوار ہو کر پھلوں تک پہنچا اور پھل کھانے لگے تو بتاؤ ان میں سے کون ظالم ہے جسم اور روح دونوں نے جواب دیا ان دو میں سے کوئی ایک تنہا ظالم نہیں ہے ظالم تو دونوں ہی ہیں فرشتہ یہ فیصلہ سن کر بولا اے جسم وروح بس تم نے خود ہی فیصلہ کردیا کہ مجرم اور ظالم تم دونوں ہی ہو مراد یہ کہ جسم سواری ہے اور روح اس پر بمنزلہ سوار کے ہے کہ جو اس سواری پر سوار ہو کر اعمال وافعال کا ارتکاب کرتی پھرتی ہے لہٰذا جسم وروح دونوں ہی عذاب اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴) الحمد للہ ۲۳واں پارہ مکمل ہوا۔

❁❁❁

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

پھر اس سے ظالم زیادہ کون جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس، کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا

پھر اس سے ظالم کون ؟ جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس پاس۔ کیا نہیں دوزخ میں ٹھہراؤ

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا

منکروں کا ف۱ اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اس کو، وہی لوگ ہیں ڈر والے ف۲ ان کے لیے ہے جو

منکروں کا۔ اور جو لایا سچی بات اور سچ مانا اس کو وہی لوگ ہیں ڈر والے۔ ان کو ہے جو

يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ

وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا تاکہ اتار دے اللہ ان پر سے برے کام

چاہیں اپنے رب کے پاس۔ یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا۔ تا اتارے اللہ ان سے برے کام

عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ

جو انہوں نے کئے تھے اور بدلہ میں دے ان کو ثواب بہتر کاموں کا جو وہ کرتے تھے ف۳ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندوں کو

جو کئے تھے اور بدلے میں دے ان کا نیگ بہتر کاموں کا جو کرتے تھے۔ کیا اللہ بس نہیں اپنے بندے کو ؟

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا

اور تجھ کو ڈراتے ہیں ان سے جو اس کے سوا ہیں اور جس کو راہ بھلائے اللہ تو کوئی نہیں اس کو راہ دینے والا اور جس کو راہ سجھائے اللہ تو کوئی نہیں اس کو

اور تجھ کو ڈراتے ہیں ان سے، جو اس کے سوا ہیں۔ اور جس کو راہ بھلاوے اللہ تو کوئی نہیں اس کو راہ دینے والا۔ اور جس کو راہ سجھائے اللہ اس کو

لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

بھٹلانے والا کیا نہیں ہے اللہ زبردست بدلہ لینے والا ف۴

کوئی نہیں بھلانے والا۔ کیا نہیں ہے اللہ زبردست بدلہ لینے والا۔

ف۱ اللہ پر جھوٹ بولا یعنی اس کے شریک ٹھہرائے یا اولاد تجویز کی، یا وہ صفات اس کی طرف منسوب کیں جو واقع میں اس کے لائق نہ تھیں اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس یعنی انبیاء علیہم السلام جو سچی باتیں خدا کی طرف سے لائے ان کو سنتے ہی جھٹلانے لگا۔ سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔ بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور ایسے ظالموں کا ٹھکانا دوزخ کے سوا اور کہاں ہوگا۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹ خدا کا نام لیا تو اس سے برا کون۔ اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا تو تم سے برا کون۔" (گویا من کذب علی اللہ اور کذب بالصدق کا مصداق الگ الگ قرار دیا۔ اور ایسا ہی آگے والذی جاء بالصدق میں آتا ہے)

ف۲ یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کہیں، اور سچ کی تصدیق کریں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی، اور جس نے سچ مانا وہ مومن ہے۔" (گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے)

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ متقین و محسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام ہو گیا وہ معاف کرے گا (تنبیہ) شاید "اسوأ" اور "احسن" (صیغہ تفضیل) اس لیے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں سے اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔=

تنبیہ وتہدید بر تکذیب حق وصداقت وبیان حسرت وملال مکذبین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللهِ ... الى ... بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں موحد ومشرک کی حقیقت ایک مثال کے رنگ میں بیان کر کے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ شرک کا انجام سوائے حیرت واضطراب اور ناکامی کے اور کچھ نہیں حقیقی اطمینان وسکون وانسان کی اصل فلاح وسعادت توحید خداوندی اور صرف اپنے ایک ہی رب کے ساتھ رشتہ حیات وابستہ کر لینے میں ہے اب ان آیات میں ان بدنصیبوں پر تنبیہ فرمائی جا رہی ہے جن کا کام اللہ پر بہتان باندھنا اور اللہ کے رسولوں کی تردید وتکذیب کرنا ہے اور یہ کہ ایسے بدنصیب تباہی سے کبھی نہیں بچ سکتے، اور جو لوگ اللہ کی راہ اور ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ کامیاب ہوں ان کے گناہوں کا بھی کفارہ اور معافی فرمائی جاتی ہے تو ارشاد فرمایا جب کہ قیامت کے روز بوقت خصومت ہر ایک کا انجام سامنے آجائے گا تو پھر بتاؤ اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور مثلاً یہ کہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور خدا کے ساتھ اور بھی شریک ہیں اور سچی بات کو جھٹلائے یعنی قرآن جو سراپا صداقت وحق ہے، جب کہ وہ سچی بات اس کے پاس پہنچ چکی تو کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ منکروں کا یقیناً یہ منکر وکافر بڑے ہی ظالم ہیں اور ظلم پر عقوبت وسزا عقل وفطرت کا تقاضا ہے اس لیے ظالموں اور حق سے منہ موڑنے والوں کا یہی انجام ہو سکتا ہے اور اس کے برعکس جو سچی بات لے کر آیا خدا کی طرف سے یا خدا کے رسول کی طرف سے اور اس نے اس کی تصدیق بھی کی تو بے شک یہ لوگ ہی صاحب تقویٰ ہیں خدا کے ایسے برگزیدہ اور متقی بندوں کا انجام یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو وہ چاہیں گے ان کے پروردگار کے یہاں ہوگا اور ظاہر ہے کہ ان کی ہر خواہش اور طلب کا پورا کیا جانا انتہائی اعزاز واکرام ہوگا، بے شک یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا یہ صلہ اور انعام ان کے واسطے اس لیے تجویز کیا گیا تاکہ کفارہ کر دے اللہ تعالیٰ ان کے ان برے کاموں کا جو انہوں نے کیے اور ثواب دے ان کو ان کے بہترین کاموں کا جو وہ اپنی دنیوی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ منکرین کا رسول خدا کو جھٹلانا اور نافرمانی کرنا خدا کے رسول اور اہل ایمان کے لیے باعث تشویش ورنج نہیں ہونا چاہئے کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے، جب اللہ کافی ہے تو وہی حفاظت بھی کرے گا اور وہی منکرین ومجرمین کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔ اور یہ لوگ ڈراتے ہیں اے محمد ﷺ آپ کو ان جھوٹے معبودوں سے خدا کے سوا جو انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں، حالانکہ ان معبودان باطلہ میں خود کوئی قدرت نہیں عاجز محض ہیں،

= فـ۱ چند آیات پہلے ﴿ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ میں شرک کا رد اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا۔ اس پر مشرکین پیغمبر علیہ السلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ کہیں تم کو (معاذ اللہ) بالکل خبطی اور پاگل نہ بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا، اسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز منتقم کی امداد وحمایت اس کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے یا لو لگائے۔ یہ بھی ان مشرکین کا خبط وضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹھیک راستہ پر لگا دینا یا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جس کسی شخص کو اس کی بدتمیزی اور کجروی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے، وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہو جاتا ہے۔ اور موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی قوت بھی اس میں نہیں رہتی۔ کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ گیا کون سی طاقت ہے جو اس کا بال بیکا کر سکے۔ جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کر دی جائے گی۔ غیرت خداوندی مخلص وفاداروں کا بدلہ لیے بدون نہ چھوڑے گی۔

اس لیے ان مشرکوں اور کافروں کا رسول اللہ ﷺ کو ڈرانا اور یہ کہنا کہ ہم اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ وہ آپ ﷺ کو دیوانہ کر دیں حقیقت میں کھلی ہوئی حماقت اور گمراہی ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ خداوند عالم کی اس قدرت عظیم کے پیش نظر نہ خدا کے رسول ﷺ کو اور نہ ہی اہل ایمان کو ان کی ایسی احمقانہ دھمکیوں سے مرعوب وخوف زدہ ہونا چاہیے بلکہ یقین رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ضرور ان سے ایسی بیہودہ باتوں اور مجرمانہ اعمال کا بدلہ لے گا کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام والا نہیں ہے؟ وہ اپنے رسول ﷺ کی مدد کرے گا۔ اور نافرمانوں سے انتقام لے گا، اور ان مجرموں کے معبود بے بس ولا چار ہیں تو ہمارے عذاب سے ان مجرموں کو ان کے معبود بچا بھی نہیں سکیں گے۔ اور ہم قادر مطلق ہیں اس لیے ہماری نصرت وحمایت کو کوئی روک نہیں سکتا ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ "صدق" ۔ سچائی کا نام ہے، خدا کی کتاب بھی سچی ہے، خدا کا ہر پیغام سچا ہے، بالخصوص یہ پیغام توحید لا الہ الا اللہ کی صداقت وحقانیت تو اس قدر روشن ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز اس کی دلیل ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں مجاہد رحمہ اللہ قتادہ رحمہ اللہ، ربیع بن انس رضی اللہ عنہ اور ابن زید رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ سچائی لانے والے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور اس کی تصدیق کرنے والا ہر وہ شخص ہے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہوا۔ وہ اس آیت کا اولین مصداق ہے۔ اور وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ جبریل امین علیہ السلام ہیں جو اللہ کی طرف سے سچائی اور ہدایت لے کر آئے اور ﴿وَصَدَّقَ بِهٖٓ﴾ کے مصداق رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ وحی کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے خدا کے رسول ہی ہوتے ہیں۔ ترجمہ آیت کے درمیان اضافہ کردہ کلمات میں انہیں دو قولوں کی طرف اشارہ ہے لیکن جمہور مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی اور آیت مبارکہ میں آخری کلمہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا

اور جو تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو

اور جو تو ان سے پوچھے کس نے بنایا آسمان اور زمین کو؟ تو کہیں اللہ نے۔ تو کہہ، بھلا دیکھو تو! جن کو

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ

پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر چاہے اللہ مجھ پر کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی ہوئی یا وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ

پوجتے ہو اللہ کے سوا، اگر چاہے اللہ مجھ پر کچھ تکلیف، وہ ہیں کہ کھول دیں تکلیف اس کی ڈالی؟ یا وہ چاہے مجھ پر مہر وہ ہیں کہ

هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸ قُلْ يٰقَوْمِ

روک دیں اس کی مہربانی کو تو کہہ مجھ کو بس ہے اللہ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے ف۱ تو کہہ اے قوم

روک دیں اس کی مہر؟ تو کہہ، مجھ کو بس ہے اللہ۔ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے۔ تو کہہ اے قوم!

ف۱ یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو خود تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیں یا عاجز =

اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ

کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے کس پر آتی ہے آفت کہ اس کو رسوا کرے اور اترتا ہے

کام کئے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے۔ کس پر آتی ہے آفت کہ اس کو رسوا کرے، اور اترتی ہے

عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

اس پر عذاب سدا رہنے والا ف۱ ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے واسطے سچے دین کے ساتھ، پھر جو کوئی راہ پر آیا

اس پر سدا کی مار۔ ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے واسطے سچے دین کے ساتھ۔ پھر جو کوئی راہ پر آیا

ع فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

سو اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا سو یہی بات ہے کہ بہکا اپنے برے کو اور تو ان کا ذمہ دار نہیں ف۲

سو اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی بہکا، سو یہی کہ بہکا اپنے برے کو۔ تجھ پر اس کا ذمہ نہیں۔

بیان قدرت خداوندی وعدم استطاعت بر مدافعت عذاب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... الی ... وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾

ربط:...... مضمون سابق میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ مجرمین کو بس اللہ ہی کا عذاب سرکوبی کے لیے بہت کچھ ہے اور یہ مجرم اس عذاب خداوندی سے کسی طرح نہیں بچ سکتے کیونکہ اللہ عزیز ذو انتقام ہے اب ان آیات میں اللہ رب العزت اپنی اس قدرت وطاقت کا ذکر فرما رہا ہے جو خود ان منکرین کو تسلیم ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مشرکین کا یہ لغو اور بعید از عقل طریقہ کہ آپ ﷺ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کیا تو اقرار کرتے کہ کائنات کا خالق اللہ ہی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اور اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے

=مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنی سے ادنی تکلیف وراحت کو اس جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ تم ہی بتاؤ، دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لیے کافی سمجھا جائے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ جس کا جواب حضرت ہود نے یہ دیا۔ ﴿اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ﴿وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

ف۱ یعنی عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا صدہا دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتا دیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آیا اس کا مقابلہ کرنے والے آخرکار سب ذلیل وخوار ہوئے۔

(تنبیہ) "عذاب یخزیہ" سے دنیا کا اور "عذاب مقیم" سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ واللہ اعلم

ف۲ یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلا دیا گیا۔ آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ نصیحت پر چلے گا تو اس کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئیں، صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجیے۔ جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور رلانا ہنسانا سب کچھ ہے۔

پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ اور ظاہر ہے ایسی عظیم مخلوقات کا پیدا کرنا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے تو آپ ﷺ اس اقرار وتسلیم کے بعد ان سے یہ کہہ دیجئے تو پھر تم مجھے یہ بتلاؤ کہ جن معبودوں کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا تمہارے معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ اگر مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر ان کو اسی طرح جواب دینا پڑے گا جیسا خدا کی خالقیت کو تسلیم کرنے کا جواب دیا، تو جب صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنی خالقیت میں بھی منفرد ہے اسی طرح وہ کمال قدرت میں بھی منفرد ہے جیسا کہ اس کی خالقیت میں کوئی شریک نہیں، اسی طرح اس کی قدرت کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت نہیں کرتا، پھر یہ کسی منہ سے اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کہہ دیجئے بس میرا خدا ہی میرے واسطے کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں اور میں بھی اسی رب پر بھروسہ اور توکل کر رہا ہوں۔ اس لیے مجھ کو تمہاری دھمکیوں کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اور جب دلائل وبراہین کے ذریعے حقیقت واضح ہوگئی، تو آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیجئے۔ اچھا اگر تم اس کے باوجود بھی اپنی روش سے باز نہیں آتے تو تم اپنی حالت پر عمل کیے جاؤ میں بھی اپنے طرز پر کارفرما ہوں اور یہ کیسے ممکن ہے، اہل باطل تو باطل نہ چھوڑیں مگر اہل حق ان کی رعایت سے حق سے پہلوتہی کرلیں سو اب تم کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون وہ شخص ہے جس پر دنیا میں عذاب آنا چاہتا ہے جو اس کو ذلیل کردے گا، اور بعد از مرگ ایسا عذاب اس پر مسلط ہوگا جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ چنانچہ بدر میں اللہ نے ان پر ایسی سزا مسلط فرمائی کہ بہت سے قتل ہوئے بہت سے قید ہوئے اور ذلت کے ساتھ شکست کھا کر مکہ واپس لوٹنا پڑا۔ دنیا کا یہ عذاب اور ذلت ورسوائی تو اللہ رب العزت نے ۲ھ میں دکھادی اور اس کے علاوہ آخرت کی ذلت اور عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا اور وہ عذاب دائمی ہوگا۔

وحی الٰہی کے ذریعہ ایسے حقائق دنیا کے سامنے ظاہر کردیئے گئے کہ اب کسی کو انکار وتردد کی کوئی گنجائش نہیں رہی، بے شک ہم نے یہ کتاب قرآن حکیم آپ ﷺ پر اتاری ہے۔ حق وصداقت کے ساتھ لوگوں کے نفع ہی کے لیے آپ ﷺ کا کام لوگوں تک اللہ کے احکام وپیغامات پہنچا دینا ہے۔ اب اس کے بعد جو شخص راہ راست پر آئے گا تو وہ اسی کے نفع کے لیے ہوگا اور جو شخص گمراہ ہوگا اس کے گمراہ ہونے کا وبال اسی پر پڑے گا، اور آپ ﷺ ان پر ذمہ دار نہیں بنائے گئے ہیں کہ ان کی گمراہی کا الزام یا اس کی باز پرس آپ ﷺ سے ہو۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے مرفوعا یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس نلیکن بما فی ید اللہ عزوجل اوثق منہ بما فی یدیہ ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل۔

جس شخص کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قوی ہو تو اس کو چاہئے وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو اس کو چاہئے کہ جو چیز خدا کے ہاتھ میں ہے

اس پر اس چیز سے زائد بھروسہ کرے جو خود اس کے ہاتھوں میں ہے، اور جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔

﴿عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ﴾ ان الفاظ میں مجرمین کو دو قسم کے عذاب کی دھمکی دی گئی، ایک دنیوی سزا کی جس کی یُخْزِیْہِ کی قید کی ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں مجرم کی ذلت ورسوائی سزا میں بہت اہمیت رکھنے والی بات ہے تو ﴿عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ﴾ سے دنیا کا عذاب ذکر کیا گیا اور آخرت کا عذاب ﴿وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ بیان فرمایا جس کو مقیم یعنی ہمیشہ قائم وباقی رہنے کی صفت سے متصف کیا گیا اور اس میں شبہ نہیں کہ آخرت کا عذاب وہی شدید عذاب ہے جو کبھی مجرم سے نہ ٹلے بلکہ ہمیشہ قائم رہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں، جب وقت ہو ان کے مرنے کا، اور جو نہیں مریں ان کی نیند میں۔ پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

مرنا ٹھہرا دیا ہے اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کو

مرنا ٹھہرایا، اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے وعدہ تک۔ البتہ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو

يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا

جو دھیان کریں ف۱ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوا کوئی سفارش والے ف۲ تو کہہ ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا

جو دھیان کریں۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوا کوئی سفارش والے؟ تو کہہ، اگر جو ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا،

يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ

اور نہ سمجھ (تو بھی) ف۳ تو کہہ اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش، اسی کا راج ہے آسمان اور زمین میں پھر اسی کی طرف

نہ بوجھ، تو بھی؟ تو کہہ، اللہ کے اختیار ہے سفارش ساری۔ اسی کا راج ہے آسمان و زمین میں۔ پھر اسی کی طرف

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر (واپس) بھیجتا ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے۔ جیسے موت میں اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی وہی موت ہے۔ مگر یہ جان وہ ہے جس کو (ظاہری) ہوش کہتے ہیں۔ اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں۔ اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی“ (موضح القرآن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ ”نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی“ (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے۔ لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی بتوں کی نسبت مشرکین دعوے رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ ان ہی کی سفارش سے کام بنتے ہیں۔ اسی لیے ان کی عبادت کی جاتی ہے سو اول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور صرف اس کے حق =

تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ اِذَا

پھیرے جاؤ گے ف۱ اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رک جاتے ہیں دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا اور جب

پھیرے جاؤ گے۔ اور جب نام لیجئے اللہ کا نرا، رک جائیں دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا۔ اور جب

ذُکِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں خوشیاں کرنے ف۲

نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا، تبھی وہ لگیں خوشیاں کرنے۔

بیان قدرت خداوندی واثبات حشر وتنبیہ بر شناعت مشرکین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا ... الی ... اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے منکرین کی رد میں اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا تھا اور اس سے غرض نبی کریم ﷺ کو تسلی دینی تھی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے روز مجرمین کا انجام خود ان کی نظروں کے سامنے آ جائے گا اب ان آیات میں قیامت اور قیامت کے روز انسانوں کی حق تعالیٰ شانہ کے سامنے پیشی کا ایک منظر بیان کیا جا رہا ہے اور یہ منظر ایسی ایک حالت ہے جو ہر روز وشب ہر انسان پر واقع ہوتی ہے وہ انسان کا سونا جو بمنزلہ موت ہے اور بیدار ہونا جو بعث بعد الموت کا نمونہ ہے ارشاد فرمایا:

اللہ ہی قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت جبکہ قضاء الٰہی سے ان کی موت کا وقت آ جائے تو من کل الوجوہ ان کو قبض کر لیتا ہے اور ان جانوں کو بھی قبض فرماتا ہے حالت خواب میں جن کی موت نہیں آتی ہے ان کے سونے کے وقت میں۔ اس طرح سے کہ حواس تو معطل کر دیئے جاتے ہیں مگر حیات باقی رہتی ہے پھر اس کے بعد ان جانوں کو تو ابدان کی طرف لوٹنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ فرما دیا اور باقی ان دوسری جانوں جن پر بحالت نوم صرف ادراک و

= میں شفاعت کر سکتا ہے جس کو خدا پسند کرے۔ خلاصہ یہ کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرتضیٰ ہونا ضروری ہے۔ یہاں دونوں باتیں نہیں۔ نہ اصنام (بتوں) کا ماذون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضیٰ ہونا۔ لہٰذا ان کا دعویٰ غلط ہوا۔

ف۳ یعنی بتوں کو نہ اختیار ہے نہ سمجھ، پھر ان کو شفیع ماننا عجیب ہے۔

ف۱ یعنی فی الحال بھی زمین و آسمان میں اس کی سلطنت ہے اور آئندہ بھی اس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو اس کی اجازت وخوشنودی کے بغیر کس کی مجال ہے جو زبان ہلا سکے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یعنی " اللہ کے رو برو سفارش ہے پر اللہ کے حکم سے، نہ تمہارے کہنے سے جب موت آئے کسی کے کہنے سے عزرائیل نہیں چھوڑتا۔"

ف۲ مشرک کا خاصہ ہے کہ گو بعض وقت زبان سے اللہ کی عظمت ومحنت کا اعتراف کرتا ہے، لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد وثناء سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آ جائے اور جھوٹی سچی کرامات اناپ شناپ بیان کر دی جائیں تو چہرے کھل پڑتے اور دلوں میں جذبات مسرت وانبساط جوش مارنے لگتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔" فالی اللہ المشتکی وھو المستعان۔

شعور سے تعطل واقع فرمایا ہے اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ان کو چھوڑ دیتا ہے اور واپس فرما دیتا ہے، ابدان کے تصرف کی جانب ایک وقت معین تک کے لیے تاکہ بیداری کے بعد بدستور یہ جان بدن میں تصرف کرنے لگے۔ بے شک اس تمام مجموعہ حال میں بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو غور وفکر کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے ان احوال وواقعات میں غور وفکر کرتے ہیں اور بے شک ہر انسان کا سونا اور سونے کے بعد اٹھنا، بعث بعد الموت اور قیامت کی بہت ہی واضح نشانی ہے۔ اب باوجود ان واضح دلائل کے قیام کے مشرکین کا پھر بھی حق تعالیٰ کی الوہیت وتوحید کا نہ ماننا یا قیامت پر ایمان نہ لانا کیا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے خدا کے سوا اپنے واسطے کچھ سفارشی بنا لیے ہیں جن پر انہوں نے بھروسہ کر لیا ہے کہ یہ ان کو کسی قسم کی تکلیف وعذاب نہ پہنچنے دیں گے یا عذاب سے بچالیں گے آپ ﷺ کہہ دیجئے کیا یہ ممکن ہے کہ یہ ان کے معبودان کو خدا کے عذاب سے بچالیں گے اگرچہ یہ نہ تو کسی چیز کے مالک ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ شفاعت کے لیے علم اور قدرت دونوں چیزیں ضروری ہیں تو جو معبود نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ان کو ذرہ برابر کسی چیز کی قدرت ہو بھلا وہ کسی کی کیا سفارش کر سکیں گے یا کسی مصیبت سے وہ کسی کو کیسے بچا سکیں گے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے سفارش تو سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا، اور جس کسی کو سفارش کی اجازت دی جا سکتی ہے وہ دو بنیادوں پر قائم ہے، ایک شفیع کا مقبول وپسندیدہ ہونا اور دوسرے جس کی سفارش کی جائے اس کا قابل معافی ہونا، اب جن معبودوں کو یہ مشرکین اپنا شفیع قرار دے رہے ہیں وہ اللہ کے نزدیک کسی درجہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ اور خود یہ لوگ اس کے اہل نہیں کہ ان کی نافرمانی معاف کی جائے پھر کس بناء پر ان کو زعم ہے کہ ہمارے معبود ہمیں آخرت کے عذاب سے بچالیں گے اگر عذاب آنے بھی لگے، اس لیے سمجھ لینا چاہئے کہ اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر کچھ حرکت بھی نہیں کر سکتی چہ جائیکہ اللہ کے عذاب اور قہر کا مقابلہ یا اس کی مدافعت کر سکے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اس کی بارگاہ میں حاضری پر تمہارے یہ سب دھوکے اور فریب زائل ہو جائیں گے اور باوجود اس کے کہ دلائل توحید قائم ہو چکے لیکن کفار مکہ اور مشرکین کا حال یہ ہے کہ جب اللہ وحدہ لاشریک لہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب خدا کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو فوراً ہی خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو ایمان وتوحید سے نفرت ہے اور کفر وشرک کی محبت دلوں میں رچی ہوئی ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل بجھ جائیں اور چہرے کبیدہ ہو جائیں اور غیر اللہ کے ذکر پر انبساط وفرحت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اسی بناء پر یہ چیز دیکھی جاتی ہے کہ اہل باطل کو ایمانی باتوں کے سننے سے کراہت ہوتی ہے اور مادی دنیا کے تذکرے لذیذ وخوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔

توفی کی ایک قسم منام یعنی نیند اور دوسری قسم موت ہے: ...... لفظ توفی کی تشریح آیت مبارکہ ﴿یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ﴾ اور سورۃ انعام میں گزر چکی۔ آیت کے مضمون نے یہ واضح کر دیا کہ حالت نوم اور خواب میں حواس وادراک کا قبض کر لینا بھی توفی ہے، جیسے دوسرے موقع پر ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ﴾ اس لیے توفی کے معنی صرف موت ہی سمجھنا نہ دلالت لغت کے لحاظ سے صحیح ہے اور نہ قرآنی تعبیرات اور

تصریحات کی رو سے درست ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا، ابن آدم میں نفس اور روح ہے جن دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح ایک چمک حائل ہے نفس کے ذریعہ فہم تمیز اور احساس کا سلسلہ رہتا ہے اور روح سے حیات وحرکت کا تعلق قائم رہتا ہے تو موت کے وقت زوح اور نفس دونوں قبض کر لیے جاتے ہیں جس کے بعد حیات وحرکت کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن نیند کے وقت صرف نفس قبض کیا جاتا ہے جس سے عقل وادراک اور تمیز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے (روح المعانی: ۲۴ / ۸)

یہی وہ چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فرمائی یعنی جس رات سفر غزوہ میں راستہ میں آرام فرمانے کے لیے لیٹے تو آنکھ نہ کھلی تا آنکہ سورج نکل آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "ان اللہ تعالیٰ قبض ارواحکم حین شاء وردھا الیکم حین شاء" (صحیح بخاری، سنن نسائی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ویرسلھا ایھا الناس ان ھذہ ارواح عاریۃ فی العباد فیقبضھا اللہ اذا شاء ویرسلھا اذا شاء۔

سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تعجب کی بات ہے کہ بعض شخص خواب دیکھتا ہے اور اس کے دل پر اس کا خطرہ بھی نہیں گزرا ہوتا پھر وہ خواب ہو بہو پورا واقع ہوتا ہے اور بعض شخص خواب دیکھتا ہے وہ غلط بلکہ کالعدم ہوتا ہے، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المؤمنین اس کی وجہ میں عرض کرتا ہوں، اللہ فرماتا ہے ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روحیں قبض کرتا ہے پس جو روحیں آسمان پر جا کر کچھ دیکھ آتی ہیں وہ حق ہوتا ہے اور وہ رؤیائے صادقہ ہے اور جو آسمان پر کچھ نہیں دیکھتیں بلکہ جب اجساد کی طرف واپس آتی ہیں تو اس حالت میں کہ جب وہ واپس ہوتی ہیں تو شیاطین انہیں کچھ القاء کرتے ہیں، وہ رؤیائے کاذبہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے بہت خوش ہوئے (روح المعانی، ج: ۲۴، ازالۃ الخفاء ص ۵۸۶)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ

تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے اپنے

تو کہہ، اے اللہ پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے، جاننے والے چھپے اور کھلے کے، تو ہی فیصلہ کرے اپنے

عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

بندوں میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے تھے ف۱ اور اگر گناہ گاروں کے پاس ہو جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا

بندوں میں، جس چیز میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ اور گنہگاروں کے پاس ہو، جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا،

ف۱ یعنی جب ایسی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں باقی نہ رکھا تو اب تیرے ہی سے فریاد ہے۔ تو ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائے گا۔

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَالَمْ

اور اتنا ہی اور اس کے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے اور نظر آئے ان کو اللہ کی طرف سے جو

اور اتنا ہی اور اس کے ساتھ، سب دے ڈالیں اپنی چھڑوائی میں، بری طرح کی مار سے دن قیامت کے۔ اور نظر آیا ان کو اللہ کی طرف سے، جو

يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

خیال بھی نہ رکھتے تھے اور نظر آئیں ان کو برے کام اپنے جو کماتے تھے اور الٹ پڑے ان پر وہ چیز جس پر

خیال نہ رکھتے تھے۔ نظر آئے ان کو برے کام اپنے، جو کمائے تھے، اور الٹ پڑا ان پر جس چیز پر

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ

ٹھٹھا کرتے تھے ف۱ سو جب آ لگتی ہے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارنے لگتا ہے ف۲ پھر جب ہم بخشیں اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت کہتا ہے یہ تو مجھ کو

ٹھٹھا کرتے تھے۔ سو جب لگے آدمی کو کچھ تکلیف، ہم کو پکارے۔ پھر جب ہم بخشیں اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت، کہے، یہ مجھ کو

اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ

ملی کہ پہلے سے معلوم تھی ف۳ کوئی نہیں یہ جانچ ہے پر وہ بہت سے لوگ نہیں سمجھتے ف۴ کہہ چکے ہیں یہ بات ان سے

ملی کہ آگے سے معلوم تھی، کوئی نہیں! یہ جانچ ہے، پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ کہہ چکے ہیں یہ بات ان سے

قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۵۰ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ

اگلے پھر کچھ کام نہ آیا ان کو جو کماتے تھے پھر پڑگئیں ان پر برائیاں جو کمائی تھیں ف۵

اگلے، پھر کچھ کام نہ آیا ان کو، جو کماتے تھے۔ پھر پڑیں ان پر برائیاں، جو کمائی تھیں۔

ف۱ یعنی جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا اس وقت جو ظالم شرک کر کے خدا تعالیٰ کی شان گھٹاتے تھے ان کا سخت برا حال ہوگا۔ اگر اس روز فرض کیجیے کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد ان کے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑالیں، جو بدمعاشیاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی۔ اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال و گمان میں بھی نہ گزرے تھے۔ غرض توحید خالص اور دین حق سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

ف۲ یعنی جس کے ذکر سے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جن کے ذکر سے خوش ہوتا تھا انہیں بھول جاتا ہے۔

ف۳ یعنی قیاس یہ ہی چاہتا تھا کہ یہ نعمت مجھ کو ملے۔ کیونکہ مجھ میں اس کی لیاقت تھی اور اس کی کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور خدا کو میری استعداد و اہلیت معلوم تھی، پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ غرض اپنی لیاقت اور عقل پر نظر کی، اللہ کے فضل و قدرت پر خیال نہ کیا۔

ف۴ یعنی ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگر ناشکری کی گئی تو یہ ہی نعمت نقمت بن کر وبال جان ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ جانچ ہے کہ عقل اس کی دوڑنے لگتی ہے تاکہ اپنی عقل پر بہکے۔ وہ ہی عقل رہتی ہے اور آفت آ پہنچتی ہے۔" پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔

ف۵ چنانچہ قارون نے یہ ہی کہا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے گزر چکا۔

وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیْبُهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۱﴾

اور جو گناہ گار ہیں ان میں سے ان پر بھی اب پڑتی ہیں برائیاں جو کمائی ہیں اور وہ نہیں تھکانے والے ف۱

اور جو گنہگار ہیں ان میں سے، ان پر بھی اب پڑتی ہیں برائیاں جو کمائی ہیں، اور وہ نہیں تھکانے والے۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور ناپ کر دیتا ہے، البتہ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کے واسطے

اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کو چاہے، اور ماپ کر دیتا ہے۔ البتہ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو

یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع۱۱/۲

جو مانتے ہیں ف۲

جو جانتے ہیں۔

تسلی برائے نبی کریم ﷺ بضمن تلقین دعا و بیان بے چارگی عالم پیش قدرت رب کبریاء

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی... لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات مجرمین ومنکرین کی سزا اور قیامت کے روز ان کی ذلت وندامت کے بیان پر مشتمل تھیں اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو ایک عظیم دعا کی تلقین وتعلیم کے ضمن میں تسلی دی جارہی ہے تاکہ آپ ﷺ کفار کی مخالفت اور شدت عناد سے مغموم ومتاسف نہ ہوں، ارشاد فرمایا: کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر اپنے پروردگار سے دعا ومناجات کرتے ہوئے اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، ظاہر وباطن کے جاننے والے آپ ہی قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان امور میں جن کے متعلق وہ باہم اختلاف کرتے تھے اور یہ کہہ کر آپ ہر معاملہ اللہ کے حوالے کر دیجئے، اللہ خود ہی فیصلہ فرما دے گا اور یہ فیصلہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوگا کہ جس کو کسی تدبیر اور ذریعہ سے رد کر دیا جائے حتیٰ کہ اگر ان لوگوں کے پاس جو کفر وشرک کر کے ظلم کرنے والے ہیں، دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور بلکہ ان کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو یہ لوگ ان چیزوں کو فدیہ کرنے لگیں قیامت کے دن سخت عذاب سے بچنے کے لیے اور خدا کی طرف سے ظاہر ہوگا ان کے لیے ایسا معاملہ عذاب وذلت کا جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے تھے، اور اس وقت ان کو اپنے وہ تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے اور جس عذاب کا وہ استہزاء وتمذاق کرتے تھے وہ ان کو آکر گھیر لے

ف۱ یعنی جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا، موجودالوقت مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہے گا یہ روپوش ہو کر یا اور کسی تدبیر سے اس کو تھکا نہیں سکتے۔

ف۲ یعنی دنیا میں محض روزی کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ نہ روزی کا ملنا کچھ عقل وذہانت اور علم ولیاقت پر منحصر ہے۔ دیکھو لو کتنے بیوقوف یا بدمعاش چین اڑا رہے ہیں، اور کتنے عقلمند اور نیک آدمی فاقے کھینچتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا پھر ایک کو روزی کشادہ ہے ایک کو تنگ۔ جان لو کہ (صرف) عقل کا کام نہیں" (کہ اپنے اوپر روزی کشادہ کرلے) بلکہ یہ تقسیم رزاق حقیقی کی حکمت ومصلحت کے تابع اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا انسان اپنی نالائقی اور کمینہ فطرت کے باعث یہ روش اختیار کرتا ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے اور اپنے ان معبودوں کو اس وقت بھول جاتا ہے جن کو وہ ہماری الوہیت وعبادت میں شریک کرتا تھا مگر پھر جب اس کو اپنی جانب سے نعمتوں سے نواز دیتے ہیں تو یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف اپنے علم وہنر اور تدبیر کی وجہ سے ملی ہے گویا اتنے ہی فرق اور حالت کی تبدیلی سے جس توحید کا اثر اس کے قلب میں اس اضطرار و پریشانی کے عالم میں پیدا ہوا تھا فوراً ہی ختم ہو جاتا ہے، اور خدا کے کیے ہوئے انعام میں اپنی تدبیر اور ہنر کو شریک کرنے لگ جاتا ہے حق تعالیٰ اس ناپاک ذہنیت کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت تو ایک آزمائش ہے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ یہ بندہ اس نعمت کے ملنے پر ہمیں یاد کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے یا ہم کو بھول جاتا ہے اور انعامات کے ذریعے بندوں کا امتحان یہ ہمارا قانون ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور طرز بغاوت وناشکری کا آج اس قوم کا کوئی نیا طرز نہیں ہے بلکہ یہ بات ان لوگوں نے بھی بے شک کہی ہے جو ان سے پہلے گزرے جیسے کہ قارون نے بھی کہا تھا ﴿إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ﴾ مگر ان کی کوئی تدبیر ان کے کام نہ آئی جو وہ کرتے تھے بلکہ ان کی وہ تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں جو وہ کرتے تھے اور جس طرح ان کی بداعمالیوں کا انجام ان پر مسلط ہوا اسی طرح ان ظالموں کی بداعمالیاں بھی عنقریب ان پر پڑیں گی اور یہ لوگ اس سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ بدر میں شکست اور بڑی ہی ذلت کا سامنا کرنا پڑا، حالانکہ ان کے پاس ساز وسامان کی کوئی کمی نہ تھی اور مسلمان بے سروسامان اور تعداد میں نہایت قلیل تھے، ایسے تاریخی حقائق سے منکروں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، اور دنیا کی دولت اور مادی اسباب پر غرور نہ کرنا چاہئے۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دیتا ہے اور جس کے واسطے چاہے تنگ کر دیتا ہے رزق کی وسعت وکثرت نہ حق کی دلیل ہے اور نہ غلبہ کی نشانی ہے۔ بے شک اس چیز میں بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو ایمان ویقین رکھتے ہیں چنانچہ ہر صاحب فہم دنیا کے احوال دیکھ کر اس اقرار پر مجبور ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت اور تنگی انسان کے ہنر وعلم پر موقوف نہیں بلکہ یہ صرف اللہ کی طرف سے تقسیم ہے، بہت سے بے ہنر اور بے تدبیر مال ودولت کے انبار رکھتے ہیں اور بہت سے سمجھدار اور ہنر وتدبیر والے خسارہ اور ناکامی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر رزق علم وہنر سے ہی حاصل کیا جاتا تو علم وہنر والے جاہلوں اور بے ہنر لوگوں کے واسطے حبہ بھی نہ چھوڑتے، الغرض ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی فرمانے کے ساتھ کافروں اور ظالموں کو انجام بد سے متنبہ فرمایا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ مال ودولت سے نہ مغرور ہونا چاہئے، اور نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ہمارے علم وہنر کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو محض انعام خداوندی جاننا چاہئے اور منعم کا شاکر ومطیع ہونا چاہئے اور یہ کہ خدا کے عذاب وقہر کے مقابلہ میں دنیا کے تمام اسباب ووسائل بھی عاجز ہیں تو اس پیغام تسلی کے ساتھ مجرمین کو تہدید ودھمکی بھی ہے اور ساتھ ہی اپنے رسول ﷺ کو کامیابی اور غلبہ کی بشارت بھی دی جا رہی ہے، ان آیات میں یہ دعائیہ کلمات نہایت ہی جامع اور بااثر ہیں، ان کلمات مبارکہ میں ایمان ومعرفت اور توکل علی اللہ کی حقیقت پوری طرح روشن ہے آنحضرت ﷺ تہجد کی ابتداء انہی کلمات سے فرمایا کرتے تھے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں آنحضرت ﷺ جس وقت رات میں بیدار ہو کر نماز کا سلسلہ شروع فرماتے، آپ ﷺ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل فاطر السموت

والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیه یختلفون اھد فی لما اختلف فیه من الحق باذنك انك تھدی من تشآء الی صراط مستقیم (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ربیع خثیم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا اور بعض حاضرین مجلس نے اس بارے میں ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا تو بڑے ہی رنج و کرب کی کیفیت کے ساتھ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھا اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ

کہہ دے اے بندو میرے! جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ بخشتا ہے

کہہ دے، اے بندو میرے! جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پر، نہ آس توڑو اللہ کی مہر سے۔ بے شک اللہ بخشتا ہے

الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ

سب گناہ وہ جو ہے وہی گناہ معاف کرنے والا مہربان ف۱ اور رجوع ہوجاؤ اپنے رب کی طرف اور اس کی حکم برداری کرو

سب گناہ۔ وہ جو ہے وہی ہے معاف کرنے والا مہربان۔ اور جو رجوع ہو اپنے رب کی طرف، اور اس کی حکم برداری کرو

قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ

پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا ف۲ اور چلو بہتر بات پر جو اتری تمہاری طرف

پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب، پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا۔ اور چلو بہتر بات پر جو اتری تم کو

ف۱ یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفاء کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بدمعاش، فاسق، فاجر کوئی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لیے کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامید کیوں ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا﴾ کو "لمن یشاء" کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ اس تقیید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لیے توبہ کی ضرورت ہی نہیں۔ بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلا دیا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے متعلق نہ ہوگی۔ چنانچہ آیت ہذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت کے فائدہ سے معلوم ہوگا۔

ف۲ مغفرت کی امید دلا کر یہاں سے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ یعنی گزشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ کے بے پایاں جود و کرم سے شرما کر کفر و عصیان کی راہ چھوڑ دو، اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو بالکلیہ اسی کے سپرد کر دو۔ اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز و اخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اس کے فضل سے ممکن ہے۔ ہمارا رجوع و انابت بھی بدون اس کے فضل و کرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا۔ جو کفار دشمنی میں لگے رہے تھے سمجھے کہ لاریب اس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے۔ لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہوگی۔ دشمنی کی لڑائیاں لڑے اور کتنے خدا پرستوں کے خون کیے۔ تب اللہ نے یہ فرمایا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے۔ ناامید مت ہو توبہ کرو اور رجوع ہو، بخشے جاؤ گے مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی اس وقت کی توبہ قبول نہیں" نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔

رَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ

تمہارے رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک اور تم کو خبر نہ ہو ف۱ کہیں کہنے لگے کوئی جی

تمہارے رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک اور تم کو خبر نہ ہو۔ کہیں کہنے لگے کوئی جی

يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ

اے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے اور میں تو ہنستا ہی رہا ف۲ یا کہنے لگے اگر اللہ

اے افسوس ! جس سے میں نے کی کی اللہ کی طرف سے، اور میں تو ہنستا ہی رہا۔ یا کہنے لگے، اگر اللہ

هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ

مجھ کو راہ دکھاتا تو میں ہوتا ڈرنے والوں میں ف۳ یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کو کسی طرح مجھ کو پھر جانا ملے تو میں ہوجاؤں

مجھ کو راہ دیتا، تو میں ہوتا ڈر والوں میں۔ یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کسی طرح مجھ کو پھر جانا بنے۔ تو میں ہوں

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ

نیکی والوں میں ف۴ کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تیرے پاس میرے حکم، پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو تھا

نیکی والوں میں۔ کیوں نہیں ! پہنچ چکے تھے تجھ کو میرے حکم، پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو تھا

الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ

منکروں میں ف۵ اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر کہ ان کے منہ ہوں سیاہ ف۶ کیا نہیں

منکروں میں۔ اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر، ان کے منہ سیاہ۔ کیا نہیں

ف۱ بہتر بات سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی قرآنی ہدایت پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کرلو۔ ورنہ معاً عذاب الٰہی اس طرح ایک دم آ دبائے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہاں سے آ گیا۔

ف۲ یعنی ہوا و ہوس، رسم و تقلید اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کے دین کی اور پیغمبروں کی اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے، سب کی ہنسی اڑاتا رہا۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کے پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں میں نے کس قدر کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں آج یہ براوقت دیکھنا پڑا۔ (یہ بات کافر محشر میں کہے گا اور اگر آیت کا مضمون کفار و عصاۃ کو عام رکھا جائے تو "وان کنت لمن الساخرین" کے معنی "عملت عمل ساخر مستھزی" کے ہوں گے۔ کما فسر بہ ابن کثیر)

ف۳ جب حسرت و افسوس سے کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لیے یہ عذر پیش کرے گا کہ کیا کہوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی۔ وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقین کے درجہ میں پہنچ جاتا (اس کا جواب آگے آتا ہے۔ ﴿بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور ممکن ہے یہ کلام بطریق اعتذار و احتجاج نہ ہو بلکہ محض اظہار یاس کے طور پر ہو۔ یعنی میں اپنی سوء استعداد اور بدتمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا۔ اگر مجھ میں اہلیت و استعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقین کے زمرہ میں شامل ہوتا۔

ف۴ جب حسرت و اعتذار دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدت اضطراب سے کہے گا کہ کس طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔

ف۵ یعنی اللہ کہتا ہے کہ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دے کر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے تو ان کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ =

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ

دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کا ف۱ اور بچائے گا اللہ ان کو جو ڈرتے رہے ان کے بچاؤ کی جگہ نہ لگے ان کو برائی

دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کو؟ اور بچائے گا اللہ ان کو جنہوں نے ڈر رکھا ان کے بچاؤ کی جگہ، نہ لگے ان کو برائی،

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ

اور نہ وہ غمگین ہوں ف۲ اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے اسی کے پاس ہیں کنجیاں

اور نہ وہ غم کھائیں۔ اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا، اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے۔ اسی کے پاس ہیں کنجیاں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع

آسمانوں کی اور زمین کی اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے ف۳

آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے، وہ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے۔

بیان ترتب عفو ونجات برقبول اسلام، وہلاکت وحسرت برائے مجرمان رب انام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا... الی... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

ربط:...... اس سے قبل چند آیات میں مشرکین کی مذمت اور ان کے دل آزار طریقوں کا بیان تھا اور ساتھ ہی نہایت مؤثر انداز میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی تھی، اس سلسلہ میں شرک وکفر کی گندگی اور مذمت کو سنتے ہوئے ممکن تھا کہ کسی کے دل میں قبول اسلام کی رغبت پیدا ہوتی اور ساتھ ہی یہ تصور بھی گزر سکتا تھا کہ جب انسان اس قدر ذلت اور گندگیوں میں آلودہ ہو چکا ایسی دنائت اور کمینہ پن کر چکا تو اب اس کو اپنی نجات اور عذاب خداوندی سے بچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے تو اس طرح

= کہا گیا غرور اور تکبر سے اسے جھٹلاتا رہا تیری حجتی قبول حق سے مانع رہی۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اس کی آیات کا انکار کرے گا۔ اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا، تیرے مزاج وطبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے۔ اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آ سکتا۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ ایسے لوگوں کی نسبت خدا کی عادت نہیں کہ ان کو عروس کامیابی سے ہمکنار کرے۔

ف۶ اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اس کو جھٹلانا یہ ہی اللہ پر جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ واقع میں کہی ہے۔ اس جھوٹ کی سیاہی قیامت کے دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔

ف۱ پہلے فکذبت بھا واستکبرت میں دو صفتیں کافر کی بیان ہوئی تھیں۔ تکذیب جو مشتمل ہے کذب پر اور استکبار وغرور پر، یہاں بتلا دیا کہ کذب و دروغ سے ان کے منہ کالے ہوں گے اور غرور وتکبر کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کہیں نہیں۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ متقین کو ان کے ازلی فوز وسعادت کی بدولت کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچائے گا۔ جہاں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ اور ہر طرح کے فکر وغم سے آزاد ہوں۔

ف۳ یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اس کی بقاء وحفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا اور زمین وآسمان کی تمام چیزوں میں تصرف واقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے۔ چاہیے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے۔ کفر وایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے۔

مایوسی کا تصور پیدا ہونا ایک طبعی سا امر تھا تو اس کو دلوں سے نکالنے کے لیے یہ آیات نازل کی گئیں جن میں ہر اس شخص کو اللہ کی رحمت ومغفرت کی بشارت دی گئی جو باطل سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف اپنا رخ کر لے، جیسے کہ عبد اللہ بن عباس ؓ کی حدیث میں ہے کہ اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں جس شخص نے بت پرستی کی اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود بنایا کسی کو قتل کیا تو اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی تو ہم کیسے ہجرت کریں، اور کس طرح اسلام لائیں حالانکہ ہم نے تو بتوں کو پوجا ہے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک کیا اور قتل بھی کیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں بعض سندوں سے یہ مضمون اس طرح منقول ہے، کچھ لوگ اہل شرک میں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے جو اسلام کی رغبت رکھتے تھے، اور جاہلیت کے زمانہ میں انہوں نے شرک بھی کیا تھا، قتل کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور زنا بھی وچوری بھی خوب کی تھی تو انہوں نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی بہترین چیز ہے اب ہم اسلام تو لانا چاہتے ہی، لیکن یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے اور ان چیزوں کے باعث ہم ڈرتے ہیں تو کیا اسلام لانے پر ہماری نجات ہو جائے گی اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ارشاد فرمایا ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا﴾ کہہ دیجئے آپ ﷺ میرے ان بندوں سے جنہوں نے کفر وشرک اور قتل وزنا جیسے کام کر کے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوؤ اور اس خیال سے کہ یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے، ایمان لانے میں ہرگز تامل وتردد نہ کرو بے شک اللہ رب العزت اسلام لانے کی وجہ سے تمام گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔ اگرچہ وہ سابق زندگی کا گناہ کفر اور شرک ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اسلام لانے سے تو کفر ایمان وطاعت کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور اس نے شرک کی گندگی سے پاکی حاصل کر کے توحید کو اختیار کر لیا ہے۔ واقعی وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان پروردگار ہے۔ اس کی رحمت ومغفرت میں کمی نہیں، بس صرف شرط اتنی ہے کہ بندہ اس کی طرف رجوع کر لے، اس لیے اے انسانو! خواہ اب تک تم نے کچھ ہی کر لیا ہو مگر اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب خداوندی آ جائے پھر تو تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عذاب خداوندی کو ٹلانا اور اس کو دفع کرنا خدا کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تمام کائنات کو بھی طاقت نہیں اگر دنیا کی طاقت ہوا کے جھونکے روکنے سے عاجز ہے تو مجرمین پر برستا ہوا عذاب وقہر کس کی مجال ہے کہ روک لے جب عذاب خداوندی کی یہ نوعیت ہے کہ کسی کی کوئی مدد نہ ہو سکے گی تو اے لوگو، تم کو چاہئے کہ تم ان بہترین احکام کی پیروی کرو جو تمہاری طرف اتارے گئے تمہارے رب کی طرف سے قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب خداوندی آ جائے، اور حال یہ کہ تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ ناگہاں ایسے وقت عذاب آ جائے گا اور نہ ہی یہ احساس وگمان ہو اور ایسا شدید عذاب ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکے گی لہٰذا تم کو چاہئے کہ ایسا وقت آنے سے پہلے احکام خداوندی کی پیروی کرنے لگو، کہیں ایسی نوبت نہ آ جائے کوئی انسان یہ کہنے لگے ہائے حسرت وافسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے بارہ میں کی کوتاہی اور غفلت تو کیا میں تو بے شک احکام خداوندی اور اس کے دین کا مذاق اڑانے والوں میں سے رہا یا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ کوئی کہنے لگے کاش اگر اللہ مجھ کو ہدایت کرتا تو میں ایمان وتقویٰ والوں میں سے ہو جاتا لیکن یہ میرے اعمال اور احوال کی وجہ سے میری بدنصیبی تھی کہ میں اللہ کی توفیق وہدایت سے محروم رہا یا اس سے قبل اے لوگو! ایمان لے آؤ کہ کوئی

کہنے والا یہ کہنے لگے جس وقت کہ عذاب دیکھے اے کاش اگر میرے واسطے دنیا کی طرح کی طرف واپسی کا کوئی امکان ہوجائے تو پھر میں نیک بندوں میں ہوجاؤں۔ خبردار اے مخاطب منکر یہ باتیں ہرگز تجھے زیب نہیں دیتیں نہ تو حق میں کوئی خفا اور شبہ تھا اور نہ تو احمق وغافل تھا کہ اس کے دور ہونے پر تو حق وہدایت قبول کر لیتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہاں بے شک تیرے پاس میری آیات احکام ودلائل کے ساتھ پہنچیں لیکن تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا۔ اللہ رب العزت کے سامنے اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ سر جھکانے سے، اور یہ نہیں کہ یہ حالت کسی وقت رہی ہو اور پھر عقل وہوش آ گیا ہو بلکہ تُو تو کفر ہی کرنے والوں میں رہا۔ ہدایت تو اس وقت ممکن تھی جب کہ قبول حق کا کوئی ارادہ کرتا جب کہ ایسے مجرموں نے یہ ہی طے کیا ہوا تھا کہ اسلام کی مخالفت اور اللہ کی بغاوت ہی کرنی ہے تو پھر ظاہر ہے ان حسرتوں اور آرزوؤں سے کچھ کام نہ بنے گا اور اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ دیکھیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوئے [1] ہیں تو کیا ایسے نافرمانوں اور متکبروں کے واسطے جہنم میں ٹھکانہ نہ ہوگا۔ جنہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے احکام کا مذاق اڑایا اور اس کے فرمانبرداروں کی ذلت واہانت کی، لیکن اس کے برعکس اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو کفر ونافرمانی سے بچتے تھے جہنم سے نجات دے گا، ان کی کامیابی کے ساتھ اس طرح کہ ان کو ذرہ برابر بھی نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے، کیونکہ جنت تو نام ہی ہے عالم راحت اور نشاط وفرحت کا جہاں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی پریشانی۔ بے شک اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے، اسی کے قبضہ میں ہیں آسمان وزمین کی کنجیاں اس لیے جس کے واسطے وہ چاہے دنیا میں ہدایت ورحمت کے اور آخرت میں نجات ومغفرت کے دروازے کھول دے اور جس کے واسطے چاہے بند کر دے، اس کے کھولے ہوئے در کو کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو دروازہ وہ بند کر دے اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ اور جو لوگ اس کے باوجود بھی نہ سمجھیں اور اللہ کی آیتوں اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں وہ بڑے ہی خسارہ میں ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہے کہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے اور وہ عذاب دنیا کی کسی تکلیف کی طرح نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد ختم ہوجائے یا کسی ذریعہ سے انسان اس سے چھٹکارا حاصل کر لے بلکہ وہ تو دائمی ہوگا، جس سے نہ نجات ہوگی اور نہ اس میں کوئی خفت وکمی ہوگی اور دنیا میں ان مجرمین کا خسارہ ذلت اور طرح طرح کے مصائب کی صورت میں ظاہر ہے چنانچہ غزوۂ بدر سے ہی اللہ کے نافرمانوں کی ذلت وناکامی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

دنیا کے انسانوں کو رحمت وعافیت اور نجات ومغفرت کی قرآنی دعوت

یہ آیات مبارکہ قرآن کریم میں سب سے بڑھ کر رحمت ومغفرت خداوندی کی امید دلوں میں قائم کرنیوالی آیات ہیں ان آیات میں پروردگار عالم نے تمام دنیا کے گناہگاروں، نافرمانوں حتیٰ کہ شرک وکفر میں مبتلا ہونے والوں کو دعوت دی

[1] "سیاہ ہوئے ہیں"۔ یہ ترجمہ مسودۃ کا کیا گیا، جس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ چہرے جو در اصل خلقی طور پر ایسے سیاہ نہ تھے ان کو قیامت کے روز سیاہ کر دیا جائے گا، جو زیادہ ڈراؤنے اور ہیبت ناک نظر آئیں گے بخلاف چہروں کی اس سیاہی کے جو پیدائشی طور پر دنیا میں بہت سے انسانوں کے ہوتی ہے جیسے سیاہ فام اقوام، تو ایسی سیاہی نہ عیب ہے اور نہ دیکھنے میں یہ چہرے ہیبت ناک اور ڈراؤنے نظر آتے ہیں جھوٹ خود ایک معنوی ظلمت ہے چہ جائیکہ اللہ کے بارے میں جھوٹ بولا جائے یا اس کی باتوں کو جھٹلایا جائے، تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا درجہ ہوسکتا ہے معنوی ظلمت کا، اور قیامت کے روز اعمال واوصاف ظاہری حقائق کی صورت میں رونما ہوتے ہیں، اس وجہ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب اور اس پر جھوٹ باندھنے کا یہ وبال ہوگا کہ چہرے سیاہ ہوں گے۔

ہے کہ وہ نافرمانی وبغاوت سے تائب ہو کر سچے دل سے اگر اللہ کی طرف رجوع کرلیں تو خدا کی عنایات اور رحمتیں ان کی جانب یقیناً مبذول ہوں گی۔ ان کو اپنی سابق زندگی کی نافرمانی اور بداعمالیوں سے یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ ان کی معافی کا کوئی امکان نہیں رہا، نہیں ان کو اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے، جس حالت میں بھی خواہ کسی طرح کا عمل ہو جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریں گے رحمت خداوندی کا دروازہ کھلا پائیں گے ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کچھ لوگ مشرکین میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی سابق زندگی میں قتل بھی کیے تھے، خوب قتل کیے تھے اور زنا بھی کیا تھا اور بہت کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بے شک نہایت ہی بہتر ہے لیکن ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے کیے ہوئے اعمال کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تو ہم اسلام لانے کو تیار ہیں تو اس پر آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور یہ آیت ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا﴾ نازل ہوئیں۔ اور حق تعالیٰ نے نہایت واضح طور سے فرما دیا ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ کہ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے اپنے بندوں کی، کہیں ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ کہ جو شخص بھی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر وہ اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو پائے گا کہ وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے، کہیں منافقین کے حق میں خصوصیت سے فرمایا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا﴾ کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور اے مخاطب تو ان کے واسطے کوئی مددگار نہیں پائے گا، لیکن جو لوگ تائب ہو جائیں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں تو بے شک وہ اس عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے شرک اور کفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ ان کے اس شرک وکفر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ﴾ کہ یہ لوگ کیوں نہیں خدا کی طرف رجوع کرتے اور تائب ہوتے اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔

الغرض ان آیات سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوا کہ انسان کی بداعمالیاں ہوں یا کفر وشرک ہو یا نفاق کی گندگیوں میں مبتلا ہو، ان میں سے ہر ایک جس وقت بھی اپنے جرائم وگناہوں اور کفر وشرک یا نفاق سے تائب ہو کر مطیع وفرمانبردار بننا چاہے تو اس کو بارگاہ رحمت سے دھتکارا نہیں جائے گا، نزع روح سکرات موت نزول عذاب اور قیامت کے وقوع سے پہلے جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریگا تو یجد اللہ توابا رحیما۔ اللہ کو بڑا ہی مہربان توبہ قبول کرنے والا پائے گا۔ حسن بصری رحمہ اللہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے دیکھو اس جود وکرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مومنین کو ستایا، اولیاء کو قتل کیا، انہیں کو رحمت ومغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بیقراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل میں سے کسی کا واقعہ بیان فرمایا کہ جو ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا تھا، بعد میں اس کو ان بداعمالیوں پر ندامت ہوئی اور اس نے کسی عابد

وزاہد کا پتہ معلوم کرنا چاہا کہ جس کے ہاتھ پر جا کر تائب ہو اور اپنی زندگی درست کرلے، ایک راہب کا پتہ معلوم ہونے پر اس کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے، اس نے جواب دیا نہیں۔ اس جواب پر غم وغصہ کی کیفیت میں اس راہب کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا، لیکن بدستور وہی تڑپ برقرار رہی اور تلاش میں رہا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تائب ہو جاؤں کسی عالم سے پوچھا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے اس نے جواب دیا کہ کون حائل ہو سکتا ہے، تیرے اور تیری توبہ کے درمیان، اور فلاں بستی میں ایک عالم وعابد ہے، تو اس کے پاس جا۔ اور اس بستی میں رہ کر خدا کی عبادت کرتا رہ، یہ شخص روانہ ہوا، سفر کے دوران موت کے آثار واقع ہوئے تو رحمت اور عذاب کے فرشتے آ گئے اور باہم خصومت کرنے لگے عذاب کے فرشتے کہتے ہیں ہم اس کی روح قبض کریں گے اور رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ نہیں ہم اس کی روح قبض کر کے رحمت کے مقام میں لے جائیں گے حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین ناپ لو جس جگہ سے قریب ہو اسی حکم میں اس کو شمار کر لو۔ ساتھ ہی اللہ نے اس طرف کی زمین کو جہاں یہ جا رہا تھا حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا، پیمائش کرنے پر توبہ کی زمین قریب نکلی، اس پر رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی، اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس وقت وہ زمین پر گر رہا تھا اس نے اپنا سینہ اور رخ اسی طرف جھکا دیا جس طرح وہ جا رہا تھا تو ایک بالشت کے بقدر ادھر زمین کم رہ گئی ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوا سرزمین معصیت کو کہ تو بعید ہو جا اور توبہ کی زمین کو حکم ہوا تو قریب ہو جا، اور اس طرح ملائکہ رحمت کو قبض روح کا حق عنایت کر دیا گیا۔

گویا قانون الٰہی سے اس شخص کو نافرمانیوں اور معصیتوں سے تائب اور پاک شمار کر لیا گیا کیونکہ جس تڑپ اور جذبہ کے ساتھ یہ اپنی جگہ سے نکلا اور ارض معصیت کو نفرت سے چھوڑتے ہوئے ارض اطاعت کا رخ اختیار کر لیا تو درحقیقت یہ اس ارشاد خداوندی کا مصداق بن گیا ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ کے نزدیک اس کا شمار تائبین ومطیعین میں ہو گیا اور تائب انسان بفرمان نبوی اس معصوم بچہ کی طرح ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

انابت الی اللہ کا مفہوم: ...... انابت اور رجوع الی اللہ کی حقیقت نافرمانی اور معصیت سے بیزار ومتنفر ہو کر اللہ رب العزت کی اطاعت وبندگی کی طرف رخ کر لینا ہے، اس طرح سے کہ گزشتہ کیے ہوئے اعمال پر ندامت وشرمساری ہو اور بارگاہ خداوندی سے عفو کا طالب ہوتے ہوئے یہ عہد کرے کہ آئندہ ان برائیوں سے پرہیز کروں گا۔ حدیث سید الاستغفار کے الفاظ یہ ہیں: اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء بذنبي فاغفرلي فانه لا يغفر الذنوب الا انت، ان کلمات سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ توبہ واستغفار کی مجموعی حقیقت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت وخالقیت کا اعتقاد کامل رکھتے ہوئے اپنی بندگی کا اقرار کرے، اور خدا سے کیے ہوئے عہد وپیمان کی تکمیل کا اپنی عملی حد استطاعت تک عزم رکھے، ساتھ ہی اپنی کی ہوئی برائیوں کا تصور ہو اور اس بات کا احساس ہو کہ خدا کے انعامات کس قدر ہیں اور ان انعامات کے بالمقابل میری تقصیرات کتنی ہیں، ظاہر ہے کہ اس احساس کا نتیجہ ندامت وشرمندگی کی صورت میں ظاہر ہوگا

اوراس طرح کے اعتقاد وعزم اور احساس ندامت کے ساتھ معافی کی طلب اور اس بات کا عہد کہ آئندہ اس طرح کی معصیت کا مرتکب نہ ہوں گا۔

تو ان تمام احوال وکیفیات کا مجموعہ درحقیقت اللہ کی طرف انابت ورجوع ہے تو ایسے رجوع الی اللہ پر بشارت سنائی جارہی ہے رحمت ومغفرت کی اور اسی کے ساتھ مایوسی کا تصور قلب ودماغ سے نکال دینے کا بھی امر فرمایا جارہا ہے۔

رحمتِ خداوندی سے مایوسی جرم عظیم ہے:...... دعوت رحمت اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے۔﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کہ اللہ کی رحمت سے اے لوگو! ہرگز مایوس نہ ہو اور رحمت خداوندی سے مایوسی کو کفر کے درجہ میں شمار کیا گیا جیسے ارشاد ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾۔ دوسری جگہ ﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ﴾۔ (الحجر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہو تو درحقیقت ایسا شخص کتاب اللہ کا منکر ہے (ابن کثیر ج ۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اعظم ترین آیت کتاب اللہ میں آیت الکرسی ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ہے اور خیر وشر کے لیے جامع ترین آیت قرآن کریم میں آیۃ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ ہے اور سب سے زیادہ مسرت وخوشی کی ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ہے اور تفویض واعتماد علی اللہ کے باب میں سب سے زیادہ مضبوط وقوی آیت ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ہے۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) یہ سمجھا کرتے اور کہا کرتے تھے، ہم جو بھی نیکیاں کرتے ہیں وہ یقیناً قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد) تو ہم نے سوچا کہ یہ کون سی چیز ہوسکتی ہے جو اعمال کو باطل کردے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کبائر وفواحش ہیں کہ ان کے ارتکاب سے انسان کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں تو اس پر ہم گھبرا گئے اور کہنے لگے یقیناً جو شخص بھی کسی گناہ کا ارتکاب کرلے وہ تباہ وبرباد ہوگا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے ان دونوں باتوں سے رجوع کیا، یعنی نہ ہم اس تخیل پر رہے کہ ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اور نہ یہ عقیدہ رہا کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد ہلاکت وتباہی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم نے سمجھا کہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ سے بندہ اللہ کی مغفرت، عنایات اور رحمتوں کا مستحق ہوجاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

انابت کا مفہوم رجوع ہے اور ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ الخ کے معنی یہ ہیں۔ اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو معصیتوں سے اعراض کرتے ہوئے ان پر ندامت وشرمندگی کے ساتھ۔ اور بعض ائمہ مفسرین نے اس کا مفہوم یہ ذکر کیا ہے کہ تم نفس اور اس کے تقاضوں سے منقطع ہوکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اس کی عبادت وبندگی اور ذکر کے ساتھ رجوع کرو۔

"توبہ" کے معنی بھی اہل لغت رجوع کے بیان کرتے ہیں اور "انابت" کے معنی بھی رجوع کے ہیں، جیسے کہ بیان کیا

گیا، شیخ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ نے ان دونوں میں لطیف فرق بیان کیا، فرمایا تائب اس کو کہیں گے جو خوف عقاب کی وجہ سے رجوع کرے یعنی سزا اور عقوبت سے ڈر کر معصیت سے تائب ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے، اور منیب اس رجوع کرنے والے کو کہیں گے جو حق تعالیٰ کے انعامات وکرم سے شرما کر معاصی سے باز آئے۔ ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ کے بعد ﴿وَاَسْلِمُوْا﴾ کا حکم حق تعالیٰ سبحانہ کے لیے اخلاص پر متوجہ وآمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات وکامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل وکرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی (تفسیر روح المعانی ج ۲۴)

الغرض آیت کا مقصد اور اس پیغام رحمت کی غرض یہ ہے کہ کسی شخص کو قبول حق اور رجوع الی اللہ کے لیے یہ بات مانع نہ ہونی چاہئے کہ اس نے اپنی سابق زندگی میں عظیم گناہ کیے ہیں، نہ اس کو اس وجہ سے قبول حق سے رکنا چاہئے اور نہ ہی اس کو رحمت خداوندی سے مایوس ہونا چاہئے، اس لیے ان آیات سے یہ سمجھنا کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ان اعمال کے مواخذہ کی کوئی فکر نہ کرنی چاہئے۔ قطعاً غلط ہے، عقل اور الفاظ کی دلالت ہرگز ایسے مفہوم کی اجازت نہیں دیتی حاصل یہ کہ ان آیات سے انسان کو بے فکر ہو کر گناہوں پر جری نہ ہونا چاہیے، بلکہ غرض یہ ہے کہ مایوسی کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ

تو کہہ اب اللہ کے سوا کسی کو بتلاتے ہو کہ پوجوں اے نادانو ف۱ اور حکم ہو چکا ہے تجھ سے

تو کہہ، اب اللہ کے سوا کسی کو بتاتے ہو کہ پوجوں اے نادانو؟ اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے

قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ

اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو گا ٹوٹے میں پڑا نہیں بلکہ اللہ ہی کو پوج

اگلوں کو۔ اگر تو نے شریک مانا، اکارت جائیں گے تیرے کئے اور تو ہو گا ٹوٹے میں آیا۔ نہ بلکہ اللہ ہی کو پوج

وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ

اور رہ حق ماننے والوں میں ف۲ اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے ف۳ اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اس کی دن

اور رہ حق ماننے والوں میں۔ اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے۔ اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اس کی، دن

ف۱ یعنی انتہائی نادانی اور حماقت وجہالت یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور پیغمبر خدا سے (معاذ اللہ) یہ طمع رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر جائیں گے بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کی طرف بلایا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

ف۲ یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان وخسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گزار ووفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت وجلال کو سمجھے۔ عاجز وحقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اس کو اسی طرح بزرگ وبرتر مانے، جیسا کہ وہ واقع میں ہے۔

ف۳ یعنی مشرکین نے اس کے عظمت وجلال اور بزرگی وبرتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے تھا۔ اس کی شان =

الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي

قیامت کے اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں اس کے داہنے ہاتھ میں، پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں ف۱ اور پھونکا جائے

قیامت کے، اور آسمان لپٹے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ یہ شریک بتاتے ہیں۔ اور پھونکا گیا

الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ

صور میں پھر بیہوش ہو جائے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے

نرسنگا، پھر بیہوش ہو گرا، جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، مگر جس کو اللہ نے چاہا۔ پھر پھونکا گیا

اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

دوسری بار تو فوراً کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے ف۲ اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھریں دفتر

دوسری بار، پھر تبھی وہ کھڑے ہوگئے دیکھتے۔ اور چمکی زمین اپنے رب کے نور سے، اور لا دھرا دفتر،

وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

اور حاضر آئیں پیغمبر اور گواہ اور فیصلہ ہو ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۳ اور پورا ملے ہر

اور حاضر آئے پیغمبر اور گواہ، اور فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور پورا ملا ہر

= رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا، کیا عاجز و محتاج مخلوق حتیٰ کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کا شریک تجویز کر سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ آگے اس کی بعض شیون عظمت وجلال کا بیان ہے۔

ف۱ یعنی جس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے، اس کی عبادت میں بے جان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اس کی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے۔

(تنبیہ) مطویات بیمینه کے متعلق سورۃ "انبیاء" کی آیت "یوم نطوی السماء" کا حاشیہ دیکھنا چاہیے۔ اور "یمین" وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے۔ بعض احادیث میں ہے "فکلتا یدیه یمین" (اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں) اس سے تجسم تحیز اور جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ایک بار نفخ صور ہے عالم کا فنا کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، یہ تیسرا بعد حشر کے ہے بیہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا، اس کے بعد اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی" اور بتغییر یسیر۔ لیکن علمائے محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا۔ پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندہ تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور بیہوشی کو افاقہ ہوگا۔ اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے۔ پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کیے جائیں گے۔

(تنبیہ) الا من شاء اللہ سے بعض نے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت مراد لیے ہیں۔ بعض نے ان کے ساتھ حملة العرش کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض کے نزدیک انبیاء وشہداء مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال یہ استثناء اس لمحہ کے وقت ہوگا۔ اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾

ف۳ یعنی اس کے بعد حق تعالیٰ حساب کے لیے اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائیں گے (کما ورد فی بعض روایات الدر المنثور) اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا۔ سب کے اعمالنامے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اور =

ع

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

جی کو جو اس نے کیا ف ۱ اور اس کو خوب خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں ف ۲

جی کو جو کیا، اور اس کو خوب خبر ہے جو کرتے ہیں۔

اعلان براءت از شرک وتنبیہ ووعید بحبط اعمال وخسران انجام بر نافرمانی رب العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ ... الى ... وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت رحمت دی گئی اور یہ کہ دلائل حق واضح ہونے پر اگر کوئی شخص قبول حق سے محض اس وجہ سے اعراض کرتا ہے کہ اس کو اپنے سابقہ اعمال کا ڈر ہے اور یہ تصور ہے کہ اس کی نجات ممکن نہیں تو اس کا یہ خیال غلط ہے، اس کو چاہئے کہ مایوسی کا یہ تصور قلب و دماغ سے نکال دے، اب ان آیات میں اس امر کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ ہر حق پرست اور موحد انسان کو شرک سے براءت و بیزاری کا اعلان کر دینا چاہئے، تاکہ کافروں کو اس کے بارے میں ایسی کوئی طمع باقی نہ رہے کہ شاید کسی ذریعہ سے یہ شخص راہ راست سے بھٹک سکتا ہے، اسی ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا، اللہ رب العالمین کی نافرمانی انسان کے لیے تمام اعمال خیر کو برباد کرتی ہے اور اس کا انجام خسارہ اور تباہی کے سوا کچھ نہیں، فرمایا:

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر ﷺ تو کیا غیر اللہ کی عبادت کرنے کی مجھ سے فرمائش کرتے ہو تم اے جاہلو۔ بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا، اور توحید ثابت ہوگئی، اب بجائے اس کے کہ تم اس توحید کو قبول کرو، خود تمہاری یہ جرأت اور طمع کیسے ہوئی کہ تم مجھ سے غیر اللہ کی پرستش کے لیے کہنے لگے۔ اور حال یہ ہے کہ بے شک آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی جا چکی۔ اور ان انبیاء کی طرف جو آپ ﷺ سے پہلے گزرے کہ اے مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو یقیناً تیرا سارا عمل برباد ہوگا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ اے مخاطب شرک تو کیا بلکہ تو تو ہمیشہ اللہ ہی کی عبادت کرتا رہ اور ہمیشہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے رہنا اور سب سے بڑا حق اللہ کا اس کی عظمت و توحید پر ایمان لانا ہے تو ظاہر ہے کہ شرک کے ارتکاب کے ساتھ اللہ کا شکر ادا ہو سکتا ہے، اور جو لوگ شرک کے مرتکب ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خدا کی عظمت اور قدر و منزلت کو پہچانتے ہی نہیں چنانچہ یہ وہی لوگ ہیں کہ انہوں نے خدا کی عظمت نہیں کی جیسے کہ خدا کی عظمت کا حق تھا اور حق عظمت ادا کرنا قبول توحید کے بغیر ممکن نہیں، حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، قیامت کے روز اور تمام آسمان لپٹے ہوئے

= دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی۔

(تنبیہ) "شہداء" سے مراد علاوہ انبیاء علیہم السلام کے فرشتے، امت محمدیہ کے لوگ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب ہو سکتے ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہر امت کے نیک آدمی مراد لیے ہیں۔

ف ۱ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی جس کا جتنا اچھا یا برا عمل ہے سب خدا کے علم میں ہے اسی کے موافق بدلہ ملے گا۔ جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

ف ۲ یعنی گواہ آتے ہیں ان کے الزام کو۔ ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے۔ (کذافی الموضح)

ہوں گے، اس کے داہنے ہاتھ میں پس پاکی ہے اس پروردگار کی اور برتر ہے وہ ذات ان کے ہر شرک سے جو وہ کرتے ہیں اور قیامت کے روز جس میں حق تعالیٰ کی یہ شان عظمت ہوگی۔ صور میں پھونک ماری جائے گی تو مدہوش ہو کر گر پڑیں گے، تمام زمین و آسمان والے بجز اس کے کہ جس کو خدا چاہے کہ اس مدہوشی سے محفوظ رہے۔ پھر اس صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعۃً سب ہوش میں آنے کے بعد اپنی قبروں سے باہر نکل کر کھڑے دیکھتے ہوں گے حیرت و تعجب سے کہ یہ سب کچھ کیا ہو گیا اور کیسے ہو گیا۔ اور پھر حق تعالیٰ جب اپنی شان بے چون و چگوں کے ساتھ زمین کی طرف نزول و تجلی فرمائیں گے تو زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور یہ نور اللہ کی تجلی کا ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور ہر ایک کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور لایا جائے گا پیغمبروں کو اور گواہوں کو۔ انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے اور گواہ (جو خود ان کے ہاتھ پاؤں بھی ہوں گے علاوہ فرشتوں اور امت محمدیہ کے) ان کے اعمال کی گواہی دیتے ہوں گے اور اس طرح سب مکلفین کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حق و انصاف کے ساتھ مجرمین و نافرمانوں کے واسطے سزا کا اور مطیعین و فرمانبرداروں کے لیے نجات و انعامات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہی فیصلہ حق و انصاف کا فیصلہ ہوتا ہے اور پورا پورا دے دیا جائے گا، ہر ایک شخص کو اس کے عمل کا بدلہ جو اس نے کیا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کوئی ظلم کے بدلہ سے بچ سکے گا۔ اور وہ پروردگار تو سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اس لیے اس کے علم اور نظر سے کسی کا کوئی عمل اور کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں مگر اس کے باوجود نامہ اعمال مرتب ہوں گے جو ان کے سامنے ہوں گے، انبیاء علیہم السلام احکام خداوندی پہنچا دینے کی گواہی دے رہے ہوں گے، اعمال کے لکھنے والے فرشتے اور خود ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے کہ اس شخص نے یہ یہ کیا اس طرح عدل و انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا، جس کے بعد مجرمین جہنم کی طرف گھسیٹے جا رہے ہوں گے اور مطیعین انعام و اکرام اور اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے اور فرشتے دروازوں پر استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے اور تحیہ و سلام ہوتا ہوگا ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ اس کے مصداق تمام کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی عظمت کو پہچانا ہی نہیں۔ اگر وہ اس کی قدر و منزلت کو پہچان لیتے تو ضرور ایمان لے آتے یعنی مشرکین نے اس کی عظمت و جلال کو اس حد تک نہ سمجھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا، یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی شان رفیع کا سمجھنے والا، ایک عاجز مخلوق حتیٰ کہ پتھروں کو اس کا شریک بناتا۔

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ﴾ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے متعدد روایات بیان کی ہیں اور مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت اور تمام ائمہ سلف اس قسم کی جملہ آیات کو متشابہات میں سے قرار دیتے ہیں اور آیات متشابہات میں سلف کا یہی موقف ہے کہ ظاہر پر برقرار رکھتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے اور کسی کیفیت کی تحقیق اور تعیین سے گریز کیا جائے، اس آیت کے شان نزول میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اور دیگر ائمہ محدثین نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تخریج کی ہے، وہ سلف کے اس موقف کے خلاف نہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک عالم علماء یہود میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کتاب میں یہ پاتے

ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھالے گا، اور زمینوں کو ایک انگلی پر درختوں کو ایک انگلی پر پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر (اس طرح تمام کائنات کو اپنے دست قدرت میں لے لے گا اور پھر فرمائے گا میں ہی ہوں بادشاہ اور مالک تمام کائنات کا) اور ایک روایت میں ہے اس طرح تمام کائنات کو پانچوں انگلیوں پر لیے ہوئے حرکت دے گا اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی کیفیت بھی اپنے دست مبارک سے ظاہر فرمائی، الغرض جب اس یہودی عالم نے یہ کہا تو آنحضرت ﷺ ہنسے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہوگئے، اس عالم کی بات پر تعجب کے طور پر یا بعض احادیث کے کلمات کی رو سے تصدیق کے طور پر، اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾۔ ان تمام روایات کا استیعاب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کر دیا ہے۔ اہل علم مراجعت فرمائیں۔

نفخ صور کی تفصیل

نفخ صور والی آیت مبارکہ سے ہی ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ صور پھونکنے پر آسمان اور زمین والے سب مدہوش ہو کر گریں گے اور دوبارہ نفخ صور پر سب انسان میدان حشر میں رب العالمین کے سامنے کھڑے حیرت کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے، پہلے نفخ کو نفخۃ الصعق کہا جاتا ہے جس پر آسمان و زمین کے احیاء پر موت کی مدہوشی طاری ہوگی، اس کے بعد پھر اسرافیل علیہ السلام کو جب دوبارہ نفخ صور کا حکم ہوگا تو تمام اموات حتیٰ کہ وہ مردے جن کی ہڈیاں اور گوشت پوست ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے یا سمندروں میں غرق ہو چکے ہوں گے یا ہواؤں میں منتشر ہو چکے ہوں گے سب زندہ ہو کر قیامت کے یہ ہولناک مناظر دیکھنے لگیں گے، اسی چیز کو حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ ﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾ (روم)

اکثر ائمہ مفسرین کے نزدیک نفخ صور دو مرتبہ ہی ہے اور احادیث سے بھی ان ہی دو مرتبوں کی وضاحت و تعیین ہو رہی ہے، بعض حضرات مفسرین جیسے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفخۃ الصعق یعنی مدہوشی کا صور دوسرا ہوگا اور ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى﴾ کو تیسرا نفخ کہا اور بعض نے یہ فرمایا ایک بار نفخ صور عالم کے فنا ہونے کا ہوگا اور دوسری بار زندہ ہونے کا اور یہ نفخۃ الصعق بعد حشر کے بیہوشی کا تیسری بار ہوگا اور چوتھی مرتبہ کے نفخ پر سب لوگ پروردگار کے روبرو حاضر کھڑے ہوں گے۔

نفخ صور پر مدہوشی سے مستثنیٰ کون ہوں گے

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ سے ان افراد کا استثناء فرمایا گیا جو اس مدہوشی سے مستثنیٰ اور محفوظ رہیں گے حدیث میں ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا دوبارہ نفخ صور پر سب لوگ ہوش میں آئیں گے تو میں ہی وہ شخص ہوں گا جو سب سے پہلے افاقہ پانے والا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہوئے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے یا آج کی مدہوشی کے بالعوض ان کی کوہ طور کی مدہوشی کو سمجھ لیا گیا جب کہ کوہ طور کی تجلی واقع ہونے سے

مدہوش ہوکر گر پڑے تھے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔ (صحیح بخاری) بعض مفسرین نے استثناء سے جبرئیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام اور ملک الموت علیہ السلام مراد لیے ہیں، بعض کے نزدیک اس سے مراد حاملین عرش الٰہی ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء وشہداء ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صور کے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کا فرق ہوگا، راوی بیان کرتے ہیں لوگوں نے دریافت کیا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چالیس دن کا؟ جواب دیا، میں نہیں جانتا، پھر لوگوں نے کہا، کیا چالیس مہینے کہنے لگے، میں نہیں کہہ سکتا، پوچھا گیا، تو کیا چالیس سال؟ جواب دیا مجھے نہیں معلوم، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر حق تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کی نشوونما ہوگی اور فرمایا انسان کے جسم میں سے کوئی چیز بھی ایسی باقی نہ رہے گی کہ وہ بوسیدہ اور پارہ پارہ نہ ہوچکی ہو مگر "عجب الذنب"، یعنی پشت کی ہڈی جسے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے پھر اسی سے (یا اس کے اجزاء سے خواہ وہ کسی بھی شکل میں متغیر ہو چکے ہوں) اس کے تمام بدن کی تخلیق اور ترکیب کی جائے گی (صحیح بخاری) اور اس طرح بعث جسمانی ہوگا۔

﴿وَجِايْۤءَ بِالنَّبِيّٖنَ﴾ انبیاء کا لایا جانا وہی ہے جو سورۃ نساء میں گزر چکا ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا﴾ کہ ہر امت کے پیغمبر کو لایا جائے گا اور ان انبیاء کی تبلیغ احکام الٰہی پر گواہی دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا، تو ایک گواہی یہ ہوگی، مزید ایک گواہی امت محمدیہ کی طرف سے ہوگی تو امت کے افراد بھی بطور گواہ لائے جائیں گے، جیسے کہ ارشاد ہے ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ﴾۔ تیسری قسم کی گواہی ہر انسان کے اعضاء وجوارح کی ہوگی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾۔ چوتھی گواہی ملائکہ اور کراما کاتبین کی ہوگی، چنانچہ فرمایا گیا ﴿وَجَاۤءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۤئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَاۤءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

اور ہانکے جائیں جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ ف۱ یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر کھولے جائیں اس کے دروازے ف۲ اور کہنے لگیں ان کو

اور ہانکے گئے جو منکر تھے، دوزخ کو جتھے جتھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر، کھولے گئے اس کے دروازے، اور کہنے لگے ان کو

خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۤءَ

اس کے داروغہ ف۳ کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے ف۴ پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تم کو اس تمہارے

داروغہ اس کے کیا نہ پہنچے تھے تم پاس رسول تم میں کے؟ پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تم کو تمہارے

ف۱ یعنی تمام کافروں کو دھکے دے کر نہایت ذلت وخواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا اور چونکہ کفر کی اقسام ومراتب بہت ہیں ہر قسم اور ہر درجہ کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔

ف۲ جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ اس کے بعد دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿عليهم نار موصدة﴾ (همزه)

ف۳ یعنی جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں وہ کفار سے بطور ملامت یہ کہیں گے۔

ف۴ یعنی جن سے تم کو بسبب ہم جنس ہونے کے فیض لینا بہت آسان تھا۔

يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا

دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر ف۱ حکم ہووے کہ داخل ہوجاؤ

دن کی ملاقات سے۔ بولے کیوں نہیں ! پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر۔ حکم ہوا کہ پیٹھو

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

دروازوں میں دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں سو کیا بری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو ف۲ اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے

دروازوں میں دوزخ کے، سدا رہنے کو اس میں، سو کیا بری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو؟ اور ہانکے گئے جو ڈرتے رہے تھے

رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ

اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ ف۳ یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے

اپنے رب سے بہشت کو جتھے جتھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر اور کھولے گئے اس کے دروازے، اور کہنے لگے ان کو داروغہ اس کے، سلام پہنچے

عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو، سو داخل ہوجاؤ اس میں سدا رہنے کو ف۴ اور وہ بولیں شکر اللہ کا جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ ف۵

تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو پیٹھو اس میں سدا رہنے کو۔ اور وہ بولے شکر اللہ کا، جس نے سچ کیا ہم سے اپنا وعدہ

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى

اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا ف۶ گھر لے لیویں بہشت میں سے جہاں چاہیں ف۷ سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا اور تو دیکھے

اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا گھر، پکڑ لیں بہشت میں سے جہاں چاہیں، سو کیا خوب نیگ ہے محنت کرنے والوں کا۔ اور تو دیکھے

ف۱ یعنی پیغمبر کیوں نہیں آئے۔ ضرور آئے ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں، اور آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا لیکن ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کا کہنا نہ مانا، آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم کافروں پر ثابت ہو کر رہا۔ ﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾

ف۲ یعنی تم نے شیخی اور غرور میں آ کر اللہ کی بات نہ مانی۔ اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے اس کا مزہ چکھتے رہو۔

ف۳ یعنی ایمان وتقویٰ کے مدارج چونکہ متفاوت ہیں ہر درجہ کے مومنین متقین کی جماعت الگ ہوگی اور ان سب جماعتوں کو نہایت شوق دلا کر جلدی جلدی جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

ف۴ یعنی جس طرح مہمانوں کے لیے ان کی آمد سے پہلے مہمان خانہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے، جنتی وہاں پہنچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے۔ کما قال فی موضع آخر ﴿مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ اور خدا کے فرشتے نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ کلمات سلام وثناء وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں رہنے کی بشارت سنائیں گے۔

ف۵ یعنی خدا کا شکر جو وعدے انبیاء کی زبانی دنیا میں کیے گئے تھے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔

ف۶ یعنی جنت کی زمین کا۔

ف۷ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ان کو حکم ہے جہاں چاہیں جائیں لیکن ہر کوئی وہی جگہ چاہے گا جو اس کے واسطے پہلے سے رکھی ہے۔" اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جنت میں سیر وملاقات کے لیے کہیں آنے جانے کی روک ٹوک نہ ہوگی۔

الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ

فرشتوں کو گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور فیصلہ ہوتا ہے ان میں انصاف کا

فرشتے، گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں، اور فیصلہ ہوا ہے ان میں انصاف کا،

وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور یہی بات کہتے ہیں کہ سب خوبی ہے اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا ف۱

اور یہی بات ہوئی کہ سب خوبی ہے اللہ کو جو صاحب ہے سارے جہان کا۔

بیان انجام حقارت وتذلیل کفار ومجرمین وانعام واکرام اہل ایمان ومطیعین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ... الی ... الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین وکفار کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ شرک ونافرمانی سے باز نہ آئیں گے، تو زندگی میں کیے ہوئے تمام اعمال حبط وبرباد ہوں گے اور انسان کو نہ قیامت سے بےفکر ہونا چاہئے اور نہ محاسبہ سے لاپرواہی برتنی چاہئے، قیامت بھی برحق ہے، محاسبۂ اعمال بھی۔ اعمال اس پروردگار پر پوشیدہ نہیں وہ اعمال کو دیکھتا اور جانتا ہے، اس نے ہر انسان کا نامہ اعمال بھی تیار کر رکھا ہے، اعمال پر گواہ بھی ہیں اس نوعیت سے مجرم کو اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو مطیع وفرمانبردار ہیں ان کو ان کی نیکیوں پر انعام وجزا دی جائے گی تو اس طرح جزا وسزا کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں اس کی تفصیل کی جارہی ہے، ہر گروہ کے ساتھ قیامت کے روز کیسا معاملہ ہوگا تو ارشاد فرمایا:

اور اس قضاء حق اور فیصلہ عدل کے بعد ہانکا جائے گا کافروں کو جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر اس طرح ان کو ذلت کے ساتھ ہنکا کر لے جایا جائے گا، جیسے جانوروں کو دھکیل کر کسی جگہ لے جایا جاتا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ کفار جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے تو زبردستی ان کو دھکیلا جاتا ہوگا، اور کافروں کے کفر وشرک کی بہت انواع ہیں تو اسی لحاظ سے ہر نوع کفر وشرک کے مرتکب کا ایک گروہ ہوگا، اس طرح گروہ درگروہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یا یہ کہ رؤسا اور ان کے سرغنے آگے آگے ہوں گے اور متبعین وپیروکار پیچھے [1]۔ یہاں تک کہ جب یہ کفار دوزخ کے سامنے پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے

ف۱ یعنی حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے۔ اس وقت فرشتے عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش وخروش کے ساتھ "الحمدللہ رب العالمین" کا نعرہ بلند ہوگا۔ یعنی ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے سارے جہان کا ایسا عمدہ فیصلہ کیا) اسی نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جائے گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے آیت کو حالت راہنہ پر حمل کیا اور قضی بینھم کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "فرشتوں میں فیصلہ یہ کہ ہر ایک فرشتہ (ملاء الاعلیٰ میں) اپنے قاعدہ سے ایک تدبیر بولتا ہے۔ (کمایشیر الیہ اختصام الملاء الاعلی وتفصیلہ فی حجۃ اللہ البالغہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک کی بات جاری کرتا ہے۔ وہی ہوتی ہے حکمت کے موافق۔ یہ ماجرا اب بھی ہے اور قیامت میں بھی۔" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ تم سورۃ الزمر بعون اللہ وتوفیقہ وللہ الحمد۔

[1] اسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ظاہر فرمایا ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ یعنی کافروں کی ہر جماعت میں سے ہم ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے جو کفر میں زیادہ شدید تھے تو بڑے بڑے کفار علیحدہ ہوں گے اور چھوٹے چھوٹے الگ ہوں گے۔

کھول دیئے جائیں گے تا کہ ایک دم جہنم کے شعلے اور لپٹیں انکو جھلسانا شروع کردیں، اور دروازے کھلتے ہی دائمی عذاب اور وہاں کے ہولناک مناظر نظروں کے سامنے آتے ہی حسرت وملال کی بے چینی پیدا کردیں گے اور ان سے دوزخ کے نگران فرشتے بطور ملامت کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے تھے اور احکام خداوندی سکھایا کرتے تھے اور تم کو ڈرایا کرتے تھے تمہارے اس دن کے پیش آنے سے کہ اے لوگو قیامت کا دن آنا ہے اس کی فکر کرلو، اللہ کی نافرمانی سے بچو ورنہ عذاب خداوندی کا سامنا کرنا پڑے گا اس وقت ذلت و لاچاری کے عالم میں کافر کہیں گے کیوں نہیں: ۔ بے شک ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے عذاب الٰہی سے ڈرایا، بے شک اسباب ہدایت سب موجود تھے لیکن ہم نے نہ ان سے فائدہ اٹھایا اور نہ راہ راست پر آئے لہٰذا اب عذاب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا۔ کافروں پر اور اب حسرت وندامت کے ساتھ سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ نہیں کہ بے شک ہم نے کفر کیا اور کافروں کے حق میں جس عذاب کا فیصلہ اور وعدہ تھا وہ اب ہمارے سامنے موجود ہے تو یہ ہماری نالائقی ہے اور ہم اس کے مستحق ہیں، اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا اچھا اب تو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس طرح کہ ہمیشہ اس میں رہو گے۔ غرض یہ متکبرین ● اور اللہ کے احکام سے سرکشی کرنے والوں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے بخلاف اہل توحید میں سے گنہگاروں کے کہ اگر وہ اپنے گناہوں کے باعث بطور سزا جہنم میں گئے بھی تو سزا بھگتنے کے بعد ان کو عذاب جہنم سے آزاد کردیا جائے گا جہنم ان کا دائمی ٹھکانا اور حقیقی مثوی نہیں۔ اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے خدا سے ڈرے اور اپنے رب پر ایمان لائے ان کو نہایت ہی عزت واکرام کے ساتھ چلایا جائے گا جنت کی جانب گروہ گروہ بنا کر اس طرح کہ متبعین کی جماعتیں مراتب تقویٰ کے لحاظ سے جدا جدا ہوں گی ہر جماعت کی ایک علیحدہ شان ہوگی وہ اس شان کے ساتھ جنت کی طرف لے جائے جارہے ہوں گے مجرمین کو فرشتے ذلت وحقارت سے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے گئے تھے تو ان فرمانبرداروں اور مومنین کے اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ چلتے ہوں گے جس طرح بادشاہوں کے محافظ اور درباری خدام اپنے درمیان اپنے بادشاہ کو لے کر چلتے ہوں، اہل جہنم کا سوق، حقارت وتوہین کے رنگ میں تھا جیسے چوروں ڈاکوؤں کو طوق وسلاسل کے ساتھ سپاہی لے جاتے ہوں لیکن اہل جنت کا جنت کی طرف سوق، اعزاز واکرام کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے بادشاہ کو اس کے مصاحبین لیے جاتے ہوں ● فرشتے ان کو تقاضا کر کے جلدی

● پہلی آیت میں ان دوزخیوں کو "کافرین" کہا گیا اور اس آیت میں "متکبرین" عذاب جہنم تو بے شک کفر ہی کی وجہ سے ہے، لیکن کفر کا اصل سبب اور علت تکبر ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک چیز عذاب کی ذلت ہے اور دوسری چیز یعنی تکبر وعلۃ العلۃ ہے تو ان دو تعبیروں سے اشارہ کردیا گیا کہ جو لوگ کفر میں مبتلا ہیں دراصل ان کا یہ کفران کے تکبر کا نتیجہ ہے، نخوت اور تکبر ہی ہمیشہ کافروں کے کفر کا سبب بنا، انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کے سامنے سر جھکانے سے تکبر کیا تو ایک موقع پر علت عذاب کو ذکر کردیا گیا اور دوسری آیت میں علت کی علت بیان کر کے یہ ظاہر کردیا گیا کہ ان کافروں کا یہ کفران کا تکبر کا انجام ہے، چنانچہ حضرت نوح ﷺ کی قوم سے لے کر آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک کے کافروں کی یہی نخوت، کفر ونافرمانی کا سبب بنی رہی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ﴾ اور تکبر ہی تمام رذائل کا سرچشمہ ہے اس وجہ سے اس کی سزا میں کفار کو انتہائی ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس طرح ذلت وحقارت کیساتھ جہنم میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا جیسے جانور ہنکائے جارہے ہوں، اسی وجہ سے لفظ "سیق" استعمال کیا گیا جو سوق بمعنی ہنکانے سے مشتق ہے۔ ۱۲

● ان کلمات سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ لفظ جنت کے لیے بطور صنعت مشاکلت کے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اہل جنت تو ظاہر ہے کہ بصد اکرام جنت میں لے جائے جائیں گے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ﴾.

جلدی لیے چلتے ہوں گے اور خدام پیچھے سے ان کے حواریوں کو ہنکاتے ہوں گے، غرض یہ سوق عزت وکرامت کا ہوگا جو بصد شوق ومحبت ہوگا۔ یہاں تک کہ جب یہ اہل ایمان جنت تک پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور جیسے کہ معزز مہمانوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کیلیے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی جنت کے نگران ان سے کہیں گے (﴿سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ﴾) سلامتی ہوتم پر اللہ کی عنایات ورحمتوں کے ساتھ اور خوش رہوتم، پس داخل ہوجاؤ اس جنت میں اس شان سے کہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوگے۔ ہر جانب سے تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی نہ کبھی کوئی تعب ومشقت پیش آئے گی اور نہ کسی قسم کا رنج وغم واقع ہوگا۔ اہل جہنم کو تو خازنین جہنم داخل ہونے سے پہلے ملامت اور سرزنش کریں گے لیکن اہل جنت کے لیے خازنین جنت تحیہ وسلام اور پیغام بشارت اور ان کی ثناء وتوصیف اور اعزاز واکرام کے ساتھ استقبال کرتے ہوں گے اور آئندہ کے لئے بھی سکون وچین کا مژدہ سنا کر مطمئن کریں گے، جس پر اہل جنت خوش ہوں گے اور فرط مسرت اور جذبہ تشکر سے یہ کہیں گے "الحمد للہ"۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے پورا کر دکھایا جو وعدہ اس نے ہم سے کیا تھا ہمارے ایمان لانے پر جو وعدہ تھا جنت کا وہ وعدہ محض اپنے فضل سے پورا کر دکھایا اول تو وعدہ ہی محض اس کا فضل تھا پھر اس مہربانی پر مزید یہ کہ ہم کو اس نے ایمان کی توفیق دی پھر یہ انعام کہ ہم کو اس پر قائم رکھا، پھر اور کرم بالائے کرم یہ کہ اس کو قبول فرمایا اور خوشنودی ذریعہ بنایا لہٰذا یہ سب کچھ اس کا فضل ہی فضل ہے اس پر جس قدر بھی اس کا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے اور ہم کو اس سرزمین کا وارث بنا دیا کہ ہم عالم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنالیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں حالانکہ دنیا میں تو کوئی ایک بالشت زمین کا ٹکڑا بھی جہاں چاہے نہیں حاصل کرسکتا تھا، پھر یہاں ہر شوق اور خواہش پوری ہورہی ہے ہر طلب پوری کی جارہی ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ تو آخر اس سے بڑھ کر انعام واکرام کا کیا درجہ ہوسکتا ہے۔ پس کیا ہی اچھا ہے اجر وثواب نیک عمل کرنے والوں کا۔

الغرض جب اہل جنت اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخیوں کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا تو اللہ کے برگزیدہ بندے اللہ رب العزت کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہوجائیں گے اور اے دیکھنے والے تو اس روز دیکھے گا فرشتوں کو اس طرح کہ گھیرے ہوئے ہوں گے ہر جانب سے عرش الٰہی کو پاکی بیان کررہے ہوں گے اپنے رب کی حمد وثناء کرتے ہوئے کہ پروردگار عالم کی تسبیح وتحمید میں غرق ہوں گے اور عرش الٰہی کعبۃ اللہ کی طرح ملائکہ کا مطاف بنا ہوا ہوگا اور عرش خداوندی کے طواف کے دوران ملائکہ کا ورد ہوگا۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور تمام خلائق کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور اللہ رب العزت کی اس شان عظمت وکبریائی اور عدل وانصاف کو دیکھ کر ہر زبان اور ہر سمت سے یہی صدا جاری ہوگی۔ "الحمد للہ رب العالمین"۔ یعنی ہر طرف سے فرشتوں اور اہل جنت کی زبان جوش وخروش کے ساتھ اللہ کی حمد وستائش میں مصروف ہوگی اور کہا جاتا ہوگا۔ ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

فرشتوں کا عرش الٰہی کے گرد گھیرا بنائے تسبیح وتحمید میں مصروف ہونا اس وقت ہوگا جب حق تعالیٰ کا نزول اجلال ہوگا بندوں کے حساب کے لیے اس وقت کی عظمت وہیبت کا یہ اثر ہوگا، فرشتے بھی عرش الٰہی کا گھیرا دیئے یا طواف کرنے کی حالت میں حمد وثناء میں مصروف ہوں گے۔

ان آیات میں عجیب ربط وتناسب ہے جس سے مزید شان اعجاز کلام خداوندی کی ظاہری ہورہی ہے ﴿قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ﴾ سے کلام کا آغاز فرمایا گیا تھا، اثبات توحید اور نفی شرک موضوع خطاب تھا، اس سے کلام کی ابتداء کرتے ہوئے معاد اور آخرت کا ذکر شروع کردیا گیا اس میں جنت وجہنم اور اہل جنت وجہنم کا ان کے احوال کا ان کے جنت وجہنم میں داخل ہونے کی کیفیات کا بیان فرمایا دیا گیا اور ان تمام تفصیلات کو اخیر میں حق تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت کے بیان پر ختم فرمایا، یہ کہتے ہوئے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾۔

﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾ میں جنت کی سرزمین کو لفظ ارض سے مجازاً اس لحاظ سے تعبیر کیا گیا کہ وہ جگہ اسی طرح چلنے پھرنے اور ٹھکانا بنانے کی ہوگی جیسے عالم دنیا میں زمین ہوتی ہے۔

دوزخ وجنت کے دروازے اور ان میں داخل ہونیوالوں کو کیفیات

﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا﴾ اہل جہنم کے جہنم کے سامنے پہنچنے کی کیفیت میں یہ فرمایا گیا، یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے سامنے پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، ﴿اِذَا جَآءُوْھَا﴾ شرط پر فتحت کا جملہ جزائیہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے پہنچتے ہی فوراً دروازے کھولے جائیں گے تاکہ جلد سے جلد ان کفار ومجرمین کو دار العقوبت میں پہنچا دیا جائے اور ایک لحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے نیز مجرمین کے ساتھ یہی طریقہ برتا جاتا ہے کہ جیل خانہ بند ہوتا ہے جوں ہی مجرم لایا گیا جیل کے نگران فوراً دروازہ کھول کر مجرم کو اندر دھکیل دیتے ہیں، اس کے بالمقابل اہل جنت کا جنت میں جانا اعزاز واکرام کے ساتھ ہوگا اور اعزاز واکرام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ معزز مہمانوں کے استقبال کے لیے دروازے پہلے کھلے رہیں اس لیے وہاں ﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا﴾ کی تعبیر اختیار کی گئی جس کا ترجمہ یہ کیا گیا اور دروازے کھلے ہوں گے جیسا کہ ایک موقع پر دخول جنت کے ذکر میں ﴿مُّفَتَّحَۃً لَّھُمُ الْاَبْوَابُ﴾ فرمایا گیا۔

﴿زُمَرًا﴾ یعنی گروہ گروہ اور جماعتیں جماعتیں۔ اہل جنت کے گروہ وہی جماعتیں ہوں گی جن پر خدا کا انعام ہے اور وہ انبیاء وصدیقین وشہداء اور صالحین کے گروہ ہیں جو یکے بعد دیگرے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا﴾ (نساء)

جنت میں داخل ہونے والا سب سے پہلا گروہ اگرچہ جملہ انبیاء کا ہوگا لیکن وہ ذات جو سب سے پہلے جنت میں جائے گی وہ حضور اکرم ﷺ ہوں گے جیسے کہ ارشاد ہے، انا اول من یقرع باب الجنۃ (صحیح مسلم) کہ میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میں جنت کے دروازہ پر پہنچوں گا دستک دینے پر خازن جنت

دریافت کرے گا، کون؟ میں جواب دوں گا میں ہوں محمد (ﷺ) خازن جنت کہے گا، مجھے آپ ﷺ ہی کے بارے میں حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے واسطے جنت کا دروازہ نہ کھولوں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے سے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے، ان کے بعد وہ گروہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ روشن ستاروں کے مانند ہوں گے پھر اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے داخل ہونے والے گروہوں کے حسن و جمال کا حال ہوگا۔

جنت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین ہوں گے

جنت کے دروازوں کا عدد احادیث میں آٹھ ثابت ہوا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے ان فی الجنة ثمانیة ابواب باب منها یسمی باب الریان لایدخله الا الصائمون اور باب فضل وضو میں ہے فتحت له ابواب الجنة الثمانیة یدخل من ایها شاء۔

جنت کے دروازوں میں کوئی باب الصلوٰۃ ہوگا، کوئی دروازہ باب الصدقہ ہوگا، کوئی باب الصیام جس کو باب الریان فرمایا گیا، کوئی کوئی باب الحج ہوگا، علی ہذا القیاس، ان دروازوں میں ہر ایک دروازہ سے داخل ہونے والے وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں اس عبادت اور عمل سے خاص شغف رکھنے والے ہوں گے مثلاً جن پر نماز کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے اور جن پر صدقہ وخیرات کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصدقہ سے داخل ہوں گے اور جن پر جہاد کا رنگ غالب تھا وہ باب الجہاد سے اور اسی لحاظ سے ان کو پکارا جائے گا، ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ جب یہ بیان فرما رہے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اس بات کی کسی کو ضرورت تو نہیں ہے کہ اس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے اور بلایا جائے (کیونکہ ایک آدمی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتا ہے) لیکن پھر بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ہوگا ایسا جس کو سب دروازوں سے پکارا جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں! ایسا بھی کوئی شخص ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم ہی ہوگئے (صحیح بخاری ومسلم)

"وقیل الحمد للہ رب العالمین"۔ الحمد للہ رب العالمین کی صدا جوش وخروش کے ساتھ لگانے والے کون ہوں گے؟ بالعموم حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ مومنین اور اللہ کے فرشتے ہوں گے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں یہ کہنے والی کائنات کی ہر شے ہوگی کہ ہر موجود شے اس فیصلہ کے عدل وانصاف کو دیکھ کر اللہ کی پاکی اور حمد وثناء میں مصروف ہو جائے گی (تفسیر ابن کثیر ج ۴) عالم کائنات کی جب ہر چیز اللہ کی حمد وثناء کرتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ یہی وجہ ہے صیغہ مجہول "وقیل" استعمال کیا گیا تاکہ عموم قائل پر دلالت کرے، اس سے ظاہر ہوا کہ ہر مخلوق حمد خداوندی کے ساتھ ناطق ہوگی اور اس کی پاکی کی گواہی دینے والی ہوگی۔

قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی جیسے کہ فرمان ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی پر ہو، اس بناء پر اس عدل وانصاف کے آخری فیصلہ کو اسی عنوان کے ساتھ ذکر فرمایا گیا﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ابتداء خلق بھی حمد سے تھی تو تمام امور کا انجام وانتہا بھی حمد خداوندی پر کی گئی۔

الحمد للہ آج مورخہ ۲۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۰ھ یوم شنبہ بعد العشاء سورۃ زمر کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد اولا واخرا۔

سورۃ مومن

سورۃ مومن بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۃ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی ؒ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، یہی قول عطاء ؓ جابر ؓ اور عکرمہ ؓ کا ہے قتادہ ؒ کا قول ہے، ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

بیہقی ؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آل حمٓ یعنی جو سورتیں حمٓ سے شروع ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں، ہر دروازے پر سورۃ حمٓ اپنے تلاوت کرنے والے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

ربط:...... اس سے قبل سورۃ زمر کی ابتداء وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے تھی اور انتہا اس مضمون پر تھی کہ حق تعالیٰ کا اپنی مخلوقات کے درمیان صحیح فیصلہ اور عدل وانصاف قائم کرنا حق تعالیٰ کی شان عزت وکبریائی اور علم وحکمت پر مبنی ہے تو یہ سورت حق تعالیٰ کے ایسے ہی اوصاف عظیم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے مثلاً اس کا ﴿الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ (زبردست ہونا، علم والا ہونا) ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ﴾ گناہوں کی مغفرت کرنے والا ﴿قَابِلِ التَّوْبِ﴾ توبہ قبول کرنے والا ﴿شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ سرکشوں کو شدید سزا دینے والا۔ ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾ بڑی بخشش والا۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ کہ وہ خدا یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں جو اس کو کسی بات سے روک ہے، ﴿اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اسی کی طرف لوٹنا ہے، ان صفات خداوندی کے ساتھ کلام کی ابتداء فرمائی جا رہی ہے ارشاد ﴿حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾۔

۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتہا ۸۵ رکوعاتہا ۹

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۞ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ

اتارنا کتاب کا اللہ سے ہے جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ف۱

اتارا کتاب کا اللہ سے ہے، جو زبردست ہے خبردار۔ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرتا

ف۱ یعنی توبہ قبول کر کے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے۔ گویا کبھی گناہ کیا نہ تھا۔ اور مزید برآں توبہ کو مستقل طاعت قرار دے کر اس پر اجر عنایت فرماتا ہے۔

شَدِيدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ

سخت عذاب دینے والا ف۱ کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے اسی کی طرف پھر جانا ہے ف۲ وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں

سخت مار دیتا، مقدور کا صاحب۔ کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے۔ اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں،

إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

جو منکر ہیں ف۳ سو تجھ کو دھوکا نہ دے یہ بات کہ وہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں ف۴ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی

جو منکر ہیں سو تو نہ بہک اس پر کہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں۔ جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی

وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ

اور کتنے فرقے ان سے پیچھے اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں اور لانے لگے جھوٹے

اور کتنے فرقے ان سے پیچھے۔ اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں، اور لانے لگے جھوٹ،

لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

جھگڑے کہ اس سے ڈگا دیں سچے دین کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، پھر کیسا ہوا میرا سزا دینا ف۵ اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی

جھگڑے کہ اس سے ڈگائیں سچا دین، پھر میں نے ان کو پکڑا، تو کیسی ہوئی میری سزا دیہی؟ اور ویسے ہی ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ

منکروں پر کہ یہ ہیں دوزخ والے ف۶ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں

منکروں پر، کہ یہ ہیں دوزخ والے۔ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش اور جو اس کے گرد ہیں، پاکی بولتے ہیں

ف۱ یعنی بے حد قدرت و وسعت اور عطا والا جو بندوں پر انعام و احسان کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔

ف۲ جہاں پہنچ کر ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔

ف۳ یعنی اللہ کی باتیں اور اس کی عظمت و قدرت کے نشان ایسے نہیں جن میں کوئی جھگڑا کیا جائے۔ مگر جن لوگوں نے یہی ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل و براہین اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کیا جائے وہی ان باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں۔

ف۴ یعنی ایسے منکر کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے۔ گو فی الحال وہ شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہال اور استدراج ہے کہ چند روز چل پھر کر دنیا کے مزے اڑالیں، یا تجارتیں اور سازشیں کر لیں۔ پھر ایک روز غفلت کے نشہ میں پوری طرح مخمور ہو کر پکڑے جائیں گے۔ اگلی قوموں کا حال بھی یہی ہوا۔

ف۵ یعنی ہر ایک امت کے شریروں نے اپنے پیغمبر کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں، اور حق کی آواز کو ابھرنے نہ دیں، لیکن ہم نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور اس کے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزائیں دیں، پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی کہ ان کی بیخ و بنیاد باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں، ان ہی کو دیکھ کر انسان ان کی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔

ف۶ یعنی جس طرح اگلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری اتر چکی، موجود الوقت منکروں پر بھی اتری ہوئی سمجھو۔ اور جس طرح پیغمبروں کے اعلان کے موافق کافروں پر دنیاوی عذاب آ کر رہا، تیرے رب کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

(تنبیہ) بعض نے "انهم اصحب النار" کو "لانهم" کے معنی میں لے کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گزشتہ منکروں کی طرح موجودہ منکروں پر =

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ

اپنے رب کی خوبیاں اور اس پر یقین رکھتے ہیں اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے ف۱ اے پروردگار ہمارے ہر

اپنے رب کی خوبیاں، اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے۔ اے رب ہمارے ہر

شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦

چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش اور خبر میں سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر اور بچا ان کو آگ کے عذاب سے ف۲

چیز سمائی ہے تیری مہر میں اور خبر میں، سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں، اور چلیں تیری راہ، اور بچا ان کو آگ کی مار سے۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

اے رب ہمارے اور داخل کر ان کو سدا بسنے کے باغوں میں جن کا وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں

اے رب ہمارے! اور داخل کر ان کو بسنے کے باغوں میں، جن کا وعدہ دیا تو نے ان کو، اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں۔

وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

اور اولاد میں بیشک تو ہی ہے زبردست حکمت والا ف۳ اور بچا ان کو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے

بے شک تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ اور بچا ان کو برائیوں سے۔ اور جس کو تو بچائے برائیوں سے

=بھی اللہ کی بات پکی ہے کیونکہ یہ بھی اصحاب بالنار میں سے ہیں۔

ف۱ پچھلی آیات میں مجرمین ومنکرین کا حال زبوں بیان ہوا تھا۔ یہاں ان کے مقابل مومنین وتائبین کا فضل وشرف بیان کرتے ہیں یعنی عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے بیشمار فرشتے جن کی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید ہے اور جو مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان و یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! اس عزت افزائی اور شرف واحترام کا کیا ٹھکانا ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہوگئیں ملائکہ بارگاہ عالی میں اس کے لیے غائبانہ معافی چاہیں۔ اور جب ان کی شان میں ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ آیا ہے تو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔

ف۲ یہ فرشتوں کے استغفار کی صورت بتلائی۔ یعنی بارگاہ احدیت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے پس جو کوئی تیرے علم محیط میں برائیوں کو چھوڑ کر سچے دل سے تیری طرف رجوع ہوا اور تیرے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہو، اگر اس سے بمقتضائے بشریت کچھ کمزوریاں اور خطائیں سرزد ہو جائیں، آپ اپنے فضل ورحمت سے اس کو معاف فرما دیں۔ نہ دنیا میں ان پر دار وگیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے باقی جو مسلمان توبہ وانابت کی راہ اختیار نہ کرے اس کا یہاں ذکر نہیں۔ آیت ہذا اس کی طرف سے ساکت ہے۔ بظاہر حاملین عرش ان کے حق میں دعا نہیں کرتے۔ اللہ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ یہ دوسری نصوص سے طے کرنا چاہیے۔

ف۳ یعنی اگرچہ بہشت ہر کسی کو اپنے عمل سے ملتی ہے (جیسا کہ یہاں بھی ومن صلح کی قید سے ظاہر ہے) بدون اپنے ایمان وصلاح کے بیوی، بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتے لیکن تیری حکمتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے کتنوں کو ان کے عمل سے زیادہ اعلیٰ درجہ پر پہنچا دے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں وہ بھی ان ہی کے کسی عمل قلبی کا بدلہ ہو۔ مثلاً وہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ یہ نیت اور نیکی کی حرص اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے یا اس مرد صالح کے اکرام ومدارات ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ اس کے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اس کے درجہ میں رکھے جائیں۔

ع

يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی ف ١

اس دن اس پر مہر کی تو نے۔ اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد پانی۔

بیان عظمت خداوندی وتہدید بر مقابلہ ومجادلہ مغرورین ومتکبرین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ... الی ... هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کے مضامین مجموعی طور پر قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے، ساتھ ہی ان لوگوں پر وعید وتنبیہ تھی جو خدا کے پیغمبر کے ساتھ تمسخر و مذاق کرتے تھے تو اسی مناسبت سے اس سورۃ مومن یا غافر میں بھی اسی طرح کے مضامین ذکر فرمائے گئے جو اثبات توحید خداوندی اور وحی الٰہی کی حقانیت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہیں، اور اسی کے ضمن میں ان مغرور ومتکبر اور سرکش قسم کے انسانوں پر وعید ہے جو اپنے دنیوی جاہ و جلال اور مال ودولت کے نشہ میں مست ہو کر خدا سے غافل ہیں تو مجموعی طور سے اس سورت کے مضامین تین انواع پر مشتمل ہیں۔ ایک نوع مضمون اثبات توحید ہے، دوسری قسم مجادلین فی الحق کی مذموم خصلتیں بیان کرنا ہے، تیسری قسم آنحضرت ﷺ کی تسلی کے مضامین کی ہے۔ تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

﴿حٰمٓ﴾ اللہ ہی اس کی مراد خود جانتا ہے یہ کتاب اتاری ہوئی ہے اللہ کی طرف جو زبردست ہے ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے، اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ گناہ کا بخشنے والا ہے توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے مجرموں کو بڑی قدرت رکھنے والا ہے مطیعین وفرمانبرداروں پر انعام وبخشش کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت اس کے سوا بس اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس قرآن کریم کے نزول اس کی حقانیت اور ذات خداوندی کی عظمت وکبریائی اور اس امر کا کہ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ تقاضا ہے کہ انسان اس کتاب الٰہی اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اس میں کسی طرح کا انکار وجدال نہ کیا جائے مگر پھر بھی معاندین اللہ کی آیتوں میں خصومت اور اس کے احکام کا مقابلہ کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں کوئی بھی جھگڑا اور جدال نہیں کرتا مگر صرف وہی لوگ جو اللہ کے منکر ہیں۔ ان کا انکار اور خدا کے ساتھ خصومت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ جلد از جلد ان پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے لیکن خدا نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لیے اے ہمارے پیغمبر ﷺ (یا اے مخاطب) آپ ﷺ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا

ف ١ یعنی محشر میں ان کو کوئی برائی (مثلاً گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ) لاحق نہ ہو۔ اور یہ عظیم الشان کامیابی صرف تیری خاص مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے سیات سے اعمال سیئہ مراد لیے ہیں یعنی آگے کو انہیں برے کاموں سے محفوظ فرما دے اور ان کی خواہش ایسی کر دے کہ برائی کی طرف نہ جائیں۔ ظاہر ہے جو آج یہاں برائی سے بچ گیا اس پر تیرا فضل ہو گیا۔ وہی آخرت میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے گا۔ اس تفسیر پر یومئذ کا ترجمہ بجائے "اس دن" کے "اُس دن" ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی تیری مہر ہی ہو کہ برائیوں سے بچے۔ اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا تھوڑی بہت برائی سے کون خالی ہے۔" یہ الفاظ دونوں تفسیروں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔

نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اور اپنے کاروبار میں منہمک رہنا، تو اس عارضی مہلت کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ خدا کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچے رہیں گے، تاریخ گواہ ہے کہ ان سے پہلے قوم نوح نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور دوسرے اور بھی گروہوں نے جو انکے بعد ہوئے جیسے عاد وثمود وغیرہ اور ہر ایک قوم نے اپنے رسول کے متعلق یہ ارادہ کیا۔ اور اسی تدبیر میں لگے کہ اس اللہ کے رسول کو پکڑ لیں اور پکڑ کر قتل کر ڈالیں اور جھگڑنا شروع کر دیا باطل طریقہ سے تاکہ اس باطل سے حق کو مٹا دیں بالآخر میں نے ان کو پکڑا پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ کیسا تھا میرا عذاب توجس طرح ماضی میں گزری ہوئی ان قوموں پر خدا کا عذاب مسلط ہوا، اسی طرح اے محمد ﷺ آپ ﷺ کے رب کا فیصلہ تمام کافروں اور منکروں کے حق میں ہو چکا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ دوزخی ہیں اور اس فیصلہ خداوندی سے ان مجرموں پر دنیا میں بھی عذاب ذلت ورسوائی کی صورت میں ہوگا اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلیں گے خدا کو کسی کی عبادت اور ایمان کی کوئی حاجت نہیں اس کی شان عظمت تو یہ ہے کہ جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش الٰہی کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اس کی حمد وثناء کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں ایمان والوں کے لیے اس طرح دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب تُو تو چھائے ہوئے ہے ہر چیز پر اپنی رحمت اور علم کے لحاظ سے پس مغفرت فرمادے ان لوگوں کی جنہوں نے تیری طرف رجوع کیا (تائب ہو کر برائی سے) اور تیرے راستہ پر چلے اور بچالے ان کو دوزخ کے عذاب سے اور ظاہر ہے کہ ایسی بے پایاں رحمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ذرا بھی اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور ایمان والوں کو اپنی بے پایاں رحمت وانعام سے نواز دے اس لیے اے ہمارے پروردگار محض یہی نہیں کہ تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچائے بلکہ اور ان کو داخل کر دے بہشت کے ان باغات میں جو ہمیشہ رہنے کے ہیں، جن کا تو نے وعدہ کیا ہے ان ایمان والوں سے اور ان کو بھی داخل کر لیجئے جو ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہیں نیک وبرگزیدہ اور جنت کی نعمتوں کے لائق ہیں اگرچہ وہ ان اہل ایمان وتقویٰ کے برابر درجہ کے نہ ہوں بے شک آپ تو بڑے ہی عزت وحکمت والے ہیں۔ اس لیے آپ جس کسی کو بھی اپنے انعام سے نوازنا چاہیں گے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو بھی انعام وکرم فرمائیں گے وہ عین حکمت کے مطابق ہوگا۔ اور اے پروردگار ان کو بچا لیجئے تکلیفوں سے اور اے پروردگار آپ جس کو اس روز قیامت کی تکلیفوں سے بچالیں بس اس پر تو آپ نے بڑا ہی رحم وکرم فرمادیا اور یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے کہ مغفرت بھی ہوگئی رضا اور خوشنودی بھی میسر آگئی آخرت اور روز قیامت کی کلفتوں اور شدتوں سے محفوظ ہوگیا اور جنت کے بے پایاں انعامات سے نواز دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہوسکتی ہے۔

اللہ کی آیات میں جدال وخصومت ہلاکت کا سامان

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کا عنوان یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی آیات میں خصومت وجدال اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا، مومن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ ان کے سامنے جب بھی اللہ کی آیات تلاوت کی جائیں وہ سراپا انقیاد واطاعت بن جائیں۔ ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ کا مصداق ہو جائیں۔ چہ جائیکہ حجت بازی اور

خصومت کا رنگ اختیار کریں، عمرو رضی اللہ عنہ بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، انما هلك من كان قبلكم بهذا اضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضا فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكلوه الى عالم (رواه البغوى)۔ (یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت وتردید کے جذبہ میں تعارض وتناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، (نہ کہ تردید وتکذیب) اس لیے تم ایک حصہ کی دوسرے کسی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو، جو جانتے ہو وہ بیان کرو، اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کردو۔

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو شخصوں کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ ﷺ کو اس قدر ناگواری ہوئی کہ چہرہ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

بہرکیف یہ جدال وخصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال وخصومت ہے، جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اسی شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو، علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔

نیز ﴿فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ سے یہ واضح کردیا گیا مال و دولت اور دنیوی جاہ اقتدار سے کسی بھی وقت انسان کو حق اور باطل کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور تردد نہ کرنا چاہئے، یہ دنیوی عزتیں نہ علم کی دلیل ہیں اور نہ خدا کے یہاں مقبول ہونے کہ نشانی ہے۔

ملائکہ حاملین عرش کی اہل ایمان کیلئے دعا

اہل ایمان وتقویٰ اور تائبین ومطیعین کی قرآن کریم میں بہت سی خوبیاں اور ان پر نعمتیں بیان کی گئیں لیکن اس مقام پر جو خاص انعام اور ان پر فضل وکرم ذکر کیا گیا وہ یہ کہ ملائکہ حاملین عرش ایسے وقت کہ عرش الٰہی اٹھائے ہوئے اس کی حمد وتسبیح میں مصروف ہوں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرمادے ان مومنوں کی جو تیری طرف رجوع کرچکے اور تیرے راستہ پر چلے ان کو جہنم کے عذاب سے بچا اور جنات عدن میں ان کو داخل فرمادے نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء ان کی ذریت اور ان کی ازواج کو بھی ان ہی کے ساتھ ملحق کردے اگرچہ وہ خود اس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کروبین کہا جاتا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں، ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اگر ایک ستارہ زمین کی

سطح سے لاکھوں گنا زائد ہوسکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں، اس روایت کے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن مجید کی آیت ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہوجائے گی۔

شہر بن حوشب ؓ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملین عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے۔ سبحانك اللهم وبحمدك الحمد على حلمك بعد علمك۔ اے اللہ تیری پاکی ہے حمد وثناء کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے، اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے۔ سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك۔ یعنی تیری حمد وثناء ہے تیری درگزر پر باوجود تیری قدرت کے توان دو تسبیحوں سے ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾ کی حقیقت ظاہر ہورہی ہے اس وسعت علمی کے باوجود اس قدر حلم اور اس قدرت کاملہ کے باوجود یہ درگزر یقیناً اس کی وسعت رحمت کا پورا پورا مظہر و پیکر ہے ان حاملین عرش فرشتوں کی تسبیح وتحمید کے ساتھ مزید ایک وصف بیان کیا گیا۔ ﴿وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ کہ یہ فرشتے اس پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ فرشتوں کا ایمان اور پروردگار کی معرفت تو محتاج بیان ہی نہیں کیونکہ ان کے سامنے تو ہمہ وقت اللہ رب العزت کی تجلیات ظاہر ہیں اور اس کی عظمت وکبریائی کا اس سے بڑھ کر کس کو مشاہدہ ہوسکتا ہے تو ان کے لئے وصف ایمان کا ذکر ایمان کی عظمت اور شرف کو ظاہر کرنے لیے ہے یعنی ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ فرشتے بھی اس سے متصف ہوتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کا ایمان لانا بیان کیا جائے گا نیز ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ " کے لفظ سے اشارہ ہے کہ ان فرشتوں کی ایک صفت تو بجانب خداوندی کمال عظمت ہے اور بندوں کی جانب ان کا رنگ کمال شفقت کا ہے جیسا کہ لفظ ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ظاہر کررہا ہے فرشتوں کی دعا اہل ایمان کے حق میں حق تعالیٰ کی طرف سے مومنین پر ایک خاص انعام ہوگا، یہ دعا تین اجزاء پر مشتمل ہے، ایک مغفرت ومعافی کے لیے جس پر لفظ ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ دلالت کررہا ہے، دوسرے جنت کی لازوال نعمتوں کے لیے تیسرے ان جنتیوں کے ساتھ ان کے ماں باپ اولاد اور بیبیوں کے ملادینے کے لئے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت کے ان ہی درجات میں بھیج دیئے جائیں جو خود ان کے ہیں اگرچہ یہ لوگ ان درجات کے مستحق نہ ہوں مگر محض اس لیے کہ ان ایمان وتقویٰ والوں کی راحت اور خوشنودی مکمل ہوجائے اور اپنے کسی عزیز کے فراق کا قلب پر کوئی ملال ورنج نہ ہو۔

امام بغوی ؒ نے سعید بن جبیر ؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مومنین کو جنت میں داخل کردیا جائیگا جو اعزاز واکرام سے اپنے باغات ومحلات میں پہنچادیئے جائیں گے تو ان مومنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ، کہاں ہے میری ماں، کہاں ہے میرا بیٹا، کہاں میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا، ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مومن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مومن کے ساتھ لاحق کردو۔ [۱] اس

[۱] بحوالہ تفسیر مظہری، جلد ۸

مضمون کو بیان کر کے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے ﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ﴾ الخ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ میں ذکر فرمایا گیا۔

فرشتوں کی دعا میں ان تین اجزاء کے بعد اخیر میں ایک خاص جزیہ بھی بطور الحاق اور تکمیل دعا ہے ﴿وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ﴾ کہ اے پروردگار ان مومنین کو تکالیف سے بچا لیجئے، اگرچہ پہلے عذاب جحیم سے بچانے کی دعا ہو چکی لیکن اب اس تکملہ دعا میں ہر قسم کی تکلیف و دشواری سے بچنے کی دعا ہے کہ نہ حساب کی تکلیف ہو نہ قبر کی نہ میدان حشر کی بے چینی کی اور نہ انجام کی پریشانی کی، فرشتوں کی اس دعا نے اہل ایمان کو یہ سبق سکھایا کہ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ان سب باتوں سے خائف رہے اور اللہ کی نعمتوں اور راحتوں کا طالب رہے، یہی خوف اور شوق اس کو فوز عظیم سے ہمکنار بنانے والا ہوگا۔ اللھم اجعلنا منھم وحبب الینا الایمان وزینه فی قلوبنا وکره الینا الکفر والفسوق والعصیان۔ توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین، آمین یا رب العالمین، (تفسیر مظہری ج۸)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى

جو لوگ منکر ہیں ان کو پکار کر کہیں گے اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت تم کو بلاتے تھے

جو لوگ منکر ہیں، ان کو پکار کر کہیں گے، اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے کہ تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے، جس وقت تم کو بلاتے تھے

الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا

یقین لانے کو پھر تم منکر ہوتے تھے ف۱ بولیں گے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا دو بار ف۲ اب ہم قائل ہوئے

یقین لانے کو، پھر تم منکر ہوتے تھے۔ بولے، اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا دو بار، اب ہم قائل ہوئے

بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ

اپنے گناہوں کے ف۳ پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ ف۴ یہ تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے

اپنے گناہوں کے، پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ ؟ یہ تم پر اس واسطے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا، تو تم منکر ہوئے،

ف۱ یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی آج تم اپنے (نفس سے بیزار ہو اور) اپنے جی کو پھٹکارتے ہو۔ دنیا میں جب کفر کرتے تھے (اس وقت) اللہ اس سے زیادہ تم کو پھٹکارتا تھا (اور تمہاری حرکات سے بیزار تھا) اسی کا بدلہ آج پاؤ گے" اور بعض مفسرین نے "مقتین" کا زمانہ ایک مراد لے کر یوں معنی کیے ہیں کہ تم کو دنیا میں بار بار ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے۔ آج اس کی سزا بھگتنے کے وقت جس قدر تم اپنے جانوں سے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ تم سے بیزار ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "پہلے مٹی تھے یا نطفہ، تو مردے ہی تھے۔ پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے، پھر مرے۔ پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے۔ یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ قال تعالیٰ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ وقیل غیر ذلك والاظهر هو هذا۔

ف۳ یعنی انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں۔ نہ حساب کتاب ہے نہ کوئی اور قصہ۔ اسی لیے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے۔ اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا، دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشادات کے موافق دوبارہ =

وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ

اور جب اس کے ساتھ پکارتے شریک کو تو تم یقین لانے لگتے اب حکم وہی جو کرے اللہ سب سے اوپر بڑا ف۱ وہی ہے تم کو دکھلاتا اپنی نشانیاں اور اتارتا ہے

اور جب اس کے ساتھ شریک پکارے تو تم یقین لانے لگے۔ اب حکم وہی جو کرے اللہ، سب سے اوپر بڑا۔ وہی ہے، تم کو دکھاتا ہے اپنی نشانیاں اور اتارتا

لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

تمہارے واسطے آسمان سے روزی اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو ف۲ سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اس کے واسطے

تمہارے واسطے آسمان سے روزی۔ اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو۔ سو پکارو اللہ کو، نری کر کر اس کے واسطے

الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي

بندگی اور پڑے برا مانیں منکر ف۳ وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے

بندگی، اور پڑے برا مانیں منکر۔ صاحب اونچے درجوں کا، مالک تخت کا۔ اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ

جس پر چاہے اپنے بندوں میں ف۴ تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ف۵ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہونگے ف۶ چھپی نہ رہے گی اللہ پر

جس پر چاہے اپنے بندوں میں کہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن۔ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ چھپی نہ رہے گی اللہ پر

=زندگی بخشی آج بعث بعد الموت کے وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے سامنے ہیں اور بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا اعتراف کریں۔

ف۱۲ یعنی افسوس اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت وحیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں۔ تاکہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔

ف۱ یعنی بیشک اب دنیا کی طرف واپس کیے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اب تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ تمہارے متعلق ہلاکت ابدی کا یہ فیصلہ اس لیے ہوا ہے کہ تم نے اکیلے سچے خدا کی پکار پر کبھی کان نہ دھرا۔ ہمیشہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے۔ ہاں کسی جھوٹے خدا کی طرف بلائے گئے تو فوراً آمنا وصدقنا کہہ کر اس کے پیچھے ہولیے۔ اس سے تمہاری خو اور طبیعت کی افتاد کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی واپس کیا جائے، پھر وہی کفر و شرک کما کر لاؤ گے بس آج تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہی حبس دوام ہے جو اس بڑے زبردست خدا کی عدالت عالیہ سے جاری کی گئی۔ جس کا کہیں آگے مرافعہ (اپیل) نہیں۔ اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔

ف۲ یعنی اس کی عظمت و وحدانیت کی نشانیاں ہر چیز میں ظاہر ہیں ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو آدمی سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے تو سب کچھ سمجھ میں آجائے۔ لیکن جب ادھر رجوع ہی نہ ہو اور غور وفکر سے کام ہی نہ لے تو کیا خاک سمجھ حاصل ہوسکتی ہے۔

ف۳ یعنی بندوں کو چاہیے سمجھ سے کام لیں۔ اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں، اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں بیشک محض بندوں کے اس موحدانہ طرز عمل سے کافر ومشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اڑا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا گیا۔ مگر پکا موحد وہی ہے جو مشرکین کے مجمع میں توحید کا نعرہ بلند کرے۔ اور ان کے برا ماننے کی اصلاً پروانہ کرے۔

ف۴ "بھید کی بات" سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء علیہم السلام پر اترتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی۔

ف۵ یعنی جس دن تمام اولین وآخرین مل کر اللہ تعالیٰ کی پیشی میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک شخص اپنے اچھے یا برے عمل سے ملاقات کرے گا۔

ف۶ یعنی قبروں سے نکل کر ایک کھلے کف دست میدان میں حاضر ہوں گے۔ جہاں کوئی آڑ پہاڑ حائل نہ ہوگا۔

مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا

ان کی کوئی چیز ف۱ کس کا راج ہے اس دن اللہ کا جو اکیلا ہے دباؤ والا ف۲ آج بدلہ ملے گا ہر جی کو جیسا

ان کی کوئی چیز۔ کس کا راج ہے اس دن؟ اللہ کا ہے، جو اکیلا ہے دباؤ والا۔ آج بدلہ پائے گا ہر جی، جیسا

كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰

اس نے کمایا بالکل ظلم نہیں آج بے شک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

کمایا۔ ظلم نہیں آج بے شک۔ اللہ شتاب لینے والا ہے حساب۔

بعضے از احوال کفار بعد دخول نار و بیان دلائل قدرت پروردگار

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ... الی... سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

ربط:...... گزشتہ رکوع میں کتاب الٰہی کی حقانیت بیان فرماتے ہوئے مجادلین ومعاندین پر وعید وتہدید تھی اور ساتھ ہی اہل ایمان وطاعت کا اعزاز واکرام اور حاملین عرش فرشتوں کی طرف سے ان کے حق میں دعا واستغفار کا ذکر تھا، تو اس کے بعد ان آیات میں کافروں کی ذلت وحقارت کا بیان ہے کہ قیامت کے روز ان کو کس طرح ذلیل ورسوا ہونا پڑے گا اور اس وقت یہ کافر خود اعتراف کریں گے اور چاہیں گے کہ پھر کسی طرح ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جائیں تو ایمان لائیں اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں، ارشاد فرمایا:

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا۔ جب کہ ان کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد اپنے کفر وشرک پر حسرت وافسوس کر رہے ہوں گے۔ حسرت وملال اور خود اپنے اوپر غصہ کا یہ عالم ہوگا کہ اپنی انگلیاں شدت حسرت کی وجہ سے چبار ہے ہوں گے تو اس وقت ان کو پکار کر کہا جائے گا یقیناً اللہ کی نفرت بڑھ کر ہے تمہاری اس نفرت سے جو تم کو اس وقت خود اپنے سے ہے جب کہ دنیا میں تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا مگر پھر بھی تم کفر کرتے تھے یہ سن کر ان کی حسرت واذیت میں اور اضافہ ہوگا اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو بار بحالت موت رکھا کہ ایک موت ہماری پیدائش سے قبل تھی جبکہ ہم بے جان تھے اور پھر دوسری موت ہماری دنیوی زندگی کے بعد جس کو عام طور پر موت کہا جاتا ہے اور دوبارہ تو نے ہم کو حیات دی۔ ایک حیات جو دنیا میں تھی اور دوسری یہ حیات جو بعث بعد الموت آخرت میں اب حاصل ہے [1] جس کا ہم پہلے انکار کرتے تھے اور نہیں مانتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوتا ہے اور اسی انکار کے باعث ہم نے کفر وشرک کیا اور تیرے احکام کی نافرمانی کی لیکن اب ہم کو اپنی غلطی کا اعتراف ہوگیا سو اب ہم اقرار کرتے ہیں

ف۱ یعنی خوب سمجھ لو اس حاکم اعلیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے جس پر تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سب ظاہر وباطن احوال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔

ف۲ یعنی اس دن تمام وسائط وحجب اٹھ جائیں گے۔ ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کا راج ہوگا جس کے آگے ہر ایک طاقت دبی ہوئی ہے۔

[1] یہ دو مرتبہ موت کی حالت اور دو مرتبہ حیات کی حالت وہی ہے جو سورۃ بقرہ کی آیت ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

اپنی خطاؤں کا تو کیا ہے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ تا کہ ہم پھر دنیا میں جا کر اپنی خطاؤں کا تدارک کر لیں، ایمان لے آئیں اور مطیع وفرمانبردار بن جائیں، جیسے کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ یہ لوگ یوں کہیں گے ﴿هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ﴾ ● ظاہر ہے کہ اس کا یہی جواب ہے کہ نہیں اور فرمایا جائے گا اے لوگو اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جب صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کا نام لیا جاتا تھا تو انکار کرتے تھے اور توحید خداوندی سے نفرت کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو اس پر تم ایمان لاتے پس اب فیصلہ اللہ ہی کے لیے ہے جو بڑی شان اور بڑے رتبہ والا ہے۔ جو اس کی بارگاہ سے صادر ہو چکا کہ ﴿أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ کہ اب یہ کافر ہرگز دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے اور اگر بالفرض لوٹیں بھی تو کیا فائدہ ہوگا کیونکہ ایمان تو اسی وقت ایمان تھا جب غیب پر تھا، اب جب کہ سب باتوں کا مشاہدہ کر لیا آخرت اور قیامت کا سب کچھ نظروں کے سامنے آچکا تو اب ایمان کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں رہی اور آج روز قیامت کی یہ باتیں ہی خدا کی معرفت کی دلیل ہیں کہ اب تمہیں یہ سمجھ میں آیا کہ خدا پر ایمان لانا چاہیے وہ پروردگار تو ہمیشہ سے تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور اتارتا ہے تمہارے واسطے آسمان سے روزی تو کیا یہ دلیلیں نہ تھیں اور کیا ان مشاہدات سے تم کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی مگر ان سب آیات کے باوجود تم غافل ہی رہے اور حقیقت یہ ہے کہ نصیحت صرف وہی حاصل کرتا ہے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور جب تم نے اپنی زندگی میں کبھی خدا کی طرف رخ ہی نہیں کیا تو بتاؤ پھر کس طرح تمہیں ہدایت ہو سکتی ہے تو اے لوگو! پکارو اللہ کو اسی کے واسطے دین کو خالص کرتے ہوئے نہ اس کے سوا کسی کو عبادت کرو اور نہ کسی سے کچھ مانگو اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ کیونکہ کافر یہ پسند نہیں کرتے کہ اہل ایمان حق پر اور توحید پر قائم رہیں اور وہ چاہا کرتے ہیں کہ اہل حق ان کی رعایت کریں اور ان کی خوشنودی کا لحاظ کریں تو اے مسلمانو! اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو کافروں کی خوشنودی کی فکر چھوڑ دو اور ان کی ناراضگی سے بےخوف ہو کر دین پر مضبوطی سے جمے رہو۔

وہ رفیع الدرجات سے عرش کا مالک ہے جب وہ بلند درجوں والا عرش کا مالک ہے تو اصل اس کی خوشنودی کی فکر کرنی چاہیے، اور کافروں کی ناراضگی کا ڈر یا یہ خیال کہ ان کی ناراضگی سے ہمیں کچھ نقصان یا ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا لغو اور غلط خیال ہے عزت اور سربلندی کا مالک تو رفیع الدرجات ہی ہے وہی درجے بلند کرنے والا بھی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے احکام میں سے کسی بھی حکم کی وحی بھیجتا ہے تا کہ وہ صاحب وحی ملاقات واجتماع کے دن سے لوگوں کو ڈرائے جس دن کہ سب لوگ خدا کے سامنے پیش ہوں گے حال یہ ہوگا کہ اللہ پر ان کی کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی اس وقت ہر دیکھنے والا ہر سوچنے والا اور پوچھنے والا جب یہ کہتا ہوگا ﴿لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ کہ آج کے دن کس کی حکومت ہے تو حالات ومشاہدات اور خدا کے فرشتے یہی جواب دیں گے اور سب سے آخر پروردگار عالم ہی کا جواب ہوگا جب کہ ساری مخلوق ہیبت وعظمت خداوندی کے باعث کوئی حرف زبان سے بولنے پر قادر نہ ہوگی۔ ﴿لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ بس اسی خدا

● منکرین وکفار کے اس کہنے کا کہ تو نے دو مرتبہ ہم کو بحالت موت رکھا اور دو مرتبہ زندگی دی یہ مقصد تھا کہ جب اسے پروردگار آپ اس بات پر قادر ہیں تو یقیناً آپ کو یہ بھی قدرت ہے کہ تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف لوٹا دیں تا کہ اس مرتبہ خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں تو آئندہ کلمات میں جواب دیا گیا کہ نہیں اب اس کا امکان نہیں اور یہ فیصلہ علی کبیر کی عدالت عالیہ سے جاری ہوا ہے جس پر اب کوئی اپیل مرافعہ نہیں ہو سکتی۔

کے لیے ہے جو یکتا اور غالب ہے، آج کے دن بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو اسی کام کا جو اس نے کیا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی برائی چھپی رہے گی آج کے دن کچھ ظلم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ تمام خلائق ایک کھلے میدان میں اللہ رب العزت کے روبرو حاضر ہوں گے نہ کوئی شخص اس کی نظروں سے غائب ہوگا اور نہ کوئی عمل اس سے چھپا ہوگا، اس حساب کی سرعت کا عالم یہ ہوگا کہ تمام مخلوق سے حساب اس قدر سریع ہوگا جیسے ایک انسان سے حساب کر لیا جائے جیسے کہ ارشاد مبارک ہے ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تو ہر بڑے سے بڑا کام بھی بس پلک جھپکنے میں ہو جاتا ہے ﴿وَمَآ أَمْرُنَآ إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾۔

دعا کی روح اخلاص اور توجہ الی اللہ ہے

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی تفسیر میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے فرض نماز کے بعد ان کلمات دعائیہ کو بھی بیان کیا گیا جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کہا کرتے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له۔ له الملك وله الحمد وهو علی كل شيء قدير لا حول ولا قوة الا بالله لا اله الا الله ولا نعبد الا اياه له النعمه وله الثناء الحسن لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کا عموم اگرچہ مومن کی زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے شامل ہے توحید اور عبادت کے اخلاص سے لے کر ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھنے تک، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی مراد یہ بھی ہے کہ اللہ سے اس طرح دعا مانگی جائے کہ اس کی قبولیت کا اللہ کے فضل سے یقین کامل ہو۔

﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾ لغت میں مقت کے معنی نفرت اور بغض کے ہیں اور بعض ائمہ لغت شدت بغض کے معنی بیان کرتے ہیں، لام مفتوح تاکید کا ہے، عربیت اور اصول نحو کی رو سے ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾، ﴿يُنَادَوْنَ﴾ کا مفعول اور مقولہ ہے کہ کافروں کو پکار کر جو کہا جائے گا وہ یہ قول ہوگا۔ ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾ الخ۔

﴿مَقْتُ اللّٰهِ﴾ ترکیب اضافی ہے اور مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہے اکثر مفسرین اس آیت کی تفسیر اسی تقدیر کے لحاظ سے کرتے ہیں اور "اذ"۔ کو ظرفیت کے معنی پر محمول کرتے ہیں تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ کافروں کو پکار کر کہا جائے گا کہ اے کافرو یقیناً اللہ کا مبغوض رکھنا تم کو دنیا میں جب کہ تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اس نفرت و بغض سے بڑھ کر تھا جو آج تم کو اس وقت اپنی جانوں سے ہے کیونکہ انسان جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ طبعی امر ہے کہ وہ خود اپنے سے متنفر ہوتا ہے چنانچہ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے ہر جہنمی جب جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا تو کہے گا اے میری جان میں تجھ کو مبغوض رکھتا ہوں اور تجھ سے مجھے نفرت ہو رہی ہے، اس پر فرشتے کہیں گے، بے شک اللہ کا بغض و نفرت تم سے اس سے زائد تھا، جیسے آج تم کو خود اپنے سے ہے۔

یہ مفہوم تو اذ کے ظرفیہ ہونے کی صورت میں ہوا، اور اگر اذ کو تعلیلیہ لیا جائے تو ﴿إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيْمَانِ﴾ علت ہوگی بیان کردہ اللہ کی مقت ناراضگی اور ناگواری کی یعنی آج جس قدر اے جہنمیو! تم کو اپنی جانوں سے بغض و نفرت ہے خدا

کو دنیا میں تم سے اس سے بھی زیادہ بغض تھا، کیونکہ تم کو بار بار ایمان کی طرح بلایا جاتا تھا اور تم کفر و انکار کرتے تھے (روح المعانی جلد ۲۴)

﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ﴾ رفیع صیغہ صفت مشبہ ہے بمعنی مرتفع اور بلند۔ رفیع الدرجات بلند مرتبوں والے کو کہا جاتا ہے، ان بلند مرتبوں سے جو اللہ رب العزت کے لیے یہاں ذکر فرمائے جارہے ہیں۔ اس کی صفات عظیمہ اور جلال و کمال ہے کہ پروردگار عالم اپنی صفات کمالیہ عظمت وجلال کے باعث بہت اونچے مرتبوں والا ہے وہ اپنی وحدانیت وعظمت کے باعث تمام مخلوق سے مستغنی و بے نیاز ہے اور ساری مخلوق خواہ عالم اجسام ہو یا عالم ارواح اسی کی محتاج ہے، مخلوق کی احتیاج مادی اور احتیاج روحانی ہر قسم کی احتیاج اسی کی بارگاہ عنایت سے پوری ہوتی ہے، رزق کے ذریعہ مادی احتیاج پوری فرماتا ہے اور وحی نازل فرما کر روحانی احتیاج کو پورا فرماتا ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے ﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ فرما کر نظام تشریع اور وحی الٰہی کو بیان فرمادیا گیا کہ جس طرح اللہ رب العزت رزق پیدا فرما کر مخلوق کی عام مادی حاجتیں پوری فرماتا ہے اسی طرح وحی نازل فرما کر بندوں کی روحانی حاجتیں بھی پوری کی جاتی ہیں، تو اس ذات خداوندی کا ایسی بلند و بالا صفات سے متصف ہونا اور شان صمدیت (بے نیازی) اور اس امر کا کہ کل کائنات اس کی محتاج ہے، مادی احتیاج کے لحاظ سے بھی اور روحانی احتیاج کے لحاظ سے بھی غرض یہ جملہ امور اس کے مقتضی ہیں کہ وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بعض اقوال مفسرین کی رو سے رفیع بمعنی رافع یعنی بلند کرنے والا ہے اور درجات سے مخلوق کے درجات و مراتب مراد ہیں تو مراد یہ ہوگی کہ وہ مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے کہ انبیاء واولیاء کے درجات عام مومنین پر بلند کیے اور مومنین کے درمیان علم وفضل اخلاق کے لحاظ سے کسی کے درجے کسی پر بلند کیے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ اور پھر اہل ایمان کو کل بنی آدم میں فوقیت دی، اسی طرح ملائکہ میں بعض کو بعض پر بلندی عطا کی جیسے کہ ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾۔

علی ہذا القیاس اجسام میں بھی اللہ نے بعض اجسام کو بعض دوسرے اجسام پر فضیلت و بلندی عطا کی بعض سفلیات ہیں تو بعض علویات، بعض اجرام مکدر و بے نور اور مظلم و تاریک ہیں تو بعض اجرام روشن و منور بلکہ عالم کو روشن کرنے والے ہیں۔

بعض اقوال مفسرین میں "درجات" سے آسمان مراد لیے ہیں کہ آسمانوں کو بلند بنایا ﴿وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا﴾ اور ﴿رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا﴾ جیسے ارشاد فرمایا گیا، سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے، فرمایا کرتے وہ ہر آسمان کے اوپر دوسرا آسمان ہے اور سبع سمٰوات پر عرش الٰہی۔

روح سے مراد وحی الٰہی ہے، جیسے آیت مبارکہ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ میں وحی کو روح کے عنوان سے تعبیر کیا گیا، روح سے مراد بعض نے جبریل امین علیہ السلام لیا ہے کیونکہ وہ روح القدس ہیں چنانچہ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰي قَلْبِكَ﴾ میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کا بھی اترنا بیان کیا گیا۔

یوم التلاق قیامت کا نام ہے

یوم التلاق۔ تلاقی لغت میں ایک کا دوسرے سے ملنا ہے، تلاقی بمعنی ملاقات۔ علی بن طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ "یوم التلاق" یوم قیامت کے ناموں سے ایک نام ہے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوم التلاق کی وجہ تسمیہ میں یہ ذکر کیا گیا کہ قیامت کا دن اس وجہ سے یوم التلاق کہلاتا ہے کہ وہ ملاقات کا روز ہوگا کہ اس میں کل اولاد آدم ایک دوسرے سے ملاقات کرے گی اس دن انسانوں کی فرشتوں سے ملاقات ہوگی ہر انسان اپنے عمل سے ملاقات کرے گا۔ ہر انسان کو اپنے عمل کا نتیجہ ملے گا، اور وہ اپنے انجام سے ملنے والا ہوگا، یہی دن وہ ہوگا اس میں بندہ اپنے پروردگار سے ملے گا، غرض ہر لحاظ سے قیامت کا دن ملاقات کا دن ہے، (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے بیان فرمایا، قیامت سے قبل ایک منادی پکارے گا۔ ایھا الناس اتتکم الساعة۔ کہ اے لوگو! قیامت آ چکی ہے، اور یہ آواز ہر زندہ و مردہ کو سنائی جائے گی، اور اللہ رب العزت آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ اور خود رب العزت ہی کی طرف سے جواب صادر ہوگا۔ ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دست قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا۔ این الجبارون این المتکبرون این الملوك کہ کہاں ہیں بادشاہ کہاں ہیں بڑے زور و طاقت والے۔ کہاں ہیں بڑے غرور و نخوت والے، ہر طرف سے سکوت ہوگا، خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ انا الملك انا الجبار الخ میں ہی ہوں بادشاہ میں ہی ہوں زور و طاقت والا، میں ہی ہوں، بڑائی والا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

اور خبر سنا دے ان کو اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبا رہے ہونگے ف۱ کوئی نہیں گناہ گاروں کا

اور خبر سنا دے ان کو اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو، دبا رہے ہوں گے۔ کوئی نہیں گناہ گاروں کا

حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ⑱ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ

دوست اور نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے ف۲ وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے سینوں میں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے

دوست، اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ، اور جو چھپا ہے سینوں میں۔ اور اللہ چکاتا ہے

بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳

انصاف سے ف۳ اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا نہیں فیصلہ کرتے کچھ بھی بے شک اللہ جو ہے وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ف۴

انصاف۔ اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا، نہیں چکاتے ہیں کچھ۔ بے شک اللہ جو ہے وہی ہے سنتا دیکھتا۔

ف۱ یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔

ف۲ یعنی ایسا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی بات ضرور ہی مانی جائے۔ سفارش وہی کر سکے گا جس کو اجازت ہو۔ اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لیے پسند ہو۔

ف۳ یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا، ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے۔ اور فیصلہ انصاف سے کرتا ہے۔

ف۴ یعنی فیصلہ کرنا اس کا کام ہوسکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ بھلا یہ پتھر کی بے جان مورتیں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی۔ پھر جو =

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھتے انجام کیسا ہوا ان کا جو تھے ان سے پہلے

کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھے آخر کیسا ہوا ان کا؟ جو تھے ان سے پہلے،

كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ

وہ تھے ان سے سخت زور میں اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے زمین میں ف۱ پھر ان کو پکڑا اللہ نے ان کے گناہوں پر اور نہ ہوا ان کو

وہ تھے ان سے سخت زور میں، اور جو نشانیاں چھوڑ گئے زمین میں، پھر ان کو پکڑا اللہ نے ان کے گناہوں پر، اور نہ ہوا ان کو

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ

اللہ سے کوئی بچانے والا ف۲ یہ اس لیے کہ ان کے پاس آتے تھے ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر پھر منکر ہو گئے تو ان کو پکڑا

اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس پر، کہ ان پاس آتے تھے ان کے رسول، کھلے نشان لے کر، پھر منکر ہوئے، پھر ان کو پکڑا

اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۲ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اِلٰى

اللہ نے بیشک وہ زور آور ہے سخت عذاب دینے والا ف۳ اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند ف۴

اللہ نے۔ بے شک وہ زور آور ہے، سخت مار دینے والا۔ اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر، اور کھلی سند۔

فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا

فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس ف۵ پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا ف۶ پھر جب پہنچا ان کے پاس لے کر سچی بات ہمارے پاس سے بولے

فرعون اور ہامان اور قارون پاس، پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا۔ پھر جب پہنچا ان پاس لے کر سچی بات، ہمارے پاس سے بولے،

اقْتُلُوْٓا اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَاۗءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ

مار ڈالو بیٹے ان کے جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ اور جیتی رکھو ان کی عورتیں ف۷ اور جو داؤ ہے منکروں کا سو

مارو بیٹے ان کے جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ، اور جیتی رکھو ان کی عورتیں۔ اور جو داؤ ہے منکروں کا سو

= فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہوا۔

ف۱ یعنی بڑے مضبوط قلعے، عالی شان عمارتیں اور مختلف قسم کی یادگاریں۔

ف۲ یعنی جب دنیا کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکا۔ آخرت میں کون بچائے گا۔

ف۳ یعنی تم بھی ان کی طرح رسول کی تکذیب کر کے فلاح نہیں پا سکتے آخر رسوا اور ہلاک ہو گئے اور خداوند قدوس اپنے زور و قوت سے پیغمبر کو غالب و منصور فرمائے گا۔ اسی مناسبت سے آگے موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

ف۴ "نشانیوں" سے معجزات اور "کھلی سند" سے شاید ان میں کے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں یا "کھلی سند" معجزات کے سوا دوسری قسم کے دلائل و براہین کو فرمایا۔ یا "آیات" سے تعلیمات و احکام اور "سلطان مبین" سے معجزات مراد لیے جائیں۔ یا "سلطان مبین" اس قوت قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جس کے آثار پیغمبروں میں ہر دیکھنے والے کو نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۵ ہامان وزیر تھا فرعون کا اور قارون بنی اسرائیل میں سب سے بڑا مالدار اور تاجر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی مرضی پر چلتا تھا۔ پہلے اس کا قصہ گزر چکا۔ =

ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ

غلطی میں ف۱ اور بولا فرعون مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو ف۲ میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑ دے

غلطی میں۔ اور بولا فرعون، مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو۔ میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑے

دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰۤی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ

تمہارا دین یا پھیلائے ملک میں خرابی ف۳ اور کہا موسیٰ نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی

تمہاری راہ یا نکالے ملک میں خرابی۔ اور کہا موسیٰ نے، میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی،

كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

ع ۸

ہر غرور والے سے ف۴ جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا ف۵

ہر غرور والے سے جو یقین نہ کرے حساب کا دن۔

تنبیہ ووعید برائے ظالمین از کرب واضطراب روز قیامت مع تذکرۂ قصہ موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ... الی... مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منکرین کی ذلت ورسوائی کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت کے روز عذاب خداوندی دیکھ کر وہ اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایمان لے آئیں اور نیک کام کرلیں اب ان آیات میں ایسے منکروں اور ظالموں کو اس دن کی بے چینی اور اضطراب سے متنبہ کیا جارہا ہے، اور اسی کے ساتھ تاریخ قدیم میں گزرے

=ف۶ یعنی جادوگر ہے معجزات دکھانے میں اور جھوٹا ہے دعویٰ رسالت میں۔ یہ بعض نے کہا ہوگا اور دوسروں نے اس کی تصدیق کی ہوگی۔

ف۷ یہ حکم اب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد دیا۔ تاکہ بنی اسرائیل کی تذلیل وتوہین کریں۔ ان کی تعداد گھٹائیں اور ان کے دلوں میں یہ خیال جمادیں کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰ کی بدولت آئی ہے۔ یہ خیال کرکے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور دہشت انگیزی کی پالیسی کامیاب ہوجائے گی۔ آگے پتہ نہیں اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔

ف۱ یعنی ایسے داؤ پیچ اور تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر منکرین کے سب منصوبے غلط کردیتا ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑو۔ شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے۔ کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے، کہیں اس کا رب بدلہ نہ لے۔" فرعون خود بھی دل میں ڈرا ہوا اور سہما ہوا تھا۔ لیکن لوگوں پر اپنی قوت وشجاعت کا اظہار کرنے کے لیے انتہاء درجہ کی شقاوت اور بے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اور اس کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

ف۳ یعنی اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے یہ اپنے وعظ وتلقین سے تمہارے مذہبی طور وطریق کو جو پہلے سے چلا آتا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی پھیلا دے جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری (یعنی قبطیوں کی) حکومت کا خاتمہ ہو کر ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔

ف۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ان کے مشوروں کی خبر پہنچی تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پروا نہیں۔ فرعون اکیلا تو کیا، ساری دنیا کے متکبرین وجبارین جمع ہوجائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ میں اپنے کو تنہا اسی کی پناہ میں دے چکا ہوں۔ وہی میرا حامی ومددگار ہے کما قال تعالیٰ ﴿لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" جس کو حساب کا یقین ہو وہ ظلم کاہے کو کرے گا۔"

ہوئے مجرمین اور سرکشوں کا انجام ہلاکت بیان کر کے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ اے کفار مکہ تم اللہ کے دین کا مقابلہ اور پیغمبر خدا کی مخالفت کر کے خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے، عاد وثمود کو جب ان کی بے پناہ طاقت اور قوت نہ بچا سکی تو تمہاری کیا حقیقت ہے، تو فرمایا:

اور اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان کو ڈرایئے قریب آنے والے دن کی مصیبت سے جو قیامت کا دن ہے جس وقت کہ کلیجے منہ تک آتے ہوں گے شدت اضطراب و بے چینی کی وجہ سے دم گھٹتے ہوں گے شدت غم کی وجہ سے حال یہ ہوگا کہ اس وقت ان ظالموں کے واسطے نہ کوئی ولی اور دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی ہوگا، جس کی بات مانی جائے وہ پروردگار ظاہری اعمال وافعال اور نافرمانیاں تو درکنار وہ تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو سینے چھپاتے ہیں اور جس پروردگار کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہو وہ اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے تھے وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کو نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے علم کے بغیر فیصلہ درست نہیں ہوسکتا اور قدرت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا بے شک اللہ ہی وہ پروردگار ہے جو سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے اس بناء پر اس کا فیصلہ نہایت ہی محکم ہوگا اور ہر عمل کے مطابق ہوگا کیا یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر جو آپ ﷺ کی تکذیب وانکار کر رہے ہیں نہیں چلے پھرے ہیں زمین میں اور کیا انہوں نے ملک در ملک سفر نہیں کیا کہ یہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ان کے کفر اور خدا کے پیغمبر سے عناد رکھنے کی وجہ سے جو ان سے زیادہ مضبوط تھے طاقت اور زور کے لحاظ سے اور ایسی نشانیوں کے لحاظ سے جو زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ جیسے ان کی عمارات اور محفوظ ترین قلعے اور پہاڑوں سے تراشے ہوئے مکانات تو اللہ نے ان کو پکڑا ان کے گناہوں کی وجہ سے اور جب عذاب ان پر مسلط ہوا تو ان کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ یہ مواخذہ اور عذاب الٰہی ان پر اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں دلائل اور احکام خداوندی لے کر آتے رہے لیکن انہوں نے نہ مانا اور کفر پر ڈٹے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو پکڑا بے شک وہ تو بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے یہ تھی وہ علت اور وجہ ان مجرمین پر عذاب خداوندی آنے کی تو اے کفار مکہ اگر تم بھی رسول خدا، محمد ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت پر قائم رہے تو تمہارا انجام بھی ہلاکت وذلت میں ایسا ہی ہوگا۔

اور بے شک ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر اور کھلی نشانی کے ساتھ جو ان کی نبوت ورسالت کی واضح دلیل تھی۔ فرعون وہامان اور قارون کی طرف۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ معجزات اور واضح دلائل کی بناء پر اللہ کے احکام مانتے اور موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے لیکن انہوں نے کہا یہ جادوگر ہے بڑا ہی جھوٹا۔ معجزہ کو جادو قرار دیا، اور اعلان نبوت کو جھوٹ کہا کہ نہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور نہ یہ اس کے احکام لے کر آئے ہیں، یہ بات ابتداء میں فرعون وہامان اور قارون جیسے خواص کہتے رہے اور یہی چاہا کہ عام لوگوں کے سامنے اس حق وصداقت کو نہ آنے دیں اور اس تدبیر سے لوگوں کو برگشتہ کرتے رہیں مگر ان تمام کوششوں کے باوجود جب ان لوگوں یعنی بنی اسرائیل کے سامنے حق آ گیا جو ہماری طرف سے تھا اور کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے تو ان خاص لوگوں نے باہمی مشورہ اور تدبیر کے طور پر کہا قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بیٹوں کو جو ان کے ساتھ ہو کر ایمان لائے تا کہ یہ نسل جوان ہو کر قوت وجمعیت نہ حاصل کر سکے اور ان کی لڑکیاں زندہ چھوڑ دو کیونکہ ان سے اس قسم کا کوئی

اندیشہ نہیں اور ان سے اپنے گھروں کی خدمت بھی لینی ہے ● غرض ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کے انسداد کی یہ تدبیر کی اور حالانکہ کافروں کی تدبیر سوائے بربادی اور بے اثر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فرعون وہامان کی ساری تدبیریں رکھی رہیں اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب وغالب بنایا اور فرعون اور اس کے لشکر کو تباہ وغارت کیا۔

اور فرعون نے اہل دربار سے کہا مجھ کو چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پکار لے ● اپنی مدد کے لیے، اے اہل دربار اس کی ان باتوں سے مجھ کو ایسا اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی فساد نہ پھیلا دے۔ کافر اور کافرانہ نظریات رکھنے والوں کے نزدیک پیغمبر خدا کی ہدایات اور تعلیمات کی اشاعت اور لوگوں کے اعمال واخلاق کی درستگی کا نام فساد ہے، گویا فساد ان کی خواہشات اور شہنشاہیت میں خلل پڑ جانے کا نام ہے اہل دربار بظاہر قتل کی رائے نہ دیتے ہوں گے یا روکتے ہوں گے یا تو مصلحت کے خلاف ہونے کی وجہ سے یا اس بناء پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو ان کے معجزات اور معقول دلائل سے حق سمجھ رہے ہوں اور یہ خیال کر رہے ہوں اس حق کا مقابلہ ہمارے واسطے انجام کار تباہی کا موجب ہوگا، چنانچہ ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ یعنی ان لوگوں نے آیات بینات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل اس کا پورا یقین کر رہے تھے یہ انکار محض ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا، پھر ان لفظوں سے کہ ﴿ذَرُوْنِيْٓ﴾ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالوں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ فرعون خود بھی اپنے دل میں خائف تھا، اور جرأت نہیں ہو رہی تھی، کہ قتل کر ڈالے اور ڈرتا ہوگا کہ اگر ایسا تو کہیں آسمانی بلا تباہ نہ کر دے کیونکہ معجزات سے اس کو یقین تو ہو چکا تھا اور ﴿وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ﴾ بھی محض عیاری، اپنی بڑائی اور قوت کا رعب ڈالنے کے لیے تھا ورنہ دل اندر سے کانپ رہا ہوگا، غرض فرعون کی طرف سے تو یہ سازش ومکاری کا سلسلہ جاری تھا۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ سب کچھ معلوم ہونے پر نہایت ہی اطمینان سے کہا بے شک میں پناہ حاصل کرتا ہوں اپنے رب کی ہر مغرور ومتکبر شخص سے جو حساب کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اسی وجہ سے وہ بڑی دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ حق کے مقابلہ پر تلا ہوا تھا ● اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا غرور ونخوت سوائے اس کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ اس شخص کو نہ

● یہ قتل کی تدبیر جو مرتب کی گئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد کا قصہ ہے تو ظاہر ہے کہ ﴿اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اس قتل کے واقعہ کے علاوہ ہے جو ﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ میں قبل از ولادت موسیٰ علیہ السلام تھا، کسی صریح روایت سے معلوم نہیں ہو سکی کہ اس تدبیر وسازش کے مطابق عمل ہوا یا نہیں۔

● حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، فرعون نے کہا مجھ کو چھوڑ دو شاید اس کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے کہیں اس کا رب بدلہ نہ لے فرعون خود بھی ڈرا ہوا تھا لیکن لوگوں پر اپنی قوت وشجاعت کا اظہار کرنے کے لیے انتہائی شقاوت وبے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اس کو اپنے ارادہ سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ ۱۲

● حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا اس وقت تھا جب ان کو فرعون اور فرعون کے درباریوں کے اس مشورہ کا علم ہوا تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی ہرگز کوئی پرواہ نہیں میں تو اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں اس کی پناہ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی اور فرعون یا اس کے ارکان حکومت تو کیا مجھے تو دنیا کے سارے متکبرین وجبارین کا بھی کوئی ڈر نہیں مجھے بس اسی کی پناہ وحمایت کافی ہے تو اپنی قوم سے تخاطب کی بنا پر ﴿بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ﴾ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں کا عنوان اختیار کیا، بہت ممکن ہے ﴿وَرَبِّكُمْ﴾ کا عنوان فرعون کے لوگوں کو سنانے کے لیے کیا ہو تاکہ ان پر یہ بات جتلا دیں کہ وہ تمہارا بھی رب ہے تم کدھر بھٹکے ہوئے ہو۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے تمام جبار ومتکبر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں تنہا اسی رب کی پناہ لے رہا ہوں =

قیامت کا ڈر ہے اور نہ خداوند عالم کے مواخذہ کی فکر ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ

اور بولا ایک مرد ایمان دار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مار ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے

اور بولا ایک مرد ایمان دار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا اپنا ایمان، کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے،

وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا

اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہوگا

اور لایا ہے تم پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ۔ اور اگر وہ سچا ہوگا

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ㉘ يٰقَوْمِ

تو تم پر پڑے گا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے کرتا ہے ف۱ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو بے لحاظ جھوٹا ف۲ اے میری قوم

تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ، جو دیتا ہے، بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو بے لحاظ جھوٹا۔ اے قوم میری!

لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ

آج تمہارا راج ہے چڑھ رہے ہو ملک میں پھر کون مدد کرے گا ہماری اللہ کی آفت سے اگر آگئی ہم پر ف۳ بولا

تمہارا راج ہے آج، چڑھ رہے ہو ملک میں، پھر کون مدد کرے گا ہماری اللہ کی آفت سے؟ اگر آگئی ہم پر، بولا

ف۱ یعنی ایک مرد مومن جس نے فرعون اور اس کی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا ذرونی اقتل موسیٰ کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے دعوے کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تم کو دکھلا چکا۔ اور اس کے قتل کی تم کو کچھ ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ ممکن ہے تمہارے لیے مضر ہو۔ فرض کرو! وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر ضرور اللہ اس کو ہلاک یا رسوا کر کے چھوڑے گا۔ خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب کو برابر پھولنے پھلنے دے۔ دنیا کو التباس سے بچانے کے لیے یقیناً ایک روز اس کی قلعی کھول دی جائے گی۔ ایسے حالات بروئے کار آئیں گے کہ دنیا علانیہ اس کی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشا دیکھ لے گی۔ اور تم کو خواہی نخواہی اس کے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر واقع وہ سچائی پر ہے تو دنیا و آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے مکذبین کو ڈراتا ہے یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ لہٰذا پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری شق پر اس کا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔
حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہی سزا دے کے رہے گا۔ اور شاید سچا ہو تو اپنی فکر کرو۔"
(تنبیہ) یہ تقریر اس صورت میں ہے جب کسی مفتری کا کذب صریحاً ظاہر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مدعی نبوت کا کذب و افتراء دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ واجب القتل ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا، اگر کوئی شخص مدعی نبوت بن کر کھڑا ہوگا تو چونکہ اس کا یہ دعویٰ ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق کسی قسم کے تامل و تردد اور امہال و انتظار کی گنجائش نہ ہوگی۔
ف۲ یعنی موسیٰ اگر بالفرض جھوٹا ہوتا تو ہرگز اس کا اللہ راہ نہ دیتا کہ وہ برابر ایسے ایسے معجزات دکھاتا رہے اور کامیابی میں ترقی کرتا چلا جائے۔ اور اگر تم جھوٹے ہو کہ ایک سچے کو جھوٹا بتلا رہے ہو تو انجام کار اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل و ناکام کرے گا۔
ف۳ یعنی اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت بنو۔ آج تمہاری یہ شان و شوکت ہے لیکن کل اگر خدا کے عذاب نے آگھیرا تو کوئی بچانے والا نہ ملے گا۔ یہ سب =

– وتو میرا حامی و مددگار ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ حضرت تھانوی قدس سرہ من کل متکبر کے ترجمہ میں یہ
لا فرماتے ہیں۔ خرد ماغ مخص۔

فِرْعَوْنُ مَآ أُرِيكُمْ إِلَّا مَآ أَرَىٰ وَمَآ أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ ٱلرَّشَادِ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ ٱلَّذِىٓ ءَامَنَ

فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں تم کو جو سوجھی مجھ کو اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں بھلائی ہے ف۱ اور کہا اسی ایمان دار نے

فرعون، میں وہی سوجھاتا ہوں تم کو جو سوجھا مجھ کو، اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔ اور کہا اس ایماندار نے،

يَٰقَوْمِ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ ٱلْأَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ

اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا

اے قوم میری ! میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن ان فرقوں کا سا۔ جیسے رسم پڑی قوم نوح کی اور عاد اور ثمود کی

وَٱلَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا ٱللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾ وَيَٰقَوْمِ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ

اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر ف۲ اور اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن

اور جو ان کے پیچھے ہوئے۔ اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر۔ اور اے قوم میری ! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن

ٱلتَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ ٱللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ

ہانک پکار کا ف۳ جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر ف۴ کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا اور جس کو غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں

ہانک پکار کا۔ جس دن بھاگو گے پیٹھ دے کر، کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا۔ اور جس کو غلطی میں ڈالے اللہ، تو کوئی نہیں

مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِى شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُم

اس کو سمجھانے والا ف۵ اور تمہارے پاس آ چکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ

اس کو سوجھانے والا۔ اور تم پاس آ چکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر، پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے، جو وہ

= ساز و سامان یوں ہی رکھے رہ جائیں گے۔

ف۱ یعنی تمہاری تقریر سے میرے خیالات تبدیل نہیں ہوئے۔ جو کچھ میرے نزدیک مصلحت ہے وہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔ میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہی ہے کہ اس شخص کا قصہ پہلے ہی قدم پر ختم کر دیا جائے۔

ف۲ یعنی اگر تم اسی طرح تکذیب و عداوت پر جمے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تم کو بھی کہیں وہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کا مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ہاں بے انصافی نہیں۔ اگر ایسے سخت جرائم پر تم کو یا دوسری قوموں کو اس نے تباہ کیا تو وہ عین عدل و انصاف کے تقاضا سے ہوگا۔ کون سی حکومت ہے جو اپنے سفراء کو قتل اور رسوا ہوتے دیکھتی رہے۔ اور قاتلین و معاندین سے انتقام نہ لے۔

ف۳ عموماً مفسرین "یوم التناد" (ہانک پکار کے دن) سے قیامت کا دن مراد لیتے ہیں جبکہ محشر میں جمع ہونے اور حساب دینے کے لیے سب کی پکار ہوگی۔ اور اہل جنت اہل نار اور اہل اعراف ایک دوسرے کو پکاریں گے اور آخر میں ندا آئے گی۔ "یا اهل الجنة خلود لا موت ویا اهل النار خلود لا موت۔ "کما ورد فی الحدیث۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے "یوم التناد" سے وہ دن مراد لیا ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔" ہانک پکار کا دن ان پر آیا۔ جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے۔ اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ (شاید) یہ اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر عذاب اسی طرح آتا ہے۔"

ف۴ یعنی محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے۔

ف۵ یعنی میں تم کو سب نشیب و فراز پوری طرح سمجھا چکا۔ اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہارے عناد و کج روی کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی کر لیا ہے کہ تم کو =

بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ

تمہارے پاس لے کر آیا یہاں تک کہ جب مر گیا لگے کہنے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اس کے بعد کوئی رسول ف۱ اسی طرح بھٹکاتا ہے اللہ اس کو

لایا۔ یہاں تک کہ جب مر گیا، کہنے لگے، ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اس کے بعد کوئی رسول۔ اسی طرح بہکاتا ہے اللہ اس کو

هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰٮهُمۡ ؕ كَبُرَ مَقۡتًا

جو ہو بے باک شک کرنے والا وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو بڑی بیزاری ہے

جو ہو زیادتی والا شک کرتا۔ وہ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کچھ سند کے، جو پہنچی ہو ان کو۔ بڑی بیزاری ہے

عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اللہ کے یہاں اور ایمان داروں کے یہاں ف۲ اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ ہر دل پر غرور والے سرکش کے ف۳

اللہ کے ہاں، اور ایمان داروں کے ہاں۔ اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ ہر دل پر غرور والے سرکش کے۔

قصہ مرد مومن از آل فرعون ونصیحت وارشاد ودعوت وایمان فرعون وارکان سلطنت وزجر وتوبیخ برارادۂ قتل موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ ۖ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ... الی ... كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾

ربط :...... گزشتہ آیات میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے احکام نشانیاں اور کھلی سند لے کر آئے اور ان دلائل سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل کا فرق واضح ہونے لگا تو فرعون اور اس کے اہل دربار کو یہ خطرہ ہوا کہ اس طرح کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، جس کا انجام فرعون کی حکومت کا زوال ہے تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے چنانچہ اس کا اظہار واعلان بھی کیا یہ کہتے ہوئے کہ ﴿ذَرُوۡنِىۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰى وَلۡيَدۡعُ رَبَّهٗ﴾ تو اس مجلس مشورہ میں ایک مومن شخص بھی فرعون کے خاندان سے تھا، جس نے ابھی تک اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا یا کسی اور طریقہ سے اس کو علم ہوا ہو تو اس شخص مومن نے اس رائے کی شدت سے مخالفت کی اور ایسا کرنے سے منع کیا اور اس ضمن میں فرعون کو اور

=تمہاری پسند کردہ غلطی اور گمراہی میں پڑا رہنے دے پھر ایسے شخص کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

ف۱ یعنی چلو قصہ ختم ہوا۔ نہ یہ رسول تھا نہ اب اس کے بعد کوئی رسول آنے والا ہے۔ گویا سرے سے سلسلہ رسالت ہی کا انکار ہوا لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں (مصر والے ان کی نبوت کے) قائل نہ ہوئے۔ ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے یوسف کا قدم اس شہر پر کیا مبارک تھا۔ ایسا نبی (آئندہ) کوئی نہ آئے۔ یا دہ انکار یا یہ اقرار۔ یہ ہی اسراف اور زیادہ گوئی ہے۔" مرد مومن کی غرض یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے۔ فی الحال تم کو موسیٰ کی قدر نہیں۔

ف۲ یعنی بدون حجت عقلیہ ونقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر زیادتی اور بے حیائی کیا ہوگی۔ اسی لیے اللہ اور اس کے ایماندار بندے ان لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو سبب ہے ان کے انتہائی ملعون ہونے کا۔

ف۳ جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سن کر سر نیچا نہ کریں آخرکار ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

فرعون کے ارکان حکومت کو نصیحت کی اور ایمان کی دعوت دی، تو ان آیات میں اس مرد مومن کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے اور اس کی ان پاکیزہ اور بلند نصیحتوں کا ذکر ہے جو اس نے فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو رشد و فلاح کی دعوت دیتے ہوئے کیں فرمایا۔

اور کہا ایک شخص ❶ مومن نے فرعون کے خاندان سے جو ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، کیا تم ایک شخص کو قتل کر رہے ہو۔ محض اس وجہ سے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب تو بس اللہ ہے یقیناً یہ بات ایسی تو نہیں ہے کہ اس پر کسی کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور دلائل لے کر آیا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے تو بڑی ہی بری بات ہے کسی معقول چیز کا انکار کرنا، پھر جب کہ وہ اپنی صداقت کے لیے دلائل اور نشانیاں بھی رکھتا ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم اس کی بات کو قبول نہ کرو تم تو اس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو جو نہایت ہی نازیبا بات ہے، ایسا نہ کرو اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا جس کے نتیجہ میں وہ خود ہی ذلیل و ناکام ہوگا، اور اس صورت میں ہمیں نقصان و تکلیف کا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہئے اور اگر وہ سچا ہے تو اس میں سے ضرور تم کو کچھ پہنچے گا جس کا وہ وعدہ اور پیش گوئی کر رہا ہے کیونکہ اس کا یہ اعلان ہے۔ ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ کہ ہمیں یہ وحی بھیجی گئی ہے۔ بے شک خدا کا عذاب اس شخص پر واقع ہو کر رہے گا جو خدا کی بات جھٹلائے اور روگردانی کرے تو سچا ہونے کہ صورت میں تو اس کو قتل کرنا درحقیقت اپنے واسطے عذاب اور مصیبت کو دعوت دینا ہے اور ظاہر ہے یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا جائے۔

الغرض ایک لحاظ سے یہ قتل بے سود اور بے کار ہے اور ایک لحاظ سے خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، عقل کا تقاضا ہے بے سود کام سے بچا جائے اور ہلاکت سے بھی اپنے کو بچایا جائے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے بڑھ جانے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو اگرچہ کسی جھوٹے کی کوئی بات ابتداءً چل پڑے مگر انجام کار ایسے شخص کو ذلت و ناکامی اور محرومی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس ضابطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بس سمجھ لینا چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں جھوٹے ہیں تو یہ جھوٹ براہ راست خدا پر افتراء اور بہتان ہونے کی وجہ سے حد سے بڑھ جانا ہے اور مخلوق خدا کو دھوکہ میں ڈالنا ہے اور حق تعالیٰ خود ایسے شخص کو ذلیل و ناکام بنائے گا، یہ مرد مومن ان کلمات میں اس امر کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں احتمال ہیں تو ان کے صادق ہونے کی

❶ ائمہ مفسرین کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ یہ شخص مومن قبطی تھا فرعون کے خاندان سے سدی رحمہ اللہ نے یہ تصریح کی ہے یہ فرعون کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھا اور ایک قول کے مطابق یہ وہ شخص ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے ہمراہیوں میں بحر قلزم سے عبور کرنے اور نجات پانے والا تھا۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو اختیار کیا اور ان بعض مفسرین کا قول رد کیا جن کا خیال یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا کیونکہ فرعون نے اس کی بات سنی اور متاثر بھی ہوا، چنانچہ ان ہی مرد مومن کے موثر خطاب سے موسیٰ علیہ السلام کے ارادۂ قتل سے باز آیا۔ اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو اول تو اتنی جرأت ہی مشکل تھی اور اگر جرأت کر کے کچھ کہنا شروع کرتا تو فرعون فوراً ہی اس کا کام تمام کر دیتا اور نوبت ہی نہ آنے دیتا کہ اتنی مفصل گفتگو اور اس تفصیل کیساتھ سلسلہ نصیحت شروع کر دے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مومن اور اس کی بیوی آسیہ علیہا السلام کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ (ابن کثیر ج ۴)

صورت میں ان کی تکذیب اور قتل پر اقدام اے فرعونیو! یہ تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی اول تو تم اس بناء پر مسرف ہو گے اور اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکو گے۔ اس قانون سے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ جس کا انجام یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل بھی نہ کر سکو گے اور دوسرے یہ کہ ان کے صادق ہونے کی وجہ سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوگی اور تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

اس مرد مومن نے اس بلیغ اور پر اثر گفتگو میں فرعونیوں کو حق اور صداقت کی طرف دعوت دی اور نہایت لطیف انداز میں اس پر آمادہ کرنا چاہا پھر اسی پر اکتفانہ کی بلکہ جس دولت وحکومت پر غرور نے اس ناپاک ارادہ پر آمادہ کیا تھا اس کے بارے میں اس نے نصیحت کی اور کہا اے میرے بھائیو! آج تمہارے واسطے سلطنت واقتدار ہے اس طرح کہ تم اس سرزمین میں غالب وحکمران ہو لیکن بتاؤ کون ہماری مدد کرے گا اللہ کا عذاب آنے کی صورت میں اگر وہ ہم پر آ گیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دینے کی وجہ سے فرعون نے اس مرد مومن کی ان باتوں کو سن کر کہا میں تم کو وہی رائے دوں گا جو میں بہتر سمجھ رہا ہوں۔ اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں جو عین مصلحت ہے اور وہ یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے یہ مرد مومن اس بات کو سن کر مغموم ومتفکر ہوا سوچا کہ نرمی اور نصیحت سے مخاطب کوئی اثر قبول نہیں کرتا، کلام کا رخ بدلا اور کہا اس مومن شخص نے اے میری قوم مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تمہارے متعلق ایسے ہی روز بد کا جیسے اور امتوں پر قہر وعذاب کا دن آیا جیسا حال قوم نوح قوم عاد وثمود اور ان لوگوں کا جو انکے بعد آنے والوں کا یعنی قوم لوط وغیرہ کا ہوا، کہ ان کو ان کی اسی طرح شقاوت اور نخوت وتکبر کی وجہ سے عذاب خداوندی نے ہلاک کر ڈالا، یقیناً یہ سب کچھ صرف انہی کی اعمال کے باعث ہوا اور خدا تو بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ مگر ظاہر ہے کہ تمہارے اعمال ان ہی جیسے ہوں گے تو یقیناً اسی طرح کا عذاب تم پر بھی مسلط ہوگا، یہ تو دنیا کی زندگی میں عذاب ہے جو ایسی قوموں کو ہلاک کرتا ہی ہے اور میرے بھائیو! مجھے تو تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس دن کے بھی شدید عذاب کا جس دن میں کثرت ندائیں پکار اور آوازیں پڑنے والی ہوں گی اور ان آوازوں اور نداؤں سے لوگوں کے ہوش وحواس پراگندہ ہوں گے، اول نداء ہولناک تو صور کی آواز ہوگی جب پھونکا جائے گا اور سب مدہوش ہو جائیں گے پھر ندا دوبارہ نفخ صور کی ہوگی جس سے سارے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے یہ وہی ندا ہوگی جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝٤١ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ﴾ پھر ایک ندا اور ہوگی کہ اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ حساب کے واسطے، جیسے ارشاد ہے ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ﴾ پھر ایک ندا اور پکار جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان ہوگی جس کا ذکر ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ﴾ ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ اور ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ آیات میں ہے پھر سب سے اخیر میں ایک وہ ندا ہوگی جو موت کو ذبح کرنے کے وقت اہل جنت اور اہل جہنم کو دی جائے گی یا اهل الجنة اور یا اهل النار۔ اس ندا پر جب جنتی اور جہنمی متوجہ ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے جنتی گھبرا کر دیکھیں گے کیا ماجرا ہے ہم کو کیوں آواز دی جا رہی ہے، جہنمی دیکھیں گے اور متوجہ ہوں گے کچھ توقع اور طمع کے ساتھ کہ شاید ہمیں عذاب سے نجات کا پروانہ دینے کے لیے پکارا گیا ہوگا مگر ان نداؤں کے بعد اور اہل جنت واہل نار کے متوجہ ہونے کے بعد اعلان ہوگا موت کو ذبح کرتے ہوئے "خلود لا موت"۔ کہ بس اب

جب کہ موت کو موت دے دی گئی، دوام وخلود ہی ہے آئندہ کسی کو موت نہیں نہ اہل جنت کو نہ دوزخیوں کو، غرض ان تمام نداؤں کے اجتماع کے باعث یہ دن یوم التناد ہوا، (ماخوذ از تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور یہ یوم التناد وہ دن ہوگا جس میں تم پشت پھیر کر دوزخ کی طرف جاتے ہوگے اس وقت تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اللہ کے عذاب سے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی بدنصیب کو اللہ ہی گمراہ کردے اس کو کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں۔ ان حقائق اور سبق آموز نصیحتوں کے بعد توبیخ وتہدید کے انداز میں اس مرد مومن نے کہا اور اے لوگو! تمہارے پاس تو اس سے قبل یوسف بھی بینات ودلائل لے کر آئے لیکن اے قوم قبط تم یعنی تمہارے اسلاف جن کے نقش قدم پر تم چل رہے ہو ہمیشہ شک ہی میں مبتلا رہے اس چیز کے بارہ میں جو وہ لے کر آئے تھے اور چونکہ وہ تمہارے اسلاف تھے اور تم ان کی باتوں کو سند سمجھتے ہو اس بنا پر تم ہی کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم برابر اس میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پاگئے تو تم کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ اور کوئی رسول نہیں بھیجے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہ بدنصیب انبیاء کی تعلیم وہدایت کا کوئی اثر قبول ہی نہیں کرتے لہٰذا ان کے پاس کسی رسول کا بھیجنا بیکار ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ہیں ان کے غرور ونخوت نے ان کو اللہ کے احکام میں گستاخ بنادیا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح غلطی میں ڈالے رکھتا ہے ہر ایسے حد سے بڑھ جانے والے شک وتردد میں پڑ جانے والے لوگوں کو جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ بغیر کسی سند وحجت کے جو ان کے پاس آئی ہو بہت ہی بڑی ہے یہ چیز ناگواری اور نفرت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک۔ کہ انسان اللہ ہی کے احکام اور اس کی آیتوں میں خصومت کرتا رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور وجابر کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور سارا قلب اس مہر کے احاطہ میں گھر جاتا ہے اور اس کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا کہ اس خالی رخ اور سمت سے حق نہی کی کوئی صلاحیت باقی رہ جائے، جیسے کسی برتن کے پورے منہ پر اگر مہر لگ گئی تو اس کے بعد ظاہر ہے کہ کوئی ایسا سوراخ ومنفذ باقی نہیں رہتا کہ باہر سے کوئی چیز اس برتن کے اندر ڈالی جاسکے، اور علی ہذا جب اس پر مہر لگ گئی تو اندر سے کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں رہا، تو بس یہی حال ایسے مغرور وسرکش انسان کے قلب کا ہوتا ہے جب پورے قلب پر مہر لگ گئی تو باہر سے ہدایت ونصیحت اندر نہیں جاسکتی اور اندر کی شقاوت باہر نہیں نکل سکتی۔ ﴿یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾۔

یہاں تک اس مرد مومن کی ناصحانہ تقریر تھی جو فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو خطاب کرتے ہوئے کی آج سے پہلے اگرچہ اس بزرگ مومن نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہو لیکن اس واضح اور کھلم کھلا دعوت توحید اور شقاوت وبدبختی سے زجر وتوبیخ کی وجہ سے تو ان کا ایمان علی الاعلان ظاہر ہوگیا، اس مرد مومن نے اپنی اس تقریر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جو دو شقیں اختیار کیں۔ ﴿اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ﴾۔ العیاذ باللہ۔ اس بنا پر نہیں کہ یہ دو احتمال موسیٰ علیہ السلام میں ممکن اور محتمل تھے بلکہ ظاہر ہے کہ وہ ان کی صداقت وحقانیت پر کامل یقین و ایمان رکھنے والے تھے یہ محض تعبیر اور بیان میں دو شقیں حجت پوری کرنے کے لیے تھیں اور اس غرض سے کہ مخاطبین اس سے پوری طرح متاثر ہوں اور ان کی بات کو اس تخیل کے ساتھ سنیں کہ یہ کسی طرح حمایت اور جانبداری کے جذبہ سے نہیں بلکہ ایک

اصولی اور قطعی بات ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کے ایسی ہی روشنی اور ضابطہ کے تحت بخوبی سمجھا جاسکتا ہے اس سے یہ استدلال بھی نہ کیا جائے کہ کوئی مدعی نبوت اور کذاب و مفتری جس کا کذب اور افتراء دلائل سے ثابت ہو چکا ہو، اس کی تکذیب و تردید کے قطعی پہلو کو چھوڑ کر اس کے لیے ایسا ہی طرز اختیار کرلیا جائے اور یہ کہہ کر بات ٹال دی جائے کہ اگر جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا۔ الخ۔ بلکہ ایسے کذاب و دجال کی تو واضح طور پر ڈٹ کر تردید اور مقابلہ کرنا فرض ہوگا، اب جبکہ آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا قطعی دلائل شریعت سے ثابت ہو چکا اور یہ کہ آپ ﷺ کے بعد اب اور کوئی پیغمبر نہیں آئیگا تو مدعی نبوت کی قطعی طور سے تکذیب و تردید اور تکفیر کی جائے گی اور وہ مدعی نبوت اور اس پر ایمان لانے والے واجب القتل ہوں گے، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کے ساتھ قتال فرمایا اور وہ قتل کیے گئے۔

آل فرعون کے مرد مومن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے خصوصی نکات

یہ مرد مومن فرعون کے خاندان اور قبطیوں میں سے تھے اور بقول ایمہ مفسرین، فرعون کے چچازاد بھائی تھے، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ آل فرعون میں سے ایمان لانے والے ایک مرد مومن تھے اور دوسرا مومن خود فرعون کی بیوی تھی، جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ تحریم میں فرمایا، یہ صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لا چکے تھے، ان کا یہ خطاب ہے جو فرعون کی طرف سے قتل موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ کرنے پر تھا جس میں نصیحت و ہمدردی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اور حق کا مقابلہ کرنے پر زجر و توبیخ ہے، اور ایسا حکیمانہ انداز ہے کہ ادنیٰ فہم اور صلاحیت رکھنے والا انسان بھی اس کو تسلیم کیے بغیر نہیں نہ رہ سکے۔

اس مرد مومن نے اپنے اس خطاب میں جو خاص امور اور حکیمانہ نکات اور معاندانہ رویہ ترک کرنے کے لیے اثر انگیز نصیحتیں کیں وہ یہ تھیں، سب سے پہلے ابتداء خطاب میں ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾ کہہ کر بے وجہ اقدام قتل جیسے برے فعل کی مذمت کی اور اس پر اظہار نفرت کیا۔ اور یہ کہ جس بنیاد پر قتل کا ارادہ ہے وہ اس شخص کا یہ کہنا ہے۔ "میرا رب اللہ ہے"۔ حالانکہ یہ بات اگرچہ تمہارے تخیل یا عقیدہ کے خلاف ہو، کسی بھی ضابطہ سے قتل کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر یہ کہ وہ اپنی اس بات پر جب واضح دلائل پیش کر رہا ہے قتل کیا جائے۔ اور پھر یہ کہ یہ دلائل کوئی عام قسم کی شہادتیں اور دلائل نہیں ہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل ہیں۔ اور لفظ ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ بول کر ایک لطیف طنز بھی کر ڈالا کہ وہ تمہارا رب ہے اب یہ تمہاری حماقت ہے کہ تم اپنے رب کو نہ پہنچانو۔ اور پھر یہ کہ اگر تم ان دلائل حقانیت سے قطع نظر کرلو تو سوچو کہ قتل کا جواز تو اس صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے جب کوئی سبب اور وجہ قتل متحقق ہو اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی، تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا۔ علاوہ ازیں جب کہ تمہارے پاس اس کی تردید کے لیے کوئی دلیل معقول نہیں تو اس احتمال کو خود تمہاری حد تک بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صادق ہے اور اس صورت میں کہ وہ سچا ہو اور تم اس کا مقابلہ کرو، ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہوئے قتل

کرڈالو تو یہ قطعی بات ہے کہ ﴿يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ﴾ کہ تم کو وہ مصیبت ضرور پہنچ کر رہے گی جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اور اس کی دھمکی دے رہا ہے اور پھر یہ کہ تم لوگ ایسی صورت میں کہ اس کے پاس دلائل ہیں اور تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، تمہارے لیے اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں اور خود تمہارے اصول سے اس کے صادق ہونے کا احتمال ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود بھی اس کے قتل پر اقدام بلاشبہ انتہائی زیادتی اور ظلم ہوگا، اور ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ (خدا تعالیٰ کسی بھی زیادتی کرنے والے کذاب وجھوٹے کو مقصد میں کامیاب نہیں کرتا)۔ اور اگر اس کے برعکس یہ احتمال فرض کرو کہ وہی اپنے اس دعوائے نبوت میں جھوٹا ہے تو پھر وہ مسرف وکذاب ہوگا کہ اس نے زیادتی کی اور خدا پر جھوٹ بولا اور ایسی صورت میں وہ اپنے مقصد میں ضرور ناکام وذلیل ہوگا، تو اس سے تم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا، پھر کیا فائدہ کہ بغیر کسی اہم مقصد کے کسی کو قتل کرڈالا جائے۔ پھر ﴿يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ الخ کہہ کر یہ سمجھانا چاہا کہ ملک واقتدار کے حاصل ہوجانے پر تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ظلم وتعدی کی روش اختیار کی جائے یاد رکھو اگر ایسا کیا جائے گا تو نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے بعید ہے بلکہ اللہ کے عذاب وانتقام کا بھی موجب ہے اور خداوند عالم کے عذاب اور انتقام سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تو ان کلمات میں نہایت لطیف انداز سے فرعون کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر تو غور کرے تو سمجھ جائے گا کہ یہ حکومت اور غلبہ خود تیرا حاصل کردہ نہیں ہے کہ تو نے اپنی کسی صلاحیت یا محنت سے اسے حاصل کیا ہو یقیناً تجھے ماننا چاہئے کوئی قدرت وطاقت ایسی ہے جو انسانی قدرت اور وسائل سے بالاتر ہے بس اسی قدرت کا مالک اللہ ہے، جس نے تجھ کو یہ سلطنت دی اور جس نے ایسی بڑی حکومت دی ہے وہ پروردگار اسے چھین بھی سکتا ہے، ناراض ہو کر عذاب وقہر بھی نازل کرسکتا ہے تو اگر ایسا ہوا تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں کرسکتی تو اس حصہ نصیحت میں مرد مومن نے نہایت ہی لطیف وانداز سے قدرت خداوندی، اس کی نعمت، اور اس کی سزا کا ذکر کرڈالا اور اس فرعون کو جو مدعی تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا ان کلمات سے دعوت فکر بھی دے دی کہ ان چیزوں کو سوچ کر خدا کی ربوبیت کو پہچان لے اور اس پر ایمان لائے اور خدا کے پیغمبر کے مقابلہ سے باز آجائے۔

یہ تھے دس خصوصی نکات جس پر اس مرد مومن کا ناصحانہ خطاب مشتمل تھا، اس ناصحانہ وحکیمانہ معقول ومدلل خطاب اور انسانی فطرت اور اس کے شعور کو بیدار کرنے والے حقائق سے فرعون بظاہر متاثر ہونے لگا ہوگا اور ڈرا ہو کہ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ میں خود ہی اپنے ذہن میں رچے ہوئے تصورات اور معتقدات کو غلط قرار دے دوں، تو فوراً بات کاٹنے کے انداز میں اس مرد مومن کے وعظ کے دوران جو ابھی مزید نکات اور حقائق بیان کرنیوالا تھا بول پڑا جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِيْكُمْ اِلَّا مَا اَرٰى وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ فرعون اس پر کہنے لگا کہ اے لوگو! بس میں تو تم کو وہی بات سمجھاتا ہوں اور اسی چیز کی رہنمائی کرتا ہوں جس کو میں خود بہتر سمجھتا ہوں اور میں تم کو صرف بھلائی ہی کا راستہ دکھا رہا ہوں۔

اس مرد مومن نے اس لغو، مہمل اور بے دلیل بات کی تردید وتغلیط کی طرف رخ کرنے کے بجائے پھر وہی اصل

حکیمانہ خطاب کے باقی اہم نکات کا سلسلہ بیان شروع کر دیا جو فرعون نے بیچ میں غلط طریقہ سے کاٹ دیا تھا۔

چنانچہ مزید گزشتہ تاریخی عبرتناک واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ﴿یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ﴾ الخ کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو پھر مجھے اسی قسم کے عذاب کا اندیشہ ہے جو پہلی قوموں قوم نوح، عاد وثمود، اور ان کے بعد والوں پر نازل ہوا، اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس طرح کے عذاب کوئی وقتی اور اتفاقی قسم کے پیش آنے والے حادثات نہیں ہیں بلکہ یہ براہ راست اللہ رب العزت کی طرف سے مجرمین کو سزا ہوتی ہے اور اس طرح کی سزائیں کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتیں بلکہ مجرمین درحقیقت ایسی ہی سزاؤں کے مستحق ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ذرہ برابر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتے اور جو رب ایسا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس سے واقعۃً ظلم کا تحقق ہوجائے۔

اور چلو یہ تو جو کچھ ہوگا دنیوی زندگی تک کا معاملہ ہے مگر یہ جان لو کہ اسی پر بس ہونے والی نہیں مجھے تو اس سے بھی بڑھ کر تمہاری نسبت ﴿یَوْمَ التَّنَادِ﴾ یعنی اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جس دن آوازیں پڑیں گی، پکارا جاتا ہوگا، اس پکار اور ندا والے دن کا معاملہ تو یہ ہوگا کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگو گے، اور تم کو عذاب خداوندی سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس پر بھی سوچو کہ یہ تمہاری بدبختی اور گمراہی خدا کی طرف سے محرومی ہے جس کی وجہ سے یہ باتیں تم سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

اور میں تم کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ خصلت تمہارے گزرے ہوئے آباء واجداد سے ورثہ میں ملی ہے تمہارے بزرگوں کے زمانہ میں ان کے پاس اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام آئے، ان کے ساتھ یہی معاملہ نافرمانی اور ایذاء رسانی کا کیا اور آج تم اسی نقش قدم پر چل رہے ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مصر والے ان کی نبوت کے قائل نہ ہوئے، ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کا قدم اس شہر پر کیسا مبارک ہے اب ایسا نبی آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔

غرض اس بات سے مراد یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے، فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں لیکن یاد رکھو تم اسی طرح پچھتاؤ گے جیسے کہ اہل مصر یوسف علیہ السلام کے بعد پچھتائے۔ ان نصائح اور دل پر اثر ڈالنے والے حقائق کو بیان کرتے ہوئے مرد مومن نے اخیر میں صاف کہہ ڈالا کہ سب کچھ تمہاری طرف سے غلط قسم کی تعدی اور زیادتی ہے اور خدا کی نشانیوں میں بے دلیل حجت بازی اور جھگڑا کرنا ہے اور یہ تمام باتیں اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور واقعی تم جیسے مغرور اور سرکش لوگوں کے تو پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے پھر کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا کہ قلب تک ہدایت رسائی حاصل کر لے گویا یا بتا دیا کہ یہ فطرت کا مسخ ہوجانا ہے جو انسان کی انتہائی بدنصیبی ہے۔

آل فرعون کے مرد مومن کے ایمان واخلاص سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان بڑھ کر تھا

امم سابقہ میں جو فضائل وکمالات حق تعالیٰ نے عطا فرمائے وہ اس امت کے افراد میں بھی بدرجہ اتم واکمل پائے

گئے ہیں، یہ کلمات اس مرد مومن کے ﴿اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ﴾ جو قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب کہ کفار مکہ نبی کریم ﷺ پر ظلم وستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے، عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ ﷺ حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ ﷺ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عقبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ ﴿اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدۡ جَآءَكُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ﴾ (افسوس تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت ورسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے) تو آل فرعون کا مرد مومن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا، مگر امت محمدیہ ﷺ کا یہ مرد مومن وہ تھا کہ جس نے روز اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا، مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثناء خطبہ یہ فرمایا، بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا، سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جارہے ہیں، انت جعلت الالهة الها واحدا آگیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کوئی آپ ﷺ کے قریب جا سکے، اتفاقا سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری اور کسی کو گھونسہ مارا اور باآواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ﴿وَیۡلَكُمۡ﴾ (ہلاکت ہو تمہاری) ﴿اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ لوگ خاموش ہو گئے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کا اظہار واعلان کیا، پھر یہ کہ اس مرد مومن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گویا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو زبانی نصیحت وحمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی، تو بے شک یہ بہت ہی اونچا اور اعلی مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

یوم التناد کی تفسیر

یوم التناد کی تفسیر میں بالعموم مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کہ اس میں آوازیں پڑیں گی، وہ نداؤں اور ہانک پکار کا دن ہوگا، ان نداؤں کی تفصیل اور انواع کی طرف ترجمہ کے دوران تشریحی الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا

کہ نفخ صور کے وقت جب زمین پر زلزلہ ہوگا اور شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں گے اور اس ہیبت ناک منظر سے لوگ بدحواس و پریشان ہوں گے تو شدت پریشانی میں بھاگ رہے ہوں گے تو ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا، یا یہ ندا فرشتوں کو آواز ہوگی میدان حشر میں جمع ہو جانے کے لیے، نیز یہ ندا فرشتوں کی ہوگی مجرمین کو، اگر تم سے ہو سکے تو آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تم کہیں بھی چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے ایک ندا وہ ہوگی جب منکرین بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگیں گے تو فرشتے کہیں گے، ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾ کہ بھاگنے کی اب کوئی جگہ نہیں۔ اب تو اے انسان تیرے رب ہی کی طرف تیرا ٹھکانا ہے، ایک ندا میزان اعمال پر ہوگی، ایک ندا جنتیوں کو جنت میں جانے کے لیے اور دوزخیوں کو جہنم میں داخل ہونے کے لیے، ایک ندا اعراف والوں کی ہوگی کہ اپنی جان پہچان کے کافروں کو ملامت و توبیخ کریں گے۔ ایک ندا اہل جنت کی جہنمیوں کو ہوگی ایک ندا اہل نار کی طرف سے اہل جنت کو ہوگی، جب وہ اہل جنت سے کچھ پانی یا دوسری کوئی نعمت جنت کی نعمتوں میں سے مانگتے ہوں گے اور ایک ندا اخیر میں رب العزت کی طرف سے اہل جنت اور اہل نار کو ہوگی موت کو ذبح کرتے ہوئے کہ اے لوگو! سن لو اب خود موت ہی کو موت دی جا رہی ہے، اس کے بعد بس خلود و دوام ہی ہے لاموت۔ (موت کا اس کے بعد اب کسی کو تصور ہی نہ کرنا چاہئے) غرض ان سب نداؤں کی وجہ سے اس کو یوم التناد کہا گیا۔

تفسیر مظہری جلد ہشتم میں قاضی محمد ثناء اللہ صاحب الحنفی المظہری رحمہ اللہ نے یوم التناد کی تفسیر فرماتے ہوئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی جس میں تین نفخات کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ حق تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے اور فرمائیں گے۔ انفخ، نفخة الفزع کہ اے اسرافیل فزع (گھبراہٹ) کا صور پھونکو تو وہ پھونکیں گے جس پر آسمان و زمین والے سب ہی گھبراہٹ و بدحواسی کے عالم میں مبتلا ہو جائیں گے، بجز ان کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ مستثنیٰ فرما دے یہ وقت وہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل وضع ہو جائیں گے اور بچے ہیبت و گھبراہٹ کی شدت سے بوڑھے ہو جائیں گے، جنات و شیاطین بدحواس ہو کر بھاگنے لگیں گے حتیٰ کہ کناروں تک پہنچ جائیں گے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرز مار کر واپس لوٹائیں گے، اس پر وہ لوٹیں گے تو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوں گے، ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا، اس طرح یہ دن پکار کا دن ہوگا۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم الاعرج رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابو حازم الاعرج خود اپنے آپ کو مخاطب بنا کر فرمایا کرتے۔ اے اعرج! قیامت کے دن جب بعض خطا کاروں کو پکارا جائے گا کہ فلاں فلاں خطا کرنے والو کھڑے ہو جاؤ، تو ان کے ساتھ تو کھڑا ہوگا، پھر جب دوبارہ پکار پڑے گی یا اهل الخطيات تو جب بھی تو انہیں کے ساتھ اٹھے گا بس میں تو یہی خیال کر رہا ہوں کہ اے اعرج تیرا اٹھنا خطا کاروں ہی کے ساتھ ہوگا، خواہ وہ کتنے ہی اقسام و انواع کی خطائیں ہوں۔

ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تخریج فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا، خبردار کھڑے ہو جائیں وہ لوگ جو خدا سے جھگڑنے والے ہیں، اس ندا پر فرقہ قدریہ کھڑا ہوگا

(اور اس گمراہ فرقہ کے علاوہ علی ہذا القیاس جو بھی فرقے اہل بدعت کے ہوں گے خواہ ان کی بدعات عملیہ ہوں یا اعتقادی سب کھڑے ہو جائیں گے) اور اسی روز اہل جنت اہل نار کو پکاریں گے، اور اہل اعراف جہنمیوں کو آواز دیں گے جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی، یہاں تک کہ آخری ندا یہ ہوگی، ہر ایک سعید و شقی کا نام پکارتے ہوئے، یہ ہیں سعادت والے جو کبھی ناکام نہ ہوں گے، اور یہ ہیں اشقیاء و بدبخت کو کبھی کامیاب و کامران نہ ہوں گے، (بیہقی)

انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے روز میزان اعمال پر لایا جائے گا اور درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا، اگر اس کے اعمال حسنہ بھاری اور غالب ہوئے تو فرشتہ اس کی کامیابی کا اعلان کر دے گا اور اگر اس کے اعمال سیئہ بھاری اور غالب ہو گئے تو اس کی بدبختی کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ ایسی ندا ہوگی جس کو تمام مخلوق سنے گی۔

طبرانی نے ابوہریرہ ؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک مناری کو حکم فرمائے گا، جو ندا کرے گا اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم نے ایک نسب بنایا، میں نے تو یہ نسب مقرر کیا تھا کہ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ کہ تم میں سب سے زائد کرامت و عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، مگر اے لوگو، تم نے یہ بات نہیں مانی اور تم باز نہ آئے مگر یہ کہ تم یہی کہو فلاں بن فلاں بہتر ہے فلاں بن فلاں سے یعنی تم خاندانی شرافت اور برتری میں لوگوں کو تولتے رہے۔ بس سمجھ لو کہ آج میں اپنے نسب کو بلند کرتا ہوں اور تمہارے نسب کو گھٹاتا ہوں، (اعلان ہوگا) کہاں ہیں تقویٰ والے، تو اس طرح اس روز اہل تقویٰ کو پکارا جائے گا، اور اسی دن ایک اور ندا دی جائے گی، جس وقت کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ یا اھل الجنۃ خلود لایموت ویا اھل النار خلود لایموت۔ امام بخاری ؒ و مسلم نے ابن عمر ؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم کو چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا (ایک کبش یعنی مینڈھے) کی شکل میں، یہاں تک کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، اس اعلان کے ساتھ کہ اے اہل جنت اب ہمیشہ جنت میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں اور اے اہل نار اب ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں کہ مر کر ہی اس عذاب سے نجات مل جائے تو اس نداء و اعلان پر اہل جنت کی خوشیوں پر مزید خوشی کا اضافہ ہو جائے گا اور اہل نار کے غموں پر اور غم کا اضافہ ہو جائے گا، الغرض اس طرح کی تمام نداؤں کا اجتماع اس دن کو "یوم التناد" بنا دینے والا ہوگا۔

یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ یوم التناد دال کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ عبداللہ بن عباس ؓ اور ضحاک ؒ اس کو دال کی تشدید کے ساتھ یوم التناد پڑھا کرتے تھے تو اس قراءت کی رو سے یہ مصدر مشتق ہوگا، ند، یند سے ہوگا، بمعنی بھاگنا بدکنا، کہا جاتا ہے۔ ندا البعیر۔ جب اونٹ بدک کر بھاگ جائے، اس قراءت کی تائید اس روایت سے ہے جو ابن المبارک ؒ اور ضحاک ؒ نے بیان کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم فرمائے گا تو وہ مع اپنی تمام مخلوق کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ملائکہ اس کے کناروں پر ہوں گے جس وقت پروردگار کا حکم

ہوگا تو وہ اتریں گے اور زمین والوں کا احاطہ کرلیں گے، پھر اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں چھٹے آسمان کو حکم ہوگا ہر ایک کے فرشتے علیحدہ علیحدہ صفیں بنالیں گے، پھر ایک بہت بلندتر فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگی، جب زمین والے جہنم دیکھیں گے تو گھبرا کر بھاگنے لگیں گے تو اس حالت میں زمین کے جس کونہ اور جانب کا رخ کریں گے وہاں فرشتوں کو صف بستہ پائیں گے کہ ان کی سات صفیں مرتب ہیں (اور انہوں نے ہر راستہ گھیر رکھا ہے، بھاگ کر کہاں جائیں گے) تو یہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے، ضحاک رحمہ اللہ فرمایا کرتے۔ یہی مراد ہے اس آیت مبارکہ ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ﴾ کی کہ میں تمہارے بارے میں خوف کر رہا ہوں اس دن کا کہ جب ہر طرف سے لوگ بھاگتے ہونگے اور ان کو کسی رخ سے بھی پناہ نہ ملے گی اور نہ نکلنے کا راستہ ہوگا (تفسیر مظہری جلد ہشتم)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یوم التناد کے ایک اور معنٰی بیان کیے، فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا چنانچہ فرماتے ہیں، یہ ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر اسی طرح عذاب آتا ہے۔ (از فوائد شیخ الاسلام رحمہ اللہ)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ

اور بولا فرعون کے اے ہامان بنا میرے واسطے ایک اونچا محل شاید میں جا پہنچوں راستوں میں، رستوں میں آسمانوں کے

اور بولا فرعون، کہ اے ہامان! بنا میرے واسطے ایک محل، شاید میں پہنچوں رستوں میں۔ رستوں میں آسمان کے،

فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ

پھر جھانک کر دیکھوں موسٰی کے معبود کو ف۱ اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے ف۲ اور اسی طرح بھلے دکھلا دیے فرعون کو اس کے برے کام اور روک دیا گیا

پھر جھانک دیکھوں موسٰی کے معبود کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح بھلے دکھائے تھے فرعون کو اس کے برے کام، اور روکا گیا

السَّبِیْلِ ؕ وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ ع

سیدھی راہ سے ف۳ اور جو داؤ تھا فرعون کا سو تباہ ہونے کے واسطے ف۴ اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم راہ

راہ سے، اور جو داؤ تھا فرعون کا، سو کھپنے کے واسطے۔ اور کہا اس ایمان دار نے، اے قوم! میری راہ

ف۱ یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بے باکی تھی۔ حضرت موسٰی علیہ السلام سے شاید اللہ تعالٰی کی صفت علو وغیرہ کو سن کر یہ قرار دیا ہوگا کہ موسٰی کا خدا آسمان پر رہتا ہے۔ اسی پر یہ استہزاء و تمسخر شروع کر دیا۔ سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں۔ سورۃ "قصص" میں اس مقام کی تقریر گزر چکی۔

ف۲ یعنی دعوائے رسالت میں بھی اور اس دعوے میں بھی کہ سارے جہان کا کوئی اور معبود ہے۔ مجھے تو اپنے سوا دوسرا نظر نہیں آتا۔ کما قال ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ﴾

ف۳ برے کام کرتے کرتے آدمی کی یوں ہی عقل ماری جاتی ہے اور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کے بعد راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہی حال فرعون کا ہوا۔

ف۴ یعنی فرعون کے جس قدر داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے سب بے حقیقت تھے۔ بلکہ وہ اپنی ہی تباہی کے لیے۔ موسٰی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ

چلو میری اور پہنچا دوں تم کو نیکی کی راہ پر ف۱ اے میری قوم یہ جو زندگی ہے دنیا کی سو کچھ برت لینا ہے اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے

چلو، پہنچا دوں گا تم کو نیکی کی راہ پر۔ اے قوم! یہ جو زندگی ہے دنیا کی، سو برت لینا ہے۔ اور وہ گھر جو پچھلا ہے، وہی ہے

دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

جم کر رہنے کا گھر ف۲ جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلہ پائے گا اس کے برابر اور جس نے کی ہے بھلائی مرد ہو یا

ٹھہراؤ کا گھر۔ جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلہ پائے گا اس کے برابر۔ اور جس نے کی ہے بھلائی، مرد ہو یا

اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا

عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ جائیں گے بہشت میں روزی پائیں گے وہاں بے شمار ف۳ اور اے قوم مجھ کو

عورت اور وہ یقین رکھتا ہو، سو وہ لوگ جائیں گے بہشت میں، روزی پائیں گے وہاں بےشمار۔ اے قوم! مجھ کو

لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا

کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف ف۴ تم بلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے اور شریک ٹھہراؤں اس کا

کیا ہوا ہے؟ بلاتا ہوں تم کو بچاؤ کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔ تم بلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہوں اللہ سے، اور شریک ٹھہراؤں اس کا

لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ

اس کو جس کی مجھ کو خبر نہیں ف۵ اور میں بلاتا ہوں تم کو اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف ف۶ آپ ہی ظاہر ہے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو

جس کی مجھ کو خبر نہیں۔ اور میں بلاتا ہوں تم کو اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف۔ آپ ہی ہوا کہ جس کی طرف مجھ کو بلاتے ہو،

ف۱ چونکہ فرعون نے کہا تھا وما اھدیکم الا سبیل الرشاد اس کے جواب میں مردمومن نے کہا کہ سبیل الرشاد (بھلائی اور بہتری کا راستہ وہ نہیں جو فرعون تجویز کرتا ہے بلکہ تم میرے پیچھے چلے آؤ تاکہ بہتری کے راستہ پر چلنا نصیب ہو

ف۲ یعنی فانی وزائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہ بھولو۔ دنیا کی زندگی بہرحال بھلی بری طرح ختم ہونے والی ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جس کا کبھی خاتمہ نہیں۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ف۳ یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سی تفصیل بتلا دی کہ وہ کس طرح درست ہوسکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال ومتاع کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ موقع ہاتھ سے نہ دے۔

ف۴ یعنی میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں۔ اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو۔ ایک طرف سے ایسی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیرخواہی۔

ف۵ یعنی تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کردوں۔ اس کے پیغمبروں کو اور ان کی باتوں کو نہ مانوں اور ناداں جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا ماننے لگوں جن کی الوہیت کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں۔ نہ مجھے خبر ہے کہ کیونکر ان چیزوں کو خدا بنالیا گیا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ اس کے خلاف پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔

ف۶ یعنی میرا منشا یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ خطاؤں کا معاف کرنے والا =

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ

اس کا بلاوا کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں ف۱ اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے وہی ہیں

اس کا بلاوا کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں، اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس، اور یہ کہ زیادتی والے وہی ہیں

اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ

دوزخ کے لوگ ف۲ سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تم کو ف۳ اور میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو بیشک اللہ کی نگاہ میں ہیں

دوزخ کے لوگ۔ سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تم کو۔ اور میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو۔ بے شک اللہ کی نگاہ میں ہیں

بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

سب بندے ف۴ پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤ سے جو کرتے تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب ف۵

سب بندے۔ پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو کرتے تھے، اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب۔

بے شرمی و بیبا کی فرعون واعلان ارشاد ونصیحت مرد مومن بعد تکذیب وتردید ومقابلہ بارسول خدا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا ... الی ... سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾

ربط:...... مرد مومن کی نصیحتوں کا سلسلہ چل رہا تھا، اس مرد مومن کے ناصحانہ خطاب میں ایسے حقائق ودلائل اور تاریخی شواہد تھے۔ اور ایسے ٹھوس اصول پر یہ خطاب مشتمل تھا کہ کسی بھی صاحب عقل انسان کو ان کے قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا،

= بھی (مجرم کو پکڑے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور معاف کرے تو کوئی روک نہ سکے وہی اس کا مستحق ہے کہ آدمی اس کے آگے ڈر کر اور امید باندھ کر سر عبودیت جھکائے۔ یاد رکھو میں اسی خدا کی پناہ میں آچکا ہوں جس کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔)

ف۱ یعنی ماسوا خدا کے کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا یا آخرت میں ادنیٰ ترین نفع وضرر کی مالک ہو۔ پھر اس کی بندگی اور غلامی کا بلاوا دینا جہل وحماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ آخر ایسی عاجز اور بے بس چیزوں کی طرف آدمی کیا سمجھ کر دعوت دے اور تماشا یہ ہے کہ ان میں بہت چیزیں وہ ہیں جو خود بھی اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں۔ بلکہ دعوت دینے کی قدرت بھی نہیں رکھتیں۔

ف۲ یعنی انجام کار ہر پھر کر اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ بتلاؤ! اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق کا درجہ دے دیا جائے۔

ف۳ یعنی آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے، اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا وہ ٹھیک کہتا تھا لیکن اس وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ف۴ یعنی میں خدا کی حجت تمام کر چکا اور نصیحت کی بات سمجھا چکا۔ تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں۔ اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ تم اگر مجھے ستانا چاہو گے تو وہی خدا میرا حامی وناصر ہے۔ سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں۔ وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے۔ کسی کی کوئی حرکت اس پر پوشیدہ نہیں ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔

ف۵ یعنی حق وباطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور ان کے ہمراہیوں کو جن میں یہ مومن من آل فرعون بھی تھا) فرعونیوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا کوئی داؤ ان کا چلنے نہ دیا۔ بلکہ ان کے داؤ پیچ خود ان ہی پہ الٹ پڑے۔ جس نے حق پرستوں کا تعاقب کیا مارا گیا اور قوم کی قوم کا بیڑا بحر قلزم میں غرق ہوا۔

فرعون ان دلائل کی قوت اوران کی تاثیر کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا، درمیان میں کچھ بے دلیل بات بھی کی لیکن وہ اس قدر مہمل بات تھی کہ مردمومن کے معقول خطاب کے سامنے اس کا بولنا ہی اپنی حماقت کا ثبوت دینا تھا، ان حالات کے پیش نظر اب فرعون نے اپنی فرعونیت کا اعلان مظاہرہ کرتے ہوئے بے شرمی اور حماقت کا ایک اور رخ اختیار کیا، جس میں وہ اپنی رعونت بھی ظاہر کرنا چاہتا تھا تا کہ اگر مردمومن کو خاموش کرنے کے لیے دلیل نہیں پیش کرسکتا تو زور اور دباؤ کا ہی مظاہرہ کر کے دیکھ لوں تو اب ان آیات میں فرعون کی مغرورانہ دھونس کا ذکر کرنے کے بعد مردمومن کے ناصحانہ خطاب کا دوسرا حصہ بیان فرمایا، ارشاد فرمایا گیا::

اور کہا فرعون نے اے ہامان! میرے واسطے بناؤ ایک بلند ترین عمارت تا کہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں۔ شاید میں رسائی حاصل کرلوں ایسے راستوں کی جو راستے آسمانوں تک پہنچانے کے ہوں پھر وہاں پہنچ کر میں جھانکوں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کی جانب۔ اور جھانک کر دیکھ لوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا خدا کیسا ہے اور میں تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے اس دعوے میں کہ میرے علاوہ کوئی اور خدا ہے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ● بہر کیف یہ بے ہودہ بات تھی جو اس نے کہی اور اسی طرح رچادی گئی تھی فرعون کے لیے اس کے عمل کی برائی منجملہ دیگر برائیوں کہ جیسے یہ بات اس کے ذہن میں رچی اور اس کو بھلی معلوم ہوئی حالانکہ یہ نہایت ہی حماقت اور جہالت کی بات تھی، اس بات کو کہہ کر تو اس نے یہ ثابت کر دیا کہ نہ اس کو آسمان کی بلندی کا علم ہے اور نہ اس کو اس بات کا اندازہ ہے کہ کوئی عمارت کتنی بلند بنائی جاسکتی ہے اور خواہ وہ کتنی بھی بلند بنالی جائے لیکن اس پر چڑھ کر آسمانوں کے اوپر کے احوال کا اس کو کیسے مشاہدہ ہوسکتا ہے اور وہ روک دیا گیا ہر سیدھے عقل اور ہدایت کے راستہ سے۔ اس لیے اب اس کے بعد کوئی توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ عقل اور ہدایت کا کوئی راستہ پالے، اور یہ سب کچھ تدبیریں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کرتا رہا۔ مگر فرعون کی ہر تدبیر غارت ہو گئی۔ اور نتیجہ سوائے ہلاکت وذلت کے اور کچھ نہ ہوسکا۔

مردمومن نے فرعون کی ایسی احمقانہ اور سراپا جہالت کی بات سن کر دوبارہ انداز نصیحت اختیار کرتے ہوئے حسب سابق رشد وہدایت کا پیغام دینا شروع کر دیا اور کہا اس مردمومن نے جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور اس ناصحانہ خطاب میں اپنا ایمان ظاہر بھی کر چکا تھا۔ اے میری قوم تم میری بات مانو۔ میں تمہیں دکھا رہا ہوں ہدایت وکامیابی کا راستہ جس پر میں واضح دلائل پیش کر رہا ہوں اور یہ ایسے حقائق ہیں جن کو ہر شخص جو فطرت سلیمہ اور عقل صحیح رکھتا ہو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ برخلاف فرعون کے اس دعوے کے کہ جو وہ کرنے لگا تھا ﴿مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ وہ محض اپنی بات کی پچ اور تعلّی ہے اور ایک مہمل دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، فرعون محض دنیا کی دولت اور سلطنت کی وجہ سے غرور میں پڑا ہوا تھا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اپنی مہمل اور احمقانہ بات کو یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں سیدھا راستہ ہی بتا رہا ہوں، اس

● ان کلمات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نمرود کی طرح ایسی بلند عمارت بنانے کا حکم دیا اور وہ بنائی گئی بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ بنائی نہیں گئی، بہر کیف جو کچھ بھی ہوا س ملعون کی یہ بات یا استہزاء وتمسخر سے تھی یا وہ اس قدر پاگل وبدحواس ہو گیا تھا کہ ایسی احمقانہ باتیں سوچنے لگا، بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی بھی بلند تعمیر بنالے مگر آسمان تک نہیں پہنچ سکتا پھر بھی محض لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لیے یہ حرکت کی، قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ بلند عمارت تعمیر کرائی گئی لیکن بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہوگئی۔

لیے اے میری قوم تم خوب سمجھ لو یہ دنیا کی زندگی اور سلطنت و دولت تو صرف چند روزہ نفع اٹھالینے کا نہایت ● ہی قلیل اور حقیر سامان ہے اور یقیناً آخرت ہی دار القرار مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ وہاں کا قیام دائمی ہوگا، وہاں کی راحت و نعمت بھی دائمی ہے اور عذاب بھی دائمی ہے، یہ بہت ہی بڑی چوک اور حماقت کی بات ہوگی، کہ انسان عارضی متاع دنیا سے اس قدر دھوکہ اور فریب میں پڑ جائے کہ اصل دائمی ٹھکانہ بھلادے اور اس کی راحت و آرام اور وہاں کی اذیت و آلام کی کوئی فکر ہی نہ کرے حالانکہ یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ جو شخص کوئی برائی کرے تو اس کا بدلہ بس اسی کے برابر دیا جائے گا یہ نہیں کہ اس پر کچھ اضافہ ہو اور جو شخص نیکی کا کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہے تو ایسے لوگ تو جنت میں داخل ہوں گے جن کو رزق اور ہر طرح سامان راحت عطا کیا جائے گا بغیر کسی حساب کے کہ وہ جزاء عمل کی حد تک محدود و مقدر نہ ہوگا بلکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے محض ثواب و انعام ہوگا جس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ انتہاء اور نہ اس کے لیے فنا ہوگی، اور نہ انقطاع بلکہ دوام و تسلسل کے ان انعامات کا سلسلہ اہل ایمان و عمل صالح کے لیے جاری رہے گا اور دیکھنا چاہئے کہ پروردگار عالم کی یہ کس قدر عظیم عنایت و رحمت ہے کہ برائی کا بدلہ اور سزا تو صرف برائی کی حد تک محدود رہتی ہے لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کا بدلہ اعمال کے بقدر نہیں ہوتا بلکہ کم از کم دس سے لے کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی زائد جس کے لیے بھی وہ چاہے، تو ایسی صورت میں تم میں سے ہر ایک کو یہی چاہئے کہ دنیا کی حقیر اور قلیل منفعت کو آخرت کے بے پایاں انعامات پر ترجیح نہ دے اور ایسے حقیر اور قلیل متاع دنیا کے دھوکہ میں مبتلا ہو کر اس دار القرار کی ابدی تکالیف و آلام میں اپنے آپ کو نہ ڈال لے عاقل کا کام تو یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے دار القرار کی تیاری کرے۔ اور میری قوم مجھے کیا ہوا میں یہ عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو دعوت دے رہا ہوں نجات کے راستہ کی طرف اور تم مجھ کو بلا رہے ہو دوزخ کی آگ کی جانب تم تو مجھ کو اس بات کی دعوت دے رہے ہو العیاذ باللہ کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیز شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم اور میرے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اور میں تم کو بلا رہا ہوں اس عزت والے خطا بخش پروردگار کی طرف کہ جس کی قوت و عزت کے باعث کوئی اس کی رحمت کو روک نہیں سکتا اور باوجودیکہ اس کی عزت و عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا وہ غفار و خطا بخش ہے یقیناً جس چیز کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو اس کے واسطے نہ تو دنیا ہی میں کوئی پکار ہے کہ کوئی اس کو دنیا میں اپنی کسی حاجت کے لیے پکار لے کیونکہ وہ اس لائق ہی نہیں اور نہ ہی آخرت میں کسی عذاب اور پریشانی کے دفع کرنے کے لیے اس کے واسطے کوئی پکار ہے اور بے شک ہم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور بے شک زیادتی کرنے والے اور عبودیت و بندگی کی حدود سے نکل جانے والے وہاں جا کر بس وہ سب کے سب جہنمی ہی ہوں گے اور اس وقت اگرچہ میری یہ نصیحت اور بات تمہارے دل کو نہیں لگتی مگر تم عنقریب یاد کرو گے، یہی بات جو میں تم کو کہہ رہا ہوں اور جواب میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ میں اپنی حجت پوری کر چکا اور جو کچھ نصیحت و ہمدردی سمجھانا تھی وہ سمجھا چکا، اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر لینے کے بعد بس میں اپنا معاملہ اسی کے حوالہ کرتا ہوں، جس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں، نہ میرا اخلاص اور یہ جذبہ اور تم کو راہ راست پر لانے کی امکانی جدوجہد اور نہ تمہارا اعراض و بے رخی، اس لیے وہ

● اشارہ ہے کہ متاع پر تنوین تقلیل اور تحقیر دونوں معنی پر دلالت کے لیے ہے، حافظ ابن کثیر ؒ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح مراد بیان فرمائی ہے۔ ۱۲

میرا پروردگار ہر ایک کو اس کے کردار کا بدلہ دے گا، حق و باطل کی یہ کشمکش جاری رہی، فرعون اور فرعون کے متبعین ہر طرح کی تدبیر کرتے رہے اور اس مرد کے خلاف سوچتے رہے لیکن اللہ نے بچالیا اس مردمؤمن کو ان کی سازشوں وتدابیر کی تمام برائیوں سے ● اور اس مردمومن کو کسی بھی سازش سے نقصان نہ پہنچا سکے، اور اس کے برعکس الٹا چٹ پڑا فرعونیوں پر بہت ہی برا عذاب۔

مردمومن کا دوسرا ناصحانہ خطاب-دنیا کی بے ثباتی اور جزاء اعمال کا معیار

مردمومن نے اپنے ناصحانہ خطاب کے دوسرے حصہ میں پہلے حصہ سے بڑھ کر اہم اور عظیم نکات کی طرف اشارہ کیا اور نہایت واضح انداز میں ہدایت وگمراہی پر مرتب ہونے والے آثار اور ثمرات کا ذکر کردیا ساتھ ہی تنبیہ اور وعید بھی بلیغ انداز میں کردی، سب سے پہلے تو حیات دنیا اور عقبیٰ کا فرق واضح کرتے ہوئے یہ بتایا کہ دنیا کی ہر نعمت اور ہر عزت عارضی اور ناپائیدار بلکہ محض دھوکہ وفریب ہے، اور دار آخرت ہی حقیقتاً قرار و پائیداری کی جگہ ہے وہاں کی راحتیں اور نعمتیں ہی پائیدار اور ابدی ہیں اور اگر عذاب وتکلیف ہو تو وہ بھی دائمی ہے اس وجہ سے عقل کا تقاضا ہے کہ انسان دائمی اور پائیدار چیز کی فکر کرے، عارضی کو دائمی اور ابدی پر فوقیت دینا سراسر غلطی ہے، دوسری چیز اس مردمومن نے یہ کہی کہ انسان کو کسی مرحلہ پر بھی یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ہر عمل کا بدلہ اور نتیجہ مرتب ہوکر رہتا ہے، ایمان وعمل صالح کے ثمرات جنت اور جنت کے بے پایاں انعامات ہیں اور یہ نعمتیں حقیقت تو یہ ہے یہ انسانوں کے اعمال کا معاوضہ نہیں قرار دی جاسکتیں کیونکہ یہ عمل کے مقام سے بہت بلند وبالا اور زائد ہوتی ہیں اس لیے کہ بے حساب ہوتی ہیں اور عمل تو ظاہر ہے کہ دائرہ حساب میں ہی رہتا ہے اور محدود انداز ومقدار پر ہوتا ہے، محدود عمل پر غیر محدود اور بے حساب انعامات ونعمتیں کس قدر عظیم مہربانی ہے، اس سے بے نیاز ہوجانا کسی طرح بھی عقلاً درست نہیں ہوسکتا، تیسری بات یہ کہی کہ یہ کس قدر ظلم ہے کہ میں تم کو نجات کے راستہ کی طرف دعوت دوں اور تم نہ صرف یہ کہ اس سے انحراف وروگردانی کرو بلکہ الٹا مجھ ہی کو کفر وشرک کی دعوت دے کر ہلاکت میں ڈالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہو تم مجھ کو ایسے بے بس ولاچار معبودوں کی طرف بلاتے ہو جو نہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں کام آسکتے ہیں اور اس کے برعکس میں اس عزت وغلبہ والے رب کی طرف بلا رہا ہوں کہ نہ کوئی اس کے انعام وبخشش کو روک سکتا ہے اور نہ اس کے انتقام وسزا سے بچانے کی کسی میں جرأت ہے، چوتھی بات یہ کہی کہ سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، اس وجہ سے اب ہر ایک کو سوچ سمجھ کر اپنا طرز زندگی بنالینا چاہئے اور اس سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ جب خدا کے یہاں جانا ہوگا، انسان اپنے اس باغیانہ طرز عمل کا کیا جواب دے گا، بس سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی سرکشی اور زیادتی کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

اخیر میں یہ بھی کہہ ڈالا۔ دیکھو اب اگرچہ تم میری باتوں کو نظر انداز کرلو یا میری نصیحتوں پر ہنس لو اور مذاق اڑالو مگر یاد رکھو عنقریب ایک وقت آئے گا کہ تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے اور پچھتاؤ گے لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ کام نہ چلے گا، اپنے خطاب کے اخیر میں ﴿وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ﴾ کہہ کر اس مردمومن نے ہر مخلص وناصح اور داعی الی اللہ کو یہ سبق سکھایا

● بعض مفسرین نے فرعونیوں کی مختلف سازشوں کا ذکر کیا ہے، بہرکیف جو بھی وہ کرسکتے ہوں انہوں نے یقیناً اس میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہوگا مگر اللہ نے ہر چیز سے محفوظ رکھا۔ ۱۲

کہ اگر سرکش و مغرور لوگ اس کے پیغام رشد و ہدایت کو نہ سنیں اور نہ مانیں تو اسے اپنی بے بسی اور بے چارگی معاملہ اللہ کے حوالہ کردینا چاہئے وہی غیب سے اس کی مدد کرے گا اس کی کمزوری اور بے سروسامانی کو قوت و عزت اور غلبہ سے بدل دے گا اور ایسے سرکشوں کو ذلیل و ناکام بنائے گا وہی قادر مطلق اور ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ہے۔

﴿وَأَنَّ مَرَدَّنَا﴾ کا لفظ بول کر یہ ظاہر کردیا کہ اصل میں ہم سب خدا کی مخلوق ہیں۔ اسی نے ہم کو پیدا کیا اور یہ زندگی عارضی زندگی اور دنیا کا قیام وقتی قیام ہے۔ اصل مقام اور ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے، چنانچہ اسی کی طرف لوٹنا ہے، تو ان الفاظ میں فرعونیت کی دہریت کا بھی پورا پورا رد کردیا۔

اس طرح مرد مومن کے خطاب کا یہ دوسرا حصہ پہلے حصے سے زائد بلیغ و مؤثر تھا اور فرعون کے باطل تخیلات کا پوری قوت اور دلائل کی شوکت کے ساتھ رد تھا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام ف۱ اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو

آگ ہے کہ دکھا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام۔ اور جس دن اٹھے گی قیامت داخل کرو فرعون والوں کو

اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا

سخت سے سخت عذاب میں اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے

سخت سے سخت عذاب میں۔ اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ میں پھر کہیں گے کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے

كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

تمہارے تابع پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھا لو گے حصہ آگ کا ف۲ کہیں گے جو غرور کرتے تھے

تمہارے پیچھے پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھا لو گے حصہ آگ کا؟ کہیں گے جو غرور کرتے تھے

ف۱ یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کیے جائیں گے۔ ہر صبح و شام ان کو دکھلا دیا جاتا ہے تاکہ نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا اور احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔

(تنبیہ) آیت ہذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہوتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں "طیور خضر" کے "حواصل" میں داخل ہوکر جنت کی سیر کرتی ہیں، اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو "طیور سود" کے "حواصل" میں داخل کرکے ہر صبح شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہے تو فرعونیوں کے متعلق ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث "عرض علیه مقعده بالغداة والعشی" کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بناء پر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۲ یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے۔ اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینی چاہیے۔ دیکھتے نہیں ہم آج کس قدر مصیبت میں ہیں کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مصیبت کا کوئی جزو ہم سے ہلکا کردو۔

إِنَّا كُلٌّ فِيهَا ۙ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ

ہم بھی پڑے ہوئے ہیں اس میں بے شک اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں ف۱ اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں دوزخ کے داروغوں کو

ہم بھی پڑے ہیں اس میں، اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں۔ اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں دوزخ کے داروغوں کو،

ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم

مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کردے ایک دن تھوڑا عذاب ف۲ وہ بولے کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول

مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کرے ایک دن تھوڑا عذاب۔ وہ بولے کیا نہ آتے تھے تم پاس تمہارے رسول،

بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۚ قَالُوا فَادْعُوا ۗ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٥٠﴾

کھلی نشانیاں لے کر کہیں گے کیوں نہیں بولے پھر پکارو اور کچھ نہیں کافروں کا پکارنا مگر بھٹکنا ف۳

کھلے نشان لے کر؟ کہیں گے کیوں نہیں! بولے! پھر پکارو۔ اور کچھ نہیں پکارنا کافروں کا، مگر بہکنا۔

بعد از ذکر عذاب دنیوی و بیان عذاب برزخ و آخرت ذلت و خواری فرعونیاں

قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ: ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا ... الى ... إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں آل فرعون کے مرد مومن کا ناصحانہ خطاب کا بیان تھا کہ اس نے کیسے موثر و بلیغ اور مدلل انداز سے فرعون اور فرعونیوں کو اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو حق کی دعوت دی اور اللہ رب العزت کی الوہیت و وحدانیت کے دلائل قائم کرتے ہوئے ایمان لانے پر آمادہ کرنا چاہا اور اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا، اب ان آیات میں جو عذاب خداوندی ان پر دنیا میں آیا اور جو برزخ اور آخرت میں ہوگا اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، فرمایا ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا﴾ الخ دوزخ کی آگ پر ان فرعونیوں کو پیش کیا جاتا رہے گا، صبح و شام۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو کہا جائے گا فرشتوں سے داخل کر دو فرعونیوں کو سخت عذاب میں جو عالم برزخ کے عذاب سے بہت زائد سخت اور ہولناک ہوگا کیونکہ برزخ میں تو آگ کا صرف معائنہ اور قرب ہی ہوتا تھا، علاوہ ازیں برزخی آگ سے یقیناً جہنم کی آگ زائد شدید ہوگی تو برزخ کے عذاب سے جہنم کا عذاب نہایت سخت ہوگا اور

ف۱ یعنی جو دنیا میں بڑے بنتے تھے جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے جرم کے موافق سزا کا فیصلہ سنا دیا ہے جو بالکل قطعی اور اٹل ہے۔ اب موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ ہم اپنی ہی مصیبت کو ہلکا نہیں کر سکتے، پھر تمہارے کیا کام آ سکتے ہیں۔

ف۲ یعنی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہو کر ان فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مسلط ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے کہہ کر کوئی دن تعطیل کا کرا دو جس میں ہم پر سے عذاب کچھ ہلکا ہو جایا کرے۔

ف۳ یعنی اس وقت ان کی بات نہ مانی اور انجام کی فکر نہ کی جو کچھ کام چلتا۔ اب موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ کوئی سعی سفارش یا خوشامد درآمد کام نہیں دے سکتی۔ پڑے چیختے چلاتے رہو۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں، نہ تمہاری چیخ و پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "دوزخ کے فرشتے کہیں گے سفارش کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں۔ سفارش کا کام رسولوں کا، رسولوں سے تم برخلاف ہی تھے۔"

(تنبیہ) آیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کافروں کی دعا کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر اللہ تعالیٰ کوئی چیز دے دیں۔ وہ دوسری بات ہے جیسے ابلیس کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔

اس سے بڑھ کر ایک مزید عذاب وکلفت کی چیز ہوگی جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو نیچے درجے کے لوگ ان لوگوں سے کہتے ہوں گے جو بڑے تھے۔ اور ان کے مقتداء و پیشوا بنے ہوئے تھے ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہارے ہی ورغلانے سے ہم نے کفر کیا تھا تو کیا اس وقت تم ہم سے عذاب نار کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو، وہ بڑے کہیں گے ہم سب ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں جب کہ ہم بھی تمہاری طرح اسی عذاب میں مبتلا ہیں۔ اللہ تو بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا، اور اس صورت حال میں کہ تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہو چکے ہوں گے، اور متبوعین بھی اپنے کو بے بس پا رہے ہوں گے تو یہ سب جو جہنم میں ہوں گے جہنم کے نگران فرشتوں سے کہیں گے پکارو اپنے پروردگار کو کہ وہ ہم سے عذاب میں سے کسی ایک دن ہی کی کر دے تو ہم ایک دن کے عذاب کی تخفیف کو غنیمت سمجھیں گے کہ چلو ذرا ایک دن ہی کچھ سکون کا سانس لینا نصیب ہو جائے، یہ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل ومعجزات لے کر نہیں آئے تھے جس سے تم بخوبی حق وہدایت سمجھ سکتے تھے۔ کہیں گے بے شک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے لیکن یہ ہماری بدنصیبی کہ ہم نے ان کی بات نہ مانی (جیسے کہ ارشاد ہے ﴿بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا﴾) اس پر فرشتے بولیں گے پھر اب ہم کچھ نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے واسطے کوئی دعا والتجا ہو سکتی ہے اور کافروں کی دعا بس بے اثر ہی ہو کر رہے گی اس لیے کہ اس دعاء[1] کا اثر اور اس کی قبولیت تو ایمان اور اطاعت پر موقوف ہے۔

عالم برزخ اور وہاں کا عذاب

عالم برزخ اور وہاں کا ثواب وعذاب اور راحت وتکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب وعقاب پر ایمان ضروری ہے، اسی طرح برزخ کے ثواب وعقاب پر بھی ایمان ویقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں "برزخ" دنیا اور آخرت کے درمیانی عالم کا نام ہے جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھالے، غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے، اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کیے جاتے ہیں، اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ میں موجود ہے، اسی لیے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔

اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے، بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دنیا اس جہاں برزخ کے سامنے

[1] اس دعا کی قید اس وجہ سے ظاہر کی گئی کہ یہ دعا۔ نجات یا تخفیف عذاب کی ہوگی اور قرآن کریم نے اللہ رب العزت کا فیصلہ واضح کر دیا کہ ﴿وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ رہا دنیا کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ کافر کی بعض دعائیں اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کے لحاظ سے پوری فرمادے جیسے کہ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کی حاجتیں پوری فرماتا ہے تو اسی درجہ میں دنیا میں کافر کی دعا جو اس کی حوائج بشریہ سے متعلق ہو پوری ہو سکتی ہے لیکن یہاں کی دعا محض آخرت کے عذاب کی تخفیف یا نجات کی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ کیونکر پوری ہو سکتی تھی تو بے اثر اور ضیاع کا تعلق امر آخرت میں ہوا، تو اس وجہ سے لفظ ''اس'' کا اضافہ کیا گیا۔ ۱۲

ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام عالم کے سامنے جس طرح حالت نوم، موت وحیات کے درمیان ایک حالت ہے، ایسے ہی اس عالم برزخ کو دنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے، انسان کے مرجانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ گو تعلق باقی رہتا ہے، اور محل دفن سے بھی علاقہ رہتا ہے، قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں ان ادراکات کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور ان کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے، بہرکیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے تو اس کو اپنے ایمان وکفر اور طاعت ومعصیت کی صورتیں عالم مثال میں نظر آتی ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں فرماتے ہیں دنیا میں جو چیزیں معانی اور اوصاف ہیں عالم آخرت یا عالم برزخ میں وہ حقائق موجودہ کی شکل میں موجود نظر آئیں گی۔ اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ مومن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال وجواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مومن دریافت کرتا ہے، من انت الخ کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آرہی ہے تو جواب یہ ہوگا۔ انا عملك الصالح کہ میں تیرا نیک عمل ہوں اس کے برعکس کافر اور فاسق وفاجر کے سامنے ڈراونی ہیبت ناک شکل آئے گی، اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شر ٹپک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دے گی۔ انا عملك الخبيث۔ میں تیرا خبیث عمل ہوں، الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے، جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

حضرات عارفین کا قول ہے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے اولاً روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک قسم کی حیات دینے کے بعد سوال کیا جاتا ہے متکلمین کی رائے ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح کا تعلق من وجہ اپنے جسد سے باقی رہتا ہے، عالم برزخ میں روح کو جسم سے مفارقت کلی حاصل نہیں ہوتی، البتہ قیامت کے روز یہ تعلق جسم کے ساتھ کامل ہو جائے گا، اور اس وجہ سے روح اور جسم دونوں کے آثار کلی طور پر ظاہر ونمایاں ہونگے انسان جسم اور روح سے مرکب ہے جیسا کہ ظاہر ہے دنیا میں تو جسم کے احکام ظاہر اور غالب ہوتے ہیں اور روح کے مغلوب ومستور، عالم برزخ میں روح کے احکام غالب وظاہر ہوں گے اور جسم کے مغلوب ومستور رہتے ہیں بلکہ جسم کی ظاہری ہیئت ہی ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس دنیا میں روح کے احکام مستور ہوتے ہیں جس طرح کہ خود روح جسم میں مستور ہوتی ہے اور حشر کے دن جسم اور روح دونوں کے احکام اور آثار برابر یکساں کر دیئے جائیں گے ان میں سے کوئی مغلوب ومستور نہ ہوگا بلکہ دونوں نمایاں اور برابر ہوں گے۔

شیخ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ "نہایۃ الاقوام" میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کے سوال وجواب کے لیے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے بعض اجزاء بدن سے تعلق کافی ہے، کیونکہ زندگی میں بھی ادراک وشعور اور فہم مطلق جسم

کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین کا سوال وجواب دراصل انہی اجزاء مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر ونشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

(نہایۃ الاقوام للامام الشہرستانی رحمہ اللہ۔ بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ)

بہرکیف یہ آیات ﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا﴾۔ برزخ میں عذاب قبر ثابت کر رہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ کی تصریح اس پر دلالت کر رہی ہے اور حبیب نجار رحمہ اللہ کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا تو ان کے متعلق ہے ﴿قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۚ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ﴾ کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہوگیا کہ جنت میں داخل ہو جائے تا کہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا، اس سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب کی طرح ثواب قبر بھی جو مومنین ومطیعین کے لیے ہوگا، اسی طرح آیت واقعہ ﴿فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ﴾ اور یہ سلسلہ انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں ﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ۝ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ﴾ مہمانی کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا آنحضرت ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں

فرعونیوں کے حق میں یہ آیات ﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ سورۂ مومن کی آیات ہیں جو باتفاق ائمہ مفسرین مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورت ہے تو ان آیات میں عذاب قبر کا ذکر یہ بتلاتا ہے کہ قبل ہجرت مکہ ہی میں عذاب قبر کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا کرتیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی مدد فرمایا کرتیں تو جب بھی اس کے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہودیہ یہ دعا دیتی کہ "وقاك الله عذاب القبر"۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ یہودیہ جھوٹ بولتی ہے، اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹ باندھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ ﷺ کچھ دن گزرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے، اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ ﷺ با آواز بلند فرما رہے تھے، القبر كقطع الليل المظلم کہ قبر تو رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے، اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو، اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے، کیونکہ عذاب قبر حق ہے، اس حدیث کو اگرچہ بخاری ومسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے، اسی طرح ایک اور حدیث کا مضمون بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ آیت وروایت میں تطبیق کے لیے یا تو یہ جواب دیا

جائے کہ آیت قرآنیہ سے ارواح کفار کا عالم برزخ میں صبح وشام جہنم کی آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اذیت وکلفت کا ان کے اجسام کے ساتھ قبور میں بھی اتصال وتعلق ہوگا تو قرآن کریم سے تو صرف اتنا ہی علم ہوا تھا کہ ارواح جہنم پر پیش کی جائیں گی، رہا اس اذیت وعذاب کا جسم تک پہنچنا یہ صرف احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا۔ تو گویا عذاب ارواح کی وحی سے معلوم ہوا اور عذاب اجساد کا علم مدینہ منورہ میں ہوا، یا تطبیق کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آیت سے برزخ میں کافروں کے عذاب کا علم ہوا۔ یہ مضمون اس کی دلیل نہ تھا کہ مومن پر بھی قبر میں عذاب ہوسکتا ہے، پھر مدینہ منورہ میں اس یہودیہ کے قصہ کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ مومن کی بھی قبر میں آزمائش ہوگی اور اس کے واسطے بھی اس کی معصیتوں پر عذاب قبر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انکم تفتنون فی القبور قریبا من فتنة الدجال۔

چنانچہ امام بخاری ومسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان احدكم اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشي ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة۔ وان كان من اهل النار فمن اهل النار، فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله عز وجل الى يوم القيمة۔ (صحيح بخاري۔ صحيح مسلم)

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ، اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھالے۔

تطبیق کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ عذاب برزخ جو کہ آیات میں ہے وہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، اور یہ تصریح نہ تھی کہ مومن کے لیے بھی قبر میں عذاب وآزمائش ہے تاآنکہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعہ اس کی بھی تصریح کردی گئی۔ واللہ اعلم الصواب۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا

ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں ف ۱ اور جب کھڑے ہوں گے گواہ ف ۲ جس دن کام نہ

ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کے جیتے، اور جب کھڑے ہوں گے گواہ۔ جس دن کام نہ

ف ۱ یعنی دنیا میں ان کا بول بالا کرتا ہے۔ جس مقصد کے لیے وہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی مدد سے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ درمیان میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ ہوں اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں مگر آخر کار مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ علمی حیثیت سے حجت وبرہان میں تو وہ ہمیشہ ہی منصور رہتے ہیں۔ لیکن مادی فتح اور ظاہری عزت ورفعت بھی آخر کار ان ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے۔ ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین قانتین کے مقابلہ میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے اولیاء کا انتقام لیے بدون نہیں چھوڑتا۔ لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لیے وعدہ کیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ حقیقی مومن اور رسولوں کے متبع ہوں۔ کما =

يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

آئیں منکروں کو ان کے بہانے اور ان کو پھٹکار ہے اور ان کے واسطے برا گھر ف۱ اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی

آویں منکروں کو ان کے بہانے، اور ان کو پھٹکار ہے اور ان کو برا گھر۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی

الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ

سوجھ اور وارث کیا بنی اسرائیل کو کتاب کا سجھانے اور سمجھانے والی عقل مندوں کو ف۲ سو تو ٹھہرا رہ

سوجھ، اور وارث کیا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ سوجھاتی اور سمجھاتی عقل مندوں کو۔ سو تو ٹھہرا رہ

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ

بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو ف۳ جو

بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا اپنا گناہ، اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو۔ اور

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ

لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو اور کوئی بات نہیں ان کے دلوں میں غرور ہے کہ کبھی

جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں، بغیر کچھ سند کے جو پہنچی ہو ان کو کچھ نہیں ان کے جی میں غرور ہے، کہ کبھی

بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نہ پہنچیں گے اس تک ف۴ سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے ف۵ البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا

نہ پہنچیں گے اس تک۔ سو تو پناہ مانگ اللہ کی، بے شک وہ ہے سنتا دیکھتا۔ البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا،

= قال تعالیٰ ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ مومنین کی خصلتیں قرآن میں جابجا مذکور ہیں چاہیے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں۔

ف۲ یعنی میدان حشر میں جبکہ اولین و آخرین جمع ہوں گے حق تعالیٰ اپنے فضل سے علیٰ رؤس الاشہاد ان کی سربلندی اور عزت و رفعت کو ظاہر فرمائے گا۔ دنیا میں تو کچھ شبہ بھی رہ سکتا ہے اور التباس ہو جاتا ہے وہاں ذرا بھی ابہام و التباس باقی نہ رہے گا۔

ف۱ یعنی ان کی کوئی مدد اور دستگیری نہ ہوگی۔ یہ مقبولین کے بالمقابل مطرودین کا انجام بیان فرمادیا۔

ف۲ یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون اور اس کی قوم کو یاد جو داس قدر طاقت و جبروت کے حق کی دشمنی نے کس طرح ہلاک و برباد کر کے چھوڑا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی برکت و رہنمائی سے بنی اسرائیل کی مظلوم اور کمزور قوم کو کس طرح ابھارا اور اس عظیم الشان کتاب (تورات) کا وارث بنایا۔ جو دنیا کے عقلمندوں کے لیے شمع ہدایت کا کام دیتی تھی۔

ف۳ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تسلی رکھیے، جو وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس دارین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو سربلند رکھے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کے شدائد و مصائب پر صبر کریں۔ اور جس سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں اور ہمیشہ رات دن صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کا قولاً و فعلاً ورد رکھیں۔ ظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ساری امت کو سنایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو سو بار استغفار کرتے۔ ہر بندے کی تقصیر اس کے درجہ کے موافق ہے اسی لیے ہر کسی کو استغفار کرنا ضروری ہے۔

ف۴ یعنی جو لوگ اللہ کی دلائل توحید اور کتب سماویہ اور اس کے پیغمبروں کے معجزات و ہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو =

أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ

بڑا ہے لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے ف۱ اور برابر نہیں اندھا

بڑا ہے لوگوں کے بنانے سے، لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ اور برابر نہیں اندھا

وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

اور آنکھوں والا اور نہ ایمان دار اور جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار تم بہت کم سوچ کرتے ہو ف۲

اور دیکھتا اور نہ ایمان دار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار۔ تم تھوڑا سوچ کرتے ہو۔

إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ

تحقیق قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں لیکن بہت لوگ نہیں مانتے اور کہتا ہے تمہارا رب

تحقیق وہ گھڑی آنی ہے، اس میں دھوکا نہیں، لیکن بہت لوگ نہیں مانتے۔ اور کہتا ہے تمہارا رب

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ

مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو ف۳ بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں

مجھ کو پکارو، کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔ بے شک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے، اب گھسیں گے دوزخ میں

دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾

ذلیل ہو کر ف۴

ذلیل ہو کر۔

ع ۶

= دبانا چاہتے ہیں ان کے ہاتھ میں کچھ حجت و دلیل نہیں۔ نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک وشبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکائیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بہت اونچا کھینچتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں۔ یا کم از کم اس کے سامنے جھکنا نہ پڑے لیکن یاد رکھیں کہ وہ اس مقصد کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا۔ ورنہ سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔

ف۵ یعنی اللہ کی پناہ مانگ کہ وہ ان مجادلین کے خیالات سے بچائے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آگے بعض مسائل کی تحقیق ہے جن میں وہ لوگ جھگڑتے تھے۔ مثلاً بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا) کہ اس کو وہ محال سمجھتے تھے یا توحید باری جس کا انکار کرتے تھے۔

ف۱ یعنی بظاہر مادی حیثیت سے آسمان و زمین کی عظمت وجسامت کے سامنے انسان کی کیا حقیقت ہے لیکن مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا وہی خداوند قدوس ہے۔ پھر جس نے اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا اسے آدمیوں کا پہلی بار یا دوسری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

ف۲ یعنی ایک اندھا جسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا ایک نیکوکار مومن اور کافر بدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہیے جب ان کا باہمی فرق کھلے۔ اور دونوں کے عمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں۔ مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

ف۳ یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اس کی جزا دینے کا مجھ ہی سے مانگو۔ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔

ف۴ بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا۔ نہ مانگنا غرور ہے۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے۔ یہ بات تو بیشک برحق ہے۔ مگر اس =

پیغام بشارت بہ نصرت خداوندی وتلقین صبر واستقامت
وبیان ذلت ونا کامی اہل جدال وخصومت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ... الی ... سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مجرمین وکفار کی آخرت میں ایک دوسرے پر لعنت وملامت کا ذکر تھا اور یہ کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ اور ایسے مجرمین کا مدد کے لیے چیخنا چلانا سب بے کار وضائع ہوگا۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی نصرت اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی کامیابی کا بیان فرمایا اور صبر واستقامت کی تلقین فرمائی گئی۔ اور یہ کہ اللہ کی راہ میں جو بھی دشواریاں اور مشقتیں پیش آئیں، اللہ رب العزت اپنی قدرت سے ان کو دور فرماتا ہے، اس کی قدرت کے سامنے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں ارشاد فرمایا:

بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہوگیا اور اس روز بھی جب گواہیاں دینے والے کھڑے ہوں گے۔ وہ اللہ کے فرشتے ہیں جنہوں نے بندوں کے اعمال لکھے اور وہ نامائے اعمال لیے کھڑے ہوں گے اور وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کے احکام اس کے بندوں کو پہنچا دیے لیکن ان کافروں اور مجرموں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی اطاعت نہ کی یہ قیامت کا روز ہوگا، جہاں کسی طرح کی معذرت وندامت کام نہ آئے گی تو یہ وہ دن ہوگا کہ ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی، اور ان کے واسطے لعنت ہوگی اور بہت ہی برا ان کے واسطے ٹھکانہ ہوگا۔ تو اسی طرح اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار مدد کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب وانکار کرنے والوں کے لیے دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور قیامت کے روز بھی شدید عذاب ہوگا اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت دی اور اپنی وحی عطا کی اور بنی اسرائیل کو وارث بنایا کتاب کا۔ یعنی توراۃ کا جو ہدایت ونصیحت تھی عقل والوں کے لیے کہ اگر اہل عقل اپنی عقل سے کام لیتے تو ضرور وہ اس ہدایت سے منتفع ہوتے مگر اس بدنصیبی کا کیا علاج ہو کہ ایک بینا انسان اپنی آنکھیں بند کرلے اور سورج کی روشنی سے نفع نہ اٹھائے جس سے سارا عالم روشن ہے، اے پیغمبر اب یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ ان کو علوم وہدایت اور کتاب الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دی مگر یہ بجائے اس سے نفع اٹھانے کے اپنے آپ کو ہلاکت وگمراہی میں مبتلا کیے ہوئے ہیں تو آپ کفار مکہ کی ایذاؤں پر صبر کیجئے اور تسلی رکھیے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، اور اپنے قصور وفروگزاشت کی اللہ سے معافی طلب کیجئے اگر ان کفار مکہ کی ایذاؤں پر صبر وتحمل میں نبوت ورسالت کے مقام عالی کی نسبت سے کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہیے۔ اس کی حمد وثناء کے ساتھ صبح وشام تسبیح وتحمید قلب کی غذا ہے اس سے قلب کو تقویت حاصل ہوگی، اور ان تکالیف وشدائد کا برداشت کرنا آسان ہوگا، جو راہ حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آرہی ہیں۔ اور ان جدال وخصومت کرنے

= کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے۔ یعنی جو مانگے وہی چیز دے دے۔ نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کردیے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اس کی مشیت پر موقوف اور حکمت کے تابع ہے۔ کما قال فی موضع آخر ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ بہرحال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔

والوں کی آپ ﷺ ہرگز کوئی فکر نہ کریں یقیناً جو لوگ اللہ کی آیتوں میں خصومت اور جھگڑا کر رہے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل و حجت آ چکی ہو۔ ایسے خصومت کرنے والے کبھی بھی کامیاب نہیں ہوا کرتے اور نہ ان کے جھگڑوں سے حق میں کسی قسم کا اشتباہ والتباس واقع ہوسکتا ہے۔ ان کی یہ خصومت تو بس غرور و تکبر ہی ہے ان کے سینوں میں کہ وہ کبھی بھی اس بڑائی تک نہیں پہنچنے والے ہیں کہ جس بڑائی اور نخوت کے باعث ان کو آپ ﷺ کی اتباع میں عار معلوم ہو رہا ہے وہ ہرگز اس بڑائی اور عزت کے مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ انہیں ذلت و ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو آپ ﷺ پناہ مانگتے رہیے اللہ تعالیٰ کی بے شک وہی سب کچھ سننے والا ہے۔ اور وہ ہر بات دیکھتا اور سنتا ہے تو آپ ﷺ کے دشمنوں کا کوئی فعل و قول بھی اس سے چھپا ہوا نہیں اور اس کی پناہ و حفاظت نہایت اعلیٰ اور مکمل پناہ ہے جس کو توڑنے کی کسی کو مجال نہیں ہوسکتی، آخر یہ منکرین آپ ﷺ کی باتوں کو کیوں جھٹلاتے ہیں، اور کیوں نہیں قیامت پر ایمان لاتے، ان کو بعث بعد الموت پر کیا تعجب ہے، یقیناً آسمانوں اور زمین کا ابتداءً پیدا کرنا تو بہت بڑا کام تھا بہ نسبت انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کے تو جب ایک بڑی عظیم قدرت کا نمونہ ان کے سامنے موجود ہے تو اس سے کم تر چیز کا کیسے انکار کر رہے ہیں، یہ چیز بلاشبہ عقل کے خلاف ہے لیکن اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ کبھی ایسے حقائق اور شواہد پر غور نہیں کرتے، اور نہ ان پر کبھی اس طرح نظر ڈالتے ہیں کہ ان سے ایسی چیزیں سمجھ لیں، حالانکہ یہ دلائل سمجھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ نابینا آدمی اور بینا آدمی برابر نہیں یقیناً ان میں تفاوت ہے اسی طرح انسانوں کا وہ طبقہ جو ان حقائق اور شواہد سے اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کرتا ہے، اور وہ طبقہ جو نابیناؤں کی طرح اس سے محروم رہتا ہے باہم بڑا تفاوت رکھتا ہے، اور جب ان دونوں طبقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو ظاہر ہے کہ اسی طرح ان کے انجام میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوگا، اسی لیے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور دوسرے وہ جو بڑے کام کرنے والے ہیں برابر نہیں یہ فرق اور بعد ایسا واضح ہے کہ ہر انسان کو سمجھ لینا چاہیے لیکن بہت ہی کم ہیں ایسے جو سمجھتے ہوں اور عبرت حاصل کرتے ہوں۔ یہ مانیں یا نہ مانیں قیامت بے شک ضرور آکر رہے گی جس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں، مگر پھر بھی بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں اور ان کافروں کی مخالفت و سازشوں اور ان کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں اور مشقتوں سے مت گھبراؤ۔ اے مسلمانو! تمہارے رب نے کہہ دیا ہے تم مجھ کو پکارو اور مجھ سے مانگو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ وہ درخواست جس میں تمہارے واسطے خیر اور فلاح ہو، اس لیے جب بھی سعادت و فلاح اور اہل ایمان کے غلبہ و کامیابی اور کافروں کی ناکامی کی دعا مانگو گے میں قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلت و رسوائی کے ساتھ بعد اس کے کہ دنیا میں بھی ان کی ذلت و رسوائی ہو چکی ہوگی، کیونکہ ہمارا وعدہ جو انبیاء سے نصرت و کامیابی کا ہو چکا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اور وہ نصرت و کامیابی جب دنیا میں بھی ہے تو بلاشبہ کفار و نافرمان دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے، اور آخرت میں جہنم میں بھی ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

نصرت خداوندی کی صورتیں

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نصرت کے معنی اگرچہ کامیابی اور مدد کے ہیں لیکن کبھی نصرت خداوندی بدلہ لینے کی

شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ بے شک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کا کافروں سے بدلہ لیا کرتے ہیں چنانچہ جب بھی کفار نے اللہ کے کسی پیغمبر یا مومنین پر غلبہ پاکر ان کو قتل کیا یا ستا کر ہلاک کیا اگرچہ اس وقت اہل حق مغلوب ہو گئے، مگر من جانب اللہ کسی وقت بدلہ ضرور ان سے لیا گیا، جیسے کہ اس پر قرآن وحدیث اور تاریخ گواہ ہے۔

سوال:...... شیخ ابو جعفر بن جریر ؒ نے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ پر ایک سوال وارد کیا اور پھر خود ہی اس کے دو جواب دیئے، فرمایا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایسے گزرے ہیں کہ ان کی قوموں نے ان کو قتل کر ڈالا مثلاً حضرت یحییٰ، زکریا، اور شعیاء علیہم السلام اور بعض ایسے بھی گزرے ہیں کہ بے بس ولاچار ہو کر ان کو اپنی قوم سے ہجرت کرنی پڑی، جیسے ابراہیم علیہ السلام اور کوئی ایسے ہوئے کہ قوم کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے خدا نے انہیں آسمانوں پر اٹھا لیا اور اس طرح کافروں کے ظلم اور قتل وصلب کے ارادہ سے محفوظ کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان صورتوں میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نصرت وکامیابی نہیں ہوئی، بلکہ مغلوبی وناکامی معلوم ہوتی ہے، اس سوال کے دو جواب دیئے:

پہلا جواب:...... تو یہ ہوسکتا ہے، یہ خبر عموم اور اکثریت کے درجہ میں ہے لہٰذا اگر بعض اس سے مستثنیٰ ہیں تو یہ ممکن ہے، لیکن اس جواب کو پسند نہ کرتے ہوئے دوسرا جواب یہ دیا۔

دوسرا جواب:...... نصرت سے مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کا کافروں اور ان کو ستانے والوں سے ضرور بدلہ لیا جائے گا، خواہ وہ بدلہ ان انبیاء علیہم السلام اور ان ہی مومنین کی موجودگی میں ہو یا ان کے بعد چنانچہ جن انبیاء علیہم السلام کا کافروں نے قتل کیا، مثلاً حضرت یحییٰ، زکریا، اور شعیاء علیہم السلام ان کے قاتلوں پر اللہ نے بعد میں ایک قوم کو مسلط کیا انہوں نے ان کو ذلیل کیا اور خوب ایذائیں پہنچائیں اور خون بہایا، اسی طرح نمرود کو خدا نے بڑی ذلت کی موت مارا، اور جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا ارادہ کیا، خدا نے ان پر بعد میں روم کو مسلط کر دیا تو اہل روم نے ان کو نہایت ہی ذلیل ورسوا کیا طرح طرح کی ایذائیں دیں، خون بہایا یہ تو دنیوی بدلہ ہو گیا اور اسی کی آخری قسط وہ ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے تو دجال کو اور یہود کو قتل کریں گے اور دنیا میں عدل وانصاف قائم کریں گے اور اللہ کی طرف سے امامت وقیادت کی عزت عطا کی جائے گی تو اس طرح خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت وسربلندی ظاہر فرمائے گا اور قیامت کے روز جو بدلہ ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کی یہ سنت قدیم ہمیشہ سے جاری رہی کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کے ظالموں سے بدلہ لے کر مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے حق تعالیٰ کی اس سنت قدیم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے نقل فرماتے ہیں، فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی کا معاملہ کرے، پس اس نے میرے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا۔ اور میدان میں میرے سامنے نکل آیا، تاریخ شاہد ہے کہ خداوند عالم نے قوم نوح، عاد وثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین اور ایسے اللہ کے رسولوں سے عداوت ومقابلہ کرنے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام دنیا کو دکھایا اور سب سے اخیر میں خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کی اللہ نے کیسی مدد اور کامیابی فرمائی اور دشمنوں کو ذلیل ورسوا کر کے ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ اور ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کا منظر دکھایا۔

گویا ایک وقت مغلوبیت کا گزرا مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی۔ مگر مظلومیت اور بے بسی کے اس دور کے ساتھ ہی ساتھ انصار کا گروہ مہیا فرما دیا جن کی زندگیاں اللہ کے رسول اللہ ﷺ اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے سراپا نصرت ہی نصرت تھیں، پھر اللہ نے کفار پر جنگ بدر میں غلبہ دیا ان کے رؤسا اور سردار قتل کیے گئے، قید و بند کی ذلت سامنے آ گئی فدیہ دیکر رہائی حاصل کرنا ہی اپنے ہاتھوں اپنی ذلت و پستی کو اختیار کر لینا تھا، تا آنکہ مکہ مکرمہ فتح ہوا، وہی سردار وہی رؤسا قریش دست بستہ سرنگوں و شرمسار آپ ﷺ کے سامنے معافی مانگتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں، اور آپ ﷺ ان پر احسان فرماتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے ہیں ﴿لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ﴾۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جزیرۂ عرب اور یمن آپ ﷺ کا مطیع ہوا اور اہل کتاب جزیہ گزار ہو گئے، اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے پھر آپ ﷺ کی رحلت کے بعد خلفاء راشدین ؓ کے دور میں فارس و روم، افریقہ، اندلس، اور کابل تک فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا، اور اسلام کا کلمہ اور دین کا غلبہ مشرق و مغرب میں دنیا نے دیکھ لیا، (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

﴿يَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ﴾ باجماع مفسرین یہ دن قیامت کا دن ہے۔ اور ﴿الۡاَشۡهَادُ﴾ کی تفسیر ملائکہ سے کی گئی، جو بندوں کے نامہائے اعمال لیے میدان حشر میں موجود ہوں گے۔ ﴿سُوۡٓءُ الدَّارِ﴾ کی تفسیر میں بعض مفسرین مثلاً سدی ؒ یہ بیان کرتے ہیں بئس المنزل والمقیل۔ یعنی بہت ہی بری اترنے کی جگہ اور بہت ہی بری آرام گاہ، اور جہنم کو آرام گاہ کہنا ایسا ہو گا جیسے ﴿فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ﴾ میں لفظ بشارت استعمال کیا گیا، ابن عباس ؓ اس کی تفسیر انجام کی تباہی اور بربادی سے فرمایا کرتے تھے۔

﴿ادۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ﴾۔ انس بن مالک ؓ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت ﷺ سے بیان کیا ہے فرمایا حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک اے میرے بندے تیرے واسطے ہے، اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا، اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل خیر کرے گا اس کی جزاء میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کرے اور میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے واسطے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے، نعمان بن بشیر ؓ کی حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان الدعآء هو العبادة۔ یعنی دعا عبادت ہی ہے، اس وجہ سے دعا کے مضمون کو ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِىۡ﴾ پر مکمل فرمایا۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ استکبار عن العبادة جیسے کفر و نافرمانی ہے اسی طرح دعا سے اعراض و بے رخی کرنا بھی اسی کا مصداق ہے، حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص دعا نہیں کرتا خدا اس پر ناراض ہوتا ہے۔

دعا اور دعا کی قبولیت کی تفصیل ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ﴾ میں گزر چکی ہے، مراجعت فرمائی جائے،

دعا کی حکمت اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا راز

بارگاہ خداوندی میں انسان کے لیے سب سے بڑی عزت وعظمت اور قرب کامل دعا ہے، کیونکہ دعا عبدیت کا مظہراتم ہے، اور حق تعالیٰ نے جب آنحضرت ﷺ کے سفر اسراء کا ذکر فرمایا تو عنوان ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا﴾ میں عبد کا لفظ اختیار فرمایا، اسراء چونکہ سب سے زیادہ عظمت وبلندی کا واقعہ تھا تو اس کو وصف عبدیت سے ذکر کر کے اشارہ فرمادیا گیا کہ عبدیت ہی تو وہ وصف ہے جو ان عظمتوں کا باعث بنا اور ظاہر ہے کہ دعا کرنے والا اپنے احتیاج کا بھی یقیناً تصور رکھتا ہے، ساتھ ہی رب العزت کی عظمت وکبریائی کا اعتقاد بھی قلب میں راسخ اور تازہ ہوگا، اور اس التجا کے ضمن میں پروردگار عالم کا تعلق اور جذبہ محبت بھی حاصل ہوگا، اسی وجہ سے دعا مانگنے والا بندہ خدا کے نزدیک بڑی عزت کا مستحق ہوتا ہے، اور اللہ کو اپنے بندہ کے مانگنے سے خوشی ہوتی ہے اور دعا نہ کرنا ایک قسم کا استغناء اور کبر ہے جو اللہ کو ہرگز پسند نہیں تو اس وجہ سے جو شخص دعا نہیں مانگتا خدا اس سے ناراض ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) مخلوق کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا اور مانگنا ذلت ہے، لیکن خالق کے سامنے اپنی حاجت کو پیش کرنا اور اس سے مانگنا عزت کا ذریعہ ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے، اور بندہ طرح طرح کی حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے، انسان اپنی حوائج کی تکمیل کے لیے مادی اسباب مہیا کرنے کا مکلف ہے۔ لیکن مادی اسباب کی کامیابی اسی پروردگار کے قبضہ قدرت میں ہے اس لیے انسان کا صرف مادی اسباب پر بھروسہ اور اعتماد درست نہیں، باوجود اسباب ظاہرہ کے دعا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، تاکہ ظاہری اسباب کو یہ باطنی سبب کامیابی اور تکمیل کے مرحلے تک پہنچا سکے، جو لوگ صرف ظاہری اسباب کو کافی سمجھ کر دعا اور توجہ الی اللہ اور تضرع کو (العیاذ باللہ) بیکار سمجھتے ہیں وہ یقیناً عقل ودانش سے بعید ہیں، کیا دن رات کا یہ مشاہدہ نہیں کہ تاجر بازار میں دکان بھی لگاتا ہے، مال بھی رکھتا ہے اور جس قدر تدابیر ممکن ہیں انہیں بروئے کار بھی لاتا ہے لیکن بہت سے ہنرمند تاجر ناکامی اور خسارہ میں پڑتے ہیں اور بہت سے جو اس طرح کی تدابیر نہیں کرتے نفع اور کامیابی کی وہم وگمان سے بڑھ کر منزلیں طے کرتے ہیں یہ مشاہدات اس امر کا ثبوت ہیں کہ ہر مقصد کی کامیابی کے لیے صرف ظاہری وسائل واسباب کافی نہیں، یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت پر موقوف ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسی سے مانگا جائے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ایک ملفوظ میں ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ عالم عالم اسباب ہے اور بندہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے بندہ کو چاہئے کہ وہ دوا بھی کرے اور دعا بھی کرے، دوا ظاہری سبب ہے اور دعا باطنی سبب ہے، جو لوگ جدید تعلیم کی وجہ سے طبعیات میں غلو رکھتے ہیں، ظاہر پرستی کی وجہ سے خفی اور معنوی اسباب تک ان کی نظر کی رسائی نہیں، ایسے لوگ دعا کو بیکار سمجھتے ہیں اور تمام آثار کو اسباب طبعیہ میں منحصر جانتے ہیں، ان آزادمنشوں نے اپنے گمان میں ایک قانون فطرت تجویز کر رکھا ہے اور اس کو بننے میں تو اللہ کے ماتحت مانتے ہیں مگر چلنے میں اس کا محتاج نہیں مانتے بلکہ نعوذ باللہ خود واجب الوجود کو اس کا تابع سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو خاص انتظام پر پیدا تو کر دیا لیکن وہ اب اس طرح خود بخود چل رہا ہے اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا جیسے گھڑی چابی

دینے میں تو دوسرے کی محتاج ہے مگر اس کے بعد خود بخود چلتی رہتی ہے گویا کہ اب اللہ تعالیٰ کو بھی تغیر وتبدل کا اختیار نہیں اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کا اضطرار اور عجز لازم آتا ہے، اور یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشیت اور اختیار سے خالی اور عاری ہے، جیسے فلاسفہ یونان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بمعنیٰ واجب الوجود حدوث عالم کی علت موجبہ اضطرار یہ ہے، فلاسفہ یونان باری تعالیٰ کے لیے اختیار اور ارادہ اور مشیت کے قائل نہیں، اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل با اختیار ہے ہر چیز کا وجود اور بقاء اور اس کی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ (انتہی کلامہ)

انسان بعض مرتبہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہو رہی ہے تو اس کو یہ گمان نہ رکھنا چاہئے کہ (آیت) "استجب لکم"۔ کا وعدہ الٰہی پورا نہیں ہو رہا، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ میری دعا میں صرف ظاہری الفاظ ہوں، دعا کی روح اور حقیقت جو تضرع اور زاری ہے وہ اس میں نہ ہوگی، اور دعا میں جب روح ہی نہیں تو اس میں کیا اثر ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جو دعا اس نے مانگی ہے وہ اللہ کے نزدیک خود اس کے لیے بہتر نہ ہو، انسان کا علم ہی قاصر ہے، اور فہم بھی ناقص، احکم الحاکمین ہی علام الغیوب ہے وہ بندہ کی مصلحتوں کو جانتا ہے تو بسا اوقات بندہ جو دعا مانگتا ہے وہ خود اس کے واسطے مضر ہوتی ہے تو خدا کی رحمت یہی ہوتی ہے کہ اس دعا کی قبولیت نہ ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آداب دعا کی رعایت نہ کی ہو اس وجہ سے قبول نہیں ہو رہی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شرائط دعا کی رعایت نہ کی ہو تو اثر ظاہر نہ ہو رہا ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص کا کھانا پینا لباس وغیرہ سب کچھ حرام ہو تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دعا کیسے قبول ہوگی، جیسے کہ حدیث میں ہے ایک شخص پراگندہ حال طویل سفر طے کرتے ہوئے دعا کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ ملبسہ حرام ومشربہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب۔ یعنی اس کا لباس حرام اس کا کھانا پینا ہی حرام الغرض اس کی غذا ہی حرام ہے تو پھر ایسی صورت میں کہاں اس کی دعا قبول ہوگی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اس میں چین پکڑو اور دن بنایا دیکھنے کا **ف۱** اللہ تو فضل والا ہے

اللہ ہے جس نے بنادی تم کو رات کہ اس میں چین پکڑو، اور دن دیا دکھاتا۔ اللہ تو فضل رکھتا ہے

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ

لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے **ف۲** وہ اللہ ہے رب تمہارا ہر چیز بنانے والا کسی کی

لوگوں پر، لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔ وہ اللہ ہے رب تمہارا، ہر چیز بنانے والا، کسی کی

ف۱ رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں۔ جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اس کے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لیے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔

ف۲ یعنی منعم حقیقی کی حق شناسی یہ تھی کہ قول وفعل اور جان ودل سے اس کا شکر ادا کرتے۔ بہت سے لوگ شکر کے بجائے شرک کرتے ہیں۔

إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اللّٰهُ

بندگی نہیں اس کے سوا پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو ف۱ اسی طرح پھرے جاتے ہیں جو لوگ کہ اللہ کی باتوں سے منکر ہوتے رہتے ہیں اللہ ہے

بندگی نہیں اس کے سوا، پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو؟ اسی طرح پھیرے جاتے ہیں جو لوگ رہتے تھے اللہ کی باتوں سے منکر ہوتے۔ اللہ ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت ف۲ اور صورت بنائی تمہاری تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری

جس نے بنادی تم کو زمین ٹھہراؤ اور آسمان عمارت اور تم کو صورت بنائی پھر اچھی بنائیں صورتیں تمہاری،

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا

اور روزی دی تم کو ستھری چیزوں سے وہ اللہ ہے رب تمہارا سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا ف۳ وہ ہے زندہ رہنے والا ف۴

اور روزی دی تم کو ستھری چیزوں سے۔ وہ اللہ ہے رب تمہارا۔ سو بڑی برکت ہے اللہ کی، جو رب ہے سارے جہان کا۔ وہ ہے زندہ رہنے والا،

إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٥﴾ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا سو اس کو پکارو خالص کر کے اس کی بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ف۵ تو کہہ مجھ کو منع کر دیا کہ

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، سو اس کو پکارو نری کر کر اس کی بندگی۔ سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا۔ تو کہہ مجھ کو منع ہوا کہ

أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَّبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ

پوجوں ان کو جن کو تم پکارتے ہو سوا اللہ کے جب پہنچ چکیں میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رب سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ تابع رہوں

پوجوں جن کو تم پکارتے ہو سوا اللہ کے، جب پہنچ چکیں مجھ کو کھلی نشانیاں میرے رب سے، اور حکم ہوا کہ تابع رہوں

لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ

جہان کے پروردگار کا ف۶ وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے ف۷ پھر پانی کی بوند سے پھر خون جمے ہوئے سے ف۸ پھر

جہان کے صاحب کا۔ وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے، پھر پانی کی بوند سے، پھر لہو کی پھٹکی سے، پھر

ف۱ یعنی رات دن کی سب نعمتیں اس کی طرف سے مانتے ہو تو بندگی بھی صرف اسی کی ہونی چاہیے۔ اس مقام پر پہنچ کر تم کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالک حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی جائے۔

ف۲ یعنی قبہ کی طرح بنایا۔

ف۳ سب جانوروں سے انسان کی صورت بہتر اور سب کی روزی سے اس کی روزی ستھری ہے۔

ف۴ جس پر کسی حیثیت سے کبھی فنا اور موت طاری نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے جب اس کی حیات ذاتی ہوئی تو تمام لوازم حیات بھی ذاتی ہوں گے۔

ف۵ کمالات اور خوبیاں سب وجود حیات کے تابع ہیں۔ جو حی علی الاطلاق ہے وہ ہی عبادت کا مستحق اور تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہوگا۔ اسی لیے هوالحی کے بعد "الحمدللہ رب العالمین" فرمایا جیسا کہ پہلی آیت میں نعمتوں کا ذکر کر کے "فتبارك الله رب العالمین" فرمایا تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کے بعد الحمدللہ رب العالمین کہنا چاہیے۔ اس کا ماخذ یہی آیت ہے۔

ف۶ یعنی کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد کیا حق ہے کہ کوئی آدمی خدائے واحد کے سامنے سر معبودیت نہ جھکائے اور خالص اسی کا تابع فرمان نہ ہو۔ =

يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ

تم کو نکالتا ہے بچہ پھر جب تک کہ پہنچو اپنے پورے زور کو پھر جب تک کہ ہوجاؤ بوڑھے اور کوئی تم میں ایسا ہے کہ مرجاتا ہے

تم کو نکالتا ہے لڑکے پھر جب تک پہنچو اپنے زور کو، پھر جب تک ہوجاؤ بوڑھے۔ اور کوئی ہے تم میں کہ بھر لیا

قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى

پہلے اس سے اور جب تک کہ پہنچو لکھے وعدے کو ف۱ اور تاکہ تم سوچو ف۲ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب

پہلے اس سے، اور جب تک پہنچو لکھے وعدے کو، اور شاید تم بوجھو۔ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، پھر جب

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ ع ۸ / ۱۲

حکم کرے کسی کام کو تو یہی کہے اس کو کہ ہوجا وہ ہوجاتا ہے ف۳

حکم کرے کسی کام کو تو یہی کہے اس کو کہ "ہو"، وہ ہوجاتا ہے۔

بیان انعامات خداوندی وذکر دلائل قدرت واسباب معرفت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ ... الى ... كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے انبیاء اور اہل ایمان کی نصرت وکامیابی کا قانون بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو بشارت دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ تسلی بھی کی گئی، اور صبر واستقامت کی تلقین فرمائی، اب ان آیات میں اپنے انعامات عامہ اور خاصہ کا ذکر فرمایا، تا کہ ان سے اللہ کی معرفت حاصل ہو، اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لایا جائے تو فرمایا: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لیے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو، اور اس نے دن کو روشن بنایا تا کہ تم اس کی روشنی میں اپنے کاروبار انجام دے سکو، بے تکلف چل پھر کر کسب معاش کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے فضل وانعام والا ہے لوگوں پر کہ ان کے مصالح کی کیسی رعایت فرمائی، ان کی راحت اور کسب معاش کے کیسے اسباب پیدا فرمائے۔ لیکن اکثر لوگ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ ان انعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ خداوند عالم کی عبادت کرتے، اس کی عظمت ومحبت قلب میں ہوتی، اور اس کی نافرمانی پر اس کے قہر وغضب اور ناراضگی سے ڈرتے، مگر اکثر لوگ یہ باتیں سمجھتے ہیں اور نہ سوچتے ہیں، حالانکہ یہ باتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں کیونکہ اللہ تو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق

= ف۷ یعنی تمہارے باپ آدم کو، یا تم کو، اس طرح کہ نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

ف۸ یعنی بنی آدم کی اصل ایک پانی کی بوند (قطرہ منی) ہے جو آگے چل کر جما ہوا خون بنا دیا گیا۔

ف۱ یعنی بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے۔ اور بعض آدمی جوانی یا بڑھاپے سے پہلے ہی گزر جاتے ہیں۔ بہرحال سب کو ایک معین میعاد اور لکھے ہوئے وعدے تک پہنچنا ہے۔ موت اور حشر سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ز جام دہر مئے کل من علیها فان

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی سوچو اتنے احوال (اور دور) تم پہ گزرے۔ ممکن ہے ایک حال اور بھی گزرے۔ وہ مر کر جینا ہے۔" آخر اسے کیوں محال سمجھتے ہو۔

ف۳ یعنی اس کی قدرت کاملہ اور شان کن فیکون کے سامنے یہ کیا مشکل ہے کہ موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔

نہیں۔ تو پھر اے لوگو، بعد اس کے کہ خدا کی خالقیت توحید اور الوہیت ظاہر ہے تم کہاں الٹے پاؤں شرک ہی کی طرف لوٹے جا رہے ہو اور گمراہی کے بیابانوں میں بھٹک رہے ہو، اے مخاطبین یہ بات آج تمہاری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ خواہ وہ نشانات تکوینی ہوں یا وہ دلائل و احکام ہوں جو اللہ نے نازل کیے، آپ ﷺ کو ایسی باتوں پر صدمہ اور فکر نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے اے انسانو! تمہارے واسطے زمین کو قرار کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بنایا، اور تمہارا نقشہ بنایا اور بہترین نقشہ بنایا کہ اس طرح کی خوبی جسم کی ساخت اور اعضاء کا تناسب کسی بھی حیوان میں نہیں رکھا گیا، جیسا انسان میں رکھا چنانچہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ اور تم کو عمدہ عمدہ پاکیزہ کھانے دیئے اے لوگو! بس یہی تو ہے وہ خدا جو تمہارا رب اور معبود ہے جس نے تم کو بہترین شکل میں پیدا کیا، اور عمدہ عمدہ غذائیں اور نعمتیں کھانے کو دیں۔ سو بہت ہی عظیم برکت اور بزرگی والا ہے وہ اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ وہی حی لا یموت ہے ازلی اور ابدی ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس کے سوا ہرگز کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم صرف اسی کو پکارو۔ اسی کی عبادت کرو۔ اسی کے واسطے اپنے اعتقاد خالص کرتے ہوئے، بے شک سب خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ جب اللہ رب العزت کی قدرت خالقیت اور الوہیت وحدانیت سب کچھ ظاہر اور ثابت ہے تو آپ ﷺ کہہ دیجئے ان مشرکین کو سنانے کے لیے اور شرک سے بیزاری و نفرت کا اعلان کرتے ہوئے بے شک میں تو منع کیا گیا ہوں اس چیز سے کہ میں عبادت کروں خدا کو چھوڑ کر ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو خدا کو چھوڑ کر جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے نشانیاں آ چکیں اور ایسے دلائل و شواہد جو عقلی بھی ہیں اور نقلی بھی۔ اور مجھ کو تو بس یہی حکم ہے کہ میں اسی اللہ کے سامنے سر جھکاؤں جو رب العالمین ہے۔

اے لوگو! عجیب بات ہے کیا تمہیں خبر نہیں۔ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ پھر آئندہ ان کا سلسلۂ نسل اس طرح قائم کیا کہ تم کو نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بعد اس کے کہ بصورت حمل ماں کے رحم میں تخلیقی و تصویری مراحل مکمل ہو گئے ہوں نکالتا ہے ماں کے پیٹ سے بچہ کی شکل میں پھر تم کو زندگی دیتا ہے تا آنکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر اور بھی مزید حیات عطا کرتا ہے یہاں تک کہ تم بوڑھے ہو جاؤ، اور بعض تم میں سے ہوتا ہے جو اس سے پہلے مر جائے کہ جوانی یا بڑھاپے کی نوبت ہی نہ آئے، غرض یہ سب کا علیحدہ علیحدہ ہے کوئی بوڑھا ہوا اور کوئی نہیں، کوئی جوان ہوا، اور کوئی اس سے پہلے ہی مر گیا اور یہ سارا تقدیری نظام اس وجہ سے ہے کہ تم پہنچ جاؤ اس وقت پر جو مقرر و متعین کر دیا گیا ہے تو جو وقت جس انسان کا تقدیر خداوندی سے طے ہو چکا ہوتا ہے وہ اسی وقت تک پہنچتا ہے، کوئی طاقت اس وقت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے۔ تا کہ تم لوگ ان احوال میں غور کر کے سمجھ جاؤ کہ دراصل وہی ایک ذات موت و حیات کی مالک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے، بس وہ جس بھی کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کے لیے کہہ دیتا ہے کُن (ہو جا) تو بس وہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کوئی چیز دفعۃً پیدا کرنا چاہئے یا بتدریج جیسے بھی اس کی حکمت و مشیت ہو، اس کے مطابق وہ چیز ہو جاتی ہے، ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ذکر میں رات بنانے کی حکمت سکون کو بیان فرمایا کہ بندے دن کے وقت محنت اور نقل و حرکت کی مشقتوں کے

بعد رات کی تاریکی اور خاموشی میں سکون وراحت حاصل کرلیں اور اس سکون کے بعد پھر دن کی روشنی میں اپنے مشاغل انجام دے لیں، دن کی روشنی بھی کتنا عظیم انعام ہے ظاہر ہے کہ کاروباری مصروفیات اور مشاغل کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ حاجت تھی اللہ نے وہ عطا کردی اور راحت وسکون جس کے بغیر زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا تھا وہ بھی رات کی تاریکی میں عطا فرمادیا، پھر آسمان کتنی عظیم مخلوق ہے، اس سے متعلق چاند سورج اور ستاروں کی کیسی عجیب اور عظیم شان ہے کس قدر فوائد ومنافع انسانی حیات کے ان سے متعلق ہیں، ان تمام دلائل سے صرف نظر کسی بھی صاحب عقل انسان سے ممکن نہیں، نیز خود انسان کا وجود اس کی شکل وصورت کی خوبی اور اس کی خصوصیات وکمالات کتنے بلند پایہ دلائل ہیں پھر موت وحیات اور مدت حیات، لوازم حیات، غرض سب چیز کا تنہا وہی پروردگار مالک وخالق ہے جب ان تمام چیزوں میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر انسان کو یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک کرے، انسان نہ اللہ کی قدرت کا انکار کرسکتا ہے، نہ اس کی الوہیت ووحدانیت کا، ان احوال کے پیش نظر انسان کی یہ بڑی ہی بدنصیبی اور حماقت ہوگی کہ خالق کائنات اور قادر مطلق کی عبادت نہ کرے اور اس پر ایمان نہ لائے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ کی تفسیر میں ابن جریر رحمہ اللہ سے منقول ہے فرمایا حضرات سلف کی ایک جماعت یہ کہا کرتی تھی کہ جو شخص ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بھی کہہ لیا کرے تاکہ اس آیت مبارکہ پر عمل ہوجائے، بروایت اعمش رحمہ اللہ مجاہد رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی نقل فرمایا کرتے تھے، عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے۔

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد الا بالله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن۔ لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون۔

اور یہ بیان کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم، نسائی) تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ

تو نے نہ دیکھا ان کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں کہاں سے پھیرے جاتے ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس کو

تو نے نہ دیکھے؟ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں، کہاں سے پھرے جاتے ہیں؟ جنہوں نے جھٹلائی یہ کتاب، اور جو

اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ

کہ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ سو آخر جان لیں گے ف۱ جب طوق پڑیں ان کی گردنوں میں اور زنجیریں بھی ف۲

بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ، سو آخر جان لیں گے۔ جب طوق پڑے ہیں ان کی گردنوں میں اور زنجیریں،

ف۱ کہ اس تکذیب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

ف۲ زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لائے جائیں گے۔

يُسْحَبُوْنَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

گھسیٹے جائیں جلتے پانی میں پھر آگ میں ان کو جھونک دیں ف۱ پھر ان کو کہیں کہاں گئے جن کو

گھسیٹے جاتے ہیں۔ جلتے پانی میں، پھر آگ میں ان کو جھونکتے ہیں۔ پھر ان کو کہا ہے کہ کہاں گئے جن کو

تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْــًٔا ۭ

تم شریک بتلایا کرتے تھے اللہ کے سوا ف۲ بولیں وہ ہم سے چوک گئے ف۳ کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو ف۴

شریک بتاتے تھے؟ اللہ کے سوا۔ بولے ہم سے چوک گئے، کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا

اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو ف۵ یہ بدلہ اس کا جو تم اتراتے پھرتے تھے زمین میں ناحق اور اس کا جو

اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو۔ یہ بدلہ اس کا جو تم رنگ بچھتے پھرتے تھے زمین میں ناحق، اور اس کا جو

كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

تم اکڑتے تھے ف۶ داخل ہوجاؤ دروازوں میں دوزخ کے ف۷ سدا رہنے کو اس میں سو کیا برا ٹھکانا ہے

تم اتراتے تھے۔ پیٹھو دروازوں میں دوزخ کے، سدا رہنے کو اس میں۔ سو کیا بد ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ

غرور والوں کا سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر اگر ہم دکھلا دیں تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم ان سے کرتے ہیں یا

غرور والوں کا۔ سو تو ٹھہرا رہ بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے۔ پھر اگر کبھی ہم دکھائیں تجھ کو کوئی وعدہ جو ان کو دیتے ہیں، یا

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

قبض کرلیں تجھ کو، ہر حالت میں ہماری ہی طرف پھر آئیں گے ف۸ اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے بعضے ان میں وہ ہیں کہ سنایا ہم نے تجھ کو

بھرلیں تجھ کو، پھر ہماری طرف پھرے آئیں گے۔ اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے، کوئی ان میں ہیں کہ سنایا تجھ کو

ف۱ یعنی دوزخ میں کبھی جلتے پانی کا اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ (اعاذنا اللہ منہما)

ف۲ یعنی اس وقت ان میں سے کوئی کام نہیں آئے گا۔ ہو سکے تو ان کو مدد کے لیے بلاؤ۔

ف۳ یعنی ہم سے گئے گزرے ہوئے۔ شاید اس وقت عابدین اور معبودین الگ الگ کر دیے جائیں گے یا ضلوا عنا کا مطلب یہ ہو کہ گو موجود ہیں، مگر جب ان سے کوئی فائدہ نہیں تو ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں۔

ف۴ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم جن کو دنیا میں پکارتے تھے۔ اب کھلا کہ وہ واقع میں کچھ چیز نہ تھے۔ گویا یہ بطور حسرت و افسوس کے اپنی غلطی کا اعتراف ہوگا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اول منکر ہو چکے تھے کہ ہم نے شریک ٹھہرائے ہی نہیں۔ اب گھبرا کر منہ سے نکل جائے گا ضلوا عنا جس میں شریک ٹھہرانے کا اعتراف ہوگا۔ پھر کچھ سنبھل کر انکار کر دیں گے کہ ہم نے خدا کے سوا کسی کو پکارا ہی نہیں۔

ف۵ یعنی جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے بچل گئے اور گھبرا کر اقرار کر لیا۔ یہی حال ان کافروں کا دنیا میں تھا۔

ف۶ یعنی دیکھ لیا، ناحق کی شیخی اور غرور و تکبر کا انجام یہ ہوتا ہے اب وہ اکڑفوں کدھر گئی۔

=

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ

ان کا احوال اور بعضے ہیں کہ نہیں سنایا ف۱ اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا کہ لے آتا کوئی نشانی مگر اللہ

ان کا احوال، کوئی ہیں کہ نہیں سنایا۔ کسی رسول کا مقدور نہ تھا، کہ لے آتا کوئی نشانی، مگر اللہ کے

اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾

کے حکم سے ف۲ پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہوگیا انصاف سے اور ٹوٹے میں پڑے اس جگہ جھوٹے ف۳

حکم سے۔ پھر جب آیا حکم اللہ کا، فیصلہ ہوگیا انصاف سے اور ٹوٹے میں آئے اس جگہ جھوٹے۔

حیرت واستعجاب برجدال مجادلین ومکذبین ووعید ازعذاب آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ ... الی ... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ﴾

ربط: ...... آیات سابقہ میں حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور دلائل قدرت کا ذکر فرما کر کفر ونافرمانی اور شرک پر وعید وتنبیہ فرمائی تھی اور یہ کہ فطرت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لائے، اب ان آیات میں جدال وخصومت کرنے والے منکرین پر تعجب وحیرت کا اظہار فرمایا جارہا ہے، اور بتایا جارہا ہے، ارشاد فرمایا کیا نہیں دیکھا آپ ﷺ نے ان لوگوں کا حال جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔ عجیب بات ہے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں بے شک جن لوگوں نے اس کتاب یعنی قرآن کریم کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جھٹلایا جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ جن میں احکام خداوندی تھے، معجزات ودلائل تھے، سوعنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے۔ بہر حال قیامت آئے گی، اور اس کا آنا قریب ہی ہے کیونکہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت ہی قرب قیامت کی علامت ہے تو یہ خوب جان لیں گے۔ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی کہ جن میں یہ جکڑے ہوں گے اور اس حال میں گھسیٹے جارہے ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں، پھر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم شریک کرتے تھے عبادت والوہیت میں خدا کو چھوڑ کر۔ اس کے جواب میں یہ لوگ کہیں گے کہ سب غائب ہو گئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم تو اس سے

= ف۷ یعنی ہر قسم کے مجرم اس دروازے سے جو ان کے لیے تجویز شدہ ہے۔ داخل ہوں گے۔

ف۸ یعنی اللہ نے ان کو عذاب دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ممکن ہے کوئی وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پورا ہو (جیسا کہ "بدر" اور "فتح مکہ" وغیرہ میں ہوا) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ بہر حال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس زندگی کے بعد عذاب کی تکمیل اس زندگی میں ہوگی۔ چھٹکارا کسی صورت سے نہیں۔

ف۱ یعنی بعض کا تفصیلی حال تجھ سے بیان کیا بعض کا نہیں کیا۔ (اور ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان کا بھی مفصل حال بیان کر دیا ہو) بہر حال جن کے نام معلوم ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام وغیرہ معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾

ف۲ یعنی اللہ کے سامنے سب عاجز ہیں۔ رسولوں کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جو معجزہ چاہیں دکھلا دیا کریں، صرف وہی نشانات دکھلا سکتے ہیں جس کی اجازت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔

ف۳ یعنی جس وقت اللہ کا حکم پہنچتا ہے رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اس وقت رسول سرخرو اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت وخسران کے سوا کچھ نہیں آتا۔

پہلے بھی ان میں سے کسی کو نہیں پوجتے تھے۔ کیونکہ ہم جانتے تھے یہ معبود بے جان اور بے حقیقت ہیں، ان میں نہ کوئی قدرت اور نہ طاقت واختیار یہ تو محض ہماری طرف سے ایک عناد تھا دین حق سے اور محض اپنے آباء واجداد کے رسم ورواج کی پیروی تھی، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح بھٹکاتا ہے کافروں کو کہ جس چیز کو وہ خود اپنی عقل ودانش سے لاشئ سمجھ رہے ہیں اسی کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں، یہ سزا اے کافرو اس وجہ سے ہے کہ تم دنیا میں خوش ہوتے تھے ناحق کو ایسے باطل عقیدے اور غلط عقیدے اور غلط اعمال کو اچھا سمجھتے تھے اور اس پر خوش ہوتے۔ اور اس وجہ سے کہ تم اترایا کرتے تھے ❶۔ کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں گھسو، درآنحالیکہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہوگے، سو وہ متکبرین کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اور اے ہمارے پیغمبر جب آپ ﷺ کے علم میں یہ آ گیا کہ یہ مجرمین ومتکبرین اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے تو اب ان کافروں کی ایذاؤں اور ان کے طرز عمل پر نہ زیادہ رنجیدہ ہوجیئے اور نہ کسی قسم کا فکر وتشویش کیجئے۔ پس آپ ﷺ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ پھر جس عذاب کا ہم وعدہ کر رہے ہیں تو اس میں سے کچھ آپ ﷺ کو دکھلا دیں یا آپ ﷺ کو اس سے قبل ہم وفات دے دیں۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن بہرکیف وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے اس لیے اگر آپ ﷺ کی حیات میں عذاب نازل نہ ہو تو تب بھی وہ آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے، اور اگر آپ ﷺ کی حیات میں عذاب نازل ہو گیا تو یہ عذاب ان کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا اس لیے کہ اصل عذاب تو وہی ہوگا جو ہماری طرف لوٹا دیئے جانے کے بعد ہوگا۔ اور یہ بات آپ پیش نظر رکھیئے کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعضے تو وہ تھے کہ جن کا قصہ ہم نے آپ ﷺ کو سنایا خواہ اجمالاً یا تفصیلاً اور بعضے وہ تھے کہ جن کا ہم نے آپ ﷺ کو کوئی ذکر نہیں سنایا اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آئے بغیر اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے اور اس طرح وہ ایسے معجزات ونشانیاں ظاہر کرنے لگے جو اس پیغمبر کی امت چاہتی اور مطالبہ کرتی، تو اسی طرح یہ کفار مکہ آپ ﷺ سے کچھ مخصوص نشانیاں اور معجزات طلب کر رہے ہیں اور وہ اللہ کی حکمت ومشیت کے لحاظ سے آپ ﷺ کو نہیں دی جاتیں تو آپ ﷺ اس پر کوئی غم اور صدمہ نہ کیجئے، اللہ اپنی حکمت سے جب کوئی چیز چاہے گا ظاہر کر دے گا۔ ابھی صبر کریں۔ پھر جب اللہ کا حکم آ جائے گا نزول عذاب کا خواہ دنیا میں یا آخرت میں تو فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ٹھیک ٹھیک اور اس وقت یہ باطل پرست خسارہ میں رہ جائیں گے۔ کیونکہ آخرت دار الجزاء ہے لہٰذا انسان نے دنیا میں جیسا عمل کیا اس کا بدلہ ویسا ہی ہوگا۔

تکذیب کتاب اور تکذیب رسول ہر ایک مستقلاً سبب عذاب ہے

﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا﴾ میں بطریق عطف دو چیزوں کی تکذیب پر ان مکذبین کی سزا بیان کی ہے کیونکہ جن مشرکین ومکذبین کے پیش نظر یہ خطاب ہے وہ دونوں قسم کی تکذیب کے مرتکب تھے، ورنہ یہ مطلب نہیں کہ اگر دونوں کی تکذیب نہ ہو بلکہ ایک کی ہو تو پھر وہ معذب نہ ہوں گے بلکہ ہر ایک ان میں معذب اور مخلد

❶ فرح کا ترجمہ خوشی کیا گیا اور مرح کا ترجمہ اترانا، کیونکہ وضع لغت کے لحاظ سے فرح کا تعلق قلب سے ہے اور اس کو خوشی کہا جاتا ہے اس کے بالمقابل مرح کا تعلق بدن سے ہے جس کو اترانا اور اکڑنا کہا جاتا ہے جس کا اثر انسان کے بدن اور چال ڈھال پر نمایاں ہوتا ہے۔

ہونے کا سبب ہے، اور اس طرح کی مثالیں بکثرت کلام اللہ میں موجود ہیں، اور اہل لسان کے یہاں از روئے بلاغت یہ مفہوم معروف بھی ہے۔

عذاب حمیم وجحیم کی ترتیب اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق

اس سلسلۂ عذاب میں یہاں ترتیب یہ ذکر کی گئی۔ ﴿یُسۡحَبُوۡنَ فِی الۡحَمِیۡمِ﴾ گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں ﴿ثُمَّ فِی النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ﴾ کہ پھر وہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیم میں گھسیٹا جانا مقدم ہے اور اس کے بعد جہنم میں جھونکا جانا ہوگا تو بعض علماء مفسرین اسی کے پیش نظر اس بات کے قائل ہوئے کہ حمیم خارج جہنم ہے تو پہلے حمیم میں گھسیٹا جائے گا پھر جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور ان حضرات نے سورۃ والصفت کی ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَی الۡجَحِیۡمِ﴾ کو اسی محمول کیا کہ حمیم پلانے کے وقت ان کو جہنم سے باہر لایا جائے گا، اور حمیم پلانے کے بعد پھر جہنم کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ لفظ ﴿مَرۡجِعَهُمۡ﴾ اس کا قرینہ ہے، لیکن بعض دیگر ائمہ اس کے قائل نہیں، ان کی نظر اس آیت پر ہے۔ ﴿خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ﴾ جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عذاب حمیم دخول جہنم کے بعد ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے عذاب حمیم کے لیے جہنم سے باہر کسی جگہ جانا نہیں ہوگا بلکہ یہ جہنم میں ہی ہوگا کہ ان کے سروں پر یہ کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے ان اقوال یا اس اشکال کو بیان فرما کر بڑی ہی لطیف تحقیق فرمائی، فرمایا احقر کو آیات میں غور کرنے سے ظناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں انواع انواع کے عذاب ہوں گے کبھی کچھ کبھی کچھ۔ ان میں سے حمیم وجحیم بھی ہے پس دونوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا پس ہر نوع باعتبار فرد کے دوسری نوع سے مقدم بھی ہے اور باعتبار دوسرے فرد کے اس سے مؤخر بھی ہے اور دوزخ کا اطلاق کبھی حمیم کے مقابل پر آتا ہے (یعنی جحیم) کبھی حمیم سے عام مفہوم پر (جس میں دونوں داخل ہیں) کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا خود اس نار کا اثر ہے پس اس سے ملابست عین ملابست بالنار ہے تو معنی اول کے لحاظ سے حمیم کو خارج از جحیم کہہ سکتے ہیں، اور معنی ثانی کے اعتبار سے عدم خروج من النار کا حکم صحیح رہتا ہے (تو جس آیت میں دخول جہنم کے بعد عذاب حمیم کا ذکر ہے وہ اسی لحاظ سے ہے) اور اس تقریر پر تمام آیتیں جمع ہوگئیں (اور باہم ان میں کوئی تعارض نہ رہا،) اور تائید اس تقریر کی اس آیت سے ہوتی ہے ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیۡ یُکَذِّبُ بِهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ یَطُوۡفُوۡنَ بَیۡنَهَا وَبَیۡنَ حَمِیۡمٍ اٰنٍ﴾ (تو طواف اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ تقدیم وتاخیر ایک نوع عذاب کی دوسری نوع پر ہوتی رہے گی) انتہی کلامہ بتوضیح یسیر۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡکَبُوۡا مِنۡهَا وَمِنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ

اللہ ہے جس نے بنا دیے تمہارے واسطے چوپائے تاکہ سواری کرو بعضوں پر اور بعضوں کو کھاتے ہو اور ان میں تم کو بہت فائدے ہیں ف۱

اللہ ہے جس نے بنا دیئے تم کو چوپائے تاکہ سواری کرو کتنوں پر اور کتنوں کو کھاتے ہو۔ ان میں تم کو بہت فائدے ہیں،

ف۱ مثلاً ان کے چمڑے، بال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔

وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ

اور تاکہ پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو ف۱ اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو ف۲ اور دکھلاتا ہے تم کو

اور تا پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو، اور ان پر، اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔ اور دکھاتا ہے تم کو

اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

اپنی نشانیاں پھر کون کونسی نشانیوں کو اپنے رب کی نہ مانو گے ف۳ کیا پھرے نہیں وہ ملک میں کہ دیکھ لیتے

اپنی نشانیاں، پھر کون کون نشانیاں اپنے رب کی نہ مانو گے؟ کیا پھرے نہیں ملک میں؟ کہ دیکھتے

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى

کیسا انجام ہوا ان سے پہلوں کا وہ تھے ان سے زیادہ اور زور میں سخت اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر، پھر کام نہ آیا

آخر کیسا ہوا ان سے پہلوں کا؟ وہ تھے ان سے زیادہ اور زور میں سخت، اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر، پھر کام نہ آیا

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ

ان کے جو وہ کماتے تھے ف۴ پھر جب پہنچے ان کے پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں لے کر اترانے لگے اس پر جو ان کے پاس

ان کو جو کماتے تھے۔ پھر جب پہنچے ان پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں لے کر، ریجھنے لگے اس پر جو ان کے پاس

مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

تھی خبر اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے ف۵ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو، بولے ہم یقین لائے اللہ

تھی خبر، اور الٹ پڑی ان پر جس چیز پر ٹھٹھا کرتے تھے۔ پھر جب دیکھی انہوں نے ہماری آفت، بولے یقین لائے اللہ

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ

اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے ف۶ پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب ف۷

اکیلے پر اور چھوڑیں جو چیزیں شریک بتاتے تھے۔ پھر نہ ہوا کہ کام آئے، ان کو یقین لانا ان کا، جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب۔

ف۱ سواری کرنا بجائے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعہ سے انسان بہت مقاصد دینی و دنیاوی حاصل کرتا ہے۔

ف۲ یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔

ف۳ یعنی اس قدر کھلے نشان دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا (اور ابھی کیا معلوم اللہ اور کتنے نشان دکھلائے گا)

ف۴ یعنی پہلے بہت قومیں گزر چکیں جو تعداد میں اور زور و قوت میں ان سے بہت زیادہ تھیں انہوں نے ان سے کہیں بڑھ کر زمین پر اپنی یادگاریں اور نشانیاں چھوڑیں لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور و طاقت اور ساز و سامان کچھ بھی کام نہ آسکا۔ یوں ہی تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔

ف۵ یعنی وجوہ معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے اسی پر اتراتے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایت کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی، اور ان کا استہزاء و تمسخر خود ان ہی پر الٹ پڑا۔

ف۶ یعنی جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آگئی اور عذاب الٰہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور ایمان و توبہ کی سوجھی۔ اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے۔ جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں۔ ہماری سخت حماقت اور گستاخی تھی کہ ان چیزوں کو تخت خدائی پر بٹھا دیا۔ =

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر ف۱

رسم پڑی ہوئی اللہ کی، جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں۔ اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

ذکر انعامات وتوحید رب العالمین، وتہدید منکرین ومشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَنْعَامَ ... الی ... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

ربط: ..... گزشتہ آیات میں سلسلہ مضمون توحید خداوندی تھا اور دلائل قدرت کے بیان کے ساتھ مجرمین کے انجام ہلاکت پر افسوس وملامت کا اظہار ہے، اور یہ کہ خود مجرمین آخرت میں اپنے اعمال پر کس قدر پچھتائیں گے، آیات میں مزید انعامات خداوندی ذکر فرما کر مضمون توحید اور منکرین ومشرکین کی تہدید پر سورت کو ختم فرما دیا گیا۔ ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے ہی نفع کے لیے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض سے تم سواری لو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔ اور بھی بہت سے فوائد رکھے کہ ان کے بال اون اور کھالوں سے نفع حاصل کرو۔ اور اس لیے کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ خواہ ملاقات ہو یا تجارتی سفر ہو یا تعلیم وتعلم، جہاد ہو یا حج کے لیے سفر ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم ان پر سواری کرو بلکہ ان پر اور کشتیوں پر بھی تم لدے پھرتے ہو۔ تم اور تمہارا سامان ان پر لادا جاتا ہے نقل وحمل کا سلسلہ جاری ہے جس سے تمہارے معاشی مسائل حل ہو رہے ہیں، اور حصول منافع کا سلسلہ قائم ہے اور بھی قدرت کی نشانیاں اللہ تم کو دکھاتا ہے سو تم اللہ کی نشانیوں میں سے کون کون سی نشانیوں (اور دلائل قدرت) کا انکار کرو گے، کیا ان لوگوں نے زمین کا سفر نہیں کیا ہے کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان منکرین کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں جو ان سے زائد تھے اپنی تعداد میں اور ان سے زائد تھے اپنی طاقت اور نشانیوں کے اعتبار سے جو آثار ونشانیاں انہوں نے اپنی دولت وثروت اور عزت وحکومت کی چھوڑیں مگر ان کے کچھ کام نہ آئیں یہ تمام باتیں جو کرتے تھے، اور وہ مادی تدابیر اپنی شان وشوکت کی اور اللہ کے پیغمبروں کے مقابلہ میں ہر طرح کی سازشیں، اور کسی طرح بھی وہ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے۔ غرض جب ان کے پاس ان کے پیغمبر اللہ کی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہونے اور ناز کرنے لگے جو ان کے پاس تھا دنیوی اور معاشی علوم میں سے اور اس کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسول کے علم کو حقیر جانا تو آ پڑا ان پر عذاب اسی چیز کی بدولت جس کا وہ تمسخر ومذاق

= ف۷ یعنی اب پچھتانے اور تقصیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایمان وتوبہ کا وقت گزر چکا۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آ جاتا ہے۔ مگر یہ یقین موجب نجات نہیں۔ نہ اس یقین کی بدولت آیا ہوا عذاب ٹل سکتا ہے۔ قال تعالیٰ " ولیست التوبة للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وهم کفار " (نسا، رکوع ۳) وقال فی قصة فرعون " آلئن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین۔ " وفی الحدیث " ان الله تعالیٰ یقبل توبة العبد مالم یغرغر۔ "

ف۱ یعنی ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار واستہزاء سے پیش آتے ہیں پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت شور مچاتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ کو قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب وبرباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللهم احفظنا من الخسران۔ واحفظنا من غضبك وسخطك فی الدنیا والاخرة (تم سورة المومنون ولله الحمد والمنة)

کررہے تھے پھر انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے خدائے واحد پر اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس وقت عذاب خداوندی کے ظاہر ہونے اور دیکھنے کے بعد تو کوئی ایمان لانا معتبر نہیں ہوسکتا تھا تو ان کا ایمان لانا ان کے واسطے کسی درجہ میں نافع نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اس لیے کہ اب یہ ایمان بالغیب نہ رہا جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہوگیا اور نہ اختیاری رہا بلکہ اضطراری ہوگیا، اور ایمان تو وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو اور بحالت اختیاری [1] ہو۔ اللہ کا یہی قانون اور طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آرہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت جب کہ کافروں پر عذاب خداوندی مسلط ہوگیا اور ان کا ایمان بھی نافع و معتبر نہ ہوا تو خسارہ میں پڑگئے۔ اللہ کا انکار و کفر کرنے والے۔ اور یہ خسارہ انتہائی اور آخری درجہ کا ہے کیونکہ اس کے بعد تو تلافی کا کوئی امکان ہی نہیں، نہ ایمان لانے کا وقت رہا، نہ توبہ کی مہلت رہی۔ بخلاف اس کے کہ اگر ایسے لوگ عذاب نازل ہونے سے پہلے کفر و نافرمانی کا تدارک کر لیتے تو تدارک ہوسکتا تھا۔

بحث ایمان باس و ایمان یاس

اب تو نہ پچھتانے سے کوئی فائدہ اور نہ توبہ و معذرت سے کوئی ثمرہ مرتب ہوگا۔ فرعون نے غرق ہوتے وقت جب ایمان لانا چاہا تو اس کو دھتکار دیا گیا کہ ﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ کہ اب ایمان لاتا ہے اور حال یہ کہ پہلے سے نافرمانی کرتا رہا اور موت کے وقت یہی ایمان چونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا، اس لیے وہ بھی معتبر نہیں جیسے کہ ارشاد فرمادیا گیا۔ ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (تفصیل سابق میں گزر چکی) حدیث میں ارشاد ہے فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ وہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت میں نہ آجائے تو حق تعالیٰ نے کافروں کی اس قدیم روش کا ذکر کرتے ہوئے نتیجۃً یہ فیصلہ فرمادیا کہ ایسا ایمان کسی درجہ میں بھی نفع بخش نہ ہوا اور منکرین و کافرین خائب و خاسر ہوئے۔

اللهم احفظنا من الخسرين واحفظنا من غضبك وعذابك توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غير خزايا ولا ندامى ولا مفتونين، آمين يا رب العلمين، تم سورة المؤمن بفضل الله و توفيقه وله الحمد حمدا كثيرا۔

سورۃ حٰم سجدہ

اسی کا نام سورۃ فصلت بھی ہے، اسی کو بعض حضرات نے سورۃ المصابیح بھی کہا ہے باتفاق ایمہ مفسرین مکی سورت ہے جس میں ۵۴ آیات اور چھ رکوع ہیں سورۃ مومن کے اکثر مضامین اثبات توحید و دلائل قدرت اور اثبات قیامت پر مشتمل

[1] تمام ایمہ متکلمین کا اجماع ہے کہ ایسا ایمان، ایمان باس کہلاتا ہے، اور نص قرآنی سے ایسا ایمان ناقابل اعتبار قرار دیا گیا جیسے ارشاد فرمادیا گیا۔ ﴿لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ اسی طرح سکرات موت شروع ہوجانے پر بھی ایمان معتبر نہیں۔ اس کو ایمان یاس کہا جاتا ہے۔

تھے، اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے، اور ضمناً بعث بعد الموت اور حشر ونشر کو بھی ثابت کیا گیا، بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید وتہدید بھی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز قریش کے لوگ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرتے ہوئے کہنے لگے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے ہمارے درمیان تفریق ڈال دی، یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کے پاس جا کر بات چیت کرنی چاہیے دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں، باہمی مشورہ سے گفتگو کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو متعین کیا گیا، کیونکہ وہ ان میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ اور علم وفہم والا شخص شمار کیا جاتا تھا، عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آکر سلسلہ گفتگو اسی طرح کی کہ اے محمد ﷺ تم یہ بتاؤ کہ تم بہتر ہو یا عبداللہ بہتر ہیں، آپ ﷺ خاموش رہے پھر کہا آپ ﷺ بہتر ہیں یا عبدالمطلب، اس پر بھی خاموش رہے، اس کے بعد خود ہی کہنے لگا کہ اگر آپ ﷺ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ (ﷺ) سے بہتر تھے اور آپ ﷺ کے بزرگ تھے تو انہوں نے ان بتوں کی عبادت کی ہے جن کی تم برائی کرتے ہو، اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ان سے اچھے ہو تو پھر بات کرو تا کہ ہم سنیں کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن کے باعث تم اپنے کو ان سے بہتر کہہ سکتے ہو، اور ہمارے معبودوں کی قسم آپ (ﷺ) سے بڑھ کر ہم نے کسی شخص کو اپنی قوم اور قبیلہ میں تفرقہ ڈالنے والا نہیں دیکھا، تم نے ہمارے خاندانوں کو جدا جدا کر دیا۔ تم ہمارے معبودوں کی برائی کرتے ہو، ہمارے دین کو برا کہتے ہو، اور تم نے ہمیں تمام عرب میں ذلیل کیا یہاں تک کہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر پیدا ہوا ہے، ان میں ایک کاہن ہے اب کیا بات کا انتظار ہے کہ ہماری قوم میں ایک آواز بلند ہو، اور ایک دوسرے کے بالمقابل تلوار لے کر میدان میں نکل آئے، اے شخص اگر تمہیں مال کی ضرورت ہے تو کہہ دو، ہم سب قبیلے مال جمع کر کے اتنا دے دیں گے کہ تم عرب کے سب سے زائد مالدار آدمی ہو جاؤ گے، اگر سرداری چاہتے ہو، وہ ہم ماننے کو تیار ہیں اور اگر نفس کی کوئی نفس کی کوئی خواہش ہے تو وہ بھی پوری کر دی جائے گی، آنحضرت ﷺ عتبہ کی یہ تمام گفتگو سنتے رہے، جب وہ بول کر خاموش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہہ چکا جو کچھ کہنا تھا اس نے کہا جی ہاں تو آپ ﷺ نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر اس سورت مبارکہ کی ابتداء سے تلاوت شروع فرمادی ﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ پڑھتے پڑھتے ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً﴾ آخر آیت تک پہنچے تو عتبہ جواب تک سر جھکائے بڑی محویت سے سن رہا تھا بولا بس بس [1]۔ اگر آپ ﷺ کے پاس کوئی اور کلام ہو تو سناؤ، آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس تو یہی کلام ہے اللہ کا جو اس نے مجھ پر نازل کیا، عتبہ واپس لوٹا تو لوگوں نے پوچھا کیا کر کے آیا۔ کہا جو کچھ تم لوگوں نے کہا تھا وہ سب کچھ میں نے ان سے کہا، مجھے تو اس میں سے کچھ سمجھ میں نہیں آیا بجز اس کے کہ ﴿اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ کہ میں تمہیں ایک چیخ سے ڈراتا ہوں جو عاد وثمود پر عذاب وقہر کی چیخ کی طرح ہوگی یہ لوگ کہنے لگے عجیب بات ہے کہ وہ عربی میں بول رہے تھے، تو عرب کا فصیح اللسان ہوتے ہوئے بھی نہیں سمجھ رہا تھا، کہنے لگا بس میں تو صاعقہ کے ذکر کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا، ایک روایت میں ہے کہ قریش کے لوگ کہنے لگے خدا کی

[1] ایک روایت میں ہے کہ اس نے گھبرا کر آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا بس بس۔ ۱۲

قسم ابوالولید (عتبہ کی کنیت تھی) تو اس حالت سے بدل کر آیا جس حالت میں یہاں سے گیا تھا، یعنی بدلا ہوا نظر آرہا ہے، عتبہ نے کہا خدا کی قسم جو قول میں نے اس سے سنا ہے وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے اور نہ سحر ہے تم اس کا مقابلہ نہ کرو، اگر دوسرے عرب قبائل نے اس کو مغلوب کر دیا تو وہی تمہیں کفایت کر جائیں گے اور اگر وہ غالب آ گیا تمام عرب پر تو اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور تم دنیا میں سب سے زیادہ سعادت و عزت والے ہو جاؤ گے۔ قریش کے لوگ یہ سن کر بولے اے ابوالولید اس نے اپنے کلام سے تجھ پر بھی جادو کر دیا، عتبہ یہ سن کر کہنے لگا اچھا پھر تمہاری مرضی جو چاہو کرو۔

(۴۱ سُورَةُ حٰمٓ السَّجْدَة مَكِّيَّةٌ ٦١) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰياتها ٥٤ ركوعاتها ٦)

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ

اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے ف۱ ایک کتاب ہے کہ جدا جدا کی ہیں اس کی آیتیں ف۲ قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے

کچھ اتارا ہے بڑے مہربان رحم والے سے۔ کتاب ہے کہ جدی جدی کی ہیں اس کی آیتیں قرآن عربی زبان کا، ایک سمجھ والے

يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ

لوگوں کو ف۳ سنانے والا خوشخبری اور ڈر ف۴ پر دھیان میں نہ لائے وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے ف۵ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں

لوگوں کو۔ سناتا ہے خوشی اور ڈر۔ پھر دھیان نہ لائے وہ لوگ پھر وہ نہیں سنتے۔ اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں

اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا

اس بات سے جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے سو تو اپنا کام کر

اس بات سے جس طرف تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے تمہارے بیچ میں اوٹ ہے، سو تو اپنا کام کر

عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

ہم اپنا کام کرتے ہیں ف۶ تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے سو سیدھے رہو اس کی طرف

ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ تو کہہ، میں بھی آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے، سو سیدھے رہو اس کی طرف

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو ان کی ہدایت کے لیے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔

ف۲ لفظی طور پر آیات کا جدا جدا ہونا تو ظاہر ہے، مگر معنوی حیثیت سے بھی سینکڑوں قسم کے علوم اور مضامین کی تفصیل الگ الگ آیات میں کی گئی ہے۔

ف۳ یعنی قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف و شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ تا کہ ان لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ مگر اس کے باوجود بھی ظاہر ہے وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہو سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہوں، ناسمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

ف۴ یعنی قرآن اپنے ماننے والوں کو نجات و فلاح کی خوشخبری سناتا اور منکروں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔

ف۵ یعنی ان سب باتوں کے باوجود بھی تعجب ہے ان میں سے بہت لوگ اس کتاب کی بیش قیمت نصائح کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سننا کیوں چاہیں گے۔ فرض کیجیے کانوں سے سن بھی لیا لیکن گوش دل سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو سنا ان سنا برابر ہے۔

ف۶ یعنی صرف اسی قدر نہیں کہ نصیحت کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے، بلکہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو سن کر ناصح بالکلیہ مایوس ہو جائے۔ اور =

وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

اور اس سے گناہ بخشواؤ ف۱ اور خرابی ہے شریک کرنے والوں کو جو نہیں دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت سے

اور اس سے گناہ بخشواؤ۔ اور خرابی ہے شریک والوں کو۔ جو نہیں دیتے زکوٰۃ، اور وہ آخرت سے

كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

منکر ہیں ف۲ البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ثواب ملنا ہے جو موقوف نہ ہو ف۳

منکر ہیں۔ البتہ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو نیگ ملنا ہے جو بس نہ ہو۔

حقانیت قرآن کریم ورسالت سید المرسلین وانجام مکذبین ومنکرین واجر وثواب مومنین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ... الی ... لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾

ربط: ...... جیسا کہ گزشتہ کلمات میں ذکر کیا گیا کہ پہلی سورت مضامین توحید پر مشتمل تھی اب اس سورت میں قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنا مقصود ہے، اور یہ کہ منکرین کا انجام کس طرح ہلاکت وتباہی کا ہوگا اور اہل ایمان کو کس اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ ارشاد فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾ خدا ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے۔ یہ کلام نازل کیا جارہا ہے، رحمن ورحیم کی طرف سے جو ایک کتاب

= آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کردے۔ مثلاً کہتے ہیں ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھے ہوئے ہیں اس لیے کوئی بات وہاں تک پہنچتی نہیں۔ اور جب تم بات کرتے ہو ہمارے کان اونچا سننے لگتے ہیں۔ ثقل سماع کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دیتا، اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا پردہ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا، دشمنی، اور عداوت کی جو دیواریں کھڑی ہیں وہ درمیان سے اٹھ جائیں اور جو خلیج حائل ہے وہ پُر ہو، تب ہم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ سکے۔ لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پھر تم کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کام کریں گے۔ اس کی توقع مت رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحتوں سے متاثر ہونے والے ہیں۔

ف۱ یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو نہ کوئی اور مخلوق ہوں، بلکہ تمہاری جنس ونوع کا ایک آدمی ہوں جس کی بات کا سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بناء پر آسان ہونا چاہیے، اور وہ آدمی ہوں، جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین وحی کے لیے چن لیا ہے بنا ٴ علیہ خواہ تم کتنا ہی اعراض کرو اور کتنی ہی یاس انگیز باتیں کرو میں خدائی پیغام تم کو ضرور پہنچاؤں گا مجھے بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود اور حاکم علی الاطلاق ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہٰذا سب کو لازم ہے کہ تمام شئون واحوال میں سیدھے اسی خدائے واحد کی طرف رخ کرکے چلیں اس کے راستہ سے ذرا ادھر ادھر نہ قدم نہ ہٹائیں اور پہلے اگر ٹیڑھے ترچھے چلے ہیں تو اپنے پروردگار سے اس کی معافی چاہیں۔ اور اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔

ف۲ جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں، اور بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا پیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، کیونکہ انہیں تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی اور اچھے برے کا حساب کتاب بھی ہوگا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی وبربادی کے اور کیا ہونا ہے۔

(تنبیہ) بعض سلف نے یہاں "الزکوٰۃ" سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے۔ اور بعض نے "زکوٰۃ" کے معنی پاکیزگی اور ستھرائی کے لیے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے نفس کو عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک وصاف نہیں کرتے۔ اس میں کلمہ طیبہ کا ترک اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا بھی آ گیا۔ وھذا کما قال ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾۔ وقال ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ وقال ﴿وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً﴾ وغیرہ ذالک۔ شاید یہ معنی اس لیے یہاں لیے گئے ہوں کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یا اس لیے کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی کبھی منقطع نہ ہوگا ابد الآباد تک جاری رہے گا۔ جنت میں پہنچ کر نہ ان کو فنا نہ ان کے ثواب کو۔

ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں اس طرح کہ یہ قرآن ہے عربی زبان میں تا کہ اہل عرب اس کے معارف ومعانی بسہولت سمجھ کر ایمان لے آئیں اور بہت سہولت سے یہ جان لیں کہ کسی بشر کا کلام نہیں کیونکہ وہ عربی ہیں فصاحت وبلاغت کے امام ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عرب کا کوئی امی عربی کلام پیش کر رہا ہے تو ان فصحاء وادباء کو اس سے بڑھ کر کلام پیش کر دینا چاہئے، چہ جائیکہ وہ مقابلہ سے عاجز رہیں، اور عاجز رہنا بلاشبہ اس کا ثبوت ہوگا کہ یہ کلام بشر نہیں، بہرکیف یہ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن عربی سامان ہدایت ہے۔ اس قوم کیلئے جو عقل رکھتی ہو۔ جو ماننے اور عمل کرنے والوں کے واسطے بشارت سنانے والا ہے اور انکار ونافرمانی کرنے والوں کے لیے ڈرانے والا ہے۔ قرآن حکیم اور ان صفات کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسی عظیم کتاب ہدایت پر سب لوگ ایمان لاتے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی پھر وہ اپنے دلی عناد ونفرت کی وجہ سے سنتے ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو حق وہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلافوں اور پردوں میں محفوظ ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ﷺ ہم کو بلا رہے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کی کوئی بات بھی ہمارے دل قبول نہیں کرتے۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اس لیے اصل میں ہمیں آپ ﷺ کی بات سنائی ہی نہیں دیتی۔ اور ہمارے آپ ﷺ کے درمیان تو ایک حجاب رکاوٹ اور پردہ ہے تو اس صورت میں آپ ﷺ کی طرف نہ رخ ہوسکتا ہے اور نہ قلبی میلان ہوسکتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ اپنا کام کیے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں اب ہم سے کسی طرح کی امید وتوقع رکھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے میں اس بات کی تو قدرت نہیں رکھتا کہ زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان کی طرف پھیر دوں، اور تمہیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کر دوں۔ بس میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں اور کسی بشر کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا دل پھیر دے، یہ قدرت اور طاقت تو صرف رب العالمین کو ہے۔ البتہ یہ شرف اور برتری اور امتیاز مجھ کو عطا کیا گیا ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی نازل کی جاتی ہے جو عین عقل وفطرت کے مطابق ہے وہ یہ کہ اے لوگو! بس تم سب کا معبود تو صرف ایک ہی خدا ہے، اس لیے بس اس کی طرف تم اپنا رخ پوری استقامت وپختگی کے ساتھ کر لو نہ کسی اور کی عبادت کرو، اور زندگی کے ہر شعبہ میں بس اس کی پیروی کرو۔ اور آج تک جو قصور وگناہ سرزد ہوئے ان کی اسی سے معافی مانگو۔ اور اصل حقیقت تو یہ ہے کہ شرک کرنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت دتباہی ہے۔ جو زکوٰۃ [1] اور آخرت کا انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے بالمقابل جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے آخرت میں ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ کیونکہ آخرت کی ہر نعمت دار الخلد کی نعمت ہے اور ان نعمتوں کو زوال وفنا نہیں، جیسے کہ ارشاد ہے ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کہ یہ ایسی عطا ہے جو کبھی قطع نہیں کیا جائے گی، دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ﴾ کہ ان انعامات کا کبھی خاتمہ نہیں ہے۔

قبول حق اور ہدایت سے محرومی کے اسباب

قبول حق اور ہدایت سے محرومی اور بدنصیبی کے بیان میں ان تین چیزوں کا ذکر کیا ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ ﴿وَفِيْٓ

[1] یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا اور پھر شرک کرنے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا جانا کہ ہلاکت ہے ان مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو باعث تردد ہوتا ہے کہ مشرک زکوٰۃ کیا ادا کریں گے اور عدم ادائیگی پر وعید کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے، اس لیے اگر یہاں زکوٰۃ کا لغوی مفہوم طہارت وپاکی کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ اس طرح کر لیا جائے "جو پاکی اور طہارت نہیں حاصل کرتے" تو یہ اشکال رفع ہوجائے گا۔

اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ ﴿وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ﴾ یعنی دلوں کا غلافوں میں مستور ہونا، کانوں میں ڈاٹ کی بندش اور درمیان میں پردہ، علامہ ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کیونکہ قلب ہی معرفت کا محل ہے اور سمع وبصر (کان اور نگاہ) دونوں اس کے واسطے معین ہیں، تو کفار مکہ نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کے ذکر میں انہی تینوں کو بیان کیا کہ یہ تینوں ذرائع مسدود اور محجوب ہیں۔ لہٰذا جو کچھ بھی اللہ کا رسول ﷺ ان کی طرف القاء کرے اس کا کوئی اثر ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ﴿قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ﴾ میں لفظ فی کی تعبیر مبالغہ اور شدت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے اگرچہ قلب کے محجوب ہونے کا مفہوم ﴿عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ کے لفظ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے جیسے کہ خود آیت قرآنیہ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ میں "علی" استعمال کیا گیا۔ مگر ان کفار نے وحی اور ہدایت رسول سے غایت تنفر اور بغض کے باعث یہ کہا ﴿فِیْٓ اَكِنَّةٍ﴾ کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں کہ غلاف بمنزلہ ظرف کے محیط ہیں اور قلوب بمنزلہ مظروف اسی کے اندر سمائے ہوئے ہیں، یعنی جس طرح کوئی چیز ہر جانب سے کسی غلاف میں لپٹی ہوئی ہو، اسی طرح ہمارے قلوب بھی ہیں کہ کوئی گوشہ اور جانب خالی نہیں کہ اس سمت اور رخ سے قلب میں حق داخل ہوسکے، اس لیے لفظ فی استعمال کیا گیا، اس کے بالمقابل اس دوسری آیت ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ میں حق تعالیٰ کی طرف سے صرف حکایت تھی اور یہ بتانا تھا ان کے دل قبول حق اور اس کی معرفت سے محروم کردیئے گئے ہیں کہ ان پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور ضرورت نہ تھی کہ شدت ومبالغہ اور تنفر کا اظہار کیا جائے جو لفظ فی کے استعمال سے ظاہر ہورہا ہے تو اس وجہ سے اس آیت میں ﴿جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ کی تعبیر اختیار فرمائی گئی، اگرچہ نفس مراد کی ادائیگی میں دونوں عنوان ایک ہی درجہ رکھتے ہیں لیکن ہر مقام کی خصوصیت کے پیش نظر ظاہر ہوا کہ اس موقع پر ﴿قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ﴾ کی تعبیر میں وہ بلاغت اور معنوی لطافت ہے جو اس جگہ لفظ علی میں حاصل نہ ہوتی اور وہاں اللہ رب العزت کی طرف سے ایک حالت کا بیان ہے اس میں اس طرح کی شدت کا بیان ضروری نہیں تو وہاں لفظ علی ہی بلیغ ہے، اگر وہاں علی کے بجائے فی استعمال کیا جاتا تو وہاں وہ بلاغت نہ رہتی، جو لفظ علی کے استعمال میں ہے بلکہ اصول عربیت کی رو سے یہ زائد از ضرورت کے درجہ میں شمار ہوتا[1] اور کلام میں ایسی تاکیدات کا لحاظ کرنا، جس کی ضرورت نہ ہو، معیار فصاحت وبلاغت سے کلام گرانے والا ہوتا ہے۔ ﴿الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کو اس مقام پر جو صفت مشرکین بیان کیا گیا یا تو اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی تو ایمان کے بعد ہوسکتی تھی تو جب ایمان ہی سے محروم رہے تو زکوٰۃ کی کیا نوبت آسکتی ہے یا زکوٰۃ لغوی معنی طہارت کے لحاظ سے استعمال کیا گیا کہ تقویٰ وطہارت کے کام انجام نہیں دیتے۔ خواہ وہ طہارت وپاکیزگی کا شعبہ انفاق مال سے متعلق ہو یا اخلاق ومعاملات اور معاشرت سے ہو۔ مراد یہ کہ ایسی کوئی بھی چیز انجام نہیں دیتے۔ اس دوسرے مفہوم کو پیش نظر رکھنے سے وہ اشکال بھی دور ہوجائے گا کہ جو اس سورت کے مکیہ ہونے کی بنا پر ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم تو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تو پھر مکی سورت میں اس کا

---

[1] علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی جلد ۲۴ ص ۲۵ پر آیت مذکورہ میں فی کے استعمال کی حکمت ﴿وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ کی رعایت بیان فرمائی ہے کہ کان مستقر ہوتے ہیں، وقر اور بوجھ کے، تو اس کی مناسبت سے قلوب کے پردوں میں بھی فی استعمال کرلیا گیا ہے، اگرچہ علی اور فی سے ایک ہی معنی حاصل ہوتے ہیں، ناچیز نے جو کچھ بتوفیق خداوندی عرض کیا، وہ اس کے علاوہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ پر استعمال کیا ہوا لفظ ہی بلیغ ہے اور اس میں ایک ایسا نکتہ ہے جو اسی لفظ سے مفہوم ہوسکتا ہے۔

ذکر کیسے ہے۔ یہی چیز آیت المؤمنون اور آیت سورۃ المزمل میں زکوۃ کے ذکر میں کہی جاسکتی ہے اگرچہ یہ تاویل بھی ممکن ہے، جو بعض حضرات سلف سے نقل کی گئی کہ اصل حکم زکوۃ کا مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو چکا تھا۔ مگر اس کی تفصیلات اور نصاب ومقدار کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا۔ گو یہ چیز کسی واضح اور صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ بہرکیف یہاں مشرکین کے اوصاف میں عدم اداءِ زکوۃ کا ذکر یا اس بنا پر ہے کہ وہ ایمان سے محروم ہیں۔ زکوۃ کا تو کیا تصور کیا جائے۔ یا اس حیثیت سے کہ وہ تقویٰ وطہارت کے کام نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ شرک جو سب سے بڑی گندگی ہے، اس کے ہوتے ہوئے طہارت کا کیا مقام ہوسکتا ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ

تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو وہ ہے

تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں، اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو، وہ ہے

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ⑨ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ

رب جہان کا ف۱ اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی ف۲

رب جہان کا۔ اور رکھے اس میں بوجھ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی

اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا

چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو ف۳ پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا ف۴ پھر کہا اس کو

چار دن میں پوری پوچھنے والوں کو۔ پھر چڑھا آسمان کو اور دھواں ہو رہا تھا، پھر کہا اس کو

وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ⑪ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ

اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے ف۵ پھر کردیے وہ سات آسمان

اور زمین کو، آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے۔ وہ بولے ہم آئے خوشی سے۔ پھر ٹھہرائے سات آسمان

ف۱ یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے اور دوسری چیزوں کو اس کے برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔

ف۲ "اور برکت رکھی اس کے اندر" یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں اور "ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی" یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں۔ چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے ...وں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔

ف۳ یہ سب کام چار دن میں ہوا دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی پوچھنے والوں کا جواب پورا ہوا

تنبیہ: یہاں دنوں سے مراد ظاہر ہے معروف ومتبادر دن نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں۔ لامحالہ ان دنوں کی مقدار مراد ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾

ف۴ یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح اس کو بانٹ کر سات آسمان کیے، جیسا کہ آگے آتا ہے

(تنبیہ) ممکن ہے "دخان" سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔

ف۵ یعنی ارادہ کیا کہ ان دونوں (آسمان وزمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے۔ خواہ اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں۔ (بہرحال دونوں کو ملا کر ایک نظام=

فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَاَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَہَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ٭ۖ وَحِفۡظًا ؕ

دو دن میں ف۱ اور اتارا ہر آسمان میں حکم اس کا ف۲ اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا

دو دن میں، اور اتارا ہر آسمان میں حکم اس کا۔ اور رونق دی ہم نے آسمان کو چراغوں سے اور نگہبانی۔

ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ صٰعِقَۃِ

یہ سادھا ہوا ہے زبردست خبردار کا ف۳ پھر اگر وہ ٹلائیں تو تو کہہ میں نے خبر سنا دی تم کو ایک سخت عذاب کی جیسے عذاب آیا

یہ سادھا ہے زبردست خبردار کا۔ پھر اگر وہ ٹلا دیں تو تو کہہ، میں نے خبر سنا دی تم کو ایک کڑاکے کی، جیسے کڑاکا آیا

عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ﴿ؕ۱۳﴾ اِذۡ جَآءَتۡہُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِہِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا

عاد اور ثمود پر ف۴ جب آئے ان کے پاس رسول آگے سے اور پیچھے سے ف۵ کہ نہ پوجو کسی کو

عاد اور ثمود پر۔ جب آئے ان کے پاس رسول آگے سے اور پیچھے سے کہ نہ پوجو کسی کو سوا

= بنایا تھا) وہ دونوں آملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں۔ اور پہلے جو فرمایا تھا کہ" زمین میں اس کی خوراکیں رکھیں۔" یعنی اس میں قابلیت ان چیزوں کے نکلنے کی رکھ دی تھی۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی چار دن وہ تھے اور دو دن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہو گئے، جیسا کہ دوسری جگہ "ستۃ ایام" کی تصریح ہے۔

(تنبیہ) جن احادیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کی تعیین وترتیب آئی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے فلاں فلاں دن میں پیدا کی ان میں کوئی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گزری۔ حتیٰ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیر لکھتے ہیں: " وھو من غرائب الصحیح وقد عللہ البخاری فی التاریخ فقال رواہ بعضھم عن ابی ھریرۃ عن کعب الاحبار وھو الاصح۔ " اور روح المعانی میں فقال شافعی سے نقل کیا ہے: "تفرد بہ مسلم وقد تکلم علیہ الحفاظ علی ابن المدینی والبخاری وغیرھما وجعلوہ من کلام کعب وان اباھریرۃ انما سمعہ منہ ولکن اشتبہ علی بعض الرواۃ فجعلہ مرفوعًا۔ " (باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورۃ "بقرۃ" کی آیت ﴿ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ﴾ سے جو ظاہر ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے۔ اور سورۃ "نازعات" میں ﴿وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىہَا﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اس کے جواب کئی طرح دیے گئے ہیں۔ احقر کو ابوحیان کی تقریر پسند ہے یعنی ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں "ثم" اور دوسری میں "بعد ذلک" تراخی زمان کے لیے ہو۔ ممکن ہے ان الفاظ سے تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد لیں۔ جیسے "ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ" میں۔ یا دوسری جگہ "عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ۔" میں یہی معنی مراد لیے گئے ہیں۔ بہرحال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت وقدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے جس کا نکتہ ادنیٰ تامل وتدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کے لیے لکھ دیے ہیں۔

ف۲ یعنی جو حکم جس آسمان کے مناسب تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" یہ رب کو معلوم ہے کہ وہاں کون مخلوق بستی ہے اور ان کا کیا اسلوب (اور رنگ ڈھنگ) ہے۔ اتنی زمین میں ہزاروں ہزار کارخانے ہیں تو اتنے بڑے آسمان کب خالی پڑے ہوں گے۔"

ف۳ یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کو ان قدرتی چراغوں سے آسمان کیسا پر رونق معلوم ہوتا ہے۔ پھر محفوظ کتنا کر دیا ہے کہ کسی کی وہاں تک دسترس نہیں۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ سب سے بڑی زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔

ف۴ یعنی کفار مکہ اگر ایسی عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید واسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض کرتے رہیں تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی "عاد" "ثمود" وغیرہ اقوام معذبین کی طرح ہو سکتا ہے۔

=

اللّٰہَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَۃً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ

سوائے اللہ کے کہنے لگے اگر ہمارا رب چاہتا تو بھیجتا فرشتے سو ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانتے ف۱ سو جو عاد تھے

اللہ کے۔ کہنے لگے اگر ہمارا رب چاہتا تو اتارتا فرشتے، سو ہم تمہارے ہاتھ بھیجا نہیں مانتے۔ سو وہ جو عاد تھے

فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً ؕ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ

وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور میں ف۲ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ

غرور کرنے لگے ملک میں ناحق کا اور کہنے لگے، کون ہے ہم سے زیادہ زور میں ؟ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ

الَّذِیۡ خَلَقَہُمۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَکَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ

جس نے ان کو بنایا وہ زیادہ ہے ان سے زور میں اور تھے ہماری نشانیوں سے منکر ف۳ پھر بھیجی ہم نے ان پر

جس نے ان کو بنایا وہ زیادہ ہے ان سے زور میں اور تھے ہماری نشانیوں سے منکر۔ پھر بھیجی ہم نے ان پر

رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیۡقَہُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَلَعَذَابُ

ہوا بڑے زور کی کئی دن جو مصیبت کے تھے تاکہ چکھائیں ان کو رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگانی میں ف۴ اور آخرت کے

باؤ ٹھری زور کی کئی دن مصیبت کے کہ چکھائیں ان کو رسوائی کی مار دنیا کے جیتے۔ اور آخرت کی

الۡاٰخِرَۃِ اَخۡزٰی وَہُمۡ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَہَدَیۡنٰہُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی

عذاب میں تو پوری رسوائی ہے اور ان کو کہیں مدد نہیں ف۵ اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راہ بتلائی پھر ان کو خوش لگا اندھا رہنا

مار میں تو پوری رسوائی ہے، اور ان کو کہیں مدد نہیں۔ اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راہ بتائی پھر ان کو خوش لگا اندھے رہنا

= ف۵ یعنی ہر طرف سے۔ شاید بہت رسول آئے ہوں گے مگر مشہور یہی دو رسول ہیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور یا ﴿مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِہِمۡ﴾ سے مراد یہ ہو کہ ان کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے آئے۔ کوئی جہت اور کوئی پہلو نصیحت وفہمائش کا نہیں چھوڑا۔

ف۱ یعنی خدا کا رسول بشر کیسے ہوسکتا ہے اگر اللہ کو واقعی رسول بھیجنا ہے تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتا۔ بہرحال تم اپنے زعم کے موافق جو باتیں خدا کی طرف سے لائے ہو ہم ان کے ماننے کے لیے تیار نہیں۔

ف۲ شاید رسولوں نے جو عذاب کی دھمکی دی ہوگی اس کے جواب میں یہ کہا ہو کہ ہم سے زیادہ زور آور کون ہے۔ جس سے ہم خوف کھائیں۔ کیا ہم جیسے طاقتور انسانوں پر تم اپنا رعب جما سکتے ہو؟ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ان کے جسم بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ بدن کی قوت پر غرور آیا۔ غرور کا دم بھرنا اللہ کے ہاں وبال لاتا ہے۔"

ف۳ یعنی دل میں ان کا حق ہونا سمجھتے تھے مگر ضد اور عناد سے انکار کرتے چلے جاتے تھے۔

ف۴ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ان کا غرور توڑنے کو ایک کمزور مخلوق سے ان کو تباہ کرا دیا۔ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا رہا۔ درخت آدمی، مکان، مواشی کوئی چیز نہ چھوڑی۔

ف۵ یعنی آخرت کی رسوائی تو بہت ہی بڑی ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گی، نہ وہاں کوئی مدد کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی۔ محبت و ہمدردی کے بڑے بڑے مدعی آنکھیں چرائیں گے۔

الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ

راہ سوجھنے سے ف۱ پھر پکڑا ان کو کڑک نے ذلت کے عذاب کی بدلہ اس کا جو کماتے تھے ف۲ اور بچا دیا ہم نے

سوجھنے سے۔ پھر پکڑا ان کو کڑاکے نے ذلت کی مار کے، بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ اور بچا دیئے ہم نے

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

ان لوگوں کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے ف۳

جو یقین لائے تھے، اور بچ چلتے تھے۔

استعجاب وتوبیخ بر کفر خالق کائنات وتہدید بذکر انجام مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ ... الی ... وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان تھا اور اثبات رسالت نبی کریم ﷺ، بطور تمہید ان امور کو ذکر کر کے اب ان آیات میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس امر پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ خالق کائنات (جس کی قدرت وخالقیت اور الوہیت کے دلائل روز روشن سے زائد واضح ہیں) کا انکار کوئی بھی صاحب عقل انسان کیونکر کرتا ہے، جب بھی انسان عقل اور فطرت کے معیار پر اس بات کو پرکھے گا کبھی بھی انکار خدا اور شرک کے امکان کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اس ذیل میں دلائل قدرت بیان فرمائے گئے، ساتھ ہی مجرمین ونافرمان کا عبرتناک انجام تاریخی حقائق کے طور پر ذکر کر کے کفار کو تنبیہ وتہدید فرمائی گئی، فرمایا آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کیا تم انکار کرتے ہو اس پروردگار کا جس نے زمین کو باوجود اپنی عظیم وسعت کے دو روز کے بقدر وقت میں پیدا کیا۔ اور تم اس پروردگار کی شان خالقیت اور قدرت عظیم کے مناظر وشواہد دیکھنے کے باوجود جن میں سے ہر ایک چیز اپنی دلالت اور زبان حال سے خدا کی وحدانیت کو ظاہر کر رہی ہے۔ پھر بھی تم اس کے واسطے شریک قرار دے رہے ہو حالانکہ یہی خدا جس کی قدرت کا تم مشاہدہ کر رہے ہو۔ سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی نے اس زمین میں پہاڑ بنائے جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں، اور ان پہاڑوں سے میخوں کی طرح زمین کو ٹھہرایا ہوا ہے۔ اور اس میں بڑی ہی برکتیں رکھیں۔ معدنیات وخزائن ہیں اسی سے غلے اور پھل پھول اگتے ہیں جن میں مخلوق کے واسطے فائدے رکھے ہیں اور اس زمین میں اس پر رہنے والوں کی غذائیں اندازے کے ساتھ رکھ دیں اور جس طرح اور جس انداز ومقدار سے چاہا اپنی حکمت سے پیدا کیا، یہ سب کچھ چار دن میں ہو گیا۔ دو دن میں زمین اور دو دن میں پہاڑ، درخت، بہائم وجملہ مخلوقات ارضیہ جو پورے ہیں۔ کمیت اور کیفیت خلق کو دریافت کرنے والوں کے لیے۔ پھر یہ سب کچھ پیدا کرنے کے بعد متوجہ ہوا وہ پروردگار آسمان کی جانب جب کہ دھواں تھا۔ جس کا یہ مادہ دخانیہ اگر زمین کے بچھانے سے قبل تھا لیکن

ف۱ یعنی نجات کا راستہ جو ہمارے پیغمبر نے بتلایا تھا اس سے آنکھیں بند کر لیں اور اندھا رہنے کو پسند کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی پسند کی ہوئی حالت میں انہیں پڑا چھوڑ دیا۔

ف۲ یعنی زلزلہ آیا جس کے ساتھ سخت ہولناک آواز تھی، اس آواز سے جگر پھٹ گئے۔

ف۳ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بدی کے راستہ سے بچ کر چلتے تھے ان کو اللہ نے صاف بچا لیا۔ نزول عذاب کے وقت ان پر ذرا آنچ بھی نہیں آئی۔

بحیثیت موجودہ، زمین کے بچھانے کے بعد سات آسمانوں کی صورت میں پیدا کیا گیا، تو اس صورت میں آسمان وزمین سے کہا تم دونوں آجاؤ۔ ہمارے حکم کے سامنے اطاعت وفرماں برداری کے ساتھ خواہ خوشی سے یا زبردستی سے یعنی ہم جو بھی حکم تکوینی طور پر تمہیں دیں اس کی تعمیل کرنی ہوگی خواہ رضا وخوشنودی یا مجبوری اور زبردستی سے بہرحال تم کو مجال نہ ہوگی کہ ہمارے حکم کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ وتردد کر سکو، جب ہم چاہیں گے چاند، سورج، ستارے طلوع وغروب ہوں گے، جب ہم حکم دیں گے ہوائیں چلیں گی، اور جب حکم ہوگا رکیں گی، جب چاہیں گے بارشیں برسیں گی جہاں چاہیں گے، اور جتنی چاہیں گے، جس قدر غلہ چاہیں گے اگے گا، اسی طرح پھل پھول اور جملہ غذائیں جب تک چاہیں زمین ٹھہری رہے گی، اور جب چاہیں گے زلزلہ برپا کر دیں گے، الغرض اس قسم کے ہمارے ہر حکم کی اطاعت کے لیے اور جملہ احوال وتغیرات کے لیے جو واقع کریں، اے آسمان وزمین تیار رہو جس میں تمہیں ذرہ برابر بھی خلاف ورزی کی مجال نہ ہو سکے گی، آسمان وزمین دونوں نے عرض کیا ● ہم دونوں حاضر ہیں خوشی سے تیرے تمام احکام کی تعمیل کے لیے سو دو روز کے بقدر وقت میں آسمان کے اس مادۂ دخانیہ کو پورے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اپنا حکم جاری فرما دیا جو اس کے مناسب تھا، فرشتوں کو احکام تکوینیہ جاری فرما دیئے گئے اور فرشتوں کی جو جماعت نظام عالم کے جس شعبہ پر مامور فرمائی تھی اس کو اس پر مامور کر دیا گیا، اور مزین کر دیا ہم نے آسمان دنیا کو یعنی قریب والے آسمان کو جو کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں سے قریب ہے روشن چراغوں یعنی چمکنے والے ستاروں سے اور ان ہی ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کے ساتھ ذریعۂ حفاظت بھی بنایا تاکہ کوئی جن یا شیطان اگر آسمان کا رخ کرے اور یہ چاہے کہ اللہ کے تکوینی امور میں سے کوئی چیز سن لے اور معلوم کرے تو یہ ستارے اس کو جلا کر خاک کر دیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ یہ ہے کائنات کی تخلیق وتقدیر اور اندازہ کے موافق ہر شئے کا وجود اس پروردگار کی جو زبردست وقوت وعزت اور علم والا ہے کہ ہر مخلوق خدا کی عزت وقوت اور اس کے علم بے پایاں کی گواہی دے رہی ہے، ہر ایک مخلوق اپنے خالق قادر مطلق کامل صفات کی وحدانیت کی شہادت دیتے ہوئے یہی کہہ رہی ہے کوئی نہیں عبادت کے لائق سوائے ایک خدائے واحد کے،

الغرض اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ خدائے واحد، کی خالقیت اور قدرت کے یہ مناظر ان کو دکھاتے ہوئے پوچھئے کہ کیا ایسے خالق عزیز وعلیم کا تم انکار کرتے ہو، ان مشاہدات ودلائل سے انسانی فطرت اور عقل کا تو یہی تقاضا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی بات کی طرف توجہ کریں اور اس پر ایمان لائیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی اگر وہ اعراض وبے رخی کریں تو آپ ﷺ کہہ دیجئے۔ اے لوگو میں تم کو ایسی ہی کڑک اور عذاب سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر مسلط ہونے والی کڑک تھی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے بھی یعنی ان کے طرف مبعوث ہونے والے پیغمبر جو تعداد میں بہت تھے، ان کو ہر طرح تبلیغ کرتے رہے اور ایمان باللہ کی دعوت دیتے رہے، حضرت نوح علیہ السلام کی طرح

● حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر جلد ۴ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت کا یہ مضمون ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ رب العزت کے اس فرمان پر زمین کے اس حصہ نے جواب دیا جہاں کعبۃ اللہ ہے اور آسمان کے اس ٹکڑے نے جواب دیا جو بیت اللہ کے محاذات میں واقع ہے تو ﴿أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾ کا شرف جواب زمین وآسمان کے اس حصہ کو حاصل ہوا۔ ۱۲

کبھی سامنے سے آتے، اور کبھی پیچھے سے نصیحت اور تفہیم میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا یہی کہتے تھے کہ ہرگز عبادت نہ کرو سوائے اللہ کے کسی کی۔ مگر شقاوت اور بدنصیبی کہ کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا کہ ہماری طرف کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے تو وہ فرشتوں کو اتار دیتا اور وہ یہ کام سرانجام دیتے جو تم کر رہے ہو۔ بس اب اس صورت میں تو ہم اس توحید کا انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے یہ تھی شقاوت جس کے باعث انہوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا، تو آج کے ان کافروں کو بھی معلوم ہو جانا چاہئے کہ ان منکرین ومکذبین کے غرور ونخوت کا کیا حال تھا وہ کس طرح عذاب خداوندی سے تباہ وبرباد کیے گئے۔ بہرحال وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ نخوت وغرور میں پڑ گئے، زمین میں سرکشی ونافرمانی کا ناحق مظاہرہ کیے ہوئے اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ طاقت وزور والا، اپنی جوانی، تنومندی ہاتھ پاؤں کے زور پر اکڑتے ہوئے اس بات کو بھلا دیا کہ جس ذات نے ایسے تنومند مضبوط طاقتور آدمی پیدا کیے وہ ان سے بھی زائد طاقت والا ہے۔ افسوس [1] کیا انہیں نظر نہیں آیا کہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ان سے زیادہ طاقتور وزور والا ہے وہ پہلے ہی سے نشانیوں کا انکار کرتے تھے، اگرچہ دل میں یقین تھا اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کی برحق نشانیاں ہیں مگر عناد اور تکبر کی وجہ سے انکار اور ضد پر تلے ہوئے تھے تو ان کی اس روش کی وجہ سے ہم نے ان پر بھیج دی ایک تیز اور تند ہوا جو ہر چیز کو اکھاڑ پھینک دینے والی تھی۔ کئی دنوں جو ان کے واسطے بڑی نحوست کے تھے تاکہ چکھا دیں ہم ان کو ذلت ورسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں بھی تاکہ ان کا غرور ٹوٹے، سات [2] راتیں اور آٹھ روز تک مسلسل یہ طوفان چلتا رہا اور آخرت کا عذاب تو بڑی ذلت ورسوائی کا ہے۔ یہ تو حشر وانجام ہوا عاد والوں کا۔ اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راستہ حق اور ہدایت کا دکھلایا لیکن انہوں نے اندھا پن ہی اختیار کیے رکھا۔ ہدایت کے روشن راستے کے مقابلہ میں اس لیے پکڑ لیا ان کو ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی ہیبت ناک آواز (جس سے جگر بھی پھٹ جائیں) کے ساتھ زلزلہ آیا، جس سے وہ تباہ ہو گئے۔ اور بچا لیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ بچ کر چلتے تھے کہ کہیں اللہ کی نافرمانی ہم سے ہو جائے، عذاب خداوندی آیا اور اس نے مجرموں کو ہلاک کیا مگر فرمانبردار اور خدا کا ڈر رکھنے والے، ایمان داروں پر ذرہ برابر آنچ بھی نہ آئی، بس اسی طرح آج ہی ان کفار مکہ کو اللہ کے پیغمبر کی نافرمانی کا انجام سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا میں بھی ذلت وناکامی کا عذاب چکھنا پڑے گا، اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے جس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

تخلیق کائنات اور ارض وسماء کی تربیت ومدت

ان آیات مبارکہ میں آسمان وزمین اور آسمان وزمین میں جو کچھ اللہ رب العزت نے پیدا کیا، اس کی تخلیق کا ذکر ہے کہ زمین دو دن میں پیدا کی، اور پھر دو دن میں زمین پر پہاڑوں کو گاڑا، نہریں جاری کی گئیں غلے پیدا کیے گئے، زمین کو

[1] ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کے ترجمہ میں لفظ "افسوس" اس لیے بڑھایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس جگہ ہمزہ استفہام توبیخ وملامت کے لیے ہے اور لفظ "افسوس" توبیخ وملامت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ۱۲

[2] جیسے ارشاد مبارک ہے ﴿سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا﴾ (الحاقہ)

تہوں میں اور پہاڑوں کے جگر میں قسم قسم کی نعمتیں اور خزائن رکھ دیئے گئے، اس طرح مکمل چار روز میں ان جملہ مخلوقات کی تخلیق و پیدائش کے بعد حق تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، اس صورت میں کہ وہ دخان (دھوئیں) جیسا ایک مادہ تھا جس کو سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا اور ان میں شمس وقمر اور کواکب پیدا فرما دیئے یہ تمام کواکب اور ستارے اگرچہ ایک دوسرے سے بلند اور متفاوت ہیں کوئی آسمان دنیا پر اور کوئی اس سے نیچے اور کوئی اس سے اوپر بلندیوں پر لیکن دیکھنے والا ہر ایک کو اپنی نظر میں برابر محسوس کرتا ہے، اور مجموعی طور پر سب کے سب آسمان دنیا ہی کی زینت معلوم ہوتے ہیں، تو ان آیات میں زمین کی تخلیق آسمان سے قبل بیان کی گئی، اور اسی طرح کی ترتیب آیت بقرہ میں ہے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ لیکن سورۃ والنازعات کی آیت میں ہے ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۟ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۟ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۟ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۟ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ کیا تم زیادہ مضبوط ہو باعتبار پیدائش کے یا آسمان جس کو اللہ نے بہت بلند کیا اور اس کی سطح کو برابر کیا اور اس کی رات کو ڈھانکا تاریک بنایا اور دن کو نکالا ظاہر اور روشن کیا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا پھر اس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ اگایا اور پہاڑوں کی اس پر گاڑا، تو ان آیات سورۃ والنازعات میں آسمان اور آسمانوں کے ستارے شمس وقمر کی تخلیق مقدم بیان کی گئی، اور یہ کہ ان فلکیات سے فارغ ہو کر اللہ نے زمین کو بچھایا پانی نکالا سبزے اگائے اور پہاڑ گاڑے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تفسیر روح المعانی ج ۲۴ میں فرماتے ہیں ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کی تقدیم وتاخیر میں ان آیات اور اسی طرح کی روایات کی بنا پر ائمہ مفسرین میں اختلاف ہے، ان آیات اور سورۃ بقرہ کی آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ﴾ سے تو ظاہر یہی ہے کہ زمین کی تخلیق مقدم ہے تو آیات "حٰمٓ سجدہ" اور آیت بقرہ کی وضاحت وتفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض ائمہ مفسرین نے اسی کو ترجیح دی کہ خلق ارض مقدم ہے اور زمین اور پہاڑوں کی تخلیق کے بعد آسمان بنائے، اور آیات ﴿وَالنّٰزِعٰتِ﴾ میں ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ کی یہ تاویل کی کہ یہ بعدیت باعتبار وجود اور زمان کے نہیں ہے بلکہ یہ بعدیت باعتبار ذکر کے ہے، یعنی مخاطب کو بطور خطاب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مخاطب حق تعالیٰ کی ان عظیم مخلوقات کی تخلیق کو جاننے کے بعد تو یہ بھی یاد کر یا غور کر کہ اللہ نے زمین بچھائی، الخ، تو "والارض" منصوب ہوگا، ایک فعل محذوف اذکر یا تذکر یا تدبر جیسے فعل کی تقدیر کے ساتھ۔

بعض حضرات مفسرین نے ان آیات میں تطبیق کی وہ صورت اختیار کی جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مفہوم ہوتی ہے جس کو حاکم اور بیہقی رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے قرآن میں بہت سی جگہ اختلاف نظر آتا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بتاؤ تمہیں کہاں کہاں اختلاف معلوم ہوا ہے، بولا کہ دیکھو یہ آیات ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ﴾ میں تو یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی، اور ﴿وَالنّٰزِعٰتِ﴾ کی آیات ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ میں ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد پیدا کی گئی پہلے آسمان بنا لیا گیا، بلندی اور استواء دن کی روشنی اور رات کی تاریکی پیدا کر چکنے

کے بعد زمین بچھائی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے زمین دو دن میں پیدا کی اور یہ آسمان کی تخلیق سے قبل تھی، اور آسمان دخان (دھویں) کی صورت میں تھا تو دو دن میں اس کو سات آسمان بنا دیئے زمین کو پیدا کرنے کے بعد اور رہی یہ بات کہ ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ جو سورۃ نازعات میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ نے پہاڑ رکھے، نہریں اور سمندر بنائے اور درخت اگائے، علامہ خفاجی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب اور کلام کا حاصل یہ ہے کہ ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا﴾ بدل یا عطف بیان ہے لفظ "دحھا" کے لیے جو اس کی مراد کو واضح کرنے والا ہے یعنی زمین کا بچھانا پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ زمین میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں وہ مراد ہیں تو ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ میں تاخر ذاتی یعنی زمین کا اپنی اصل ذات سے آسمانوں کے بعد بنانا مراد نہیں بلکہ زمین کے منافع اور مخلوقات کا بعد میں بنانا مراد ہے، اور اس کی تکمیل و ترتیب ہے اور بعدیت منافع کے حصول اور منافع سے متمتع ہونے کی حیثیت سے بھی ہو سکتی ہے، تو ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ میں بعدیت اس نوع کی ہے، لہٰذا ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ خفاجی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کی جو مراد بیان کی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ظاہر الفاظ کی پیش نظر محتاج تامل معلوم ہوتی ہے۔

بعض حضرات مثلاً واحدی رحمہ اللہ نے مقاتل بن حیان رحمہ اللہ کے کلام سے یہ مراد متعین کی کہ آسمان کی تخلیق مقدم ہے اور آیات ﴿حٰمٓ﴾ میں خلق الارض کا ذکر نفس الامر میں پیدا کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ یہ خلق بمعنی تقدیر ہے کہ اللہ نے یہ مقدر اور طے فرمایا جیسے آیت مبارکہ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ میں خلق، قدر کے معنی میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

بہر کیف آلوسی رحمہ اللہ نے اس طرح کے اقوال نقل کر کے ان آیات کے تعارض کو رفع کیا تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ روح المعانی: ۲۴ / ۸۸۔ ۹۷ ملاحظہ فرمائیں۔

استاذ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں، احقر کو ابو حیان رحمہ اللہ کی تفسیر پسند ہے کہ آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ﴾ اور ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ میں یہ ضروری نہیں کہ ثم اور لفظ بعد تراخی زمان کے لیے ہو ممکن ہے کہ تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد ہو جیسے آیت ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ جو اوصاف اس سے قبل بیان کیے گئے ہیں وہ مومن ہی کے اوصاف ہیں اور ایمان کے بعد ہی ان اوصاف کا تحقق ہوتا ہے نہ کہ ایمان نہ ایمان ان اوصاف کے بعد حاصل ہو، بہر حال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا ذکر مقدم رکھا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا جس کی لطافت ادنیٰ تامل و غور سے ظاہر ہے، تو اس ترتیب ذکری سے یہ لازم نہیں کہ اس کو ترتیب وقوعی اور ترتیب وجودی ہی قرار دیا جائے تخلیق کائنات میں دنوں کی بعض روایات میں تعیین بھی آئی ہے مثلاً حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ مٹی کو اللہ نے سنیچر کے روز پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے روز اور نباتات کو پیر کے روز، برائیوں اور بیماریوں کو منگل کے روز، نور اور بھلائیوں کو بدھ کے روز، بہائم اور چوپائے جمعرات کے روز اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز کے آخری پہر میں عصر و مغرب کے درمیان لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو معلول فرمایا،

اگرچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تخریج فرمایا ہے، مگر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو غرائب صحیح میں بیان کیا، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو معلول فرمایا، امام بخاری رحمہ اللہ اور علی بن المدینی رحمہ اللہ اس کو کعب احبار رضی اللہ عنہ کا کلام قرار دیتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ (فوائد شیخ الاسلام رحمہ اللہ)

ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آسمانوں اور زمین کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی شنبہ اور یک شنبہ کے دن پہاڑ اور پہاڑوں کے منافع سہ شنبہ کے دن، اور درخت، پانی، نہریں، اور آبادیاں چہار شنبہ کے دن یہ چار دن مکمل ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے ہو گئے اس کے بعد پنجشنبہ کے دن آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے، چاند، سورج اور فرشتے پیدا کیے، تو یہ مضمون پہلی روایت سے مختلف ہے، مناسب اور بے تکلف وہی چیز ہے جس کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا۔

عاد وثمود کی تاریخ اہل عرب کے لیے عظیم درس عبرت

مقام عبرت وتنبیہ میں عاد وثمود کے واقعہ کا حوالہ ان آیات میں خاص طور پر اس وجہ سے دیا گیا کہ قریش کے لوگ اور عرب میں بسنے والے ان قوموں کو خوب جانتے تھے ان کے ساز وسامان مادی وسائل کی کثرت وفراوانی اور طاقت وغلبہ سب کچھ تاریخی حیثیت سے مشہور ومعروف تھا تو ان کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ جب یہ طاقت ور قومیں بھی اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے رسولوں کا مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب سے نہیں بچ سکیں جن کے آثار ونشانات آج تک بھی اہل عرب، یمن اور شام کے سفر میں دیکھتے ہیں کہ کس طرح عذاب خداوندی نے ان کو ہلاک کیا، ان آیات میں عاد وثمود کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا۔ ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ﴾ یعنی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے (جمع کے صیغے کے ساتھ) قوم عاد کے رسول تو حضرت ہود علیہ السلام تھے اور ثمود کے رسول حضرت صالح علیہ السلام تھے تو ان دو رسولوں کو جمع کے صیغے سے یا تو اس بنا پر تعبیر فرمایا گیا کہ ممکن ہے کہ ان دو کے علاوہ بھی کچھ اور رسول وپیغمبر قوم عاد وثمود کے لیے بھیجے گئے ہوں، لیکن قرآن کریم نے ان ہی دو حضرات کا ان کی عظمت وخصوصیت کے باعث ذکر کیا، اور بعض دیگر انبیاء کا ذکر نہیں فرمایا بقانون ﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ یا اس بناء پر کہ کسی قوم کا ایک رسول کی تکذیب کرنا بھی اللہ کے سارے پیغمبروں کو جھٹلانا تھا، جیسے کہ ارشاد فرمایا ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے تمام رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ قوم نوح تو صرف نوح علیہ السلام ہی کی تکذیب کی مرتکب ہوئی تھی، اور یہ ظاہر ہے کہ گزشتہ مضامین میں متعدد مواقع پر یہ بات دلائل سے واضح کی جا چکی کہ حق تعالیٰ کے تمام انبیاء ورسل اصول توحید جزاء وسزا اور قیامت کے مسئلہ میں متفق ہیں، اس وجہ سے کسی بھی ایک رسول کا انکار اللہ کے تمام رسولوں کا انکار ہے، اس بنیاد پر عیسائی یا دوسرے اہل کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے خود اپنے پیغمبر پر بھی ایمان رکھنے والے نہ رہیں گے، اس کے برعکس ہر مسلمان جس طرح وہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے، تو عیسائیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کا

دعویٰ کرنے والوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وحضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کافر ومنکر رہیں گے۔

حضور اکرم ﷺ کی شان نبوت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتے، جیسے کہ حدیث میں ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی۔ اور یہ وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب زمین پر نزول فرمائیں گے تو وہ آپ ﷺ کے امتی ہوں گے اور قرآن پر عمل کریں گے اور اسی کو نافذ وجاری کریں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر تو ان کی جماعتیں بنائی جائیں گی ف۱ یہاں تک کہ جب پہنچیں اس پر بتائیں گے ان کو

اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر، پھر ان کی مثلیں بٹیں گی۔ یہاں تک کہ جب پہنچے اس پر، بتا دیں گے ان کو

سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ

ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے جو کچھ وہ کرتے تھے ف۲ اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو تم نے کیوں جتلایا

ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو، تم نے کیوں بتایا

عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

ہم کو ف۳ وہ بولیں گے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو ف۴ اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار اور اسی طرف

ہم کو۔ وہ بولے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو، اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار، اور اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا

پھیرے جاتے ہو ف۵ اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس بات سے کہ تم کو بتلائیں گے تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ

پھر جاتے ہو۔ اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس سے کہ تم کو بتادیں گے تمہارے کان، نہ تمہاری آنکھیں، نہ

ف۱ یعنی ہر ایک قسم کے مجرموں کی الگ الگ جماعت ہوگی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی۔

ف۲ دنیا میں کانوں سے آیات تنزیلیہ سنیں اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ دیکھیں، مگر کسی کو نہ مانا۔ ہر بن مو سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے یہ خبر نہ تھی کہ گناہوں کا یہ سارا ریکارڈ خود انہی کی ذات میں محفوظ ہے جو وقت پر کھول دیا جائے گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں کفار اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے۔ اس وقت حکم ہوگا کہ ان کے اعضاء کی شہادت پیش کی جائے جن کے ذریعہ سے گناہ کیے تھے چنانچہ ہر ایک عضو شہادت دے گا اور اس طرح زبان کی تکذیب ہو جائے گی۔ تب مبہوت و حیران ہو کر اپنے اعضاء کو کہے گا (کم بختو!) دور ہو جاؤ! تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑتا اور مدافعت کر رہا تھا (تم خود ہی اپنے جرموں کا اعتراف کرنے لگے)

ف۳ یعنی جب میں زبان سے انکار کر رہا تھا تو تم پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ بتلانا شروع کر دیا اور آخر یہ بولنا تم کو سکھلایا کس نے۔

ف۴ یعنی جس کی قدرت نے ہر ناطق چیز کو بولنے کی قوت دی آج اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا۔ نہ بولتے اور بتلاتے تو کیا کرتے۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس چیز کی مجال ہے کہ نہ بولے۔ جس نے زبان میں قوت گویائی رکھی، کیا ہاتھ پاؤں میں نہیں رکھ سکتا۔

ف۵ یہ مقولہ یا اللہ تعالیٰ کا ہے، یا جلود کا ہے۔ دونوں احتمال ہیں۔

جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ

تمہارے چمڑے ف۱ پر تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ نہیں جانتا بہت چیزیں جو تم کرتے ہو ف۲ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے

تمہارے چمڑے پر تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ نہیں جانتا بہت چیزیں جو کرتے ہو۔ اور یہ وہی تمہارا خیال ہے

الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ

جو تم رکھتے تھے اپنے رب کے حق میں، اسی نے تم کو غارت کیا پھر آج ہو گئے ٹوٹے میں پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ

جو رکھتے تھے اپنے رب کے حق میں، اسی نے تم کو کھپایا پھر آج رہ گئے ٹوٹے میں۔ پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ

مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا

ان کا گھر ہے اور اگر وہ منانا چاہیں تو ان کو کوئی نہیں مناتا ف۳ اور لگا دیے ہم نے ان کے پیچھے ساتھ رہنے والے، پھر انہوں نے خوب صورت بنا دیا

ان کا گھر ہے، اور اگر وہ منایا چاہیں، تو ان کو کوئی نہیں مناتا۔ اور لگا دی ہم نے ان پر تعیناتی پھر انہوں نے بھلا دکھایا

لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

ان کی آنکھوں میں اس کو جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے ف۴ اور ٹھیک پڑ چکی ان پر عذاب کی بات ان فرقوں کے ساتھ جو گزر چکے ان سے

ان کو جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے، اور ٹھیک پڑی ان پر بات، مل کر سب فرقوں میں جو ہو چکے ہیں ان سے

قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا ع

پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے ف۵ بیشک وہ تھے ٹوٹے والے ف۶ اور کہنے لگے منکر مت کان دھرو اس قرآن کے

آگے جنوں کے اور آدمیوں کے، وہ تھے ٹوٹے والے۔ اور کہنے لگے منکر نہ کان دھرو اس قرآن کے

لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا

سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو ف۷ سو ہم کو ضرور چکھانا ہے منکروں کو سخت

سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو۔ سو ہم کو ضرور چکھانی منکروں کو سخت

ف۱ یعنی غیر سے چھپ کر گناہ کرتے تھے۔ یہ خبر نہ تھی کہ ہاتھ پاؤں بتلا دیں گے، ان سے بھی پردہ کریں۔ اور کرنا بھی چاہتے تو اس کی قدرت کہاں تھی۔

ف۲ یعنی اصل میں تمہارے طرز عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تم کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہ تھا سمجھتے تھے کہ جو چاہو کرتے رہو کون دیکھ بھال کرتا ہوگا۔ اگر پوری طرح یقین ہوتا کہ خدا ہماری تمہاری حرکات سے باخبر ہے اور اس کے ہاں ہماری پوری مسل محفوظ ہے تو ہرگز ایسی شرارتیں نہ کرتے۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی دنیا میں بعض بلا صبر سے آسان ہوتی ہے، وہاں صبر کریں یا نہ کریں، دوزخ گھر ہو چکا (جہاں سے کبھی نکلنا نہیں) اور بعض منت خوشامد کرنے سے ٹلتی ہے وہاں بہتیرا چاہیں کہ منت کریں، کوئی قبول نہیں کرتا۔"

ف۴ یعنی ان پر شیطان تعینات تھے کہ ان کو برے کام جو پہلے کیے یا آگے کرتے، بھلے کر کے دکھلائیں اور تباہ کن ماضی و مستقبل کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کریں۔ اور یہ شیطانوں کا تعینات کیا جانا بھی ان کے اعراض عن الذکر کا نتیجہ تھا کما قال تعالیٰ ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾

ف۵ یعنی وہی بات جو شروع میں کہی گئی تھی۔ ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ .... =

شَدِيدًا ۙ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ ۖ

عذاب اور ان کو بدلہ دینا ہے برے سے برے کاموں کا جو وہ کرتے تھے ف۱ یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ

مار اور ان کو بدلہ دینا برے سے برے کاموں کا جو کرتے تھے۔ یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ۔

لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا

ان کا اسی میں گھر ہے سدا کو بدلہ اس کا جو ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے ف۲ اور کہیں گے وہ لوگ جو منکر ہیں اے رب ہمارے

ان کو اسی میں ہے گھر سدا کا۔ بدلہ اس کا جو ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے۔ اور کہیں گے جو لوگ منکر ہیں اے رب ہمارے!

أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ

ہم کو دکھلادے وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا جو جن ہے اور جو آدمی کہ ڈالیں ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے کہ وہ رہیں

ہم کو دکھا وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا، جو جن ہے اور جو آدمی، کہ ڈالیں ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے، کہ وہ رہیں

الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا

سب سے نیچے ف۳ تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ

سب سے نیچے۔ تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر ٹھہرا رہے، ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ

تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ

تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا ف۴ ہم ہیں تمہارے رفیق

تم نہ ڈرو نہ غم کھاؤ، اور خوشی سنو اس بہشت کی جس کا تم کو وعدہ تھا۔ ہم ہیں تمہارے رفیق

= ف۶ جب آدمی کو خسارہ آتا ہے تو اسی طرح آتا ہے اور ایسے ہی سامان ہو جاتے ہیں۔

ف۷ قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اثر کرتی تھی۔ جو سنتا فریفتہ ہو جاتا اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے، ادھر کان مت دھرو اور اس قدر شور و غل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں۔ اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائے گی۔ آج بھی جاہلوں کو ایسی ہی تدبیریں سوجھا کرتی ہیں کہ کام کی بات کو شور مچا کر سننے نہ دیا جائے۔ لیکن صداقت کی کڑک مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے ان سب تدبیروں کے باوجود حق کی آواز قلوب کی گہرائیوں تک پہنچ کر رہتی ہے۔

ف۱ اس سے زیادہ برا کام کون سا ہوگا کہ خود نصیحت کی بات نہ سنے اور دوسروں کو بھی سننے نہ دے۔

ف۲ یعنی دل میں سمجھتے تھے، لیکن ضد اور تعصب و عناد سے انکار ہی کرتے رہتے تھے۔

ف۳ یعنی خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہیں، لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کرایا ہے ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں تاکہ انتقام لے کر ہمارا دل کچھ تو ٹھنڈا ہو۔

ف۴ یعنی دل سے اقرار کیا اور اس پر قائم رہے اس کی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ نہ اس یقین و اقرار سے مرتے دم تک ہٹے، نہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا۔ جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کے مقتضاء پر اعتقاداً اور عملاً جمے رہے۔ اللہ کی ربوبیت کاملہ کا حق پہچانا۔ جو عمل کیا خالص اس کی خوشنودی اور شکر گزاری کے لیے کیا، اپنے رب کے عائد کیے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھا اور ادا کیا۔ غرض ماسوا سے منہ موڑ کر سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی کے ■

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا

دنیا میں اور آخرت میں ف۱ اور تمہارے لیے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تمہارے لیے وہاں ہے جو کچھ مانگو ف۲ مہمانی ہے

دنیا میں اور آخرت میں اور تم کو وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تم کو وہاں ہے جو منگواؤ۔ مہمانی ہے

مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿۳۲﴾

ع ۱۸

اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے ف۳

اس بخشنے والے مہربان سے۔

تفصیل عذاب آخرت وذلت وناکامی منکرین وانعامات مطیعین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ ... الی ... نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات کا مضمون دلائل قدرت کے سلسلۂ بیان میں مجرمین کی نافرمانیوں پر دنیاوی عذاب کا ذکر تھا، اور یہ کہ ایسے واضح دلائل قدرت کے ہوتے ہوئے اس قادر مطلق کی نافرمانی بڑی ہی حیرت اور افسوس کی بات ہے، اور وہ اس روش کے باعث دنیا کے عذاب اور ذلت وخواری سے نہیں بچ سکتے، اب ان مجرمین پر عذاب اخروی بیان کیا جارہا ہے کہ آخرت کی ذلت ورسوائی کا کیسا ہولناک منظر ہوگا، ساتھ ہی مطیعین پر انعامات خداوندی اور ان کے اعزاز واکرام کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے ارشاد ہے:

اور جس روز کہ جمع کیا جائے گا اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف گھسیٹتے ہوئے تو وہ اس وقت روکے ہوئے

= راستہ پر چلے۔ ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے جنت کی بشارتیں سناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دنیائے فانی کے سب فکر وغم ختم ہوئے اور کسی آنے والی آفت کا اندیشہ بھی نہیں رہا۔ اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی وروحانی خوشی اور عیش تمہارے لیے ہے اور جنت کے جو وعدے انبیاء علیہم السلام کی زبانی کیے گئے تھے، وہ اب تم سے ایفا کیے جانے والے ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جس کے ملنے کا یقین حاصل ہونے پر کوئی فکر اور غم آدمی کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔

(تنبیہ) بہت ممکن ہے کہ متقین وابرار پر اس دنیاوی زندگی میں بھی ایک قسم کا نزول فرشتوں کا ہوتا ہو جو اللہ کے حکم سے ان کے دینی و دنیاوی امور میں بہتری کی باتیں الہام کرتے ہوں۔ جو ان کے شرح صدر اور تسکین واطمینان کا موجب ہو جاتا ہو۔ جیسے ان کے بالمقابل ایک دو آیت پہلے گزر چکا ہے کہ کفار پر شیطان مسلط ہیں جو تزئین قبائح سے ان کے اغواء کا سامان کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ شیاطین کے حق میں بھی لفظ "تنزل" استعمال ہوا ہے۔ قال تعالیٰ ﴿تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ﴾ بہر حال بعض مفسرین کے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور اس تقدیر پر اگلی آیت ﴿نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ بعض نے اس کو اللہ کا کلام بتایا ہے۔ یعنی فرشتوں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو چکا۔ اور اکثر کے نزدیک یہ بھی فرشتوں کا مقولہ ہے۔ گویا فرشتے یہ قول ان کے دلوں میں الہام کرتے ہیں اور ان کی ہمت بندھاتے ہیں۔ ممکن ہے اس زندگی میں بعض بندوں سے مشافہۃً بھی اتنے الفاظ کہتے ہوں اور ممکن ہے موت کے قریب یا اس کے بعد کہا جاتا ہو۔ اس وقت ﴿نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے رفیق رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے باطنی طور پر تمہاری اعانت کرتے تھے، اور آخرت میں بھی رفیق رہیں گے کہ وہاں تمہاری شفاعت یا اعزاز واکرام کا انتظام کریں۔

ف۲ یعنی جس چیز کی خواہش ورغبت دل میں ہوگی یا جو زبان سے طلب کرو گے سب کچھ ملے گا۔ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

ف۳ یعنی بخشنے والا اور مہربان اپنے مہمان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔ اور یہ کتنی بڑی عزت وتوقیر ہے کہ ایک بندۂ ضعیف رب العزت کا مہمان ہو۔

ہوں گے۔ تاکہ سب کے سب جمع ہو جائیں اور بیک وقت ان تمام مجرمین کو موقف حساب میں حساب اعمال کے لیے پیش کیا جائے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آجائیں گے کیونکہ جہنم اور اس کی آگ کی لپٹیں انہیں موقف حساب سے قریب ہی نظر آتی ہوگی تو گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان ان کی نگاہیں اور ان کی کھالیں ان تمام اعمال کی جو یہ کیا کرتے تھے۔ اس وقت یہ بے بسی کے عالم میں حیران ہوں گی اور کہیں گے۔ اپنی کھالوں اور اپنے اعضا سے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں اور کیسے دی حالانکہ تم میں تو بولنے کی صلاحیت اور قدرت نہیں ہے۔ جواب دیں گے گویائی دی ہم کو اس اللہ رب العزت نے جس نے ہر ایک چیز کو گویائی دی۔ جو گویا ہے خواہ اس کی گویائی متعارف ومعتاد ہو جیسے انسانوں کی گفتگو اور جانوروں و پرندوں کی آوازیں خواہ غیر متعارف وغیر معتاد ہو یعنی جو چیز بھی گویائی کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اس کے کسی مادہ اور طبیعت کا تقاضا نہیں بلکہ وہ محض عطاء الٰہی اور قدرت خداوندی ہے تو آپ اس کو اختیار ہے وہ اپنی قدرت سے جس کسی جز اور حصہ میں بھی قوت نطق وگویائی رکھ دے اور اس کے سمجھنے ماننے میں آخر کیا تردد ہے، اس کی عظمت قدرت کا یہ عالم ہے کہ اسی نے تو پیدا کیا تم کو پہلی بار جس کا تم مشاہدہ کر چکے تو اب اسی پروردگار نے اپنی قدرت سے تم کو دوبارہ یہاں اٹھایا اور جمع کیا اور تمہاری کھالوں ہاتھ پاؤں اور بدن کے ٹکڑوں میں گویائی پیدا کر دی اور وہ بول رہے ہیں اور تم دنیا میں اپنے آپ کو اس چیز سے نہیں چھپا سکتے کہ تمہارے کان تمہارے خلاف گواہی دیں اور نہ اس سے کہ تمہاری نگاہیں اور نہ اس سے کہ تمہاری کھالیں۔ اس لیے کہ انسان اس پر قادر ہی نہیں اپنے اعمال وافعال اپنی آنکھوں اور کانوں اور خود اپنے بدن کے ٹکڑوں سے چھپا لے دنیا کی نگاہوں سے بے شک پردہ حاصل کر سکتا ہے لیکن خود اپنے ہی سے وہ کیونکر چھپ جائے گا، اس حقیقت ومشاہدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اے لوگو! تم کسی وقت بھی جرم کے مرتکب نہ ہوتے۔ لیکن تم نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی وہ چیزیں نہیں جانتا جو تم کرتے ہو۔ نہ تم کو قیامت کا خیال آیا، اور نہ حساب وکتاب کا خوب بےفکری سے یہ سب کچھ کرتے رہے۔ اے لوگو! یہی تو تھا وہ تمہارا گمان فاسد جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا، جس نے تم کو ہلاک وتباہ کیا تو بس اسی گمان اور تصور کی وجہ سے تم لوگ ہو گئے ہو تباہ وبرباد ہو جانے والوں میں۔ بہر کیف یہ ہوگا انجام ایسے مجرموں کا جنہوں نے دنیاوی زندگی اسی دھوکہ میں گزار دی، نہ کبھی آخرت کو سوچا اور نہ وہاں کے عذاب کی فکر کی تو اس صورت حال میں اگر یہ صبر کریں اور فیصلہ خداوندی پر کسی طرح کی حجت بازی اور حیلہ بہانہ نہ کریں تو بھی دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں یہ ممکن نہ ہوگا کہ خاموشی اور صبر سے مہربانی اور رحمت کے آثار ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور اگر عذر پیش کرنا چاہیں گے تو ان کی کوئی معذرت قبول نہ ہوگی اور عذاب الٰہی کا جو فیصلہ انکے حق میں ہوگا وہ اس سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے اور ہم نے دنیا میں ان کافروں کے واسطے کچھ ساتھی مقرر کر دیئے تھے شیاطین میں سے ان کی بدنصیبی اور مسلسل عناد وتکبر کی وجہ سے سو انہوں نے رچا دیئے تھے ان کے لیے ان کے تمام اعمال اگلے اور پچھلے اس بنا پر وہ اپنے اعمال پر مصر رہے۔

اور جب وہ ان کو مستحسن سمجھتے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کے چھوڑنے پر کیونکر تیار ہوتے۔ لہٰذا ان پر مسلط ہو گیا وہ فیصلہ جو ان سے پہلی گزری ہوئی قوموں کے حق میں نافذ ہو چکا تھا، خواہ وہ جن میں سے ہوں یا انسانوں میں سے کہ بے شک وہ سب ہی خسارہ اور بربادی میں پڑنے والوں میں سے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی کا یہی

انجام ہوسکتا ہے، اور اسی کے مطابق پہلی قومیں ہلاک کی گئیں تو اسی طرح بعد کے مجرمین کا بھی یہی حشر ہوگا، قیامت کے روز حسرت و ناکامی کا جب ایسا منظر سامنے ہوگا تو کافر بدحواس ہوں گے اور نہ صبر کرتے بن پڑے گی، اور نہ معذرت و معافی سے کام چلے گا، ان واقعات کو سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ عبرت حاصل کرتے، کفر و بغاوت سے باز آتے لیکن اس کے برعکس اور کافروں نے یہ کہا کہ کان ہی نہ لگاؤ اس قرآن کی جانب اور نہ سنو۔ اور نہ سنو، اور اگر پیغمبر سنانے لگے تو اس میں شور و شغب مچاؤ، شاید تم ہی غالب آجاؤ۔ ان کافروں کو اپنی اس بیہودہ حرکت کا انجام معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ضرور بالضرور کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ضرور ہم ان کو بدلہ دیں گے ان برے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے، یہی ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی اور وہ جہنم کی آگ ہے، ان کے واسطے اس جہنم میں ہمیشہ کا ٹھکانا ہوگا، اس چیز کے بدلے کے طور پر کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور اس فیصلہ اور انجام سے برافروختگی اور غصہ کے عالم میں کافر کہیں گے اے ہمارے پروردگار دکھا دے تو ہمیں وہ لوگ جن و انس میں سے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم ان کو روندیں اپنے قدموں کے نیچے تا کہ وہ بھی خوب ذلیل و خوار ہونے والوں میں سے ہو جائیں۔ اگرچہ ان کو گمراہ کرنے والے شیاطین جن و انس بھی جہنم کی آگ میں ہوں گے لیکن جہنم تو ایک وسیع عالم ہے اس بنا پر دیکھنے کی تمنا کریں گے، اور ذلت و خواری میں تو وہ پہلے مبتلا ہو چکے ہوں گے، لیکن مزید رسوائی ان کی اس طرح دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ اپنے قدموں کے نیچے ان کو روندیں جن کو انہوں نے دنیا میں اپنے مقتدیٰ و پیشوا بنا رکھا تھا یہ تو انجام ہوگا مجرمین و کفار کا مگر اس کے بالمقابل اللہ سے تعلق رکھنے والے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے مومنین کا اعزاز و اکرام اس طرح ہوگا کہ بے شک جن لوگوں نے اقرار کر لیا دل کی گہرائیوں سے کہ ہمارا رب اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود و مولیٰ نہیں اور پھر وہ اسی پر مضبوطی سے جمے رہے اور صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ چلتے رہے اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اتریں گے۔ اللہ کا پیغام رحمت و بشارت لے کر کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو اللہ کی عنایت و رحمت سے تم دنیا میں بھی ہر اندیشہ سے مامون اور ہر فکر و غم سے محفوظ ہوؤ گے اور اس دنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں خوشخبری سن لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے ولی سرپرست اور رفیق ہیں۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی چنانچہ اسی ولایت و رفاقت کا یہ اثر تھا کہ اہل ایمان کو طاعت اور نیک کام کی توفیق اور مصائب و شدائد پر صبر اور ایمان و تقویٰ پر استقامت نصیب ہوئی اور اسی پر خاتمہ ہوا۔ اور تمہارے واسطے اے ایمان و تقویٰ والو ہر وہ نعمت ہوگی جس کے واسطے تمہارے دل چاہیں گے اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو تم طلب کرو گے یہ سب کچھ بطور مہمانی اور اکرام کے ہوگا۔ اس پروردگار کی طرف سے جو بڑی مغفرت کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔ جو اپنی شان مغفرت سے ان کوتاہیوں سے درگزر کرنے والا ہوتا ہے جن کے بعد شاید ایسے اکرام و اعزاز کا استحقاق نہ ہوتا اور بڑا ہی مہربان ہے کہ اپنی شان رحیمی سے بندوں کے قلیل و حقیر پر ایسے بلند پایہ انعامات سے نوازتا ہے۔

استقامت کا مفہوم اور اس پر مرتب ہونیوالے ثمرات

آیت مبارکہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ میں ایمان پر استقامت کے ذکر کے بعد اس پر

مرتب ہونے والے عظیم ثمرات اور بہترین نتائج کا بیان ہے۔

پہلا ثمرہ:...... ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ہے کہ فرشتے ان پر اترتے ہیں، اور فرشتوں کا ان اہل ایمان واہل استقامت پر اترنا ان کا انتہائی اعزاز واکرام ہے،

دوسرا ثمرہ:...... پیغام بشارت ﴿أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا﴾ ہر خوف اور غم کے دور ہوجانے کا۔

تیسرا ثمرہ:...... جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت جو ﴿وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ کے عنوان سے فرمائی گئی تاکہ اس بشارت کو سن کر ذہن ابتداء ہی سے ان بلند پایہ انعامات اور نعمتوں کی طرف متوجہ ہو جائے جن کی تفصیل نعماء جنت کے ذیل میں بیان کی جاچکی۔

چوتھا ثمرہ:...... ﴿نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ﴾ ہے کہ ہم تمہارے ولی، سرپرست اور دوست ہیں دنیا اور آخرت میں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ولایت اور محبت دنیا میں اور آخرت میں ایک ایسا عظیم انعام ہے کہ دنیا اور مافیہا کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں، بلکہ اخروی نعمتوں میں بھی یہ بہت ہی بلند پایہ نعمت ہے کیونکہ اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی جنت کی ہر نعمت اور راحت سے زائد اور بلند ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جنت میں اہل جنت کو تمام انعامات سے نوازنے کے بعد فرمائے گا، اے میرے بندو! کیا تمہیں کچھ اور چیز مطلوب ہے، جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب اب ہمیں اور کیا چاہئے ہم کو تو وہ نعمتیں دے دی گئیں ہیں جو جہان والوں میں کسی کو نہیں دی گئیں، اس پر اعلان ہوگا، رضائی لا اسخط علیکم بعدہ ابدا۔ کہ میری رضامندی اور خوشنودی ہے تمہارے لیے، اب آئندہ میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا، ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ أَكْبَرُ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾۔

پانچواں ثمرہ:...... ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ﴾ کہ ہر خواہش کا پورا ہونا۔

چھٹا ثمرہ:...... ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾ کہ ہر طلب کی تکمیل کہ جو بھی چیز جنتی طلب کریں گے وہ حق تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو جائے گی، اور ہر طلب کا پورا ہونا اور ہر مطلوب کا مل جانا نہایت ہی عظیم انعام ہے۔

ساتواں انعام وثمرہ:...... ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ اعزاز واکرام ہے، جیسے مہمان کا اعزاز ہوتا ہے اور اس اعزاز واکرام میں خدا کی شان غفور ورحیمی ہر تقصیر سے درگزر کرتے ہوئے استحقاق سے بڑھ کر بے پایاں رحمتوں سے نوازنے والی ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا ان اوصاف کاملہ اور بشارات فاضلہ کے سب سے اولین مصداق خلفاء راشدین پھر مہاجرین اولین تھے رضی اللہ عنہم اجمعین جن کے ایمان واستقامت کی عظمت وبلندی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اللہ کی ربوبیت ان کے اعتقاد کامل کی پوری تصویر اور ان کی عملی زندگی تھی پھر اطاعت وفرمانبرداری کا وہ مقام تھا کہ دنیا کی کوئی مشقت درکاوٹ ان کی راہ اطاعت میں حائل نہ ہو سکی تھی۔ ﴿رَبُّنَا اللهُ﴾ عقیدۂ توحید کی ترجمانی ہے اور اس کے بعد استقامت طاعت و بندگی کا کمال ہے کیونکہ استقامت ہر مامور اور حکم کی تعمیل وپیروی اور ہر ممنوع اور خلاف شرع چیز سے پرہیز کرنے کا نام ہے جس میں اعمال قلوب اور افعال حسیہ وظاہرہ داخل ہیں اور اس عملی کیفیت کا نام ہے جو ایمان اسلام اور احسان کے مقام کو جامع ہو، اسی

وجہ سے حضرات عارفین کا قول ہے کہ استقامت ہزار ہا کرامتوں سے بڑھ کر ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ﴾ الخ سے زائد کوئی سخت آیت نہیں نازل ہوئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو بڑھاپا بہت جلد ہی آ گیا، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار ضعف واقع ہو گئے تھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے، اور یہ آیت سورۃ ہود ہی میں ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ صراط مستقیم (شریعت کے راستہ) پر استقامت جہنم پر قائم کردہ صراط (پل) پر گزرنے سے زیادہ شدید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں صراط مستقیم پر استقامت اور وہاں آخرت میں صراط جہنم پر سے گزرنا بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے، مرتبہ استقامت کی اسی عظمت کے باعث ہر نماز میں سورۃ فاتحہ کی قراءت کا حکم فرمایا گیا تاکہ صراط مستقیم پر استقامت کی درخواست بارگاہ خداوندی میں پیش کی جاتی رہے۔

نزول ملائکہ اور مواقع نزول

روایات ونصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول تین موقعوں پر ہوتا ہے ایک تو انسان کی موت کے وقت جیسا کہ احادیث میں ہے کہ مومن جب انتقال کرنے لگتا ہے تو فرشتوں کا نزول ہوتا ہے قبض روح کے لیے اور کہتے ہیں، اخرجی ایتها النفس الطیبة الی روح وریحان ورب غیر غضبان۔ اور بعض روایات میں لفظ المطمئنة یعنی اے پاکیزہ روح یا اے نفس مطمئنہ نکل تو خوشگوار ہواؤں اور خوشبوؤں کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو غضبناک نہیں ہے، دوسرا وقت قبر میں ہوتا ہے کہ میت کے سامنے اس کی قبر میں فرشتے آ کر اس سے سوال کرتے ہیں، من ربك۔ ومن نبیك، وما دینك، مومن جب جواب ٹھیک دے دیتا ہے تو فرشتے اس کو بشارت سناتے ہیں، جنت کی نعمتوں اور راحتوں کی، اور کہہ دیتے ہیں نم کنومة العروس۔ یعنی تو سو جا دلہن کی طرح جس کے لیے ہر آرام اور راحت کا خیال رکھا جاتا ہے، تیسرا موقع نزول ملائکہ کا حشر ہے جب مومنین کو دخول جنت کی بشارت سناتے ہوں گے، ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ﴾ اور کہا جارہا ہوگا، ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ اور کافروں کو دخول نار کی وعید سنائی جارہی ہوگی۔

یہ مواقع نزول تو موت کے وقت سے لے کر حشر اور حساب وکتاب تک ہوئے، انسان کی دنیاوی حیات میں بھی فرشتوں کا مومنین پر اترنا متعدد صورتوں میں ہوتا ہے کبھی اعمال صالح کی تلقین اور قلب میں ان کی رغبت وشوق ڈالنے کے لیے اترتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے قلب میں غیر شعوری طور پر اعمال صالح کی ایک عجیب رغبت وشوق کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور کبھی مصیبت اور غم کے وقت سکینت وطمانینت کا القاء کرنے کے لیے اترتے ہیں جیسے غزوۂ بدر میں ہوا چنانچہ ارشاد ہے ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ان دو قسموں کے نزول اور رفاقت کے علاوہ فرشتوں کا وہ نزول ہے جو نوبت بنوبت بندوں کے اعمال لکھنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے، ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾۔

جنت میں تفاوت درجات کے باوجود باہمی تحاسد نہ ہوگا

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ کا مدلول یہ ہے کہ اہل جنت جس کسی چیز کی خواہش کریں گے وہ ان کو حاصل ہوجائے گی، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا جس سے یہ اشکال دور ہوگیا کہ جنت میں درجات مختلف ہوں گے اور بعض دوسرے بعض پر بلندی اور فضیلت رکھنے والے ہوں گے تو کم تر درجے کے لوگ اگر اپنے سے بلند مرتبہ والوں کو نہ جانیں گے تو جہل لازم آئے گا، اور جہالت عیب اور نقصان ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اہل جنت ناقص اور عیب دار ہوں، اور اگر جانے گا تو طبعی تقاضے کے باعث حسد ہوگا تو یہ بھی بری خصلت ہے تو فرمایا یہی شق اختیار کرلی جائے کہ بعض اہل جنت کو اپنے بلند درجات والوں کا علم ہوگا لیکن حسد انسانی خصائل میں سے ایک مذموم اور بری خصلت ہے اور جنتی جنت میں جب داخل کیے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے، ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ اور حدیث میں آتا ہے، لا تحاسد بینھم ولا تباغض۔ اس لیے اس طرح کی کوئی کیفیت نہیں ہوگی، اور رہی یہ بات کہ وہ یہ تمنا کرنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے ایسے ہی مراتب عطا فرمادے تو یہ تمنا اس وجہ سے نہیں کریں گے کہ ان کو اپنی استعداد اور صلاحیت معلوم ہوگی، وہ اپنے مرتبہ اور استعداد سے بڑھ کر تمنا ہی نہیں کریں گے پھر یہ کہ جنت میں ہر ایک عبدیت کے اعلیٰ اور بلند ترین مقام پر ہوگا اور ان کو تمام باطنی مقامات حاصل ہوں گے اس وجہ سے ان کو مقام رضا و تسلیم بھی حاصل ہوگا اور ہر ایک اپنے درجہ میں اس قدر مسرور و خوش ہوگا کہ دوسروں کے درجات کا احساس ہی نہ ہوگا چہ جائیکہ وہ ان درجات کی تمنا کرنے لگے، دنیا میں بھی رضا و تسلیم اور قناعت کا مقام حاصل کرنے والے ایسے بعض لوگ مل جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننے کے باوجود ان کے مراتب کی خواہش تو کیا ان کو اپنے اس درجہ سے ترقی سے بھی نفرت ہوتی ہے، تو جب دنیا میں بھی ایسے قانع افراد ہیں تو آخرت اور جنت میں تو ہر ایک ہی پیکر قناعت اور رضا و تسلیم ہوگا، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس تحقیق کے دوران دل میں پیش آنے والے اشکال کو بھی رفع فرما گئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جنتی اپنے بلند مرتبہ والوں کو دیکھ کر تمنا کریں گے جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک جنتی دوسرے کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ میرا لباس بھی کاش ایسا ہی ہوتا تو فوراً اس کا لباس اسی جیسا ہوجائے گا تو اصل یہ ہے کہ لباس کی برابری سے درجات کی برابری ضروری نہیں ہوسکتا ہے کہ مختلف درجات والوں کو لباس ایک سا دے دیا جائے، جیسے کہ ضیافت میں مختلف المراتب لوگوں کو ایک ہی قسم کا کھانا کھلایا جائے اور ایک ہی طرح کا اکرام کیا جائے تو درجہ کی مساوات کی تمنا نہ ہوگی، نعمت میں برابری کی تمنا رتبہ میں مساوات کی تمنا کو مستلزم نہیں (ھذا ما فھمت من کلمات حکیم الامت رحمہ اللہ)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا

اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں حکم بردار ہوں ف۱ اور برابر

اور اس سے بہتر کس کی بات؟ جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام، اور کہا میں حکم بردار ہوں۔ اور برابر

ف۱ پہلے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف =

تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ

نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں

نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ اس سے بہتر، پھر جو تو دیکھے تو جس میں تجھ میں

عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ

اور دشمنی تھی گویا دوست دار ہے قرابت والا ف۱ اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو سہار رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جس کی بڑی

دشمنی تھی جیسے دوست دار ہے ناتے والا اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو، جو سہار رکھتے ہیں۔ اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی

عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ

قسمت ہے ف۲ اور جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوک لگانے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بیشک وہی ہے سننے والا

قسمت ہے۔ اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے، تو پناہ پکڑ اللہ کی۔ بے شک وہی ہے سنتا

الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا

جاننے والا ف۳ اور اس کی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند ف۴ سجدہ نہ کرو سورج کو اور

جانتا۔ اور اس کی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن، اور سورج اور چاند۔ سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ

=ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو کر رہے، اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے، اسی کی پسندیدہ روش پر چلے۔ اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں موثر ہو جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے۔ اس کا طغرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔

ف۱ ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو، نیکی بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے۔ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مومن قانت اور خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔ کما قال ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً﴾ ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہرحال دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔

ف۲ یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہیے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دیں۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے۔ (ربط) یہاں تک اس حریف اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا تھا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال اور کسی نہج سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کتنی ہی خوشامد یا نرمی برتو، اس کا نصب العین یہ ہے کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے۔ ایسے پکے شیطان سے محفوظ رہنے کی تدبیر آگے تلقین فرمائی ہے۔

=

لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا

چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا اگر تم اسی کو پوجتے ہو ف۱ پھر اگر غرور کریں تو

چاند کو، اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے وہ بنائے، اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔ پھر اگر غرور کریں تو

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں پاکی بولتے رہتے ہیں اس کی رات اور دن اور وہ نہیں تھکتے ف۲

: لوگ تیرے رب کے پاس ہیں، پاکی بولتے ہیں اس کی رات اور دن، اور وہ نہیں تھکتے۔

فضیلت دعوت الی اللہ و بیان صبر و استقامت و حلم و درگزر در راہ حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ... الی... وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں اہل ایمان اور ایمان پر استقامت والوں کا اللہ کے یہاں کیا عظیم مقام و مرتبہ ہے بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی اور یہ کہ عقل و فطرت کے اس قانون کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے، اور دعوت الی اللہ اور اشاعت حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کا مقابلہ اور شدائد پر صبر کی ضرورت ہے، یہ چیز کمال کی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص برا طرز عمل اختیار کرے تو اس کے ساتھ وہی طرز اختیار کیا جائے اس طرز عمل سے برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا، بلکہ اور زائد پھیلتی ہے اگر برائی کو مٹانا مقصود ہو تو

= ف۳ یعنی ایسے شیطان کے مقابلہ میں نرمی اور عفو و درگزر سے کام نہیں چلتا۔ بس اس سے نکلنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ جاؤ۔ یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں۔ اگر تم واقعی اخلاص و تضرع سے اللہ کو پکارو گے وہ ضرور تم کو پناہ دے گا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس نے کتنے اخلاص و تضرع سے اس کو پکارا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس آیت کا پہلی آیت سے ربط ظاہر کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں "یعنی کبھی بے اختیار غصہ چڑھ آئے تو یہ شیطان کا دخل ہے۔" وہ نہیں چاہتا کہ تم حسن اخلاق پر کاربند ہو کر دعوت الی اللہ کے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔

ف۴ دعوت الی اللہ کے ساتھ چند دلائل سماویہ و ارضیہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول و عمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند، سورج اور آسمان و زمین کا عظیم الشان نظم و نسق سوچنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے وفی کل شیء لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد۔ انسان کو چاہیے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں، بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں۔ اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے اس پر بھی تنبیہ ہو کہ جس طرح رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں رد و بدل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور داعی کی علو ہمت اور خوش اخلاقی کی بدولت مخاطبین کی کایا پلٹ کر دے اور تاریک فضا کو ایک روشن ماحول سے بدل دے۔

ف۱ سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ مگر اللہ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔

ف۲ یعنی اگر غرور و تکبر حق کے قبول کرنے سے مانع ہے اور باوجود وضوح دلائل توحید کے خدائے واحد کی عبادت کی طرف آنا نہیں چاہتے تھے تو نہ آئیں، اپنا ہی نقصان کریں گے۔ اللہ کو ان کی کیا پرواہ ہو سکتی کہ بیشمار ملائکہ مقربین شب و روز اس کی عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، نہ کبھی تھکتے ہیں، نہ اکتاتے ہیں۔ اس کے سامنے یہ بیچارے کیا چیز ہیں اور ان کا غرور کیا چیز ہے۔ خواہ مخواہ کی جھوٹی شیخی کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

اس کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے اس کو دور کیا جا سکتا ہے یہی صورت کامیابی اور ترقی کی ہو سکتی ہے، اور اس راہ میں جہاں خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں، ساتھ ہی خود انسان کے قلب و دماغ پر بسا اوقات ایسے خطرات وخیالات وارد ہوتے ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ راہ حق سے اس کے قدم ڈگمگا جائیں تو خارجی رکاوٹوں کے ساتھ یہ داخلی رکاوٹیں بھی پیش آیا کرتی ہیں تو وساوس شیطانیہ سے بچاؤ صرف اللہ رب العزت کی پناہ وحفاظت سے ہوتا ہے تو دعوت الی اللہ کی بلند منزلوں کو طے کرنے میں اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہئے۔ تو فرمایا: اور اس سے بہتر کون شخص ہو سکتا ہے، اپنے قول و دعوت کے لحاظ سے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے، اور خود نیکی کا کام کرتا رہے۔ اور اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر یہ اعلان کرتا رہے کہ میں تو (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ مشرکین ومنکرین کے ایسے ماحول میں جو اللہ کے دین کو حقیر سمجھتے ہوں، ان کے سامنے بجائے مرعوب ومجوب ہونے کے فخر کے ساتھ کہے کہ ﴿اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اپنے مذہب پر اس طرح کے فخر اور اعلان سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے اور اہل سعادت کو ایمان کی رغبت اور پختگی نصیب ہوگی۔ اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دینے میں جہلاء کا مقابلہ اور معاندین کی طرف سے ایذاء رسانی کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر ایک ضابطہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ برابر نہیں ہے نیکی۔ برائی اور بدی کے اور نہ بدی برابر ہے نیکی کے، ہر ایک کا حال اور اثر جدا ہوتا ہے، نیکی کا انجام فلاح وکامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت وناکامی اس لیے دعوت الی اللہ میں مشغول انسان یقیناً کامیاب وسربلند ہوں گے۔ اور ان کے مقابلہ ومعارضہ کرنے والے معاند ذلیل وناکام ہوں گے، اے مخاطب بس تو اپنا دستور العمل یہ بنالے کہ مدافعت کرتا رہ برائی کی ایسے طریقہ سے جو نہایت ہی خوبی کا ہو تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تو دیکھ لے گا کہ تیرے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا[1] گویا کہ تیرا نہایت ہی مخلص وہمدرد وقریبی دوست اور رشتہ دار ہے، اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی مگر صرف ان ہی لوگوں کو جو اپنے اخلاق وکردار سے صابر ومستقل مزاج ہوں اور نہیں نصیب ہوتی یہ خصلت مگر ان لوگوں کو جو بڑے ہی نصیب والے ہیں۔ یہ طرز عمل تو اس وقت ہے جب دعوت الی اللہ اور راہ حق میں رکاوٹیں خارج سے پیش آئیں، اور اگر خود تیرے قلب ودماغ میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو کر تجھ کو ڈگمگائے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر، بے شک وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ پروردگار تیرے عمل واخلاص کو دیکھنے اور تیرے قول کو سننے کی وجہ سے تجھ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا، نہ خارجی عداوتیں تجھے نقصان پہنچا سکیں گی اور نہ تیرے نفس کی داخلی رکاوٹ اور وسوسے تجھے ناکام بنا سکیں گے۔ اور اللہ کی نشانیوں سے تو رات اور دن ہے اور سورج وچاند ہیں۔ جو اپنے انقلاب وتبدیلی سے ہر مشاہدہ کرنے والے انسان کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی حالت ایسی نہیں کہ جو تبدیل نہ ہو، رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی نمودار ہو کر زبان حال سے یہ بتاتی رہتی ہے کہ کسی بھی مغلوب وعاجز یا پریشان ومغموم شخص کو جو آلام وافکار کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا مایوس نہ ہونا چاہئے، اس کے افکار وپریشانیوں کی تاریکیاں عنقریب کامیابی اور غلبہ کی صبح صادق کے نور سے مٹ جائیں گی، قدرت خداوندی کے ان کرشموں کو دیکھ کر اے لوگو کارخانہ عالم کے پیدا کرنے والے اور

[1] "کانہ" یعنی گویا کہ وہ تیرا دوست وہمدرد ہے یہ عنوان اس لحاظ سے ہے کہ اگر چہ وہ دشمن جس کے ساتھ تم نیکی کا برتاؤ کر دگے حقیقتاً دوست نہ بنے مگر بہرکیف اگر اس میں انسانی شرافت کا ادنیٰ سا بھی اثر ہے تو وہ یقیناً معاملہ ایسا ہی کرنے لگے گا جیسا کہ دوست ہو۔

چلانے والے رب کو پہچانو۔ ہرگز پرستش نہ کرو، سورج کی اور نہ چاند کی اور صرف اسی خدا کے لیے سجدہ کرو جس نے سورج و چاند کو پیدا کیا ہے، اور تم کو اسی خدا کی عبادت کرنا ہے کیونکہ خدا کی خالقیت کے اقرار کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک کرنا درحقیقت اس کی عبادت ہی سے انکار ہے۔ لہٰذا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت و پرستش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کریں کہ ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ حقائق ہیں جن کا تسلیم کرنا ہر صاحب عقل پر ضروری ہے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ اللہ کی عبادت و توحید سے تکبر کریں اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں یہ سمجھیں کہ ہماری ذلت ہوگی تو پھر ایسے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اے ہمارے پیغمبر ﷺ جو فرشتے آپ ﷺ کے رب کے نزدیک ہیں اور بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں وہ تو تسبیح و پاکی، بیان کرتے رہتے ہیں اسی رب کے لیے رات اور دن۔ اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں تو جس خدا کی عظمت و برتری کا یہ مقام ہے کہ ملائکہ مقربین شب و روز اس کی حمد وثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ اور نہ اس کو کسی کی نافرمانی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے، وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے مستغنی و بے نیاز ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر اولین وآخرین زندہ و مردہ جن وانس جاندار و بے جان چیزیں سب کی سب سراپا تقویٰ ہوجائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر یہ سب خدا کی نافرمانی اور شقاوت کا پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کرسکتے۔

دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر وتحمل کے بہترین ثمرات

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر وتشریح میں عجیب لطائف ونکات بیان فرمائے، یہ پورا مضمون حضرت اقدس ہی کی عبارت کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے۔

فرماتے ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی ہے، وہ خاص عمل دعوت الی اللہ یعنی حق تعالیٰ کی طرف بلانا یعنی اس کے دین کی طرف بلانا یہ تو مقصود ہے اور دو اس کے مکمل ہیں یعنی عمل صالح اور تواضع اور اعتراف فرمانبرداری۔

ترجمہ آیت: ''کون شخص ہے زیادہ احسن ازروئے قول کے اس شخص سے جو خدا کی طرف بلاوے'' استفہام انکار ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلاوے، احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات ''دعوۃ الی اللہ'' ہے استفہام بقصد نفی ہے۔ سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن ازروئے قول کے''۔ اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ یہ تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا، وہاں پوچھا نہیں کرتے مثلاً یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں کہ جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب دے وہاں پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا

ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ کونسی بات اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اسی طرح اس دعوۃ الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہوگیا، گویا کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے۔

﴿أَحْسَنُ قَوْلًا﴾ کی تحقیق:...... سو یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی کس کی گفتگو سب سے اچھی ہے، وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کیونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قولاً کی اور اقوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفضیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے، ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل صالح بھی کرے اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور نیک کام کرے، اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ تو احسن قولاً، میں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل؟ کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ قول نہیں، مگر آداب ومکملات قول سے ہے اس لیے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں دخیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قول احسن وہ ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی کرے، یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ صاحب قول احسن ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کرے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے مگر عمل اچھا نہیں ہے مثلاً اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوٰۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے، اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر ﴿مَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا﴾ تو صادق آتا ہے کیونکہ اس کے معنی من قولہ احسن ہیں، یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو وہ احسن قولاً ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اس کے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل پڑا، اس کا جواب بنص قرآن بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے اور اس بنا پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ داعی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح اور ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوۃ احسن ہے یا دعوۃ غیر احسن ہے۔ الدعوۃ الی اللہ ص ۱۲ تا ۱۳۔ الغرض احسنیت جب ہوگی کہ جہاں وعظ کی ساتھ عمل بھی ہوگا، اور جہاں نرا وعظ ہوگا اور عمل نہ ہوگا وہ بیان احسن نہ ہوگا، کیونکہ افعل التفضیل کی نفی سے مجرد صفت کی نفی لازم آتی ہے اور چونکہ بسا اوقات وعظ اور عمل صالح کے ساتھ ہی اس میں کبر اور عجب بھی پیدا ہوجاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں اس لیے آگے اس کے علاج کے لیے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں، ﴿وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ یعنی یہ بھی کہے کہ میں تو اس کے فرمانبرداروں میں سے ہوں کہ "من نیز از غلامان ادیم"۔ کے حکم پر چلتا ہوں اور اننی من مسلم نہیں فرمایا کہ جس سے تفرد کا شبہ ہوتا اس لیے ﴿إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہوجائے کہ غلام اور فرمانبردار بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ایک غلام نے اگر فرمانبرداری نہ کی تو اپنا ہی کچھ کھویا۔

جاننا چاہئے کہ ﴿إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ کے دو معنی ہوسکتے تھے، ایک دعویٰ وفخر اور ایک تواضع مگر یہاں تواضع

مراد ہے اور اس کی تائید کہ ایک ہی لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوسکتا ہے خود قرآن مجید کے دوسرے موقع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک جگہ مقبولین کی مدح میں ان کا مقولہ ارشاد ہے۔ ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا﴾ یعنی اے اللہ ہم نے ایک منادی کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے ندا دیتا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ فامنا پس ہم ایمان لائے، اے پروردگار بس بخش دیجئے ہمارے گناہ اور دور کر دیجئے ہماری برائیاں دیکھئے یہاں "امنا" تواضع انکسار و افتقار کے لیے ہے جس کو ذوق سلیم اور سیاق وسباق صاف بتلا رہا ہے، اب دوسری آیت لیجئے جو اسی لفظ کو کبر وعجب کے طور پر استعمال کرنے پر دال ہے۔ ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا، قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ الآیۃ۔ یہاں بھی وہی آمنا ہے مگر یہاں اس کو رد کیا گیا ہے جس کا سبب وہی ہے کہ دعویٰ اور فخر سے کہتے تھے چنانچہ بعد والی آیت اس پر صریح دال ہے، چنانچہ ارشاد ہے ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ، بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ یعنی وہ لوگ آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں اپنے اسلام لانے کا، فرما دیجئے کہ احسان نہ رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی بشرطیکہ تم اس قول میں سچے ہو، غرض یہاں ان کا امنا کہنا دعویٰ اور فخر کے طور پر تھا۔ اس کے جواب سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ واقعی خدا کا احسان ہے جو اس نے ہمیں نیک کام کی ہدایت کردی، اسی طرح یہاں بھی فرما دیا۔ ﴿وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ تو ایک تکمیل دعوت الی اللہ کی یہ ہوئی تو اب کل تین چیزیں ہوئیں، ایک مقصود یعنی دعوت الی اللہ اور دو اس کے مکمل یعنی عمل صالح اور تواضع وافتقار و اعتراف و فرمانبرداری۔ (الدعوت الی اللہ ۲۹۔ ۳۰) ﴿وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ فخر اور لذت کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو نہ یہ کہ اس کو اپنے اس عنوان اور انتساب کے اظہار میں کوئی جھجک یا شرم معلوم ہو اور یہ شرم نہ تو قولاً اعلان اسلام میں اور نہ ہی اپنے عمل سے اپنے اسلام کے اظہار میں ہو، الحاصل داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح اور ساتھ تواضع اور انکسار اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لیے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہئے، اب آگے بقیہ آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کیے دیتا ہوں۔

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾ یعنی اچھائی اور برائی برابر نہیں یہاں سوال ہوتا ہے، کہ اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق وسباق سے کیا مناسبت ہے، آگے ارشاد ہے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ یعنی مدافعت کیجئے اس طریقہ سے جو اچھا ہو یہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہو رہی ہے جواب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ برا بھلا کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ہیجان پیدا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلہ بدی کر بیٹھے اس لیے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی سے تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کرو اپنے میں ضبط وصبر پیدا کرو یہ معنی ہوئے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ کے یعنی ادفع السیئۃ بالحسنۃ کہ کوئی برائی کرے تو اسے نیکی کر کے دفع کردو پس اصل تعلق تو جملہ ادفع کا ہے باقی ﴿لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ﴾ الخ یہ اس کی

تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے ﴿ادْفَعْ بِالَّتِيْ﴾ الخ کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام برائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر ٹال دیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور وہ اثر یہ ہوگا کہ ﴿فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست، مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں، کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا، تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو، تو دشمن دوست بن جائے گا، اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں، اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا، یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے شر و فساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدۂ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامۃ الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ ولی حمیم نہیں فرمایا بلکہ ﴿كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ فرمایا تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ شر ہی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لو گے تو گو اس وقت وہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہو جائے مگر در پردہ کینہ مضمر رکھے گا اور حتی الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی کبھی یوں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام اصلح ہوا، تو ایک ادب یہ بتایا تبلیغ کا کہ صبر وضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آ دیں انہیں برداشت کیا جائے اور یہ مدافعت سیئہ بالحسنۃ چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لیے اس کی ترغیب کے لیے فرماتے ہیں ﴿وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا﴾ اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجر و ثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے اب اس میں ایک مانع بھی تھا۔ یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں، ﴿اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ اگر آپ ﷺ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یعنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لیے فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ پڑھ لیا کرو، مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسے کو دور کر دے، اور صبر پر استقامت دے، ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ بلاشبہ وہ سننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع کر دیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور مکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتلا دیئے انتھی کلامہ، اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر تبرکا اور تلذذاً یہ تمام کلمات وعظ الدعوت الی اللہ از ص ۴۶ تا ۴۸ سے نقل کیے گئے ہیں حضرات قارئین اصل کی مراجعت فرمالیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ

اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری بے شک

اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی، پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی، تازی ہوئی اور ابھری۔ بے شک

الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ㊴ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کرے گا مردوں کو وہ سب کچھ کرسکتا ہے ف۱ جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں

جس نے اس کو جلایا وہ جلاوے گا مردے۔ وہ سب چیز کرسکتا ہے۔ جو لوگ ٹیڑھے دھنتے ہیں ہماری باتوں میں

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا

وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر یا ایک جو آئے گا امن سے دن قیامت کے کیے جاؤ جو

ہم سے چھپے نہیں۔ بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں بہتر یا ایک جو آئے گا بچ کر اس سے دن قیامت کے۔ کرتے جاؤ جو

شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ㊵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ

چاہو بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے ف۲ جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس ف۳ اور وہ

چاہو، بے شک جو کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ جو لوگ منکر ہوئے سمجھوتی سے، جب ان پاس آئی۔ اور یہ

لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ㊶ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ

کتاب ہے نادر اس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے

کتاب ہے نادر۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہیں، آگے سے نہ پیچھے سے، اتاری ہے حکمتوں والے

ف۱ یعنی زمین کو دیکھو بیچاری چپ چاپ، ذلیل وخوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا۔ پھر اس کی تر وتازگی رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے۔ آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس خدا نے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا، کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا؟ اور کیا وہ قادر مطلق مرے ہوئے دلوں کو دعوت الی اللہ کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کرسکتا؟ بیشک وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی مانع ومزاحم نہیں۔

ف۲ یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے آیات تنزیلیہ سن کر اور قرطاس دہر پر خدا کی آیات کونیہ کو دیکھ کر بھی جو لوگ کج روی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں کو واہی تباہی شبہات پیدا کر کے ٹیڑھی بناتے ہیں، یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں، یا یوں ہی جھوٹ موٹ کے عذر اور بہانے تراش کر ان آیات کے ماننے میں ہیر پھیر کرتے ہیں، ایسی ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں مگر خدا سے ان کی کوئی چال پوشیدہ نہیں۔ جس وقت سامنے جائیں گے دیکھ لیں گے فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا۔ اسی لیے آگے فرما دیا۔ "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کیے جاؤ۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا اکٹھا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اب خود سوچ لو کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے، اور ایک جو اپنی شرافت وسلامت روی کی بدولت ہمیشہ امن چین سے رہے۔ دونوں میں کون بہتر ہے؟

ف۳ یعنی وہ خواہ مخواہ اپنی کج روی سے نصیحت کی بات میں شبہات پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں جھوٹ کی گنجائش کسی طرف سے نہیں۔ وہ نصیحت کیا ہے؟ ایک صاف واضح اور مضبوط ومحکم کتاب جس کا انکار ایک احمق یا شریر آدمی کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ

سب تعریفوں والے کی ف۱ تجھ کو وہی کہتے ہیں جو کہہ چکے ہیں سب رسولوں سے تجھ سے پہلے تیرے رب کے یہاں معافی بھی ہے اور سزا بھی ہے

سب خوبیوں سراہے کی۔ تجھ سے وہی کہتے ہیں جو کہہ دیا ہے سب رسولوں سے تجھ سے پہلے۔ تیرے رب کے ہاں معافی بھی ہے، اور سزا بھی ہے

عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَ اَعْجَمِيٌّ

دردناک ف۲ اور اگر ہم اس کو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب

دکھ والی۔ اور اگر ہم اس کو کرتے قرآن اوپری زبان کا، تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں۔ اوپری زبان

وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ

اور عربی لوگ ف۳ تو کہہ یہ ایمان والوں کے لیے سوجھ ہے اور روگ کا دور کرنے والا ف۴ اور جو یقین نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے

اور عرب کا آدمی؟ تو کہہ، یہ ایمان والوں کو سوجھ ہے اور روگ کا دفع۔ اور جو یقین نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے

وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ع ۱۲

اور یہ قرآن ان کے حق میں اندھاپا ہے ف۵ ان کو پکارتے ہیں دور کی جگہ سے ف۶ اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب

اور یہ ان کو اندھاپا۔ ان کو پکار ہی ہے دور کی جگہ سے۔ اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ

پھر اس میں اختلاف پڑ گیا ف۷ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل چکی تیرے رب کی طرف سے تو ان میں فیصلہ ہو جاتا ف۸ اور وہ ایسے دھوکے میں ہیں اس قرآن سے

پھر اس میں پھوٹ پڑی۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات، جو پہلے نکل چکی تیرے رب سے، تو ان میں فیصلہ ہو جاتا۔ اور وہ دھوکے میں ہیں اس سے

ف۱ یعنی اس کی اتاری ہوئی کتاب میں جھوٹ آئے تو کدھر سے آئے۔ اور جس کتاب کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو باطل کی کیا مجال ہے کہ اس کے پاس بھٹک سکے۔

ف۲ یعنی منکرین کا جو معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، یہ ہی ہر زمانہ کے منکرین کا پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے پیغمبروں نے ہمیشہ خیر خواہی کی ہے، انہوں نے اس کے جواب میں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ پھر جس طرح پیغمبروں نے سختیوں پر صبر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صبر کرتے رہیے نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ توبہ کر کے راہ راست پر آ جائیں گے جن کے لیے خدا کے ہاں معافی ہے اور کچھ اپنی کج روی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آخر کار دردناک سزا کے مستوجب ہوں گے۔

ف۳ یعنی ایک بات کو نہ ماننا ہو تو آدمی ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے۔ کفار مکہ نے اور کچھ نہیں تو یہ ہی کہنا شروع کر دیا کہ صاحب! عربی پیغمبر کا معجزہ، تو ہم اس وقت سمجھتے جب قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں آتا۔ لیکن فرض کیجیے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے کے لیے یوں کہنے لگتے کہ بھلا صاحب انہیں ایسی بے جوڑ بات بھی دیکھی ہے، کہ رسول عربی، اور اس کی قوم بھی جو اولین مخاطب ہے عرب، مگر کتاب عجمی جائے ایسی زبان میں جس کا ایک حرف بھی عرب لوگ نہ سمجھ سکیں۔

ف۴ یعنی لغو اور بیہودہ شبہات تو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ ہاں اس قدر تجربہ ہر ایک آدمی کر سکتا ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کی کیسی عجیب ہدایت و بصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی اور ان کے قرنوں اور صدیوں کے روگ مٹا کر کس طرح بھلا چنگا کر دیتی ہے۔

ف۵ یعنی جس طرح خفاش (شپرک) کی آنکھیں سورج کی روشنی میں چندھیا جاتی ہیں، ان منکروں کو بھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا قصور ہے۔ منکروں کو چاہیے کہ اپنی نگاہ کا ضعف و قصور محسوس کر کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔

ف۶ یعنی کسی کو دور سے آواز دو تو نہیں سنتا اور سنے تو اچھی طرح سمجھتا نہیں۔ اسی طرح منکرین قرآن بھی صداقت اور منبع صداقت سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ حق کی آواز ان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور کبھی پہنچتی ہے تو اس کا ٹھیک مطلب نہیں سمجھتے۔

مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ

جو چین نہیں لینے دیتا ف۱ جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے اور جس نے کی برائی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے

جو چین نہیں دیتا۔ جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے اور جس نے کی برائی وہ بھی اسی پر۔ تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے

لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

بندوں پر ف۲

بندوں پر۔

بیان دلائل وقدرت وتنبیہ وتہدید برائے ملحدین در آیات واحکام خداوندی

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ... الی... بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دعوت الی اللہ کے مضمون کے ضمن میں معاندین کے مقابلہ اور ان کی رکاوٹوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ، اپنی قدرت کی ایسی نشانیاں ذکر فرما رہے ہیں جن کو تصور کر کے داعی الی اللہ کو کسی بھی مرحلہ پر مایوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ طبعی طور سے یہ ممکن ہے کہ داعی الی اللہ مخاطبین کی بے بسی غفلت عناد اور بغاوت کا رنگ دیکھ کر مایوس ہو جائے تو اس کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت کی یہ نشانیاں دیکھنی چاہئے کہ زمین بنجر ہو چکنے کے بعد بسا اوقات سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے سبزہ اور پھلواریاں اس میں لہلہانے لگتی ہیں تو اس طرح یہ بہت ممکن ہے جو مخاطبین آج تک وعظ ونصیحت کا اثر نہیں قبول کر رہے ہیں، وہ کسی بھی وقت وحی الٰہی جو قلوب کے لیے حیات وشادابی کا سامان ہے سے اپنے قلوب کو شاداب بنالیں گے، اس وجہ سے مایوس نہ ہونا چاہئے، اسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ایسے مجرمین جو اللہ کے دین میں تحریف کرتے ہیں، وہ خدا سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی ذہنی کوفت اور اذیت آپ ﷺ کو پہنچے اس پر صبر کیجئے، یہ بات آج کوئی نئی بات نہیں، انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا رہا ہے ایسے مجرمین کا جرم بے شک اس امر کا موجب ہے کہ وہ جلد ہی حق تعالیٰ کے عذاب اور قہر سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن خدا کا یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ ان کو مہلت دی جائے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اللہ کا دین وہ سچا دین ہے کہ مخالفین کی عداوت سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تو ارشاد فرمایا:

= ف۷ یعنی جیسے آج قرآن کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں اختلاف پڑ رہا ہے۔ پہلے تورات کے متعلق بھی ایسا ہی اختلاف پڑ چکا ہے پھر دیکھ لو وہاں کیا انجام ہوا تھا۔

ف۸ بات وہی نکل چکی کہ فیصلہ آخرت میں ہے۔

ف۱ یعنی مہمل شکوک وشبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں۔

ف۲ یعنی خدا کے ہاں ظلم نہیں۔ ہر آدمی اپنے عمل کو دیکھ لے۔ جیسا کرے گا وہی سامنے آئے گا۔ نہ کسی کی نیکی اس کے ہاں ضائع ہو گی نہ ایک کی بدی دوسرے پر ڈالی جائے گی (ربط) چونکہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا اور کفار اکثر سوال کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اس لیے اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾

اور اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے یہ بھی ایک عظیم نشانی ہے کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے زمین کو کہ دبی دبائی پڑی ہے، پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو لہلہانے لگی، ابھرنے اور پھلنے پھولنے لگی، بے شک جس پروردگار نے اس خشک وبنجر زمین کو زندہ کیا، یقیناً وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے، تو اسی طرح قیامت میں مردوں کو زندہ کرے گا اور قدرت کاملہ سے وہ دنیا میں بھی مردہ قلوب کو حیات بخش کر ان کو ایمان ومعرفت اور تقویٰ وطاعت کی شادابی سے سرسبز وشاداب بنا سکتا ہے حق تعالیٰ شانہ کے یہ دلائل قدرت یقیناً ایسے واضح ہیں کہ ان کو سن کر ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اس کی طاعت وبندگی کے لیے سرنگوں ہو جائے لیکن حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ پھر بھی بہت سے لوگ اللہ کی آیات میں کج روی اختیار کرتے ہیں، سو ایسے ملحدین کو سن لینا چاہئے کہ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم ان کو خوب دیکھ رہے ہیں، اور ان کو سزا دینے پر بھی ہم قادر ہیں تو بھلا یہ بتاؤ جو شخص آگ میں ڈالا جائے جیسا کہ ان مکذبین ومجرمین کو ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز نہایت ہی امن وسکون کی حالت میں آئے۔ یہ ہے قانون خداوندی اور اس کا فیصلہ لہٰذا کرلو جو جی چاہے۔ بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ ایسے مجرمین کس طرح اللہ کی باتوں اس کی نشانیوں اور احکام میں کج روی اختیار کرتے ہیں، اور آیات اللہ کا مطلب اپنی خواہشات کے مطابق گھڑ لیتے ہیں تو بلا شبہ ایسے سرکش وباغی اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے، وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے جہاں ان کا بہت برا حشر ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص اور وہ سلیم الفطرت انسان جو اپنی سلامتی اور فطرت سے اللہ کی باتوں کو سنے، مانے اور ان پر عمل کرے۔ یقیناً برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کے پیغام نصیحت کا انکار کیا جب کہ ان کے پاس وہ پہنچ چکا۔ وہ درحقیقت اپنی کج روی، عناد اور حق کے ساتھ بغاوت ہی کی وجہ سے انکار و روگردانی کرتے ہیں، خود پیغام خداوندی میں کسی طرح کی بھی کوئی کمی نہیں وہ تو یقیناً ایک بہت ہی باوقعت بلند پایہ کتاب ہے کہ ہرگز نہیں آسکتا ہے کوئی باطل اس تک نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس پروردگار کی طرف سے جو بڑی حکمتوں والا نہایت پسندیدہ قابل تعریف ہے۔ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے ایسی بلند پایہ حکمتوں سے لبریز کتاب پر بھی اگر یہ بدنصیب ایمان نہ لائیں تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ اس پر غم نہ کیجئے اور نہ مایوس ہوں ان منکرین کی طرف سے نہیں کہی جا رہی ہیں یہ باتیں آپ ﷺ کو مگر وہی جو آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کو کہی گئیں تو جس طرح انہوں نے ان باتوں کو برداشت کیا آپ ﷺ بھی برداشت کریں اور اس امر سے بھی تسلی حاصل کیجئے کہ بے شک آپ ﷺ کا رب بڑی مغفرت فرمانے والا ہے۔ اگر کوئی شخص بغاوت وسرکشی سے باز آجائے اور بہت ہی دردناک سزا والا ہے ●۔ اگر کوئی باز نہ آئے تو آپ ﷺ کو پریشان وغمگین نہ ہونا چاہئے مطیعین وفرمانبرداروں کے واسطے رحمت ومغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور مجرمین، نافرمانوں کے واسطے سزا اور عذاب کی کوئی کمی نہیں۔ اور رہی یہ بات ان معترضین و مخالفین کی کہ قرآن کا کچھ حصہ عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو اگر ہم اس قرآن کو عجمی بناتے اور اس کے کچھ حصے یا کل

● سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کی مغفرت اور درگزر نہ ہوتا کسی کی زندگی خوشگوار نہ رہتی، اور اگر اس کی وعید وعقاب نہ ہوتا تو ہر شخص بے خوف ہو جاتا۔

کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو پھر یہ لوگ یوں کہتے کیوں نہیں صاف صاف بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ ہم تو عربی ہیں، اب عجمی زبان کیونکر سمجھیں اور یوں کہتے کیا عجیب بات ہے یہ قرآن عجمی ہے۔ اور رسول عربی ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر ﷺ یہ قرآن تو یقین کرنے والوں کے واسطے، ہر نیک کام اور سعادت وفلاح کے لیے اور شفا ہے۔ ان تمام بیماریوں کے لیے جو بُرے کاموں سے دلوں میں پیدا ہوجائیں جو لوگ اس کے باوجود بھی اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے ہیں تو درحقیقت ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے جس کی وجہ سے کوئی نصیحت وحکمت کی بات سننے ہی پر قادر نہیں اور وہ ان کے تدبر اور توجہ نہ ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا ہے، عناد وتعصب نے ان کی آنکھیں چندھیا دی ہیں، جس کی وجہ سے انہیں قرآنی حقائق اور معارف نظر نہیں آرہے ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی خفاش کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے، تو یہ لوگ گویا پکارے جارہے ہیں کسی دور جگہ سے کہ آواز اگر سنائی بھی دے تو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیا کہا جارہا ہے، بالکل اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کے مضامین اس کے حقائق اور پیغام نصیحت سمجھنے سے قاصر ومحروم ہیں اور یہ بات اور کفار مکہ کی روش کوئی نئی اور عجیب بات نہیں اللہ کے رسولوں کے ساتھ منکرین ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہیں مانا کسی نے کج روی اختیار کی اور کسی نے سلامتی طبع کا ثبوت دیا، تو آپ ﷺ کو ان کفار قریش کی ایسی روش پر مغموم نہ ہونا چاہئے اور اگر ایک بات آپ ﷺ کے رب کی طرف سے طے نہ ہوچکی ہوتی اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کو مہلت دینا ہے اور آخرت کا عذاب ان پر دائمی مسلط کیا جائے تو ان کا فیصلہ ہوچکا ہوتا اور عذاب سے ہلاک کردیئے جاتے اور لوگ تو بے شک اس عذاب کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے اللہ نے تو بس یہ قانون طے کردیا ہے کہ جو شخص نیک کام کرے تو وہ اسی کے فائدے کے لیے ہے اور جو کوئی شخص برا کام کرے اس کا وبال اسی پر ہے اور اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ کا پروردگار تو ذرہ برابر بھی بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ وہ کسی کی نیکی اور طاعت کو ضائع کردے یا کسی کو بلا جرم اور معصیت کے عذاب میں ڈال دے۔ عدل وانصاف سے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جس کا وہ مستحق ہو۔

الحاد فی الدین اور تحریف

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا﴾ حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات میں ملحدین پر بڑی ہی شدید وعید اور تنبیہ بیان فرمائی ہے، نافرمانی کے متعدد مراتب ہیں ایک درجہ کفر کا ہے کہ اللہ ہی پر ایمان نہ لائے، قیامت کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا انکار کرے، ایک درجہ یہ ہے کہ ایمان لاکر احکام خداوندی کی تعمیل نہ کرے نہ فرائض ادا کرتا ہو اور نہ معاصی سے اجتناب کرتا ہو، ایک درجہ یہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو اپنی اغراض کے مطابق بنانے کے لیے اس کے کلام کو اصل مفہوم اور مقصد سے پھیر کر اپنے مقصد پر منطبق کرتا ہو تو اس تیسری نوع کی نافرمانی اور مخالفت کو الحاد کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا "الالحاد"۔ وضع الکلام علی غیر مواضعه یعنی کلام کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر دوسرے کسی مقصد پر منطبق کرنا، اور اس کے مفہوم کو بدل دینا، اسی کو تحریف بھی کہا جاتا ہے۔

الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے مراد بدل دینا تحریف معنوی ہے، اسی کا نام بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما تاویل فاسد بھی ہے۔

اہل کتاب اور یہود کے قرآن کریم نے منجملہ دیگر عیوب کے یہ بھی ایک عظیم عیب فرمایا ہے، ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ یہود تحریف لفظی کے ساتھ معنوی کے بھی مرتکب ہوتے تھے حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا کیونکہ خود ہی وعدہ فرمالیا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ آیت میں تو یہ امکان نہ رہا کہ قرآن کریم میں کوئی تحریف کر سکے، البتہ تحریف معنوی کرنیوالے ملحدین ہو سکتے تھے کہ قرآن کریم کے مضامین اور معانی میں تحریف کریں چنانچہ ایسا ہوا اور محرفین وملحدین نے اس طرح کی تحریفات کا ارتکاب کیا تو ان پر بطور وعید فرمایا گیا کہ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

منکرین حدیث اور زائغین بہت سی آیات واحکام میں یہی روش اختیار کرتے ہیں، مثلاً اقامت الصلوٰۃ کا مفہوم محض اللہ کی یاد، ایتاء زکوٰۃ سے مراد پاکی اور اخلاقی عظمتوں کا حصول وغیرہ وغیرہ، اسی چیز کو ائمہ مفسرین تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے علامہ ابن النقیب رحمہ اللہ کا ایک کلام نقل کیا ہے جس میں انہوں نے تفسیر بالرائے کی صورتوں کو واضح فرمایا ہے۔

جملة ما تحصل فی معنی حدیث التفسیر بالرائی خمسة اقوال احدها التفسیر من غیر حصول العلوم التی تجوز معها التفسیر، والثانی تفسیر المتشابه الذی لایعلم الا الله الثالث التفسیر للمذهب الفاسد بان یجعل المذهب اصلا والتفسیر تابع فیرد الیه بای طریق امکن وان کان ضعیفة الرابع التفسیر ان مراد الله کذا علی القطع من غیر دلیل۔ الخامس التفسیر بالاستحسان للهوی الخ۔

کہ حدیث تفسیر بالرائے کی شرح میں مجموعی طور پر جو اقوال حاصل اور مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ ہیں ایک یہ کہ تفسیر بالرائے یہ ہے کہ انسان ان علوم کو حاصل کیے بغیر تفسیر قرآن کرے، جن کے حاصل کیے بغیر تفسیر کرنا جائز ہی نہیں ہے، اور دوسرے ان متشابہات کی تفسیر اور بحث اور تحیص جن کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، تیسرے یہ کہ مذہب فاسد اور باطل کی حمایت کے لیے تفسیر کرے، جس کی صورت یہ ہو کہ اپنے اس مسلک اور مذہب کو اصل قرار دے پھر آیت قرآن کی تفسیر کو اس مذہب اور مسلک کی طرف پھیرے اور اس پر منطبق کرے، جہاں تک بھی اس کو قدرت وامکان ہو اگرچہ ایسی تاویلات بعیدہ اختیار کرنے کیلئے سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو، چوتھے یہ کہ بلا کسی ثبوت اور سند (اپنی رائے سے) یہ دعویٰ کرے کہ بس اللہ کی مراد یہی ہے پانچویں صورت یہ کہ اپنی پسندیدہ خواہشات کے مطابق تاویل کرے اور ان ہی کی طرف آیات قرآن کو پھیرے (اور ان پر منطبق کرے)۔

یہی وہ چیز ہے جس کو خداوند عالم نے قرآن کریم میں بھی واضح فرمادیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل)

اور اے مخاطب مت در پے ہو تو اس چیز کے جس کا تجھے کوئی علم نہیں بے شک انسان کے کان اور نگاہ اور دل یہ سب کے سب قیامت کے روز باز پرس کیے جائیں گے۔

اور اسی طرح فرمایا گیا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ (سورۃ الحج)

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جدال وخصومت کرتے ہیں بغیر کسی علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے، جھکائے ہوئے ہے اپنے بازو (تکبر وغرور سے) تاکہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے گمراہ کردے ایسے شخص کے لیے دنیا میں ذلت ورسوائی ہے اور قیامت میں ہم اس کو جلتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

اللہ کے ساتھ اور اس کے بارے میں جدال وخصومت یہی ہے کہ اللہ کی طرف ایسے امور کی نسبت کرے جو اس کی منشاء اور اس کے دین کے خلاف ہیں اور جن کو وہ پسند نہیں فرماتا گویا یہ روشن نظری اور فکری اعتبار سے اللہ رب العزت سے مقابلہ اور خصومت کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ خصومت وجدال کرنے والا انسان اپنا رخ حق سے پھیر کر باطل کی طرف مائل کرنے والا ہوتا ہے، تو بالکل اس کی یہی تصویر ہوتی ہے اپنے بازو پھیرے ہوئے غرور تکبر سے جس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکائے ایسے ہی ظالموں اور خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود بنالینے والوں کے لیے یہ وعید نازل ہوئی ہے۔

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾

اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے اللہ ایسے ظالموں کی رہبری نہیں کرتا۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری رحمہ اللہ تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ دیانت اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ہرگز ایسی کوئی تاویل اختیار نہ کی جائے جن سے ان حقائق کا ابطال ہوتا ہو جن کی تفسیر وتشریح اور تحقیق نبی کریم ﷺ، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین نے کی جیسے معاد جسمانی، حشر ونشر، جنت وجہنم، صراط، میزان اعمال، نعماء جنت، حور وقصور، انہار واشجار وغیرہ بلکہ لازم اور ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں کو انہی کیفیات، اور احوال

کے ساتھ مانا جائے جن احوال و کیفیات سے یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت اور منقول ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ان حقائق کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرے بعض لطائف و اسرار اور رموز کی طرف اشارہ کر دیا جائے جو ان ہی حقائق و رموز سے ماخوذ و مستنبط ہوں جن کو شارع علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اسی نوع کے جو رموز و لطائف حضرات عارفین اور صوفیاء کی تفاسیر میں منقول ہوئے ہیں، وہ محض ایک تمثیل و تشبیہ اور اشارہ کا درجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات میں جو حقائق خارج اور نفس الامر (یعنی عالم صورت) میں پیدا فرمائی ہیں ان کی کوئی نہ کوئی مثال اور نظیر عالم معنی میں ہوتی ہے۔ (انتھی کلامہ)

بلکہ عالم معنی میں تو انسان کے اعمال و افعال کی بھی مثالی صورتیں ہوتی ہیں جس کا قرینہ وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے، مرد صالح اور مومن کے سامنے اس کی قبر میں سوال و جواب کے بعد ایک حسین و جمیل شکل ظاہر ہوگی تو یہ شخص پوچھے گا تو کون ہے تیرا چہرہ تو خیر کی مخبری کر رہا ہے وہ شکل جواب دے گی انا عملك الصالح۔ کہ میں تو تیرا عمل صالح ہوں۔ اور فاجر و بدکار شخص کے سامنے ایک شکل ظاہر ہوگی جو نہایت ہی قبیح اور ہیبت ناک ہوگی جس کو دیکھ کر یہ کافر و فاجر آدمی دریافت کرے گا تو جواب دیا جائے گا۔ انا عملك الخبيث۔ کے میں تیرا عمل خبیث ہوں، غرض قبر میں ظاہر ہونے والی یہ حسین و جمیل شکل اور قبیح و مصیبت ناک صورت اعمال کی صورتیں ہوں گی،

بہر کیف تفسیر بالرائے کی ان پانچ صورتوں کی علاوہ ایک شکل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے ایسے معنی بیان کرنا جس سے ان حقائق کا ابطال اور رد لازم آتا ہو، جن کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فریاما اور شریعت نے اس کو متعین کیا۔

یہ شکل بھی تفسیر بالرائے کے ساتھ ملحق ہے کہ کسی آیت کے کوئی ایسے جدید معنی اختراع اور ایجاد کیے جائیں جس کی طرف نہ تو آنحضرت ﷺ نے کوئی اشارہ فرمایا ہو اور نہ ہی صحابہ و سلف صالحین اور ائمہ متقدمین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کا ذہن اس عجیب و غریب معنی کی طرف متوجہ ہوا ہو تو یہ تفسیر و تشریح بھی اصول شریعت کے لحاظ سے الحاد اور تحریف ہے، اس لیے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ قرآن کے یہ معنی نہ آنحضرت ﷺ نے سمجھے اور نہ صحابہ اور ائمہ مفسرین رضی اللہ عنہم اجمعین نے جن کی زندگیاں ہی قرآن و حدیث کی خدمت میں گزریں کیا وہ سبھی اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے، اور ناگہاں چودہ سو برس کے بعد یورپ کی یونیورسٹیوں سے تربیت پا کر آنے والوں پر یہ معنی اور عجیب و غریب حقائق منکشف ہونے لگے اور یہ لوگ نہایت ہی بے باکی کے ساتھ پیغمبر خدا اور صحابہ و ائمہ اور علماء اسلام کے مدمقابل ان کی تعلیمات کو مٹانے اور مسخ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جن حقائق کو قرآن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ثابت کیا ان رد کرنے کے لیے کبھی سائنس اور فلسفہ کا سہارا لے رہے ہیں کبھی ادیبانہ عبارتوں سے نہایت عیاری اور چالاکی سے عامۃ المسلمین کے ذہنوں کو پراگندہ اور مرعوب کر رہے ہیں۔

بہر کیف تمام امت کا اس پر اجماع ہے اور شریعت کے اصول سے یہ بات طے شدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور ائمہ مفسرین کے نزدیک قرآن کریم اور آیت کلام اللہ کی جو تفسیر متفق علیہ ہے اس سے خروج اور عدول بلاشبہ ضلالت اور گمراہی ہے کچھ نئے تعلیم یافتہ لوگ ان جدت طرازیوں کو کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کمال نہیں بلکہ یہ تو ضلال ہے۔

فقہاء اور متکلمین ایسے ملحد اور تفسیر بالرائے کرنے والے کو زندیق ہی کہتے ہیں اور زندیق کے معنی یہ بیان کیے گئے کہ جو شخص اسلام اور شریعت کے الفاظ بولتا ہو مگر مراد اسلام اور شریعت کے خلاف لیتا ہو تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں

زندیق کہتے ہیں۔

خداوند عالم سب مسلمانوں کو قرآن کریم اسی طرح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح کے اس کے رسول ﷺ نے سمجھا یا اور اس پر عمل کی توفیق سے ہمارے قلوب کا تزکیہ اور تطہیر فرمائے جس کے لیے آنحضرت ﷺ مبعوث فرمائے گئے، آمین یا رب العلمین۔

الحمدللہ چوبیسویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

❁❁❁

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا

اسی کی طرف حوالہ ہے قیامت کی خبر کا ف۱ اور نہیں نکلتے کوئی میوے اپنے غلاف سے اور نہیں رہتا حمل مادہ کو اور نہ جنتے کہ جس کی

اسی کی طرف حوالہ ہے خبر قیامت کی۔ اور کوئی میوے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے غلاف سے اور گابھ نہیں رہتا کسی مادہ کو، اور نہ وہ جنتے جس

تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ﴿۴۷﴾

اس کو خبر نہیں ف۲ اور جس دن ان کو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک ف۳ بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی اس کا اقرار نہیں کرتا ف۴

کی اس کو خبر نہیں۔ اور جس دن ان کو پکارے گا، کہاں ہیں میرے شریک والے بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی نہیں اقرار کرتا۔

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسۡـَٔمُ

اور چوک گیا ان سے جو پکارتے تھے پہلے اور سمجھ گئے کہ ان کو کہیں نہیں خلاصی ف۵ نہیں تھکتا

اور چوک گیا ان سے جو پکارتے تھے پہلے، اور اٹکلے ان کو نہیں کہیں خلاصی۔ نہیں تھکتا

الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ ۙ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا

آدمی مانگنے سے بھلائی اور اگر لگ جائے اس کو برائی تو آس توڑ بیٹھے ناامید ہو کر اور اگر ہم چکھائیں اس کو کچھ اپنی مہربانی

آدمی مانگنے سے بھلائی اور اگر لگ جائے اس کو برائی تو آس توڑے ناامید ہو کر۔ اور اگر ہم چکھائیں اس کو کچھ اپنی مہر

مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى

پیچھے ایک تکلیف کے جو اس کو پہنچی تھی تو کہنے لگے یہ میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں پھر بھی گیا اپنے

پیچھے ایک تکلیف کے جو اس کو لگی تھی، تو کہنے لگے گا یہ ہے میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا قیامت اٹھنی ہے اور اگر میں پھر گیا اپنے

ف۱ یعنی اسی کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اس کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا۔ جس سے دریافت کرو گے۔ یہی کہے گا "ما المسئول عنها باعلم من السائل"

ف۲ یعنی علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی کھجور اپنے گابھے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو۔ نیز کسی عورت یا کسی مادہ (جانور) کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے اور جو چیز وہ جن رہی ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی خدا ہی کو معلوم ہے کہ کب آئے گا۔ کوئی انسان یا فرشتہ اس کی خبر نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کو خبر رکھنے کی ضرورت۔ ضرورت اس کی ہے کہ آدمی قیامت کی خبر پر اللہ کے فرمانے کے موافق یقین رکھے اور اس دن کی فکر کرے جب کوئی شریک کام نہ آئے گا اور کہیں مخلص نہ ملے گا۔

ف۳ یعنی جن کو میری خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اب بلاؤ نا، وہ کہاں ہیں؟

ف۴ یعنی ہم تو آپ سے صاف عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو (گویا اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے) اور بعض نے شہید کو معنی شاہد لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم میں سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔

ف۵ یعنی دنیا میں جنہیں خدا کا شریک بنا کر پکارتے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آتے۔ اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اب غائب ہو گئے انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ خدائی سزا سے نکلنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اور گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ آخر آس توڑ کر بیٹھ رہے۔ اور جن کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑتے تھے آج ان سے قطعاً بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ

رب کی طرف بے شک میرے لیے ہے اس کے پاس خوبی ف۱ سو ہم جتلا دیں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے اور چکھائیں گے ان کو

رب کی طرف، بے شک مجھ کو ہے اس کے پاس خوبی، سو ہم جتادیں گے منکروں کو، جو انہوں نے کیا ہے اور چکھائیں گے ان کو

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

ایک گاڑھا عذاب ف۲ اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو ٹلا جائے اور موڑ لے اپنی کروٹ اور جب لگے اس کو برائی

ایک گاڑھی مار۔ اور جب ہم نعمت بھیجیں انسان پر، ٹلا جائے اور موڑے اپنی کروٹ۔ اور جب لگے اس کو برائی

فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝۵۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ

تو دعائیں کرے چوڑی ف۳ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ ہو اللہ کے پاس سے پھر تم نے اس کو نہ مانا پھر اس سے گمراہ

تو دعائیں کرے چوڑی۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو! اگر یہ ہو اللہ کے پاس سے، پھر تم نے اس کو نہ مانا، اور اس سے بہکا

مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝۵۲ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ

زیادہ کون جو دور چلا جائے مخالف ہو کر ف۴ اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر

کون؟ جو دور چلتا جائے مخالف ہو کر۔ ہم دکھائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور آپ اس کی جان میں، جب تک کھل جائے ان پر

ف۱ یعنی انسان کی طبیعت عجیب طرح کی ہے۔ جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش و آرام و تندرستی نصیب ہو، تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے۔ کسی حد پر پہنچ کر اس کی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا، اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے۔ لیکن جہاں ذرا کوئی افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی۔ اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر صرف پیش آمدہ اسباب، پر محدود ہوتی ہے۔ اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دے۔ اس مایوسی کے بعد اگر فرض کیجیے اللہ نے تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش و راحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے "ھذا لی" یعنی میں نے فلاں تدبیر کی تھی، میری تدبیر اور لیاقت و فضیلت سے یوں ہی ہونا چاہیے تھا اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی نہ اپنی وہ مایوسی کی کیفیت جو چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی۔ اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا۔ اور اگر کبھی تاثرات کے دوران میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے۔ اور فرض کرو ایسی نوبت آ ہی گئی اور مجھ کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے وہاں میرا انجام بہتر ہوگا۔ اگر میں خدا کے نزدیک برا اور نالائق ہوتا تو دنیا میں مجھ کو یہ عیش و بہار کے مزے کیونکر ملتے۔ لہٰذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہی معاملہ میرے ساتھ ہوگا۔

ف۲ یعنی خوش ہو لو کہ اس کفر و غرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے۔ وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ اور کس طرح عمر بھر کے کرتوت سامنے آتے ہیں۔

ف۳ یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکرگزاری سے اعراض کرتا اور بالکل بے پرواہ ہو کر ادھر سے کروٹ بدل لیتا ہے۔ پھر جب کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آتی ہے تو اسی خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارے۔ اور تماشا یہ ہے کہ بعض اوقات اسباب پر نظر کر کے دل اندر سے مایوس ہوتا ہے۔ اس حالت میں بھی بدحواس اور پریشان ہو کر دعا کے لئے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ قلب میں ناامیدی بھی ہے اور زبان پر یا اللہ بھی، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ سب بیان ہے انسان کے نقصان (وقصور) کا نہ سختی میں صبر ہے نہ نرمی میں شکر۔

ف۴ اوپر انسان کی طبیعت کا عجیب و غریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی۔ اب تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر کاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے، اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا، اور ایسی =

اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ

کہ یہ ٹھیک ہے ف۱ کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لیے ف۲ سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی

کہ یہ ٹھیک ہے۔ کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ؟ سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی

رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾ ع ۱

ملاقات سے سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو ف۳

ملاقات سے۔ سنتا ہے! وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو۔

احاطہ علم خداوندی و بیان ذلت و ناکامی مجرمین درروز قیامت مع تجھیل وتحمیق اہل ضلال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ... الی ... اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منکرین توحید اور قرآن کریم میں طعن واعتراض کرنے والوں کا ذکر تھا اور ان پر وعید وتنبیہ تھی، اب ان آیات میں مجموعی طور پر ان کی تحمیق وتجہیل کی جارہی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت سے کوئی چیز مخفی نہیں، اسی ذیل میں مشرکین مکہ قیامت کے بارے میں تمسخر اور انکار کے رنگ میں جو دریافت کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا بھی جواب دیا گیا کہ اس کا علم خدا ہی کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی تو فرمایا اسی پروردگار کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے قیامت کا علم۔ بس اسی خالق کو قیامت کے وقوع کا علم ہے مخلوق کو اس کا کوئی علم نہیں اور ظاہر ہے کہ اگر مخلوق کو قیامت کے آنے کا علم نہ ہو تو اس سے یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ قیامت آنے والی نہیں ہے جیسا کہ یہ منکرین استدلال کرتے

= اعلیٰ اور بیش قیمت نصائح سے منکر رہ کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی، بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور نقصان وخسارہ کچھ اور ہوسکتا ہے۔

ف۱ یعنی قرآن کی حقانیت کے دوسرے دلائل وبراہین تو بجائے خود رہے۔ اب ہم ان منکروں کو خود ان کی جانوں میں اور ان کے چاروں طرف سارے عرب بلکہ ساری دنیا میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلائیں گے جن سے قرآن اور حامل قرآن کی صداقت بالکل روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے۔ وہ نمونے کیا ہیں؟ وہی اسلام کی عظیم الشان اور محیر العقول فتوحات جو سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآنی پیشین گوئیوں کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئیں۔ چنانچہ معرکہ "بدر" میں کفار مکہ نے خود اپنی جانوں کے اندر اور "فتح مکہ" میں مرکز عرب کے اندر اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں تمام جہان کے اندر یہ نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "آیات" سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرنے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ جبکہ وہ ان سنن الٰہیہ اور نوامیس فطریہ کے موافق ثابت ہوتے ہیں جو اس عالم تکوین میں کارفرما ہیں۔ اس قسم کے تمام حقائق کونیہ اور آیات آفاقیہ والنفسیہ کا انکشاف چونکہ لوگوں کو دفعۃً نہیں ہوتا، بلکہ وقتاً فوقتاً بتدریج ان کے چہرہ سے پردہ اٹھتا رہتا ہے۔ اس لیے "سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا" سے تعبیر فرمایا۔

ف۲ یعنی قرآن کی حقانیت کو فرض کرو کوئی نہ مانے، تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے۔ جو ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز میں غور کرنے سے اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔

ف۳ یعنی یہ اس دھوکے میں ہیں کہ کبھی خدا سے ملنا اور اس کے سامنے جانا نہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کسی وقت بھی اس کے قبضہ اور احاطہ سے نکل کر نہیں جاسکتے۔ اگر مرنے کے بعد ان کے بدن کے ذرات مٹی میں مل جائیں یا پانی میں بہہ جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں تب بھی ایک ایک ذرہ پر اللہ کا علم اور قدرت محیط ہے۔ ان کو جمع کر کے از سر نو زندہ کر دینا کچھ مشکل نہیں۔ تمت سورۃ حم السجدۃ فلله الحمد والمنة۔

ہیں، اور قیامت تو کیا ہر چیز کا علم اللہ ہی کو ہے تمام کائنات اسی کے احاطہ علم میں گھری ہوئی ہے حتیٰ کہ وہی پروردگار جانتا ہے جو پھل اپنے خوشوں اور گچھوں سے نکلتے ہیں، اور اس حمل کو جو کوئی عورت اٹھائے ہوئے ہو۔ اور نہ ہی کوئی عورت بچہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے کہ کیا ہوگا کیسا ہوگا کب ہوگا غرض یہ سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہوتا ہے اور قیامت تو وہ دن ہوگا کہ اس میں پروردگار پکارے گا ان مشرکین کو اور کہے گا کہاں ہے وہ میرے شریک جن کو تم نے میری عبادت اور الوہیت میں شریک ٹھہرایا تھا اب ان کو لاؤ تا کہ وہ اس مصیبت و پریشانی سے تم کو نجات دلا دیں، جواب دیں گے، اے پروردگار ہم تو آپ سے یہی کہتے ہیں کہ اب ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے یا دعویٰ کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اب سب حقائق روشن ہوگئے اور وہ تمام معبودان سے غائب ہوں گے جن کو یہ پہلے پکارا کرتے تھے، اور یہ لوگ سمجھیں گے کہ اب ان کے واسطے کوئی بچاؤ نہیں ہے۔ ایسا انسان جس کے دل میں نہ ایمان ہو اور نہ اعتقاد توحید مال کی خواہش اور طلب سے کبھی نہیں تھکتا بلکہ حرص میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور یہ بات کفر و معصیت کے آثار لازمہ میں سے ہے جو انسانی طبیعت پر بہر کیف مرتب ہو کر رہتی ہے، ساتھ ہی اس کی اخلاقی خرابی اور گندگی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو ناامید و بدحواس ہو جاتا ہے۔ غرض مال کا لالچ، اخلاقی خرابیوں میں مبتلا، اپنے رب سے بدگمان یہ ہیں وہ آثار خبیثہ جو کفر و شرک پر مرتب ہو کر رہتے ہیں اور انہی آثار خبیثہ میں سے یہ بھی ہے اگر ہم ایسے انسان کو کسی مہربانی کا مزہ چکھا دیں بعد کسی مصیبت کے کہ جو اس کو پہنچی تھی، تو یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا حق ہی ہے۔ مجھ کو یہ ملنا ہی چاہئے تھا، کیونکہ میں تو بہت لائق اور باکمال ہوں میں نے تو اپنی قابلیت سے ایسی ہی تدابیر اختیار کی تھیں تو میری حسن تدبیر کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا، اور پھر اپنی اس خود فریبی میں مبتلا غرور و مستی کی حالت میں یوں کہتا ہے اور میں تو نہیں سمجھتا کہ روز قیامت آنے والا ہے اور اگر مجھ کو میرے رب کی طرف لوٹا بھی دیا گیا تو اس کے پاس میرے واسطے بہت ہی بہترین حالت ہوگی یہ بیہودہ لوگ اپنے مونہوں سے اب اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھو یقیناً ہم ان منکروں کو خوب بتا دیں گے ان کے وہ تمام کام جو انہوں نے کیے اور ضرور بالضرور ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور ایسے انسان کی یہ بھی ایک عجیب فطرت ہے کہ ہم جب اس پر انعام فرماتے ہیں تو وہ بے رخی کرتا ہے اور اپنا پہلو بچانے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ نعمتوں میں منعم سے منہ موڑ لینا انتہائی کمینہ پن ہے۔ اور پھر جب اس کو تکلیف پہنچے تو لمبی چوڑی دعاؤں والا ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی غایت بے صبری، دنیا میں انہماک اور حب مال حرص اور نفس کی خواہشات میں مبتلا ہونے میں بدترین آثار ہیں جو اللہ کی نافرمانی اور کفر و شرک کے باعث انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں، ان حقائق اور کفر و شرک کے مفاسد، بیان کرتے ہوئے ان منکرین سے نہایت ہی نرمی اور تلطف کے انداز میں آپ ﷺ کہہ دیجئے اگر یہ قرآن جس کا کلام الٰہی ہونا اس کی معجزانہ شان علوم الٰہیہ اور حکمتوں سے لبریز ہونے آخرت اور غیب کی خبروں پر مشتمل ہونے کے باعث اظہر من الشمس ہے ایسی صورت میں کہ تم اس پر ابھی تک ایمان نہیں لائے، میں کہتا ہوں عقل اور فطرت کے لحاظ سے سوچو اور اس پر غور کر کے جواب دو کہ اگر یہ قرآن جیسا کہ حقیقت ہے۔ اللہ کی طرف سے ہو اور پھر بھی تم اس کا انکار کرو تو بھلا بتاؤ اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو انتہائی مخالفت میں پڑا ہوا ہے حق کے قبول کرنے سے سوچو اور عقل سے کام لو تا کہ حق واضح ہو جائے، اور قبول حق میں طبعاً کوئی تامل نہ ہو تو ہم اس مقصد کے لیے عنقریب ان

کو دکھادیں گے، اپنی قدرت کی نشانیاں آفاق عالم میں یا ان کے اطراف واکناف میں اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان کے سامنے یہ ظاہر ہوجائے گا کہ بے شک یہ قرآن حق ہی ہے اور یہ مجبور ہوجائیں گے کہ اس کی حقانیت کو دل سے مانیں گو عناد کی وجہ سے انکار کرتے رہے، چنانچہ ان کے قرب وجوار میں ظاہر کیے جانے والے دلائل میں غزوۂ بدر اور اس میں مسلمانوں کی فتح وکامیابی تھی، حالانکہ اس بے سروسامانی میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوجائے گی، اور خود ان کی ذات اور وجود میں ایسے بیشمار دلائل موجود ہیں جن کے باعث ان کو ایمان لانے اور قرآن کریم کی حقانیت تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ تو کیا یہ بات آپ ﷺ کے رب کو ثبوت اور شہادت کے درجے میں کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے اور ایسے علیم وخبیر سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوسکتی ہے اور اس رب کی شہادت میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی گواہی بھی ہے اور اللہ کا گواہ ہونا بہت بڑی بات ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ عقلاً ایسے دلائل وشواہد کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ منکرین آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے اور جو کچھ آپ ﷺ قیامت کے متعلق کہتے ہیں، اس کو مانتے لیکن خبردار ہوجاؤ یہ لوگ تو شک وتردد ہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار سے قیامت کے روز ملاقات کرنے سے یاد رکھو وہ پروردگار تو ہر چیز کا پورا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

کائنات کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے، ہر شخص کے اعمال واحوال بھی اس کے احاطہ علم میں گھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا قیامت کے روز ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا اور جب کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تو اصل قیامت کے آنے کا علم بھی اسی کو ہے تو منکرین کا یہ سوال نہایت ہی لغو بات ہے کہ قیامت کب آئے گی، بس اس کا علم اور جواب اسی رب کی طرف لوٹایا جائے گا جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ کی تفسیر میں حافظ عماد الدین ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ہم ایسے دلائل اور حجتیں قائم کریں گے جن سے یہ بات ظاہر ہوجائے گی کہ قرآن اللہ کا کلام منزل ہے جو اس کے رسول پر اتارا گیا جن میں سے بعض دلائل تو خارجیہ ہوں گے جو عالم کے کناروں یا کفار قریش کے قرب وجوار میں ظاہر ہوں گے چنانچہ فتوحات اسلام کی اشاعت اور تمام ادیان و مذاہب پر اس کے غلبہ نے اس حقیقت کو ظاہر اور ثابت کر دیا اور ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ سے انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی میں قدرت خداوندی کے عجیب نمونے اور اس کے احوال مختلفہ مراد ہیں۔

دلائل آفاق وانفس

آیت مبارکہ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس امر کو واضح کرتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی خالقیت وقدرت اور وحدانیت نیز اثبات قیامت اور آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کے دلائل دو قسم کے ہیں ایک قسم دلائل کی متکلمین کے یہاں دلائل انفس کہلاتی ہے اور دوسری قسم دلائل آفاق، حضرات ائمہ متکلمین ان دونوں قسموں کی تفصیل وتحقیق فرماتے ہیں، ان تفصیلات کی تو یہاں گنجائش نہیں، اجمالاً یہ سمجھ لیا جائے کہ دلائل انفس سے مراد انسانی زندگی اور اس کے جملہ

احوال وکیفیات ہیں کہ انسان جب بھی اپنی ذات وصفات اور وہ تمام عوارض وکیفیات جو اس پر واقع ہوتی ہیں غور کرے تو اس کو اس بات پر یقین کرنا پڑے گا کہ ضرور اس کا کوئی خالق ہے اور وہ واحد و یکتا ہے وہی اس کا رب ہے جس کی عظمت و کبریائی کی کوئی حد نہیں، دلائل انفس کے تتبع اور تلاش کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے انسانی فکر کو دعوت دی اور فرمایا ﴿وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ یعنی اے انسانو! خود تمہارے نفسوں میں بہت نشانیاں ہیں (جن کے ذریعے تم اپنے رب کو پہچان سکتے ہو) تو کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے ہو۔

انسانی ہستی حق تعالیٰ کی خالقیت اور کمال قدرت کی ایسی زندہ دلیل ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اس دلیل کے معارضہ اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ انسان ابتدا میں معدوم محض تھا اس کو نہ کسی قسم کا حسی وجود حاصل تھا، اور نہ عقلی وجود، خدا ہی نے اس کو وجود کا خلعت عطا کیا، اس مضمون پر قرآن کریم کی سینکڑوں آیات مشتمل ہیں، ملاحظہ فرمائیں کتاب منازل العرفان فی علوم القرآن (از ص ۴۴۹ تا ص ۴۹۰)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "حجۃ الاسلام" میں فرماتے ہیں "کون شخص ہے جو یہ نہیں جانتا ہو کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے، اور عنقریب پھر وہی ایک زمانہ آنے والا ہے کہ ہم اس پردۂ عدم میں جا چھپیں گے، ہمارا وجود دو عدموں میں اس طرح گھرا ہوا ہے جس طرح نور زمین شب گزشتہ اور شب آئندہ کی دو ظلمتوں میں محصور ہے زمین پر نور کی یہ آمد و رفت بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ یہ نور زمین کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مستعار اور عطاء غیر ہے کیونکہ اگر یہ نور زمین کا ذاتی ہوتا تو کبھی زائل نہ ہوتا پس اس طرح موت وحیات کی کشمکش اور وجود و عدم کی آمد و رفت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا وجود ذاتی نہیں ہے، ورنہ عدم و زوال کو کبھی قبول نہ کرتا، بلکہ جس طرح زمین کی روشنی آفتاب کا فیض ہے اور پانی کی گرمی مثلاً آگ کا فیض ہے، اسی طرح ہمارا وجود بھی کسی ایسی ذات کا فیض اور عطیہ ہوگا کہ جس کا وجود اصلی اور خانہ زاد ہو اور وجود اس کی ذات کے لیے اس طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے لیے نور اور آگ کے لیے حرارت اور چار کے عدد کے لیے زوجیت اور تین کے لئے فردیت لازم ہے یہ ناممکن ہے کہ آفتاب ہو اور نور نہ ہو آگ ہو اور حرارت نہ ہو اسی موجود اصلی ازلی اور دائمی کا نام اللہ تعالیٰ "خدا" اور "واجب الوجود" ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم کی اس آیت نے بخوبی واضح کر دیا۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (بقرہ)

کیسے تم اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم پہلے موجود نہ تھے، اسی خدا نے تم کو وجود و حیات عطا کی پھر وہی تم کو موت دیگا پھر تمہیں زندہ کریگا پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حکیم فرفوریوس کا مقالہ ہے کہ جو امور ہدایت عقل سے ثابت ہیں من جملہ ان کے ایک مسئلہ ثبوت صانع کا بھی ہے

جتنے حق پسند حکماء گزرے ہیں، وہ سب اس مسئلہ کی بداہت کے قائل تھے اور جو لوگ ثبوت صانع کی ہدایت کے قائل نہیں، وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے یا ان کو حکماء کے زمرہ میں شمار کیا جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداہی سے معرفت خداوندی اور اس کی ربوبیت کی تخم ریزی نہ ہوتی اور انسانی حیات کا سب سے زیادہ اور انسانی حیات کا سب سے زیادہ اساسی اور جوہری عقدہ کا حل ناخن عقل وفکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر صرف ایک نظری مسئلہ ہی بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے، جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ فکر واستدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوا کرتی ہیں، اس لیے قدرت نے جہاں غور وفکر کی قوت اور نور وحی والہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہی اس اساسی وبنیادی عقیدہ کی تعلیم سے بھی فطرۃً بہرہ ور اور مانوس بنا دیا، جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل لپٹی ہوئی تھی، اور جس کے بغیر مذہب کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا، اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہر قرن اور گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن معدود افراد نے کسی عقلی اور روحانی بیماری کی وجہ سے عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظروں میں بھی ذلیل اور اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے بخار اور صفراء میں مبتلا مریض لذیذ وخوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہر طبقہ اور درجے کے انسانوں کا خدا تعالیٰ کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق واجماع اس بات کی نہایت قوی اور واضح دلیل ہے کہ یہ عقیدہ افکار وعقول کی تگ ودو سے پہلے ہی خالق حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرما دیا گیا ہے، ورنہ فکر واستدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہونا ممکن نہ تھا، قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے ان آیات میں انسانی فطرت میں رچے ہوئے اس عقیدہ پر روشنی ڈالی، یہ صحیح ہے کہ ہم کو یہ یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں دی گئی۔ اور کس ماحول میں ہم اس عقیدہ سے مانوس ہوئے، لیکن جس کسی انشاء پرداز اور صاحب بیان انسان کو زمانہ طفولیت میں طے ہونے والے ان تمام مراحل کا علم نہیں اور نہ ہی قوت حافظہ میں ان چیزوں کے نقوش مستحضر ہیں، تاہم وہ یقین کرتا ہے کہ ضرور کسی معلم نے اس کو ابتداء عمر میں یہ الفاظ بولنے سکھائے اور ان الفاظ کے لکھنے کی تربیت دی تب ہی تو یہ اس طرح رواں دواں بول رہا ہے اور لکھ رہا ہے، اسی طرح بنی نوع انسان کا عقیدۂ ربوبیت الٰہی پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز ابتداء فطرت اور خلقت میں ضرور کسی معلم کے ذریعے ان تک پہنچی ہے۔ [1]

الغرض انسانی فطرت اور انسان میں ودیعت رکھے ہوئے عظیم ترین دلائل قدرت دلائل انفس ہیں، ان میں غور وفکر خود انسانی فطرت اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمالات ہی میں غور وفکر کرنا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں امام رازی کی تفسیر، علامہ حسین جسر طرابلسی کا رسالہ حمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ وحقیقۃ الشریعۃ المحمدیہ۔ (منازل العرفان فی علوم القرآن تالیف ناچیز محمد مالک کاندھلوی (عفا اللہ عنہ))

[1] از تحقیقات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

خالق حقیقی کی حقیقت اور قدرت پر استدلال کے لیے دلائل کی دوسری قسم دلائل آفاق ہیں۔ دلائل آفاق سے مراد کائنات عالم آسمان وزمین اور ان کے درمیان جملہ موجودات ومخلوقات چاند سورج ستارے بحر وبر اور ان کے تہوں میں مستور ومخفی عجائب ہیں ان مخلوقات اور ان کے عجائب احوال جو عقول انسانی کو حیرت میں ڈالنے والے ہیں ان سے استدلال کرنا، یہ دلائل آفاق سے استدلال کی دوسری نوع ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا فیلسوف اور طبیعات کا ماہر بھی ان احوال کا مشاہدہ کر کے ان کو مادی اسباب وعلل پر محمول کرنے سے عاجز ہے، ان موجودات کے مشاہدہ اور ان میں پیدا ہونے والے تغیرات سے خالق حقیقی پر ایمان لانا ہر عاقل کے لیے عقل کا قطعی فیصلہ معلوم ہوتا ہے اس موضوع پر بھی قرآن کریم نے بڑے بسط وتفصیل سے کلام کیا، اور خلق سموت وارض کے دلائل سینکڑوں آیات میں ذکر فرما دیئے۔

تفصیل کے لیے کتاب منازل العرفان فی علوم القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

﴿وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ﴾ میں ایسے نافرمان انسان کی کمینہ فطرت کا ذکر فرمایا گیا جو اپنے منعم کو پہچاننے کی بجائے اس سے بے رخی اختیار کرے گا اور بے گانہ بن جائے، حالانکہ انعام کا تقاضا ہے کہ منعم سے تعلق ہو، منعم کی فرمانبرداری کرے اور منعم کی ناراضگی کا خوف ہو، اور انعام کے جو آثار حیوان پر بھی ظاہر ہوتے ہیں جو انسانی شعور اور احساس سے عاری ہوتا ہے، انسان اگر ایسی روش اختیار کرے تو بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے انسان نے اپنا درجہ جانوروں سے بھی زیادہ نیچا کر لیا، اور لفظ ﴿فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ﴾ سے وہ دعا مراد نہیں جو تضرع وزاری اور انابت الی اللہ کی صورت میں ہو بلکہ یہ دعا اس کا جزع وفزع اور اللہ کی شکایت کرنا، بے صبری کے ساتھ رب العالمین کی بارگاہ میں شکوہ کرنے لگے تو جو شخص امن وعیش میں کفر اور کفران اور تکلیف میں بے صبری اختیار کرے، اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی انسان ذلیل وکمینہ ہو سکتا ہے، حق تعالیٰ نے ان کلمات میں ایسی مذموم خصلت سے بچنے کی تلقین فرمائی،

اللھم ووقنا لما تحب وترضی من القول والعمل واھدنا الی سواء الصراط، امین امین یا رب العلمین۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ حم السجدۃ یوم الاثنین ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھج

سورۃ الشوری

سورۃ الشوریٰ مکیہ ہے اور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے جس کی ترپن آیات اور پانچ رکوع ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رحمہ اللہ سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورۃ کو سورۃ حم عسق بھی کہا جاتا ہے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سورت میں بعض ائمہ مفسرین کے قول کے مطابق چار آیتیں ایسی ہیں جو مکہ میں نازل نہیں ہوئیں ان کا نزول بعد الہجرت مدینہ منورہ میں ہوا وہ آیات ﴿قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى﴾ سے چوتھی آیت تک ہیں، بعض دیگر مفسرین جیسے مقاتل بن حیان رحمہ اللہ وغیرہ نے آیت ﴿اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰى﴾ کو مستثنیٰ قرار دیا، کسی نے ﴿وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِى الۡاَرۡضِ﴾ کو غیر مکیہ کہا، اس سورت کا مضمون سورۃ ''حم السجدۃ'' کے

مضمون سے مربوط ہے، کیونکہ اس میں بھی مضامین زیادہ تر اثبات رسالت وحی الٰہی اور عظمت قرآن کے بیان پر مشتمل ہیں اور اسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان کی بیہودہ روش پر رنج نہ فرمائیں۔

(۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ ۶۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتہا ۵۳ رکوعاتہا ۵

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست حکمتوں والا ہے

اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف، اللہ زبردست حکمت والا۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے سب سے اوپر ف۱ بڑا قریب ہے کہ پھوٹ پڑیں آسمان

اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں

مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ

اوپر سے ف۲ اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے ف۳ سنتا ہے

اوپر سے اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی، اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے۔ سنتا ہے

اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ

وہی اللہ معاف کرنے والا مہربان ف۴ اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوا رفیق اللہ کو وہ سب یاد ہیں

وہی ہے معاف کرنے والا مہربان۔ اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوا رفیق اللہ کو وہ یاد ہیں،

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

اور تجھ پر نہیں ان کا ذمہ ف۵ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا کہ تو ڈر سنا دے بڑے گاؤں کو

اور تجھ پر نہیں ان کا ذمہ۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا، کہ تو ڈر سنائے بڑے گاؤں کو،

ف۱ یعنی جس طرح یہ سورت (جو نہایت اعلیٰ و اکمل مضامین پر مشتمل ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی عادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجنے کی رہی ہے۔ جس سے اس کی شان حکمت وحکومت کا اظہار ہوتا ہے۔

ف۲ یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے، یا بیشمار فرشتوں کے بوجھ سے، یا ان کے ذکر کی کثرت سے خاص تاثیر ہو اور پھٹ پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو۔ اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لیے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں یہ ایسی سخت گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی اوپر والی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ مگر اللہ کی شان مغفرت ورحمت اور ملائکہ کی تسبیح واستغفار کی برکت سے یہ نظام تھما ہوا ہے۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کی خطاء ولغزش کو معاف فرمائے اور کفار کو دنیا میں ایک دم پکڑ کر بالکلیہ تباہ و برباد نہ کر دے۔

ف۴ یعنی اپنی مہربانی سے فرشتوں کی دعا قبول کر کے مومنین کی خطاؤں کو معاف کرتا اور کافروں کو ایک عرصہ کے لیے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم =

وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝

اور اس کے آس پاس والوں کو ف۱ اور خبر سنادے جمع ہونے کے دن کی اس میں دھوکا نہیں ایک فرقہ بہشت میں اور ایک فرقہ آگ میں ف۲

اور آس پاس والوں کو، اور خبر سنائے جمع ہونے کے دن کی، اس میں دھوکا نہیں۔ ایک فرقہ بہشت میں، اور ایک فرقہ آگ میں۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمُونَ مَا

اور اگر چاہتا اللہ تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں اور گناہگار جو ہیں

اور اگر چاہتا اللہ، تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ پر وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی مہر میں۔ اور گنہگار جو ہیں

لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي

ان کا کوئی نہیں رفیق اور نہ مددگار ف۳ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کام بنانے والے سو اللہ جو ہے وہی ہے کام بنانے والا اور وہی جلاتا ہے

ان کا کوئی نہیں رفیق نہ مددگار۔ کیا انہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کام بنانے والے؟ سو اللہ جو ہے وہی ہے کام بنانے والا اور وہی جلاتا ہے

ع الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ

مردوں کو اور وہ ہر چیز کرسکتا ہے ف۴ اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو اس کا فیصلہ ہے اللہ کے حوالے ف۵

مردے اور وہ ہر چیز کرسکتا ہے۔ اور جس بات میں پھوٹے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو، اس کی چکوتی ہے اللہ پر حوالہ۔

= زد میں درہم برہم ہو جائے۔

ف۵ یعنی دنیا میں مشرکین کو مہلت تو دیتا ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لیے بچ گئے۔ ان کے سب اعمال و احوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ مانتے کیوں نہیں۔ اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کر دیے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے ذمہ دار نہیں صرف پیغام حق پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں۔ آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان کا سب حساب چکا دیں گے۔

ف۱ "ام القریٰ" (بڑا گاؤں) فرمایا مکہ معظمہ کو کہ سارے عرب کا مجمع وہاں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے۔ اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو اسی جگہ سے پھیلانا شروع کیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے۔ اور مکہ کے آس پاس سے اول ملک عرب اس کے بعد ساری دنیا مراد ہے۔

ف۲ یعنی آگاہ کر دیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے خدا کی پیشی میں حساب کے لیے جمع ہوں گے۔ یہ ایک یقینی اور طے شدہ بات ہے۔ جس میں کوئی دھوکا، فریب اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ چاہیے کہ اس دن کے لیے آدمی تیار ہو جائے اس وقت کل آدمی دو فرقوں میں تقسیم ہوں گے ایک فرقہ جنتی اور ایک دوزخی۔ سوچ لو کہ تم کو کس فرقہ میں شامل ہونا چاہیے اور اس میں شامل ہونے کے لیے کیا سامان کرنا چاہیے۔

ف۳ یعنی بیشک اس کو قدرت تھی اگر چاہتا تو سب کو ایک طرح کا بنا دیتا اور ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا۔ لیکن اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت وغضب دونوں قسم کی صفات کا اظہار فرمائے۔ اس لیے بندوں کے احوال میں اختلاف وتفاوت رکھا کسی کو اس کی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنایا اور کسی کو اس کے ظلم وعصیان کی بناء پر رحمت سے دور پھینک دیا۔ جو لوگ رحمت سے دور ہو کر غضب کے مستحق ہوئے اور حکمت الٰہیہ ان پر سزا جاری کرنے کو مقتضی ہوئی ان کا ٹھکانا کہیں نہیں۔ نہ کوئی رفیق اور مددگار ان کو مل سکتا ہے جو اللہ کی سزا سے بچا دے۔

ف۴ یعنی رفیق ومددگار بنانا ہے تو اللہ کو بناؤ جو سارے کام بنا سکتا ہے حتیٰ کہ مردوں کو زندہ کرسکتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ بیچارے عاجز ومجبور رفیق تمہارا کیا ہاتھ بٹائیں گے۔

ف۵ یعنی سب جھگڑوں کے فیصلے اسی کے سپرد ہونے چاہئیں۔ عقائد ہوں یا احکام، عبادات ہوں یا معاملات جس چیز میں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے وہ دلائل کونیہ کے ذریعہ سے یا اپنی کتاب میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر صراحۃً یا اشارۃً جس مسئلہ کا جو فیصلہ فرما دے بندہ کو حق نہیں کہ =

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ

وہ اللہ ہے رب میرا اسی پر ہے مجھ کو بھروسہ اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے ف۱ بنا نکالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنا دیے

وہ اللہ ہے رب میرا، اسی پر مجھ کو بھروسہ، اور اسی کی طرف میری رجوع۔ بنا نکالنے والا آسمان کا اور زمین کا۔ بنا دیئے

لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ

تمہارے واسطے تمہی میں سے جوڑے اور چوپایوں میں سے جوڑے ف۲ بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح ف۳ نہیں ہے اس کی طرح کا سا

تم ہی میں سے جوڑے، اور چوپایوں میں سے جوڑے۔ بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح۔ نہیں اس کی طرح کا سا

شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کوئی ف۴ اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ف۵ اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی پھیلا دیتا ہے روزی جس کے واسطے

کوئی۔ اور وہی ہے سنتا دیکھتا۔ اسی پاس ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی۔ پھیلا دیتا ہے روزی جس کو

يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

چاہے اور ناپ کر دیتا ہے وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے ف۶

چاہے، اور ماپ دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اثبات وحی الٰہی مع بیان عظمت رب کبریا ووعید بہ شرک ونافرمانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿حٰمۗ ۝ عۗسۗقۗ ... الی ... اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

=اس میں چون و چرا کرے۔ توحید جو اصل اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ جب قولاً وفعلاً برابر اس کا حکم دیتا رہا ہے پھر کیونکر جائز ہوگا کہ بندہ ایسے قطعی اور محکم فیصلہ میں جھگڑے ڈالے اور بیہودہ شبہات نکال کر اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔

ف۱ یعنی میں اسی پر ہمیشہ سے بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہوتا رہتا ہوں۔

ف۲ یعنی چوپایوں میں سے ان کے جوڑے نر اور مادہ بنا دیے کہ وہ بھی تمہارے کام آتے ہیں۔

ف۳ یعنی آدمیوں کے الگ اور جانوروں کے الگ جوڑے بنا کر ان کی کتنی نسلیں پھیلا دیں جو تمام روئے زمین پر اپنی روزی اور معیشت کی فکر میں جد و جہد کرتی ہیں۔

ف۴ یعنی نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ اس کا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس۔

ف۵ یعنی بیشک ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس کا دیکھنا بھی مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے۔ کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس و منزہ ہے۔ پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے۔

ف۶ تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اسی کو قبضہ اور اختیار حاصل ہے کہ جس خزانہ میں سے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے۔ تمام جاندار وں کو وہی روزی دیتا ہے، لیکن کم و بیش کی تعیین اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے۔ اسی کو معلوم ہے کہ کون چیز کتنی عطا کی مستحق ہے اور اس کے حق میں کس قدر دینا مصلحت ہوگا۔ جو حال روزی کا ہے وہی دوسری عطایا میں سمجھو۔

ربط:...... گزشتہ سورت کے مضامین کا حاصل مخالفین کے اعتراضات کا رد اور ان پر توبیخ وتنبیہ تھا، اب اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور وحی کی عظمت کو ثابت کیا جارہا ہے، اور اسی کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے، اور مجرمین ومنکرین پر توبیخ ووعید بھی ہے کہ یہ اپنے افعال قبیحہ کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتے ارشاد ہے:

﴿حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ﴾ اللہ رب العزت ہی اس کی مراد خوب جاننے والا ہے، اصول دین اور احکام شریعت کی تعیین اور تحقیق کے لیے جیسے آپ ﷺ پر یہ سورت نازل کی جارہی ہے اسی طرح اے ہمارے پیغمبر ﷺ ہم آپ ﷺ پر وحی اتارتے ہیں اور ان پیغمبروں پر بھی جو آپ ﷺ پہلے گزرے۔ یہ وحی اس خدا کی طرف سے ہے جو بڑی عزت والا زبردست حکمت والا ہے۔ اس پروردگار کی شان یہ ہے کہ اس کے واسطے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہی سب سے برتر اور بڑی عظیم شان والا ہے اس کی عظمت شان کو اگر کوئی منکر و کافر نہ جانے تو نہ جانے لیکن اس کی عظمت شان کی حقیقت تو یہ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ اس کی ہیبت وعظمت کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے ●۔ اور وہ فرشتے جو آسمانوں میں پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد وثناء کے ساتھ اور استغفار کرتے رہتے ہیں زمین والوں کے لیے کیونکہ اللہ کا حق عظمت ادا کرنے سے ہر شخص قاصر ہے خواہ وہ کتنا ہی عابد وزاہد اور مطیع وفرمانبردار ہو اور اس لحاظ سے جو بندہ اپنے رب کا حق نہ ادا کرسکے لامحالہ مستحق عقوبت ہے تو اس وجہ سے روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے فرشتے معافی مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار تیرے حق میں بندوں سے جو کچھ تقصیر وکوتاہی رہ گئی تو اس سے درگزر فرما، آگاہ ہوجاؤ اے لوگو! اللہ بڑا ہی مغفرت والا نہایت ہی مہربان ہے کہ اہل ایمان کی تقصیرات اور گناہوں سے درگزر فرماتے ہوئے اپنے انعامات ورحمتوں سے نوازتا ہے، اور کافروں کو بھی اس نے اپنی اسی شان غفوری ورحیمی سے یہ موقع دے دیا کہ جب بھی وہ کفر سے تائب ہوکر خدا کی بندگی کا رخ کریں اور ایمان لائیں تو ان کو دھتکارا نہیں جاتا، اے نبی کریم ﷺ آپ ﷺ ایسے نافرمانوں کو دیکھ کر رنج نہ کریں ایسے لوگوں کی نافرمانی خدا کی شان عظمت میں کوئی کمی نہیں کرسکتی۔ اور جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود اور کارساز بنالیے ہیں۔ اللہ ان کی خوب دیکھ بھال کررہا ہے جونہی اس کی حکمت کے لحاظ سے مناسب وقت ہوگا خدا ان کو سزا دے گا اور وہ نہ خدا کے علم سے چھپے ہوئے ہیں اور نہ خدا کی گرفت سے بچ سکتے۔ اور آپ ﷺ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچادینا ہے، اور نہ ہی آپ ﷺ کو یہ اختیار ہے کہ آپ ﷺ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کردیں۔ اور ہم نے اسی طرح جیسا کہ یہ

● عبداللہ بن عباس ؓ سے صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ آسمانوں کا اوپر سے پھٹ پڑنا اللہ رب العزت کی عظمت اور ہیبت بیان فرمایا گیا۔ علامہ آلوسی ؒ فرماتے ہیں شاید اس وجہ سے کہ کفر اور شرک کو دیکھ کر آسمان وزمین کانپ جاتے ہیں جیسا کہ سورۃ مریم میں ہے ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ جامع ترمذی کی روایت میں ہے۔ اطت السماء وحق لها ان تئط مامن موضع منه اربعة اصابع الا وملك واضع جبهته ساجد الله۔ یعنی آسمان کراہتا ہے ناقابل برداشت بوجھ کی وجہ سے اور ضروری ہے کہ وہ کراہے آسمان میں چار انگلی کے بقدر بھی کوئی ایسی جگہ خالی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے سامنے سجدہ میں نہ ہو تو عظمت خداوندی اور اسکی ہیبت وجلال سے آسمان قریب ہے کہ پھٹ پڑیں، اور شرک وکفر سے پھٹ پڑنے کے قریب ہونا بھی اللہ رب العزت کی عظمت ہی کے باعث ہے، لہٰذا ان دونوں توجیہوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۱۲

تمام احکام خداوندی آپ ﷺ کے سامنے ہیں آپ ﷺ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے۔ قرآن عربی تاکہ آپ ﷺ ڈرائیں ﴿اُمَّ الْقُرٰی﴾ یعنی مکہ میں بسنے والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے اردگرد ہیں اور اس دن سے جو میدان حشر میں اولین وآخرین کے جمع ہونے کا ہے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جس میں بس یہی فیصلہ ہونا ہے کہ ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم ❶ میں اور سب کچھ اللہ کی حکمت اور اس کی تقدیر سے ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور ان میں ایمان وکفر اور توحید وشرک کا فرق واختلاف نہ ہوتا لیکن یہ اللہ کی بے پایاں حکمتیں ہیں کہ وہ جس کو چاہتا ہے ایمان وہدایت کے لیے اس کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور جس کو چاہے اس کی بدنصیبی اور شقاوت کی وجہ سے محروم کر دے اور ایسے ظالموں کے واسطے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار اور قیامت کے روز جو یوم الجمع ہے یہ ظالم بے سروسامانی اور بدحواسی کے عالم میں عذاب خداوندی میں ڈال دیئے جائیں گے، حق تعالیٰ کی عظمت کو پہچاننا چاہئے اور مشرکین ومنکرین کو اس کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرنا چاہئے، آخر اس طرح کی بے خوفی اور جرأت کس وجہ سے ہے؟ کیا انہوں نے خدا کے علاوہ اپنے واسطے کچھ مددگار بنا لیے ہیں۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بس اللہ ہی ہے جو مددگار و ولی ہے۔ وہی سب کا کارساز ہے، بگڑی ہوئی بنانا تو کیا وہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ الغرض توحید وشرک اور ایمان وکفر کا فرق دنیا میں اللہ نے اپنی حکمت سے مقدر فرمایا ہے کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزاء ہے، اس لیے بحکمت خداوندی ضروری تھا کہ دنیا میں دونوں چیزیں مقدر کی جائیں تاکہ آخرت میں مطیعین کو جزاء اور مجرمین کو سزا دی جائے۔ اور اللہ رب العزت سے کسی بھی شخص کا حال اور اس کا عمل پوشیدہ نہیں اس لیے اے لوگو! سن لو تم جس کسی بات پر بھی اختلاف کرو گے پس اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ اسی کی بارگاہ سے ہر چیز کا فیصلہ صادر ہوگا۔ یہی ہے خدا جو میرا رب ہے بس میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف ہر حالت میں رجوع کرتا ہوں میں تمہاری مخالفت سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ تمہاری کسی قسم کی دلجوئی کے لیے تمہاری طرف مائل ہو سکتا ہوں۔ وہ پروردگار تو آسمانوں اور

❶ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ باہر مجلس میں ہمارے سامنے تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں دو کتابیں (دستاویزیں) تھیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں، ہم نے عرض کیا نہیں، یا رسول اللہ ﷺ مگر یہ کہ ہمیں بتا دیں، آپ ﷺ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو دائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا، یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، جس میں اہل جنت کے نام مع ان کے آباء کے ناموں کے اور قبائل کے لکھے ہوئے ہیں اور ان کے آخر میں میزان اجمالی (آخری) لگا دی گئی ہے جس میں نہ کوئی کمی ہوگی اور نہ کوئی اضافہ ہو سکے گا، پھر آپ ﷺ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو بائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا اس میں اہل جہنم کے نام ہیں مع ان کے آباء و اجداد اور قبائل کے ناموں کے اور پھر اخیر میں آخری میزان اجمالی (آخری) لگا دی گئی ہے جس میں نہ کوئی کمی ہوگی اور نہ کوئی اضافہ ہو سکے گا، اس پر حضرات صحابہ ؓ نے عرض کیا تو پھر یا رسول ﷺ اب عمل کیا کیا ضرورت باقی رہ گئی (اگر یہ فیصلہ ہو چکا) آپ ﷺ نے فرمایا سددوا وقاربوا کہ استقامت وپختگی کے ساتھ مسلسل عمل میں لگے رہو اور اعتدال کے ساتھ شریعت کے راستے پر چلتے رہو، جنتی شخص کے لیے جنت کے کام کے ساتھ مہر لگا دی گئی اسی پر اس کا خاتمہ ہوگا، خواہ پہلے وہ کسی قسم کا بھی کام کر چکا ہو، اور جو شخص جہنم کے لیے طے ہو گیا، اس کے واسطے جہنم کے کام کی مہر لگ گئی ہے خواہ وہ پہلے کچھ بھی کر چکا ہو پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سمیٹتے ہوئے فرمایا۔ فرغ ربکم من العباد۔ ایک ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ﴾ بائیں ہاتھ سے دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ﴾ (جامع ترمذی) اس موضوع کی تفصیلات مسئلہ تقدیر کے ذیل میں گزر چکیں۔ ۱۲۔ واللہ اعلم بالصواب۔

زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے اور اسی طرح مویشیوں میں سے جوڑے انواع واقسام کے بنائے اور ان جوڑوں کے ملانے اور ازدواجی صورت پیدا فرمادینے کے ذریعے تمہیں پھیلا رہا ہے۔ نسلاً بعد نسل، یقیناً وہ پروردگار اپنی ذات وصفات میں ایسا کامل اور برتر ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی۔ اسی کے تصرف میں تمام کائنات ہے جب چاہا کسی چیز کو خواہ رزق ہو علم ہدایت وگمراہی ہو راحت وتکلیف ہو نفع ونقصان صحت وبیماری ہو، عزت وذلت ہو ان سب چیزوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، اگر وہ کسی چیز کو کھول دے تو کوئی دوسرا بند نہیں کرسکتا۔ اور اگر بند کردے تو کھول نہیں سکتا یہ سب باتیں دلائل سے ثابت ہیں، جن کے انکار کی عقلاً تو کوئی گنجائش نہیں اسی کے قبضہ میں رزق ہے۔ جس کے واسطے چاہے رزق پھیلا دے، اور جس کے واسطے چاہے تنگ کردے بے شک وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ جانتا ہے کہ جس کو رزق زیادہ دیا تو کس حکمت سے دیا، اور جس پر تنگی کی تو کس حکمت سے کی۔

﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ اور ﴿أُمَّ الْقُرٰى﴾ کا مفہوم

بالعموم مفسرین ﴿أُمَّ الْقُرٰى﴾ سے مکہ مکرمہ عرب کی سرزمین میں قدیم ترین شہر اور قوم عرب کا اصل مولد ومسکن تھا اس وجہ سے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا گیا اور تاریخ قدیم میں اسی نام سے اس کو ذکر کیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اسی وادی میں چھوڑا تھا جیسے ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ میں مکہ مکرمہ کی آبادی کی تفصیل گزر چکی۔

اس آیت مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ کو فرمایا جانا کہ آپ ﷺ ڈرائیں مکہ میں بسنے والوں کو اور اس کے اطراف واکناف میں بسنے والوں کو آنحضرت ﷺ کی عمومی بعثت کے منافی تھا آپ ﷺ تمام عالم کے لیے داعی اور بشیر ونذیر ہیں تو اس آیت میں تخصیص ام القریٰ ومن حولہا کی یا تو اہل مکہ اور قرب وجوار میں رہنے والوں کی اہمیت کی وجہ سے ہے یا یہ معنی کہ اولاً آپ ﷺ ان کو ڈرائیں، پھر تمام دنیا کے انسانوں کو جیسے کہ ابتداء میں ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ میں قرابت دار عشیرہ وقبیلہ والوں کو ڈرانے کا حکم نازل ہوا امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کرہ ارضی اور تمام روئے زمین کے واسطے یہ حصہ زمین اصل نقطہ مرکز یہ ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پانی کی سطح پر اللہ رب العزت نے پہلے بلبلے کی طرح یہ ٹکڑا جامد ظاہر فرمایا اور پھر اسی سے ساری زمین بچھائی اور پھیلائی گئی تو تمام آبادی عالم اور خطہ زمین کے لیے یہی جگہ اصل ہوئی اور اصل کو ام یعنی ماں کہا جاتا ہے، امام بغوی رحمہ اللہ اور شیخ قشیری رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یہ کہ کعبہ سرۃ الارض یعنی زمین کی ناف ہے اور تمام دنیا اس کے اردگرد پھیلائی گئی، اگرچہ جانب شمال میں آبادی زائد ہے، بہ نسبت جنوب کی جانب کے۔

آیت مبارکہ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے یہی بیان کیا کہ روئے زمین پر دنیا کی آبادی کی اصل یہی سرزمین مکہ ہے جہاں کعبۃ اللہ

ہے، علامہ یاقوت حموی ﷫ نے ابن عباس ﷠ سے ایک روایت کا یہ مضمون بیان کیا ہے کہ آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا، اللہ نے ایک ہوا چلائی جس نے پانی کی لہروں کو شق کیا اور پانی کی سطح پر ایک بلبلہ نمودار ہوا جو قبہ کی سی شکل کا تھا پھر اسی سے اللہ نے تمام زمین کو مرکب فرمایا اور بنایا اور سطح زمین کو پانی پر بچھا دیا، متعدد روایات سے ثابت ہے کہ زمین کا جو ٹکڑا سب سے پہلے اللہ نے پیدا فرمایا وہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے تو یہ جگہ روئے زمین کے واسطے نقطہ مرکز یہ ہوا، اس تکوینی مرکزیت کے ساتھ اللہ نے اس کو شرعی مرکزیت بھی عطا کر دی، کہ روئے زمین کے انسانوں کو اسی کی طرف عبادت کا حکم دیا، حضرت آدم ﷤ کے لیے اسی جگہ جنت سے موتیوں کا خیمہ اتار گیا تھا جس کا انہوں نے طواف کیا، پھر اسی جگہ بیت اللہ کی عمارت قائم ہوئی، تفصیل کے لیے ناچیز کی کتاب تاریخ الحرمین ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابراہیم ﷤ کی سرزمین مکہ میں آمد اور اس کی آبادی

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ طوفان نوح ﷤ کے بعد جب حضرت نوح ﷤ کی اولاد زمین پر پھیلی تو حضرت مسیح ﷤ سے تقریبا دو ہزار دو سو سینتالیس برس قبل شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد رکھی گئی، یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآب میں واقع تھا، اور بقول بعض، فرات کے کنارے پر تھا تو حضرت ابراہیم ﷤ جو تارخ کے بیٹے تھے جن کو آذر بھی کہا جاتا ہے، قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو شہر بابل کے کنارے واقع تھا اور بعض کا خیال ہے خاص شہر بابل میں پیدا ہوئے وہاں کلدانی قوم آباد تھی جو بت پرست تھے، اور بت بنا بنا کر بیچا کرتے تھے حضرت ابراہیم ﷤ کے باپ بھی بت پرست بلکہ بت تراش تھے اس زمانہ میں ایک بڑی تعداد لوگوں کی ستاروں کی پوجا کیا کرتی تھی، حضرت ابراہیم ﷤ کو خداوند عالم نے ابتداء ہی سے رشد وہدایت سے نوازا تھا، بت پرستی اور ستاروں کی پوجا کی بڑی شد ومد سے مخالفت کیا کرتے تھے، اور ان لوگوں کی دلائل وحقائق سے تجہیل وتحمیق بھی کیا کرتے تھے جس کی تفصیل گزشتہ پاروں کی تفسیر میں گزر چکی ہے، قصہ نمرود اور ایسے بعض واقعات کے بعد اللہ رب العزت کی وحی سے آپ ﷤ اسماعیل ﷤ اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کو وادی مکہ کی طرف لے کر روانہ ہو گئے، حضرت اسماعیل ﷤ اس وقت شیر خوار بچے تھے، حضرت ابراہیم ﷤ ان کو یہاں چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہو گئے ایک مشک میں پانی اور کچھ کھجوریں چھوڑ کر گئے، پانی جب ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت سے اسماعیل ﷤ تڑپنے لگے، اور اسی حالت میں حضرت ہاجرہ ﷤ پانی تلاش کرنے کے لیے صفا ومروہ پہاڑیوں پر چکر لگانے لگیں تو ساتویں چکر پر اسماعیل ﷤ کی جگہ پر پانی دیکھا دوڑی ہوئی آئیں، یہ زم زم کا چشمہ اللہ نے ظاہر فرمایا، اسی کی یادگار سعی بین الصفا والمروہ کی صورت میں مقرر کر دی گئی، تفصیل کے لیے احادیث وکتب تاریخ کی مراجعت فرمائی جائے، تو جب چاہ زم زم میں ایک کثیر مقدار میں پانی دیکھ کر اس غیر آباد بنجر وادی میں ایک قافلہ نے قیام کرنے اور یہاں سکونت کی درخواست کی، تو ہاجرہ علیہا السلام نے تنہائی کے خیال سے ان کو اجازت دیدی کہ بہتر ہے کہ یہاں کچھ لوگ آباد ہو جائیں، اس طرح ابتداء میں یہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہوا، یہ قبیلہ جرہم تھا، اہل یمن سے یہ لوگ تھے، حضرت اسماعیل ﷤ نے انہی لوگوں سے عربی زبان سیکھی، اور ان کے بڑے ہونے پر اس قوم نے اسماعیل ﷤ کو اپنا سردار بنا لیا رفتہ رفتہ یہ مختصر گاؤں ایک عظیم شہر مکہ مکرمہ ہو گیا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ

راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے

راہ ڈال دی تم کو دین میں، وہی جو کہہ دیا تھا نوح کو، اور حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ جو کہہ دیا ہم نے

اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ

ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو ف۱ یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں ف۲ بھاری ہے شرک کرنے والوں کو

ابراہیم کو، اور موسیٰ کو عیسیٰ کو یہ کہ قائم رکھو دین اور پھوٹ نہ ڈالو اس میں۔ بھاری پڑتا ہے شریک والوں کو،

مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا

وہ چیز جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے ف۳ اور جنہوں نے اختلاف ڈالا

جس طرف تو بلاتا ہے ان کو۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے۔ اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے، اور پھوٹ جو ڈالی

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ

سو سمجھ آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکلی ہے تیرے رب سے ایک مقررہ

سو سمجھ آ چکے پیچھے، آپس کی ضد سے۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکل گئی ہے تیرے رب سے، ایک ٹھہرے

مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ

وعدہ تک تو فیصلہ ہوجاتا ان میں اور جن کو ملی ہے کتاب ان کے پیچھے وہ البتہ اس کے دھوکے میں ہیں جو

وعدے تک تو فیصلہ ہوجاتا ان میں۔ اور جن کو ہاتھ لگی ہے کتاب ان کے پیچھے، وہ دھوکے میں ہیں اس سے، جو

ف۱ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ فی الحقیقت تشریع احکام کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا۔ اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلہ رسالت ونبوت منتہی ہوا۔ درمیان میں جو انبیاء ورسل آئے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، یہ تین زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے۔ ان پانچوں کو اولوالعزم پیغمبر کہتے ہیں۔ بہرحال اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ کیونکہ عقائد، اخلاق اور اصول دیانات میں تمام متفق رہے ہیں۔ البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت زمانہ کچھ تفاوت ہوا اور دین کے قائم کرنے کے طور طریق ہر وقت میں اللہ نے جدا ٹھہرا دیے ہیں۔ جس کو دوسری جگہ فرما دیا۔ ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾

ف۲ یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دین الٰہی کو اپنے قول وعمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کے تفریق واختلاف کو روا نہ رکھیں۔

ف۳ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، مشرکین پر وہ بھاری ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی اور انوکھی چیز پیش کر رہے ہیں جو کسی نے پہلے پیش نہیں کی تھی، بھلا توحید جیسی صاف، معقول اور متفق علیہ چیز بھی جب بھاری معلوم ہونے لگی اور اس میں بھی لوگ اختلاف ڈالے بدون نہ رہے، تو جہالت اور بدبختی کی حد ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت وموہبت سے مقام قرب واصطفاء پر فائز فرما دے۔ اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اس کی طرف رجوع ہوتے اور محنتیں کرتے ہیں ان کی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دستگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ وقال ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ وقال ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بہرحال حکمت الٰہی جس کی ہدایت کو مقتضی ہو وہی ہدایت پاسکتا اور فائز المرام ہوسکتا ہے۔

مُرِيبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ

چین نہیں آنے دیتا ف۱ سو تو اسی طرف بلا اور قائم رہ جیسا کہ فرما دیا ہے تجھ کو اور مت چل ان کی خواہشوں پر اور کہہ

چین نہیں دیتا۔ سو تو اسی طرف بلا۔ اور قائم رہ جیسا فرما دیا۔ اور نہ چل ان کے چاؤں پر۔ اور کہہ

آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا

میں یقین لایا ہر کتاب پر جو اتاری اللہ نے اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا ہم کو

میں یقین لایا ہر کتاب پر جو اتاری اللہ نے۔ اور مجھ کو حکم ہے انصاف کروں تمہارے بیچ، اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا۔ ہم کو

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ

ملیں گے ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں اللہ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف

ملنے ہیں ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام۔ کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں۔ اللہ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف

الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ

پھر جانا ہے ف۲ اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں جب لوگ اس کو مان چکے ان کا جھگڑا باطل ہے ان کے

پھر جانا ہے۔ اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں، جب خلق اس کو مان چکی، ان کا جھگڑا ڈگ رہا ہے ان کے

ف۱ یعنی توحید اور اصول دین میں جنہوں نے اختلاف ڈالا اور کتب سماویہ میں تحریف کی، وہ کچھ غلط فہمی یا اشتباہ کی وجہ سے نہ تھی۔ ایسی صاف و صریح اور مجمع علیہ تعلیمات میں اشتباہ و التباس کیا ہو سکتا تھا۔ محض نفسانیت، ضد، عداوت اور طلب مال و جاہ وغیرہ اسباب ہیں جو فی الحقیقت اس تفریق و اختلاف مذموم کا باعث ہوئے ہیں۔ بعدہ جب اختلاف قائم ہو گئے اور مختلف مذاہب نے الگ الگ مورچے بنا لیے تو پیچھے آنے والی نسلیں عجیب خبط اور دھوکا میں پڑ گئیں اور ایسے شکوک و شبہات پیدا کر لیے گئے جو کسی حال ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ مگر یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بندوں کو ڈھیل دی۔ اگر وہ چاہتا تو سارے اختلافات کو ایک دم میں ختم کر دیتا۔ لیکن ایسا کرنا تکوین کی غرض اصلی کے منافی تھا۔ اس کی حکمت بالغہ اسی کو مقتضی تھی کہ ان اختلافات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ ایک وقت معین پر زندگی کے دوسرے دور میں کیا جائے۔ اگر یہ بات پہلے سے نہ نکل چکی ہوتی تو سب جھگڑے قصے فوراً ہاتھوں ہاتھ ختم کر دیے جاتے۔

ف۲ یعنی جب دین حق کے متعلق تفریق و اختلاف کے طوفان چاروں طرف سے اٹھ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض یہ ہے کہ غیر متزلزل عزم کے ساتھ اسی دین و آئین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں جس کی دعوت آدم و نوح اور ان کے بعد تمام انبیاء دیتے چلے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کے حکم سے ذرا ادھر ادھر نہ ہوں۔ قولاً و فعلاً اور علماً و حالاً برابر اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر اب تک رہے ہیں۔ مکذبین اور معاندین کی خواہشات کی ذرا پروا نہ کریں اور صاف اعلان کر دیں کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر خواہ وہ تورات ہو یا انجیل یا قرآن یا کوئی صحیفہ جو کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوا ہو سچے دل سے یقین رکھتا ہوں۔ میرا کام پہلی صداقتوں کو جھٹلانا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے اور مجھ کو حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ جو اختلاف تم نے ڈالے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ دوں اور تبلیغ احکام و شرائع یا فصل خصومات میں عدل و مساوات کا اصول قائم رکھوں۔ ہر وہ سچائی جو کسی جگہ یا کسی مذہب میں ملے اسے بے تکلف تسلیم کروں۔ جس طرح تم کو خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں۔ تم سے پہلے میں خود احکام الٰہی کی پوری تعمیل کر کے اس کا کامل فرمانبردار بندہ ہونا ثابت کروں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے۔ اس لیے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہمارا تم سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے سبکدوش ہو چکے ہم میں سے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے وہی اس کے آگے آئے گا۔ چاہیے کہ اس کے نتائج برداشت کرنے کے لیے تیار رہے۔ آگے ہم کو تم سے جھگڑنے اور بحث و تکرار کی ضرورت نہیں۔ سب کو خدا کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں جا کر ہر ایک کو پورا پتہ لگ جائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کما کر لایا ہے۔ (تنبیہ) یہ آیات مکی ہیں۔ قتال کی آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی۔

رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

رب کے یہاں اور ان پر غصہ ہے اور ان کو سخت عذاب ہے ف ۱

رب کے ہاں، اور ان پر غصہ ہے اور ان کو سخت مار ہے۔

مقصد وحید جملہ ادیان سماویہ توحید خداوندی وقیام عدل وانصاف

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ... الی... وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾

ربط:...... سورۂ شوریٰ کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وکبریائی اور توحید کے بیان سے تھی، اسی کے ضمن میں وحی الٰہی کا اثبات تھا، اور کفر وشرک کا رد اور ابطال اب ان آیات میں ذکر فرمایا جا رہا ہے اللہ رب العزت نے جس قدر بھی پیغمبر مبعوث فرمائے، حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تک اور جتنے ادیان وشرائع مقرر فرمائے ان سب کا مقصد وحید صرف توحید خداوندی رہا، بلکہ جملہ ادیان کی بھی تعلیم تھی، اور ہر پیغمبر کی یہی ہدایت تھی، اب اسی تعلیم ہدایت کو لے کر آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، اس لحاظ سے آپ ﷺ کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں، آپ ﷺ کی تعلیم کوئی نرالی تعلیمات نہیں بلکہ جملہ تعلیمات وہدایت سماویہ کا لباب وجوہر اور ان کی تکمیل ہیں، اس بنا پر کسی کتابی اور آسمانی مذہب رکھنے والے کو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں اصولاً کوئی تأمل نہ ہونا چاہئے، اور آپ ﷺ کا پیغام تمام امتوں کے درمیان وحدت واتفاق کا پیغام ہے، اس وجہ سے بھی آپ ﷺ کے پیغام کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف وتردد نہ ہونا چاہئے، چنانچہ ارشاد فرمایا۔ مقرر کر دیا ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے وہی دین جس کا حکم اللہ نے نوح (علیہ السلام) کو کیا جس کی بنیاد توحید خداوندی ہے اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس کی دعوت دی۔ اور جس چیز کی ہم نے آپ ﷺ کو وحی بھیجی، اور جس چیز کا ہم نے حکم دیا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی امتوں کو وہ یہ تھا کہ اللہ کا یہ دین قائم رکھو۔ اور خدا کی توحید پر قائم رہو، اور اس کے سوا کسی کی بندگی ہرگز نہ کرو، اس کے تمام احکام مانو اور ان پر عمل کرو۔ اور یہ کہ اس میں تفرقہ نہ ڈالو تمام انبیاء کی تعلیمات جب کہ ان بنیادی اصول میں متحد تھیں تو عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کیا جاتا، جو آنحضرت ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور شرک وبت پرستی سے اجتناب کیا جاتا مگر مشرکین پر یہ بات یعنی دعوت توحید بہت گران اور ناگوار ہے جس کی طرف آپ ﷺ ان کو بلا رہے ہیں لیکن اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اسی کو جس کو چاہے اور اپنے تک اسی کو رسائی عطا کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اللہ ہی کی مشیت سے اجتباء وانتخاب ہوتا ہے اور توفیق ایمان سے نوازا جاتا ہے اور توفیق ایمان کے بعد جس کو رجوع اور انابت الی اللہ نصیب ہو اسی پر طاعت وبندگی اور قرب کے راستے کھلتے ہیں۔

اور امم سابقہ کا یہ تفرق واختلاف، حق میں کسی قسم کے خفا اور التباس کے باعث نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے نہیں

ف ۱ یعنی اللہ کے دین، اس کی کتاب، اور اس کی باتوں کی سچائی جب علانیہ ظاہر ہو چکی حتیٰ کہ بہت سے سمجھدار لوگ اس کو قبول کر چکے اور بہتیرے قبول نہ کرنے کے باوجود ان کی سچائی کا اقرار کرنے لگے۔ اس قدر ظہور ووضوح حق کے بعد جو لوگ خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے یا ماننے والوں سے الجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب کے مستوجب ہیں اور ان کے سب جھگڑے جھوٹے اور سب بحثیں باطل ہیں۔

اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا محض باہمی حسد اور بغض کی وجہ سے ایسی مذموم حرکت اور بدترین روش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عذاب خداوندی ان پر مسلط ہوتا اور یہ ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اگر ایک فیصلہ آپ ﷺ کے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا ایک متعین وقت تک مہلت کا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ عذاب خداوندی نازل ہو جاتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ حق سے اختلاف کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے، مگر اللہ نے اپنی حکمت سے یہ طے کر لیا تھا کہ دنیا دارالامتحان ہے، اسی طرح حق و باطل کی کشمکش چلتی رہے، قیامت قائم ہونے پر ایسے مجرمین اور حق سے اختلاف کرنے والوں کو جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا اور بے شک ان امم سابقہ کے بعد اب جن لوگوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا اور وہ آنحضرت ﷺ کی امت دعوت ہوئے وہ اس کتاب کی طرف شک ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان منکرین کے انکار اور مشرکین کے شرک سے رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ہمت ہاریں بس آپ ﷺ تو اسی چیز کے لیے جس کی وحی آپ ﷺ کو کی گئی اور اس کا حکم نوح علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو کیا گیا۔ دعوت دیتے رہیے اور اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیے جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم کیا گیا۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔ اس خیال سے کہ ان کی بعض خواہشات اگر مان لی جائیں تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور بلکہ آپ ﷺ تو یہ اعلان کر دیجئے کہ جب کہ یہ لوگ کسی طرح بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میں تو ایمان لا چکا ہوں اس چیز پر جو اللہ نے اپنی کتاب سے نازل کی ہے لہٰذا اے منکرو! اور کافرو! تم یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہاری کسی خواہش کو پورا کرنے میں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی یا اس کو نظر انداز کر دوں گا۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ انصاف کروں، حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے حق پر تمہیں آمادہ کروں اور خود اس پر قائم رہوں۔ اس لیے کہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں تم کو حق کی دعوت دیتے ہوئے خود حق سے انحراف کر جاؤں اور تمہاری باطل خواہش اور خوشنودی کو پورا کرنے کا ارادہ کر لوں۔

اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے۔ اب جب کہ تم کسی طرح حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو بس ہمارے واسطے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے واسطے ہیں۔ لہٰذا جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اب کوئی حجت بازی اور خصومت کی گنجائش نہیں، ہمارے تمہارے درمیان۔ اللہ ہم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب پر حقیقت کھل جائے گی، ایمان و کفر اور توحید و شرک کا انجام نظر آ جائیگا، اور اس وقت مجرمین و مشرکین کو سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ بھی چارۂ کار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اہل عقل کی طرف سے اس کو قبول کر لیا گیا اور سلیم الفطرت انسان ایمان لا چکے تو اب ایسے لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر خدا کی طرف سے غضب نازل ہونے والا ہے۔ اور ان کے واسطے دنیوی عذاب اور غضب خداوندی کے علاوہ آخرت میں بڑا ہی سخت عذاب ہے کیونکہ اللہ کے دین کی سچائی اور اسکی کتاب کی حقانیت ظاہر ہو چکی، سمجھ دار لوگ ایمان لا چکے اور بہت سے وہ لوگ جو اگرچہ مذہبی تعصب اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، مگر کتاب الٰہی کی سچائی اور حقانیت کا اقرار کرتے ہیں، اس بنا پر اب حجت

پوری ہوگئی، اب اس کے بعد جو لوگ بھی خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے ہیں یا ایمان لانے والوں سے الجھتے ہیں ان کے واسطے ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی دنیا اور آخرت میں ہوگا۔

ابتداء تشریع احکام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا اصولِ شرائع میں اتفاق

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے وہ رسول جن سے تشریع احکام کا سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، اور سب سے آخری نبی جن پر سلسلہ نبوت و رسالت منتہی ہوا اور کمالات نبوت کی تکمیل ہوئی، وہ خاتم الانبیاء محمد رسول ﷺ ہیں، حضرت نوح علیہ السلام سے قبل دنیا میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا اختلاف نہ تھا دس قرن اسی طرح گزرے، سب سے پہلے رسول شرک کا مقابلہ کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں، اسی وجہ سے ایک حدیث میں ہے "اول رسول بعث الی الارض نوح علیہ السلام"۔ کہ سب سے پہلے رسول جو زمین والوں کے واسطے بھیجے گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں، مراد یہ ہے کہ وہ پہلے رسول تھے کفر و شرک کے مقابلہ کے لیے، جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ سے معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا، ایک مدت کے بعد جب لوگوں نے دین میں اختلاف ڈالا تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو اہل ایمان وطاعت کو ثواب و نجات کی بشارت سناتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے اور کتابیں نازل کی گئیں وہ سب اصول میں ایک تھے کیونکہ راستہ ایک ہی تھا، (توحید و عبادت خداوندی) البتہ فروع میں تفاوت و اختلاف ہونا چاہئے تھا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے، اور بیماریاں بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو اسی کے موافق دوا اور پرہیز مقرر کیا گیا، پھر جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق تجویز ہوا، پھر سب سے آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ مقرر فرمادیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے، وہ طریقہ اسلام ہے، جس کے لیے نبی آخر الزمان ﷺ بھیجے گئے اور وہ نسخہ روحانی قرآن شریف ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیغام شفاء ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جتنے انبیاء و رسل آئے ان میں اولوالعزم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یہی زیادہ مشہور ہے اور ان کے مذہب کے پیرو دنیا میں کثیر تعداد میں ہوئے اس وجہ سے اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ کے دین کی تشریح ان انبیاء علیہم السلام کے شرائع کی شرکت اور مشابہت کے ساتھ بیان کی گئی، نیز اس وجہ سے بھی کہ ان ادیان سے تعلق رکھنے والوں کو آپ ﷺ کا دین قبول کرنے میں کوئی تأمل باقی نہ رہے، جب کہ آپ ﷺ کی کتاب کتب سابقہ کی تصدیق کررہی ہے، اور ان انبیاء سابقین کی تعلیمات و ہدایات بنیادی اصول کے لحاظ سے متفق و متحد ہیں تو پھر ان انبیاء پر ایمان لانے والے ان کتب سابقہ کے ماننے والے یہود و نصاریٰ کو عقلاً وطبعاً آپ ﷺ پر ایمان لانے سے کسی طرح بھی گریز نہ کرنا چاہیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ ؕ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾

اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی ف۱ اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو ف۲

اللہ وہ ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ یَعْلَمُوْنَ

جلدی کرتے ہیں اس گھڑی کی وہ لوگ کہ یقین نہیں رکھتے اس پر اور جو یقین رکھتے ہیں ان کو اس کا ڈر ہے اور جانتے ہیں

شتابی کرتے ہیں اس کی جو یقین نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کو اس کا ڈر ہے، اور جانتے ہیں

اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ

کہ وہ ٹھیک ہے سنتا ہے جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی کے آنے میں وہ بہک کر دور جا پڑے ف۳ اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر ف۴

کہ وہ ٹھیک ہے۔ سنتا ہے جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی کے آنے میں، وہ بہکے ہیں صریح۔ اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر،

یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ ع ۲

روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زورآور زبردست ف۵

روزی دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور وہ ہے زورآور زبردست۔

بیان نزول کتاب باحق وصداقت ونزول میزان برائے عدل وانصاف

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... الی ... وَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات کا حاصل یہ تھا یہ حضور اکرم ﷺ کی وحی انبیاء سابقین اور اولو العزم رسولوں کی وحی ہی کی طرح ہے، اور آپ ﷺ کا دین بھی اصولاً وہی دین ہے، آپ ﷺ کی کتاب بھی جملہ کتب سابقہ کے علوم کی حامل اور مصدق ہے، اب ان آیات میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب حق وصداقت کے ساتھ نازل فرما دی ہے اور یہ کتاب الٰہی

ف۱ اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور علمی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل وانصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق ومخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔

ف۲ یعنی اپنے اعمال واحوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کے ترازو میں تول کر دیکھ لو، کہاں تک کھرے اور پورے اترتے ہیں۔ کیا معلوم ہے کہ قیامت کی گھڑی بالکل قریب ہی آ لگی ہو، پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ جو فکر کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کرلو۔

ف۳ یعنی جن کو قیامت پر یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بے فکری سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ آخر دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین سے بہرہ ور کیا ہے، وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے ٹلائے ٹل نہیں سکتی۔ اسی لیے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے منکرین کا حشر کیا ہونا ہے۔ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں وہ تیاری کیا خاک کرے گا۔ ہاں جتنا اس حقیقت کا مذاق اڑائے گا گمراہی میں اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔

ف۴ یعنی باوجود تکذیب وانکار کے روزی کسی کی بند نہیں کرتا۔ بلکہ بندوں کے باریک سے باریک احوال کی رعایت کرتا اور نہایت نرمی اور تدبیر لطیف سے ان کی تربیت فرماتا ہے۔

ف۵ جس کو چاہے جتنی چاہے دے۔

درحقیقت حق وصدق کوتولنے کی ترازو ہے، اس ترازو میں حق وباطل کوتولا جاتا ہے، جیسے مادی ترازو میں مادی اشیاء تولی جاتی ہیں، اور پورے تول سے عدل وانصاف قائم کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ کتاب الٰہی ایک طرف حقوق خداوندی صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے معیار ہے تو دوسری طرف حقوق العباد کو بھی عدل وانصاف سے ادا کرنے کا ایک محکم ضابطہ اور مکمل دستور ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنے والی قوت وصلاحیت ایمان بالآخرۃ ہے، اسی یقین کے باعث انسان اپنے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرسکتا ہے، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی دراصل ہر انسان کا اپنی ذات کے ساتھ عدل وانصاف کا قائم کرنا ہے، کیونکہ ان حقوق کا اتلاف حقیقت میں اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب یعنی قرآن کو اتارا حق کے ساتھ اور ترازو کو یعنی عدل وانصاف مقرر فرمایا تو جب یہ کتاب اللہ کی ہے تو اللہ پر ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت ہو اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد میں عدل وانصاف قائم کیا جائے، جیسے ترازو میں کوئی چیز برابر تولی جائے یہی نجات کا ذریعہ ہے کہ قرآن پر ایمان لایا جائے، محض خدا کا قائل ہونا یا اس پر ایمان کا دعوی کافی نہیں تاوقتیکہ اس کے قانون اور دستور عدل وانصاف پر عمل نہ کیا جائے، منکرین کا بلادلیل معارضہ اور حجت بازی اور قیامت کا ذکر اور یہ سوال کرنا کہ وہ کب آئے گی، بے معنی اور لغویات ہے آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہ ہوں۔ اور آپ ﷺ کو کیا معلوم شاید یہ کہ قیامت قریب ہو اگر وقوع قیامت کا وقت معلوم نہیں تو اس سے یہ کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے کہ آنے والی ہی نہیں جیسے کہ یہ منکرین کہتے ہیں، بات یہ ہے کہ جلد ہی قیامت کے آنے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان ویقین نہیں رکھتے کیونکہ ان کو قیامت کی عظمت وہیبت کا اندازہ نہیں ہے اور جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے کانپتے اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور واقع ہو کر رہے گی۔ خبردار ہو جاؤ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ انتہائی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو گمراہی کا ایسا آخری مقام ہے کہ حق اور یقین سے بہت ہی دور ہو چکا تو اب کیا توقع کی جائے کہ ایسے بدنصیب پھر حق کی طرف رجوع کرلیں گے، اور رہا یہ امر کہ منکرین اور نافرمان دنیا میں عیش وعشرت کررہے ہیں مال ودولت اور رزق کی کمی نہیں تو اصل یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ مجرموں کو بھی دنیا میں روزی اور راحت دیتا ہے۔ جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو رب ہے، اور شان ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ ہر جاندار کو روزی عطا فرمائے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان وہ بڑی ہی قوت اور عزت والا ہے۔ جس کے فیصلہ اور تقسیم کو کوئی رد نہیں کرسکتا، اسی طرح آخرت میں بھی اس کے فیصلہ کو کوئی نہیں توڑ سکتا، مجرمین کو آخرت میں عذاب اور سزا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا، اس لیے ان کفار ومجرمین کو دنیا کی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہئے اور اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی ان کا یہ مال ودولت انکے کچھ کام آسکے گا یا یہ اسی طرح آرام وراحت میں رہیں گے، اللہ رب العزت اپنی شان لطیفی کے باعث نیک وبد سب ہی کو رزق عطا فرماتا ہے، رزق اور دنیوی راحتوں کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ ❶ رضی اللہ عنہ ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ﴾ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی انعام اور مہربانی کا معاملہ فرمانے والا ہے کہ ان کے حق اور استعداد سے زائد ان کو عطا فرماتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا اللہ کا لطف وکرم بندوں کو ان کے حوائج وضروریات سے بہت زائد عطا فرماتا ہے اور ان کو احکام کا مامور ان کی طاقت سے بہت کم کا فرمایا جاتا ہے، ورنہ تو یہ ہوسکتا تھا کہ انسانی قویٰ جس قدر عملی محنت برداشت کرسکیں، اتنی محنتوں کا ان کو مامور کردیا جاتا، سبحان اللہ کیا لطف وکرم ہے کہ عطا میں تو ضرورت وحاجت کو نہیں دیکھا جارہا ہے بلکہ اسے بڑھ کر جادیا جارہا ہے اور اطاعت میں جس قدر انسان کی ہمت ہوسکتی ہے اس سے بہت کم کا مامور بنایا جارہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، ان الدین یسر، یہ نہیں کہ جس قدر طاقت بشریہ ہے اتنا ہی مکلف کردیا جاتا، اور پھر ان پابندیوں میں بھی خطا اور نسیان سے درگزر کا ضابطہ عفو مقرر فرمادیا گیا۔

خوف آخرت ایمان ومعرفت کا ثمرہ ہے

آخرت کا خوف ظاہر ہے کہ ایمان ویقین ہی پر مرتب ہوسکتا ہے، جو شخص قیامت پر ایمان رکھتا ہوگا اسی کا دل قیامت کی ہیبت سے کانپے گا اور جس کو قیامت کا یقین نہیں وہ اس کے ذکر ہی کو مذاق شمار کرے گا، اور اسی طرح کی بے وقعتی اس بات کا باعث بنے گی کہ وہ قیامت کا فکر دلانے والے اہل ایمان اور ان کی دعوت فکر کو سن کر یہ کہے کہ لے آؤ جلدی سے وہ قیامت جس سے تم ڈرا رہے ہو، اسی استہزاء اور تمسخر کی کیفیت کو قرآن کریم کے یہ لفظ نقل کررہے ہیں، ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ لیکن ان کے بالمقابل جو اہل ایمان ہیں وہ اس سے لرز رہے ہیں اور دل انکے کانپتے ہیں جو ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا﴾ میں بیان فرمایا گیا، اور یہ خوف ظاہر ہے کہ اعتقاد قیامت ہی سے ہوسکتا ہے لفظ "مشفقون" اشفاق سے مشتق ہے لغت میں اشفاق کے معنی کسی چیز کے اندیشہ اور خوف سے دل کا کانپنا، قلب کا یہ اضطراب وخوف ایک تو قیامت کے واقع ہونے اعتقاد پر ہوگا، دوسرے اس عقیدہ اور تخیل پر کہ جو ایمان اور عمل صالح قیامت کے روز کام آتے ہیں، کہیں وہ رد نہ کردیئے جائیں، رہا یہ امر کہ عارفین اور کامل الایمان اہل اللہ کو اشتیاق موت اور لقاء خداوندی، وہ شوق طبعی ہوتا ہے، اور یہ خوف جس کا ذکر کیا گیا یہ کہ شوق کا باعث لقاء رب کا تصور ہوتا ہے اور خوف کا منشاء قیامت کی ہیبت اور اپنے اعمال کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک جہت سے قلب میں جذبہ شوق وارد ہو تو دوسری جہت سے خوف سے اضطراب ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث میں بیان فرمایا گیا "من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ"۔ کہ جو شخص اللہ کی ملاقات محبوب رکھے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرمائے گا، اسی کیفیت کو قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا، ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾۔ تو یہاں اولیاء اللہ کی پہچان اور خصوصیت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ موت ولقاء خداوندی کے شائق وآرزومند ہوں اور ولایت کا صدق تمناء موت ہی ہے، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ بات بھی حل ہوگئی جو احوال قبور کے سلسلہ میں بیان کیے گئے کہ بعض مردہ جب کہ وہ پروردگار کے قاصدوں یعنی نکیرین کا جواب صحیح صحیح دیدے گا تو کہے گا، "رب اقم الساعۃ"۔ کہ اے پروردگار قیامت (جلد ہی جلد ہی) قائم کردیجئے تو یہ خوف آخرت کے منافی نہیں، کیونکہ یہ اشتیاق اس کو

❶ روح المعانی ج ۲۵۔ تفسیر مظہری ج ۸

جنت کی نعمتوں کی بشارت سن کر حاصل ہوگا، اور اس بشارت کے بعد خوف و اضطراب کا جو منشاء تھا وہ ہو چکا ہوگا، یا یہ کہ یہ شوق عالم برزخ اور احوال آخرت کے انکشاف پر ہے، اور جو خوف ایمان کی خصوصیت بیان کی گئی، وہ دنیوی زندگی، یعنی عالم دنیا میں ہے بہرکیف مومن کی زندگی خوف آخرت اور شوق لقاء خداوندی متضاد جذبوں سے معمور رہتی ہے اور یہ کیفیت دراصل ﴿یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ کی پوری پوری ترجمان ہوتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ

جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی ف۱ اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اس کو دیویں ہم

جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی، بڑھا دیں ہم اس کو اس کی کھیتی۔ اور جو کوئی ہو چاہتا دنیا کی کھیتی، اس کو دیں ہم

مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ

کچھ اس میں سے اور اس کے لیے نہیں آخرت میں کچھ حصہ ف۲ کیا ان کے لیے اور شریک ہیں کہ راہ ڈالی ہے انہوں نے ان کے واسطے دین کی کہ جس کا

اس میں سے، اور اس کو نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔ کیا ان کے اور شریک ہیں جو راہ ڈالی ہے انہوں نے ان کے واسطے دین کی؟ جس کا

يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

حکم نہیں دیا اللہ نے ف۳ اور اگر نہ مقرر ہو چکی ہوتی ایک بات فیصلہ کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں اور بیشک جو گناہ گار ہیں ان کو عذاب ہے

حکم نہیں دیا اللہ نے اور اگر نہ ہوتی بات فیصلہ کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں۔ اور بے شک جو گناہ گار ہیں، ان کو دکھ کی

اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دردناک ف۴ تو دیکھے گا گناہ گاروں کو کہ ڈرتے ہوں گے اپنی کمائی سے اور وہ پڑ کر رہے گا ان پر ف۵ اور جو لوگ یقین لائے

مار ہے۔ تو دیکھے گناہ گار ڈرتے ہوں گے اپنی کمائی سے، اور وہ پڑنا ہے ان پر۔ اور جو یقین لائے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ

اور بھلے کام کیے باغوں میں ہیں جنت کے ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہی ہے

اور بھلے کام کئے باغوں میں ہیں بہشت کے۔ ان کو ہے جو چاہیں اپنے رب کے پاس۔ یہی ہے

ف۱ ایک نیکی کا دس گنا ثواب دیں، بلکہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ۔ اور دنیا میں ایمان و عمل صالح کی برکت سے جو فراخی و برکت ملے وہ الگ رہی۔

ف۲ دنیا کے واسطے جو محنت کرے موافق قسمت کے ملے، پھر اس محنت کا فائدہ آخرت میں کچھ نہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا دے۔ پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں۔

ف۴ یعنی فیصلہ کا وعدہ ہے اپنے وقت پر۔

ف۵ یعنی اپنی کرتوت کے نتائج سے خواہ آج نہ ڈریں مگر اس دن ڈرتے ہوں گے اور یہ ڈر ان پر ضرور پڑ کر رہے گا کوئی سبیل رہائی اور فرار کی نہ ہوگی۔

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

بڑی بزرگی ف۱ یہ ہے جو خوش خبری دیتا ہے اللہ اپنے ایمان دار بندوں کو جو کرتے ہیں بھلے کام ف۲

بڑی بزرگی۔ یہ خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ایمان دار بندوں کو جو کرتے ہیں بھلے کام۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلہ مگر دوستی چاہیے قرابت میں ف۳ اور جو کوئی کمائے گا نیکی ہم اس کو بڑھا دیں گے اس کی

تو کہہ، میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ نیگ مگر دوستی چاہئے ناتے میں۔ اور جو کوئی کمائے گا نیکی، ہم اس کو بڑھا دیں گے اس کی

حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾

خوبی بے شک اللہ معاف کرنے والا حق ماننے والا ہے ف۴

خوبی۔ بے شک اللہ معاف کرتا ہے حق ماننا۔

ترغیب دار آخرت وتنبیہ از طلب دنیا وخسارۂ مجرمین وظالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ مضمون حق تعالیٰ شانہ کی شان رزاقی اور لطفی پر ختم فرمایا گیا جس سے بتانا مقصود تھا کہ دنیوی رزق کی تقسیم اللہ رب العزت کے محض رزاق ہونے پر ہے رزق کی کمی اور زیادتی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے پر مبنی نہیں ہے،

ف۱ یعنی جنت میں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی راحتیں اور اپنے رب کا قرب، یہ ہی بڑا فضل ہے۔ دنیا کے عیش اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

ف۲ یعنی اللہ جو خوشخبری دے وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔

ف۳ یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات وفلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ یہ سب محض بوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی وخاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو۔ آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے، بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ میرا کہنا یہ ہے کہ تم اگر میری بات نہیں مانتے نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے، یا میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے، نہ سہی۔ لیکن کم از کم قرابت ورحم کا خیال کر کے ظلم واذیت رسانی سے باز رہو، اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچا تا رہوں۔ کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔ (تنبیہ) آیت کے یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں منقول ہیں۔ بعض سلف نے "الا المودة فی القربی" کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو۔ اور حق قرابت کو پہچانو۔ اور بعض نے "قربیٰ" سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو خدا سے قریب کرنے والے ہوں مگر صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے۔ بعض علماء نے "مودة فی القربی" سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کیے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم وواجب اور جزو ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایات صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے، آخرت میں تو اجر وثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک کی توفیق عطا فرما کر اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے۔ شاید یہاں اس مضمون کا ذکر اس لیے فرمایا کہ کم از کم قرابت کی محبت مطلوب ہے جس کا حاصل ایذاء اور ظلم سے رو کنا تھا لیکن جو اس سے زائد نیکی دکھلائے وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی، بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔

اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ انسان کی سعادت اسی میں مضمر ہے کہ وہ طالب آخرت بنے، اور اسی کو اپنی زندگی کا اصل مقصود سمجھے، طلب دنیا انسانی زندگی کا مقصد نہیں، اس لیے جو شخص اپنی فکر طلب آخرت بنالے گا خدا کی مدد توفیق اور رحمت شامل ہوگی اور اسکی کوشش کو قبول فرمایا جائے گا، اور اس میں برکت دی جائے گی، لیکن اس کے برعکس اگر اس کا مقصود زندگی دنیا ہی کمانا ہے تو ہم اس کو اگرچہ دنیا دے تو دیں گے مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، تو ارشاد فرمایا جو شخص ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا تو ہم اضافہ کرتے ہیں اس کے واسطے اس کی کھیتی میں کہ طالب کے اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور اس کے ثمرات اجر و ثواب اور انعام کے اس پر مرتب ہوتے ہیں اور اس پر اضافہ اور برکت سے نوازا جاتا ہے، اعمال حسنہ اور عبادات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور اجر و ثواب میں بھی زیادتی ہوتی رہتی ہے جس طرح ایک تخم اور دانہ زمین میں بو دیئے جانے کے بعد اس کا سلسلہ نشوونما ہوتا ہے تاآنکہ وہ بلندی کے آخری مقام تک پہنچ جائے، اسی طرح اعمال آخرت کی کھیتی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ یعنی جو شخص ایک نیکی کا کام کرے اس کے واسطے اس سے دس گنا زائد ثواب ہے۔ لیکن جو شخص دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم دیدیتے ہیں اس کو دنیا میں سے اور پھر آخرت میں اس کے واسطے کوئی حصہ نہیں۔ بہرکیف اللہ کا مشروع کیا ہوا، یہ دین حق ہے جس کی بنیادی تعلیم اور ہدایت اخلاص ہے، ہر عمل صرف اللہ ہی کے لیے اور آخرت ہی کے واسطے ہونا چاہئے، صرف ایسا ہی عمل قابل قبول ہے، اور مثمر بھی ہے، اخلاص عمل، عقیدۂ توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ جو لوگ توحید خداوندی کے قائل نہیں اور انہوں نے شرک جیسے ناپاک اعتقاد سے اپنے قلب کو آلودہ کر رکھا ہے وہ بتائیں کہ کیا ان کے واسطے کچھ شرکاء ہیں کہ جو انہوں نے خدا کے ساتھ تجویز کر رکھے ہیں تو کیا ان شرکاء نے ان کے واسطے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ نہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبود انکے لیے کوئی دین تجویز کرلیں جو یقیناً خدا کی اجازت سے نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے ایسے مشرکین کے من گھڑت خیالات اور رسول کو یہ کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے محض مہمل اور بے معنی بات ہے، یہ بات بلاشبہ ایسی تھی کہ فوراً ہی اللہ کے عذاب سے ان مجرمین اور گستاخوں کو تباہ کردیا جاتا مگر یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے اور اگر اللہ کا یہ قول فیصل طے شدہ نہ ہوتا کہ ایسے مجرموں کو دنیا میں مہلت دی جائے گی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا تو ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا۔ اور ان کا کام تمام ہوجاتا اور بے شک ظالموں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اس وقت ان کا حال یہ ہوگا کہ اے مخاطب تو ان ظالموں کو دیکھے گا کہ کانپ رہے ہوں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کئے۔ اور وہ عذاب ان پر ضرور مسلط ہو کر رہے گا۔ جس سے وہ کسی بھی صورت سے نہ بچ سکیں گے، یہ تو منکرین و کافرین کا ہوگا، اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے اپنے پروردگار کے پاس یہی ہے بہت بڑی فضیلت اور انعام اکرام یہی ہے وہ جس کی بشارت دے رہا ہے، اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے۔

مجرمین کو تنبیہ اور عذاب آخرت سے ڈرانا اور ان کے بالمقابل مومنین و مطیعین کو ثواب آخرت اور نعماء جنت کی بشارت سنانا انتہائی اخلاص اور ہمدردی ہے اگر اس کے باوجود بھی ایسے لوگ جن کی عقلیں بھی بیمار اور قلوب گندہ ہیں وہ اللہ

کے پیغمبر ﷺ کے اخلاص و ہمدردی پر یقین نہیں رکھتے تو اے پیغمبر آپ ﷺ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تم سے اس مشفقانہ نصیحت اور ہمدردانہ وعظ اور تبلیغ و دعوت پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا ہوں۔ اور اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر صرف اس محبت کا جو قرابت داری میں ہوتی ہے کہ تم میرے ساتھ اس قرابت نسبی کا جو مجھے قریش کے ہر قبیلہ اور شاخ کے ساتھ حاصل ہے لحاظ کر کے کم از کم ایذاء تو نہ پہنچاؤ اور اس حق قرابت کے باعث میری طرف رخ کرو اور توجہ سے میری بات سنو، اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم ایذاء تو نہ پہنچاؤ، اور جب کہ میں تم سے کسی مالی صلہ اور معاوضہ کا طالب بھی نہیں تو یہ میرا انتہائی اخلاص ہے اور تعلق قرابت اس کا باعث ہونا چاہئے کہ میری بات پر غور کرو، اور اس کو قبول کرو، حق نبوت نہیں مانتے تو حق قرابت کا لحاظ کرلو، جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہے۔ اور میں تم کو پھر یہی بات ہمدردی اور نصیحت کے طور پر کہتا ہوں جو شخص بھی کوئی نیکی کا کام کرے گا۔ اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ ہم اس کے واسطے اس کی نیکی میں اجر و ثواب کا اضافہ کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تو بہت ہی درگزر کرنے والا اور قدردان ہے کہ اگر اعمال میں کسی طرح کی تقصیر وکوتاہی واقع ہو جائے تو درگزر فرماتا ہے، اور جو کچھ بندہ نیکی کرتا ہے اس کو وہ سراہتا ہے وہ قدردان ہے اہل ایمان و عمل صالح کو انعامات و اجور سے محروم نہیں رکھتا۔

﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ کی تفسیر

آنحضرت ﷺ کا کفار مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا ﴿یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ﴾ یعنی اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا تو اس طرح آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغام نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے، اس کے باعث میری طرف کچھ رخ کرو، اور میری بات سنو، مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ، اگر ایمان نہیں لاتے تو میرے حال پر مجھ کو چھوڑ دو تاکہ میں خدا کا یہ پیغام دوسروں تک پہنچا دوں۔

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے، اگر اطاعت نہیں کی تو ایذاء رسانی سے تو باز آ جاؤ، آخر میں تمہارا عزیز و قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں، اس لیے میری بات سنو، اور اس پر توجہ کرو۔

قوت نیکی نہ داری بد مکن بر وجود خود ستم بے حد مکن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ کے یہی معنی منقول ہیں۔

قریش مکہ کی طرف سے جب ایذاؤں اور رکاوٹوں کی یہ نوبت آ گئی کہ آپ ﷺ ظاہری اسباب میں پیغام خداوندی لوگوں تک پہنچانے پر قادر نہ رہے تو آپ ﷺ اسی کیفیت کو اس طرح فرمایا کرتے، منعونی ان ابلغ کلام ربی۔ مجھے تو قریش کے لوگوں نے اس بات سے مجبور کر رکھا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں، تو اس صورت حال میں اس آیت کا نزول ہوا جس میں آپ ﷺ نے حق قرابت کا احساس دلاتے ہوئے یہی چاہا کہ کلام رب اور پیغام خداوندی پہنچانے میں تم میری دشمنی سے باز آ جاؤ، ابن جریر طبری رحمہ اللہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ بغوی رحمہ اللہ امام رازی رحمہ اللہ

اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ غرض جملہ اکابر ائمہ مفسرین اور امت کے تمام محدثین بالعموم یہی مطلب بیان کرتے ہیں، عامر شعبی، ضحاک، علی بن ابی طلحہ عوفی اور یوسف بن مہران رحمہم اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی بیان کیے ہیں، ایمہ مفسرین میں سے مجاہد رحمہ اللہ قتادہ رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا، (تفسیر ابن کثیر جلد ۴) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو فرمایا۔

لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّاان لا توذونی نفسی المودة فی القربی لقرابتی منکم وتحفظوا القرابة التی بینی وبینکم "۔ یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ، میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، (تفسیر ابن کثیر جلد رابع)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل میں شعبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے، ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ رضی اللہ عنہ آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نہ ملتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم سے کچھ نہیں طلب کرتا بجز (مودة فی القربی) اس لیے تم میری قرابت کا لحاظ کرو، اور مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

الغرض اس تفسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ میں استثناء، استثناء متصل نہیں بلکہ استثناء منقطع ہے، استثناء متصل ہونے کی صورت میں تو مراد میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت ومعاوضہ نہیں مانگتا بجز اس معاوضہ محبت و قرابت کے یعنی تبلیغ رسالت کے معاوضہ سے مجھ کو بس یہ معاوضہ محبت قرابت مطلوب ہے مگر اس کے برعکس روایات مذکورہ کی بنا پر یہ استثناء منقطع ہوگا جہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا، اس کی مثال ایسی ہے ﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا﴾ میں جس طرح استثناء "بردا وشرابا" سے "حمیما وغساقا" کا کیا گیا کیونکہ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخی نہیں چکھ سکیں گے کوئی ٹھنڈک اور نہ ہی کوئی پینے کی چیز مگر کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (زخموں کی) تو یہ استثناء منقطع ہے، اسی طرح ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ مودت فی القربی جنس اجرت سے نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مودت فی القربی تبلیغ رسالت کا کسی قسم کا معاوضہ ہے نہیں کہلایا جا سکتا۔

الفاظ آیت کی دلالت اسی مراد کو متعین کر رہی ہے تمام اہل سنت حضرات اور ائمہ مفسرین نے اسی کو اختیار کیا، جیسا کہ بیان کیا گیا، نیز آیت میں لفظ ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ بھی اسی معنیٰ کی تائید کر رہا ہے، جس کا لفظی ترجمہ یہی ہے کہ مگر وہ محبت جو قرابت داری میں ہو یوں نہیں فرمایا گیا، ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ اگر یہ عنوان ہوتا تو احتمال ہو سکتا تھا کہ اس کی یہ تاویل کی جا سکے، اہل قرابت کی محبت کا اگرچہ اس تقدیر پر یہ معنیٰ بھی لفظی دلالت سے بعید ہوتے تو ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ کے عنوان نے اس

احتمال بعید کو بھی ختم کر ڈالا، اور وہی مراد متعین ہوگئی جو روایات مذکورہ کے حوالہ سے ذکر کی گئی، حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمن میں لکھتے ہیں،

"بگو نمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ہیچ مزدے لیکن باید کہ پیش گیرید دوستی درمیان خویشاونداں"۔ اور پھر اس پر حاشیہ میں یہ فرماتے ہیں "یعنی با من صلہ رحمی کنید ایذا نہ رسانید" کہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ایذاء نہ پہنچاؤ، اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں "تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیگ (صلہ) مگر دوستی چاہئے ناتے میں"۔ اور حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا مگر قرابت کی دوستی"۔ یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو۔ اسی طرح حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ بھی اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلہ مگر دوستی بیچ قرابت کے۔ ❶

فرقہ شیعہ کی اختراع کردہ تفسیر

فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ ائمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے، چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ سے رسول ﷺ کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میری قرابت والوں سے محبت کرو اور میری قربت والے صرف چار ہیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا، علی رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دے دیا جائے حتیٰ کی آپ ﷺ کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد بھی قرابت داروں کی فہرست سے خارج ہوں، بہرکیف شیعہ فرقہ کی تفسیر کی رو سے اجرت رسالت قرابت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے، پھر یہ کہ قرابت داروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو خلیفہ اور بادشاہ بناؤ، جس کا حاصل دنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہیں میری محنت و جانفشانی سے جو غلبہ و اقتدار حاصل ہو یعنی یہ حکومت اس طرح مجھ کو مل جائے وہ نسلاً بعد نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے، اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

(۱) پہلے قول کے لحاظ سے القربی کا مفہوم قرابت ہے، جو لغت وضع کے مطابق ہے اور دوسرے قول کی رو سے قربی کے معنی قرابت داروں کے ہوئے، حالانکہ اس معنی کے واسطے اہل عرب لفظ "القرباء" جو جمع قریب ہے استعمال کرتے ہیں، جیسے کریم کی جمع "کرما" لفظ القربی تو اپنی وضع عربیہ کی رو سے یہ مفہوم نہیں ادا کرتا۔

(۲) اس کے علاوہ اصل قابل غور یہ امر ہے کہ آیت مبارکہ کا یہ مطلب تجویز کرنا سراسر شان نبوت اور منصب

❶ من افاضات حضرت الوالد المحترم مولانا الشیخ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ حسب ما ضبطت ھذہ الکمات حین ما کنت اسمع منہ تفسیر ھذہ الآیۃ المبارکہ اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ فی العلیین واسبغ علیہ من نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ آمین یارب العلمین"۔

رسالت کے خلاف ہے بلکہ مقام نبوت کے تقدس وعظمت پر ایک بہتان عظیم ہے، یہ شیوہ تو اہل دنیا اور خود غرض قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے کہ کوئی کام کریں تو یہ چاہیں کہ اس کا فائدہ ان کی اولاد کو پہنچے، حالانکہ اس قسم کے اوہام وشکوک سے تو انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کو پاک رکھنے کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا، اور ان کی اولاد ورثاء ان کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد حتیٰ کہ آزاد کردہ غلاموں پر صدقات حرام کر دیئے گئے، بہرکیف اگر یہ بات تصور کی جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو لامحالہ پر ایک قسم کا معاوضہ ہوگا، خدمات نبوت کے انجام دینے پر جو قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے طرز کے سراسر منافی ہوگا، بار بار قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿لَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾ کہ میں اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، اور خود آنحضرت ﷺ کے اس اعلان کے صریح خلاف ہوگا جو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔ مثلاً:

۱..... ﴿قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (سورۂ انعام)

۲..... ﴿وَمَا تَسۡـَٔلُهُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (سورۂ یوسف)

۳..... ﴿اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیۡرٌ ۖ وَّهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ﴾ (المومنون)

۴..... ﴿قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ یَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیۡلًا﴾ (فرقان)

۵..... ﴿قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ﴾ (سبا)

۶..... ﴿قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِیۡنَ ۞ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (ص)

۷..... ﴿اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ﴾ (سورۂ طور)

تو ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مطلب اختراع کرنا جس سے منصب رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر اجرت ونفع کا طلب کرنا لازم آتا ہو، کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، اگر بالفرض ایسا کوئی مضمون تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ دوسرے انبیاء سے گھٹ جائے، کیونکہ کسی اور پیغمبر نے تو اداء رسالت پر اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ اس کی اولاد اور قرابت داروں سے اس قسم کے منافع اور فوائد پہنچانے کا معاملہ کیا جائے۔

(۳) پھر یہ کہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے کہ وہ طالب اجرت نہیں ہوتے جیسا کہ سورۃ یٰس ﴿اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ﴾ یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں تو آیت ﴿اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰى﴾ کا یہ مطلب تجویز کرنا جس سے آنحضرت ﷺ کا طالب اجرت ہونا لازم آتا ہے، یہ آپ ﷺ کے لازم الاتباع ہونے کو ساقط کر دے گا۔ العیاذ باللہ۔

(۴) پھر یہ کہ سورۃ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہو چکی تھی، تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت

کہیں وجود ہی نہیں، بالخصوص اس صورت میں کہ القربی معرف باللام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے، جہاں مخاطبین کو معلوم اوران کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف ومعلوم کیسے ہوسکتا ہے، زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے تو اس سے اہل سنت کب منکر ہیں، اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت کی محبت جزوایمان ہے البتہ وجوب محبت سے دوسروں کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی امام ہونا لازم آئے گا، پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ نصوص قرآن وحدیث میں جن لوگوں کے ساتھ محبت کا حکم دیا گیا مثلاً علماء وصلحاء تو ان کی بھی امامت ضروری ہو، اوران کو بھی امام معصوم کے درجہ میں قرار دیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی صاحب فہم اس امر کا جواز تصور نہیں کرسکتا۔

(۵) نیز یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ تو اگر کسی تاویل کے ذریعے القربی سے ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ یعنی قرابت والے مراد لیے جائیں تو پھر کلام خداوندی میں للقربی یعنی قرابت داروں کے واسطے، نہ کہ ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ جیسے کہ آیت مبارکہ میں ہے، اور قرآن کریم میں جہاں بھی کہیں قرابت داروں کا ذکر ہے وہاں لفظ ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ کا لایا گیا، چنانچہ ارشاد ہے، ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ اور آیت ﴿مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾۔ اوراسی طرح ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اور ﴿اٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ غرض جہاں بھی کہیں قرآن کریم کو قرابت داروں کا ذکر مقصود تھا وہاں لفظ ذوی القربی آیا ہے نہ کہ فی القربی، تو یہ بات واضح ہے کہ ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ کا مفہوم وہی ہے جو اہل حق نے بیان کیا، اور تمام ائمہ مفسرین سلف اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا، وہ تفسیر جمہور مفسرین کے نزدیک معتبر ہے۔ البتہ ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ کی ایک اور تفسیر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ رضی اللہ عنہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کی ہے، المودۃ فی القربی، اے الاان تو ادوا اللہ تعالیٰ وان تقربوا الیہ بطاعتہ۔ یعنی میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم اللہ سے محبت کا معاملہ کرو، اور اس کا تقرب حاصل کرو، طاعت وبندگی کے ذریعہ سے گویا یہ تشریح وتفسیر رہے، ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ... تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ﴾ کی مراد یہ کہ بس تم سے میں صرف اسی چیز کا طالب ہوں جو تم کو اللہ سے قریب کردے، اور وہ اس پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت وبندگی ہے۔

ذوی القربی کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض ولازم ہے، اور اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اقارب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو مشرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں، ہر شخص کی محبت وعظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لیے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہونی چاہئے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر تین صاحبزادیاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی اطاعت بھی فرض ہونی چاہئے، اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو امام بھی ہونا چاہئے اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی امامت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں، بہرحال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنت خود اس کے قائل ہیں لہٰذا اہل تشیع کو اہل سنت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہل بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں، اور اس کا جواب دو کہ بعض اہل بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو، اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو، اور اس کا جواب دو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلافصل ہوئے لیکن حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ دو صاحبزادیوں سے شرف زوجیت رکھنے کے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے بلکہ ان کا بغض و نفرت تشیع کی حقیقت اور روح بنا؟ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکتا، اور اس وجہ تفریق پر بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے، ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اہل بیت کے بارے میں وہ تمام احادیث ملاحظہ فرمائی جائیں جو محدثین نے باب فضائل اہل بیت میں بیان فرمائیں۔

أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَإِنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر اور مٹاتا ہے اللہ

کیا کہتے ہیں اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ ؟ سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔ اور مٹا دے اللہ

الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۚ إِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

جھوٹ کو اور ثابت کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے اس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے ف۱ اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ

جھوٹ کو، اور ثابت کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے۔ اس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے۔ اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ

ف۱ یعنی بفرض محال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہہ دے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے، پھر فرشتہ یہ کلام معجزہ لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے۔ بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سلب کر لیا جائے کما قال ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا﴾ مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب و افتراء کا شائبہ نہیں۔ اس لیے محض بدبختوں کی قدرناشناسی اور طعن و تشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بیشک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگا دی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔ رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملیامیٹ ہو اور حق ثابت ہو جائے تو میرے نزدیک وہی دلائل و براہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں۔ بالخصوص وہ آیات انفسیہ و آفاقیہ جن کا ذکر سورۃ "حٰمٓ السجدہ" کے آخر پر "سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ ان آیات کے ظاہر ہونے پر سب کھرے اور کھوٹے دلوں کا حال علانیہ واضح ہو جائے گا۔

(تنبیہ) آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں۔ بندہ کے نزدیک بے تکلف یہی مطلب ہے جو اوپر عرض کیا۔ اس تفسیر پر "وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ" جملہ مستانفہ ہوا۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ مضارع کے معنی مترجم رحمہ اللہ نے حال کے لئے ہیں جو بالکل =

عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اپنے بندوں کی اور معاف کرتا ہے برائیاں اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور دعا سنتا ہے ایمان والوں کی

اپنے بندوں سے، اور معاف کرتا ہے برائیاں، اور جانتا ہے جو کرتے ہو۔ اور دعا سنتا ہے ایمان والوں کی،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَلَوْ

جو بھلے کام کرتے ہیں اور زیادہ دیتا ہے ان کو اپنے فضل سے ف۱ اور جو منکر ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اگر

جو بھلے کام کرتے ہیں، اور بڑھتی دیتا ہے ان کو اپنے فضل سے۔ اور جو منکر ہیں، ان کو سخت مار ہے۔ اور اگر

بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ

پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھادیں ملک میں ولیکن اتارتا ہے ناپ کر جتنی چاہتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی

پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم اٹھائیں ملک میں، پر اتارتا ماپ کر جتنی چاہتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کی

خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۝

خبر رکھتا ہے دیکھتا ہے ف۲

خبر رکھتا ہے، دیکھتا۔

= صحیح ہیں۔ مگر بندہ کے خیال میں یہاں استقبال لینا زیادہ چسپاں ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ "وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ" کا عطف "يختم علی قلبك" پر کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "یعنی اللہ اپنے اوپر کیوں جھوٹ بولنے دے۔ دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جس کو باندھ سکے اور چاہے تو کفر کو مٹا دے بے پیغام بھیجے۔ مگر وہ اپنی باتوں سے دین کو ثابت کرتا ہے اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے۔"

ف۱ یعنی نبی خدا کا پیغام پہنچاتا ہے، تم جھوٹ سمجھو یا سچ، اس کے بعد بندوں کا سارا معاملہ خدا سے ہے ایک بندہ سے دنیا اور آخرت میں اس کے حال و استعداد کے موافق معاملہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور باوجود سب کچھ جاننے کے کتنی برائیوں سے درگزر کرتا ہے جو ایماندار اور نیک بندے اس کی بات سنتے ہیں وہ ان کی دعائیں سنتا اور ان کی طاعات کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور جس قدر اجر و ثواب کے وہ عام ضابطہ سے مستحق ہوں اپنے فضل سے اس سے کہیں زائد مرحمت فرماتا ہے۔ رہ گئے منکر اور پکے کافر جن کو مرتے دم تک رجوع و توبہ کی توفیق میسر نہیں ہوتی ان کا انجام اگلے جملہ میں مذکور ہے۔

ف۲ خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تونگر بنا دے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش میں رکھا جائے۔ ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان و تمرد اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچا دیتے۔ نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اس کی مخلوق کو خاطر میں لاتے، جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً مرفہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں، جتنا آ جائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں، کوشش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں۔ ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت عام غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیسا عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ نہ رہتی۔ ہاں دنیا کے عام مذاق و رجحان کے خلاف فرض کیجئے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کی طبائع ہی میں انقلاب پیدا کر دیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگا۔ بہرحال دنیا کو بحالت موجودہ جس نظام پر چلاتا ہے اس کا مقتضی یہی ہے کہ فضل عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے۔ اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے۔ کیونکہ سب کے اگلے اور پچھلے حالات اسی کے سامنے ہیں۔

مذمت افتراء علی اللہ ومحرومی بدنصیباں از قبول حق وکامیابی مومنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ ... الی ... خَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں طالبین دنیا اور طالبین آخرت کا ذکر تھا اور یہ کہ انبیاء ﷺ دعوت حق سے آخرت کا فکر پیدا کرنے کے لیے کیسی محنت کرتے ہیں، اور اخلاص وہمدردی کے جذبہ سے ان کی غرض اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ اللہ کے بندے حق اور ہدایت قبول کر کے نجات وسعادت حاصل کرلیں، اب ان آیات میں ایسے معاندین ومتکبرین کا ذکر ہے جو اپنے عناد وتکبر میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ قبول حق تو در کنار وہ اللہ رب العزت پر افتراء بہتان پردازی سے بھی باز نہیں آتے، توان کے رو کے ساتھ یہ بیان کیا جارہا ہے، اللہ رب العزت یہی چاہتا ہے کہ حق اور باطل میں دنیا کے سامنے امتیاز کر دیا جائے، اور دلائل حق کے ذریعہ باطل کو مٹادیا جائے، اسی مقصد کے لیے بعثت انبیاء ﷺ ہے اور اسی غرض کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کیے گئے اور ان سب کی تکمیل رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے ذریعے کی گئی۔

ارشاد فرمایا گیا: یہ لوگ تو حق وصداقت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیا کرتے۔ بلکہ یہ لوگ تو آپ ﷺ کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے کہ نبوت اور وحی الٰہی کا دعویٰ کر رہے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے علوم ومعارف خرق عادت کے طور پر معجزانہ انداز سے ظاہر اور جاری ہیں، اور بطور خرق عادت معجزانہ شان سے ایسے علوم ومعارف کا کسی زبان سے جاری ہونا یہ خود دلیل ہے کہ وہ اللہ کی وحی اور اس کی طرف سے عطا کردہ علوم ہیں اور یہ بھی بات ثابت ہے کہ بارگاہ خداوندی سے علوم ومعارف کی عطا صرف صادق وبرگزیدہ ہی کو ہوسکتی ہے، جھوٹے اور افتراء پرداز پر باطنی علوم اور حکمتوں کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، تو اگر اللہ چاہے تو آپ ﷺ کے قلب پر مہر کردے اور بند لگادے جس کے بعد ایسے شخص کی زبان سے علم وحکمت کی کوئی بات ہی جاری نہ ہو مگر پھر بھی وحی الٰہی اور علوم ومعارف کا یہ سلسلہ جاری رہنا آپ ﷺ کی حقانیت کی دلیل ہے، اور اللہ تعالیٰ اسی طرح باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو ثابت ومضبوط کیا کرتا ہے اپنے کلمات واحکام سے جو دلائل شرعیہ سے بھی اور دلائل تکوینیہ ومعجزات سے اس طرح ثابت کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی منکر کو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ رہے۔ بے شک وہ پروردگار دلوں کی باتیں اور احوال بھی خوب جاننے والا ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت سے کسی کے نہ اقوال وافعال مخفی ہیں اور نہ ہی عقائد وہ سب پر مطلع ہے اور اس پر سزا دینے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔

اور وہ پروردگار جس طرح معاندین ومخالفین کے ہر عمل اور عقیدۂ خیال کو جانتا ہے اسی طرح وہ مطیعین ومنیبین کو بھی جانتا ہے، چنانچہ وہ توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے اور درگزر کرتا ہے ان کی برائیوں اور خطاؤں سے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم کرتے ہو کہ کونسا قول وعمل اخلاص کے ساتھ اور کون سی بات محض زبان سے اور بے اخلاص ہے، لہٰذا اس پر ویسے ہی ثمرات مرتب ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے ان لوگوں کی عبادت کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور ثواب زائد بھی عطا کرتا ہے۔ جو ان کے عمل کے معیار اور درجہ سے بڑھ کر ہوتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے

واسطے بڑا ہی سخت عذاب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں پر اس موجودہ صورت حال میں روزی کو پھیلا دیتا۔ اور کوئی کسی کا حاجت مند نہ رہتا تو لوگ بغاوت وفساد برپا کر دیتے زمین میں کیونکہ ایسی صورت میں نہ کوئی تابع رہتا ہے اور نہ کوئی متبوع، بلکہ ہر ایک آمر مطلق بن جاتا جسکا نتیجہ ظاہر ہے کہ فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا، اب اللہ نے اپنی تکوینی حکمت سے ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا حتیٰ کہ بادشاہ اور امراء خدمت گزاروں کے محتاج ہو گئے، فقراء اور غرباء جو اگرچہ اپنی کمائی میں امراء کے محتاج ہیں، لیکن اس کے بالمقابل امراء بھی ان کے محتاج بنا دیئے گئے کہ ان کی خدمت واعانت کے بغیر ان کی زندگی نہیں گزر سکتی، لیکن وہ اتارتا ہے رزق ایک اندازہ کے ساتھ جتنا بھی چاہے اپنی حکمت کے لحاظ سے اس حکمت کے پیش نظر اللہ نے رزق میں مخلوق کے درمیان تفاوت درجات رکھے، جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے، ان اللہ تعالیٰ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم۔ کہ اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کر دی ہے جیسے کہ تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے۔ بے شک وہ پروردگار اپنے بندوں کے احوال پر خوب مطلع ہے۔ اور خوب ان کو دیکھنے والا ہے۔

﴿فَإِنْ يَشَإِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ کا عنوان فرض محال کے درجہ میں ہے جیسے ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ میں بفرض محال ہی یہ بات آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے بیان کی گئی مقصود محض ایک قانون الٰہی اور ایسی بات پر ہلاکت وتباہی کا مرتب ہونے والا نتیجہ بیان کرنا ہوتا ہے، یعنی بفرض محال اگر آپ ﷺ بھی اللہ پر جھوٹ وبہتان باندھتے تو اللہ رب العزت آپ ﷺ کے دل پر مہر کر دیتا، اور اس کے بعد پھر فرشتہ یہ کلام معجز لے کر آپ ﷺ پر نہ اترتا، اور سلسلہ وحی بند کر دیا جاتا، یہ بات بالکل وہی ہے جو اس آیت مبارکہ میں فرمائی گئی تھی۔ ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (بنی اسرائیل) مگر اس لیے کہ درحقیقت یہ جو کچھ آپ ﷺ فرما رہے ہیں حق اور وحی الٰہی ہے اور بدباطنوں کا اس کے بارے میں یہ کہنا محض بہتان ہے اس لیے یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاتا بلکہ وحی الٰہی کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا کر دنیا کے سامنے ظاہر کر دے گا، اور حق کی حقانیت ثابت اور پختہ ہو جائے گی، حق کو ثابت کرنے والے ظاہر ہے کہ وہ دلائل وبراہین ہیں، جو دلائل آفاق اور دلائل انفس کی نوعیت سے دنیا کو دکھا دیئے گئے، جس کو قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں اور اس تفسیر کی رو سے ﴿وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ﴾ جملہ مستانفہ ہوا، یعنی اس کا ماقبل جملہ ﴿يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ کے مضمون پر عطف نہیں بلکہ ایک مستقل مضمون ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آئندہ اس کی حکمت تکوینیہ سے جو بات پیش آنے والی ہے اس کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت باطل کو مٹا دے گا اور حق کو ثابت کرے گا، بعض مفسرین کی رائے میں اس کا عطف یختم کے اوپر ہے، لیکن اس اعراب کی تقدیر میں قدرے تکلف ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ میں کبائر سے تائب ہونے والوں کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے، اور ﴿وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ میں صغائر سے درگزر کا بیان ہے یا یہ کہہ دیجیے کہ ایک جز یعنی قبول توبہ کے وعدہ میں مستقبل کے گناہوں کی معافی کا بیان فرمایا گیا کہ بندہ۔

جب تائب ہوں گے خدا ان کے گناہوں کے مغفرت فرما دے گا، اور دوسرے جز ﴿وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ میں ماضی کے گناہوں کے متعلق فرمایا کہ خدا تعالیٰ تو شان رحیمی کے باعث درگزر فرما تا رہتا ہے۔ لیکن وعدۂ عفو اور معاملہ درگزر سے کسی کو دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے اور اس کی گرفت ومؤاخذہ سے بے فکر نہ ہونا چاہئے، کیونکہ وہ بندوں کے تمام احوال سے باخبر بھی ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں تو آئندہ کی عملی زندگی میں مؤاخذہ کی فکر کو قائم کرنے کے لیے فرمادیا، ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ﴿وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور دعا وطلب سے بڑھ کر ان کو عطا فرماتا ہے اور بروایت شقیق بن مسلم رحمہ اللہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت کا اپنے فضل سے ایمان اور تائبین کو زائد عطا فرمانا، شفاعت کا حق ہے ان مذنبین کے لیے جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب کے مستحق ہیں۔ ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ﴾ میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے تقسیم رزق میں معیار اپنی حکمت ومشیت کو بیان فرمایا کہ وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے، جس میں یہ صورت ہوتی ہے کہ کسی کو زائد عطا فرماتا ہے، اور غنی کرتا ہے کہ اس کا غنا بھی حکمت کے مطابق ہوتا ہے، اور جس پر رزق کی تنگی فرماتا ہے اس پر فقر بھی حکمت خداوندی ہی سے ہوتا ہے، اور یہ بھی اسکی حکمت ہے کہ ایک زمانہ ایک شخص پر تنگی کا گزرتا ہے تو پھر اس کو فراخی اور غنا عطا کر دیا جاتا ہے، کبھی اس کا عکس ہوتا ہے کہ ایک زمانہ فراخی ووسعت کا گزرا، پھر اس کو فقیر وتنگدست کر دیا گیا۔

آیت مبارکہ میں رزق کی وسعت کا یہ ذکر تمام بندوں کے حق میں ہے ورنہ بعض پر تو رزق کی وسعت متحقق ہے، اور لو شرطیہ کا عنوان دلالت کرتا ہے کہ یہ بسط رزق متحقق نہیں ہوا تو مراد یہ ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ سب پر رزق کی وسعت کر دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بغاوت وسرکشی کرنے لگتی، اور دنیا میں کوئی صالح اور مطیع نہ رہتا، اور اگر اس کے بالمقابل سب بندوں کو فقیر ومحتاج بنا دیتا تو سب کے سب اپنے ضعف وعجز کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے اس وجہ سے تقسیم رزق میں بندوں کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا تو آدم علیہ السلام نے ان میں دیکھا کہ کچھ غنی ہیں اور کچھ فقیر تو عرض کیا لو لا سویت بین عبادك کہ اے پروردگار تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات وبرابری (رزق میں) کیوں نہ کر دی جواب دیا گیا "احببت ان اشکر" یعنی میں نے یہ چاہا کہ میرا شکر ادا کیا جایا کرے اور یہ بات اسی پر موقوف ہے کہ تفاوت مراتب ہو، علامہ طیبی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ عباد سے کل بندے مراد نہیں بلکہ اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی ولایت وقرب کی کرامت سے نوازنا تھا کہ اللہ نے ان کے رزق کو نہیں پھیلایا اگر ان پر رزق پھیلا دیا تو وہ بغاوت وسرکشی کا رنگ اختیار کر لیتے اور یہ بات اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ وہ اپنے اولیاء مقربین کو غنا وتونگری کی بجائے فقر وتنگدستی میں ڈال دیتا ہے چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ اذا احب اللہ عبدا حماہ الدنیا کما یظل احدکم ویحمی سقیمه الماء کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہے تو اس کو دنیا اور دنیا کی لذتوں سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اس بیمار کو پانی سے بچاتا ہو جس کو پانی نقصان دیتا ہو، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو پسند نہیں فرمایا، الفاظ کی دلالت سے پہلے بیان کردہ معنی بہتر ہیں، آیت کے ظاہری الفاظ اور اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ اگر

تمام بندوں پر رزق پھیلا دیتا تو لوگ زمین میں بغاوت و سرکشی کرنے لگتے بعض حضرات کو یہ اشکال گزرا کہ جس طرح غنا و تونگری کے سبب سے بغاوت کا احتمال تھا تو اسی طرح فقر بھی تو بغاوت و نافرمانی کا ذریعہ ہو سکتا ہے ہی کیوں بغاوت کا ذکر فرمایا گیا، تو زمخشری رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ فقر کے ساتھ بغاوت و سرکشی کم ہوتی ہے اور اکثر مادۂ بغاوت، تونگری اور غنا سے پیدا ہوتا ہے، تو اس وجہ سے بغاوت کو بسط رزق کے ساتھ مخصوص فرما دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۵)

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾

اور وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ آس توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا سب تعریفوں کے لائق ف ۱

اور وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ، پیچھے اس سے کہ آس توڑ چکے، اور پھیلاتا ہے اپنی مہر اور وہی ہے کام بنانے والا خوبیوں سراہا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا

اور ایک اس کی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا اور زمین کا ف ۲ اور جس قدر بکھیرے ہیں ان میں جانور ف ۳ اور وہ جب

اور ایک اس کی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا اور زمین کا، اور جتنے بکھیرے ہیں ان میں جانور۔ اور وہ جب

يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾ ع

چاہے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے ف ۴ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ ف ۵

چاہے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی، سو بدلہ اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے، اور معاف کرتا ہے بہت۔

ف ۱ یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب و حالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تاکہ بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے، بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت و صواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔ اور ہر قسم کی کارسازی اور اعانت و امداد وہیں سے ہو سکتی ہے۔

(تنبیہ) اللہ کی رحمت و قدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہو سکتا ہے جیسے فرمایا ﴿فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اور ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾

ف ۲ یعنی جس طرح رزق پہنچانا اور اس کے اسباب (بارش وغیرہ کا) مہیا کرنا اس کے قبضہ میں ہیں۔ ان اسباب کے اسباب سماویہ و ارضیہ اور ان کے آثار و نتائج بھی اسی کی مخلوق ہیں۔

ف ۳ آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم میں سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔

ف ۴ یعنی جس نے بکھیرے وہ سب کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔

ف ۵ یعنی جیسی نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں، مصائب کا نزول بھی خاص اسباب و ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے۔ مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض اوقات والدہ کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے، یا کبھی کبھی ایک محلے والے یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے۔ اور مستقبل میں ان کے لیے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت گناہوں سے درگزر کرتی ہے۔ اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ =

وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنۡ

اور تم تھکا دینے والے نہیں بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا کام بنانے والا اور نہ مددگار ف۱ اور ایک

تم تھکانے والے نہیں بھاگ کر زمین میں۔ اور کوئی نہیں تم کو اللہ کے سوا کام بنانے والا، نہ مددگار۔ اور ایک

اٰیٰتِہِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿ؕ۳۲﴾ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی

اس کی نشانی ہے کہ جہاز چلتے ہیں دریا میں جیسے پہاڑ ف۲ اگر چاہے تھام دے ہوا کو پھر رہیں سارے دن ٹھہرے ہوئے اس کی

اس کی نشانی ہے چلتے جہاز دریا میں، جیسے پہاڑ۔ اگر چاہے تھام دے باؤ پھر رہ جائیں سارے دن ٹھہرے اس کی

ظَہۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿ۙ۳۳﴾ اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَیَعۡفُ عَنۡ

پیٹھ پر ف۳ مقرر اس بات میں پتے ہیں ہر قائم رہنے والے کو جو احسان مانے ف۴ یا تباہ کر دے ان کو بسبب ان کی کمائی کے اور معاف بھی کرے

پیٹھ پر۔ مقرر اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق مانے۔ یا تباہ کر دے ان کو ان کی کمائی سے، اور معاف بھی کرے

کَثِیۡرٍ ﴿۫۳۴﴾ وَّیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ

بہتوں کو ف۵ اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں میں کہ نہیں ان کے لیے بھاگنے کی جگہ ف۶ سو جو کچھ ملا ہے تم کو

بہتوں کو۔ اور جان لیں جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں میں۔ کہ نہیں ان کو بھاگنے کی جگہ۔ سو جو ملا ہے تم کو

شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّہِمۡ

کوئی چیز سو وہ برت لینا ہے دنیا کی زندگانی میں اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بہتر ہے اور باقی رہنے والا واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر

کچھ چیز ہو، سو برتنا ہے دنیا کے جیتے۔ اور جو اللہ کے ہاں ہے بہتر ہے اور رہنے والا واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر

= لکھتے ہیں "یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک۔ مگر نبی اس میں داخل نہیں (اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ ہوگا۔ اور سختی دنیا کی بھی آئے گی۔ اور قبر کی اور آخرت کی۔"

ف۱ یعنی محض اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے، مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے سوا کوئی دوسرا حمایت و امداد کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے۔

ف۲ یعنی جیسے زمین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوئے ہیں سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ف۳ یعنی ہوا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اگر ہوا کو ٹھہرا رکھے چلنے نہ دے تو تمام بادبانی جہاز دریا کی پیٹھ پر جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں۔ غرض پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔

ف۴ دریائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ انسان موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کو پہچانے۔

ف۵ یعنی چاہے تو مسافروں کے بعض اعمال کی پاداش میں جہازوں کو تباہ کر ڈالے اور اس تباہی کے وقت بھی بعض کو معاف فرما دے۔

ف۶ یعنی تباہ اس لیے کیے جائیں کہ ان کے بعض اعمال کا بدلہ ہو اور بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ ہاں! خدائی گرفت سے نکل کر بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "لوگ ہر چیز اپنی تدبیر سے سمجھتے ہیں اس وقت عاجز رہ جائیں گے۔" کوئی تدبیر بن نہ پڑے گی۔

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

بھروسہ رکھتے ہیں ف ا

بھروسہ رکھتے ہیں۔

پیغام بشارت ورحمت برائے بندگان خدادر حالت یاس وناامیدی وذکر دلائل قدرت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ : ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ... الی ... وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں ایسے مجرمین ونافرمانوں کی مذمت تھی، جو خداوند عالم پر جھوٹ بہتان باندھتے ہوں اوران کی ناکامی ومحرومی کا بیان تھا اب ان آیات میں اللہ رب العالمین اپنی ایک خاص رحمت وعنایت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ پروردگار عالم اپنی شان ربوبیت کے کس طرح اپنے بندوں پر مایوسی کے عالم میں بھی اپنی رحمت فرماتا ہے اس مضمون سے ایک طرف تو مجرمین کے بالمقابل مطیعین کے لیے رحمت وعنایت کا بیان ہے دوسری طرف آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک سے اس رنج وغم کو دور کرنا ہے جو کفار ومجرمین کی بغاوت ونافرمانی سے پیدا رہا تھا، اسی طرح اہل ایمان کو بھی تسلی مقصود تھی کہ ایک طبقہ کی مخالفت سے نہ پریشان ہوں اور نہ ہی مایوس ہوں، کیونکہ اللہ رب العزت کی شان رحیمی کا یہ عالم ہے کہ مایوسی کی حالت میں بارشیں برسا کر مردہ زمین کو زندہ اور بنجر علاقہ کو شاداب بنا دیتا ہے، اوراس کی قدرت کاملہ کی جونشانیاں دنیا کے سامنے ظاہر ہیں، ان کو دیکھ کر یقین کر لینا چاہئے، تو فرمایا اور وہی خدا ہے ایسا مہربان وکریم کہ بارش برساتا ہے بعداس کے کہ لوگ ناامید ہو چکے ہوں ❶ اور بکھیرتا ہے اپنی رحمت سارے عالم پر جس سے ہر قسم کے پھول میوے اور غلے اور نباتات پیدا ہوتے ہیں جو تمام انسانوں اور حیوانوں کی غذا اور منفعت کا سامان ہے اور وہی کارساز لائق حمد وستائش ہے، اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور ہراس جاندار چیز کا پیدا کرنا ہے جس کو ان کے درمیان متحرک بنایا۔ اور پھیلایا اور جس طرح اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ذریعے ایک ہی امر یعنی امر تکوین سے سارے عالم میں بکھیر دیا وہی خداوند عالم ان سب کو جمع کرنے پر بھی بڑا ہی قادر ہے جب بھی وہ چاہے اور وہ پروردگار جس طرح خالق منعم قادر ولی کارساز ہے اور ہر حالت میں قابل حمد وثنا ہے، بندوں سے عفو ودرگزر شان رحیمی اور کریمی کے باعث فرماتا ہے اسی طرح وہ منتقم اور صاحب جلال بھی ہے اور بندوں کے واسطے انتقام کا سلسلہ جاری فرمایا اس بنا پر ہر ایک کو یہی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ وہی ہر چیز کا خالق وپیدا کرنے والا ہے خواہ کوئی چیز خیر ہو یا شر راحت ہو یا تکلیف اور جو کچھ اے لوگو! تم کو مصیبت پہنچی ہے وہ ان ہی اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھ انجام دیتے ہیں۔ اور یہ مصیبت جو بطور مکافات عمل واقع ہوتی ہے

ف ا یعنی یہ تمام باتیں سننے کے بعد انسان کو چاہیے کہ اللہ کو راضی رکھنے کی فکر کرے اس چند روزہ زندگانی اور عیش فانی پر مغرور نہ ہو۔ اور خوب سمجھ لے ایمانداروں کو جو عیش وآرام اللہ کے ہاں ملے گا وہ اس دنیا کے عیش وآرام سے بہتر ہے اور پائدار بھی۔ نہ اس میں کسی طرح کی کدورت ہوگی نہ فنا وزوال کا کھٹکا ہوگا۔

❶ ابن کثیر ؒ نے قتادہ ؒ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عمر فاروق ؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین قحط ہو رہا ہے اور بارش نہیں برستی تو اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ۱۲

یہ نہیں کہ ہر برائی کا بدلہ ہو بلکہ وہ پروردگار تو درگزر فرمالیتا ہے بہت سی باتوں سے اور دنیاوی مصائب بہت ہی کم اعمال کا بدلہ ہوتے ہیں اور جب پروردگار عالم بندوں کے اعمال پر مؤاخذہ فرمائے تو تم ہرگز نہیں عاجز کر سکتے ہو اس کو زمین میں رہتے ہوئے زمین ہی میں انسان کے پاس مادی وسائل ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے سے آفات ومصائب کو ٹالنے کی کوشش کیا کرتا ہے تو جب اس عالم اسباب میں بھی وہ عذاب خداوندی اور اس کی گرفت کو نہیں ٹال سکتا تو آسمانوں کی بلائیں یا عالم آخرت کے مصائب اور سزاؤں کو کہاں ٹال سکے گا اور نہیں ہے تمہارے واسطے خدا کی سوا کوئی حامی ومددگار اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے جہاز وکشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں نمایاں اور بلند نظر آتی ہیں ظاہر ہے ان کا سمندر کی سطح پر چلنا خدا کی قدرت کی نشانیوں میں عظیم تر نشانی ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ سب جہاز وکشتیاں ٹھہر جانے والی ہو جائیں سمندر کی سطح پر۔ تو یہ سب کچھ اس کی قدرت ہے کہ ہوا چلاتا ہے، اور جہاز وکشتیاں پانی کی سطح پر چلتی ہیں۔ بے شک اس میں قدرت کی نشانیاں ہیں، ہر صبر اور شکر کرنے والے مومن کے لیے جہاں وہ پروردگار ہواؤں کے ذریعہ جہازوں اور کشتیوں کو رواں دواں رکھتا ہے اور اس طرح مخلوق کے منافع اس سے وابستہ ہیں تو یہ اس کی عنایت ورحمت کو رواں دواں رکھتا ہے اور اس طرح مخلوق کے منافع اس سے وابستہ ہیں تو یہ اس کی عنایت ورحمت ہے، خواہ وہ ان ہواؤں کے ذریعہ مخلوق پر انعام وکرم فرمائے یا اگر وہ چاہے تو ان ہی ہواؤں کو تیز وتند بنا کر ان کے ذریعہ ان جہازوں کو ہلاک وتباہ کرے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کیے ہیں، اور وہ تو بہت سے لوگوں سے درگزر فرماتا ہے اور وہ پروردگار جس طرح لوگوں کی بداعمالیاں اور برائیاں جانتا ہے اس طرح وہ ان بدمزاج اور کج رو لوگوں کو بھی جانتا ہے جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں، حال یہ ہے کہ ان کے واسطے کوئی بچاؤ نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی خدا کے مؤاخذہ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں، یہ مجرم وباغی دنیا کی دولت اور مادی وسائل سے دھوکہ میں مبتلا ہیں، اور ان کی یہ سب کچھ نخوت وبغاوت دنیاوی زندگی ہی پر غرور کی وجہ سے ہے، سواے لوگو! سن لو جو کچھ بھی تم کو دنیا کی چیزوں میں سے دیا گیا سو وہ محض چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔ عارضی نفع اٹھانے کے لیے انسان کی زندگی فانی ہے، اور سارا عالم بھی اسی طرح فانی ہے اس لیے ہر ایک کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ سارا ساز وسامان بھی ختم ہو جائے گا۔ اور جو کچھ اجر وثواب اور نعمتیں اللہ کے یہاں میں وہی بہتر ہیں اور پائیدار ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لیے عقل کا تقاضا ہے کہ دنیا کی فکر اور طلب کو چھوڑ کر آخرت کی فکر اور طلب میں لگ جانا چاہئے اور دنیاوی مال ودولت سے مغرور ہو کر خدا کے ساتھ بغاوت کا طرز نہ اختیار کرنا چاہئے، ﴿وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ﴾ کی تفسیر میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں یعنی جیسی نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات واحوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں، مصائب کا نزول بھی خاص اسباب وضوابط کے ماتحت ہوتا ہے مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں کی کے بعض اعمال وافعال ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ والدہ کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا

شہر والوں کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے، یہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو، گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لیے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے، اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت سے گناہوں سے درگزر کرتی ہے، اگر ہر جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب عاقل و بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک، مگر نبی اس میں داخل نہیں (اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ ہوگا اور سختی دنیا کی بھی آ گئی اور قبر اور آخرت کی بھی۔

غرض مصائب کے نزول کا راز اور اس کی حکمت بتا دی گئی اور یہ بھی الفاظ کی دلالت سے ظاہر ہو گیا، مصائب کا عموم ہے خواہ دنیاوی ہوں یا قبر و آخرت کی۔

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی بندے کے گناہ زائد ہو جائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ان گناہوں کے کفارہ کے واسطے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی غم اور فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے، بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرمایا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھ کر بھول جائے تو بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے کسی گناہ ہی کی بدولت اس نعمت سے محرومی واقع ہوئی ہے، اور پھر یہ آیت تلاوت کی اور افسردگی کے لہجہ میں فرمایا، اور کون سی مصیبت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم بھلا دیا جائے۔ اللھم احفظنا منه وارزقنا تلاوته اناء اللیل واطراف النهار واجعله لنا حجة یا رب العلمین۔ آمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ معاف کر دیتے ہیں ف۱

اور جو بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے اور جب غصہ آئے وہ معاف کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا

اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے ف۲ اور ہمارا

اور جنہوں نے حکم مانا اپنے رب کا اور کھڑی کی نماز۔ اور ان کا کام ہے مشورہ سے آپس کے۔ اور ہمارا

ف۱ اس کا بیان سورۂ "نساء" کی آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ کے فوائد میں گزر چکا، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ شاید یہاں "کبائر الاثم" سے وہ بڑے گناہ مراد ہوں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً عقائد بدعیہ اور "فواحش" وہ گناہ جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالی کو دخل ہو۔ آگے ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ میں تو ظاہر ہے کہ قوت غضبیہ کی روک تھام کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہمات امور میں برابر اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں مشورہ کرتے تھے حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل و احکام کی نسبت بھی۔ بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں اور جو قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں۔ جو چیز منصوص ہو اس میں رائے و مشورہ کے کوئی معنی نہیں۔ اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو۔ ورنہ اس کی بیوقوفی یا بد دیانتی سے کام خراب ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝۳۹ وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ

دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان پر ہووے چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں ف۱ اور برائی کا بدلہ ہے

دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جب ہوئے ان پر چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ

سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰ وَلَمَنِ

برائی ویسی ہی ف۲ پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ بیشک اس کو پسند نہیں آتے گنہگار ف۳ اور جو کوئی

برائی ویسی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے، سو اس کا ثواب ہے اللہ کے ذمے، بے شک اس کو خوش نہیں آتے گنہگار۔ جو کوئی

انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۱ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

بدلہ لے اپنے مظلوم ہونے کے بعد سو ان پر بھی نہیں کچھ الزام ف۴ الزام تو ان پر ہے جو

بدلہ لے اپنے ظلم پر سو ان پر بھی نہیں الاہنا۔ الاہنا تو ان پر جو

يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۲

ظلم کرتے ہیں لوگوں پر ف۵ اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق ان لوگوں کے لیے ہے عذاب دردناک

ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق۔ ان لوگوں کو ہے دکھ کی مار۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۴۳ ع ۱۴

اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا بے شک یہ کام ہمت کے ہیں ف۶

اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا، بے شک یہ کام ہمت کے ہیں۔

بیان اوصاف اہل ایمان وتقویٰ وحسن اخلاق معاشرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ ... الی ... لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

ف۱ یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز وقصور کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے معاف کر دیا۔ یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم وزور سے دبانے کی کوشش کرے، یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر کر کے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے، ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں، وہ بھی بقدر اس کی زیادتی کے جرم سے زائد سزا نہیں دیتے۔

ف۲ بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقتاً نہیں محض صورۃً برائی ہوتی ہے۔ "سیئۃ" کا اطلاق اس پر مشاکلۃً کیا گیا۔

ف۳ یعنی ظلم اور زیادتی تو اللہ کے ہاں کسی حالت میں پسند نہیں۔ بہترین خصلت یہ ہے کہ آدمی جتنا بدلہ لے سکتا ہے اس سے بھی درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگزر کرنے میں بات سنورتی ہو۔

ف۴ یعنی مظلوم ظالم سے بدلہ لینا چاہے تو اس میں الزام اور گناہ کچھ نہیں۔ ہاں معاف کر دینا افضل واحسن ہے۔

ف۵ یعنی ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا انتقام لینے میں حد استحقاق سے بڑھ جاتے ہیں۔

ف۶ یعنی غصہ کو پی جانا اور ایذائیں برداشت کر کے ظالم کو معاف کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس بندہ پر ظلم ہو اور وہ محض اللہ کے واسطے اس سے درگزر کرے تو ضرور ہے کہ اللہ اس کی عزت بڑھائے گا اور مدد کرے گا۔

ربط:......گزشتہ آیات میں دنیوی زندگی کا فانی ہونا بیان فرمایا گیا تھا اور یہ کہ دنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں درحقیقت ایک دھوکہ ہے اس میں پڑکر انسان کو آخرت سے غفلت نہ اختیار کرنی چاہیے اب ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کیے جارہے ہیں ایسے اوصاف جن کے باعث ایک طرف ان کی زندگی کا وہ رخ جو اللہ کے ساتھ ہے وہ بھی نہایت اعلیٰ اور اکمل معلوم ہوتا ہے دوسری طرف حسن اخلاق اور معاشرت کی عظمت و برتری ظاہر ہورہی ہے، فرمایا اور وہ لوگ جو ایمان وتوکل کی صفت سے متصف ہونے کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے اور جب ان کو غصہ آئے تو وہ درگزر کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کی اور نماز کی پابندی کی اور ان کے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں، اور جب ان پر ظلم وزیادتی ہو وہ صرف بدلہ ہی لیتے ہیں۔ نہ کہ جذبہ انتقام میں حد سے بڑھ جائیں، اور ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ ویسا ہی برائی کا معاملہ کر لینا ہے جیسا کہ کہا گیا، لیکن اگر کوئی شخص معاف کر دے اور باہمی معاملہ درست کر لے۔ بجائے انتقام لینے کے تو بے شک اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص بدلہ لے اور اپنے او پر ظلم ہونے کے بعد نہ کوئی زیادتی کرے تو بے شک ایسے لوگوں پر کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں، بے شک مؤاخذہ ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی اور تکبر کرتے ہیں تو یقیناً ایسے لوگوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے، اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ کام بڑی ہی پختگی اور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ تو جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے خدا کے یہاں ان کا بہت بلند مقام ہوگا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہل ایمان کے جو اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ان میں عقائد، فرائض، عبادات، معاملات ومعاشرت اور محاسن اخلاق کی تمام عظمتوں اور خوبیوں کو جمع فرمادیا، اور ان اوصاف کے ضمن میں یہ بات ظاہر فرمادی گئی کہ ایمان اور کمالات ایمان ہی دراصل وہ خوبیاں ہیں جن کی بدولت آخرت کی سعادت وفلاح کے ساتھ معاشرتی فلاح اور بلندیاں بھی انسان کو حاصل ہوسکتی ہیں، ظالم سے ظلم کا بدلہ لینا درست ہے لیکن زیادتی اور تعدی کسی طرح جائز نہیں اور اگر صبر وعفو سے کام لے تو بہت ہی بہتر ہے، جیسے کہ آنحضرت ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد تمام سرداران قریش کو جو ہمیشہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ کو ستانے میں پیش پیش رہے، مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے میدان کارزار میں آتے رہے عام معافی کا اعلان فرمادیا اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ظالم بھائیوں کو باوجود قدرت انتقام کے یہ کہہ کر معاف کرتے رہے، ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ آج کے دن تم پر کوئی ملامت ومؤاخذہ نہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی ان سب کو اعلان عفو ودرگزر سے نوازتے رہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے ایک خادم عبدالصمد بن یزید رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ میں نے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے تو تم یہ کہہ دیا کرو اے میرے بھائی اس کو معاف کر دو، اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں اس کو معاف کروں تو پھر اس کو یہ کہو کہ اگر بدلہ ہی

لینا ہے تو اس طرح لو جیسے اللہ نے اس کو اجازت دی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اور ان کی شان میں توہین کر رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے اور یہ باتیں سن کر تعجب فرما رہے تھے اور مسکرا رہے تھے، جب وہ شخص بہت ہی زیادتی کرنے لگا اور حد سے بڑھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی کسی بات کا جواب دیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی اور مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جانے لگے، ابو بکر رضی اللہ عنہ فوراً ہی دوڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص مجھ کو گالیاں دے رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے، لیکن جب میں نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناگواری سے اٹھ کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے ابو بکر رضی اللہ عنہ جب تک تم خاموش رہے تو ایک فرشتہ تمہارے ساتھ تھا جو تمہاری بات کا جواب دے رہا تھا، لیکن جب تم اس پر غضبناک ہوئے تو فرشتہ اٹھ کر چلا گیا، اور تمہارے درمیان شیطان آ گیا، اور ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں تھا کہ شیطان کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا رہوں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ تین چیزیں برحق ہیں ایک یہ کہ جس کسی پر بھی ظلم کیا جائے گا پھر اس سے چشم پوشی اور درگزر کرے محض اللہ کے لیے تو اللہ اس کو عزت و سربلندی عطا فرمائے گا، اور اسکی مدد فرمائے گا، اور جو شخص بھی عطا و بخشش کا دروازہ کھولے گا تو اس پر اللہ کی طرف سے برکت و فراخی کا دروازہ کھلے گا اور جو شخص سوال اور بھیک مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے واسطے اللہ کی طرف سے قلت و تنگی ہی کا دروازہ کھلے گا۔

حلم و درگزر اور صبر و عفو انسانی کمالات میں عظیم ترین کمال ہے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مہاجرین اولین کے اوصاف و احوال کو صراحۃً اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خصوصیات کو اشارۃً ذکر فرما دیا ہے، ابتداء میں مہاجرین اولین کے وصف ایمان اور توکل کو بیان فرمایا کہ نہایت ہی عسرت تنگی میں ہجرت کی اور محض اسلام کی خاطر اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کی وجہ سے اپنا وطن گھر بار چھوڑا اپنے عزیز و اقرباء حتی کے اہل و عیال، تجارت، مال و دولت اور جائیداد سب کچھ اللہ کے لیے چھوڑ اشدائد کا مقابلہ کرتے رہے اس وصف کے بعد ﴿الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ﴾ میں وصف عفت و عدل کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ تہذیب نفس، قوت بہیمیہ (شہویہ) اور قوت سبعیہ (قہر و غضب) کو عقل کے تابع کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس آیت کے عموم میں انصار اور ان کے اتباع بھی شامل ہیں، اور ﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ﴾ خصوصیت کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں وہ سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ثابت ہوئے اجابت حق تسلیم و انقیاد اور اقامت صلوٰۃ آپ علیہ الرضوان کا معروف اور نمایاں وصف تھا اور اقامت صلوٰۃ کا یہ نمایاں وصف اس امر کا باعث بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں انہی کو اپنی جگہ امامت کے لیے مامور فرمایا اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بار بار اس کو ٹلاتی رہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی فرماتے "مروا ابابکر لیصل بالناس"۔ یعنی کہو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور لفظ ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا معروف وصف شوریٰ تھا آپ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں کوئی امر بدون فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے نافذ نہیں کیا کرتے تھے اسی وجہ سے ملت اسلامیہ کا عظیم ترین سرمایہ وہ ذخیرہ اجماعیات ہے یعنی وہ امور ہیں جن پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اجماع ہو چکا تھا۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾.

ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجماعیات اللہ کے نزدیک صحیح اور پسندیدہ بلکہ قابل مدح وتحسین ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جس کو حق تعالیٰ نے بطور مدح ذکر فرمایا، اور ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے یہی ان کا امتیازی وصف تھا اور اسی انفاق فی سبیل اللہ کے باعث بشارت عظیم سے فائز ہوئے۔

اور ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ﴾ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منطبق ہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں باغیوں سے بغاوت پر جہاد وقتال کیا اور آیت ﴿سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ سے انتقام کی اجازت دی گئی، مگر عفو اور اصلاح وچشم پوشی اور درگزر کو افضل اور بہتر فرمایا گیا عجب نہیں کہ اس لفظ "واصلح" سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح فرمائی، اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، ان ابنی هذا سید ویصلح اللہ به بین فئتین عظیمتین۔ یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا اور چونکہ لفظ "واصلح" مسلمانوں کے درمیان اتفاق واقع ہونے اور باہمی نزاع وتفرقہ اٹھ جانے پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس میں ایک لطیف اشارہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وحکومت کی طرف بھی ہے کیونکہ "واصلح" کا مقام مدح میں ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ صلح عند اللہ صحیح اور معتبر ہوگی تو اس طرح اس مصالحت کے نص قرآنی کے اشارہ سے حق ہونا معلوم ہوا ہے، اور ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ﴾ سے اشارہ امراء بنی امیہ کی جانب ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی، اور اخیر میں ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ سے ایسے ثابت قدم علماء ربانیین کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے امراء وسلاطین کے جور وظلم پر صبر کیا، اور اس اندیشہ سے کہ امت انتشار وافتراق کا شکار نہ ہو جائے، مسلمانوں کو امیر وقت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے منع کیا اور باوجود کراہت کے اطاعت قبول کی، اور اس گروہ کے سرخیل اور امام علی بن الحسین رضی اللہ عنہ تھے وعن آبائہ الکرام (حضرات قارئین تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء از ص ۵۹۲ کی مراجعت فرمائیں)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور جس کو راہ نہ سجھائے اللہ تو کوئی نہیں اس کا کام بنانے والا اس کے سوا ف۱ اور تو دیکھے گناہ گاروں کو جس وقت دیکھیں گے عذاب

اور جس کو راہ نہ دے اللہ، تو کوئی نہیں اس کا کام بنانے والا اس کے سوا۔ اور تو دیکھے گناہ گاروں کو، جس وقت دیکھیں گے عذاب

ف۱ یعنی اللہ کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی کو عدل وانصاف اور صبر ومغفرت کی اعلیٰ صفتیں حاصل ہو سکتی ہیں وہ ان بہترین اخلاق کی طرف راہ نہ دے تو کون ہے جو ہاتھ پکڑ کر اخلاقی پستی اور رسوائی کے گڑھے سے ہم کو نکال سکے۔

يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ

کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہوگی کوئی راہ ف۱ اور تو دیکھے ان کو کہ سامنے لائے جائیں آگ کے

کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہوگی کوئی راہ ؟ اور تو دیکھے ان کو سامنے لائے گئے ہیں آگ کے، نوے

يَنظُرُونَ مِن طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ

آنکھیں جھکائے ہوئے ذلت سے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے ف۲ اور کہیں وہ لوگ جو ایمان دار تھے مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں جنہوں نے گنوایا اپنی جان کو

آنکھیں ذلت سے، دیکھتے ہیں چھپی نگاہ سے۔ اور کہتے ہیں جو ایمان دار تھے، مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں، جنہوں نے گنوائی اپنی جان

وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ

اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن ف۳ سنتا ہے گناہ گار پڑے ہیں سدا کے عذاب میں اور کوئی نہ ہوئے

اور اپنا گھر قیامت کے دن۔ سنتا ہے ! گناہ گار پڑے ہیں سدا کی مار میں۔ اور کوئی نہ ہوئے

أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾ اسْتَجِيبُوا

ان کے حمایتی جو مدد کرتے ان کی اللہ کے سوا اور جس کو بھٹکائے اللہ اس کے لیے کہیں نہیں راہ ف۴ مانو

ان کے حمایتی جو مدد کرتے ان کی اللہ کے سوا۔ اور جس کو بھٹکائے اللہ اس کو کہیں نہیں راہ۔ مانو

لِرَبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم

اپنے رب کا حکم اس سے پہلے کہ آئے وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کے یہاں سے ف۵ نہیں ملے گا تم کو بچاؤ اس دن اور نہ ملے گا

اپنے رب کا حکم، اس سے پہلے کہ آئے ایک دن، جو پھرنا نہیں اللہ کے ہاں سے۔ نہ ملے گا تم کو بچاؤ اس دن، اور نہ ملے گا

مِّن نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَإِنَّا

الوپ ہوجانا ف۶ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر نگہبان تیرا ذمہ تو بس یہی ہے پہنچا دینا ف۷ اور ہم

الوپ ہوجانا۔ پھر اگر وہ ٹلا دیں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر نگہبان۔ تیرا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا۔ اور ہم

إِذَا أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت اس پر پھولا نہیں سماتا اور اگر پہنچتی ہے ان کو کچھ برائی بدلے میں اپنی کمائی کی

جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے مہر اس پر ریجھتا ہے اور اگر پہنچتی ہے ان کو کچھ برائی، بدلہ اپنی کمائی کا

ف۱ یعنی کوئی ایسی سبیل بھی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پھر واپس کر دیے جائیں اور اس مرتبہ وہاں سے خوب نیک بن کر حاضر ہوں۔

ف۲ یعنی ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف اور ذلت وندامت کے مارے نیچی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ کسی سے پوری طرح آنکھ نہیں ملاسکیں گے۔

ف۳ یعنی بدبخت اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی لے ڈوبے۔ سبھی کو تباہ و برباد کر کے چھوڑا۔

ف۴ یعنی نہ دنیا میں ہدایت کی، نہ آخرت میں نجات کی۔

ف۵ یعنی جیسے دنیا میں عذاب موخر ہوتا اور ٹلتا چلا جاتا ہے، اس دن نہیں ٹلے گا۔ .... =..

فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ

تو انسان بڑا ناشکرا ہے ف۱ اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کرتا ہے جو چاہے بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو

تو انسان بڑا ناشکر ہے۔ اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ بخشتا ہے جس کو

يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ

چاہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے

چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے۔ یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں۔ اور کرتا ہے جس کو چاہے

عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

بانجھ وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا ف۲

بانجھ۔ وہ ہے سب جانتا کر سکتا۔

قباحت حال ومحرومی وذلت کفار روز قیامت وبیان کمزوری فطرت انسان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ ... الی ... اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾

ربط:...... اس سے قبل آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور ان کے اوصاف خاصہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں گمراہوں اور مجرموں کی بدنصیبی ذلت ومحرومی کا بیان ہے، ساتھ ہی انسان کی اس فطری کمزوری کا بھی بیان ہے جو اکثر مراحل میں اس کو افعال رذیلہ اور خصائص ذمیمہ کا مرتکب بناتی ہے ارشاد ہے اور جس کو گمراہ کردے اللہ تو پھر اس کے بعد اس کے واسطے کوئی چارہ ساز نہیں کہ اس کو ہدایت دیدے، اور اے مخاطب تو دیکھے گا قیامت کے روز ظالموں کو جبکہ وہ عذاب خداوندی دیکھتے ہوں گے کہتے ہوں گے کیا ہے ہمارے واسطے دنیا کی طرف لوٹنے کی کوئی سبیل تا کہ اب ہم ایمان لا کر ایمان صالح کرلیں، جیسا کہ دوسرے موقع پر ان کی اس تمنا کو ذکر فرمایا گیا ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ ﴿غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ اور اے

= ف۶ یعنی مکر جانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور ابن کثیر نے یوں معنی کیے ہیں کہ کوئی موقع ایسا نہ ملے گا جب تم پہچانے نہ جاؤ۔

ف۷ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ دار نہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کر رہے ہیں۔ یہ نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔

ف۱ یعنی ان کے اعراض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین نہ ہوں۔ انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے (الا من شاء اللہ) کہ اللہ انعام واحسان فرمائے تو اکڑنے اور اترانے لگتا ہے۔ پھر جہاں اپنی کرتوت کی بدولت کوئی افتاد پڑگئی، بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکرا بن جاتا ہے کہ گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ فراخی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی۔ اپنی حد پر قائم نہیں رہتا البتہ مومنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراخی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اس کے انعامات واحسانات کو فراموش نہیں کرتے۔

ف۲ یعنی سختی ہو یا نرمی سب احوال خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کی سلطنت اور اسی کا حکم چلتا ہے جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جس کو چاہے دے، جس کو چاہے نہ دے۔ دنیا کے رنگارنگ حالات کو دیکھ لو کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں، کسی کو صرف بیٹے، کسی کو دونوں، جڑواں یا الگ الگ۔ اس میں کسی کا کچھ دعویٰ نہیں۔ وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے اور وہی اپنے علم وحکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے یا اس کی تخلیق وتقسیم پر حرف گیری کر سکے، عاقل کا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے نرم وگرم حالات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ اپنی ناچیز حقیقت کو پیش نظر رکھ کر تکبر یا کفران نعمت سے باز رہے۔

ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو جہنم پر پیش کیا جارہا ہوگا اس حال میں کہ ذلت کی وجہ سے وہ سرنگوں اور دیکھتے ہوں گے چھپی چھپی نگاہ سے جیسے مجرم ذلت وشرمساری سے اپنے اوپر واقع ہونے والی سزا خوف وذلت کی کیفیت سے دیکھتا ہو، اور اس کو جرأت بھی نہ ہو کہ کوئی چیز نگاہ اٹھا کر دیکھ لے اور اس وقت ایمان والے کہتے ہوں گے اپنی نجات وکامیابی پر شکر کرتے ہوئے اور خوشی کے جذبہ سے بے شک پورا پورا خسارہ اٹھانے والے لوگ وہی ہیں جنہوں نے ہلاکت وخسارہ میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں متعلقین کو قیامت کے روز بے شک ظالم لوگ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہیں اور ایسے ظالموں کے واسطے کوئی مددگار بھی نہ ہوں گے، جو ان کی مدد کر سکیں خدا کو چھوڑ کر اور حقیقت یہی ہے کہ جس کو خدا گمراہ کردے اس کے واسطے کوئی راستہ ہی نہیں ہے قبول حق اور ہدایت کا اس صورت حال کا تقاضا یہی ہے کہ اے انسانو! قبول کرلو اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری اس سے قبل کہ وہ دن عذاب خداوندی کا آجائے جس کا کوئی لوٹانے والا نہ ہوگا، درآنحالیکہ اس دن تمہارے واسطے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے کوئی روک ٹوک ہی کرنے والا ہوگا کہ اللہ رب العزت سے یہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں ہورہا ہے، یہ حقائق ایسے ہیں کہ ان کو سن کر کسی بھی شخص کو اعراض نہ کرنا چاہئے لیکن پھر بھی اگر یہ لوگ اعراض کریں اور ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ اس کی وجہ سے غم اور ملال نہ کریں اس لیے کہ ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے جس کے باعث آپ ﷺ سے باز پرس کی جائے۔ آپ ﷺ کے ذمہ تو صرف پیغام خداوندی پہنچا دینا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اس اعراض کا سبب تعلق مع اللہ کا ضعف ہے جو ان کی اس حالت سے معلوم ہوتا ہے، جو اکثر انسانوں میں پائی جاتی ہے کہ جب ہم اس قسم کے کسی انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہونے لگتا ہے اور اتراتا ہے اور اگر ایسے لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ اپنے ہاتھوں سے پہلے کر چکے ہیں تو پھر ایسا آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور وہ نہ اللہ کے انعام کو سمجھتا ہے، اور نہ اپنے کئے ہوئے گناہوں سے تائب ہوتا ہے اور نہ عملی طور پر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، غرض اپنی اس فطری کمزوری اور خرابی کے باعث اس طرح کی ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے اور ایسے انسان کی یہ حالت بتاتی ہے کہ اس کو حق تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں وہ محض اپنی خواہشات نفسانیہ کے پیچھے لگا ہوا ہے، لہٰذا ایسے بدنصیبوں کو کہاں سے توفیق ہوسکتی ہے اور وہ کیسے ہدایت قبول کرسکتے ہیں اس لیے اے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ اس غم میں اپنے کو ہلاک نہ کریں، اور زائد فکر و پریشانی میں نہ پڑیں، اللہ رب العزت کائنات کا مالک اور خالق ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے جس طرح انواع واقسام مخلوقات میں پیدا کیں ان میں تفاوت مراتب رکھا خیر وشر کی تقسیم کی، اسی طرح رب العزت نے انسانوں میں عقائد واعمال کے لحاظ سے بھی تقسیم فرمادی کوئی راہ راست پر ہے، اور خیر کے کاموں میں لگا ہوا ہے اور کوئی گمراہی پر ہے اور فواحش ومعاصی میں مبتلا ہے۔ بے شک اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی جو چاہے پیدا کرے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے ● اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا جن

● بغوی ؒ نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام کہ ان کی صرف بیٹیاں تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کے صرف بیٹے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بیٹیوں کا ثبوت نہیں ملتا، اور آنحضرت ﷺ کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں جمع کی گئیں، اگرچہ آپ ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے صاحبزادوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہے، کیونکہ ممکن تھا کہ کسی صاحبزادے کی موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کے بعد لوگ ان کو آپ ﷺ کے قائم مقام پیغمبر کہنے لگتے، اور اللہ کے پیغمبروں میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ پیغمبر گزرے کہ جن کی کوئی اولاد ہی نہ تھی۔ ۱۲

کے واسطے چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو جمع کر دیتا ہے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دیتا ہے بے شک وہ بڑا ہی جاننے والا بڑی ہی قدرت والا ہے تو بالکل اسی طرح ہر انسان میں جیسے افعال وخصائل چاہے وہ پیدا فرما دیتا ہے اور جس طرح کسی کو عقیم و بے اولاد بنانا اسی کی قدرت ہے اسی طرح کسی انسان سے ہر طرح کی خیر اور نفع کی توقع ختم ہو جانا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچا دے

اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ، مگر اشارے سے یا پردہ کے پیچھے سے، یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچا دے

بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا

اس کے حکم سے جو وہ چاہے ف۱ تحقیق وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا ف۲ اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے ف۳ تو

اس کے حکم سے جو چاہے وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا۔ اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے۔ تو

ف۱ کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافہۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے۔ اسی لیے کسی بشر سے اس کے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں ہیں (الف) بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں پیش آیا۔ (ب) بواسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے۔ بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صوت کا ہوتا ہو۔ جو اس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے۔ میرے خیال میں یہ صورت ہے جس کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "یاتینی فی مثل صلصلة الجرس" سے تعبیر فرمایا ہے اور صحیح بخاری کے ابواب بدء الخلق میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان ملک کی تصریح موجود ہے۔ اس کو حدیث میں " وھو اشدہ علی " فرمایا اور شاید وحی قرآنی بکثرت اسی صورت میں آتی ہو جیسا کہ " نزل به الروح الامین علی قلبك" اور " فانه نزله علی قلبك باذن الله" میں لفظ " قلبك " سے اشارہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں اس لیے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ " وحیا " سے تعبیر کیا۔ کیونکہ لغت میں " وحی " کا لفظ اخفاء اور اشارہ سریہ پر دلالت کرتا ہے۔ (ج) تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آ جائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت جبرائیل ایک دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور اکثر مرتبہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں۔ اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان ان کی آواز سنتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے یہ دوسری صورت ہے۔ اور میرے خیال اسی کو آیت ہذا میں " او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشآء " سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ باقی حجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اندر تھی اس لیے عائشہ کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔

ف۲ یعنی اس کا علو مانع ہے کہ بے حجاب کلام کرے اور حکمت مقتضی ہے کہ بعض صورتیں ہم کلامی کی اختیار کی جائیں۔

ف۳ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اس جگہ روح سے مراد فرشتہ لیا ہے۔ یعنی جبرائیل امین۔ اور یہ بعض مفسرین کی رائے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خود قرآن کریم کو روح سے تعبیر فرمایا کیونکہ اس کی تاثیر سے مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ اور انسان کو ابدی حیات نصیب ہوتی ہے۔ دیکھو لو جو قوم کفر و ظلم اور بداخلاقی کی موت مر چکی تھیں کس طرح قرآن نے ان میں جان تازہ ڈال دی۔

كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ

نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ف۱ لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں

نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان، پر ہم نے رکھی ہے یہ روشنی، اس سے راہ دیتے ہیں جس کو چاہیں

عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اپنے بندوں میں ف۲ اور بیشک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ ف۳ راہ اللہ کی اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں

اپنے بندوں میں۔ اور تو البتہ سجھاتا ہے سیدھی راہ۔ راہ اللہ کی، جس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ع

اور زمین میں ف۴ سنتا ہے اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام ف۵

اور زمین میں۔ سنتا ہے! اللہ ہی تک پہنچ ہے کاموں کی۔

اثبات رسالت نبی کریم ﷺ وتحقیق اقسام وحی

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ ... الی ... تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ﴾

ربط:...... اس سورت کا آغاز وحی کے مضمون سے تھا درمیان میں دلائل نبوت وتوحید بعث ونشر قیامت جزاء وسزا اور مجرمین ومطیعین کے احوال کا بیان فرمایا گیا اب سورت کا اختتام پھر مضمون وحی سے فرمایا جا رہا ہے تاکہ سورت کے مضمون کا آغاز اور اس کی انتہا باہم مربوط ہو جائے اور ربط کی یہ خصوصیت اکثر سورتوں کے مضامین میں پائی جاتی ہے، اور بلغاء کے نزدیک کلام اللہ کی یہ بھی ایک شان ہے، ان آیات میں مسئلہ نبوت کی تحقیق اور وحی کے اقسام کی تفصیل بیان کر کے مخالفین اور بالخصوص یہود کے ایک شبہ کا جواب دینا بھی مقصود ہے، یہود کہا کرتے تھے کہ اگر محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سے بلاواسطہ اس طرح ہمکلام ہوتے جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اللہ ہمکلام ہوا تھا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کا سبب نزول اسی اعتراض کو بیان کیا ہے یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کیوں نہیں کرتے۔ اور کیوں نہیں بالمشافہ اللہ کو دیکھتے ہو، اگر آپ ﷺ نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہ راست کلام کریں اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کو دیکھیں، جب تک آپ ﷺ ایسا نہیں کریں گے ہم آپ کی بات پر یقین نہیں کریں گے، آنحضرت ﷺ نے جواب دیا:

ف۱ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں پہلے سے کہاں معلوم تھیں گو نفس ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے۔

ف۲ یعنی قرآن کی روشنی میں جن بندوں کو ہم چاہیں سعادت وفلاح کے راستہ پر لے چلتے ہیں۔

ف۳ یعنی آپ تو سب بندوں کو قرآن کریم کے ذریعہ سے اللہ تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔

ف۴ یعنی سیدھی راہ وہ، جس پر چل کر آدمی خدائے واحد تک پہنچتا ہے۔ جو اس راہ سے بھٹکا خدا سے الگ ہوا۔

ف۵ یعنی جب سب کاموں کا انجام اسی کی طرف ہے تو چاہیے کہ آدمی شروع سے اس انجام کو سوچ لے اور اپنے اختیار سے ایسے راستہ پر چلے جو سیدھا اس کی بارگاہ تک پہنچنے والا ہو۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم وثبتنا علیہ۔ تم سورۃ الشوریٰ۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو خدا کو نہیں دیکھا (یہ تم غلط کہتے ہو اور اسی طرح انہوں نے اللہ سے براہ راست بلا واسطہ تو کلام نہیں کیا بلکہ از پس پردہ کلام ہوا تھا) اور یہ آیات نازل ہوئیں، ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾ الخ (قرطبی: ۱۶/ ۵۳)

تو ان آیات میں اقسام وحی کی تحقیق کرتے ہوئے، یہود کی اس بات کا بھی رد کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو دیکھا اور بلا واسطہ کلام کیا تھا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے، ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾۔ اور کسی بھی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ اس سے بلا واسطہ یا بالمشافہ اس کے روبرو اس سے کلام کرے۔ مگر یا تو اشارہ سے کہ باطنی طور سے بحالت بیداری بطریق الہام اس کے دل میں کسی چیز کا القاء کر دے یا بحالت خواب اسکو خواب میں کوئی چیز دکھلا دے یا بتلا دے خواہ یہ القاء الفاظ کے ساتھ ہو یا صرف معنی کے ساتھ دے یا یہ کہ پردے کے پیچھے سے کلام کرے کہ کلام تو سنائی دے مگر متکلم نظر نہ آتا ہو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی قاصد بھیج دے فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو جو کسی آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر پھر وہ اللہ کی وحی پہنچا دے اس کے حکم سے وہ چاہے غرض یہی تین صورتیں ہیں، جو خداوند عالم کی اپنے سے ہمکلامی کی ہو سکتی ہیں، ان تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کسی بشر کے ساتھ اس شکل میں کلام کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت ہی بلند مرتبہ والا بڑا ہی حکیم ہے اور جس طرح ہم نے اور پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی ہے اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ ﷺ کی طرف روح ہدایت یعنی قرآن کو بذریعہ وحی بھیجا وہ قرآن کریم جو قلوب کے واسطے روح ہے کہ جیسے بدن کی حیات بغیر روح کے ممکن نہیں اسی طرح دلوں کی حیات وزندگی قرآن کریم جو قلوب کے واسطے روح ہے اور یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ تو اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے امی ہونے کی وجہ سے جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے جس کی طرف اب آپ ﷺ دنیا کو دعوت دے رہے ہیں لیکن ہم نے بنایا ہے اس قرآن کو نور ہدایت جو آپ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا، جس کے ذریعے ہم راستہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ جو تمام عالم کے واسطے نور ہدایت اور نور مبین ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ آفتاب عالم تاب کی روشنی میں کوئی بینا آدمی ذرہ برابر شبہ نہیں کر سکتا، ظاہر ہے کہ ایسے نور مبین کا منکر نابینا ہی ہو سکتا ہے۔ بے شک اے پیغمبر آپ ﷺ اس نور ہدایت کے ذریعہ مخلوق خدا کو سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو ایسے خدا کا راستہ ہے جس کے واسطے ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔ وہ سب کا خالق و مالک ہے آگاہ ہو جاؤ خدا ہی کی طرف خلائق کے تمام امور لوٹتے ہیں۔ اسی کے حکم سے ہر چیز ہوتی ہے اور ہر امر کا فیصلہ اور عمل کا انجام بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اہل ایمان وہدایت اور نیکوں کو وہی جزا دے گا اور جو لوگ راہ حق اور ہدایت سے برگشتہ ہوں گے ان کو سزا دے گا، اس لیے ضروری ہے کہ ہادی برحق کی اطاعت کرو، اور ان کے احکام کی پیروی کرو، اسی میں نجات و کامیابی ہے۔

وحی کا مفہوم

امام راغب رحمہ اللہ نے مفردات میں لفظ وحی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا، اشارۃ سریعۃ فی خفیۃ۔ یعنی

پوشیدہ اور مخفی طور سے ایک سریع اشارہ اور رمز، لفظ خفیۃ سے تو یہ ظاہر کیا کہ وحی الٰہی کا تعلق ظاہری حواس کے ادراک اور احساس سے نہیں یہ باطنی مدرکات اور شعور سے تعلق رکھنے والا امر ہے، اور لفظ سریعۃ کی دلالت یہ بتا رہی ہے کہ وہ ایک آن کی آن میں عرش الٰہی سے قلب پیغمبر پر وارد ہو جاتی ہے اور فی خفیۃ کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مجلس میں حضرات صحابہ موجود ہوتے اور نزول وحی ہو جاتا اس طرح کہ کسی کو کوئی خبر بھی نہ لگتی، اکثر ایسا ہی ہوتا تھا، اگرچہ بعض اوقات اللہ کا فرشتہ نظروں کے سامنے محسوس ہوتا اور وہ کوئی کلام کرتا تو دوسرے بھی اس کو سنتے جیسے کہ حدیث ایمان میں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں جبرئیل امین علیہ السلام کا نو وارد شخص کی شکل میں آنا اور ان کے سوالات کا قصہ مذکور ہے۔

لفظ وحی اگرچہ اپنے مشتقات کے استعمال اور اصل وضع کے لحاظ سے عموم رکھتا ہے اور غیر انبیاء کے واسطے بھی استعمال کیا گیا، مثلاً ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ بلکہ انسانوں کے سوا کے لئے بھی استعمال ہوا، مثلاً ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ حتیٰ کہ شیاطین کے بارے میں بھی فرمایا گیا ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ﴾ اور ﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ لیکن اصطلاح شریعت کی رو سے وحی انبیاء کے ساتھ مختص ہے، وحی صرف اسی کلام یا پیغام اور امر خداوندی کا نام ہوگا جو بارگاہ خداوندی سے اس پیغمبر کو دیا جائے، اس لحاظ سے وحی کا مفہوم الہام اور القاء ربانی وغیبی سے ممتاز وجدا ہوگا۔

حقیقت نبوت اور وحی

حق تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں، ایک قوت ملکیہ وروحانیہ اور دوسری قوت جسمانیہ وبہیمیہ جس طرح اطباء وحکماء کو قوت بہیمیہ کے امراض کے علاج اور اس کی تربیت کے لیے پیدا فرمایا گیا اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام قوت روحانیہ کے علاج وتربیت کے لیے مبعوث فرمائے گئے، انبیاء علیہم السلام جو صورت جسمانیہ اور اپنے مادہ کے لحاظ سے اگرچہ بشر ہوتے ہیں لیکن اس بشریت کے باوجود ان کی بشری قوت، قوت ملکیہ کے تابع اور اس کی محکوم ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے اور اس کو معصیت کی طرف بلاتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے، لیکن جو قرین مجھ پر مسلط کیا گیا ہے وہ میرا مطیع ومنقاد اور تابع ہے فلا یأمرنی الا بخیر کہ وہ مجھ کو خیر کے سوا اور کسی چیز کا حکم نہیں کرتا، یہ حضرات کسی وقت بشریت سے منسلخ ہو کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور اس حالت میں ملاء اعلیٰ سے جو کچھ علوم وہدایت ان پر القاء فرمائی جاتی ہیں اسی کو وحی کہا جاتا ہے، اور اس انسلاخی حالت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ علوم وہدایات ان پر القاء فرمائی جاتی ہیں اسی کو وحی کہا جاتا ہے اور اس انسلاخی حالت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ علوم وہدایات لے کر بندگان خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس میں کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت گھنٹہ کی سی گونج سنائی دیتی ہے اور کبھی فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے جو اس کی اصلی صورت ہو اور کبھی کسی بشر کی شکل میں متشکل ہو کر وہ سامنے آتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کا کلام پہنچا دیتا ہے اور یہ اخذ وحی نہایت ہی سرعت کے ساتھ ہوتا ہے اسی چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام راغب رحمہ اللہ نے اشارۃ سریعۃ کی قید ذکر کی، اور یہی وجہ صعوبت کے پیش آنے کی ہوتی تھی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا

ثَقِيلًا﴾ حتیٰ کہ سردیوں کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہے۔

کیونکہ عالم خواب باطنی قویٰ اور مدرکات سے متعلق ہے تو اس لحاظ سے وحی کے ذریعہ جو علم وادراک ہے وہ ایک گونہ خواب کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، محض باطنی ادراکات کے ذریعہ کسی چیز کے سننے اور جاننے کے اعتبار سے، ورنہ ظاہر ہے کہ خواب ایک ظنی چیز ہے، اور وحی الٰہی امر قطعی ہے، یہی سبب ہے کہ وحی کی ابتداء خوابوں سے ہوئی، جیسے کہ آفتاب کے طلوع سے قبل آسمان پر صبح کی سپیدی طلوع آفتاب کی تمہید ہوتی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور وحی سے قبل چھ ماہ تک سچے خوابوں کا سلسلہ آفتاب رسالت سے قبل تمہید نبوت تھی۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس بنا پر ان کا خواب بھی وحی کی طرف قطعی اور امر خداوندی ہوتا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا تو کہا ﴿إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ اس کے جواب میں اسماعیل علیہ السلام کا یہ فرمانا ﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ کہ اے باپ کر گزریئے وہ بات جس کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا، یہ نہیں کہا کہ کر گزریئے وہ چیز جو آپ علیہ السلام نے خواب دیکھی۔

بہرحال کیف عالم روحانیت اور ملاء اعلیٰ کے امور کا القاء اللہ کی طرف سے وحی کی حقیقت ہے یعنی جو چیز انسان نہ آنکھ سے دیکھ سکتا ہو اور نہ کان سے سن سکتا ہو، اور نہ عقل سے اس کا ادراک کرسکتا ہو اس کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔

غرض وحی الٰہی اور نبوت ایک موہبہ اور عطیہ خداوندی ہے کوئی کسبی واکتسابی یا فطری صلاحیت یا آثار و کیفیات کا نام نہیں جیسے کہ فلاسفہ اور ملحدین کا گمان ہے، فلاسفہ وحی کی حقیقت میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک فطری ملکہ ہے، یعنی انسانی فطرت کی ایک اعلیٰ حالت کا نام ہے اور نبی کے قوائے طبیعہ کا ایک عمل ہے تفصیل کے لیے علم الکلام حضرت والد محترم مولانا ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ، ملاحظہ فرمائیں۔

اقسام وحی کی تحقیق وتفصیل

ان آیات میں وحی خداوندی کے اقسام کی تفصیل وتحقیق فرمائی گئی کہ اللہ کی وحی کسی بشر یعنی اس کے پیغمبر پر صرف ان تین شکلوں ہی میں منحصر ہے اللہ کا کلام پیغمبر سے یا بہ شکل وحی یعنی اشارہ خفیہ کی صورت میں ہوگا، یا از پس پردہ ہوگا۔ یا کسی قاصد کے ذریعہ ہوگا کہ وہ آکر اللہ کا پیغام اور کلام پہنچادے، ان ہی تین صورتوں کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿إِلَّا وَحْيًا﴾ کی شکل تو وہ ہوگی کہ اندر ہی اندر بغیر کسی ظاہری توسط اور واسطہ کے اللہ کلام نازل ہوجائے، جس کو ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ میں بیان فرمایا گیا کہ ظاہری طور پر نہ آنکھ کسی متکلم کو دیکھتی ہو اور نہ ظاہری کان کوئی آواز سنتے ہوں اور قلب پر اللہ کی وحی اور کلام نازل ہوجائے کہ حواس ظاہرہ کے دخل کے بغیر ہی قلب اپنے کانوں سے کلام الٰہی سن لے، عارفین کہتے ہیں حواس اصل میں تو اندر ہیں، جب عالم ظاہر سے تجرد ہوتا ہے تو حواس باطنہ اپنا عمل شروع کرتے ہیں، جیسے عالم خواب میں مدرکات اپنا عمل اس وقت شروع کرتے ہیں جب انسان پر نوم (نیند) طاری ہوجائے اور حواس عالم ظاہر کے احساس وادراک سے معطل اور غافل ہوجاتے ہیں، اسی حقیقت کو قرآن کریم کی یہ آیت ظاہر کررہی ہے ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى

الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾۔ دوسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ قوت سامعہ کا تو دخل اور توسط ہو مگر قوت باصرہ اور آنکھوں کا درمیان میں دخل وتوسط نہ ہو وہ از پس پردہ نزول وحی کی صورت ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ کا کلام سنا، آنکھوں سے نہ کوئی متکلم نظر آ رہا تھا اور نہ خداوند قدوس کا دیدار تھا، تیسری شکل کا حاصل یہ ہے کہ کسی قاصد اور فرشتہ کے ذریعہ وحی الٰہی آئے، اور خدا کا پیغمبر اس فرشتہ اور قاصد کو آنکھوں سے دیکھتا بھی ہو اور کانوں سے اس کے کلام کو سنتا ہو، جیسے کہ بسا اوقات جبرئیل امین علیہ السلام حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں اترتے اور اللہ کی وحی پہنچا دیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں جو چیز ذکر فرما رہی ہیں وہ وحی کی ان تین شکلوں میں سے دو کو مشتمل ہے جس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدہ علی واحیانا یتمثل لی الملك بشرا فیکلمنی فاعی مایقول۔ یعنی بسا اوقات وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے گھنٹہ یا ٹالی کی جھنکار اور گونج کی طرح اور یہ مجھ پر زائد شدید ہوتی ہے، اور بسا اوقات میرے سامنے فرشتہ بشری شکل میں متشکل ہو کر رونما ہوتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے تو مثل صلصلة الجرس کی شکل ﴿اِلَّا وَحْيًا﴾ کی ہوتی تھی، اور "یتمثل لی الملك بشرا" کی صورت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن کریم نے ﴿اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ میں بیان فرمایا، یہی دو صورتیں غالب تھیں اور ﴿مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ نادر اور قلیل تھی اس وجہ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کو صراحۃً نہیں فرمایا گیا اور ﴿اِلَّا وَحْيًا﴾ کی صورت شدید اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفت بشریت سے منسلخ ہو کر ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا بخلاف اس صورت کے کہ فرشتہ ہی بصورت بشر نزول کر کے پیغام خداوندی پہنچا دے تو اس میں اپنے قویٰ میں تصرف کی مشقت نہیں ہوتی تھی، اس وجہ سے یہ دوسری صورت سہل ہوتی تھی بہ نسبت پہلی صورت کے یہ صورتیں تو وحی الٰہی کی وہ تھیں کہ ملاء اعلیٰ سے عالم دنیا کی طرف پیغمبر پر اللہ کا کلام اتارا جائے گویا یہ نزول وحی کا درجہ ہوا، ایک درجہ ایحاء کا یہ ہوا کہ موحیٰ الیہ کو اوپر بلایا جائے، جیسے کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی بلندیوں کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک اور پھر وہاں سے مزید بلندیوں تک پہنچایا گیا کہ قاب قوسین کی صورت ہوگئی اور اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی، جیسے کہ فرمایا گیا ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى﴾ یعنی جانبین سے مکالمہ ہوا اگرچہ رؤیت میں اختلاف ہے لیکن بر تقدیر ثبوت یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیدار اور کلام جدا جدا ہوگا، رؤیت مع الکلام کا جمع ہونا اس آیت کی رو سے بظاہر مشکل ہے کیونکہ بیان کردہ تین شکلوں کو انفصال کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ کلام خداوندی ان صورتوں میں سے کسی ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کلام من وراء حجاب یعنی از پس پردہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ عیاناً اور بالمشافہ دیدار خداوندی کے ساتھ کلام بھی جمع ہو جائے؟ تو یہ نہیں ہوگا۔

الہام اور اس کی صورتیں

الہام بھی ملاء غیب سے علوم وہدایات کے القاء کا نام ہے جو انبیاء کے سوا دیگر اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قلب پر

ہو، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الہام، جو علم کہ قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہ یا ملاء اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

قال تعالیٰ ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾۔ پھر اللہ نے اس کو فجور اور تقویٰ کا الہام فرمایا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لیے فرمایا کہ نفس اس پر عمل کرے اور فجور کا الہام اس لیے فرمایا تا کہ اس سے پرہیز کرے۔

حصین بن مندر خزاعی رضی اللہ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یہ تعلیم فرمائی: اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی۔ اے اللہ مجھ کو رشد وہدایت کا الہام فرما اور شر نفس سے مجھ کو پناہ دے۔

(۱) ﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ (سورۂ قصص)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

(۲) ﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى ٱلْحَوَارِيِّـۧنَ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِى وَبِرَسُولِى﴾

حوارئین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

(۳) ﴿قُلْنَا يَـٰذَا ٱلْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا﴾ (سورۂ کہف)

اور ذوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ ان کو عذاب دو یا ان کے ساتھ احسان کرو (سورۂ کہف)

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست قلب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں، کما قال تعالیٰ شانہ ﴿وَعَلَّمْنَـٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

والعلم اللدنی وھو الذی لا واسطۃ فی حصولہ بین النفس وبین الباری وانما ھو کالضوء من سراج الغیب یقع علی قلب صاف فارغ لطیف (کذا فی الرسالۃ اللدنیہ ص ۲۸)

علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو، علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ سراج غیب سے قلب صاف وشفاف پر واقع ہوتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ منکرین علم لدنی سے یہ فرمایا کرتے تھے:

قد اخذتم علمکم میتا عن میت ونحن اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت (کذا فی الیواقیت والجواھر: ۲/۹۱)

تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم میتا عن میت حاصل کیا ہے اور ہم نے علم، حی لا یموت سے لیا ہے۔

اور کبھی ملاء اعلیٰ اور ملک الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القاء کی جاتی ہے، اس کو القاء فی القلب اور نفث فی

الروع کہتے ہیں، ملک الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

کما قال النبی صلی الله علیه وسلم ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس تستکمل رزقها (الحدیث)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ لے لے۔

وقال الله تعالیٰ ﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (سورۃ انفال)

جب کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد واعظ الله فی قلب کل مومن، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اس واعظ اللہ سے یہی الہام الٰہی بواسطہ الملائکہ مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین میں ذکر کیا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ متمثل بشکل بشر ہو کر شفاہاً اور عیاناً مخاطبت اور کلام کرتا ہے، کما قال تعالیٰ:

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ﴾

اور جس وقت کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا ہے اور تجھ کو پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو فضیلت دی۔

وقال الله تعالیٰ ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک خاص کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوگا جو دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔

وقال الله ﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ۝ قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا﴾

(سورۃ مریم)

اور ذکر کرو کتاب میں مریم کا جبکہ وہ شرقی مکان میں اپنے لوگوں سے علیحدہ ہوئیں پس ایک پردہ بنایا، پس بھیجا ہم نے ان کے پاس ایک فرشتہ جو آدمی کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا، حضرت

مریم علیہا السلام بولیں کہ اللہ کی پناہ تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرتا ہے کہا کہ جز ایں نیست کہ میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو لڑکا دے جاؤں۔

وقد كانت الملئكة تخاطب عمران بن حصين رضي الله عنه بالسلام فلما اكتوى ترك خطابه فلما ترك الكي عاد اليه خطاب ملكي۔

فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ لینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر مخاطبت اور سلام کرنے لگے۔

وقال ابو عمر كان اى عمران بن حصين من فضلاء الصحابة وفقهآءهم يقول عنه اهل البصرة انه كان يرى الحفظة وكانت تكلمه حتى اكتوى (كذا فى الاصابه: ۲۶/۳)

ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر تھے اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ وہ کراماً کاتبین کو دیکھا کرتے تھے، اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ لیا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دروازے ہیں، ایک عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کی طرف سے ہے، اور دوسرا عالم شہادت کی طرف۔

ظاہری علوم اور معارف ظاہری باب یعنی حواس خمسہ ظاہرہ سے قلب میں داخل ہوتے ہیں، اور عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کے علوم باطنی دروازہ سے قلب میں آتے ہیں۔

وروى [1] الحسن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمان فعلم باطن فى القلب فذلك هو العلم النافع وسئل بعض العلماء عن العلم الباطن فقال هو سر من اسرار الله تعالىٰ يقذفه الله تعالىٰ فى قلوب احباة لم يطلع عليه ملكا ولا بشرا وقد قال صلى الله عليه وسلم ان من امتى محدثين ومعلمين ومكلمين وان عمر منهم وقرا ابن عباس رضى الله عنهما وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبى ولا محدث والمحدث هو الملهم والملهم هو الذى انكشف له فى باطن قبله من جهة الداخل لا من جهة المحسوسات الخارجة، وكان ابويزيد وغيره يقول ليس العالم الذى يحفظ من كتاب فاذا نسى ما حفظه صار جاهلا انما العالم الذى يا خذ علمه من ربه اى وقت شآء بلا حفظ ولا درس وهذا هو العلم

[1] مدارج السالکین: ۲۵/۱۔

الربانی والیہ الاشارۃ بقولہ تعالیٰ وعلمناہ من لدنا علما، مع ان کل علم من لدنہ ولکن بعضھا بوسائط تعلیم الخلق فلا یسمی ذلک علما لدنیا بل اللدنی الذی ینفتح فی سر القلب من غیر سبب مالوف من خارج آھ۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے، بعض علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سر الٰہی ہے جس کو حق تعالیٰ اپنے محبوبین کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور اس پر کسی فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع نہیں فرماتے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے محدث اور معلم اور متکلم ہوں گے، اور عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ہے "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث"۔ اور محدث وہ ملہم من اللہ ہے کہ جس کے باطن قلب میں ان حواس ظاہرہ کے علاوہ علوم ومعارف کے لیے کوئی راستہ کھل گیا ہو، بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص عالم نہیں جو کسی کتاب کو یاد کرلے اس لیے کہ اگر وہ اس کو بھول جائے تو جاہل رہ جائیگا، عالم حقیقۃً وہ ہے کہ جو اپنے رب سے جس وقت چاہتا ہے علم حاصل کرتا ہو بغیر حفظ اور تدریس کے اور یہی علم ربانی ہے اور "علمناہ من لدنا علما"۔ میں اسی طرف اشارہ ہے، اگرچہ ہر علم اللہ ہی کے پاس سے ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے، علم لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود بخود قلب میں من جانب اللہ آتا ہو۔

حجۃ الاسلام قدس سرہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی لایا جاوے، دوم یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اس کو آلات سے صاف کر کے اسی میں کوئی چشمہ جاری کر دیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے تو کبھی علم اس میں حواس کی نہر سے لایا جاتا ہے، اور کبھی بذریعہ خلوت وعزلت، مجاہدہ وریاضت قلب کو کھود کر صاف کر دیا جاتا ہے، اس وقت خود اندرون قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور تحصیل علوم اور صلاح وتقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدۂ کبیرہ اور مراقبہ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل بما علم اورثہ اللہ العلم بما لم یعلم وقال صلی اللہ علیہ وسلم من خلص اللہ اربعین صباحا اظھر اللہ تعالیٰ ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ۔ فالمتفکر اذا سلک سبیل الصواب یصیر من ذوی الالباب وتنفتح روزنۃ من عالم الغیب فی قلبہ فیصیر عالما کاملا عاقلا

ملهما مؤيدا"۔ (رسالہ لدنیہ ص ۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کر لے اللہ تعالیٰ علم وحکمت کے چشمے اس کے قلب سے اس کی زبان پر جاری فرمادیتے ہیں، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک گھڑی تفکر اور مراقبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، پس متفکر جب صحیح راستہ پر چلے تو وہ عند اللہ، اولی الالباب میں سے ہو جاتا ہے، اور عالم غیب سے ایک روزن اس کے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔

الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق:...... حافظ تور بشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطا سے معصوم نہیں ہوتا اور یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رؤیاء صالح میں، انبیاء کا رؤیاء صالح وحی ہوتا ہے، اولیاء کا نہیں۔

امام ربانی رحمہ اللہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

والہام کہ اولیاء را ہست مقتبس از انوار نبوت است واز برکات وفیوض متابعت انبیاء است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات (مکتوب: ۴۱/۲۳)

اور اولیاء کا الہام انوار نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کی فیض اور برکت سے ہوتا ہے، **فافهم واستقم**"۔

یعنی جس طرح مومنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد وورع، قناعت وتوکل، رضا وتسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام ہی کے ایمان اور زہد وورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

اسی طرح الہام مومنین کو الہام انبیاء سے کوئی نسبت نہیں ہوئی، الہام مومنین تو الہام انبیاء علیہم السلام کا ایک ادنیٰ سا پرتو اور عکس ہوتا ہے، یہ کہاں اس کے ہمسر ہو سکتا ہے۔ **این الثری من الثریا**۔

نیز الہام اولیاء فقط کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے، اور الہام انبیاء علیہم السلام میں امر ونہی اور احکام الہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں اور ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اس کا اخفاء اولیٰ ہے، جب تک کوئی ضرورت شرعیہ ودینیہ داعی نہ ہو۔

وحی والہام کی تحقیق وتفصیل میں حضرت والد محترم [1] کا یہ کلام نہایت جامع اور اسرار وحکمت پر مشتمل تھا جو ہدیہ ناظرین کیا گیا،

بحمد الله قد تم تفسير سورة الشورى يوم السبت ١٩ من شهر جمادى الثانية ١٤٠١ هـ۔ والحمد على ذلك حمدا كثيرا اللهم وفقني لاتمام هذا التفسير المبارك ويسره لي بفضلك يا ارحم الراحمين۔

[1] بحوالہ علم الکلام، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ۔

(۴۳ سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۳) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (ایاتہا ۸۹ رکوعاتہا ۷)

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ

قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو ف۱ اور تحقیق یہ

قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا، شاید تم بوجھو۔ اور یہ بڑی

الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا

قرآن لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے برتر محکم ف۲ کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ

کتاب میں ہم پاس ہے اونچا محکم کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ سمجھوتی موڑ کر، اس سے کہ تم ہو لوگ

مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ⑥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

کہ حد پر نہیں رہتے ف۳ اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں اور نہیں آتا لوگوں کے پاس کوئی پیغام لانے والا جس سے

جو حد پر نہیں رہتے۔ اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں۔ اور نہیں آتا لوگوں کو کوئی پیغام لانے والے جس سے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

ٹھٹھا نہیں کرتے ف۴ پھر برباد کر ڈالے ہم نے ان سے سخت زور والے اور چلی آتی ہے مثال پہلوں کی ف۵ اور اگر تو ان سے پوچھے

ٹھٹھا نہیں کرتے۔ پھر کھپا دیئے ہم نے ان سے سخت زور والے، اور چلی آئی ہے حقیقت پہلوں کی۔ اور اگر تو ان سے پوچھے،

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ⑨ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں بنائے اس زبردست خبردار نے وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے لئے

کس نے بنائے آسمان و زمین؟ تو کہیں بنائے اس زبردست خبردار نے۔ وہی ہے جس نے بنا دی تم کو

ف۱ کیونکہ عربی تمہاری مادری زبان ہے اور تمہارے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔

ف۲ یعنی وجوہ اعجاز اور اسرار عظیمہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت بلند اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔ اس کے دلائل و براہین نہایت مضبوط اور اس کے احکام غیر منسوخ ہیں۔ کوئی حکم سے خالی نہیں اور تمام مضامین اصلاح معاش و معاد کی اعلیٰ ترین ہدایات پر مشتمل اور حکیمانہ خوبیوں سے مملو ہیں۔ اور قرآن کے ان تمام محاسن پر جو خود قرآن ہی شاہد ہے۔ آفتاب کی آمد دلیل آفتاب۔ (تنبیہ) قرآن اور تمام کتب سماویہ نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہیں۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے کیا ہم حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے" یعنی ایسی توقع مت رکھو اللہ کی حکمت و رحمت اسی کو مقتضی ہے کہ باوجود تمہاری زیادتیوں اور شرارتوں کے کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سی سعید روحیں اس سے مستفید ہوتی ہیں۔ اور منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت ہوتا ہے۔

ف۴ یعنی پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔ مگر اس کی وجہ سے پیغامبری کا سلسلہ مسدود نہیں ہوا۔

ف۵ یعنی عبرت کے لیے ان مکذبین کی تباہی کی مثالیں پیش آ چکیں اور پہلے مذکور ہو چکیں جو زور و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کاہے پر مغرور ہوتے ہو۔ آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور کمال تصرف کا ذکر کرتے ہیں جو ایک حد تک ان کے نزدیک بھی مسلم تھا۔

الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

زمین کو بچھونا اور رکھ دیں تمہارے واسطے اس میں راہیں تاکہ تم راہ پاؤ ف۱ اور جس نے اتارا آسمان سے

زمین بچھونا، اور رکھ دیں تم کو اس میں راہیں شاید تم راہ پاؤ۔ اور جس نے اتارا آسمان سے

مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ

پانی ناپ کر ف۲ پھر ابھار کھڑا کیا ہم نے اس سے ایک دیس مردہ کو اسی طرح تم کو بھی نکالیں گے ف۳ اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے ف۴

پانی ماپ کر پھر ابھارا ہم نے اس سے ایک دیس مردہ۔ اسی طرح تم کو نکالیں گے۔ اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے،

كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

اور بنادیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ بیٹھو تم اس کی پیٹھ پر ف۵ پھر

اور بنا دیئے تم کو چوپائے اور کشتی، جس پر سوار ہوتے ہو۔ تا چڑھ بیٹھو اس کی پیٹھ پر، پھر

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا

یاد کرو اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اس پر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کردیا ہمارے اس کو اور ہم

یاد کرو اپنے رب کا احسان، جب بیٹھ چکو اس پر، اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں دیا ہمارے یہ، اور ہم

كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ

نہ تھے اس کو قابو میں لاسکتے ف۶ اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ف۷ اور ٹھہرائی ہے انہوں نے حق تعالیٰ کے واسطے اولاد اس کے بندوں میں سے تحقیق

نہ تھے اس کے مقابل ہونے والے۔ اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ اور ٹھہرائی ہے انہوں نے اس کو اولاد اس کے بندوں سے۔ تحقیق

الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

انسان بڑا ناشکرا ہے صریح۔

انسان بڑا ناشکر ہے صریح۔

ف۱ یعنی جہاں تک انسان بستے ہیں آپس میں مل سکیں، ایک دوسرے تک راہ پائیں اور چل پھر کر دنیاوی و آخروی مقاصد میں کامیابی کا راستہ معلوم کریں۔

ف۲ یعنی ایک خاص مقدار میں جو اس کی حکمت کے مناسب اور اس کے علم میں مقدور تھی۔

ف۳ یعنی جس طرح مردہ زمین کو بذریعہ بارش زندہ اور آباد کردیتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے مردہ جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

ف۴ یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو خدا ہی نے پیدا کیا۔

ف۵ یعنی خشکی میں بعض چوپایوں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتی پر سوار ہوتے۔

ف۶ یعنی چوپایوں یا کشتی پر سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو کہ ہم کو اس نے اس قدر قوی اور ہنرمند بنادیا کہ اپنی عقل و تدبیر وغیرہ سے ان چیزوں کو قابو میں لے آئے۔ یہ محض خدا کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت اور قدرت کہاں تھی کہ ایسی ایسی چیزوں کو مسخر کرلیتے۔ نیز دلی یاد کے ساتھ زبان سے سواری کے وقت یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ ﴿وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ﴾ اور بھی اذکار و ادعیہ احادیث میں آئی ہیں جو کتب حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں۔

ف۷ یعنی اس سفر سے آخرت کا سفر یاد کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تو یہی تسبیح کہتے تھے۔

سورۃ زخرف بھی کی سورتوں میں ہے، اور کی آیات وسورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی بالعموم توحید و رسالت کے دلائل پر مشتمل ہیں، اور شرک کی دلائل عقل وفطرت سے تردید کی گئی، اس کی نواسی ۸۹ آیات اور سات رکوع ہیں۔

گزشتہ سورۂ شوریٰ کی ابتداء اثبات وحی سے تھی اور اسی پر اس کی انتہاء بھی ہوئی کہ رسالت ونبوت کو ثابت کرتے ہوئے وحی الٰہی کی قسموں کی تحقیق وتفصیل بیان فرمائی گئی، اب اس سورت کی ابتداء سورۃ سابقہ کی نہایت کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتداء سورت میں کتاب الٰہی کی عظمت بیان کی جارہی ہے کہ وہ کتاب مبین ہے اور قرآن کریم کلام عربی ہے جس کے عربی ہونے کی وجہ سے اہل عرب اس کے اعجاز وحقانیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اس طرح ان کو قرآن کریم پر ایمان لانے اور اس کو کلام الٰہی ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے۔

بیان عظمت وحقانیت کلام ربانی ووعید برروش مجرمین وملحدین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ ... الی ... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ﴾

ربط:...... گزشتہ سورۃ کا اختتامی مضمون وحی الٰہی کی تحقیق اور نزول وحی کی صورتوں پر تھا، اب اس سورت کی ابتداء وحی الٰہی اور ربانی کی عظمت اور اوصاف عالیہ کے بیان سے کی جارہی ہے، فرمایا۔

﴿حٰمٓ﴾ خدا تعالیٰ ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی جو واضح ہے جس کی روشنی اور وضاحت جہل اور گمراہوں کی تاریکی بھی دور کرنے والی ہے۔ جس کتاب کو بنایا ہے، ہم نے قرآن عربی امید ہے کہ اے مخاطبو! تم اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے سمجھو کہ وہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ایک جامع کتاب ہدایت ہے اور بے شک یہ قرآن عربی لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہمیشہ سے ہے جو نہایت ہی بلند پایہ بڑا ہی مستحکم اور محفوظ حکمتوں ● سے لبریز ہے کیا پھر تم سے ہم اعراض کرلیں۔ ذکر ونصیحت کرنے سے اس بنا پر کہ تم حد سے گزر جانے والے ہو۔ کہ ہم تمہیں نہ نصیحت کریں، اور نہ تمہاری برائیوں پر تنبیہ ووعید نازل کریں نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہم زجر وتنبیہ بھی کریں گے، وعظ ونصیحت بھی کریں گے خواہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو اور یہ بات تمہاری اے کفار مکہ آج کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ دستور تو پرانے زمانوں سے چلا آرہا ہے، اور ہم نے کتنے ہی رسول بھیجے پہلی قوموں میں وہ اللہ کا پیغام لے کر ان قوموں میں مبعوث ہوتے رہے۔ اور نہ آتا ان کے پاس کوئی بھی رسول اللہ کے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مذاق کرتے۔ تو کسی کے مذاق وتمسخر سے اللہ رب العزت اپنی ہدایات کے نزول کو نہیں روکتا۔ پھر ہم نے ہلاک کرڈالا، ان میں سے سخت زور والوں کو بھی، اور چلی آئی ہے یہ مثال اور ایک عبرت ناک تاریخ پہلے لوگوں کی۔ اللہ رب العزت کے رسولوں کے منکرین ومکذبین کے یہ عبرتناک واقعات حق تعالیٰ کی قدرت والوہیت اور عظمت کی کھلی نشانیاں ہیں، ان کو دیکھ کر کوئی بھی خدا کی قدرت وخالقیت کا انکار نہیں کرسکتا، اور یہ منکرین بھی اگرچہ اپنی زبانوں سے انکار کرتے ہوں لیکن ان کے دل اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر تم ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ضرور یہی کہیں گے کہ اس پروردگار نے جو بڑی ہی عزت، زبردست علم والا

● مستحکم ومضبوط اور حکمتوں سے لبریز کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ حکیم اس جگہ دونوں معنی پر مشتمل ہے۔

ہے۔ کیونکہ ہر مخلوق اپنے خالق کی عظمت بھی بتارہی ہے، اور اس کے علم وحکمت کی بھی واضح دلیل ہے، وہی ہے پروردگار جس نے اے انسانو! زمین کو تمہارے واسطے بچھونا بنایا۔ اور بنائے اس زمین میں تمہارے واسطے راستے تا کہ تم اپنے منافع اور حوائج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ راستہ پاسکو اور سہولت سے سفر کرسکو اور وہ پروردگار ایسا مہربان ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا انداز ے کے مطابق کہ جہاں جتنا چاہا برسایا۔ پھر اس پانی کے ذریعہ شاداب کردیا ایک مردہ جگہ کو جو بے آب وگیاہ بنجر علاقہ تھا پانی نے برس کر اس کو سرسبز وشاداب بنادیا تو جس طرح مردہ زمین سے سبزہ اور غلہ آگ رہا ہے اور مردہ زمین کی تہوں کے اندر سے نباتات اور سبزے نمودار ہورہے ہیں زمین کی تہہ میں دبے ہوئے تخم اور دانے زمین میں مل جانے اور مٹی مٹی ہوچکنے کے بعد پھر اسی طرح نباتات وسبزہ کی شکل میں رونما ہورہے ہیں جو پہلے موجود تھے تو اسی طرح اے لوگو! تم بھی اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے تم زمین میں دفن ہونے کے بعد زمین کے اجزاء کے ساتھ خلط ملط ہوجاؤ ریزہ ریزہ ہوجاؤ، لیکن پھر تمہارا نکلنا اور اٹھنا ہر تخم سے دوبارہ درخت اور سبزہ کے نمودار ہونے کی طرح ہوگا اور وہ پروردگار جس نے جوڑے بنائے ہر چیز کے مثلاً نر ومادہ نیک وبد، اچھا برا، سیاہ وسفید، خشک وتر، گرم وسرد اور نافع ومضر اور بنادیا کشتیوں اور چوپایوں کو ایسا کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو۔ اور ان پر تم برّ وبحر کا سفر کرتے ہو اور کشتیوں اور جانوروں کو اس طرح بنایا ہے کہ تم ان کشتیوں اور چوپاؤں کی پشت پر برابر جم کر بیٹھ سکو پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کیا کرو جب تم ان پر سوار ہوا کرو اور کہا کرو اپنے پروردگار کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ پاکی ہے اس ذات کی جس نے مسخر وتابع کردیا، ہمارے واسطے اس کو اور ہم تو نہ تھے ایسے کہ اس کو قابو لانے والے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ طاقتور حیوان اور وہ تمام مشینیں جو کائنات کی طاقتوں ہوا پانی، اور آگ کی قوتوں سے چلتی ہوں انسان ضعیف کی کیا مجال تھی ان کو اپنے قابو میں لاسکتا، اور اے انسانو! تم اپنے اس دنیوی سفر کے وقت اصل منزل کی طرف واپسی کا تصور کرتے ہوئے یہ سوچا کرو کہ دنیا کی یہ زندگی بھی ایک سفر ہے اور اس سفر سے اصل حقیقی منزل کی طرف ہی لوٹنا ہے اور کہا کرو۔ ❶ بے شک ہم تم اپنے رب ہی کی طرف یقیناً واپس لوٹنے والے ہیں۔ یہ دلائل قدرت اور انعامات عظیمہ بلاشبہ اس بات کا موجب تھے کہ لوگ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور اس پر ایمان لاتے لیکن افسوس بہت سے انسانوں نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کا ثبوت دیا اور اللہ کے لیے اس کے بندوں میں سے ہی اولاد کو ٹھہرایا۔ جیسے نصاری نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو خدا کو بیٹا قرار دیا، جو صریح شرک ہے، اور حق تعالیٰ کی الوہیت

❶ چنانچہ کتاب الاذکار والا دعیہ میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر شروع کرتے وقت سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کلمات دعائیہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین بار تکبیر فرماتے اور تین بار سبحان اللہ" فرماتے اور ایک بار "لا الہ الا اللہ"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "الا الہ الا اللہ" بھی تین بار فرماتے اور پھر یہ آیت مبارکہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا﴾ پڑھتے، اس کے بعد یہ کلمات فرماتے۔ اللھم انی اسئلك فی سفری ھذا من البر والتقوی ومن العمل ماتحب وترضی اللھم ھون علینا السفر واطولنا البعد اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا ھذا واخلفنا فی اھلنا۔ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور عمل میں سے ایسے عمل کا جو تجھے پسند ہو اے اللہ ہم پر یہ سفر آسان کر اور اس کے بعد کو تو لپیٹ دے مختصر کردے، اے اللہ تو ہی ساتھی ہے ہمارا سفر میں اور خلیفہ ہے ہمارے اہل میں، اے اللہ تو ہمارا ساتھی رہے ہمارے سفر میں، اور خلیفہ ونگران رہے ہمارے اہل میں۔ ۱۲

وحدانیت کا انکار ہے۔ بے شک انسان بڑا ہی کھلم کھلا ناشکرا اور نافرمان ہے بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر اس کا شاکر و مطیع ہوتا اس نے نافرمانی اور گستاخی کا طریقہ اختیار کیا کہ اللہ کے واسطے اولاد تجویز کی۔

نصاریٰ نے تو ایک بیٹا تجویز کیا تھا مشرکین مکہ نے مزید یہ ظلم کیا کہ بیٹیاں تجویز کر ڈالیں، جب کہ خود ان لوگوں کو بیٹیوں سے عار معلوم ہوتا ہے، اولاد چونکہ باپ کے وجود کا ایک جز ہوتا ہے تو خداوند عالم کے لیے تجویز اولاد کو اس عنوان سے تعبیر کیا کہ ﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا﴾ اور ظاہر ہے یہ عقیدہ اس امر کا موجب ہے کہ خداوند عالم کو ایک مرکب شئ تصور کیا گیا، اور مرکب چیز بلاشبہ حادث ہوتی ہے، تو اس طرح تجویز اولاد اس امر کو مستلزم ہوئی کہ خداوند عالم کی خالقیت اور قدرت ہی کا انکار ہے پھر یہ کہ اولاد اور باپ میں یقیناً مشابہت اور مجانست ہوتی ہے، دونوں ایک جنس کے نہ ہوں تو والد و مولود کیونکر ہو سکتے ہیں تو اس طرح خدا کے واسطے امثال اور نظائر بھی گویا تجویز کر دیئے، جو اس کی شان صمدیت کے منافی ہے پھر یہ بھی ہے کہ اولاد کا رشتہ عالم کائنات میں ایک طرح کی احتیاج پر مشتمل ہے تو اولاد کی تجویز خداوند عالم کے محتاج ہونے کو ثابت کرنے والی ہے جو کسی طرح بھی ممکن التصور نہیں، تو پھر کیونکر ایسا لغو اور احمقانہ عقیدہ خدا کے لیے اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر انسان کی ناشکری اور نافرمانی کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ⑯ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ

کیا اس نے رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے دیے چن کر بیٹے ف۱ اور جب ان میں کسی کو خوشخبری ملے اس چیز کی جس کو

کیا رکھ لیں اپنی پیدائش میں سے بیٹیاں اور تم کو دیئے چن کر بیٹے؟ جب ان میں سے کسی کو خوشخبری ملے اس چیز کی جو

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ⑰ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي

رحمان کے نام لگایا تو سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور وہ دل میں گھٹ رہا ہے ف۲ کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور

رحمٰن پر نام دھرا، سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ اور وہ دل میں گھٹ رہا۔ اور ایسا شخص کہ پلتا رہے گہنے میں، اور

الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا

وہ جھگڑے میں بات نہ کر سکے ف۳ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمان کے عورتیں ف۴ کیا دیکھتے تھے

جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے۔ اور ٹھہرایا فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمٰن کے، عورت۔ کیا دیکھتے تھے

ف۱ یعنی چاہیے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرے۔ یہ صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اور اس کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا۔ اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کے لیے اولاد تجویز کی جائے، وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں، اول تو اولاد باپ کے وجود کا ایک جزو ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لیے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادث ہونا ضروری ہے، دوسرے ولد اور والد میں مجانست ہونی چاہیے دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یا والد کے حق میں عیب ہے۔ یہاں مخلوق و خالق و مجانست کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسرے لڑکی باعتبار قوائے جسمیہ و عقلیہ کے عموماً لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لیے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا چیز اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔

ف۲ یعنی جو اولاد اناث خدا کے لیے تجویز کر رہے ہیں۔ وہ ان کے زعم میں ایسی عیب دار اور ذلیل و حقیر ہے کہ اگر خود نہیں اس کے ملنے کی خوشخبری سنائی =

خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ

ان کا بننا اب لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے پوچھ ہوگی ف۱ اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمان تو ہم نہ پوجتے ان کو ف۲

ان کا بننا ؟ اب لکھ رکھیں گے ان کی گواہی، اور ان سے پوچھ ہوگی۔ اور کہتے ہیں، اگر چاہتا رحمٰن تو ہم نہ پوجتے ان کو۔

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ

کچھ خبر نہیں ان کو اس کی یہ سب اٹکلیں دوڑاتے ہیں ف۳ کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو اس سے پہلے سو انہوں نے اس کو

کچھ خبر نہیں ان کو اس کی۔ یہ سب اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو اس سے پہلے ؟ سو یہ

بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

مضبوط پکڑ رکھا ہے بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر ہیں راہ پائے ہوئے ف۴

اس پر مضبوط ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں ہم نے پائے اپنے باپ دادے ایک راہ پر، اور ہم انہی کے قدموں پر ہیں راہ پائے۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ

اور اسی طرح جس کسی کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں سو کہنے لگے وہاں کے خوشحال لوگ ہم نے تو پایا

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں، سو کہنے لگے وہاں کے آسودہ لوگ، ہم نے پائے

=جائے تو مارے رنج اور غصہ کے تیور بدل جائیں۔ اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہیں۔ اس کی پوری تقریر سورۃ "صافات" کے اخیر رکوع میں گزر چکی ہے۔

ف۲ یعنی کیا خدا نے اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشوونما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے و عقل کی، اور وہ بوجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ بھی نہ رکھے۔ چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں، نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں، ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملا دیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تعیین مقصود میں خلل پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا عجز زیادہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آئی تھی وہ گئی تھی، قوت بیانیہ کی دلیل نہیں۔

ف۴ یعنی یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے کہ فرشتوں کو عورتوں کی صف میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہ عورت نہ مرد جنس ہی علیحدہ ہے۔

ف۱ یعنی کوئی دلیل عقلی و نقلی تو ان کے پاس اس دعوے پر نہیں۔ پھر کیا اللہ نے جب فرشتوں کو بنایا تو یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مرد نہیں عورت بنایا ہے۔ بہت اچھا! ان کی یہ گواہی دفتر اعمال میں لکھ لی جاتی ہے خدائی عدالت میں جس وقت پیش ہوں گے تب اس کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا۔

ف۲ اور دیکھیے اپنی ان مشرکانہ گستاخیوں کے جواز و استحسان پر ایک دلیل عقلی بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم کو اپنے سوا دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا۔ جب ہم برابر کرتے رہے نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بہتر ہیں اور اس کو پسند ہیں۔

ف۳ یعنی یہ تو سچ ہے کہ بدون خدا کے چاہے کوئی چیز نہیں ہو سکتی لیکن اس چیز کا ہمارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ ایسا ہو تو دنیا میں کوئی کام اور کوئی چیز بری ہی نہ رہے۔ سارا عالم خیر محض ہو جائے۔ شر کا لفظ ہی دستیاب نہ ہو۔ ہر ایک جھوٹا اور ظالم و خونخوار یہ کہہ دے گا کہ خدا چاہتا تو مجھے ایسا ظلم و ستم نہ کرنے دیتا۔ جب کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کام سے خوش اور راضی ہے بہرحال مشیت اور رضا میں لزوم ثابت کرنا کوئی اصلی اصول نہیں محض اٹکل کے تیر ہیں۔ جس کا بیان آٹھویں پارہ کے نصف سے پہلے آیت ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ کے حواشی میں گزر چکا۔

ف۴ عقلی دلیل کا حال تو سن چکے۔ اسے چھوڑ کر کیا کوئی نقلی دلیل اپنے دعوے پر رکھتے ہیں؟ یعنی خدا کی اتاری ہوئی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے؟ جس میں شرک کا پسندیدہ ہونا لکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں۔ پھر آگے باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا کیا باقی رہ گیا۔ وہی ان کی سب سے زیادہ=

اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ

اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں وہ بولا اور جو میں لادوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر تم نے پایا

اپنے باپ دادے ایک راہ پر، اور ہم انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔ وہ بولا، اور جو میں لا دوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ، جس پر تم نے پائے

عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ

اپنے باپ دادوں کو ف۱ تو یہی کہنے لگے ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے ف۲ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا، سو دیکھ لے کیسا

اپنے باپ دادے، تو بھی کہنے لگے، ہم کو تمہارے ہاتھ بھیجا نہ ماننا۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا، سو دیکھ آخر کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

ہوا جھٹلانے والوں کا؟

تقبیح وتوبیخ بر عناد ومخاصمت مشرکین وانکار از قبول حق

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ ... الی ... كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں وحی الٰہی اور کلام ربانی کی عظمت اور حقانیت کے بیان کے ساتھ مجرمین وملحدین کی غلط روش اور بیہودہ خصلتوں پر وعید تھی اب ان آیات میں مشرکین کا عناد اور ان کی مخاصمت کا بیان ہے اور یہ کہ ان کی مشرکانہ روش کس قدر گستاخانہ ہے کہ خدا کے واسطے اول تو اولاد تجویز کرتے ہیں اور پھر یہ کہ اس سلسلہ میں بیٹیاں خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود اپنے لیے بیٹیوں کے تصور کو انتہائی عار اور اس کی خبر دی جائے تو غصہ اور غم میں ان کا منہ کالا ہو جاتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ قبول حق سے انکار محض عصبیت کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کے طریقہ کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے تو ارشاد فرمایا کیا اس پروردگار نے اختیار کر لیے ہے اپنی مخلوقات میں سے اپنے واسطے بیٹیوں کو اور تم کو منتخب مخصوص کر دیا بیٹوں کے ساتھ کہ تم اپنے واسطے تو بیٹیاں گوارا نہ کرو، اور خدا کے واسطے ان کو تجویز کرو۔ حالانکہ جب بھی بھی ان میں سے کسی کو بشارت سنائی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمٰن کے واسطے نمونہ بنا رکھا ہے تو غصہ کے مارے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے دن بھر اور حال یہ ہے کہ وہ دل میں گھٹ رہا ہے اور پیچ وتاب کھاتا ہے یہ تو عجیب احمقانہ فیصلہ اور مضحکہ خیز تصور ہے تو کیا وہ لڑکی جو پرورش پاتی ہے (زیب وزینت) زیور میں اور وہ جو خصومت میں اپنے مدعا کو بھی ظاہر کرنے والی نہیں ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کو خدا کی اولاد اور اس کا نمونہ قرار دیا جائے، ظاہر ہے کہ زیبائش وآرائش میں نشو ونما پانا جسمانی ضعف اور قوائے بدنیہ کے نقصان کی علامت ہے کیونکہ جسمانی زیب وزینت اور آرائش وآسائش انسان کی عملی

= زبردست دلیل ہے جس کو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں آگے اسی کا بیان ہے۔

ف۱ یعنی پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تم کو بتلا دوں تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔

ف۲ یعنی کچھ بھی ہو، ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔

صلاحیتوں کو ناقص بنانے والی ہے اور اپنے مدعی کو ظاہر و ثابت نہ کر سکنا یہ قوائے فکریہ اور عقل کی کمزوری کی علامت ہے، چنانچہ یہ کمزوری عورتوں میں واضح طور پر پائی جاتی ہے گو بات طویل کریں گی لیکن نہ تو اپنے مقصد کو مدلل کر سکیں گی اور نہ مخالف کی بات کا معقول جواب اور رد کر سکیں گی۔ اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ رحمن کے بندے ہیں عورتیں کس قدر ظلم اور حماقت ہے کہ خدا کے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا جائے کیا یہ لوگ موجود تھے ان کی تخلیق کے وقت، اب ہم لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے باز پرس کی جائیگی کہ تم نے اولا تو خدا کی اولاد تجویز کی اور پھر فرشتوں کو مؤنثوں کی صف میں لے جا کر کھڑا کر دیا ہے، حالانکہ وہ نہ جنس مذکر ہیں اور نہ مؤنث، اور پوچھا جائے گا کہ تمہاری اس بات کی کیا دلیل ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی اس احمقانہ اور بیہودہ بات پر شرمندہ ہوتے اور یہ کہنے لگے اگر اللہ چاہتا تو ہم ان بتوں کی عبادت نہ کرتے جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات جانتا ہی ہے تو اس نے ہماری یہ بات جاننے کے باوجود جب ہم کو نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ ہمارا یہ سب عمل اس کی مرضی سے ہے، اور اچھا ہے، حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں کہ اس چیز کی وجہ سے انسان کے اپنے اختیار و ارادہ سے کیے ہوئے برے کام اچھے نہیں ہو سکتے، خیر و شر بے شک اللہ کے ارادہ اور قدرت سے ہے، لیکن انسان اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے، اگر ان کا یہ فلسفہ درست قرار دے لیا جائے تو ہر ظالم و خونخوار اپنے ہر عمل کے درست ہونے کے واسطے یہی استدلال پیش کرنے لگے گا کہ جب خدا نے مجھے اس کام سے نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ یہ کام اچھا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی صاحب عقل اس فلسفہ کو تسلیم کرنے کے لیے نہیں تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ تو سب اٹکل اور تخمین کی باتیں کرتے ہیں۔ جو خود انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دے رکھی ہے اس سے پہلے تو وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کوئی نوشتہ پیغام یا دلیل عقلی تو کیا ہوتی بلکہ وہ تو یہ کہنے لگتے ہیں بے شک ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر اور ہم انہی کے نشانات قدم سے راہ پاتے ہیں اور جس طرح یہ منکرین و مشرکین اپنے باپ دادوں کی اتباع کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اسی طرح یہ ہے کہ جب بھی ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر بھیجا اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا کسی بستی میں تو وہاں کے عیش پرستوں نے یہی کیا کہ ہم نے تو پایا ہے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر اور ہم تو بس انہی کے قدموں پر چلتے ہیں۔

اللہ کا وہ پیغمبر ہمیشہ ان منکرین کی بات پر بولا تو کیا اگر میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت کی چیز لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ تو بھی تم میرا انکار کرو گے اور اس بے دلیل اور عقل و فطرت کے خلاف بات کے مقابلہ میں رشد و ہدایت کی یہ معقول بات نہیں مانو گے تو انہوں نے بس یہی جواب دیا ہم تو اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو تو ہم نے اس بات پر ان سے انتقام لیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی گستاخیاں کب تک برداشت کی جا سکتی ہیں۔ سو، اے مخاطب تو دیکھ لے کیسا ہوتا ہے انجام اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا اور مکذبین و منکرین یعنی قوم عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات تاریخ عالم ہو چکے ہیں، ان کو ہر شخص اور بالخصوص اہل عرب خوب جانتے ہیں تو ان عبرت ناک واقعات سے بخوبی یہ کفار قریش عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو، میں الگ ہوں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو مگر جس نے مجھ کو

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو، اور اس کی قوم کو، میں الگ ہوں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہو۔ مگر جس نے مجھ کو بنایا سو وہ مجھ کو

سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ

بنایا سو وہ مجھ کو راہ سجھائے گا ف۱ اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع رہیں ف۲ کوئی نہیں پر میں نے برتنے دیا ان کو

راہ دے گا۔ اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں، شاید وہ رجوع رہیں۔ کوئی نہیں ! پر میں نے برتنے دیا ان کو،

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ

اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ پہنچا ان کے پاس دین سچا اور رسول کھول کر سنا دینے والا ف۳ اور جب پہنچا ان کے پاس سچا دین کہنے لگے یہ جادو ہے

اور ان کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ پہنچا ان کو دین سچا، اور رسول کھول سنانے والا۔ اور جب پہنچا ان کو سچا دین، کہنے لگے، یہ جادو ہے،

وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور ہم اس کو نہ مانیں گے ف۴ اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دونوں بستیوں میں کے ف۵

اور ہم نہ مانیں گے۔ اور کہتے ہیں، کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں کے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو ف۶ ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کی زندگانی میں

کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی مہر ؟ ہم نے بانٹی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کے جیتے،

ف۱ یعنی صرف ایک خدا سے میرا تعلق ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہ ہی مجھے منزل مقصود کے راستہ پر آخر تک لے چلے گا۔

(تنبیہ) یہاں یہ قصہ اس پر بیان کیا کہ دیکھو تمہارے مسلم پیشوا نے باپ کی راہ غلط دیکھ کر چھوڑ دی تھی۔ تم بھی وہ ہی کرو۔ اور اگر آباء واجداد کی تقلید ہی پر مرتے ہو تو اس باپ کی راہ پر چلو جس نے دنیا میں حق وصداقت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا اور اپنی اولاد کو وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد ایک خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ﴾

ف۲ یعنی ایک دوسرے سے توحید کا بیان اور دلائل سن کر راہ حق کی طرف رجوع ہوتا رہے۔

ف۳ یعنی افسوس ابراہیم علیہ السلام کی ارث حاصل نہ کی اور اس کی وصیت پر نہ چلے بلکہ اللہ نے جو دنیا کا سامان دیا تھا اس کے مزوں میں پڑ کر خداوند قدوس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے اپنا وہ پیغمبر بھیجا جس کی پیغمبری بالکل روشن اور واضح ہے۔ اس نے سچا دین پہنچایا، قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ کے احکام پر نہایت صفائی کے ساتھ مطلع کیا۔

ف۴ یعنی قرآن کو جادو بتلانے لگے۔ اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

ف۵ یعنی اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترا ہوتا۔ یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ بڑے بڑے دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر خدا نے منصب رسالت کے لیے ایک ایسے شخص کو چن لیا ہو جو ریاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔

ف۶ یعنی نبوت و رسالت کے مناصب کی تقسیم کیا تمہارے ہاتھ میں دے دی گئی ہے جو انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ

اور بلند کردیے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمت گار ف۱ اور تیرے رب کی رحمت

اور اونچے کئے درجے ایک کے ایک سے کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو کمیرا۔ اور تیرے رب کی مہر

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ

بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں ف۲ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں ایک دین پر تو ہم دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں رحمٰن سے

بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ لوگ ہو جائیں ایک دین پر، تو ہم دیتے ان کو جو منکر ہیں رحمٰن سے،

لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا

ان کے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں اور ان کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت

ان کے گھروں کو چھت روپے کے، اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں۔ اور ان کے گھروں کو دروازے اور تخت،

عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۗ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ

جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں اور سونے کے ف۳ اور یہ سب کچھ نہیں ہے مگر برتنا دنیا کی زندگانی کا اور آخرت تیرے رب کے یہاں انہی کے لیے ہے

جن پر لگ بیٹھیں۔ اور سونے کے۔ اور یہ سب کچھ نہیں، مگر برتنا دنیا کے جیتے۔ اور پچھلا گھر تیرے رب کے ہاں انہیں کو ہے

رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع۱۰

جو ڈرتے ہیں ف۴

جو ڈر رکھیں۔

بیان استقامت ابراہیم علیہ السلام بر توحید خداوندی ونفرت وبراءت از شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ ... الى ... عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

ف۱ یعنی کسی کو غنی کسی کو فقیر کر دیا۔ ایک کو بیشمار دولت دے دی ایک کو اس سے کم کوئی تابع ہے کوئی متبوع۔

ف۲ یعنی نبوت ورسالت کا شرف تو ظاہری مال وجاہ اور دنیاوی ساز وسامان سے کہیں اعلیٰ ہے۔ جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی، پیغمبری ان کی تجویز پر کیونکر دے۔ آگے دنیا کے مال ودولت اور مادی سامان کا اللہ کے ہاں بے وقعت اور حقیر ہونا بیان کرتے ہیں۔

ف۳ یعنی اللہ کے ہاں دنیاوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب ووجاہت عند اللہ کی دلیل ہے۔ یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، قفل اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے (الا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی۔ اس لیے ایسا نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اسے سیادت ووجاہت عند اللہ اور نبوت ورسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا کہ اس کو آرام دے، اور آخرت میں تو دائمی عذاب ہے۔ کہیں تو آرام ملتا۔ مگر ایسا ہو تو سب وہی کفر کا راستہ پکڑ لیں۔

ف۴ یعنی دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں مگر آخرت مع اپنی ابدی نعماء وآلاء کے متقین کے لیے مخصوص ہے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین ومنکرین کے عناد وتعصب اور ان کے قبول حق سے انکار ونفرت کا بیان تھا، اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا لقب ہی حنیف مسلم تھا ایک رنگ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کسی طرح توحید پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور انہوں نے اسی جذبہ توحید میں اپنی قوم اور اپنے باپ سے بھی نفرت و براءت کا اعلان کردیا، حقیقت یہ ہے کہ توحید وشرک دو متناقض چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ جس کے دل میں ایمان وتوحید کا رنگ رچ گیا ہو وہ شرک اور مشرکین سے نفرت و بیزاری ہی اختیار کرے گا، یہی اسوۂ ابراہیمی ان آیات میں بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ کی اس حکمت تکوینی کا بھی ذکر ہے جس کے باعث اس نے دنیا میں ایمان وکفر اور ہدایت وضلالت کی تقسیم فرمائی تو ارشاد فرمایا۔ اور جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کو اور قوم کو کہ اے لوگو! بے شک میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے ان کو اپنا معبود بنا رکھا ہے مگر اس ذات سے کہ مجھ کو پیدا کیا۔ بس میں تو اسی کی عبادت کرتا ہوں وہی میرا یکتا معبود حقیقی ہے۔ بے شک وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے، اور اسی بات کو ابراہیم علیہ السلام نے ایک باقی رہنے والا پیغام بنا کر چھوڑ دیا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع کریں۔ اسی معبود واحد کی طرف، چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اسوہ اور ان کے میراث ان کی اولاد اور آنے والی نسلوں میں باقی رہتی، لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ یہ ہوا کہ میں نے ان کو دنیوی ساز وسامان اور راحتوں سے متمتع کیا اور ان کے بزرگوں کو یہاں تک کہ ان کے پاس حق آگیا، اور ایسا رسول جو ہر بات کھول کر بیان کردینے والا ہے۔ جس نے سچا دین پیش کیا، واضح دلائل سے حق ثابت کیا قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنائیں، حق وباطل کے فرق اور ان کے ثمرات کو نہایت صفائی سے بیان کردیا جس کے بعد کوئی گنجائش تو نہ تھی کہ ایسے رسول مبین پر لوگ ایمان نہ لاتے اور اس کے دین سے اعراض وانحراف کرتے مگر افسوس انہوں نے اعراض وانکار کیا اور جب ان کے پاس حق پہنچا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں ہیں، اور کہا کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دونوں بستیوں والوں میں سے کسی بڑے مرد پر کہ وہ سربرآوردہ اور دولتمند ہوتا تو ہم اس کی پیروی کرلیتے، اب کسی فقیر اور معمولی آدمی کی کیونکر اتباع کریں، اے ہمارے پیغمبر ﷺ تو کیا یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں آپ ﷺ کے رب کی رحمت کو کہ نبوت ورسالت کا منصب ان کی رائے اور مرضی کے مطابق تقسیم دنیا کا خدا کے یہاں اور قانون ہے، اور نبوت ورسالت سے سرفراز فرمانے کا معیار دوسرا ہے، اور جس طرح دنیا کی نعمت تقسیم کرنے میں ہم ہی قادر ومختار ہیں اس میں کسی کے مشورہ اور مرضی کے پابند نہیں، اسی طرح رسالت ونبوت کی عطا میں بھی ہم ہی مختار مطلق ہیں جس کو چاہیں اس منصب سے نوازیں، نعمت خواہ دنیوی یا اخروی اور روحانی ہو اس کی عطا وتقسیم میں کسی کا کوئی دخل نہیں، چنانچہ ضابطہ یہی ٹھہرا ہوا ہے کہ ہم ہی نے تقسیم کیا ہے ان کی روزی کو دنیا کی زندگی میں اور بلند کردیئے بعضوں کے درجے بعضوں پر کہ کسی کو غنی بنایا اور کسی کو فقیر کسی کو عزت والا تو کسی کو نیچے مرتبہ والا، یہ سب کچھ اس غرض سے کیا کہ بعض دوسرے بعض کو اپنا تابع اور مددگار بنالے تاکہ دنیوی نظام صحیح اسلوب پر قائم رہے، اگر ہر ایک کو برابر کردیا تو کوئی کسی کی بات نہ مانتا نہ تابعدار ہوتا، اور نہ کوئی کسی کی خدمت کرتا اور ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو نظام معیشت درہم برہم ہوجاتا تو فرق مراتب دنیوی مال ودولت میں مقتضائے حکمت تھا تو اسی کے مطابق دنیا کی دولت تقسیم کی گئی کسی کو زائد دیا

جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا کے ہاں اس کی قدر ومنزلت زائد ہے، اصل عزت اور خیر کی چیز رحمت خداوندی ہے، جو علوم نبوت ہیں، اور وہ رسول خدا ﷺ کی بارگاہ سے حاصل ہوتے ہیں، تو اے مخاطب تیرے رب کی رحمت بہتر ہے، ان چیزوں سے جو یہ دنیا والے جمع کرتے ہیں۔ نبوت ورسالت کا شرف دنیوی مال ودولت اور عزت وجاہ سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے یہ فیصلہ درست نہیں کہ نبی اور رسول کسی بستی کا دولت مند شخص ہی ہونا چاہئے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اور اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں تو ہم ان لوگوں کے لیے جو (خدائے) رحمٰن کے منکر ہیں، گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے۔ اور وہ سیڑھیاں بھی چاندی ہی کی بنا دیتے جن پر وہ چڑھیں، اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ سب کچھ چاندی کی بنا دیتے اور سونے کے غرض مکانوں کی چھتیں، سیڑھیاں دروازے تخت وچوکیاں سب کچھ سونے چاندی کے بنا دیتے لیکن اس قدر زیب وزینت کو دیکھ کر انسانی طبائع کا متاثر ہونا اور ان چیزوں کی طرف مائل ہو جانا قریب تر تھا، جس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ دنیا کے تمام لوگ آخرت سے ترک تعلق کر کے صرف دنیوی ساز وسامان اور زیب وزینت ہی کے ہو کر رہ جاتے اور یہ بات حکمت خداوندی کے خلاف تھی، اس وجہ سے کافروں کو بھی دنیا کی دولت کم دی گئی، اور اصل یہی ہے یہ سب کچھ نہیں ہے، مگر صرف دنیا کی زندگی میں برتنے کا سامان جس سے چند روزہ تمتع ہی ہو سکتا ہے۔ اور آخرت کی تمام نعمتیں راحتیں، عزتیں، اے مخاطب تیرے رب کے ہاں صرف تقویٰ والوں ہی کے لیے ہے۔ دنیا کی شادابی اور بہار میں سب شریک ہیں، مگر آخرت کی دائمی اور لازوال نعمتیں ایمان وتقویٰ والوں کے واسطے مخصوص ہیں۔

حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ چکھاتا۔

صحیحین میں ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جس زمانہ میں نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے اس مطالبہ سے ناراض ہو کر ایک ماہ تک کے لیے ازواج مطہرات سے ملنے جلنے بات چیت سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی تھی، اور بالاخانہ پر مقیم تھے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب وہاں حاضر ہوئے اور یہ دیکھا کہ آپ ﷺ کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، جس کی چتیوں نے آپ ﷺ کے پہلو مبارک پر نشان ڈال رکھا ہے تو اس منظر کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ قیصر وکسریٰ جس حال میں ہیں، ظاہر ہے کہ (جن کے پاس دنیا کی نعمتوں کی کوئی حد وانتہا نہیں) اور آپ ﷺ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں، (جو اس حالت میں ہیں) تو آپ ﷺ اپنی امت کے لیے دعا کر دیجئے کہ اللہ ان کو فراخی عطا کر دے، روایات میں ہے کہ آپ ﷺ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنتے ہی چونک کر آگے کو ہو بیٹھے، اور دوبارہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا انی شك انت یا ابن الخطاب (کہ اے ابن خطاب تو ابھی شک ہی میں پڑا ہوا ہے) یہ لوگ تو وہ ہیں کہ دنیا کی لذتیں انہیں دنیا میں جلدی ہی دے دی گئیں، جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ ان کے واسطے دنیا ہو، اور ہمارے واسطے آخرت ہو۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ

اور جو کوئی آنکھیں چرائے رحمان کی یاد سے ہم اس پر مقرر کردیں ایک شیطان پھر وہ رہے اس کا ساتھی ف۱ اور وہ ان کو روکتے رہتے ہیں

اور جو کوئی آنکھیں چرائے رحمٰن کی یاد سے، ہم اس پر تعین کریں ایک شیطان پھر وہ رہے اس کا ساتھی۔ اور وہ اس کو روکتے ہیں

عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۷ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ

راہ سے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں ف۲ یہاں تک کہ جب آئے ہمارے پاس کہے کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو

راہ سے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں۔ یہاں تک جب آئے ہم پاس، کہے، کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو

بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝۳۸ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي

مشرق مغرب کا سا کہ کیا برا ساتھی ہے ف۳ اور کچھ فائدہ نہیں تم کو آج کے دن جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے اس بات سے کہ تم

مشرق مغرب کا سا، کہ برا ساتھی ہے۔ اور کچھ فائدہ نہیں تم کو آج کے دن جب تم ظالم ٹھہرے، اس سے کہ تم

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۹ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ

عذاب میں شامل ہو ف۴ سو کیا تو سنائے گا بہروں کو یا سمجھائے گا اندھوں کو اور صریح غلطی میں

مار میں شامل ہو۔ سو کیا تو سنائے گا، بہروں کو؟ یا سجھائے گا اندھوں کو؟ اور صریح غلطی میں

مُّبِيْنٍ ۝۴۰ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا

بھٹکتوں کو پھر اگر کبھی ہم تجھ کو یہاں سے لے جائیں تو ہم کو ان سے بدلہ لینا ہے یا تجھ کو دکھا دیں جو ان سے وعدہ ٹھہرایا ہے تو یہ

بھٹکتوں کو؟ پھر اگر کبھی ہم تجھ کو لے گئے، تو ہم کو ان سے بدلہ لینا۔ یا تجھ کو دکھائیں جو ان کو وعدہ دیا ہے تو یہ

عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ

ہمارے بس میں ہیں سو تو مضبوط پکڑے رہ اسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا تو ہے بے شک سیدھی

ہمارے بس میں ہیں۔ سو تو مضبوط رہ اسی پر، جو تجھ کو حکم آیا۔ تو ہے بے شک سیدھی

ف۱ یعنی جو شخص سچی نصیحت اور یاد الٰہی سے اعراض کرتا رہتا ہے اس پر ایک شیطان خصوصی طور سے مسلط کر دیا جاتا ہے جو ہر وقت اغواء کرتا اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یہ شیطان دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

ف۲ یعنی شیطان ان کو نیکی کی راہ سے روکتے رہتے ہیں، مگر ان کی عقلیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ اسی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ بدی اور نیکی کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔

ف۳ یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر کھلے گا کہ کیسے برے ساتھی تھے۔ اس وقت حسرت اور غصہ سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا، اور ایک لمحہ تیرے صحبت میں نہ گزرتا کم بخت! اب تو مجھ سے دور ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں " یعنی دنیا میں شیطان کے مشورہ پر چلتا ہے اور وہاں اس کی صحبت سے پچھتائے گا۔ اس طرح کا ساتھی شیطان کسی کو جن بن کر ملتا ہے کسی کو آدمی۔"

ف۴ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس مصیبت میں عام طور پر چھوٹے بڑے سب شریک ہوں تو کچھ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ مشہور ہے" مرگ انبوہ جشنے دارد" مگر دوزخ میں تمام شیاطین الانس والجن اور تابعین و متبوعین کا عذاب میں شریک ہونا کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ اس طرح کی سطحی باتوں سے تسلی اور تخفیف نہیں ہو سکتی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی کافر کہیں گے کہ انہوں نے ہم کو عذاب میں ڈلوایا خوب ہوا یہ بھی نہ بچے لیکن اگر دوسرا بھی پکڑا گیا تو اس کو کیا فائدہ۔"

مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۴۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن

راہ پر ف۱ اور یہ مذکور رہے گا تیرا اور تیری قوم کا ف۲ اور آگے تم سے پوچھ ہوگی ف۳ اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے

راہ پر۔ ور یہ مذکور رہے گا تیرا، اور تیری قوم کا اور آگے تم سے پوچھ ہوگی۔ اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے

قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴿۴۵﴾ ع

تجھ سے پہلے کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمٰن کے سوائے اور حاکم کہ پوجے جائیں ف۴

تجھ سے پہلے۔ کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمٰن کے سوا اور حاکم، کہ پوجے جائیں۔

تنبیہ وتوبیخ بر غفلت واعراض از ذکر خداوندی وحسرت وندامت مجرمین در آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ... الى... آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾

ربط:...... اس قبل آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص اسوہ یعنی توحید خداوندی پر استقامت اور کفر وشرک سے براءت وبیزاری کا بیان فرمایا گیا تھا، ساتھ ہی دنیا کے ساز وسامان اور اس کی آرائش وآسائش کی بے وقعتی کا ذکر تھا اور یہ کہ اصل شرف اور عظمت انسان کو صرف وحی الٰہی ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، اب ان آیات میں حق تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت واعراض پر تنبیہ وتوبیخ کی جارہی ہے، اور یہ کہ ایسے غافلوں اور بے حس لوگوں کا انجام نہایت ہی عبرتناک ہوگا اور ان کو حسرت وندامت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا، ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کو تسلی بھی مقصود ہے، تو فرمایا اور جو شخص اللہ کی نصیحت قرآن کریم اور وحی الٰہی سے اندھا بن جاوے جان بوجھ کر اعراض وغفلت اختیار کرے جیسے کہ اہل کتاب سب کچھ جاننے کے باوجود بھی یہی کہتے رہے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ﴾ تو ہم اس پر مسلط کر دیتے ہیں ایک شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، اور بے شک یہ شیاطین اللہ کے ذکر ونصیحت سے اعراض کرنے والے غافلین کو ہر

ف۱ یعنی اندھوں کو راہ حق دکھلا دینا بہروں کو حق کی آواز سنا دینا اور جو صریح غلطی اور [گمراہی] میں پڑے بھٹک رہے ہوں ان کو تاریکی سے نکال کر سچائی کی صاف سڑک پر چلا دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں ہاں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے [وہ] چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں تاثیر پیدا کر دے۔ بہرحال آپ اس غم میں نہ پڑیے کہ یہ سب لوگ حق کو کیوں قبول نہیں کرتے، اور کیوں اپنا انجام خراب کر رہے ہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجیے، وہ ہی ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ اگر آپ کی وفات کے بعد دی تب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلا کر دی تب، بہرصورت نہ ہمارے قابو سے نکل کر جا سکتے ہیں اور نہ ہم ان کو سزا دیے بدون چھوڑیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ ہے کہ جو وحی آئے اور جو حکم ملے اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں اور برا[بر اپ]نا فرض ادا کیے جائیں۔ کیونکہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں جس سے ایک قدم ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں نہ کسی ہوا پرست کی خواہش وآرزو کی طرف التفات کرنے کی حاجت ہے۔

ف۲ یعنی قرآن کریم تیر[ے] اور تیری قوم کے لیے خاص فضل وشرف کا سبب ہے۔ اس سے بڑی عزت اور خوش نصیبی کیا ہوگی کہ اللہ کا کلام اور ساری دنیا کی نجات وفلاح کا ابدی دستور[العم]ل ان کی زبان میں اتر[ا] اور وہ اس کے اولین مخاطب قرار پائے۔ اگر عقل ہو تو یہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں۔ اور قرآن جو ان سب کے لیے بیش بہا نصیحت نامہ ہے آپ کی ہدایات پر چل کر سب سے پہلے دنیاوی واخروی سعادتوں کے مستحق ہوں۔

ف۳ یعنی آگے چل کر پوچھ ہوگی کہ اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر کی تھی؟ اور اس فضل وشرف کا کیا شکر ادا کیا تھا؟

ف۴ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ وہی ہے جو پہلے [ا]نبیاء علیہم السلام کا تھا۔ شرک کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین میں اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے اور یہ ارشاد کہ "پوچھ [د]یکھو" یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو (جیسے شب معراج میں ہوئی) یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو۔ بہرحال جو ذرائع تحقیق وتفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔

وقت روکتے رہتے ہیں، حق کے راستہ سے۔ اور اس کے باوجود یہ لوگ گمان کرتے رہتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں ان کا یہ تغافل واعراض باقی رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو اب اس شیطان کے بہکانے کے ثمرات اور نتائج کو دیکھ کر پچھتاتے ہوئے کہے گا۔ کاش میرے اور تیرے درمیان دنیا میں مشرق ومغرب کے برابر بُعد ہوتا تو تُو بہت ہی برا ساتھی تھا کہ تو نے مجھے اس طرح گمراہ کیا لیکن یہ حسرت کام نہ آئے گی اور نیز ان سے کہا جائے گا اے ظالمو! ہرگز یہ چیز تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ جب کہ تم دنیا میں کفر کر کے بہت بڑا ظلم کر چکے ہو۔ اب تو بے شک عذاب میں تم سب ہی شریک ہو تو کیا اسی حالت میں کہ ان منکرین نے سب کچھ دلائل حق کا مشاہدہ کر لیا اور حقائق سن لیے مگر پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے۔ آپ ﷺ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں یا ایسے اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں، اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ان کو راہ راست پر لا سکتے ہیں، پھر آپ ﷺ یہ بات یاد رکھئے کہ ایسے سرکشوں اور نافرمانوں کی یہ بغاوت وسرکشی اپنے انجام بد سے خالی نہیں جا سکتی ضرور اس پر عذاب خداوندی آ کر رہے گا، خواہ آپ ﷺ کی حیات میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ تو اگر ہم آپ ﷺ کو دنیا سے اٹھا لیں تو پھر بھی ان کافروں پر عذاب آ کر رہے گا۔ یا وہ عذاب جس کا وعدہ ہم نے کیا ہے، آپ ﷺ کو دنیوی حیات میں دکھلا دیں، تو بھی کوئی بعید نہیں۔ بہرکیف ہم ان سے ضرور انتقام لینے والے ہیں۔ اور یہ مجرم انتقام خداوندی سے کسی بھی حالت میں نہیں بچ سکتے۔ ● تو آپ ﷺ مضبوطی سے پکڑے رکھئے اسی اللہ کے کلام اور دین کو جو آپ ﷺ کی طرف وحی کیا گیا، بے شک آپ ﷺ سیدھے راستہ پر ہیں۔ آپ ﷺ اپنے کام میں لگے رہیں، اعراض کرنے والے اگر اعراض کرتے ہیں تو اس پر غم نہ کیجئے۔ اور بے شک یہ قرآن آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی قوم کے لیے بڑے شرف کی چیز ہے آپ ﷺ کے لیے تو ظاہر ہے، اس وجہ سے کہ رب العالمین نے اس کلام کے ساتھ آپ ﷺ کو مخاطب بنایا اور نبوت ورسالت کا منصب عظیم عطا فرمایا اور آپ ﷺ کی قوم کے لیے اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے توسط سے کلام الٰہی اور خطاب ربانی کے مخاطب بنے پھر تا کہ جو کچھ قرآنی تعلیمات ہیں وہ عزت وبرتری کی حامل ہیں، لہٰذا جس کسی کو اس نعمت سے سرفراز کیا گیا در حقیقت اس کو بڑا عظیم اعزاز دیا گیا جو دنیا اور

● مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر بعضے وعدے تو ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی میں دکھلا دیں گے اور بعض وعدے آپ ﷺ کے بعد ظہور پذیر ہوں، خدا نے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور بالضرور پورے ہوں گے، کوئی دیر سے کوئی سویر سے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ بعضے وعدے آپ ﷺ کی زندگی میں پورے ہو گئے جیسے فتح خیبر اور مکہ کا اور بعضے وعدے جیسے فارس اور روم کی فتح کا وعدہ سو یہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات میں واقع نہیں ہوا، بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں پورا ہوا، آنحضرت ﷺ ابتداء بعثت سے تا حین وفات فارس اور روم کی فتح کا وعدہ دیتے رہے، اور فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو کیا اہل قریٰ وامصار اور کیا اہل بادیہ صحرا غرض سب کے گھروں میں پہنچا دیگا، خواہ بعزت اور خواہ بذلت بعزت تو یہ کہ مشرف باسلام ہونگے اور بذلت یہ کہ جزیہ اور خراج دیتے ہوئے، اسلام کے باج گزار بنیں گے اور ظاہر ہے کہ فتح فارس اور روم کی فتح کا وعدہ زمانہ، نبوت سراپا سعادت میں ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہوا اور جس کے ہاتھ پر اللہ کے وہ وعدے پورے ہوں جن کا اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا تھا، وہی اس کے نبی کا خلیفہ خاص ہے۔

بہرحال معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو لفظ اما اور او واقع ہوا ہے وہ تردید اور تردد کے لیے نہیں بلکہ توزیع وتقسیم کے لیے ہے کہ تکمیل وعدہ کی قسمیں متعدد ہیں۔

اور جملہ ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے پیغمبر ﷺ جماعت قریش میں سے چند وہ لوگ ہونگے جو ظاہر وباطن کی شرافت سے مشرف وممتاز ہو کر آپ ﷺ کے دین کے مددگار ہوں گے، اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے خلیفہ ہوں گے، اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء، ص ۵۹۵)

آخرت کی تمام عظمتوں اور عزتوں کا ضامن ہے، اور ایسے عظیم انعام سے نوازے جانے والوں کو بے فکر ہو جانا چاہئے اس وجہ سے جان لینا چاہئے کہ عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا کہ اس کلام الٰہی کا کیا حق ادا کیا، پیغمبر سے حق تبلیغ کا سوال ہوگا، اور امت سے اس پر عمل کرنے کا سوال ہوگا۔ اور آپ ﷺ ان سب پیغمبروں سے پوچھ لیجئے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا یعنی ان کی کتابوں اور ان پر ایمان رکھنے والوں سے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور کچھ معبود بنائے ہیں، جن کی عبادت کی جاتی ہو۔ ظاہر ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعلیم اور ہدایت توحید کی بنا پر ایک رہی ہے کسی دین وشریعت میں اور کسی نبی کی تعلیم میں خدا کے سوا کسی معبود کا کوئی تصور ہی نہیں تو پھر آخر ان مشرکین مکہ نے خدا کے ساتھ ان بتوں کو عبادت میں کیوں شریک کر لیا ہے، اور نصاریٰ نے تین خداؤں کا عقیدہ رکھا اور یہود نے بھی بہت سے رب بنائے، غرض تمام انبیاء سابقین کی تعلیمات اور ان کی تاریخ صرف توحید خداوندی ہے، پھر کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ کیوں نہیں آپ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کرتے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس تو کہا میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے رب کا

اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر، فرعون اور اس کے سرداروں پاس، تو کہا، میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ

پھر جب لایا ان کے پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے ان پر ہنسنے ف۱ اور جو دکھلاتے گئے ہم ان کی نشانی سو پہلی سے

پھر جب لایا ان پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے ان پر ہنسنے۔ اور جو دکھاتے گئے ہم ان کو نشانی، سو دوسری سے

اُخْتِهَا ؗ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

بڑی ف۲ اور پکڑا ہم نے ان کو تکلیف میں تاکہ وہ باز آئیں ف۳ اور کہنے لگے اے جادوگر ف۴ پکارا ہمارے واسطے اپنے رب کو

بڑی۔ اور پکڑا ہم نے ان کو تکلیف میں، شاید وہ باز آئیں۔ اور کہنے لگے اے جادوگر! پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو

بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ

جیسا سکھلا رکھا ہے تجھ کو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے ف۵ پھر جب اٹھالی ہم نے ان پر سے تکلیف تبھی وہ وعدہ

جیسا سکھا رکھا ہے تجھ کو ہم مقرر راہ پر آئیں گے۔ پھر جب اٹھا لی ہم نے ان پر سے تکلیف، تبھی وہ وعدہ

ف۱ یعنی معجزات کا مذاق اڑانے لگے۔

ف۲ یعنی ایک سے ایک بڑھ کر نشان اپنی قدرت کا اور موسیٰ کی صداقت کا دکھلایا۔

ف۳ یعنی آخر وہ نشان بھیجے جو ایک طرح کے عذاب کا رنگ اپنے اندر رکھتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ "اعراف" میں گزرا۔ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ﴾ غرض یہ تھی کہ ڈر کر اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

ف۴ "ساحر" ان کے محاورات میں عالم کو کہتے تھے۔ کیونکہ بڑا علم ان کے نزدیک یہی سحر تھا۔ شاید اس خوشامد اور لجاجت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بظاہر تعظیمی لقب سے پکارا ہو اور خبث باطن سے اشارہ اس طرف بھی کیا ہو کہ ہم تجھ کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے۔ صرف ایک ماہر جادوگر سمجھتے ہیں۔

ف۵ یعنی تیرے رب نے جو طریقہ دعا کا بتلایا ہے اور جو کچھ تجھ سے عہد کر رکھا ہے اس کے موافق ہمارے حق میں دعا کرو کہ یہ عذاب ہم سے دفع ہو۔ اگر تیری =

يَنْكُثُوْنَ۝۵۰ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ

توڑ ڈالتے ف۱ اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چل رہی ہیں

توڑ ڈالتے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں، بولا، اے قوم میری! بھلا مجھ کو نہیں حکومت مصر کی؟ اور یہ نہریں چلتی ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۵۱ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ

میرے محل کے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے ف۲ بھلا میں ہوں بھی بہتر اس شخص سے جس کو کچھ عزت نہیں اور صاف نہیں

میرے نیچے؟ کیا تم نہیں دیکھتے؟ بھلا میں ہوں بہتر؟ اس شخص سے جس کو عزت نہیں۔ اور صاف نہیں

يُبِيْنُ۝۵۲ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ۝۵۳

بول سکتا ف۳ پھر کیوں نہ آپڑے ان پر کنگن سونے کے یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر ف۴

بول سکتا۔ پھر کیوں نہ آ پڑے اس پر کنگن سونے کے، یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۝۵۴ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا

پھر عقل کھو دی اپنی قوم کی، پھر اسی کا کہنا مانا مقرر وہ تھے لوگ نافرمان ف۵ پھر جب ہم کو غصہ دلایا ف۶ تو ہم نے ان سے بدلہ لیا

پھر عقل کھو دی اپنی قوم کی پھر اسی کو کہا مانا۔ مقرر وہ تھے لوگ بے حکم۔ پھر جب ہم کو بھی جھوبھل دلائی، تو ہم نے ان سے بدلہ لیا،

مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۵۵ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ۝۵۶ ع ۱۱

پھر ڈبو دیا ان سب کو پھر کر ڈالا ان کو گئے گزرے اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے ف۷

پھر ڈبو دیا ان سب کو۔ پھر کر ڈالا ان کو گئے گزرے اور کہاوت پچھلوں کے واسطے۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام برائے تائید مضامین سابقہ و اثبات غلبہ حق بر باطل

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ... الی ... وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ﴾

= دعاء سے ایسا ہو گیا تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ اور تیری بات مان لیں گے۔

ف۱ یعنی جب تکلیف رفع ہوئی اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی ایک دم اپنے قول و قرار سے پھر گئے گویا کچھ وعدہ کیا ہی نہ تھا۔

ف۲ اس کے گرد و پیش کے ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا اور نہریں اسی نے بنائی تھیں۔ دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ان سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت ایسی ہے کہ موسیٰ جیسے معمولی حیثیت والے آدمی کے سامنے گردن جھکا دیں۔

ف۳ یعنی موسیٰ کے پاس نہ روپیہ نہ پیسہ، نہ حکومت نہ عزت، نہ کوئی ظاہری کمال حتیٰ کہ بات کرتے ہوئے بھی زبان پوری طرح صاف نہیں چلتی۔

ف۴ کہتے ہیں کہ وہ خود جواہرات کے کنگن پہنتا تھا اور جس امیر وزیر پر مہربان ہوتا سونے کے کنگن پہناتا تھا اور اس کے سامنے فوج پرا باندھ کر کھڑی ہوتی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کسی کو عزت دیتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں۔ کیا خدا کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجے تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کنگن اور جلو میں فرشتوں کی فوج بھی نہ ہو۔

ف۵ یعنی اپنی ابلہ فریب باتوں سے قوم کو الو بنالیا۔ وہ سب احمق اسی کی بات ماننے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طبائع میں خدا کی نافرمانی پہلے سے رچی ہوئی تھی، اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔

ف۶ یعنی وہ کام کیے جن پر عادۃً خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

ف۷ یعنی پیچھے آنے والی نسلوں کے لیے ان کا قصہ ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتا ہے۔

ربط:......گزشتہ آیات میں اعراض ونافرمانی کرنے والوں پر توبیخ وتنبیہ تھی اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود تھا کہ ایسے لوگوں کے اعراض ومخالفت سے اللہ کے دین کو ہرگز کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچ سکتا اب اسی مناسبت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ جب وہ اللہ کی نشانیاں لے کر فرعون کے سامنے آئے تو فرعون کی مخالفت اور مقابلہ اور فرعون کی تمام طاقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکی، نتیجہ یہی ہوا کہ حق غالب آیا اور فرعون کی تمام طاغوتی طاقتیں پارہ پارہ ہوئیں، تو ارشاد فرمایا اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے دلائل ومعجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سر برآوردہ لوگوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان لوگوں کے پاس آکر یہی کہا اے لوگو! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں تمہاری ہدایت کے واسطے مجھے بھیجا گیا ہے، لیکن جب موسیٰ علیہ السلام فرعون اور فرعون کی قوم کے پاس ہماری نشانیاں اور معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ ناگہاں ان پر ہنسنے لگے اور ان نشانیوں کا مذاق بنانا شروع کردیا، حالانکہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ان دلائل ومعجزات پر غور کرکے ان کو قبول کرتے اور ان کے ذریعہ ہدایت حاصل کرتے۔ اور ہم تو جو بھی نشانی دکھاتے وہ دوسری سے بڑھ کر ہوتی ہے ظاہر ہے کہ سب نشانیاں قبول حق کے واسطے کافی تھیں مگر ان کا اعراض اور نافرمانی کا درجہ بڑھتا ہی گیا، اور پھر جب یہ کسی طرح باز نہ آئے تو ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا شاید یہ رجوع کریں۔ حق کی طرف، باز تو کیا آتے الٹا اور سرکشی بڑھتی گئی اور کہنے لگے اے جادوگر دعا کردیجئے ہمارے واسطے اپنے رب سے اس چیز کی جس کا اس رب نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی وہ قہر وعذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے، آپ (ﷺ) اس کو دور کرنے کے واسطے اپنے رب سے دعا کیجئے اگر ایسا ہوگیا۔ تو بے شک ہم ہدایت قبول کرلیں گے۔ اور ایمان ● اور ایمان لے آئیں گے، لیکن جب ہم نے ان سے عذاب ہٹادیا تو ناگہاں پھر وہ وعدہ توڑنے والے ہوجاتے اور بار بار انہوں نے اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا کہ جونہی تکلیف اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی تو فوراً اپنے قول وقرار سے پھر گئے اور نوبت بدبختی کی یہاں تک پہنچی کہ فرعون نے اپنی قوم میں پکارا اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین وتحقیر کرتے ہوئے کہا اے میری قوم کیا میرے پاس نہیں ہے مصر کی سلطنت اور یہ نہریں جو میرے محلات کے نیچے بہہ رہی ہیں تو کیا تم یہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے ہو۔ بھلا میں ہوں بہتر اس شخص سے جس کو کوئی عزت نہیں، اور وہ نہیں ہے ایسا کہ صاف بول سکے۔ تو میں مال ودولت اور عزت میں بھی اس سے یقیناً بڑھ کر ہوں اور وجاہت وشخصیت میں بھی میرا مقام بلند ہے، اگر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے تو پھر کیوں نہ اس پر ڈال دیئے گئے سونے کے کنگن یا کیوں نہیں آگئے اس کے ساتھ فرشتے صف بستہ ہوکر غرض اس طرح کی بے معنی اور مہمل باتوں کے ذریعہ اس فرعون نے اپنی قوم کی عقل کھودی پھر قوم نے اس کی پیروی کی۔ حالانکہ ادنیٰ عقل رکھنے والے کو بھی جان لینا چاہئے تھا کہ یہ سب کچھ ان کو بیوقوف بنانے والی باتیں ہیں۔ بے شک یہ لوگ نافرمان تھے۔ جب فطرت میں خبث رچا ہو اور عمل نافرمانی کا ہو تو پھر یقیناً اس قوم کا یہی شیوہ ہونا چاہئے تھا کہ حقیقت اور عقل کو بالائے طاق رکھ کر فرعون کی باتوں میں آکر احمق بنیں۔ پھر جب ان لوگوں نے اپنی اس باغیانہ روش سے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو ان سب کو ہم نے ڈبو دیا۔ جب کہ فرعون مع اپنی جماعت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل

● ان آیات تسع اور قوم بنی اسرائیل کے عذاب کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی۔ ۱۲

کے تعاقب میں نکلا تھا تو دریا میں اللہ رب العزت نے جو راستہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے گزرنے کا بنایا تھا اسی راستہ پر ان فرعونیوں کو ڈال کر غرق کر ڈالا۔ پھر بنا دیا ان کو دنیا سے گزر جانے والا اور نمونہ عبرت کر دیا بعد میں آنے والوں کے لیے تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں یہ عبرتناک واقعہ سن کر اس طرح کی سرکشی اور بغاوت سے باز آئیں۔ اور خدا کے پیغمبر کی اطاعت کریں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا ءَ أٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ

اور جب مثال لائے مریم کے بیٹے کی تبھی قوم تیری اس سے چلانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے معبود بہتر ہیں یا

اور جب کہاوت لائیے مریم کے بیٹے کی، تو تبھی قوم تیری لگتے ہیں اس سے چلانے۔ اور کہتے ہیں، ہمارے ٹھاکر بہتر ہیں یا

هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ

وہ فـل یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو بلکہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو وہ کیا ہے ایک بندہ کہ ہم نے اس پر فضل کیا

وہ؟ یہ نام جو دھرتے ہیں تجھ پر، سب جھگڑنے کو۔ بلکہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو۔ وہ کیا ہے؟ ایک بندہ ہے، کہ ہم نے اس پر فضل کیا

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْأَرْضِ

اور کھڑا کر دیا اس کو بنی اسرائیل کے واسطے فـ۲ اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے رہیں زمین میں

اور کھڑا کیا بنی اسرائیل کے واسطے۔ اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے، رہیں زمین میں

فـ۱ حضرت مسیح علیہ السلام کا جب ذکر آتا تو عرب کے مشرکین خوب شور مچاتے اور قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُونَ﴾ کہنے لگے نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ اب بتاؤ! تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح علیہ السلام ظاہر ہے تم مسیح کو اچھا کہو گے۔ جب وہ ہی (معاذ اللہ) آیت کے عموم میں داخل ہوئے تو ہمارے معبود بھی سہی۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا "لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر" کہنے لگے کیا مسیح میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں؟ ظاہر ہے کہ آیت کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا مطلب ان چیزوں سے متعلق تھا جن کی پرستش لوگ کرتے ہیں۔ اور وہ ان کو اس سے نہیں روکتے۔ اور اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر ان معترضین کا منشاء تو محض جھگڑے نکالنا اور کٹ حجتی کر کے حق کو رلانا تھا۔ اس لیے جان بوجھ کر ایسے معنی پیدا کرتے تھے جو مراد متکلم کے مخالف ہوں۔ کبھی کہتے تھے کہ بس معلوم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح ہم سے اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں جیسے نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی کرتے ہیں۔ شاید کبھی یہ بھی کہتے ہوں گے کہ خود قرآن نے مسیح علیہ السلام کی مثل یہ بیان کی ہے۔ ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ اب دیکھ لو ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح؟ انہیں کیوں بھلائی سے یاد کرتے ہو؟ اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہتے ہوں گے۔ ان سب باتوں کا جواب آگے دیا گیا ہے۔

فـ۲ یعنی کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں ان کی طبیعت ہی جھگڑالو واقع ہوئی ہے۔ سیدھی اور صاف بات کبھی ان کے دماغوں میں نہیں اترتی۔ یوں ہی مہمل بحثیں اور دور دراز کار جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ بھلا کہاں وہ شیطان جو لوگوں سے اپنی عبادت کراتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں یا وہ پتھر کی بے جان مورتیں جو کسی کو کفر وشرک سے روکنے پر اصلاً قدرت نہیں رکھتیں اور کہاں وہ خدا کا مقبول بندہ جس پر اللہ نے خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے واسطے کھڑا کیا۔ جس کو اپنے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور جو اپنی امت کو اسی چیز کی طرف بلاتا تھا کہ "إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ" کیا اس مقبول بندہ کو العیاذ باللہ "حصب جہنم" یا "لیس فیہ خیر" کہا جا سکتا ہے؟ یا یہ پتھر کی مورتیاں اس کی ہمسری کر سکتی ہیں۔ یاد رکھو! قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا تو سارا جہاد ہی اس مضمون کے خلاف ہے۔ ہاں یہ بھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب و مقبول بندہ کو پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے۔

يَخْلُفُوْنَ ⑥ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ⑥

تمہاری جگہ ف۱ اور وہ نشان ہے قیامت کا ف۲ سو اس میں شک مت کرو اور میرا کہا مانو یہ ایک سیدھی راہ ہے

تمہاری جگہ۔ اور وہ نشان ہے اس گھڑی کا، سو اس میں دھوکا نہ کرو، اور میرا کہا مانو۔ یہ ایک سیدھی راہ ہے۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑥ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ

اور نہ روک دے تم کو شیطان وہ تو تمہارا دشمن ہے صریح ف۳ اور جب آئے عیسیٰ نشانیاں لے کر بولا

اور نہ روکے تم کو شیطان۔ وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔ اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر، بولا،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں ف۴ اور بتلانے کو بعضی وہ چیز جس میں تم جھگڑتے تھے ف۵ سو ڈرو اللہ سے

میں لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں اور بتانے کو بعضی چیز جس میں تم جھگڑتے تھے، سو ڈرو اللہ سے،

وَاَطِيْعُوْنِ ⑥ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ⑥

اور میرا کہا مانو بیشک اللہ جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو، یہ ایک سیدھی راہ ہے ف۶

اور میرا کہا مانو۔ بے شک اللہ جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا۔ اس کی بندگی کرو، یہ ایک سیدھی راہ ہے۔

تردید خصومت مشرکین درباره توحید ودعوت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ... الٰی ... هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾

ربط:......سابقہ مضامین انبیاء سابقین کی تعلیم کے بیان پر مشتمل تھے کہ ہر پیغمبر کی دعوت وتعلیم توحید ہی رہی ہے، اور اب نبی آخر الزمان محمد ﷺ رسول اللہ نے بھی اسی توحید کی دعوت دی ہے تو پھر کفار قریش کو اس دعوت پر کیا تامل اور اعتراض ہے اور

ف۱ یعنی عیسیٰ علیہ السلام میں آثار فرشتوں کے سے تھے (جیسا کہ سورۂ مائدہ، آل عمران، اور کہف کے فوائد میں اشارہ کیا جا چکا ہے) اتنی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا کریں یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں ہی کو لا کر زمین پر آباد کر دیں۔ ہم کو سب قدرت حاصل ہے۔

ف۲ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب وغریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کرلیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آلگی ہے۔

ف۳ یعنی قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔ اور جو سیدھی راہ ایمان وتوحید کی بتلا رہا ہوں اس پر چلے آؤ۔ مبادا تمہارا ازلی دشمن شیطان تم کو اس راستہ سے روک دے۔

ف۴ یعنی پکی باتیں دانائی اور حکمت کی۔

ف۵ یعنی دینی باتیں یا بعض وہ چیزیں جن کو شریعت موسویہ نے حرام ٹھہرایا تھا ان کا حلال ہونا بیان کرتا ہوں۔ ﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

ف۶ یہ تعلیم تھی حضرت مسیح علیہ السلام کی۔ دیکھو کیسی صفائی سے خدائے واحد کی ربوبیت اور معبودیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی توحید اور اتقاء واطاعت رسول کو صراط مستقیم قرار دیا ہے۔

وہ دعوت توحید جس پر ہر پیغمبر کا اتفاق رہا کیوں نہیں اس کو قبول کرتے، اب ان آیات میں کفار کے ایک معاندانہ اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے جس کا منشاء نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنانا تھا، اس لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے جس پیغمبر یعنی مسیح ابن مریم علیہ السلام کے قصہ کو تم اپنے شرک کی دلیل قرار دے رہے ہو تو خود ان مسیح بن مریم کی تعلیم تو محض توحید تھی۔

بعض احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے یہ فرمایا تھا۔ لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر۔ یعنی اللہ کے سوا جو بھی معبود ہے اس میں کوئی خیر نہیں تو اس پر بعضوں نے کہا پھر تو اس میں عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں کیونکہ ان کو بھی نصاریٰ نے معبود بنایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ نبی صالح تھے، تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اس عموم میں عیسیٰ علیہ السلام داخل نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ تو شرک کی تردید کرتے تھے، اور توحید کے داعی تھے، اب اگر ان کی مرضی اور دعوت کے خلاف کوئی قوم ان کو معبود بنالے تو یہ ان کی خیریت کے منافی نہیں، خیریت کی نفی اس صورت میں ہوگی، جب کہ اس شرک میں ان معبودوں کی مرضی اور دعوت کو دخل ہو اور نہ کبھی انہوں نے اس شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا ہو اور نہ ہی روکا ہو، لیکن جس نے نفرت و بیزاری ظاہر کی ہو، روکا ہو، تردید کی ہو اور اس کے برعکس توحید ہی کی دعوت دی ہو تو وہ کیونکر اس میں داخل ہو سکتا ہے، بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی۔ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ یعنی اے مشرکو! تم اور وہ تمہارے معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جہنم کا ایندھن ہیں، تو یہ لوگ کہنے لگے، اچھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو نصاریٰ کے معبود تھے، کیونکہ نصاریٰ نے ان کو معبود بنایا تھا، تو پھر بتاؤ تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟ ارشاد فرمایا۔ اور جب بھی مثال بیان کی جائے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کی تو اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم اس سے چلانے لگتی ہے۔ اعتراض اور خصومت کرتے ہوئے اور کہنے لگتے ہیں بتائیے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ اور وہ خود جانتے ہیں کہ ان کا یہ استدلال یا خصومت مہمل اور بے معنی ہے تو نہیں پیش کرتے ہیں ابن مریم علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو مگر محض جھگڑنے کے واسطے۔ اور یہ بات کوئی وقتی یا عارضی نہیں بلکہ یہ لوگ تو ہیں ہی جھگڑالو ان خصومت اور جھگڑا کرنے والے مشرکین کا ابن مریم علیہ السلام کو اپنے معبودوں کے درجہ میں قرار دے کر پیش کرنا قطعاً غلط اور بیہودہ جھگڑا ہے وہ تو داعی توحید تھے شرک سے قطعاً بیزار و متنفر تھے۔ وہ تو صرف ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا، اور بنایا تھا ہم نے ان کو ایک مثال بنی اسرائیل کے واسطے کہ بنی اسرائیل کے لیے پیکر ہدایت اور نمونہ توحید تھے، اور سابقہ تاریخ میں بنی اسرائیل نے جو شرک و بت پرستی کی مختلف قسمیں جاری کر رکھی تھیں ان کا رد اور ازالہ کریں۔

یہ بات بے شک درست ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میں بہت سے آثار فرشتوں کے تھے لیکن ان آثار کی وجہ سے ان کو معبود بنالینا کیسے ممکن تھا۔ حالانکہ فرشتے خود اللہ کی مخلوق ہیں اور اگر ہم چاہیں تو بنا دیں تم میں سے فرشتے زمین میں جو تمہاری جگہ ہوں اور تمہاری نسل میں سے ہو کر بعد میں زمین پر بسیں جیسا کہ ہر ایک نسل پہلی نسل کے ہوئے اور اس طرح ان کو اللہ نے فرشتوں کا سا نمونہ بنا دیا جن کے نہ باپ ہیں اور نہ ماں یا ان کو آدم علیہ السلام کی طرح پیدا فرما دیا تو نہ آدم علیہ السلام خدا اور خدا

کے بیٹے ہوئے اور نہ فرشتے معبود ہو سکتے ہیں تو پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نصاریٰ کا معبود بنالینا کیونکر از روئے عقل صحیح ہو سکتا ہے اور وہ بے شک ایک نشان ہے قیامت کے واسطے تو اس میں ہرگز کوئی شبہ نہ کرو، اور میری بات مانو یہی ایک سیدھا راستہ ہے، اور ہرگز ایسا نہ ہونا چاہئے کہ شیطان تم کو روکے۔ اس سیدھے راستے سے وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

غرض یہ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مریم علیہا السلام کے بیٹے اور خدا کے بندے تھے، نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے، اور ان کی تعلیم وہدایت میں سراسر توحید ہی تھی، مگر نصاریٰ نے کس قدر ظلم کیا کہ ان کو معبود بنایا اور توحید کے بجائے شرک کو اختیار کیا۔

اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں اور دلائل لے کر تو کہا اے میری قوم میں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس حکمت کی باتیں اور اس لیے کہ کھول کر بتادوں میں تم کو بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ اور باہم جھگڑ رہے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ محکم ومضبوط بات جو ہر قسم کی حکمت سے لبریز ہے، یہ ہے کہ بے شک صرف اللہ ہی ہے جو میرا بھی معبود ہے اور تمہارا بھی معبود ہے، بس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ بہرکیف یہ تھا پیغام مسیح بن مریم علیہ السلام جس میں توحید خداوندی کی دعوت تھی، اور شرک سے نفرت وبیزاری کا اعلان تھا، اس کے باوجود اگر نصاریٰ نے ان کو معبود بنایا تو یہ چیز ان کی فضیلت وخیریت اور عبدیت وبندگی پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہے۔

تفسیر

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾

اور مسئلہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

جمہور مفسرین کے نزدیک ﴿وَاِنَّهٗ﴾ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بے شک ایک علامت ہیں قیامت کے لیے، اور اس سے مراد ان کا آسمان سے نزول فرمانا اور زمین پر آنا ہے تو ان کا یہ آنا منجملہ علامات قیامت کے ایک عظیم نشانی بنایا گیا، ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ابوالعالیہ ابومالک رضی اللہ عنہ عکرمہ رضی اللہ عنہ حسن بصری رحمہ اللہ قتادہ، ضحاک رحمہ اللہ مجاہد رضی اللہ عنہ اور جملہ ائمہ مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ﴾ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ● راجع ہے، تفسیر درمنثور میں مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

قال: "اٰية للساعة" خروج عسى ابن مريم قبل يوم القيمة"۔

فرمایا قیامت کی نشانی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے، ظاہر ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف کوئی تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں بحرامت اور حبر الامہ ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مقابلہ میں کونسی تفسیر قابل قبول ہو سکتی ہے، تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر (۲۵۔ ۵۴) مطبوعہ میریہ تفسیر ابن کثیر (۶۔ ۱۴۶) مطبوعہ میریہ

● تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔ ۱۲۔

الدر المنثور (۶۔۲۰) طبع مصر، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام (ص ۳) ملاحظہ ہو، عقیدۃ الاسلام (ص ۵) میں جناب امام العصر حضرت انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا تواترت الاحادیث بنزولہ وتواترت الاثار وھو والمتبادر من نظم الایۃ فلا یجوز تفسیر بغیرہ الخ۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث وآثار متواتر ہیں اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔

(۳) ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ (نساء ۱۵۹)

اور کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا، مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

"موتہ" کی ضمیر میں نزاع ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمہ اللہ عکرمہ رحمہ اللہ ابن سیرین رحمہ اللہ ضحاک رحمہ اللہ وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح وترجیح فرمائی ہے کہ "موتہ" کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزول علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئیں گے اور اسی قول کو ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں "اولی ھذا الاقوال بالصحۃ" قرار دیتے ہیں، ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وھذا القول ھو الحق کما سنبینہ بالدلیل القاطع ان شاء اللہ...

یہی قول حق ہے جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے، ان شاء اللہ۔

اور پھر فرماتے ہیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی ذات کو ایک خاص نشان بنایا تھا، اور حق تعالیٰ کی قدرت عظیم کے دلائل میں سے بہت بڑی دلیل تھے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کا پہلی مرتبہ آنا خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور ماں کی گود ہی سے بولنا شروع کیا اور اللہ کی ربوبیت اپنی عبدیت کے قرار اور اعتراف سے بولنے کا آغاز فرمایا اور پھر نبوت و رسالت ملنے کے بعد عجیب وغریب معجزات دکھلائے اور پھر جب دشمنوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، تاکہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح چندروز آسمان پر رہیں اور زمانہ آئندہ میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر نازل ہوں اور ان کا یہ دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس اعتبار سے وہ من وجہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کا نمونہ بنے کہ جو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ اور باپ کی طرح چندروز کے لیے آسمان پر چلے گئے۔ اور آیات قرآنیہ اور احادیث صریحہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر ہبوط اور نزول قطعی طور پر ثابت ہے۔

اسی طرح قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر نزول وہبوط، اپنے باپ آدم علیہ السلام کے ہبوط کا

نمونہ ہوگا، اور اس طرح آسمان سے ہبوط اور نزول قرب قیامت کی علامت ہوگا ان کے نزول سے لوگ سمجھ لیں گے کہ قیامت بالکل قریب آ لگی ہے آیات قرآنیہ سے اور احادیث نبویہ سے تفصیلاً یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ دجال لعین کے خروج کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام علی نبینا وعلیہ افضل الصلوٰۃ والسلام آسمان سے نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل فرمائیں گے، اور زمین کو دجال اور اس کے متبعین کی خباثت وفساد اور یہودیوں کی ناپاکیوں اور گندگیوں سے پاک کریں گے، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں، اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب انقراض عالم کی مدت قریب ہوگی تو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی آدم علیہ السلام میں سے ہیں اور بعض اعتبارات سے اپنے باپ آدم علیہ السلام کا نمونہ ہیں، اس لیے اول ان کو خدا تعالیٰ نے کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معینہ کے لیے آسمان پر اٹھالیا، اور چونکہ کوئی انسان آسمان پر فوت نہ ہوگا، بلکہ زمین ہی پر مرے گا۔

لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام کی اجل مقررہ اور مدت حیات اختتام کو پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان سے زمین پر نازل کرے گا، تاکہ ان کی موت زمین پر آئے اور جس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینے کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ ان ہی کے قدموں میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوگی، چنانچہ قیامت کے قریب دجال کے قتل کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے، اور بعض مؤرخین مثلاً علامہ سمہودی رحمہ اللہ کی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ حجرۂ شریفہ میں جو ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آگے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین سے سمت مشرق میں واقع ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۱۰۵، وزاد المسیر ص ۳۲۵ جلد، وتفسیر ابن جریر وتفسیر ابن کثیر جلد رابع ودر منثور) ان تمام تفاسیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور اس کے خلاف کسی سے منقول نہیں اور سورۃ نساء کے اخیر میں ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ کی تفسیر میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حضرت والد صاحب قبلہ رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کو قول حق قرار دیا اور فرمایا کہ دلیل قطعی سے یہی ثابت ہے۔

علاوہ ازیں عیسیٰ علیہ السلام احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کی تعداد ایک سو متجاوز ہے۔ ائمہ محدثین نے تو ان احادیث کو بھی متواتر فرمایا ہے جو تیس سے پچاس تک شمار کی گئی ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے احادیث نزول کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام احادیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں، اس لحاظ سے مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام دین کے لوازم اور ضروریات میں سے ہوا جس پر ایمان کے بغیر قانون شریعت سے کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

فقہ اکبر صفحہ ۱۳ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

وخروج الدجال ویاجوج وماجوج وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسیٰ علیه السلام من السماء وسائر علامات القیامة علی ماوردت به الاخبار الصحیحة حق کائن والله تعالیٰ یهدی من یشآء الی صراط مستقیم۔

خروج دجال اور خروج یاجوج وماجوج اور آفتاب کا مغرب سے طلوع اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول اور باقی علامات قیامت جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے، یہ اور وہ سب حق ہیں اور ضرور ہو کر رہیں گی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی اس عبارت میں نزول کے ساتھ من السماء کا لفظ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول آسمان سے ہوگا، نیز یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ اس جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہونگے۔

قال الامام البیهقی اخبرنا ابو عبدالله الحافظ انا ابوبکر بن اسحاق انا احمد بن ابراهیم ثنا ابن کبیر حدثنی اللیث عن یونس عن ابن شهاب عن نافع مولی ابی قتادہ الانصاری قال فی کتاب الاسمآء والصفات۔

ان ابا هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم من السمآء فیکم وامامکم منکم (رواه البیهقی فی کتاب الاسماء والصفات)

امام بیہقی سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خوشی کا کیا حال ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہما السلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے، اور تمہارا امام خود تم میں سے ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر فرمایا اور یہ سند صحیح ہے اس کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال رواه البخاری فی الصحیح عن یحی بن یکبر واخرجه مسلم من وجه آخر عن یونس وانما اراد نزوله من السمآء بعد الرفع الیه (کتاب الاسماء والصفات ص ۴۲۴ طبع مصر) باب قوله تعالیٰ عز وجل لعیسی علیه السلام ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ الآیه"۔

کہ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور جز ایں نیست کہ نزول سے مراد آسمان سے اترنا ہے جیسا کہ رفع سے آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں اگرچہ لفظ من السمآء کا موجود نہیں مگر اصل حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اس لیے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا، اور بتلا دیا کہ حدیث میں صرف نزول من السمآء ہی مراد ہو سکتا ہے، اس کے سوا اور کوئی معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

وعن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعا قال الدجال اول من یتبعه سبعون الفا من الیهود علیهم السیجان الی قوله قال ابن عباس رضی الله عنهما

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فعند ذلك ینزل عیسیٰ بن مریم من السمآء علی جبل افیق اماما هادیا وحکما عادلا (الحدیث) (کنز العمال: ۲۶۸/۷)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو لوگ دجال کا اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ان کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت جبکہ دجال خروج کریگا تو اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کوہ افیق پر آسمان سے نازل ہونگے اور وہ اس امت کے حق میں امام اور ہادی اور حاکم منصف ہوں گے۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مفصل روایت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں صراحۃً لفظ ''آسمان'' کا موجود ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو اپنی تفسیر میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے اس میں بھی من السماء کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ وذکر الثعلبی والزمخشری وغیرهما من حدیث ابی هریره رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ینزل عیسیٰ ابن مریم علیه السلام من السمآء علی ثنیة من الارض المقدسة یقال لها افیق۔ الی آخر الحدیث تفسیر قرطبی: ۱۰۶/۱۶۔

حاصل یہ ہے کہ اس آیت ﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں "انه" کی ضمیر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرف راجع ہے جو ایک ذات معین کا علم ہے اور قیامت کے قریب ان کے نزول کی خبر دی گئی ہے، اور یہی تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے جیسا کہ عقیدہ طحاویہ اور شرح عقیدہ سفارینیہ میں صراحۃً مذکور ہے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسم عنصری کے ساتھ رفع آسمانی قطعی اور یقینی ہے اسی طرح قیامت کے نزدیک اسی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا جن کی ولادت اور نبوت کا قرآن میں ذکر ہے اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے نزول بھی قطعی اور یقینی ہے۔

لہٰذا کسی ملحد اور زندیق کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام خود نہیں آئیں گے بلکہ ان کا کوئی مثیل اور شبیہ آئے گا، یہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں صریح تحریف ہے، بیشمار احادیث میں نہایت تفصیل اور صراحت کے ساتھ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک ذات معین کا علم اور نام ہے جو فلسطین میں پیدا ہوئے تھے، جس سے ذات معین کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مراد نہیں ہو سکتا علم شخصی کو بلا وجہ نکرہ بنانا قطعاً جائز نہیں، نبی اکرم ﷺ نے آنے والے مسیح علیہ السلام کی تعیین وتشخیص میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، یہاں تک کہ ان کے اترنے کا مقام بھی متعین کر دیا کہ وہ دمشق ہے، جسے سارا عالم جانتا ہے مگر مرزا کہتا ہے کہ اس سے قادیان مراد ہے۔

نیز احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے بھی ثابت نہیں کہ وہ کسی خطہ زمین میں پیدا ہوں گے یا کوئی اور شخص حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ہم صورت یا ہم صفت ہندوستان کے کسی خطہ میں پیدا ہوگا، اور انگریزوں کا باج گزار ہوگا اور وہ مثل مسیح ۔ گھسیٹی کے پیٹ سے پیدا ہوگا، اور انگریزوں کی کچہریوں میں گھسٹتا پھرے گا۔

اشکال:...... مرزا کہتا ہے کہ لفظ نزول جو بحق مسیح آیا ہے اس سے آسمان سے اترنا مراد نہیں بلکہ پیدا ہونا مراد ہے۔

جواب:...... یہ بالکل غلط ہے نزول کے معنی لغت میں پیدائش کے نہیں نیز حدیث نزول میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے جامع مسجد کے منارۂ شرقیہ پر اتریں گے، سو اگر بقول مرزا نزول کے معنی پیدائش کے ہوں تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے منارۂ شرقی پر پیدا ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی بالکل مہمل ہیں اور سراسر غلط ہیں، اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ مسیح بن مریم علیہ السلام تو وفات پا گئے، اب ان کی جگہ دوسرا مسیح پیدا ہوگا، تو اس دوسرے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسیح ہونے کی دلیل پیش کرے اور بتلائے کہ وہ کس دلیل کی بنا پر اپنے کو مسیح کہتا ہے محض حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وفات سے تو کسی کا مسیح ہونا ثابت نہیں ہوسکتا محض کسی نبی کی موت سے کسی زندہ کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ زندہ اپنی نبوت کی دلیل نہ پیش کرے مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہندوستان کا "شاہ جہان" یا "عالمگیر" ہوں اور دلیل یہ بیان کرتا ہو کہ شاہ جہان اور عالمگیر مر چکے ہیں تو محض شاہ جہان اور عالمگیر کی وفات سے تو اس کی بادشاہت ثابت نہیں ہوسکتی اور اگر یہ کہے کہ میں ان کا مثل اور شبیہ ہوں تو سوال یہ ہوگا کہ کس چیز میں آپ شاہجہان اور عالمگیر کے مشابہ ہیں۔ مرزائے قادیان نہ ذات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے۔ اور نہ صفات میں، دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ میں تمثیل مسیح ہوں یا ان کا ظل اور بروز ہوں جس پر دلیل کوئی نہیں، اور اگر محض لفظ ظل اور لفظ بروز بڑھا دینے سے نبوت اور رسالت اور مسیحیت کا دعویٰ جائز ہے تو پھر اس طرح تو دعویٰ الوہیت بھی جائز ہونا چاہئے کہ کوئی یہ کہے کہ میں خدائے تعالیٰ کا ظل اور بروز ہوں اور اس کی صفات کا مظہر ہوں۔

اطلاع:...... یہ تمام تفصیل والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب قدس اللہ سرہ کی کتاب القول المحکم فی نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام" اور اس موضوع پر دیگر تالیفات و مضامین سے ماخوذ ہے حق تعالیٰ والد مرحوم کے علوم سے امت کو ہمیشہ مستفیض فرماتا رہے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ

پھر پھٹ گئے کتنے فرقے ان کے بیچ سے ف۱ سو خرابی ہے گناہ گاروں کو آفت سے دکھ والے دن کی اب یہی ہے

پھر پھٹ گئے فرقے ان کے بیچ سے۔ سو خرابی ہے گناہ گاروں کو، آفت سے دکھ والے دن کی۔ اب یہی

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ

کہ راہ دیکھتے ہیں قیامت کی کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک اور ان کو خبر بھی نہ ہو ف۲ جتنے دوست ہیں اس دن

راہ دیکھتے ہیں اس گھڑی کی، کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہو۔ جتنے دوست ہیں اس دن

ف۱ یعنی اختلاف پڑ گیا۔ یہود ان کے منکر ہوئے اور نصاریٰ قائل ہوئے۔ پھر نصاریٰ کے آگے چل کر کئی فرقے بن گئے۔ کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتلاتا ہے، کوئی ان کو تین خداؤں میں ایک کہتا ہے، کوئی کچھ اور کہتا ہے۔ حضرت مسیح کی تعلیم پر ایک بھی نہیں۔

ف۲ ایسے ایسے کھلے بیانات اور واضح ہدایات کے باوجود بھی جو لوگ نہیں مانتے آخر وہ کاہے کے منتظر ہیں۔ ان کے احوال کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بس قیامت ایک دم ان کے سر پر آ کھڑی ہو تب مانیں گے۔ حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ دے گا۔

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ ع

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ہیں ڈر والے ف۱ اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم

دشمن ہوں گے، مگر جو ہیں ڈر والے۔ اے بندو میرے! نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم

تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

غمگین ہو گے ف۲ جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار ف۳ چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں

غم کھاؤ۔ جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار، چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں،

تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ

کہ تمہاری عزت کریں لیے پھریں گے ان کے پاس رکابیاں سونے کی اور آب خورے ف۴ اور وہاں ہے

کہ تمہاری عزت کریں۔ لئے پھرتے ہیں ان پاس رکابیاں سونے کی اور آب خورے اور وہاں ہے

الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں ف۵ اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے میں ان

جو دل چاہے، اور جس سے آنکھیں آرام پائیں۔ اور تم کو ان میں ہمیشہ رہنا۔ اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے ان

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ

کاموں کے جو کرتے تھے ف۶ تمہارے واسطے ان میں بہت میوے ہیں ان میں سے کھاتے رہو ف۷ البتہ جو لوگ کہ گناہ گار ہیں

کاموں کے جو کرتے تھے۔ تم کو ان میں میوے ہیں بہت ان میں سے کھاتے ہو۔ البتہ جو گناہ گار ہیں،

عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں نہ ہلکا ہوتا ہے ان پر سے اور وہ اسی میں پڑے ہیں آس ٹوٹے ف۸ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

دوزخ کی مار میں ہیں ہمیشہ رہتے۔ نہ ہلکی ہوئی ہے ان پر اور وہ اسی میں پڑے ہیں ناامید۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

ف۱ اس دن دوست سے دوست بھاگے گا کہ اس کے سبب سے کہیں میں نہ پکڑا جاؤں۔ دنیا کی سب دوستیاں اور محبتیں منقطع ہو جائیں گی۔ آدمی پچھتائے گا کہ فلاں شریر آدمی سے دوستی کیوں کی تھی جو اس کے اکسانے سے آج گرفتار مصیبت ہونا پڑا۔ اس وقت بڑا گرم جوشی محب محبوب کی صورت دیکھنے سے بیزار ہوگا۔ البتہ جن کی محبت اور دوستی اللہ کے واسطے تھی اور اللہ کے خوف پر مبنی تھی وہ کام آئے گی۔

ف۲ یعنی نہ آگے کا ڈر، نہ پیچھے کا غم۔

ف۳ یعنی دل سے یقین کیا اور جوارح سے اس کے حکم بردار رہے۔ یہاں سے ایمان اور اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث جبرائیل میں اس کا مفصل بیان ہوا ہے۔

ف۴ یعنی غلمان لیے پھریں گے۔

ف۵ سب سے اعلیٰ چیز جس سے آنکھیں آرام پائیں گی وہ دیدار ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا (رزقنا اللہ بفضلہ ومنہ)

ف۶ یعنی تمہارے باپ آدم کی میراث واپس مل گئی تمہارے اعمال کے سبب سے اور اللہ کے فضل سے۔

ف۷ یعنی چن چن کر۔

وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ

لیکن تھے وہی بے انصاف ف۱ اور پکاریں گے اے مالک کہیں ہم پر فیصل کر چکے تیرا رب ف۲ وہ کہے گا

لیکن تھے وہی بے انصاف۔ اور پکاریں گے اے مالک! کہیں ہم کو فیصل کر چکے تیرا رب۔ وہ کہے گا،

مّٰكِثُوْنَ ۞ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۞ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا

تم کو ہمیشہ رہنا ہے ف۳ ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین پر تم بہت لوگ سچی بات سے برا مانتے ہو ف۴ کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی

تم کو رہنا ہے۔ ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین، پر تم بہت لوگ سچی بات سے برا مانتے ہو۔ کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی

مُبْرِمُوْنَ ۞ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ

کچھ ٹھہرائیں گے ف۵ کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ان کا بھید اور ان کا مشورہ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس

کچھ ٹھہرا دیں گے۔ کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ان کا بھید اور مشورہ؟ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ان کے پاس ہیں

يَكْتُبُوْنَ ۞ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۞ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

لکھتے رہتے ہیں ف۶ تو کہہ اگر ہو رحمٰن کے واسطے اولاد تو میں سب سے پہلے پوجوں ف۷ پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا

لکھتے۔ تو کہہ، اگر ہو رحمٰن کی اولاد! تو میں سب سے پہلے پوجوں۔ پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا

= ف۸ یعنی عذاب نہ کسی وقت ملتوی ہوگا نہ ہلکا کیا جائے گا۔ دوزخی ناامید ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔

ف۱ یعنی ہم نے دنیا میں بھلائی برائی کے سب پہلو سمجھا دیے تھے اور پیغمبروں کو بھیج کر حجت تمام کر دی تھی۔ کوئی معقول عذر ان کے لیے باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اس پر بھی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ ایسوں کو سزا دی جائے تو ظلم کون کہہ سکتا ہے۔

ف۲ "مالك" نام ہے فرشتہ کا جو دوزخ کا داروغہ ہے۔ دوزخی اس کو پکاریں گے کہ ہم نہ مرتے ہیں نہ چھوٹتے ہیں۔ اپنے رب سے کہہ کر ایک دفعہ عذاب دے کر ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ گویا نجات سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔

ف۳ یعنی چلانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تم کو اسی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے۔ کہتے ہیں دوزخی ہزار برس چلائیں گے تب وہ یہ جواب دے گا۔

ف۴ یعنی وہ سزا اس جرم پر ملی کہ تم میں سے اکثر سچائی سے چڑتے تھے (اور بہت سے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لیے)

ف۵ کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے۔ مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی۔ آئندہ جو اس دین میں آئے اسی کے رشتہ دار اس کو مار مار کر الٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اس کو پہلے سنا دو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے۔" یہ بات انہوں نے ٹھہرائی اور اللہ نے ٹھہرایا ان کو ذلیل و رسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا۔ آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔

ف۶ یعنی ان کے دلوں کے بھید ہم جانتے اور ان کے خفیہ مشورے ہم سنتے ہیں اور حکومت کے انتظامی ضابطہ کے موافق ہمارے فرشتے (کراماً کاتبین) ان کے سب اعمال و افعال لکھتے جاتے ہیں۔ یہ ساری مثل قیامت میں پیش ہوگی۔

ف۷ یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اس کی اولاد کی پرستش کرے۔ کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جس کو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہوگا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہیے۔ پھر جب میں باوجود اول العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد تک کے حقوق پہچانو گے۔

(تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اگر تمہارے اعتقاد میں اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یاد رکھو! کہ تمہارے مقابلہ میں اس اکیلے خدا کی =

وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۝ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا

اور زمین کا صاحب عرش کا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں ف۱ اب چھوڑ دے ان کو بک بک کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ ملیں

اور زمین کا صاحب تخت کا، ان باتوں سے جو بناتے ہیں۔ اب چھوڑ دے ان کو بک بک کریں، اور کھیلیں، جب تک ملیں

یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ۝ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ

اپنے اس دن سے جس کا ان کو وعدہ دیا ہے ف۲ اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور اس کی بندگی ہے زمین میں اور وہی ہے حکمت والا

اپنے اس دن سے، جس کا ان کو وعدہ ہے۔ اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور اس کی بندگی ہے زمین میں۔ اور وہی ہے حکمت والا

الْعَلِیْمُ۝ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ

سب سے خبردار ف۳ اور بڑی برکت ہے اس کی جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور اسی کے پاس ہے خبر

سب جانتا۔ اور بڑی برکت ہے اس کی، جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور جو ان کے بیچ ہے۔ اور اسی پاس ہے خبر

السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ

قیامت کی ف۴ اور اسی تک پھر کر پہنچ جاؤ گے ف۵ اور اختیار نہیں رکھتے وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں سفارش کا مگر جس نے

قیامت کی۔ اور اسی تک پھر جاؤ گے۔ اور اختیار نہیں رکھتے جن کو یہ پکارتے ہیں، سفارش کا، مگر جس نے

شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی

گواہی دی سچی اور ان کو خبر تھی ف۶ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ ان کو کس نے بنایا تو کہیں گے اللہ نے پھر کہاں سے

گواہی دی سچی، اور ان کو خبر تھی۔ اور اگر تو ان سے پوچھے، کہ ان کو کس نے بنایا؟ تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں سے

=عبادت کرنے والا ہوں جو اولاد و احفاد سے منزہ ومقدس ہے۔ بعض نے "عابد" کے معنی لغۃً جاحد (منکر) کے بتلائے ہیں یعنی اس فاسد عقیدہ کا سب سے پہلا انکار کرنے اور رد کرنے والا میں ہوں۔ بعض کے نزدیک "ان" نافیہ ہے۔ یعنی رحمان کے کوئی اولاد نہیں۔ مگر یہ کچھ زیادہ قوی نہیں اور بھی احتمالات ہیں جن کے استیعاب کا یہاں موقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۱ یعنی جن باتوں کی نسبت یہ لوگ اس کی طرف کرتے ہیں۔ مثلاً اولاد وغیرہ، اس سے خدا تعالیٰ کی ذات برتر اور منزہ ہے۔ اس کی ذات میں یہ امکان ہی نہیں کہ معاذ اللہ کسی کا باپ یا بیٹا بنے۔

ف۲ یعنی غفلت وحماقت کے نشہ میں جو کچھ بکتے ہیں بکنے دیجئے۔ یہ لوگ چند روز اور دنیا کے کھیل تماشے میں گزار لیں، آخر وہ موعود دن آنا ہے جس میں ایک ایک کر کے ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔

ف۳ نہ آسمان میں فرشتے اور شمس وقمر معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام واوثان وغیرہ۔ سب زمین وآسمان والوں کا معبود اکیلا وہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم واختیار سے متصرف ہے۔

ف۴ یعنی قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اسی مالک کو ہے۔

ف۵ یعنی وہاں پہنچ کر سب کی نیکی بدی کا حساب ہو جائے گا۔

ف۶ یعنی اتنی سفارش کر سکتے ہیں کہ جس نے ان کے علم کے موافق کلمہ اسلام کہا اس کی گواہی دیں۔ بغیر کلمہ اسلام کسی کے حق میں ایک حرف سفارش کا نہیں کہہ سکتے۔ اور اتنی سفارش بھی وہ ساکین کریں گے جو سچائی کو جانتے اور اس کو زبان ودل سے مانتے ہیں۔ دوسروں کو اجازت نہیں۔

يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ

الٹ جاتے ہیں ف۱ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے ف۲ سو تو منہ پھیر لے ان کی طرف سے اور کہہ سلام ہے ف۳

الٹ جاتے ہیں۔ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب! یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے۔ سو تو مڑ آ ان کی طرف سے، اور کہہ، سلام ہے،

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ ع۱۴

اب آخر کو معلوم کر لیں گے ف۴

اب آخر کو معلوم کرلیں گے۔

تنبیہ بر مخالفت از حق و بیان انعام واکرام مطیعین وذلت وناکامی مجرمین

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ... الی ... فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط: ...... آیات سابقہ میں مشرکین مکہ کے ایک لغو اور مہمل اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی دعوت توحید کا ذکر تھا اور یہ کہ ان کی زندگی کو اللہ نے اپنی قدرت کی ایک عظیم نشانی بنایا تھا، جب تک زمین پر رہے اللہ کی نشانیاں دکھاتے ہوئے اپنی قوم کو توحید ہی کی دعوت دی، اور جب قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرمائیں گے تب بھی وہ یہی دعوت توحید دیتے ہوں گے، ان کی تعلیم وہدایت میں نہ کوئی ابہام تھا اور نہ اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش تھی، اب ان آیات میں اہل کتاب کے مختلف گروہوں اور ان کے حق سے مخالفت کا بیان ہے، اور ساتھ اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے انجام سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہئے، تو فرمایا:

پھر مختلف گروہ ہو گئے ان کے درمیان حالانکہ اہل کتاب کو ایک ہی دین پر متفق ہونا چاہئے تھا لیکن یہود ان کے منکر ہوئے اور نصاریٰ قائل ہوئے، مگر قائل ہونے اور عقیدت رکھنے کے باوجود خود نصاریٰ میں بہت سے فرقے ہو گئے کسی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا، کسی نے ان کو تین خداؤں میں سے ایک کہا، اور کسی نے کہا ﴿اِنَّ اللہَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ کہ اللہ تو مسیح ہی ہے۔ سو ہلاکت ہے ان ظالموں کے لیے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ قدرت کی نشانیاں اور مجرمین پر مختلف اوقات میں قہر وعذاب کا نزول تو اس امر کے لیے کافی تھا کہ ایسے لوگ عبرت حاصل کر لیتے لیکن افسوس ایسے لوگ کسی طرح بھی اپنی باغیانہ روش نہیں چھوڑتے تو کیا یہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان پر دہ ناگہاں

ف۱ یعنی جب بنانے والا ایک اللہ ہے تو بندگی کا مستحق کوئی دوسرا کیوں کر ہو گیا۔ عبادت نام ہے انتہائی تذلل کا۔ وہ اسی کا حق ہونا چاہیے جو انتہائی عظمت رکھتا ہے۔ عجیب بات ہے مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ سے انکار۔

ف۲ یعنی نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے اور اس کی اس مخلصانہ التجاء اور درد بھری آواز کی اللہ قسم کھاتا ہے کہ وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ اور اپنی رحمت سے اس کو غالب ومنصور کرے گا۔

ف۳ یعنی غم نہ کھا، اور زیادہ ان کے پیچھے نہ پڑ۔ فرض تبلیغ ادا کر کے ادھر سے منہ پھیر لے اور کہہ دے کہ اچھا نہیں مانتے تو ہمارا سلام لو۔

ف۴ یعنی آخر کار ان کو پتہ لگ جائے گا کہ کس غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں لگ گیا۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہونے والی ہے۔ تم سورۃ الزخرف بعون اللہ وتوفیقہ فللہ الحمد والمنتہ۔

آ جائے اور حال یہ کہ ان کو خبر بھی نہ ہو کہ قیامت آ رہی ہے، قیامت کا دن جس بے چینی اور گھبراہٹ کا دن ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ دن تو ایسا ہوگا تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان لوگوں کے جو تقویٰ والے ہیں ہر دوست اپنے دوسرے دوست سے بیگانہ و بیزار ہوگا، البتہ اہل ایمان وتقویٰ دنیا کی دوستی کو وہاں بھی یاد رکھتے ہوئے اپنے دوستوں کو پوچھتے ہوں گے اور یاد کرتے ہوں گے۔ ● تو ایسے ایمان وتقویٰ والوں کو پروردگار عالم کی طرف سے کہا جاتا ہوگا۔ اے میرے بندو کوئی خوف نہیں تم پر آج کے دن اور نہ ہی تم غمگین ہوگے میرا یہ پیغام میرے ان بندوں کے واسطے ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے فرمانبردار رہے۔ ان کو ہماری طرف سے یہ بشارت ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں اس طرح کہ تم عزت واکرام اور راحت ومسرت کے ساتھ ہو گھمائے جاتے ہوں گے، ان پر پیالے یا رکابیاں سونے کے اور آبخورے اور وہاں ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جس کے لیے ان کا دل چاہے اور ہر وہ چیز جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں۔ وہ لذتیں جو اہل ایمان کو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔ اور اے میرے بندو! تم ان جنتوں میں ہمیشہ رہو گے، اور یہ جنتیں جن کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے، ان اعمال کی وجہ سے جو دنیا میں کیا کرتے تھے، تمہارے واسطے ان میں بہت سے پھل اور میوے جن کو تم کھاتے رہو گے۔ اس کے برعکس مجرمین ونافرمانوں کی ذلت ومعصیت کا یہ عالم ہوگا کہ بے شک یہ مجرمین دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہنے والے ہوں گے اس حال میں کہ وہ عذاب ان سے کسی وقت ہلکا ہوگا اور نہ منقطع ہوگا۔ بلکہ مسلسل اسی شدت وعظمت کے ساتھ جاری رہے گا۔ اور وہ اسی میں رہیں گے۔ تمام امیدوں کے ختم ہو جانے کے بعد مایوسی کے عالم میں یہ سب کچھ بلاشبہ ان کے اعمال اور نافرمانیوں کا انجام ہے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

اہل جہنم جب ہر طرف سے مایوس ہو چکیں گے اور کسی طرح اس بات کی امید نہ رہے گی کہ یہ عذاب ٹل جائے، یا کم از کم ہلکا ہی کر دیا جائے تو اس بے قراری میں داروغہ جہنم کی طرف متوجہ ہوں گے اور پکاریں گے۔ اے مالک اب ہم میں طاقت برداشت نہیں۔ کہیں کہ ہم پر فیصلہ کر دے آپ کا رب کہ ہمارا کام تمام ہی کر دیا جائے کہ یہ عذاب یا تو ہمارا قصہ ہی

● اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی ؓ سے ایک روایت میں آنحضرت ﷺ سے یہ بیان فرمایا کہ دو دوست ایماندار ہوں گے، اور دو دوست کافر۔ مومن دوستوں میں سے جب ایک کا انتقال ہوا اور اس کو جنت کی بشارت سنائی گئی تو اس نے اپنے دوست کو یاد کیا اور کہا کہ اے پروردگار فلاں میرا دوست مجھ کو تیری اطاعت و بندگی کا اور تیرے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم کرتا تھا اور مجھ کو خیر پر آمادہ کرتا اور برائیوں سے روکتا تھا، اور مجھ کو بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں تو اے اللہ! تو میرے اس مومن دوست کو میرے بعد گمراہی سے محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تو اس کو ایسی ہی نعمتیں دکھادے جیسی نعمتیں تو نے مجھے دکھائیں، اور تو اس سے ایسے ہی راضی ہو جائے جیسے تو مجھ سے راضی ہوا، اس بات پر اس سے کہا جائے گا کہ اگر تیرا ساتھی ایسا ہی ہے تو اس کے واسطے بھی یہی نعمتیں ہیں، پھر جب دوسرا ساتھی اس کا انتقال کرے گا، تو دونوں کی روحیں جمع ہوں گی اور ہر ایک دوسرے کو کہے گا کہ تو میرا کتنا اچھا بھائی، کتنا اچھا ساتھی اور کتنا عزیز دوست ہے اور اس کے بالمقابل کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اس کو جہنم کی خبر دی گئی تو وہ کہے گا کہ اے پروردگار میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول ﷺ کی معصیت کی ترغیب دیتا تھا اور مجھے شر پر آمادہ کرتا اور خیر سے روکتا تھا اور کہتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تجھ سے نہیں ملوں گا تو اے اللہ تو اس کو ہدایت سے محروم رکھ اور ایسا عذاب دے جیسا تو نے مجھے دیا اور یہ کافر اپنے دوست پر غصہ ہوگا۔ اور اس پر لعنت وملامت کرتا ہوگا، ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو شخصوں کے درمیان اللہ کے لیے محبت ہو ان میں سے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں ہو تو بھی اللہ ان دونوں کو قیامت میں جمع کرے گا۔

ختم کردے یا ہم پر موت ہی آ جائے تاکہ مرکر ہی اس مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہو جائے، مالک جواب دے گا۔ ایک طویل وقت گزرنے کے بعد جب کہ عذاب کی شدت کے علاوہ جواب کے انتظار کی بھی مزید بے چینی ہوگی، آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم تو تمہارے پاس حق لیکر آئے، لیکن تم میں سے بہت لوگ حق سے نفرت ہی کرتے رہے۔

کفار مکہ کو چاہئے کہ ان باتوں کو سن کر خدا کے عذاب سے ڈریں اس کی نافرمانی اور اس کے پیغمبر کی مخالفت وعداوت سے باز آ جائیں اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر سوچ لیں کیا انہوں نے ٹھیرا لی ہے کوئی بات؟ اگر اس پر یہ بھروسہ کرکے سمجھ رہے ہوں کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کو ناکام بنادیں گے، اگر ایسا ہے تو پھر سن لینا چاہئے۔ ہم بھی کوئی بات ٹھیراتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی تدبیر اور سازش اللہ کی تدبیر پر ہرگز غالب نہیں آ سکتی۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ہیں، ان کے خفیہ راز اور ان کی آپس کی سرگوشیوں کو۔ بے شک ہم خوب جانتے ہیں، اور خوب سنتے ہیں۔ اور ہمارے قاصد تو ان کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں جو ان کی ہر بات اور عمل لکھتے رہتے ہیں۔ ہمارے سے ان کی کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، یہ بات دلائل قطعیہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ خدا ایک ہے اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے، اس لیے ایک اور طریقہ سے ان مشرکین مکہ پر حجت پوری کرنے کی غرض سے آپ ﷺ کہہ دیجئے اگر بالفرض رحمٰن کے واسطے کوئی اولاد ہوتی تو میں ہوتا سب سے پہلے اس کو پوجنے والا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک قرار دے لیتا لیکن تم دیکھتے ہو کہ میں سوائے اللہ رب العزت کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتا اور پھر اے نصاریٰ اور عرب کے مشرکو تم کیسے خدا کے واسطے اولاد تجویز کرتے ہو، خبردار ہرگز ایسا ممکن نہیں بلکہ پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب کی جو رب ہے عرش عظیم کا۔ پاکی ہے ہر اس عیب اور شرک کی بات سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اس صورت حال میں کہ ان بدنصیبوں کی آنکھیں نہ کسی عبرت ناک واقعات سے کھلتی ہیں، اور نہ ہی دلائل وحقائق سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ تو چھوڑ دو ان کو یہ اپنی ان ہی بیہودہ باتوں میں منہمک رہیں، اور لہو ولعب میں پڑے رہیں، یہاں تک کہ یہ ملاقات کرلیں اپنے اس دن سے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ کسی بدنصیب کے انکار سے حق تعالیٰ کی ربوبیت اور شان کبریائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ پروردگار معبود ہے آسمان میں اور وہی معبود ہے زمین میں بھی اور وہی ہے بڑی حکمت رکھنے والا باخبر اور بڑی برکت وعظمت والی ہے وہ ذات جس کے واسطے آسمانوں اور زمین کی سلطنت، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بھی۔ اور اسی کو ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف اے لوگو تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ اس عظمت وکبریائی اور قدرت کاملہ اور تمام کائنات پر اس کی سلطنت وحکمرانی کے ہوتے ہوئے اگر چند احمق انسان خدا کی الوہیت کا انکار کریں یا دنیوی مال ومتاع کے نشہ میں مغرور وبدمست ہوکر بیہودہ باتیں کریں تو اس سے نہ اللہ کی وحی پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے، اور نہ کوئی اس کے پیغمبر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اصل نقصان تو ان ہی مجرموں کا ہوگا کہ جب حق تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، تو کوئی نہ بچانے والا ہوگا، اور نہ کوئی سفارش کر سکے گا، اور جن معبودوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے ان کے وہ معبود خود ان سے بیزار ومتنفر ہوں گے اور حال یہ ہوگا کہ نہیں قدرت رکھیں گے سفارش کی وہ معبود جن کو یہ پکارا کرتے تھے، اللہ کو چھوڑ کر

مگر ہاں وہ جس نے گواہی دی حق کی اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے تھے۔ اور اہل ایمان بے شک اپنے بھائیوں کے آخرت میں کام آئیں گے، اور ان کی شفاعت بھی کریں گے۔

عجیب بات ہے کہ حق تعالیٰ کی توحید والوہیت کا انکار کرنے والے خود دل سے اور اپنی فطرت سے اس کے معترف ہیں کہ دراصل اللہ ہی کائنات کا خالق ومالک اور اس کا نظام چلانے والا ہے، چنانچہ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے، تو پھر یہ لوگ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر نے دعوت توحید میں کوئی کمی نہیں کی ہر طرح سے سمجھایا، حقائق ودلائل پیش کیے لیکن ہر دلیل اور معجزہ پر انحراف واعراض ہی کرتے رہے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ خدا کا پیغمبر حسرت ومایوسی کے عالم میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بے بسی کا شکوہ کرنے پر مجبور ہوا، اللہ نے اپنے پیغمبر کی مخلصانہ التجاء اور درد بھری آواز کی قسم کھاتے ہوئے اپنی رحمت ونصرت کی بشارت سنائی اور فرمایا۔ اور قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے میرے پروردگار یہ قوم تو ایمان لانے کو تیار ہی نہیں تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں اور ان سے درگزر کیجئے اور کہہ دیجئے سلام ہے اور عنقریب ہی یہ لوگ معلوم کرلیں گے کہ دنیا میں کس طرح ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں کیسے عذاب ومصائب میں مبتلا ہونا ہوگا، حق تعالیٰ نے ان کلمات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی اور ان مجرموں کے ایمان نہ لانے پر جو صدمہ اور رنج تھا اس کو کم کرنے کی تلقین کے ساتھ لطیف انداز سے یہ بشارت دے دی گئی کہ آپ ﷺ کے دشمنوں اور مخالفوں کو اپنی اس عداوت ومخالفت کا انجام معلوم ہو جائے گا اور اپنی آنکھوں سے اپنی ذلت وناکامی اور اللہ کے پیغمبر کی فتح ونصرت کا مشاہدہ کرلیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ رب العزت نے قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمایا یہود اور اہل کتاب بھی ذلیل وناکام ہوئے، یہاں تک کہ مکہ اور خیبر فتح ہوا یہود ذلیل ہوئے غلام بنے اور جلاوطن ہوئے اور اس طرح اللہ کا یہ لکھا ہوا فیصلہ ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ دنیا کی نظروں کے سامنے آ کر رہا۔

والحمد للہ علی ذلك صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ قدتم بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ الزخرف یوم الاثنین ۶ من شهر رجب ۱۴۰۱ھ اللہ وفقنی لاتمام ھذا التفسیر المبارك بفضلك ورحمتك انك تھدی من تشآء الی صراط مستقیم۔

سورۃ الدخان

سورۃ الدخان بھی مکی سورتوں میں سے ہے، اس سورت کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں، یہ سورت ان اہم اور عظیم سورتوں میں شمار کی گئی ہے جو آنحضرت ﷺ فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو ان بیس سورتوں میں شامل کیا ہے جو نظائر کہلاتی ہیں اور ان کو آنحضرت ﷺ مضمون کی مشابہت کی وجہ سے ملا کر دو دو سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

ابن مردویہ رحمہ اللہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن سورت الدخان کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے، بیہقی رحمہ اللہ نے مرفوعا

روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی شب میں حمٓ الدخان اور سورت یٰسین کی تلاوت کرے تو صبح کو وہ اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کردی گئی ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صبح کو اٹھے گا اس حال میں کہ ستر ہزار فرشتے اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہوں گے۔

ربط:...... گزشتہ سورت کے اکثر مضامین قرآن حکیم کی حقانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے، قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل و براہین کے سلسلہ کے بعد منکرین و مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرتناک احوال کا ذکر تھا اور اسی پر سورت کا مضمون ختم فرمایا، اب اس سورت کا آغاز بھی قرآنی عظمتوں کے مضمون سے ہورہا ہے اور یہ کہ اس کا نزول جس مبارک رات میں ہوا وہ کیسی عظیم برکتوں والی رات تھی اور اس شب مبارک کی کیا خصوصیات ہیں تو جو کتاب الٰہی خود عظمت والی ہو اور جس زمانہ میں اتاری جائے وہ بھی برکتوں والا زمانہ ہو، تو بلاشبہ اس پر ایمان اور اس کے احکام کی اطاعت وفرمانبرداری بھی ہر خیر و برکت کا موجب ہوگی۔

٤٤ سُوۡرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ٦٤ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — ایاتہا ۵۹ رکوعاتہا ۳

حٰمٓ ۚ ① وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ ② اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ③ فِيۡهَا يُفۡرَقُ

قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ف۱ ہم ہیں کہہ سنانے والے ف۲ اسی میں جدا ہوتا ہے

قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ہم ہیں کہ سنانے والے۔ اسی میں جدا ہوتا ہے

كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ ④ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۚ ⑤ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ

ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر ہمارے پاس سے ف۳ ہم ہیں بھیجنے والے ف۴ رحمت سے تیرے رب کی

ہر کام جانچا ہوا۔ حکم ہو کر ہمارے پاس سے، ہم ہیں بھیجنے والے۔ مہر ہے تیرے رب کی۔

هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۙ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ⑦

وہی ہے سننے جاننے والا ف۵ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ ہے اگر تم کو یقین ہے ف۶

وہی ہے سنتا جانتا۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو ان کے بیچ ہے۔ اگر تم کو یقین ہے۔

ف۱ "برکت کی رات" شب قدر ہے کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ اور جو رمضان میں واقع ہے لقولہ تعالیٰ ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ﴾ اس رات میں قرآن کریم لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر اتار گیا۔ پھر بتدریج تئیس سال میں پیغمبر پر اترا۔ نیز اسی شب میں پیغمبر پر اس کے نزول کی ابتداء ہوئی۔

ف۲ یعنی کہہ سنایا ہمیشہ ہمارا دستور رہا ہے۔ اسی کے موافق پر قرآن اتارا۔

ف۳ یعنی سال بھر کے متعلق قضاء و قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں "لوح محفوظ" سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالہ کیے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جسے شب براءت کہتے ہیں۔ ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتداء اور شب قدر پر انتہاء ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی فرشتوں کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہو۔ چنانچہ جبرائیل کو قرآن دے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔

=

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ

کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا ف۱ کوئی نہیں وہ دھوکے میں ہیں

کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے، جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ کوئی نہیں! وہ دھوکے میں ہیں

يَّلْعَبُوْنَ ۞ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۞ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ

کھیلتے ف۲ سو تو انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں صریح جو گھیر لیوے لوگوں کو یہ ہے عذاب

کھیلتے۔ سو تو راہ دیکھ جس دن کو لائے آسمان دھواں صریح۔ جو گھیرے لوگوں کو۔ یہ ہے دکھ کی

اَلِيْمٌ ۞ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۞ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ

دردناک ف۳ اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں ف۴ کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آچکا ان کے پاس

مار۔ اے رب کھول دے ہم سے یہ آفت، ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آ چکا ان پاس

= ف۵ یعنی تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اسی لیے عین ضرورت کے وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دے کر اور عالم کے لیے رحمت کبریٰ بنا کر بھیج دیا۔

ف۶ یعنی اگر تم میں کسی چیز پر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلی چیز یقین رکھنے کے قابل اللہ کی ربوبیت عامہ ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں روز روشن سے زیادہ ہویدا ہیں۔

ف۱ یعنی جس کے قبضہ میں مارنا جلانا اور وجود و عدم کی باگ ہو۔ اور سب اولین و آخرین جس کے زیر تربیت ہوں۔ کیا اس کے سوا دوسرے کی بندگی جائز ہو سکتی ہے؟ یہ ایک ایسی صاف حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

ف۲ یعنی ان واضح نشانات اور دلائل کا اقتضاء تو یہ تھا کہ یہ لوگ مان لیتے، مگر پھر بھی نہیں مانتے، بلکہ وہ توحید وغیرہ عقائد حقہ کی طرف سے شک میں پڑے ہیں اور دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اور اس میں غور و فکر سے کام لیں۔ یہ اس دھوکے میں ہیں کہ ہمیشہ یوں ہی رہنا ہے۔ خدا کے سامنے کبھی پیشی نہیں ہوگی۔ اس لیے نصیحت کی باتوں کو ہنسی کھیل میں اڑا دیتے ہیں۔

ف۳ "دھوئیں" سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا۔ نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا۔ جس سے زکام سا ہو جائے گا۔ اور کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر بیہوش کر دے گا۔ وہ یہاں مراد ہے۔ شاید یہ دھواں وہی سماوات کا مادہ ہو جس کا ذکر "ثم استوی الی السماء وهي دخان" میں ہوا ہے گویا آسمان تجلی تحلیل ہو کر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرنے لگیں گے اور یہ اس کی ابتدا ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ زور و شور کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے بلکہ قریش کے تمرد و طغیان سے تنگ آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا۔ چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چمڑے ہڈیاں کھانے کی نوبت آ گئی غالباً اسی دوران میں "یمامہ" کے رئیس ثمامہ ابن آثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور وہاں سے غلہ کی جو بھرتی مکہ کو جاتی تھی بند کر دی۔ غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں جو یعنی زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد و غبار وغیرہ چڑھ کر آسمان پر دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کو یہاں دخان سے تعبیر فرمایا۔ اس تقدیر پر "یغشی الناس" میں لوگوں سے مکہ والے ہوں گے۔ گویا یہ ایک پیشین گوئی تھی (کما یدل علیہ قولہ "فارتقب") جو پوری ہوئی۔

ف۴ یعنی اس عذاب میں مبتلا ہو کر یوں کہیں گے کہ اب تو اس آفت سے نجات دیجئے آگے کو ہماری توبہ! ہم کو اب یقین آ گیا۔ پھر شرارت نہ کریں گے۔ پکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ آگے اس کا جواب دیا ہے۔

رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا

رسول کھول کر سنانے والا، پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے باؤلا ف۱ ہم کھولے دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک

رسول کھول سنانے والا۔ پھر اس سے پیٹھ پھیری، اور کہنے لگے سکھایا ہے باؤلا۔ ہم کھولتے ہیں عذاب تھوڑے دنوں،

اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

تم پھر وہی کرد گے ف۲ جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ تحقیق ہم بدلہ لینے والے ہیں ف۳

تم پھر وہی کرتے ہو۔ جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ۔ ہم بدلہ لینے والے ہیں۔

بیان عظمت کتاب اللہ و برکات زمانہ نزول قرآن مع دعوت ایمان و بدنصیبی محرومین واشقیاء از سعادت خداوندی

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ... الی ... اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت تک مضمون توحید ورسالت کا اثبات تھا اور اس سے اختلاف واعراض کرنے والے مجرمین کی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے افسوس ناک عبرت ناک انجام کا بیان تھا اور اسی موضوع پر سورت کا مضمون ختم فرما دیا گیا تھا کہ اگر ان واقعات کو سن کر بھی قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو سوچ لینا چاہئے کہ ایسا ہی عبرت ناک انجام ان کا بھی ہوگا، ساتھ ہی آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ قریش مکہ کی مخالفت و دشمنی سے آپ ﷺ زائد پریشان نہ ہوں اور اتمام حجت کے ساتھ فرما دیا گیا تھا۔ ﴿وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ تو اسی مناسبت سے اب اس سورت کی ابتداء قرآن کی عظمت وحقانیت سے ہو رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کتاب الٰہی کی حقانیت وعظمت اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ ذات جس نے یہ کتاب نازل کی وہ بھی بڑی عظمتوں والی ذات ہے اور جس زمانہ اور ساعت میں اس کو اتارا گیا اس

ف۱ یعنی اب موقع سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا کہاں رہا۔ اس وقت تو مانا نہیں جب ہمارا پیغمبر کھلے کھلے نشان اور کھلی کھلی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس وقت کہتے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ کسی دوسرے سے سیکھ کر اس نے یہ کتاب تیار کر لی ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر یہ مطلب ہوا) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اہل مکہ نے قحط وغیرہ سے تنگ آ کر درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کیجیے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابوسفیان وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہتے ہیں کہ میں رحمت ہوں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قحط وخشک سالی سے تباہ ہو رہی ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم اور قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کیجیے۔ اگر ایسا ہوگیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش ہوئی اور ثمامہ نے جو غلہ روک دیا تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلوا دیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اسی کو فرماتے ہیں "انی لهم الذکری" یعنی یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں، اس قسم کی چیزوں میں تو ہزار تاویلیں گھڑ لیں جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب اور زیادہ روشن تھی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری۔ اسی کو نہ مانا کوئی مجنون بتلانے لگا کسی نے کہا کہ صاحب! فلاں رومی غلام سے کچھ مضامین سیکھ آئے ہیں ان کو اپنی عبارت میں ادا کر دیتے ہیں۔ ایسے متعصب معاندین سے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

ف۲ یعنی اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب ہٹا لیں، پھر وہی حرکتیں کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر یہ مطلب ہوگا کہ لو! اچھا ہم تھوڑی مدت کے لیے یہ عذاب ہٹا لیتے ہیں۔ پھر دیکھ لینا، وہی کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔

ف۳ ابن عباس کے نزدیک بڑی پکڑ قیامت ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ آخرت کا عذاب نہیں ٹلتا۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک "بڑی پکڑ" سے معرکہ "بدر" کا واقعہ مراد ہے۔ "بدر" میں ان لوگوں سے بدلہ لے لیا گیا۔

کی برکتوں اور عظمتوں کی بھی کوئی انتہاء نہیں، تو جب اس کتاب کو نازل کرنے والی ذات بھی باعظمت ہے اور زمانہ نزول بھی برکتوں اور عظمتوں کا زمانہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کتاب الٰہی کی عظمت و بلندی کی کوئی حد وانتہا ہی نہیں ہوسکتی، تو ارشاد فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾ اللہ رب العزت ہی اس کی مراد خوب جاننے والا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی جو نہایت ہی واضح اور روشن ہے جس کے نور ہدایت سے سارا عالم روشن ومنور ہوا، جس کے علوم ہدایت ومعرفت نے لوگوں کو ضلالت وگمراہی کی تاریکی سے نکال کر ایمان ومعرفت کی روشنی بخشی۔ ❶ اس کتاب الٰہی کی عظمتوں کا یہ حال ہے کہ بے شک ہم نے اس کو اتارا ہے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک برکت والی رات میں جو کہ شب قدر ہے پھر بتدریج ۲۳ سال کی مدت تک آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور یہ رات ایسی مبارک ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ بے شک ہم لوگوں کو آگاہ کر دینے والے ہیں اسی رات میں ❷ جدا ہوتا ہے اور طے کر دیا جاتا ہے ہر کام جانچا ہوا جو حق تعالیٰ کی طرف سے محکم و طے شدہ اور حکمتوں سے معمور ہوتا ہے حکم ہو کر ہماری جانب سے۔

بے شک ہم ہیں بھیجنے والے فرشتوں کو ❸ ہر کام پر جو ان کے مناسب ہے اور احکام خداوندی کی اس وحی کے ساتھ جو جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر بھیجی جاتی رہی رحمت بنا کر اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے اس لیے تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے، اور وہ دنیا والوں کی پکار بھی سننے والا ہے تو اس نے اپنی حکمت سے خاتم الانبیاء ﷺ کو تمام انبیاء ومرسلین کے بعد خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل کر کے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ جو رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جس کی ربوبیت وخالقیت کائنات کے ایک ایک ذرہ سے ظاہر ہے جس کے مشاہدہ سے تم سمجھ سکتے ہو اگر تم یقین کرنے والے ہو تو ان روشن اور واضح دلائل سے تم بخوبی جان سکتے ہو کہ نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق سوائے اس کے، وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہی ہے پالنے والا تمہارا، اور تمہارے آباء واجداد کا جو پہلے گزرنے والے ہیں۔ ان واضح نشانیوں اور قطعی دلائل کا تقاضا تو یہ تھا کہ لوگ خدا کی خالقیت وربوبیت کو پہچان کر اس کو مانتے اس کی توحید والوہیت پر ایمان لاتے لیکن پھر بھی یہ مشرکین ومنکرین نہیں مانتے اور نہ ایمان لاتے ہیں بلکہ وہ تو دھوکہ میں پڑے ہیں، اسی طرح کھیل تماشے میں لگے ہوئے ہیں کہ ہر نصیحت اور عبرت کی بات ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں اور ان کی یہ لہو ولعب میں انہماک کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ ان کو خدا کے سامنے پیشی کا کوئی تصور ہی نہیں چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرکین ومنکرین گزرے ہوئے واقعات سے عبرت حاصل کرتے اور یہ دیکھ کر کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا، آپ ﷺ پر ایمان لے آتے لیکن اس غفلت ولا پرواہی کی روش نے جب انکی طرف سے مایوسی پیدا کر دی ہے تو پھر انتظار کر اس دن کا کہ لے کر آئے آسمان

❶ ان الفاظ میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ لفظ مبین کا لازمی اور متعدی ہی دونوں معنی میں استعمال درست ہے اور یہ بات اہل عرب کے نزدیک معروف ہے۔ ۱۲

❷ ترجمہ میں لفظ "جدا ہوتا ہے"۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا اختیار کردہ لفظ ہے جس سے طے کرنے کے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں، جیسے بعض روایات سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے لفظ "اور طے کر دیا جاتا ہے" درمیان میں بڑھا دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

❸ مفسرین کی ایک رائے کے مطابق مرسلین کا متعلق فرشتے ہیں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، دوسری رائے کے مطابق مرسلین کا مفعول رسل یعنی انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، جن کو اللہ رب العزت نے احکام دیکر بندوں کی طرف بھیجا۔ ۱۲

ایک کھلا ہوا دھواں جو لوگوں کو ڈھانک لے جس کے بعد واضح بھی ہو جائے گا اور ہر ایک کو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ ہے دردناک عذاب جس کے واقع ہونے پر بے چینی وبیقراری کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے جاری ہوگا کہ اے ہمارے رب کھول دے ہم پر سے یہ عذاب اور اسے دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں کہاں ہے ان کے واسطے عبرت ونصیحت حالانکہ اس سے قبل ان کے پاس آچکا ایک ایسا رسول، جو کھلی ہوئی شان والا تھا یا وہ رسول جو کھول کھول کر انکو اللہ کے احکام ونشانیاں بتانیوالا تھا تو جب ایسے واضح شان والے رسول اور واضح نشانیوں سے عبرت حاصل نہ ہوئی تو اب کیا اس عذاب یا نشانی کو دیکھ کر عبرت ونصیحت ہوگی، چنانچہ یہ لوگ تو ایسے رسول کے آجانے کے بعد بھی پھر اس سے روگردانی کرتے رہے اور کہا کہ یہ تو ایک سکھایا پڑھایا ہوا شخص دیوانہ ہے جس کو کوئی شخص آکر پڑھا جاتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ اور خود یہ مجنون ہے کہ جنون ودیوانگی میں یہ باتیں کہتا ہے الغرض جب ایسے رسول عظیم اور معجزات ظاہرہ کے بعد یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اس دھوئیں کے عذاب کو دیکھ کر کیا ایمان لائیں گے، تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ وعدہ "انا مومنون" کوئی حقیقی اور سچا وعدہ نہیں بلکہ محض ایک مصیبت کو ٹلانے کے لیے حیلہ اور بہانہ ہے، مگر خیر پھر بھی ہم حجت پوری کرنے کے لیے کھولے دیتے ہیں اس عذاب کو تھوڑی مدت تک کے لیے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یقیناً تم پھر لوٹنے والے ہو اپنی پہلی ہی حالت کی طرف اور وہی حرکتیں کرو گے جو پہلے کرتے رہے حقیقت یہ ہے کہ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے تو اس روز ہم پورا پورا انتقام لینے والے ہوں گے اور یہ قانون خداوندی ہے کہ جرم کی اصل سزا اور بدلہ سے پہلے کچھ تنبیہ وتہدید کے مرحلے گزارے جاتے ہیں تاکہ اگر کسی میں کچھ بھی صلاحیت اور سعادت کا اثر ہے تو وہ باز آجائے اور یہ قانون خداوندی اور طریق سزا بھی دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے حجت کو پورا کر دینا ہے۔

تفسیر آیت دخان

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایات بیان کی ہیں، تفسیر درمنثور، روح المعانی اور حافظ ابن کثیر ؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں جس دخان کا ذکر ہے وہ دخان مبین گزر چکا ہے یا آئندہ پیش آنیوالے واقعہ اور علامات قیامت میں سے کسی علامت کا بیان ہے سلف سے یہی دو قول منقول ہیں، بعضوں نے پہلا قول اختیار کیا ہے، اور بعضوں نے دوسرا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ دخان مبین قیامت کے قریب پیش آنے والی علامت ہے جو تمام لوگوں پر پھیل جائے گا مگر اہل ایمان کے حق میں تو یہ محض خفیف زکام کی طرح ہوگا اور کافروں منافقوں کی ناک میں اور کانوں کے ذریعہ دماغ کے اندر گھس کر انکو بیہوش کر ڈالے گا جیسے کہ ابن ابی حاتم ؒ نے ابوسعید خدری ؓ سے روایت کیا کہ قیامت کے قریب یہ دھواں لوگوں پر چھا جائے گا، مومن کو تو محض زکام کی سی کیفیت ہوگی اور کافر کے دماغ میں گھس کر اس کو بے ہوش کر دے گا۔ (1)

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ روح المعانی ج ۲۴۔

حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ہمیں جھانکا اور یہ فرمایا جب کہ ہم آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ:

لاتقوم الساعة حتى تروا عشر آيات طلوع الشمس من مغربها والدخان والدابة وخروج ياجوج وماجوج وخروج عيسىٰ بن مريم والدجال وثلثة خسوف خسف يا المشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب ونار تخرج من فعرعون تسوق الناس تبيت معهم حيث ياتوا وتقيل معهم حيث قالوا۔ (صحيح مسلم)

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم یہ دس نشانیاں نہ دیکھ لو، سورج کا طلوع مغرب سے، دھوئیں کا ظاہر ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور یاجوج وماجوج کا ظاہر ہونا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول اور دجال کا نکلنا اور تین واقع زمین کے دھنسنے کے زلزلوں کے ساتھ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں، اور ایک آگ جوعون کے علاقہ کے وسط میں سے نکلے گی جو لوگوں کو ہنکاتی ہوئی اور وہ رات کو بھی ان کے ساتھ رہے گی، جہاں وہ رات گزاریں گے اور دوپہر کو بھی ان کے ساتھ رہے گی جہاں وہ دوپہر گزاریں گے۔

اور ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان دس آیات میں دخان (دھوئیں) کا ذکر فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ما الدخان کہ یہ دھواں کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ﴾۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ دھواں مشرق ومغرب کے مابین پھیل جائے گا اور چالیس روز تک باقی رہے گا۔ [1]

اس قول کے بالمقابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ تھا کہ اس آیت میں دھوئیں سے مراد وہ علامات قیامت والا دھواں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قریش نے جب اسلام سے روگردانی کی اور کسی طرح بھی تمردو سرکشی سے باز نہ آئے تو آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے انتہائی رنج اور صدمہ کے باعث یہ کلمات جاری ہوئے۔ اللهم عليهم بسنين كسني يوسف عليه السلام، یعنی اے اللہ تو ان قریش مکہ پر ایسی شدت وسختی کے سال مسلط کردے جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اہل مصر پر، تو اس کے بعد قریش کے لوگ انتہا کی فاقہ اور قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ نوبت مردار کا گوشت اور چمڑوں کے کھانے کی آ گئی۔ ہڈیاں ابال کر پینے لگے، کمزوری کا یہ عالم ہوگیا کہ جب بھی آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو کمزوری اور نقاہت سے آنکھوں کے سامنے ایک بادل اور دھواں سا نظر آتا، اور مزید یہ ہوا کہ اسی سال یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوگیا تو جو امداد اور غلہ کی فراہمی وہاں سے ہوتی تھی وہ اس نے بند کردی تو مزید قحط وفاقہ کی مصیبت بڑھ گئی، تو "دخان مبین" یہ آنکھوں کے سامنے چھا جانے والا اندھیرا اور غبار کی طرح کا منظر ہے جو غایت کمزوری سے محسوس ہوتا ہے،

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا ذکر کیا گیا تو اس کی تردید فرمائی، چنانچہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ (جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں) فرماتے ہیں ہم ایک روز کوفہ کی مسجد میں پہنچے ابواب کندہ کے نزدیک تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص وعظ کر رہا ہے اور ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ کے متعلق بیان کر رہا ہے کہ لوگو! تم جانتے ہی ہو کہ یہ دخان مبین کیا ہے؟ سنو! یہ دخان مبین (دھواں) قیامت کے روز ظاہر ہوگا جو کفار و منافقین کی آنکھوں، ناک اور کانوں میں بھر دیا جائے گا (جس سے وہ بے ہوش ہو جائیں گے) لیکن مومن کے لیے صرف ایک زکام کی سی کیفیت ہوگی، تو مسروق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے یہ تفسیر نقل کی وہ سن کر چونک گئے، اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب فرمایا ہے ﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرما دیجئے کہ میں امر وحی اور تبلیغ رسالت پر کسی قسم کے معاوضہ کا سوال نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں، مراد یہ تھی کہ اگر کوئی بات وحی الٰہی نہیں تو پھر میں خود اپنی طرف سے بنا کر پیش کرنے والا نہیں ہوں تو اسی کے مطابق کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ صحیح اور تحقیقی علم کے بغیر کوئی بات کہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ بھی علم کا ایک شعبہ ہے کہ انسان جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے بارے میں یہ کہہ دے "اللہ اعلم"۔

اچھا اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ آیت مبارکہ کی کیا مراد ہے اور یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ قریش کے لوگ جب اسلام سے مسلسل نفرت و بیزاری ہی اختیار کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نافرمانی ہی کرتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا فرمائی اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط وشدت کے سال مقدر فرما تو ان پر فاقہ اور قحط مسلط ہوا اور نوبت ہڈیوں اور مردار کھانے کی آ گئی اور یہ لوگ فاقہ میں اس قدر کمزور ہو گئے کہ جب نظر اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں ہی دھواں نظر آتا تو یہی وہ چیز ہے۔ جس کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا۔ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾۔ قریش کے لوگ جب اس مصیبت سے بدحواس ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مکارم اخلاق اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کے لیے دعا فرما دیجئے قوم مضر کے واسطے، یہ لوگ ہلاک ہوئے جا رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرما دی تو کچھ سیرابی ان کو حاصل ہو گئی، یہ سیرابی وہ ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ ﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾۔ کہ یہ مصیبت ہم دور کر دیتے ہیں تھوڑے وقت کے لیے مگر بے شک تم پھر لوٹنے والے ہو اسی نافرمانی اور کفر کی جانب، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کیا عذاب قیامت دور ہو سکتا ہے یعنی اگر اس دخان مبین کو احوال قیامت اور قیامت کے عذاب پر محمول کیا جائے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں یہ تصریح ہے کہ ہم یہ عذاب دور کیے دیتے ہیں، اور قیامت کا کوئی عذاب اور شدت دور نہیں ہو سکتی، تو معلوم ہوا کہ یہ عذاب قیامت کے متعلقات میں سے نہیں ہو سکتا، فرمایا الغرض جب پھر ان پر خوش حالی لوٹ آئی تو اس پر اللہ نے یہ فرمایا ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ اور یہ گرفت غزوۂ بدر کی گرفت ہے (جو قدرت خداوندی کی طرف سے انتقام تھا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ الدخان، الروم، القمر، اللزام، البطشۃ، امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں

اس مضمون کو متعدد سندوں کے ساتھ تخریج فرمایا۔ ❶

اور ایک روایت سند صحیح کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کی اس دعا پر جب قریش کے لوگ فقر و فاقہ اور قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور کچھ اہل مکہ آپ ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے اے محمد ﷺ آپ ﷺ کا تو یہ خیال ہے کہ آپ رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، اور آپ کی قوم ہلاک ہوئی جارہی تو دعا کر دیجئے تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اس پر بارش برسی اور قحط کے آثار دور ہوئے اور مسلسل سات روز اس طرح بارش کا سلسلہ جاری رہا کہ آسمان نظر نہ آتا تھا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے بیان فرماتے ہیں کہ ظاہر مضمون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تصریح کی ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا (یعنی مکی زندگی میں قبل از ہجرت) اور یہ آیت بھی مکیہ ہے مگر بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ ہجرت کے بعد کا ہے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ جا کر درخواست کرنا مذکور ہے، تو بہت ممکن ہے کہ اس قسم کا واقعہ اہل مکہ پر دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ ❷

مفسرین کی ایک جماعت نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے قرائن و مؤیدات کو ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر کلام فرمانے کے بعد اخیر میں کہتے ہیں الفاظ آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دخان کو اسی معنیٰ پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اختیار کیے اور مضمون کا ربط اس طرح سمجھا جاسکتا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم کا نزول لیلۃ مبارکہ میں ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ کتاب الٰہی بڑی ہی برکتوں اور رحمتوں والی کتاب ہے، چاہئے تھا کہ اہل مکہ اس کتاب سے منتفع ہوتے اور جس ذات سراپا رحمت پر یہ کتاب اتری اس سے بھی منتفع ہوتے لیکن افسوس کہ وہ شک اور کفر میں مبتلا رہے اور اپنی جبلی بدنصیبی سے لہو ولعب ہی میں پڑے رہے تو اس کے بعد مناسب یہی تھا کہ ان کی ذلت و محرومی اور بدحالی کا مضمون لایا جاتا چنانچہ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے ان کے فقر و مصیبت اور ذلت کا حال بیان فرمایا دیا گیا۔ ❸ اور ساتھ ہی اس مہلت کا بھی تذکرہ دیا گیا جو ان کو دی گئی۔

تفسیر ﴿لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾

﴿لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ کی تفسیر میں بعض مفسرین شب براءت یعنی شعبان کی پندرہویں رات بیان کرتے ہیں، کیونکہ

❶ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا، ابن جریر رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ بھی متعدد سندوں سے اس کو بیان کرتے ہیں، مسروق رحمہ اللہ کی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے تلمیذ خاص اعمش رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مجاہد رحمہ اللہ ابو العالیہ رحمہ اللہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ضحاک رحمہ اللہ عطیۃ العوفی رحمہ اللہ کی تفاسیر بھی اسی کی تائید کررہی ہیں، یہ سب اسی کے قائل ہیں کہ دخان کا واقعہ گزر چکا ہے، (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

❷ روح المعانی ج ۲۵۔

❸ روح المعانی ج ۲۵۔

ان آیات میں ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ بطور قرینہ اسی کی تائید کر رہا ہے یعنی اس رات میں ہر چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اور احادیث میں شعبان کی پندرھویں رات کی یہی خصوصیت ذکر فرمائی گئی ہے کہ اس رات میں ہر پیدا ہونے والا بچہ اور ہر فوت ہونے والا انسان اس کا رزق، عمل غرض جملہ احوال طے کیے جاتے ہیں، جیسے حدیث جامع ترمذی میں مذکور ہے، لیکن یہاں لیلۂ مبارکہ کی تفسیر لیلہ برأۃ سے کرنا اس لیے مشکل ہے کہ اس رات میں حق تعالیٰ نے نزول قرآن کا بھی ذکر فرمایا اور قرآن کا نزول ہونا (جو دوسری آیات کی تصریح سے معلوم ہوا) رمضان مبارک اور لیلۃ القدر میں ہے جیسے کہ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ اور سورۃ القدر میں ہے ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہی متعین ہے کہ شب قدر میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار اگیا اور پھر تیئس سال کی مدت میں بتدریج آنحضرت ﷺ پر اترتا گیا، تو اس وجہ سے اس موقع پر لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ براءت مراد لیا جانا مشکل ہے۔

حضرت استاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ سال بھر کے متعلق قضاء وقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں طے کیے جاتے ہیں۔ اور لوح محفوظ سے نقل کر کے (جس میں ہر چیز ازل سے لکھی ہوئی ہے جیسے کہ ارشاد مبارک ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ﴾) ان فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں، جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لیلۃ البراءت یعنی شعبان کی پندرھویں رات ہے، ممکن ہے کہ وہاں سے کام کی ابتداء اور شب قدر میں انتہاء ہوتی ہو۔ واللہ اعلم۔ [1]

تو اسی بنیاد پر سمجھا جاسکتا ہے کہ لیلۃ البراءت میں نزول قرآن کا فیصلہ اور اس کو ان ملائکہ کے حوالہ کرنا ہو جو تکوینی طور پر اس کا نازل کرنے پر مامور کیے گئے اور لیلۃ القدر میں اس امر تکوینی کا نفاذ اور تحقیق یعنی لوح محفوظ (جہاں یہ کلام الٰہی ہمیشہ سے تھا اور بلکہ اس وقت سے تھا جب کہ زمین و آسمان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی) [2] سے آسمان دنیا پر اتارا گیا تو اس طرح ایک نزول بمعنی تکوین، لیلۃ براءت میں ہوا اور ایک نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر شب قدر میں ہوا اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورت مبارکہ کی ان آیات میں دونوں قسم کے نزول کی طرف اشارہ ہو کہ شب براءت میں فیصلہ نزول از لوح محفوظ اور شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتر جانا مراد ہو۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۝١٧ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ

اور جانچ چکے ہیں ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اور آیا ان کے پاس رسول عزت والا ف۱ کہ حوالے کر و میرے بندے خدا کے ف۲

اور جانچ چکے ہیں ہم ان سے پہلے، فرعون کی قوم کو، اور آیا ان پاس رسول عزت والا، کہ حوالے کرو میرے بندے خدا کے

ف۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کا امتحان کیا گیا کہ اللہ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

ف۲ یعنی خدا کے بندوں کو اپنا بندہ مت بناؤ۔ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی دو اور میرے حوالہ کرو۔ میں جہاں چاہوں لے جاؤں۔

[1] فوائد قرآن کریم از حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] ان الفاظ میں جامع ترمذی کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ شانہ کا آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے ہزار سال قبل فرشتوں کے سامنے قرآن کریم کی سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسین تلاوت فرمانے کا ذکر ہے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَنْ لَّا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي

میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ اللہ کے مقابل میں لاتا ہوں تمہارے پاس سند کھلی ہوئی ف۱ اور میں

میں تم پاس آیا ہوں بھیجا معتبر۔ اور یہ کہ چڑھے نہ جاؤ اللہ کے مقابل۔ میں لاتا ہوں تم پاس ایک سند کھلی۔ اور میں

عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ

پناہ لے چکا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو ف۲ اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ ف۳ پھر دعا کی اپنے رب سے کہ

پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی اس سے کہ مجھ کو سنگسار کرو۔ اور اگر تم یقین نہیں کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ۔ پھر پکارا اپنے رب کو کہ

هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ

یہ لوگ گناہگار ہیں پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے ف۴ اور چھوڑ جا دریا کو تھما ہوا

یہ لوگ گنہگار ہیں۔ پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو، البتہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ اور چھوڑ جا دریا کو تھم رہا۔

إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾

البتہ وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں ف۵ بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور گھر خاصے

البتہ وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں۔ کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے، اور کھیتیاں اور گھر خاصے ؟

وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ

اور آرام کا سامان جس میں باتیں بنایا کرتے تھے یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا ہم نے ایک دوسری قوم کے ف۶ پھر نہ رویا ان پر

اور آرام جس میں تھے باتیں بناتے ؟ اسی طرح۔ اور وہ سب ہاتھ لگایا، ہم نے ایک اور قوم کو، پھر نہ رویا ان پر

ف۱ "کھلی سند" وہ معجزات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھائے۔ "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ۔

ف۲ یہ ان کی دھمکیوں کا جواب دیا۔ یعنی میں تمہارے ظلم و ایذاء سے خدا کی پناہ حاصل کر چکا ہوں وہ میری حمایت پر ہے اور اسی کی حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔

ف۳ یعنی اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے ایذاء دے کر اپنے جرم کو سنگین مت کرو۔ "مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں" اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اپنی قوم کو لے جاؤں تم راہ نہ روکو۔"

ف۴ یعنی آخر مجبور ہو کر اللہ سے فریاد کی کہ یہ لوگ اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں اب آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجیے وہاں کیا دیر تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعونیوں کو اطلاع کیے بدون بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے چلے جاؤ۔ کیونکہ دن ہونے پر جب انہیں اطلاع ہو گی اس وقت تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن یاد رہے راستہ میں سمندر پڑے گا۔ اس پر عصا مارنے سے پانی ادھر ادھر ہٹ جائے گا اور درمیان میں خشکی و صاف راستہ نکل آئے گا۔ اسی راستہ سے اپنی قوم کو لے کر گزر جاؤ۔

ف۵ یعنی اس کی فکر مت کرو کہ دریا میں خدا کی قدرت سے جو راستہ بن گیا وہ باقی نہ رہے۔ اس کو اسی حالت میں چھوڑ دے۔ یہ راستہ دیکھ کر تو فرعون کے لشکر اس میں گھسنے کی ہمت کریں گے۔ چنانچہ وہ سب خشک راستہ دیکھ کر اندر گھسے۔ اس کے بعد خدا کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے آ کر مل گیا۔ سارا لشکر اس طرح غرقاب ہوا۔

ف۶ یعنی بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں دے دیا۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد مصر میں بنی اسرائیل کا دخل ہوا۔ اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ جس قسم کے سامان فرعونیوں نے چھوڑے تھے اسی طرح کے ہم نے بنی اسرائیل کو دیے۔ واللہ اعلم۔

السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

آسمان اور زمین فـ۱ اور نہ ملی ان کو ڈھیل۔

آسمان اور زمین اور نہ ملی ان کو ڈھیل۔

عبرتناک انجام قوم مجرمین وہلاکت وبربادی فرعون لعین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ ... الی ... وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور رسول خدا ﷺ پر ایمان نہ لانے والوں پر وعید تھی اور ان کی نافرمانی و استکبار کرنے پر ہلاکت وتباہی سے ڈرایا گیا تھا تو اب ان آیات میں اس کی مناسبت سے قوم فرعون کی سرکشی ونافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے عبرت ناک انجام کو بیان کیا جارہا ہے، جو دنیا کے مغرور وسرکشوں کی عبرت کے لیے کافی ہے اور اس تاریخی حقیقت کو دیکھ کر ایسے لوگ یہ سمجھ لیں کہ خداوند ذوالجلال کی گرفت کیسی شدید ہوتی ہے اور اس کا انتقام کیسا شدید اور ہولناک ہوتا ہے ارشاد فرمایا: اور بے شک آزمایا ہے ہم نے ان قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو اور آچکا تھا ان کے پاس ایک رسول بڑی عزت والا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کی رسالت ونبوت ہی دراصل فرعون اور اس کی قوم کے واسطے ایک امتحان تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے یا نہیں اللہ کا یہ رسول یہ پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچا کہ حوالہ کردو میرے اللہ کے بندوں کو میں ان کو جہاں چاہوں لے جاؤں اور جو احکام خداوندی اس کے بندوں کے متعلق ہیں ان کو وہ احکام سکھادوں تاکہ وہ دین ودنیا کی سعادت حاصل کرسکیں۔ یقیناً میں تمہارے واسطے اللہ کا بھیجا ہوا قابل اعتماد رسول ہوں اور یہ بھی تمہیں ایک پیغام ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں ہرگز سرکشی مت کرو یقیناً میں لارہا ہوں تمہارے پاس ایک واضح نشانی اور سند ودلیل اس بات پر کہ میں خدا کا برگزیدہ اور رسول امین ہوں یعنی عصا اور ید بیضاء کا معجزہ جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے جس کو دیکھنے کے بعد کسی کو بھی میری رسالت کے ماننے اور خدوند تعالیٰ پر ایمان لانے میں ہرگز کوئی تامل نہ ہونا چاہئے۔ اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔ لہٰذا نہ میں تمہاری دھمکیوں سے مرعوب ہوسکتا ہوں اور نہ ہی مجھ کو تمہاری طرف سے کسی قسم کی ایذاء کا کوئی ڈر ہے میرا پروردگار جب میرا حامی ومددگار ہے اور اس نے مجھ کو یہ وعدہ کرلیا ہے کہ ﴿فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا﴾ کہ اے موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام یہ فرعونی تم تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے، تو پھر مجھ کیا پرواہ ہے اور اگر اپنی بدنصیبی اور حماقت سے میری بات نہیں مانتے اور مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو پھر مجھ سے جدا رہو۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو تاکہ میں اپنی قوم کو تو لے جاؤں اور اس میں تم میری راہ نہ روکو مگر ایک طویل عرصہ تک جب فرعون کی شقاوت وبدبختی اور نافرمانی کا مقابلہ کرتے رہے تو بالآخر اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ تو بڑے ہی مجرم ہیں اور اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آرہے ہیں تو بس اب میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے بارگاہ کبریائی میں کیا دیر ہوسکتی

فـ۱ روایات میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس سے اس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا۔ اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس و سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس عمل صالح کا بیج ہی نہیں، پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا۔ "خس کم جہاں پاک"

ہے، خدا کے پیغمبر نے مجبور و بے بس ہو کر مظلومیت کے عالم میں اپنے رب کو پکارا فوراً ہی دعا کی قبولیت کے ساتھ حکم ہوا تو اچھا نکل جاؤ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر یہ ضرور ہے کہ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی تم بغیر فرعون کو اطلاع کیے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکل جاؤ ظاہر ہے کہ معلوم ہونے پر وہ تعاقب کرے گا اور جو سمندر راستہ میں پڑے گا تم اس سمندر کو چھوڑ جانا ٹھہرا ہوا جو تمہارے عصا مارنے سے خشک ہو جائے گا، اور تم اس پر سے عبور کر جاؤ گے لیکن یہ فکر نہ کرنا وہ اسی طرح خشک رہے گا تو اس پر سے فرعون کا لشکر بھی گزر کر تم کو اور بنی اسرائیل کو پکڑ لے گا۔ نہیں بلکہ یقیناً وہ تو ایک ایسا لشکر ہو گا جس کو ڈبو دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس سمندر سے عبور کر گئے تو اسی راستہ کو فرعون اور اس کے لشکر نے اختیار کیا اور وہ سب کے سب اس میں ڈبو دیئے گئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ﴿وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ خداوند عالم کے قہر و عذاب سے تباہ ہونے والے ان لوگوں نے کس قدر چھوڑے باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عزت کے ٹھکانے اور نعمتیں۔ عیش و عشرت کا سامان جن میں یہ مست تھے۔ یہ سب کچھ اللہ نے قوم فرعون سے چھین کر بنی اسرائیل کو عطا کر دیا اور مصر کی سرزمین اپنی تمام شادابیوں پھلوں اور پھولوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دے دی گئی۔ یوں ہی ہوتا ہے خدا کی طرف سے مجرمین کی ہلاکت و بربادی کا انجام چنانچہ ہم نے فرعونیوں کو ہلاک کر ڈالا اور وارث بنا دیا ان سب چیزوں کا ایک دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو بارگاہ خداوندی میں یہ اس درجہ مبغوض و قابل نفرت قوم تھی، ان کی ایسی عبرت ناک تباہی ہوگئی لیکن پھر نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی مہلت دی گئی بلکہ آناً فاناً ہلاک اور برباد کر دیئے گئے، یعنی یہ قوم ایسی قابل نفرت تھی کہ مخلوقات خداوندی میں سے کوئی بھی مخلوق ان کی بربادی پر رنجیدہ نہ ہوئی اس لیے کہ نہ تو کوئی ان کے اعمال صالحہ تھے کہ آسمان پر چڑھتے ہوں اور اب آسمان اس محرومی پر غم کرے اور نہ روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں انہوں نے اللہ کی عبادت کی ہو کہ زمین اس سے محرومی پر روئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بھی بندہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے واسطے آسمان میں، دو دروازے نہ ہوں ایک دروازہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرا دروازہ جس سے اس کا عمل چڑھتا ہے تو جب بندۂ مومن مر جاتا ہے تو اس پر یہ دونوں دروازے روتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، بیان کیا کہ ایک شخص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوالعباس (یہ کنیت تھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی) کیا آپ رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دیکھا ہے ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ بھلا آسمان و زمین بھی کسی پر رویا کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا، بے شک اور فرمایا کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ اس کے واسطے آسمان میں ایک دروازہ نہ ہوتا ہو جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور ایک دروازہ جس سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور عمل نہ چڑھنے پر یہ دروازے صدمہ کرتے ہیں، اور روتے ہیں اسی طرح زمین کا وہ حصہ جہاں وہ بندہ نماز پڑھتا تھا جب اس پر وہ مومن کی نماز اور عبادت نہیں رہتی تو وہ روتا

ہے اور فرعون کی قوم وہ تھی جس کے واسطے نہ تو کوئی عمل صالح تھا کہ آسمان روتا اور نہ زمین پر ان کے کوئی آثار صالح تھے کہ وہ روتی اسی لیے ارشاد فرمایا گیا، ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ﴾۔

ایک روایت میں ابن عباس ؓ سے منقول ہے کہ مومن کی موت پر زمین چالیس روز تک روتی ہے۔ ●

مجاہد ؒ نے جب اس آیت کی تفسیر کی اور کسی نے از راہ تعجب کہا، اچھا کیا زمین بھی روتی ہے فرمایا تمہیں اس پر کیا تعجب ہے وہ کیوں نہ روئے گی جب کہ اس زمین پر سے وہ بندہ گزر گیا جو اس کو رکوع وسجود سے آباد رکھتا تھا اور کیا ہوا آسمان کو؟ کہ وہ اس بندہ کے مرنے پر نہ روئے جس کی تکبیر اور تسبیح وتحمید کی آوازیں اس میں گونجتی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنو اسرائیل کو لے کر بحر قلزم سے عبور اور قوم فرعون کی غرقابی کی تفصیل سورۃ اعراف اور سورۃ شعراء میں گزر چکی ہے حضرات قارئین مراجعت فرمالیں۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝٣٠ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ

اور ہم نے بچا نکالا بنی اسرائیل کو ذلت کی مصیبت سے جو فرعون کی طرف سے تھی ف۱ بے شک وہ تھا چڑھ رہا

اور ہم نے نکالا بنی اسرائیل کو، ذلت کی مار سے۔ جو فرعون سے تھی۔ بے شک وہ تھا چڑھ رہا،

الْمُسْرِفِيْنَ ۝٣١ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٢ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا

حد سے بڑھ جانے والا ف۲ اور ان کو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر جہان کے لوگوں سے ف۳ اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں جن

حد سے بڑھنے والا۔ اور ان کو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر، جہاں کے لوگوں سے۔ اور دیں ان کو نشانیاں، جن

فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ۝٣٣ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝٣٤ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ

میں تھی مدد صریح ف۴ یہ لوگ کہتے ہیں اور کچھ نہیں ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہم کو

میں مدد تھی صریح۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ اور کچھ نہیں، ہمارا یہی مرنا ہے پہلا، اور ہم کو

بِمُنْشَرِيْنَ ۝٣٥ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٣٦ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ

پھر اٹھنا نہیں ف۵ بھلا لے تو آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو ف۶ بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم ف۷ اور جو

پھر اٹھنا نہیں۔ بھلا لے آؤ ہمارے باپ دادے، اگر تم سچے ہو۔ اب یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو

ف۱ بلکہ فرعون کا وجود ایک مجسم مصیبت تھا۔

ف۲ یعنی بڑا متکبر اور سرکش تھا۔

ف۳ یعنی اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں بھی ہم کو معلوم تھیں۔ تاہم ان کو ہم نے اس زمانہ کے تمام لوگوں سے فضیلت دی۔ اور بعض فضائل جزئیہ تو وہ ہیں جو آج تک کسی قوم کو میسر نہیں ہوئے مثلاً اتنے بیشمار انبیاء کا ان میں اٹھایا جانا۔

ف۴ یعنی حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے مثلاً "من وسلویٰ" کا اتارنا، بادل کا سایہ کرنا وغیرہ ذلک۔ .... =

● مگر یہ مضمون کسی سند صحیح سے ثابت نہیں حافظ عماد الدین ابن کثیر ؒ نے اس تصریح کی، مراد یہ ہے کہ چالیس روز تک رونے کی مدت کسی سند صحیح اور قابل اعتبار روایت سے نہیں ہے۔

مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ان سے پہلے تھے ہم نے ان کو غارت کردیا بیشک وہ تھے گناہ گار ف۱ اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین

ان سے پہلے تھے؟ ہم نے ان کو کھپا دیا وہ تھے گناہ گار۔ اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین،

وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو ان کے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا ان کو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر بہت لوگ نہیں سمجھتے ف۲

اور جو ان کے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا۔ ان کو بنایا ہم نے ٹھیک کام پر، پر بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

نجات وکامیابی بنی اسرائیل مع بیان بعث بعد موت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔۔۔ الی ۔۔۔ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات کا مضمون قوم مجرمین کے عبرت ناک انجام اور فرعون لعین کی ہلاکت اور تباہی کا تھا تو اب ان آیات میں اس کے بالمقابل یہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ساتھیوں کو کس طرح نجات وکامیابی عطا فرمائی اور اسی کے ساتھ ان دلائل کو بھی ذکر کیا جا رہا ہے، جو بعث بعد از موت کو ثابت کرنے والے ہیں، اور ان شبہات اور لغو اعتراضات کو بھی رد کیا گیا، جو منکرین کیا کرتے تھے، ارشاد فرمایا! اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو ایک ذلت کے عذاب سے جو فرعون کی طرف سے ان پر مسلط تھا، یقیناً وہ بہت ہی سرچڑھا حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا کہ وہ اپنی غرور وسرکشی میں دنیا کے مغروروں اور متکبروں سے بڑھ کر تھا اور اس کی سرکشی ہر ظلم وتعدی کے حدود سے آگے متجاوز تھی۔ اور ہم نے ان کو برتری دی تھی جانتے ہوئے جہاں کے لوگوں پر یعنی ہم جانتے تھے کہ قوم بنی اسرائیل میں کتنی کمزوریاں اور کس کس طرح کے نقائص وعیوب ہیں لیکن محض اپنے انعام واکرام کے باعث لوگوں پر فضیلت وبرتری بخشی تھی اور دیں ہم نے ان کو ایسی نشانیاں جن میں واضح طور پر ان کی مدد تھی اور محض انعام خداوندی تھا اور ان کو من وسلویٰ جیسا پاکیزہ رزق عطا کیا پھر فرعون کی غلامی اور اس کی ذلت سے نکالا اور اس کی سلطنت ودولت کا وارث بنایا تو یہ انعامات نہایت ہی واضح تھے اور محض انعام خداوندی تھا اور ان کو من وسلویٰ جیسا پاکیزہ

ف۵ درمیان میں حضرت موسیٰ کی قوم کا ذکر استطراداً آ گیا تھا۔ یہاں سے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہماری آخری حالت بس یہی ہے کہ موت آ جائے۔ موت کے بعد سب قصہ ختم۔ موجودہ زندگی کے سوا دوسری زندگی کوئی نہیں۔ یہاں کا حشر، اور کیسا حساب کتاب۔

ف۶ یعنی پیغمبر اور مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھا دو۔ تب ہم جانیں۔

ف۷ "تبع" لقب تھا یمن کے بادشاہ کا جس کی حکومت سبا اور حضرموت وغیرہ سب پر تھی۔ "تبع" بہت گزرے ہیں۔ اللہ جانے یہاں کون سا مراد ہے۔ بہرحال اتنا ظاہر ہوا کہ اس کی قوم بہت قوت وجبروت والی تھی جو اپنی سرکشی کی بدولت تباہ کی گئی۔ ابن کثیر نے اس سے قوم سبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورۃ سبا میں گزر چکا۔ واللہ اعلم۔

ف۱ مثلاً عاد وثمود وغیرہ۔ ان سب کو اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر کے چھوڑا۔ کیا تم ان سے بہتر یا ان سے زیادہ طاقتور ہو کہ تم کو ہلاک نہ کرے گا یا نہ کر سکے گا؟

ف۲ یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشا نہیں۔ بلکہ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ ایک دن نکل کر رہے گا۔ وہی نتیجہ آخرت ہے۔

رزق عطا کیا پھر فرعون کی غلامی اور اس کی ذلت سے نکالا اور اس کی سلطنت و دولت کا وارث بنایا تو یہ انعامات نہایت ہی واضح تھے اور محض انعامات خداوندی تھے کہ بنی اسرائیل میں کوئی خوبی نہ تھی کہ وہ انعامات سے نوازے جاتے بلکہ اس کے بالمقابل ان میں تو بہت سے عیب تھے تو ہم نے ان کے عیوب ونقائص کو جانتے ہوئے اور دیکھتے ہوئے بھی یہ نعمتیں دی تھیں یہ واقعات ہر قوم کے واسطے بلاشبہ سامان عبرت ہیں اور ایسے مضبوط دلائل ہیں کہ قدرت خداوندی پر ایمان لائیں اور قیامت پر یقین کریں مگر عجیب بات ہے قریش مکہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے بلکہ انکار کرتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں بس اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی ہے ہمارا مرنا پچھلی مرتبہ اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ بس یہی دنیوی موت آخری موت ہے اس کے بعد نہ کوئی قیامت ہے اور نہ کوئی صور پھونکنا ہے نہ اٹھنا ہے، اور نہ پھر مدہوش ہونا ہے، یہ منکرین اپنے اس عناد وانکار پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے اسی طرح کا مطالبہ کرنے لگے جیسا کہ پچھلے منکرین اپنے انبیاء سے کیا کرتے تھے تو اچھا اگر دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ زندہ کر کے اگر ہو تم سچے۔ تب ہم یقین کریں گے کہ تم ٹھیک کہتے ہو، حق تعالیٰ ایسے بدنصیبوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے بتاؤ کیا یہ بہتر ہیں قوت وشوکت میں یا قوم تبع جو یمن کی نہایت ہی طاقت ور قوم اور مادی ساز وسامان سے پوری طرح آراستہ تھی اور وہ قومیں جو ان سے پہلے گزریں مثلاً عاد وثمود ہم نے ہلاک کر ڈالا ان سب کو ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے بے شک وہ بڑے ہی گنہگار تھے آخر ہر انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہم نے اتنا بڑا یہ کارخانہ عالم کس لیے بنایا یہ حقیقت ہے کہ اور ہم نے جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان پیدا کیا، ہم نے اس طرح نہیں بنایا ہے کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہیں اور یہ سب کچھ محض کھیل تماشا ہے بلکہ یہ کائنات ایک حکمت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اور نہیں بنایا ہم نے آسمان اور زمین کو مگر ایک قوی اور مضبوط حکمت کے ساتھ چاہئے تو یہ تھا یہ لوگ اس حقیقت وحکمت کو سمجھتے مگر ان قوموں کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور حقائق ودلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان عناد وانکار پر ڈٹے رہتے ہیں اور یہی نہیں حالانکہ یہ بات قطعی اور لازم التسلیم ہے کہ جو قادر کسی چیز کو پہلے مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر قادر ہے تخلیق کائنات کے سلسلہ میں خدا کی خالقیت کا اقرار کرنے کے بعد یہ ناقابل فہم منطق ہے کہ قریش مکہ قیامت پر ایمان نہ لائیں۔

قوم تبع

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں ذکر فرماتے ہیں کہ قوم تبع یمن کی ایک قوم تھی جو قوم سبا کہلاتی تھی اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات سے نوازا تھا مگر یہ اپنی سرکشی پر قائم رہی جس کے نتیجہ میں خداوند عالم نے اس کو تباہ وبرباد کر ڈالا ان کے شہر اجڑ گئے باغات اور کھیتیاں بنجر ہو گئیں جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ سبا میں تفصیل سے کیا تو اس قوم کا تاریخی حوالہ قریش مکہ کی عبرت وتنبیہ کے لیے فرمایا گیا اور یہ قوم تبع عرب قحطان تھے جب کہ قریش عرب عدنان تھے تبع یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ کسریٰ شاہ فارس کو اور قیصر شاہ روم کو اور فرعون بادشاہ مصر کو اور نجاشی شاہ حبشہ کو کہتے تھے۔

یمن میں اس لقب سے بہت سے بادشاہ گزرے جس تبع کا یہاں ذکر ہے اس کا نام بعض روایات میں اسعد بیان کیا جاتا ہے اور بعض احادیث سے اس کا ایمان لانا بھی ثابت ہے، واللہ اعلم۔

قوم تبع اگرچہ بالعموم اپنے تاریخی ادوار میں کافر گزری اور ان کا بادشاہ فرعون اور قیصر وکسریٰ کی طرح کافر ہوتا تھا لیکن

اہل یمن کے بعض فرمانروا اور تبع کا یمن سے نکل کر بلاد سمرقند میں جانے کا بعض تواریخ میں ذکر ملتا ہے اور یہ کہ یہ تبع شاہ یمن جب یمن سے نکلا اور سمرقند وغیرہ پہنچا تو اس زمانہ میں اس کا ملک نہایت وسیع اور مضبوط ہو چکا تھا اور رعایا بھی بڑی تعداد میں تھی اس نے حیرہ شہر آباد کیا تھا، ایام جاہلیت میں جب اس کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو اس نے اہل مدینہ منورہ سے قتال کا ارادہ کیا اہل مدینہ نے مقابلہ کیا اور اس کے باوجود کہ دن کے وقت اس کے ساتھ قتال کرتے اور جب رات ہوتی تو مہمان نوازی کرتے اس طرز عمل پر یہ بادشاہ شرمایا اور قتال کے ارادہ سے باز آیا، اور مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں میں سے ان دو علماء کو اپنا مصاحب بنالیا، جنہوں نے اس کو نصیحت کی تھی کہ اے تبع تیرا یہ طرز صحیح نہیں اور تو ہرگز اس شہر کے باشندوں پر غالب نہیں آسکتا کیونکہ یہ شہر اس نبی آخر الزمان ﷺ کی ہجرت گاہ ہے جو اخیر زمانہ میں مبعوث ہوں گے تو شاہ تبع اس ارادہ سے باز آ گیا تھا اور ان دونوں کو اپنا مصاحب بنا کر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا، پھر یہ بادشاہ جب مکہ کی طرف پہنچا تو وہاں بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان دونوں نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بنایا تھا اور اس کعبہ کی بہت ہی بڑی شان ہوگی ان ہی نبی آخر الزمان ﷺ کی وجہ سے تو بادشاہ یہ سن کر بیت اللہ کی عزت و تکریم و تعظیم کرنے لگا، طواف کیا اور قیمتی غلاف چڑھایا اور جب یمن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کو یہودی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین ہی آسمانی ہدایت کا دین تھا اور حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی تو اس وقت اہل یمن بالعموم اس بادشاہ تبع کے ساتھ یہودی ہو گئے تھے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بعض مزید چیزیں ذکر کیں، تبع کے بارے میں بعض روایات ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ اس نے دین حق قبول کر لیا تھا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے تبع نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جس سے قبل بیت اللہ پر غلاف کا دستور نہیں تھا، بعض تاریخی نقول سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تین سو چھبیس برس حکومت کی اور قوم حمیر میں اس سے زیادہ کوئی طویل العمر نہیں ہوا اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے تقریباً سات سو سال قبل مرا ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ جب ان دو علماء یہود نے مدینہ منورہ کے بارے میں یہ بتایا کہ یہ شہر رسول آخر الزمان ﷺ کی ہجرت گاہ ہے اور وہ اس شہر میں آکر بسیں گے جن کا نام احمد و محمد ﷺ ہوگا، تو اس نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے۔

شهدت على احمد انه رسول الله بارى النسم
فلومد عمرى الى عمره لكنت وزيرا وابن عم
وجاهدت بالسيف اعدائه وفرجت عن صدره كل عم

یعنی میں گواہی دیتا ہوں احمد ﷺ کے بارے میں کہ وہ اس پروردگار کے رسول ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور اگر میری عمر ان کے وقت تک دراز کر دی جائے تو میں ان کا وزیر اور چچازاد بھائی ہوتا اور میں تلوار اٹھا کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتا اور ان کے دل سے ہر غم و پریشانی کو دور کرتا۔

بعض تاریخی نقول سے یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے بعد علماء یہود نے اس علم و معرفت کی بناء پر کہ یہ سرزمین حضور اکرم ﷺ کی ہجرت گاہ ہے مدینہ میں قیام کی اجازت طلب کی تو شاہ تبع نے سب کو اجازت دی ان کو بہت سارا مال و دولت

بھی دیا اور ایک خاص مکان تیار کرایا کہ نبی آخری الزمان ﷺ جب ہجرت کر کے آئیں تو وہ اس مکان میں قیام پذیر ہوں اور ایک خط بھی لکھا جس میں آپ ﷺ سے ملاقات کی تمنا کا اظہار تھا اور مذکورہ اشعار بھی اس میں تھے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں تھے اور یہ مکان وہی ہے تو تبع نے اسی غرض سے بنوایا تھا چنانچہ خدا کے حکم سے وہ اونٹنی اسی مقام پر آ کر ٹھہری اور آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم رہے۔ ●

شیخ زین الدین مراغی رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا کرتے تھے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر نہیں اترے تھے بلکہ اپنے مکان پر اترے تھے تو بے جا نہ ہوگا، گویا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قیام تو اس مکان میں آپ ﷺ کے انتظار میں تھا۔ ●

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ

تحقیق فیصلہ کا دن وعدہ ہے ان سب کا ف۱ جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی اور نہ ان کو

تحقیق فیصلے کا دن، وعدے ہے ان سب کا۔ جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ، اور نہ ان کو

يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ

مدد پہنچے ف۲ مگر جس پر رحمت کرے اللہ بیشک وہی ہے زبردست رحم والا ف۳ مقرر درخت سینڈھ کا کھانا ہے

مدد پہنچے۔ مگر جس پر مہر کرے اللہ۔ بے شک وہی ہے زبردست رحم والا۔ مقرر درخت سینڈھ کا۔ کھانا ہے

الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ

گناہ گار کا ف۴ جیسے پگھلا ہو تانبا کھولتا ہے پیٹوں میں جیسے کھولتا پانی پکڑو اس کو اور دھکیل کر لیجاؤ بیچوں

گناہ گار کا، جیسے پگھلا تانبا۔ کھولتا ہے پیٹوں میں۔ جیسے پیٹوں میں کھولتا پانی، پکڑو اس کو اور دھکیل لے جاؤ بیچوں

الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ

بیچ دوزخ کے ف۵ پھر ڈالو اس کے سر پر جلتے پانی کا عذاب ف۶ یہ چکھ تو ہی ہے بڑا عزت والا

بیچ دوزخ کے۔ پھر ڈالو اس کے سر پر جلتے پانی کا عذاب۔ یہ چکھ۔ تو ہی ہے بڑا عزت والا

ف۱ یعنی اس دن سب کا حساب بیک وقت ہو جائے گا۔

ف۲ یعنی کسی اور طرف سے مدد پہنچ سکے گی۔

ف۳ یعنی بس جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے وہی بچے گا۔ کما ورد فی الحدیث۔ لا "الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ"

ف۴ کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اس کو زقوم (سینڈھ) کہا گیا ہے ورنہ دوزخ کے سینڈھ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسے بعض نعمائے جنت اور نعمائے دنیاوی میں اشتراک اسمی ہے۔ اسی طرح جہنم کے متعلق سمجھ لو۔

ف۵ یہ حکم فرشتوں کو ہو گا جو تعذیب مجرمین پر مامور ہیں۔

ف۶ وہ پانی دماغ سے اتر کے آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل آئے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

● تفسیر ابن کثیر تاریخ ابن عساکر۔ فتح الباری جلد ۷۔

● روض الانف بحوالہ سیرت المصطفیٰ جلد اول حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲

الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ

سردار ف۱ یہ وہی ہے جس میں تم دھوکے میں پڑے تھے ف۲ بے شک ڈرنے والے گھر میں ہیں چین کے ف۳ باغوں میں

سردار۔ یہ وہی ہے جس میں تم دھوکا رکھتے تھے۔ بے شک ڈر والے گھر میں ہیں چین کے۔ باغوں میں

وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ

اور چشموں میں پہنتے ہیں پوشاک ریشمی پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے ف۴ اسی طرح ہوگا اور بیاہ دیں ہم ان کو حوریں

اور چشموں میں۔ پہنتے ہیں پوشاک ریشمی، پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے۔ اسی طرح۔ اور بیاہ دیں ہم نے ان کو گوریاں

عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ

بڑی آنکھوں والیاں ف۵ منگوائیں گے وہاں ہر میوہ دلجمعی سے ف۶ نہ چکھیں گے وہاں موت مگر جو

بڑی آنکھوں والیاں۔ منگواتے ہیں وہاں میوہ خاطر جمع سے۔ نہ چکھیں گے وہاں مرنا، مگر جو

الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾

پہلے آ چکی ف۷ اور بچایا ان کو دوزخ کے عذاب سے فضل سے تیرے رب کے یہی ہے بڑی مراد ملنی ف۸

پہلے مر چکے، اور بچایا ان کو دوزخ کی مار سے۔ فضل سے تیرے رب کے۔ یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾ ع ۱۶

سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے اس کو تیری بولی میں تاکہ وہ یاد رکھیں ف۹ اب تو راہ دیکھ وہ بھی راہ تکتے ہیں ف۱۰

سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے تیری بولی میں، شاید وہ یاد رکھیں۔ اب تو راہ دیکھ، وہ بھی راہ تکتے ہیں۔

ف۱ یعنی تو وہی ہے جو دنیا میں بڑا معزز و مکرم سمجھا جاتا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا۔ اب وہ عزت اور سرداری کہاں گئی۔

ف۲ یعنی تم کو کہاں یقین تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ اسی دھوکہ میں تھے کہ بس زندگی یونہی کھیلتے کودتے گزر جائے گی۔ آخر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے، آگے کچھ بھی نہیں۔ اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی تھیں جو پیغمبروں نے بیان کی تھیں۔

ف۳ یعنی جو یہاں اللہ سے ڈرتے ہیں وہاں امن چین سے ہوں گے۔ کسی طرح کا خوف اور غم پاس نہ آئے گا۔

ف۴ یعنی ان کی پوشاک باریک اور دبیز ریشم کی ہوگی۔ اور ایک جنتی دوسرے سے اعراض نہ کرے گا بے تکلف دوستوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھیں گے۔

ف۵ یعنی ان سے جوڑے ملا دیں گے۔

ف۶ یعنی جس میوے کو جی چاہے گا فوراً حاضر کرا دیا جائے گا کوئی فکر نہ ہوگی۔ پوری دلجمعی سے کھائیں پئیں گے۔

ف۷ یعنی جو موت پہلے آ چکی وہ آ چکی، اب آگے کبھی موت نہیں دائماً اسی عیش و نشاط میں رہنا ہے نہ ان کو فنا نہ ان کے سامانوں کو۔

ف۸ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے اور ابدالآباد کے لیے مورد الطاف و افضال بنے۔

ف۹ یعنی اپنی مادری زبان میں آسانی سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔

ف۱۰ یعنی اگر نہ سمجھیں تو آپ چندے انتظار کیجیے۔ ان کا بد انجام سامنے آ جائے گا۔ یہ تو منتظر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی افتاد پڑے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے جائیے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔ تم سورۃ الدخان بفضل اللہ رحمتہ فللہ الحمد والمنۃ۔

تہدید وتنبیہ از روز قیامت وبیان نجات وکامیابی مومنین ومتقین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ ... الی ... فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴾

ربط :...... گزشتہ آیات میں مجرمین کی سزاؤں اوران کے عبرت ناک انجام کا بیان تھا جس کے بعدان کے بالمقابل مطیعین کے انعام واکرام کا ذکر فرمایا گیا تو اب اختتام مضمون پر مزید یوم آخرت کی عظمت ومصیبت کا بیان فرماتے ہوئے اہل ایمان وتقویٰ پر حق تعالیٰ کے جوانعامات ہوں گے ان کا ذکر کیا گیا۔

اور کافر ونافرمان کیسی شدت وتکلیف اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے اس کو بھی واضح کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا گیا کہ اصل کامیابی اور کامرانی حق تعالیٰ پر ایمان لانے اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر یقین کرنے میں ہے اور یہ سب باتیں قرآن کریم اور وحی الٰہی پر ایمان لانے ہی پر موقوف ہیں تو اخیر میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوئے زبان عربی میں نہایت آسان اور سہل تعبیرات کے ساتھ نازل کیے جانے کی حکمت بیان کردی گئی، اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو یہ دھمکی بھی دے دی گئی کہ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر عذاب خداوندی کا ان کے واسطے انتظار کریں تو ارشاد فرمایا:

بے شک فیصلہ کا دن یعنی روزِ قیامت ان سب کا ایک مقرر کردہ وقت ہے کہ سب کا حساب وکتاب بیک وقت ہی ہوجائے گا یہ دن وہ ہوگا کہ جس میں کوئی دوست کسی دوست کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی وہ مدد کیے جائیں گے مگر وہ شخص جس پر اللہ رحم کرے۔ بس وہی اس دن کے عذاب اور پریشانی سے بچ سکے گا، ورنہ کسی کو کسی ذریعہ نہ کوئی مدد مل سکے گی اور نہ کوئی کسی کے کچھ کام آئیگا۔ یقیناً وہی بڑی قوت والا مہربان ہے اس کی مہربانی اس قدر غالب ہے کہ ہر چیز پر محیط ہے اور وہ اپنی شان رحیمی کے ساتھ اتنا زبردست اور طاقت والا ہے کہ اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا بے شک درخت زقوم کھانا ہے گنہگار کا وہ اپنی شدت تلخی کے علاوہ ایسا ہے۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا ایسا سخت گرم ہوگا کہ کھولتا ہوگا پیٹوں میں جیسے کھولتا ہوا گرم پانی ان تکالیف وآلام کے ساتھ حکم ہوگا فرشتوں کو جوعذاب جہنم پر مامور ہوں گے کہ پکڑو اس کو اور دھکیل کرلے جاؤ اس دہکتی ہوئی آگ (جہنم) کے بیچ میں پھر ڈالو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب جو دماغ سے اتر کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل پڑے گا (اعاذ نا اللہ) اس دردناک عذاب اور ایسے شدید عذاب میں مبتلا ہونے والے مجرم کو تہدید وتحقیر کے ساتھ کہا جائے گا لے چکھ لے اب اس عذاب وذلت کا مزہ تو ہی ہے وہ بڑی عزت وکرامت والا کہ اپنے اس غرور ونخوت کی وجہ سے اللہ کے سامنے سر جھکانے اور اللہ کے پیغمبر کی فرمانبرداری سے انکار کرتا رہا اب دیکھ لے وہ تیری عزت وسرداری کہاں گئی۔ یہی تو ہے بے شک اے مجرمو! وہ آخرت اور عذاب آخرت جس کے بارے میں تم دھوکے ہی میں پڑے ہوئے تھے اور بے محابا خدا کے پیغمبر کا انکار کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جب ہم مر کر خاک ہوجائیں گے تو پھر نہ زندہ اٹھنا ہے اور نہ حشر ہے اور نہ ثواب و عقاب یہ سزائیں اور ذلت ورسوائی تو مجرمین کے واسطے ہوگی، مگر اس کے برعکس یقیناً تقویٰ والے امن وچین کی جگہ میں ہوں گے باغات اور چشموں میں ہر قسم کی نعمتوں وراحتوں میں ہوں گے۔ پہنتے ہوں گے پوشاک نرم ولطیف اور گاڑھے ریشم کی کہ بعض پوشاک نرم وباریک ہوگی اور بعض دبیز ان نعمتوں اور عزتوں کے ساتھ حالت یہ ہوگی کہ ایک دوسرے کے سامنے

رخ کرنے والے ہوں گے یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے اعراض کرے یا نفرت وبغض کی وجہ سے ایک دوسرے سے منہ موڑے جو کہ انسانی زندگی میں ایک آزار ہے تو ہر نوع کی الجھن اور کلفت سے پاک مخلصانہ اور دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف مائل ہوں گے رخ اور توجہ کرنے والے ہوں گے اے مخاطبو! سن لو ایسا ہی ہے حال ہمارے انعامات اور نوازشوں کا جو ہم اہل ایمان اور تقویٰ پر کرتے ہیں، اور ہم ان متقین، مومنین کے ساتھ ان کے جوڑے ملا دیں گے، ایسی حوروں کے جو بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی ان پر نعمتوں کی فراخی اور ان کے اکرام وعزت کا یہ مقام ہوگا۔ طلب کرتے ہوں گے ان جنتوں میں ہر قسم کا میوہ اور پھل نہایت ہی اطمینان اور سکون کی حالت کے ساتھ۔ ہر ڈر اور خوف و پریشانی سے مامون ہوں گے۔ نہ چکھیں گے وہاں موت کا مزہ مگر بس وہی موت جو پہلے آ چکی اور یہ کس قدر انعام ہے خداوند عالم کا کہ بچا لیا ان کو جہنم کے عذاب سے جو محض فضل ہے۔ اے مخاطب تیرے رب کی طرف سے ورنہ کوئی بھی اپنے عمل اور تقوے سے مستحق نہیں ہے کہ ایسے انعامات سے نوازا جائے اور یہ بھی اللہ کا واقعی فضل وکرم ہے کہ جو انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوریوں سے طرح طرح کی خطاؤں اور غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کو عذاب جہنم سے بچا دے۔

بلاشبہ یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے جو قرآنی مضامین اور وحی الٰہی کے ذریعہ دنیا کے سامنے بیان کردی گئی کیا ان حقائق کو اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ کے یہ مخاطبین اولین قریش مکہ نہیں سمجھتے ہم نے تو اس قرآن کو نہایت ہی آسان کر دیا ہے آپ ﷺ کی زبان عربی میں شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں اس کے باوجود بھی اگر یہ باز نہیں آتے، دشمنی اور مخالفت پر ڈٹے رہیں تو پھر انتظار کیجئے ان کی شقاوت ونافرمانی کے برے انجام کا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی راہ تک رہے ہیں اس بات کی کہ آپ ﷺ پر کوئی افتاد پڑے اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے لیکن اللہ کے فضل سے حق کو غلبہ ہوگا اور مجرمین ومنکرین ذلیل وناکام ہوں گے۔

درخت زقوم

درخت زقوم جس کا ترجمہ اہل لغت سینڈ کا درخت کرتے ہیں یہ نہایت ہی بدبودار تلخ اور زہریلا ہوتا ہے اس درخت کو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے دوزخ کے اندر اگایا ہے جو دوزخ کی آگ اور شعلوں سے نشوونما پاتا ہے جو ظالموں اور کافروں کے لیے عذاب جہنم کی مصیبتوں میں ایک خاص مصیبت کے درجہ میں رکھا گیا ہے دوزخی جب بھوک سے بے قرار ہوں گے تو ان کو یہ کھانے کے واسطے دیا جائے گا جس کی بدبو اور تلخی کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ اسے حلق کے نیچے اتارا جاسکے۔

اس کا ذکر سورۃ صافات میں گزر چکا ہے حضرت والد صاحب ﷫ کی تفسیر کی مراجعت فرمالی جائے، (یعنی معارف القرآن ہذا کی جلد ۶)

دنیا کی درختوں میں یہ درخت نہایت بدبودار اور بدمزہ اور بدشکل ہوتا ہے اور ایسا زہریلا ہوتا ہے کہ اگر بدن سے چھو جائے تو تمام بدن میں زہر سرایت کر جائے اور وہ ہلاک ہو جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں درخت زقوم جہنم میں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جس طرح کہ شجرہ طوبیٰ، جنت کا وہ درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ شجرۃ الزقوم ایسا تلخ اور بدمزہ ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر پڑے تو تمام دنیا میں بسنے والوں کی زندگی برباد کردے۔ [1]

شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں کہ دوزخ کے اس درخت زقوم کو جس کو سینڈ کا درخت کہا جاتا ہے محض کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اس نام سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ دوزخ کے سینڈ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جس طرح کہ نعماء جنت اور جنت کے پھل ان ناموں سے تعبیر کیے گئے ہیں، جو دنیا کے پھلوں کو جنت کے پھلوں سے کوئی نسبت نہیں جنت کے پھل کروڑ ہا کروڑ درجہ بڑھ کر ہیں اسی طرح دنیا کے زقوم سے جہنم کا زقوم بلاشبہ کروڑ ہا کروڑ درجہ بدتر ہے۔ [2]

درخت زقوم کا آگ میں اگنا کوئی قابل تعجب امر نہیں ممکن ہے اس کا مزاج ناری ہو جیسے بعض کیڑے آگ میں پلتے ہیں اور رہتے ہیں۔

سہارن پور یو۔ پی، کے کمپنی باغ میں ایک درخت تھا جس سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے اور کچھ درخت ایسے تھے جن کی نشوونما آگ کے ذریعے ہوتی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں احقر اور دو صاحب علم ہندی الاصل مکی المسکن ایک مجمع میں تھے اور دو حضرات میں سے کسی ایک نے کہا مکہ میں زقوم کا پھل کھایا جاتا ہے جس کو "برشومی" کہتے ہیں اور قرآن سے وہ طعام اہل نار کا معلوم ہوتا ہے تو ایسی لذیذ چیز سے وعید کیا ہوئی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کہا قرآن شریف میں شجرۃ الزقوم آیا ہے ثمرۃ الزقوم نہیں آیا اور شجرہ ماکول نہیں ہے (تو یہ ممکن ہے کہ پھل کی کیفیت سے درخت کی کیفیت اور حالت جدا ہو) اور ان دونوں صاحبوں اور اہل مجلس نے اس جواب کو بہت پسند کیا، حضرت رحمہ اللہ یہ بیان کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جواب کی اس وقت ضرورت ہے کہ جب برشومی (درحقیقت) اسی زقوم کا پھل ہو اور اگر کوئی دوسری نوع ہے تو سوال بھی ساقط ہے۔ [3]

شیخ الاسلام حضرت عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں یہ فرمایا کسی نے یہ کہا زقوم فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں بعض عرب انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں۔ [4] (واللہ اعلم بالصواب)

کوئی تعجب نہیں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلس میں جو زقوم کا پھل کھانے کا ذکر کیا ہو وہ اسی طرح کا ہو، (واللہ اعلم بالصواب)

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔ ۱۲

[2] فوائد عثمانی۔ ۱۲

[3] تفسیر بیان القرآن جلد ۱۰۔

[4] فوائد عثمانی۔ سورۃ صافات۔ ۱۲

اہل جنت کا ہر خوف اور تکلیف سے مامون ہونا

دنیا دار الفناء اور دار المحن ہے کہ یہاں نہ کسی چیز کو دوام ہے اور نہ کسی کو آلام و مصائب سے کلی طور پر تحفظ ہوسکتا ہے بلکہ کسی نہ کسی طرح سے تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہونا لوازم دنیا میں سے ہے اس کے بالمقابل جنت دار الخلد ہے وہاں کی ہر راحت اور نعمت دائمی ہے اور وہاں ہر خوف وحزن سے تحفظ ہے اس لیے فرمایا ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ﴾ کہ جنتی جنت میں کسی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بس جو موت ان کو دنیوی زندگی میں آ گئی وہ آ گئی اب مزید کسی موت کا اندیشہ ان کو پریشان نہ کرے گا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل دیوار پر اس کو کھڑا کر دیا جائے گا (جہاں سے اس کو جنتی اور جہنمی دونوں دیکھ سکیں گے) اور پھر اس کو ذبح کر کے اعلان کر دیا جائے گا۔ یا اھل الجنۃ خلود فلا موت ویا اھل النار خلود فلا موت۔ یعنی اے اہل جنت بس اب دوام ہے (تمہارے لیے) اس لیے آئندہ کوئی موت نہیں اور اہل نار تمہیں بھی دوام ہے بس اس کے بعد اب کوئی موت نہیں اس اعلان کے سننے پر اہل جنت کی مسرت کی کوئی انتہاء نہ رہے گی، اور اہل نار کی حسرت و بیقراری کا عالم عجیب ہوگا۔

ابو اسحاق رحمہ اللہ نے بروایت ابو مسلم الاغر رضی اللہ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اعلان کیا جائے گا۔

> یا اھل الجنۃ ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا وان لکم ان تعیشوا فلا تموتوا ابدا وان لکم ان تنعموا فلا تبئسوا ابدا وان لکم ان تشبوا فلا تھرموا ابدا۔
>
> کہ اے اہل جنت (آگاہ ہو جاؤ) بے شک تمہارے واسطے (اب) یہ ہے کہ تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے اور یہ کہ تم ہمیشہ خوش رہو گے کبھی سختی اور تنگی میں نہیں پڑو گے اور تمہارے واسطے یہ بھی ہے کہ تم ہمیشہ نوجوان اور مضبوط رہو گے کبھی بوڑھے اور کمزور نہ ہو گے۔

الحمد للہ تفسیر سورۃ دخان بتوفیق خداوندی مکمل ہوئی، فللہ الحمد والمنہ۔

سورۃ الجاثیۃ

۴۵ سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتها ۳۷ رکوعاتها ٤

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

اتارنا کتاب کا ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا بے شک آسمانوں میں اور زمین میں بہت نشانیاں ہیں

اتارا کتاب کا ہے اللہ سے، جو زبردست ہے حکمت والا۔ بے شک آسمانوں میں اور زمین میں بہت پتے ہیں

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ

ماننے والوں کے واسطے ف۱ اور تمہارے بنانے میں اور جس قدر پھیلا رکھے ہیں جانور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین رکھتے ہیں ف۲ اور بدلنے میں

ماننے والوں کو۔ اور تمہارے بنانے میں اور جتنے بکھیرتا ہے جانور پتے ہیں ایک لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں۔ اور بدلنے میں

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

رات دن کی اور جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی ف۳ پھر زندہ کردیا اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد

رات دن کے، اور جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی پھر جلایا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ

اور بدلنے میں ہواؤں کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں ف۴ یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک پھر کونسی

اور بدلنے میں باؤں کے، پتے ہیں ایک لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔ یہ باتیں ہیں اللہ کی، ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک۔ پھر کون سی

حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى

بات کو اللہ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے ف۵ خرابی ہے ہر جھوٹے گناہ گار کے لیے کہ سنتا ہے باتیں اللہ کی اس کے پاس پڑھی

بات کو اللہ اور اس کی باتیں چھوڑ کر مانیں گے؟ خرابی ہے ہر جھوٹے گناہ گار کی۔ کہ سنے باتیں اللہ کی، اس پاس پڑھی

عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ

جاتی ہیں، پھر ضد کرتا ہے غرور سے گویا سنا ہی نہیں ف۶ سو خوشخبری سنا دے اس کو ایک عذاب دردناک کی، اور جب خبر پائے

جائیں، پھر ضد کرے غرور سے، جیسے وہ سنی نہیں۔ سو خوشی سنا اس کو ایک دکھ کی مار کی۔ اور جب خبر پائے

اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا

ہماری باتوں میں سے کسی کی، اس کو ٹھہرائے ٹھٹھا ایسوں کو ذلت کا عذاب ہے ف۷ پرے ان کے دوزخ ہے اور کام نہ

ہماری باتوں میں کسی چیز کی اس کو ٹھہرا دے ٹھٹھا۔ ایسوں کو ذلت کی مار ہے۔ پرے ان کے دوزخ ہے۔ اور کام نہ

ف۱ یعنی آدمی کو ماننا چاہے تو اسی آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کر کے مان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے۔ جس نے کمال حکمت وخوبی سے ان کو بنایا اور لامحدود قدرت سے ان کی حفاظت کی۔ "البعرة تدل على البعير والاقدام تدل على المسير فكيف لا يدل هذا النظام العجيب الغريب على الصانع اللطيف الخبير۔"

ف۲ یعنی انسان خود اپنی بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے۔ تو درجہ عرفان و ایقان تک پہنچانے والی ہزار ہا نشانیاں اس کو ملیں گی۔

ف۳ یعنی پانی آسمان کی طرف سے اتارا جو مادہ ہے روزی کا۔

ف۴ یعنی ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ امور بجز اس زبردست قادر حکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی تقریر گزر چکی۔

ف۵ یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے اور اس کی باتیں چھوڑ کر کس کی بات ماننے کے قابل ہے۔ جب اس بڑے مالک کی ایسی پکی اور صاف باتیں بھی کوئی بدبخت قبول نہ کرے تو آخر کس چیز کا منتظر ہے جسے قبول کرے گا۔

ف۶ یعنی ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی بات نہیں سنتا۔ اس کی شیخی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی جہالت سے ہٹے۔ حق کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا سنا ہی نہیں۔ =

يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

آئے گا ان کے جو کمایا تھا ذرا بھی اور نہ وہ کہ جن کو پکڑا تھا اللہ کے سوائے رفیق ف۱ اور ان کے واسطے بڑا

آئے گا ان کو جو کمایا تھا کچھ، اور نہ وہ جو پکڑے تھے اللہ کے سوا رفیق۔ اور ان کو بڑی

عَظِيْمٌ ۝۱۰ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱ ع

عذاب ہے یہ سمجھا دیا اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے ان کے لیے عذاب ہے ایک بلا کا دردناک ف۲

مار ہے۔ یہ سوجھا دیا۔ اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے، ان کو مار ہے ایک بلا کی دکھ والی۔

بیان عظمت کتاب خداوندی وذکر دلائل قدرت وتنبیہ براعراض وانحراف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ... الی ... مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کا مضمون ان اوصاف کے بیان پر ختم کیا گیا تھا۔ جو انسانی فوز وفلاح اور سعادت کے ضامن ہیں اور یہ کہ قرآن کریم عربی زبان میں آسان وسہل بنا کر نازل کیا گیا اب اگر اس کے بعد بھی لوگ ہدایت قبول نہ کریں تو یہ انکی محرومی اور بدنصیبی ہے تو اس مناسبت سے سورۃ جاثیہ کی ابتداء عظمتِ کتاب خداوندی سے کی جا رہی ہے اور ساتھ دلائل قدرت کا بھی بیان ہے کہ قادر مطلق کی قدرت وعظمت کو دیکھ کر اس کی کتاب کی عظمت کو بھی پہچان سکیں، ساتھ انعامات کا بھی ذکر ہے اور قادر مطلق ومنعم حقیقی کی نافرمانی پر تنبیہ ووعید بھی، تو ارشاد فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾۔ اتارنا ہے اس کتاب کا اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمتوں والا۔ جس کی عزت وکبریائی اور حکمتیں اس کتاب الٰہی میں رونما ہیں اور تمام کائنات اللہ رب العزت کی الوہیت ووحدانیت کی گواہ ہے۔ یقیناً آسمانوں میں اور زمین میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ماننے والوں کے لیے اور کائنات کی دوسری بیشمار نشانیوں کا کیا کہنا اے انسانو! خود تمہارے پیدا کرنے میں اور جس قدر بھی پھیلا رکھے ہیں جانور ہر ایک میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لائیں کہ انسان خود اپنی ساخت اور دوسرے حیوانات پر غور کرے تو پروردگار کی معرفت اور اس کی قدرت کو پہچاننے کی ہزار ہا نشانیاں اور دلائل مل جائیں گے۔

اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان سے رزق اتارا کہ بارش برسائی پھر اس سے زمین کو زندہ تر و تازہ وشاداب کیا اس کے مرجانے کے بعد اور ہواؤں کو لوٹانے پلٹانے میں نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں کہ اگر ذرا بھی غور کریں تو ان کو اس بات کا کامل یقین حاصل ہو جائے کہ یہ تمام صرف اسی زبردست طاقت اور حکمت والے پروردگار کے قبضہ قدرت میں ہے جو یکتا ہے اور عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ اور مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس ذات

= ف۷ یعنی جس طرح وہ آیات اللہ کے ساتھ اہانت واستخفاف کا معاملہ کرتا ہے، سزا بھی سخت اہانت وذلت کی ملے گی۔ جو آگے آ رہی ہے۔

ف۱ یعنی اموال واولاد وغیرہ کوئی چیز اس وقت کام نہ آئے گی۔ نہ وہ کام آئیں گے جن کو اللہ کے سوا معبود یا رفیق ومددگار بنا رکھا تھا اور جن سے بہت کچھ اعانت وامداد کی توقعات تھیں۔

ف۲ یعنی یہ قرآن عظیم الشان ہدایت ہے جو سب طرح کی برائی بھلائی انسان کو سمجھانے کے لیے آئی ہے جو اس کو نہ مانیں وہ سخت غلیظ اور دردناک عذاب بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔

عزیز وحکیم کے سوا یہ چیزیں کسی کے بس میں نہیں انہی نشانیوں کو کہا جارہا ہے کہ یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو ہم آپ ﷺ کو سنا رہے ہیں۔ ٹھیک ٹھاک اور ان دلائل وحقائق کا سننا اور مشاہدہ کرنا اس بات کا موجب ہے کہ ہر بات کا یقین کریں اور اس پر ایمان لائیں جب یہ چیز اس قدر واضح ہے تو پھر کون سی بات ہے اللہ اور اس کی نشانیوں کے بعد ایسی کہ یہ اس پر ایمان لائیں گے۔ حقائق اور دلائل کو تسلیم کرنے سے اکثر انسان کا عناد اور اس کی ضد مانع ہوتی ہے تو ایسی صورت میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہلاکت وبربادی ہے ہر جھوٹے افتراء پرداز گنہگار کے لیے کہ سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے کفر و نافرمانی پر اصرار کرتا ہے، تکبر کرتے ہوئے اس طرح کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں ہے تو اگر اس نافرمان انسان کے غرور وتکبر کا یہی حال ہے تو پھر اے ہمارے پیغمبر اس کو خوشخبری سنادیں ایک دردناک عذاب کی اور اگر کسی وقت ہماری نشانیوں میں کوئی نشانی جان لیتا ہے اور مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کو مانے تو بنالیتا ہے اس کو مذاق تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے واسطے بڑا ہی ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ کے احکام اور اس کی آیات کے ساتھ تمسخر اللہ کے دین کی اہانت وتحقیر ہے یہی سزا ہوگی کہ ان پر ذلت وخواری کا عذاب مسلط کر دیا جائے گا اور ان کے پیچھے جہنم ہے کہ دنیا کی زندگی اس میں حائل ہے جوں ہی دار دنیا سے کوچ کریں گے، جہنم کا عذاب ان پر مسلط اور ان کو محیط ہوگا اور کام نہ آئے گا ان کے واسطے ذرہ برابر جو انہوں نے اپنی زندگی میں کمایا۔ اور نہ کام آئیں گے، جن کو انہوں نے اپنا ولی بنایا تھا خدا کو چھوڑ کر بلکہ ان کے اولیاء اور معبود خود اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے اور ان کے واسطے بڑا ہی زبردست عذاب ہے، یہ ہے سامان ہدایت جو اللہ کی نشانیوں کے بعد اس کے دلائل قدرت پر مشتمل ہے لیکن جو لوگ اپنے رب کی باتوں۔ دلائل قدرت، احکام ونشانیوں کا انکار کریں ان کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے عقل فطرت کے خلاف حق سے انکار وانحراف کیا اور اپنے خالق کی نافرمانی کی اور ظاہر ہے کہ بغاوت ونافرمانی کا تو ایسا ہی انجام ہونا چاہئے۔

دلائل قدرت کی تفصیل اور ان کے انواع کی تحقیق گزر چکی۔

نیز دلائل آفاق وانفس کی بحث منازل العرفان فی علوم القرآن میں قدرے وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے ان آیات کی تفسیر کے لیے اس کی مراجعت فرمائی جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے ف۱ اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ

اللہ وہ ہے جس نے بس میں دیا تمہارے دریا کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے، اور تلاش کرو اس کے فضل سے، اور شاید

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تم حق مانو ف۲ اور کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے ف۳ اس میں

تم حق مانو۔ اور کام لگائے تمہارے جو کچھ ہیں آسمانوں میں اور زمین میں سب، اس کی طرف سے۔ اس میں

ف۱ یعنی سمندر جیسی مخلوق کو ایسا مسخر کر دیا کہ تم بے تکلف اپنی کشتیاں اور جہاز اس میں لیے پھرتے ہو میلوں کی گہرائیوں کو پایاب کر رکھا ہے۔

ف۲ یعنی بحری تجارت کرو، یا شکار کھیلو، یا اس کی تہ میں سے موتی نکالو۔ اور یہ سب منافع وفوائد حاصل کرتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولو۔ اس کا حق پہچانو، زبان و دل اور قلب وقالب سے شکر ادا کرو۔

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں ف۱ کہہ دے ایمان والوں کو درگزر کریں ان سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی ف۲

بے ہیں ایک لوگوں کو، جو دھیان کرتے ہیں۔ کہہ دے ایمان والوں کو، معاف کریں ان کو جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی

لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ

تاکہ وہ سزا دے ایک قوم کو بدلہ اس کا جو کماتے تھے ف۳ جس نے بھلا کام کیا تو اپنے واسطے اور جس نے برا کیا

کہ وہ سزا دے ان لوگوں کو، بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ جس نے بھلا کیا تو اپنے واسطے۔ اور جس نے برا کیا،

فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو اپنے حق میں ف۴ پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے ف۵

تو اپنے حق میں۔ پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

دلائل قدرت وتکوینی انعامات خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ ... الی ... ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات حق تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں پر مشتمل تھیں جن سے پروردگار عالم کی الوہیت ووحدانیت کو ثابت کرتے ہوئے اعراض وانحراف کرنے والوں پر وعید تھی اب مزید چند دلائل کا ذکر کرتے ہوئے بعث بعد الموت اور قیامت کو ثابت فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے بس میں کردیا ہے سمندر کو تاکہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے حالانکہ سمندر جیسی ہیبت ناک موجوں پر جہازوں اور کشتیوں کا چلنا مادی اسباب کے لحاظ سے متوقع نہ تھا اب بحری سفر انسان کر رہا ہے، تجارت

= ف۱ یعنی اپنے حکم اور قدرت سے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا۔ یہ اسی کی مہربانی ہے کہ ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات انسان کی خدمت گزاری میں لگی ہوئی ہیں۔

ف۱ آدمی دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیز اس کے بس کی نہ تھی محض اللہ کے فضل اور اس کی قدرت کاملہ سے یہ اشیاء ہمارے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ تو لا محالہ ہم کو بھی کسی کے کام میں لگنا چاہیے وہ کام یہی ہے کہ اس منعم حقیقی اور محسن علی الاطلاق کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں اپنی حیات مستعار کے لمحات صرف کردیں تاکہ آئندہ چل کر ہمارا انجام درست ہو۔

ف۲ "ایام اللہ" (اللہ کے دنوں) سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ اپنے دشمنوں کو کوئی خاص سزا دے، یا اپنے فرمانبرداروں کو کسی خصوصی انعام واکرام سے سرفراز فرمائے۔ لہٰذا "لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ" سے وہ کفار مراد ہوئے جو اس کی رحمت سے ناامید اور اس کے عذاب سے بے فکر ہیں۔

ف۳ یعنی مسلمان آپ ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کریں۔ اللہ پر چھوڑ دیں، وہ ان کی شرارتوں پر کافی سزا، اور مومنین کے صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کا مناسب صلہ دے گا۔

ف۴ یعنی بھلے کام کا فائدہ کام کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اور بدی کرنے والا خود اپنے حق میں برا بیج بو رہا ہے۔ ایک کی برائی دوسرے پر نہیں پڑتی۔ غرض ہر شخص اپنے نفع نقصان کی فکر کرلے۔ اور جو عمل کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا سود وزیاں اسی کی ذات کو پہنچے گا۔

ف۵ یعنی وہاں پہنچ کر سب برائی بھلائی سامنے آجائے گی۔ اور ہر ایک اپنی کرتوت کا پھل چکھے گا۔

بھی، سیر و سیاحت بھی اور شکار بھی ہے اس کی تہوں میں سے موتی اور ہیرے قیمتی جواہرات بھی نکالے جا رہے ہیں مچھلیوں کو دوا اور غذا میں استعمال کیا جا رہا ہے تو یہ بیشمار منافع اور فوائد خالق کائنات کی قدرت اور اس منعم حقیقی کے عظیم تر دلائل اور شواہد ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے بھی کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور امید ہے کہ تم اپنے اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو۔ ان تمام انعامات کو دیکھ کر انسانی فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ منعم سے قلب میں محبت ہو اور جذبہ طاعت فرمانبرداری اور حق انعام ادا کرنے کے واسطے مستعد ہو جائے اور کام میں لگا دیا تمہارے واسطے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس طور سے یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔

اسی نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا اور ان جملہ مخلوقات میں تصرف کرنے اور ان سے منتفع ہونے کی تم میں صلاحیت پیدا کی اور ان کو تمہارے سامنے مسخر و تابع کر دیا ورنہ ایک معمولی جانور بھی انسان سے بہت زیادہ طاقت رکھتا ہے اور ممکن نہ ہو سکتا تھا کہ انسان خود اپنی طاقت سے جانور پر سوار ہو کر اس کو جہاں چاہے لیے پھرے۔ بے شک ان سب باتوں میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ایسے لوگوں کے واسطے جو غور و فکر کرتے ہوں تو غور و فکر کرنے والے یقیناً یہ بات سمجھ لیں گے کہ جب ہمارے خالق نے یہ تمام کائنات ہمارے لیے اور ہمارے کام میں سب چیزوں کو لگا رہا ہے تو انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ہم کو اس کے کام میں لگ جانا چاہئے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں انسان کی یہ زندگی حیات مستعار ہے حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اس کے واسطے بھی چاہئے کہ عمل کا کچھ ذخیرہ مہیا کیا جائے۔

ایسے دلائل اور خالق حقیقی کی قدرت کاملہ کی نشانیاں اور اس کے بے پایاں انعامات کے باوجود بھی جو لوگ اپنے منعم حقیقی اور خالق کائنات کے ساتھ اپنی زندگیوں کا رشتہ وابستہ نہیں کرتے اہل اللہ کے دلوں میں ان سے تکدر اور تنفر پیدا ہونا ایک ایمانی تقاضا ہے غصہ اور جذبہ انتقام کا ابھرنا بھی طبعی تاثر ہے تو ان جذبات پر قابو پانے کے لیے صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔ کہہ دوائے ہمارے پیغمبر ﷺ ایمان والوں کو کہ درگزر کریں وہ ان لوگوں سے جو امید ہی نہیں رکھتے ہیں۔ اللہ کے دنوں کی کہ سزا دے اللہ ایک قوم کو ان اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ اس کی رحمت کی امید ہے اور نہ اس کے عذاب کی فکر ہے، اور نہ اس بات کا احساس ہے کہ اللہ اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں کو خاص سزا دے گا اور ان کو ناکام و ذلیل کرے گا اور جو اس کے دوست ہیں اور اس کے دین کے قبول کرنے والے ہیں ان کو اپنے انعام و اکرام سے نوازے گا نیز ان کو کامیاب فرمائے گا، ہمارے یہاں تو یہ قانون طے ہو چکا کہ جس کسی شخص نے نیکی کا کام کیا بس وہ اسی کے واسطے ہے نافع و باعث عزت۔ اور جس کسی نے برا کام کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔ پھر یہ بھی جان رکھو کہ تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے وہاں پہنچ کر ہر شخص اپنے اعمال صالحہ کا اجر و ثواب دیکھ لے گا اور اعمال خبیثہ کی سزا اور اعذاب دیکھ لے گا غرض ہر شخص کی نیکی اور بدی اس کے سامنے آجائے گی۔

اہل ایمان کو کافروں کی معاندانہ روش پر درگزر کی تلقین

﴿قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا﴾ میں اہل ایمان کی صبر و تحمل کی تلقین فرمائی گئی کیونکہ انسان طبعاً دشمنوں کی مذموم اور

بے ہودہ حرکتوں پر مشتعل ہو جایا کرتا ہے اور اس قسم کا اشتغال اشاعت دین اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے تو ان کلمات مبارکہ میں عفو و درگزر کی ہدایت فرمائی گئی مقصد یہ کہ باہمی نزاع اور مخاصمت کی معمولی سی باتوں میں یہ صورت پیدا نہ کی جائے۔ ❶

اس تفسیر پر آیت کو قبل از مشروعیت جہاد کے زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت جہاد و قتال کے حکم سے قبل نازل ہوئی تھی، جب حق تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرمادیا تو پھر عفو و درگزر کا مسئلہ نہ رہا، بلکہ اس کے بعد تو ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ کی صورت مقرر کر دی گئی۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ مسلمان کافروں کی ایذاؤں اور تکالیف پر صبر کریں اور درگزر سے کام لیں اور اہل کتاب سے بھی ایسا ہی معاملہ رکھیں تاکہ تالیف قلبی ہو اور وہ اسلام سے قریب ہو سکیں۔ لیکن جب کافروں پر اس مروت اور حسن خلق کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ پہلے سے زائد عناد و دشمنی برتنے لگے تو جہاد کا حکم نازل ہوا، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں ف۱

اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور پیغمبری اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں،

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ⑯ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اور بزرگی دی ان کو جہان پر ف۲ اور دیں ان کو کھلی باتیں دین کی ف۳ پھر انہوں نے پھوٹ جو ڈالی تو سمجھ آچکنے کے بعد

اور بزرگی دی ان کو جہان پر۔ اور دیں ان کو کھلی باتیں دین کی، پھر پھوٹ جو ڈالی تو سمجھ آچکے پیچھے

مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

آپس کی ضد سے بیشک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں

آپس کی ضد سے۔ تیرا رب چکوتی کرے گا ان میں قیامت کے دن، جس بات میں

ف۱ یعنی تورات دی اور سلطنت یا قوت فیصلہ یا دانائی کی باتیں یا دین کی سمجھ عطا کی، اور کس قدر کثرت سے پیغمبر ان میں سے اٹھائے یہ تو روحانی غذا ہوئی، جسمانی غذا دیکھو تو وہ بھی بہت افراط سے دی گئی حتیٰ کہ من و سلویٰ اتارا گیا۔

ف۲ یعنی اس زمانہ میں سارے جہان پر ان کو فضیلت کلی حاصل تھی اور بعض فضائل جزئیہ کے اعتبار سے تو "اس زمانہ" کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔

ف۳ یعنی نہایت واضح اور مفصل احکام۔ کھلے کھلے معجزات جو دین کے باب میں بطور حجت و برہان کے پیش کیے جاتے ہیں۔

❶ بعض ائمہ مفسرین مثلاً نحاس رحمۃ اللہ علیہ اور مہدی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل کسی مشرک نے ان کو گالی دی اور برا بھلا کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر بہت زائد مشتعل ہوئے اور اس کے منہ پر چپت بھی مارنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ آیت بھی اس سورت کی دیگر آیات کی طرح مکیہ ہے اور اس تاویل کی ضرورت نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد ارادہ کیا تھا اس لیے کہ مکہ میں تو مسلمان مجبور و بے بس تھے، کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جرأت و ہمت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمونہ بن کر اس کافر کے منہ پر گھونسا مار کر کام تمام کر سکتے تھے۔

فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ⑰ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ

وہ جھگڑتے تھے ف۱ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک راستہ پر دین کے کام کے سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر

وہ جھگڑتے تھے۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستے پر اس کام کے، سو تو اسی پر چل، اور نہ چل چاؤں

الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑱ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ

نادانوں کی ف۲ وہ ہرگز کام نہ آئیں گے تیرے اللہ کے سامنے ذرا بھی ف۳ اور بےانصاف ایک دوسرے کے

پر نادانوں کے۔ وہ کام نہ آئیں گے تیرے اللہ کے سامنے کچھ۔ اور بےانصاف ایک دوسرے کے

اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ⑲ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

رفیق ہیں اور اللہ رفیق ہے ڈرنے والوں کا ف۴ یہ سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے اور راہ کی اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے

رفیق ہیں۔ اور اللہ رفیق ہے ڈر والوں کا۔ یہ سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے، اور راہ کی اور مہر ہے ان لوگوں کو

یُّوْقِنُوْنَ ⑳ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو یقین لاتے ہیں ف۵ کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے ان کو برابر ان لوگوں کی جو کہ یقین لائے اور کیے

جو یقین لاتے ہیں۔ کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے ان کو برابر ان کے جو یقین لائے اور کئے

الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ㉑ ع

بھلے کام ایک سا ہے ان کا جینا اور مرنا برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں ف۶

بھلے کام؟ ایک سا ان کا جینا اور مرنا۔ برے دعوے ہیں جو کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی آپس کی ضد اور نفسانیت سے اصل کتاب کو چھوڑ کر بیشمار فرقے بن گئے۔ جن کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا اس وقت پتہ لگے کہ ان کا منشاء نفس پروری اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ف۲ یعنی ان اختلافات اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے صحیح راستہ پر قائم کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو چاہیے کہ اس راستہ پر برابر مستقیم رہے۔ کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلے۔ مثلاً ان کی خواہش یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے طعن وتشنیع اور ظلم وتعدی سے تنگ آ کر دعوت وتبلیغ ترک کر دیں، یا مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اختلاف وتفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں۔ اندریں صورت واجب ہے کہ ان کی خواہشات کو بالکل پامال کر دیا جائے۔

ف۳ یعنی ان کی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔

ف۴ یعنی منصف اور راستی پسند مسلمان، ظالم اور بے راہ کافروں کے رفیق نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اللہ کے مطیع بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا رفیق ومددگار ہے۔ لازم ہے کہ اسی کی راہ چلیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔

ف۵ یعنی قرآن بڑی بڑی بصیرت افروز حقائق پر مشتمل ہے۔ لوگوں کو کام کی باتیں اور کامیابی کی راہ سجھاتا ہے۔ اور جو خوش قسمت اس کی ہدایات ونصائح پر یقین کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں ان حق میں میں خصوصی طور پر قرآن رحمت وبرکت ہے۔

ف۶ یعنی اللہ تعالیٰ کی شئون حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بدمعاش آدمی، اور ایک مرد صالح کے ساتھ خداوند تعالیٰ یکساں معاملہ کرے گا۔ اور دونوں کا انجام برابر کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ نہ ان زندگی میں دونوں برابر ہو سکتے ہیں نہ مرنے کے بعد جو حیات طیبہ مومن صالح کو یہاں نصیب =

انعامات دنیوی واخروی برقوم بنی اسرائیل وبیان بغاوت ونافرمانی ایشاں

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ ... الی ... سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾

ربط:...... ماقبل آیات میں حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان چل رہا تھا اور یہ کہ اللہ رب العزت کے کس قدر انعامات ہیں کہ اس نے اپنے بندوں ہی کے فوائد ومنافع کے لیے ساری کائنات پیدا کی اور کائنات پر ان کو تصرف کرنے کی صلاحیت اور قدرت بھی عطا فرمائی جس کا ثمرہ اور نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ انسان اپنے رب کا فرمانبردار ہوتا تو اس مقصد اور حقیقت کی توضیح کے لیے قانون جزا وسزا کا بھی ذکر کر دیا گیا تھا تو اب ان آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے کہ پروردگار عالم نے کیسے انعامات سے ان کو نوازا لیکن اس بدنصیب قوم نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت ورحمت سے محرومی اختیاری کی اور عملی بغاوت وسرکشی کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، ارشاد فرمایا:

اور بے شک دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور سلطنت وپیغمبری انعامات واعزاز وکرامت کے ساتھ عطا کیں ان کو کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں اور فضیلت وبرتری دی ان کو تمام جہاں پر کہ کسی قوم اور خاندان میں اللہ نے اس وقت اس قدر فضیلتیں اور دین دنیا کی عزتیں جمع نہیں فرمائیں تھیں، جتنی کہ بنی اسرائیل کو دیں۔ کتاب تورات دی پھر حکومت وسلطنت یا قوت فیصلہ وحکمت سے نوازا کہ دین کی باتیں سمجھیں اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیں اور جو قانون الٰہی دے دیا گیا اس کے مطابق وہ نظام حکومت قائم کریں اور پھر سب باتوں کے علاوہ انہیں کھلی نشانیاں اور دلائل یا احکام دین دیئے جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ متحد ہو کر اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور باہم کسی قسم کا اختلاف نہ کرتے مگر افسوس کہ انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور سمجھ چکے تھے کہ علم وہدایت یہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تعلیمات سے ہمیں عطا کیا اور یہ اختلاف صرف آپس میں ضد اور عناد کی وجہ سے تھا اور اصل کتاب ہدایت کو چھوڑ کر بیشمار فرقے بن گئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ نفسانیت اور ضد وعناد کی وجہ سے حق سے بغاوت اور مخالفت حق وباطل کو ملتبس ومشتبہ نہیں کر سکتی۔

بے شک آپ ﷺ کا رب فیصلہ کر دے گا ان کے درمیان قیامت کے روز اس بات کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے بنی اسرائیل کی یہ تاریخ ان کی سرکشی اور نفسانیت وعناد کے باعث باہم فرقہ وارانہ کشمکش کا دور گزر جانے کے بعد پھر بنا دیا ہم نے آپ ﷺ کو پیغمبر وہادی دین کے ایک دستور پر بس آپ اسی کی اتباع وپیروی کیجئے اور مت چلئے ان لوگوں کی خواہشوں پر جو نادان ہیں اگر کسی وقت جذبہ ہمدردی یا مصلحت کے خیال سے آپ ﷺ ان کی کسی بات کو بالفرض پوری کرنے کا ارادہ کریں تو آپ ﷺ کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہئے کہ وہ ہرگز خدا کے یہاں آپ ﷺ کے ذرہ برابر بھی کام نہ آئیں گے۔ اور کسی بھی فروگزاشت پر اگر خدا کا کوئی قہر کسی کی طرف متوجہ ہوا تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا مومن

= ہوئی ہے اور جس نصرت اور علو ورفعت کے وعدے دنیا میں اس سے کیے گئے وہ ایک کافر بدکار کو کہاں میسر ہیں۔ اس کے لیے دنیا میں معیشت ضنک اور آخرت میں لعنت وخسران کے سوا کچھ نہیں۔ الغرض یہ دعویٰ بالکل غلط اور یہ خیال بالکل مہمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں کا مرنا اور جینا برابر کرے گا۔ اس کی حکمت اس کو مقتضی نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ دونوں کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ ظاہر ہو کر رہے۔ اور ہر ایک کی نیک یا بدی کے آثار فی الجملہ یہاں بھی مشاہد ہوں اور ان کا پوری طرح مکمل معائنہ موت کے بعد ہو۔

مطیع کا کافر نافرمان سے اور باغی و مجرم سے کسی قسم کی مرافقت ممکن ہی نہیں ہر ایک کا راستہ جدا ہے۔

اور بے شک ظالم و مجرم ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں اور اللہ مددگار ہے تقویٰ والوں کا اس لیے ایمان وتقویٰ والوں کو اپنے خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور ظالم کی خواہشات و افکار کا قطعاً نہ لحاظ کرنا چاہئے اور نہ ان کی روش اختیار کرنی چاہئے ان کا راستہ ظلم و بغاوت کا راستہ ہے اور اہل ایمان کا راستہ فرمانبردار و اطاعت کا راستہ ہے اور اس پر چلنے والوں کا خدا ساتھی اور مددگار ہے تو پھر کسی کی مخالفت و دشمنی کی کیا پرواہ یہ ہیں بصیرت و عبرت کی باتیں دنیا کے تمام انسانوں کے واسطے اور ہدایت کا سامان ہے اور رحمت ایسی قوم کے واسطے جو یقین رکھتی ہو تو ان بصیرت افروز باتوں اور حقائق پر مشتمل نصیحتوں سے لوگوں کو ہدایت حاصل کرنی چاہئے اور صراط مستقیم پر چل کر دین و دنیا کی رحمت و برکت کا مستحق بننا چاہئے۔ ●

انسان کی عملی زندگی میں حق و باطل ہدایت و گمراہی اور عدل و ظلم کا راستہ قطعی مختلف ہے یہ ناممکن ہے کہ حق وہدایت کی پیروی کرنے والا مومن اور باطل و گمراہی میں مبتلا ہونے والا انسان برابر ہوا ایسا تصور ہرگز بھی نہ کرنا چاہئے مگر اہل مکہ ایسی واضح اور روشن حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے بلکہ ان کے نفس نے ان کو ایسی گمراہی میں ڈالا کہ شعور و احساس تک باقی نہ رہا تو کیا ایسے لوگوں نے جو برائیاں کمار ہے ہیں یہ گمان کرلیا ہے کہ ہم ان کو برابر کردیں گے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اس طرح کہ ان کا جینا اور مرنا برابر ہوجائے۔ اگر کسی قسم کا کوئی تصور اور گمان ہے تو بہت ہی برا ہے یہ فیصلہ جو کر رہے ہیں کون عقل والا یہ سوچ سکتا ہے کہ ایک بدکار انسان اور ایک مرد صالح خدا کے نزدیک برابر ہوگا اور اس مجرم کے ساتھ وہی انعام و اکرام کا معاملہ کیا جائے گا جو بدکار ظالم و مجرم کے ساتھ ہرگز نہیں آخرت میں تو کیا برابری ہوسکتی ہے، دنیا کی زندگی میں بھی یہ ممکن نہیں مومن کو دنیا میں بھی حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے عزت و نصرت سے نوازا جاتا ہے اور بدکار انسان دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ناکام و محروم رہتا ہے، غرض نیکی اور بدی کا فرق دنیا میں بھی نظر آتا ہے اور آخرت میں بھی اسی طرح نظر آئے گا اس لیے کسی نافرمان و مجرم کو مادی اور ظاہری عیش و عشرت کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے بنی اسرائیل پر فائز کردہ انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مجرمانہ نافرمانیاں اور بغاوت کا بیان اہل کتاب کو تنبیہ کے لیے فرمایا اور اس لیے بھی کہ اہل کتاب کو ان باتوں سے صبر و ہمت حاصل ہو۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ و علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ مفسرین سے بحوالہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت نقل کی ہے کہ کفار قریش میں سے عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حمزہ رضی اللہ عنہما اور دوسرے بعض مسلمانوں سے ایک روز یہ کہا کہ خدا کی قسم تمہارا دین کوئی بہتر دین نہیں اور نہ تم ہم سے افضل ہو ہمارا حال تم سے بدرجہا بہتر ہے، اگر وہ بات یعنی آخرت و قیامت ہو بھی گئی تو وہاں بھی ہم تم سے افضل اور بہتر ہوں گے جیسا کہ ہم دنیا میں تم سے افضل ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿اَمْ حَسِبَ

● دین و دنیا کی رحمتوں اور برکتوں کی طرف اشارہ ہے، اسی کے ساتھ ان کلمات سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ قانون شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے بصیرت ہدایت اور رحمت ترتیب طبعی بھی ایسی ہی ہے انسان کی پہلے آنکھیں کھلتی ہیں تو صحیح راستہ نظر آتا ہے اور منزل مقصود پہچان کر اس کی طرف چلنا شروع کردیتا ہے، تو بصیرت، راستہ نظر آنا ہوا اور ہدایت، منزل تک پہنچانے والے راستہ پر چل پڑنا ہے اور رحمت، حصول مقصد اور وصول منزل پر مرتب ہونے والے ثمرہ کا نام ہے۔

﴿الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ﴾ جس میں قانون خداوندی بیان کردیا گیا کہ مجرم وفرمانبردار برابر نہیں ہوسکتے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غرض ہے کہ ہر مومن کو اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہی تصور واعتقاد اپنے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں رچاتے ہوئے اپنی کوتاہیوں اور غفلت سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اعمال صالحہ کے لیے زیادہ سے زیادہ جدو جہد کرتا رہے۔

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ربیع رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ تہجد کی نماز میں جب اس آیت پر سے گزرے اور اس کو تلاوت کیا تو یہی آیت بار بار لوٹاتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ ان دو فریقوں میں سے میں کسی فریق میں شامل ہوں۔

اللھم ارزقنا حلاوۃ الایمان وبشاشتہ آمین یارب العالمین۔

انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ انسانی زندگی شریعت اور شارع کی محتاج ہے اس لیے کہ انسان اپنی ذات سے خود ہر کام سرانجام نہیں دے سکتا تاوقتیکہ اس کی مدد دوسرے نہ کریں اسی واسطے انسانی حیات مدنیت واجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ لوگوں کی ضرورتیں اغراض اور خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور طبعاً ہر شخص اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور اپنی غرض کو دوسرے کی غرض ومقصد پر مقدم رکھتا ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک اپنی غرض وخواہش کو پورا کرنا چاہے گا اور جبکہ اغراض وخواہشات متناقض ہیں تو یقیناً نزاع وفساد کا برپا ہونا لازم ہے اس وجہ سے انسانی حیات اس بات کی محتاج ہوئی کہ اس کے واسطے ایک ایسا قانون ہدایت ہو جو سراپا رحمت ہو جو عدل وانصاف کا پیکر ہوتے ہوئے اغراض وخواہشات نفس سے پاک ہو اور ظاہر ہے کہ اس ضرورت واحتیاج کو کوئی انسانی دستور اور قانون پورا نہیں کرسکتا کیونکہ انسانی فہم، ادراک وشعور اول تو ناقص پھر یہ کہ اغراض وخواہشات نفس کی آمیزش سے پاک نہیں ہوسکتے پھر طبائع اور مزاج کا بھی عظیم اختلاف وفرق تو ایسی صورت میں صرف وحی الٰہی اور قانون خداوندی ہی انسان کے واسطے راہنما اصول اور باعث رحمت وعافیت ہوسکتا ہے، جو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہدایت کے واسطے لے کر آئے اور ان جملہ علوم ہدایت و رحمت کا مجموعہ اور لباب وجوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شریعت ہوئی جس کو ان الفاظ میں یاد فرمایا جارہا ہے، ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ الخ۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

اور بنائے اللہ نے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں اور تاکہ بدلہ پائے ہر کوئی اپنی کمائی کا اور ان پر

اور بنائے اللہ نے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں، اور تا بدلہ پائے ہر کوئی اپنی کمائی کا، اور ان پر

يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ

ظلم نہ ہوگا ف۱ بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا ف۲ اور مہر لگا دی اس کے کان پر

ظلم نہ ہوگا۔ بھلا دیکھ تو! جس نے ٹھہرایا اپنا حاکم اپنی چاؤ کو اور راہ سے کھویا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا، اور مہر کی اس کے کان پر

وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَقَالُوْا

اور دل پر اور ڈال دی اس کی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اس کو اللہ کے سوا سو کیا تم غور نہیں کرتے ف۳ اور کہتے ہیں

اور دل پر، اور ڈالی اس کی آنکھ پر اندھیری۔ پھر کون راہ پر لائے اس کو اللہ کے سوا؟ کیا تم سوچ نہیں کرتے؟ اور کہتے ہیں

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے ف۴ اور ان کو کچھ خبر نہیں

نہیں یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور مرتے ہیں ہم سو زمانے سے اور ان کو کچھ خبر نہیں

عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ

اس کی محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں ف۵ اور جب سنائی جائیں ان کو ہماری آیتیں کھلی کھلی اور کچھ دلیل نہیں ان کی مگر یہی کہ

اس کی۔ نری اٹکلیں دوڑاتے ہو۔ اور جب سنایئے ان کو ہماری آیتیں کھلی اور جھگڑا نہیں ان کو مگر یہی

ف۱ یعنی زمین و آسمان کو یوں ہی بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ نہایت حکمت سے کسی خاص مقصد کے لیے بنایا ہے تاکہ ان کے احوال میں غور کر کے لوگ معلوم کر سکیں کہ بیشک جو چیز بنائی گئی ٹھیک موقع سے بنائی اور تاکہ اندازہ کر لیا جائے کہ ضرور ایک دن اس کارخانہ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ جہاں ہر ایک کو اس کی کمائی کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔ گندم از گندم بروید جو ز جو ٭ از مکافات عمل غافل مشو۔

ف۲ یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی استعداد خراب ہے اور اسی قابل ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بدبخت علم رکھنے کے باوجود اور سمجھنے بوجھنے کے بعد گمراہ ہوا۔

ف۳ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرا لے، جدھر اس کی خواہش لے چلے ادھر چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اس کے پاس یہی خواہش نفس رہ جائے، اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ کان نصیحت کی بات سنتے ہیں، نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے، نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کے کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچا دے، کون سی طاقت ہے جو اس کے بعد اس راہ پر لے آئے۔

ف۴ یعنی اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں۔ بس یہی ایک جہان ہے جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر سبزہ زمین سے اگا، خشکی ہوئی تو سوکھ کر ختم ہو گیا۔ یہی حال آدمی کا سمجھو، ایک وقت آتا ہے پیدا ہوتا ہے۔ پھر معین وقت تک زندہ رہتا ہے۔ آخر زمانہ کا چکر اسے ختم کر دیتا ہے۔ یہی سلسلہ موت و حیات کا دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ آگے کچھ نہیں۔

ف۵ یعنی زمانہ نام ہے دہر کا۔ وہ کچھ کام کرنے والا نہیں۔ کیونکہ اس میں حس نہ شعور نہ ارادہ ہے لامحالہ وہ کسی اور چیز کو کہتے ہوں گے جو معلوم نہیں ہوتی لیکن دنیا میں اس کا تصرف چلتا ہے۔ پھر اللہ ہی کو کیوں نہ کہیں جس کا وجود اور متصرف علی الاطلاق ہونا دلائل فطریہ اور براہین عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور زمانہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی معنی سے حدیث میں بتلایا گیا کہ دہر، اللہ ہے اس کو برا نہ کہنا چاہیے۔ کیونکہ جب آدمی دہر کو برا کہتا ہے اسی نیت سے کہتا ہے کہ حوادث دہر اس کی طرف منسوب ہیں حالانکہ تمام حوادث دہر، اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہیں تو دہر کی برائی کرنے سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

قَالُوا ائْتُوا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

کہتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو، اگر تم سچے ہو ف۱ تو کہہ کہ اللہ ہی جلاتا ہے تم کو پھر مارے گا تم کو پھر

کہتے ہیں، لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، اللہ جلاتا ہے تم کو، پھر مارے گا تم کو، پھر

يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ ع

اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن تک اس میں کچھ شک نہیں پر بہت لوگ نہیں سمجھتے ف۲ اور اللہ ہی کا راج ہے

اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن تک، اس میں کچھ شک نہیں، پر بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ اور اللہ کا راج ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ

آسمانوں میں اور زمین میں اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن خراب ہوں گے جھوٹے ف۳ اور تو دیکھے ہر

آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور جس دن اٹھے گی قیامت اس دن خراب ہوں گے جھوٹے۔ اور تو دیکھے ہر

اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا

فرقہ کو کہ بیٹھے ہیں گھٹنوں کے بل ف۴ ہر فرقہ بلایا جائے اپنے اپنے دفتر کے پاس آج بدلہ پاؤ گے جیسا تم کرتے تھے ف۵ یہ

فرقہ زانو پر بیٹھے ہیں، ہر فرقہ بلایا جاتا ہے اپنے اپنے دفتر پر۔ آج بدلہ پاؤ گے جیسا تم کرتے تھے۔ یہ

كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہمارا دفتر ہے بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک ف۶ ہم لکھواتے جاتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے ف۷ سو جو

ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک۔ ہم لکھواتے جاتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے۔ سو جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

لوگ یقین لائے ہیں اور بھلے کام کیے سو ان کو داخل کرے گا ان کا رب اپنی رحمت میں یہ جو ہے یہی ہے صریح مراد ملنی ف۸

یقین لائے ہیں، اور بھلے کام کئے، سو ان کو داخل کرے گا ان کا رب اپنی مہر میں۔ یہ جو ہے یہی صریح مراد ملنی۔

ف۱ یعنی جب قرآن کی آیات یا بعث بعد الموت کے دلائل اس کو سنائے جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم تسلیم کریں گے کہ بیشک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔

ف۲ یعنی جس نے ایک مرتبہ زندہ کیا پھر مارا، اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر دے۔

ف۳ اس دن ذلیل و خوار ہو کر پتہ لگے گا کہ کس دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔

ف۴ یعنی خوف و ہیبت سے۔

ف۵ یعنی اعمالنامہ کی طرف بلایا جائے گا کہ آؤ اس کے موافق حساب دو۔ آج ہر ایک کو اسی کا بدلہ ملے گا۔ جو اس نے دنیا میں کمایا تھا۔

ف۶ یعنی جو کام کیے تھے یہ اعمالنامہ ٹھیک ٹھیک وہی بتلاتا ہے۔ ذرہ بھر کمی بیشی نہیں۔

ف۷ یعنی ہمارے علم میں تو ہر چیز ازل سے ہے۔ مگر ضابطہ میں ہمارے فرشتے لکھنے پر مامور تھے ان کی لکھی ہوئی مکمل رپورٹ آج تمہارے سامنے ہے۔

ف۸ یعنی جنت میں جہاں اعلیٰ درجہ کی رحمت اور ہر قسم کی مہربانیاں ہوں گی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا

اور جو منکر ہوئے کیا تم کو سنائی نہ جاتی تھیں باتیں میری پھر تم نے غرور کیا اور ہوگئے تم لوگ

اور وہ جو منکر ہوئے، کیا تم کو سنائی نہ جاتی تھیں باتیں میری ؟ پھر تم نے غرور کیا، اور ہو رہے تم لوگ

مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا

گناہ گار ف۱ اور جب کہیے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں تم کہتے تھے ہم نہیں سمجھتے کیا ہے

گناہ گار۔ اور جب کہئے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور اس گھڑی میں دھوکا نہیں، تم کہتے ہو، ہم نہیں سمجھتے کیا ہے وہ

السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا

قیامت، ہم کو آتا تو ہے ایک خیال سا اور ہم کو یقین نہیں ہوتا ف۲ اور کھل جائیں ان پر برائیاں ان کاموں کی جو کیے تھے

گھڑی ؟ ہم کو آتا ہے تو ایک خیال سا، اور ہم کو یقین نہیں ہوتا۔ اور کھلیں ان پر برائیاں ان کاموں کی جو کیے تھے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ

اور الٹ پڑے ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے ف۳ اور حکم ہوگا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا اپنی

اور الٹ پڑی ان پر جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ اور حکم ہوا کہ آج ہم تم کو بھلائیں گے، جیسے تم نے بھلا دیا اپنے

يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ

اس دن کی ملاقات کو ف۴ اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا

اس دن کا ملنا، اور گھر تمہارا دوزخ ہے، اور کوئی نہیں تمہارے مددگار۔ یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا اللہ کی

اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ

اللہ کی باتوں کو ٹھٹھا اور بہکے رہے دنیا کی زندگانی پر ف۵ سو آج نہ ان کو نکالنا منظور ہے وہاں سے اور نہ ان سے مطلوب ہے

باتوں کو ٹھٹھا اور بہکے دنیا کے جینے پر۔ سو آج نہ ان کو نکالنا ہے وہاں سے اور نہ ان سے چاہیں

ف۱ یعنی ہماری طرف سے نصیحت و فہمائش اور تمام حجت کا کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا گیا۔ اس پر بھی تمہارے غرور کی گردن نیچی نہ ہوئی۔ آخرت کے پکے مجرم بن کر رہے۔ یا "وکنتم قوماً مجرمین۔" کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم پہلے ہی سے جرائم پیشہ تھے۔

ف۲ یعنی ہم نہیں جانتے قیامت کیسی ہوتی ہے۔ تم جو کچھ قیامت کے عجیب و غریب احوال بیان کرتے ہو ہم کو کسی طرح ان کا یقین نہیں ہوتا۔ یوں سنی سنائی باتوں سے کچھ ضعیف سا امکان اور دھندلا سا خیال کبھی آ جائے وہ دوسری بات ہے۔

ف۳ یعنی جب قیامت آئے گی ان کی تمام بدکاریاں اور ان کے نتائج سامنے آ جائیں گے اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے وہ خود ان پر ہی الٹ پڑے گا۔

ف۴ یعنی دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہ رکھا تھا۔ آج ہم تم کو مہربانی سے یاد نہ کریں گے۔ ہمیشہ کے لیے اسی طرح عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے۔ جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔

ف۵ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خیال ہی نہ کیا کہ یہاں سے کبھی جانا اور خدا کے سامنے پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یوں سمجھ کر دل کی تسلی کر لی =

يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ

توبہ ف۱ سو اللہ ہی کے واسطے ہے سب خوبی جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا رب سارے جہان کا اور اسی کے لئے

توبہ۔ سو اللہ کو ہے سب خوبی، جو رب ہے آسمانوں کا، اور رب ہے زمین کا، رب سارے جہان کا۔ اور اسی کو

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾ ع ۱۱

بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا ف۲

بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

دلائل قدرت خداوندی وتردید کفار ودہریین مع بیان انجام ہدایت وضلالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ... الی... هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

ربط:...... ماقبل آیات میں بنی اسرائیل پر ان خاص انعامات کا بیان تھا جن سے ان کو نوازا گیا تھا ان انعامات میں دین ودنیا کی نعمتیں عزت وراحت اور علم وحکمت کے فضائل وکمالات شامل تھے ساتھ ہی ان کی نافرمانی اور بغاوت کا ذکر تھا اور یہ کہ قانون خداوندی سے یہ طے ہو چکا کہ نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں، دہریوں کا رد فرمایا اور یہ کہ خالقیت ومالکیت اور حاکمیت سب اللہ ہی کے واسطے ہے، اور قرآن حکیم وہ کتاب ہدایت ہے۔ جو حق وصداقت کے ساتھ ہر بات دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے اس کتاب پر عمل نجات وکامیابی کا باعث ہے، اور خدا کے احکام فراموش کر دینا اس کے انعامات ورحمتوں سے محرومی ہے، ارشاد فرمایا اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک انداز کے ساتھ کہ جیسے چاہیے تھا ایسے پیدا کیا جس میں بڑی عظیم حکمتیں اور بلند پایہ مصلحتیں ہیں ان میں سے ہر چیز اللہ رب العزت کی قدرت کی عظیم نشانی اور اس کی الوہیت ووحدانیت کی کھلی دلیل ہے۔

اور یہ ساری کائنات آسمان وزمین بیکار وعبث نہیں بنائے گئے بلکہ اس وجہ سے کہ بدلہ دیا جائے ہر انسان کو ان کے اعمال کا جو وہ کرے اور یہ حقیقت ہے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ تخلیق کائنات میں عمل کی مکافات کے نمونہ رکھ دیئے گئے جن کو دیکھ کر ہر انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ نیکی کا انجام فلاح وکامیابی اور بدی کا انجام تباہی وبربادی ہے کھیتی کرنے والا جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔

= کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے مقابل ہیں، وہاں بھی ہمارا یہی زور رہے گا۔

ف۱ یعنی نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا نہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اب خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

ف۲ چاہیے آدمی اسی کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے احسانات وانعامات کی قدر کرے۔ اسی کی ہدایت پر چلے، سب کو چھوڑ کر اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رکھے۔ اور اس کی بزرگی وعظمت کے سامنے ہمیشہ باختیار خود مطیع ومنقاد رہے۔ کبھی سرکشی وتمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے "الكبرياء ردائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار" (کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے۔ لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا، میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا) اللهم اجعلنا مطيعين لامرك وجنبنا غضبك وقنا عذاب النار۔ انك سميع قريب مجيب الدعوات۔ تم سورة الجاثية بعونه وصونه فلله والمنته وبه التوفيق والعصمة۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

کا سبق ہر کھیتی سبزہ اور درخت انسانوں کو سکھا رہا ہے راہ ہدایت سے بھٹکانے والی اصل چیز انسان کا نفس اور نفس کی خواہشات ہیں۔ تو اے مخاطب کیا تو نے دیکھ لیا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیا ہے جس طرف اس کی خواہش لے جانا چاہتی ہے اس طرف چل پڑتا ہے حق وصداقت ظاہر ہونے اور اس کو سمجھنے کے باوجود بھی حق کی پیروی نہیں کرتا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے گمراہ کر دیا اللہ نے اس کو اس کی اپنی شقاوت کی وجہ سے اور مہر لگا دی اس کے کان پر اور اس کے دل پر اور پردہ ڈال دیا اس کی نگاہ پر تو اللہ کی طرف سے اس محرومی اور بدنصیبی کے بعد کون ایسے شخص کو ہدایت دے سکتا ہے۔

اے مخاطبو! کیا پھر بھی تم غور وفکر نہیں کرتے ہو افسوس کہ جب انسان حق وصداقت سے اعراض کر کے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ضائع کر ڈالتا ہے نہ دلائل وحقائق کو دیکھتا ہے اور نہ ہی عبرت ناک واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرتا ہے تو پھر اس کے احساسات، ادراک وشعور سب کچھ اسی دنیوی زندگی تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور ایسے لوگ کہتے ہیں یہ کچھ نہیں بجز ہماری اس دنیا کی زندگی کے بس ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ موت وحیات کا بس اسی طرح جاری ہے اور ہم کو سوائے زمانہ [1] کے اور کوئی چیز نہیں مارتی یہ زمانہ ہی سب کچھ انقلابات وتبدیلیاں لاتا ہے یہی مؤثر وکارساز ہے اور زمانہ کے انقلابات وتغیرات کی پشت پر کوئی بھی قدرت وطاقت کارفرما نہیں یہ ہے۔ ان کا عقیدہ اور حال یہ ہے کہ ان کو کچھ بھی خبر نہیں یہ تو محض اٹکل وتخمین ہی ہے جو یہ گمان کر رہے ہیں کہ اگر اس قسم کے بدنصیب لوگوں نے اپنی عقل ودانائی اور فکر وتدبر کی صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا تو کم از کم یہی کرتے کہ اللہ کی آیتوں ہی کو سن کر کچھ حق وہدایت کی طرف رخ کر لیتے مگر افسوس ایسا نہ ہوا بلکہ اسی شقاوت وبغاوت پر قائم رہے اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی حجت اور دلیل

[1] اس آیت مبارکہ میں ان منکرین خدا کے بیہودہ نظریہ کا رد ہے جو خدا کی خالقیت اور قدرت کا انکار کرتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز کو زمانہ اور زمانہ کی تاثیر، اس کے انقلابات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ زمانہ ہی ہے اور اس کی پشت پر نہ کسی خالق وقادر مطلق کی طاقت وارادہ کارفرما ہے اور نہ ہی زمانہ کا کوئی خالق ہے اسی وجہ سے اس فرقہ کو دہریہ کہا جاتا ہے۔

"دھر" لغت میں طویل زمانہ کو کہا جاتا ہے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دھر اصل میں بقاء عالم کی مدت کا نام ہے اس کی ابتداء سے لے کر فناء وانقضاء تک"۔ لیکن دھر کا بالعموم مدت طویلہ پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض ائمہ لغت کا خیال ہے کہ دھر مصدر ہے دھر یدھر کے لیے جس کے معنی غلبہ کے ہیں۔

یہ فرقہ قدرت خداوندی کا انکار کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے زمانہ ہی کرتا ہے نہ کوئی موت وحیات کا مالک ہے نہ ملک الموت ہے اور نہ کوئی حکم خداوندی ہے بس انسان دنیا میں ایسے ہی آ جاتے ہیں اور یوں ہی مر جاتے ہیں، ان کی موت وحیات کسی کے حکم وارادہ کے تابع نہیں یہ فرقہ حوادث وآفات اور عزت وذلت نفع نقصان کو بھی دھر کی طرف منسوب کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ ایسے منکرین اور دہریوں یا ان کے اثرات سے متاثر ہو کر لوگوں کے اشعار وقصائد زمانہ کے ظلم وستم کی شکایات سے بھرے ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کے نزدیک زمانہ حرکت فلکیہ کا نام ہے تو اس نوع کے لوگ فلک کو برا بھلا کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اسی کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر" کہ زمانہ کو گالیاں نہ دیا کرو اللہ ہی کی قدرت وارادہ زمانہ اور زمانہ کے تغیرات ہیں ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص یہ کہے "افسوس زمانہ کی بدنصیبی وناکامی یا نحوست"۔ اور ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں میرے ہی قبضہ میں رات دن ہے جس طرح چاہوں زمانہ کو لوٹاتا پلٹتا رہتا ہوں، واللہ اعلم بالصواب"۔ (روح المعانی جلد ۲۵۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہنے لگتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے اگر تم سچے ہو اس دعوی میں قیامت آئے گی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا، اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے اللہ ہی تم کو زندگی دیتا ہے وہی پھر تم کو مارتا ہے اور وہی پھر تم سب کو جمع کرے گا قیامت کے دن تک جس میں کوئی شبہ نہیں اور ظاہر ہے ایسی مدلل اور شبہ سے پاک حقیقت ہر ایک کو تسلیم کرنی چاہئے اور اس پر ایمان لانا چاہئے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ہیں کہ جس پروردگار نے ایک مرتبہ زندگی عطا کی ہے اس کو مارنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کر دینا کیا مشکل ہے اور ہر ایک کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا اس کی قدرت کے آگے کوئی دشوار چیز نہیں، عالم میں بکھرے ذرات، اڑتی ہوائیں اور سمندر کی موجوں کو جو پروردگار ایک جگہ جمع کرنے پر قادر ہے وہی قادر مطلق ہر انسان کو دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کر لے گا اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی جس طرح چاہے وہ آسمانوں اور زمین میں اپنا حکم جاری و نافذ فرمادے دنیا کی کوئی طاقت اس کا حکم نہیں پھیر سکتی، جس طرح کے ساری کائنات ہوا کا رخ اور اس کا جھونکا نہیں تبدیل کر سکتی چاند سورج کی رفتار نہیں روکی جاسکتی بالکل اسی طرح اللہ کا ہر ارادہ اور فیصلہ اٹل ہے اس کے حکم و ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن خسارہ میں پڑے ہوں گے جھوٹے اور باطل پرست لوگ ذلت و عاجزی کا یہ مقام ہوگا، اور تو دیکھے گا ہر قوم کو کہ گھٹنوں کے بل ❶ بیٹھے ہوں گے اور ذلت و خواری کی وجہ سے ایک حرف بھی منہ سے بولنے کی قدرت نہ ہوگی، ہیبت و رعب طاری ہوگا، ایسی حالت میں ہر امت کو بلایا جاتا ہوگا اس کے نامہ اعمال کی طرف کہ اے مجرمو! آجاؤ اور اپنے نامہ اعمال کے مطابق بدلہ لے لو، کہا جاتا ہوگا آج تمہیں بدلہ دیا جارہا ہے ان اعمال کا جو تم کرتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی حجت قائم کی جارہی ہوگی کہ یہ ہے ہمارا دفتر جو تمہارے سامنے بول رہا ہے ٹھیک ٹھیک جس میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں ہم تو لکھوا لیتے تھے وہ کام جو تم کرتے تھے۔ تو اب اس کا یہی انجام ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کو ان کا رب داخل کر لے گا اپنی رحمت میں۔ جہاں ہر نوع کی نعمتیں اور رب العالمین کی مہربانیاں ہوں گی۔ یہی ہے روشن کامیابی لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ بلا شبہ ناکام و ذلیل ہوں گے اور ایسے مجرموں، ناکاموں اور ذلیل انسانوں کو خطاب کیا جارہا ہوگا کہ اے لوگو! کیا ایسا نہیں تھا کہ میری آیتیں تم کو سنائی جاتی تھیں مگر تم نے غرور و سرکشی کی اور تم نافرمان و مجرم قوم رہے اور ایسے نافرمانوں اور مغرور و متکبر مجرموں کا حال تو یہ ہے کہ جب کہا جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور جس طرح اس نے قیامت کا وعدہ فرمایا تو وہ ضرور قائم ہو کر رہے گی اور قیامت وہ حقیقت ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں تو اے لوگو! تم کہتے ہو ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے بس ہم تو زیادہ سے زیادہ گمان ہی کرتے ہیں ایک قسم کا گمان کرنا اور ہمیں اس پر ہرگز یقین نہیں کہ عالم فنا ہو جانے کے بعد قیامت قائم ہوگی اور مردوں کو پھر دوبارہ زندہ کر کے حشر قائم کیا جائے گا اور ظاہر ہو جائیں گی ایسے لوگوں کے

❶ یعنی ہیبت و عظمت خداوندی سے مرعوب ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

حافظ ابن کثیر ؒ اس کی تفسیر میں ایک روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ کافروں کے سامنے جب جہنم لائی جائے گی (ظاہر کی جائے گی) اس کے شعلے بھڑکتے ہوں گے اور آگ کے شعلوں کی آواز سمندر کے طوفانی تھپیڑوں کی طرح اٹھتے ہوئے جب نظر آئے گی تو کوئی بھی ایسا باقی نہ رہے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل نہ بیٹھ جائے حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی یہی کہتے ہوں گے نفسی نفسی اے پروردگار میں آج تجھ سے کچھ نہیں مانگتا، نفسی نفسی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہتے ہوں گے مجاہد ؒ کعب احبار رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

سامنے ان کی وہ برائیاں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیں اور مسلط ہو جائے گا ان پر عذاب اس چیز کا جس پر تمسخر و مذاق کرتے تھے۔ اور قرآن کریم میں جو وعید و عذاب کی آیات نازل ہوتی تھیں دنیا میں ان کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آخرت میں وہی وعید و عذاب خداوندی ان پر مسلط ہوگا اور ان مجرموں کے واسطے اعلان کر دیا جائے گا آج کے دن ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسے کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلایا اور اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں تمہاری یہ ذلت و رسوائی اور بے یاری و مددگاری یہ تم پر اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھا اور تمہیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے سو آج نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کوئی معذرت و توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس امر کا امکان اور موقع ہوگا کہ وہ کسی طرح خدا کو راضی کر لیں۔ بس اللہ ہی کے واسطے ہے ہر تعریف و ثناء جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا اور رب ہے تمام جہانوں کا اور اسی کے واسطے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کو نہ کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کی حاجت ہے اور نہ کسی کی نافرمانی و بغاوت سے ڈر ہے اگر کفار و منکرین اس کی نافرمانی کریں تو اس کی شان کبریائی میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور وہ نافرمانوں کو سزا دے تو اس کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی اس کا مجرمین کو ڈھیل دینا محض اس کی حکمت ہے، وہ جب چاہتا ہے ہر مغرور و متکبر کے غرور و سرکشی کو ایک آن میں تہہ و بالا کر ڈالتا ہے لہٰذا ہر انسان کو چاہئیے کہ اس کی عظمت و بزرگی کے سامنے سراپا اطاعت و انقیاد بنا رہے اس کے انعامات و احسانات کو پہچان کر انعامات خداوندی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے دنیا کی زندگی، مال و دولت اور عزت و جاہ پر مغرور ہو کر خدا کے ساتھ مقابلہ اور بغاوت پر آمادہ نہ ہونا چاہئے اور اس کے انجام سے بھی ایک لحہ کے واسطے غافل نہ ہونا چاہئے۔

ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحدا منھما قذفتہ فی النار (رواہ مسلم) کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہہ بند ہے (یعنی جس طرح یہ لباس سارے بدن انسانی پر محیط ہے اسی طرح عظمت و کبریائی ذات خداوندی کا ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہے) لہٰذا جو شخص بھی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت کرے گا میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا۔ اعاذنا اللہ منھا وجعلنا مطیعین لامرك یارب العلمین واحفظنا عن غضبك یاارحم الراحمین وقنا عذاب الجحیم یااکرم الاکرمین۔

مجاہد رحمہ اللہ سے ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ﴾ کی تفسیر میں حق تعالیٰ شانہ کی حاکمیت و سلطنت بیان کی گئی اور لفظ ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ذات خداوندی کی اس غلبہ و قدرت کی صفت کو بیان کر رہا ہے کہ اس کے امر و ارادہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور لفظ حکیم یہ ظاہر کر رہا ہے کہ مجرموں کو جرائم کی سزا فوراً ہی نہ دینا اور اس میں تاخیر و مہلت یہ سب کچھ اس کی حکمت پر موقوف ہے۔

الحمدللہ سورۃ جاثیہ بتوفیق خداوندی پوری ہوئی خداوند عالم باقی تفسیر کی تکمیل اپنی تائید و توفیق سے فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

الحمدللہ پچیسواں سپارہ مکمل ہوا۔

سورۃ الاحقاف

سورۃ احقاف مکیہ ہے جس کی پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسی روایت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے اس کو مکیہ قرار دیا ہے اور جملہ آیات کے بارے میں بغیر کسی استثناء کے ان کی یہی رائے ہے۔

بعض مفسرین آیت ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی طبرانی، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے امام بخاری مسلم نسائی ابن جریر باسناد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی ایسے شخص کے بارے میں جو زمین پر چلتا ہو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے سوائے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اور انہی کے متعلق قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾۔ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے مکی آیات میں سے اس آیت کو بھی مستثنیٰ کیا ہے ﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ﴾ مروان نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے سے اعراض کررہے تھے اور ان کے والدین ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی اور فرمایا کہ یہ آیت تو ابو مروان کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا اس سورت کے زیادہ تر مضامین دلائل قدرت، قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات حشر ونشر پر مشتمل ہیں۔

سورۂ احقاف کا نام اس مناسبت سے ہے کہ اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث عذاب خداوند نے انکو ہلاک وتباہ کیا تو ان کی بستیاں سرزمین یمن کے علاقہ "احقاف" میں تھیں جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کے بیان سے ہے پھر شرک وبت پرستی کا رد ہے اور منکرین کے شبہات کا رد اور دلائل کے ساتھ حقانیت قرآن کو ثابت کیا گیا پھر انسان زندگی کے دونوں رخ ہدایت وگمراہی کے بیان کیے گئے اخیر میں حضرت ہود علیہ السلام اور انکی قوم عاد کا قصہ ہے اور انکی ہلاکت کا بیان ہے۔ اس طرح اس سورت کے مضامین گزشتہ سورت کے مضامین کے ساتھ مربوط ہیں۔

۴۶ سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف مَکِّیَّۃٌ ٦٦ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ایاتہا ۳۵ رکوعاتہا ٤

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اتارنا کتاب کا ہے اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہم نے جو بنائے آسمان اور زمین

اتارا کتاب کا ہے اللہ سے، جو زبردست ہے حکمت والا۔ ہم نے جو بنائے آسمان و زمین،

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ

اور جو ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر ف۱ اور جو لوگ منکر ہیں وہ ڈر کو سن کر منہ پھیر لیتے ہیں ف۲ تو کہہ

اور جو ان کے بیچ ہے سو ایک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدے پر۔ اور جو منکر ہیں ڈر سنایا نہیں دھیان کرتے۔ تو کہہ

اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھلاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کا کچھ ساجھا ہے

بھلا دیکھو تو! جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کو کچھ ساجھا ہے

السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾

آسمانوں میں ف۳ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی علم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے ف۴

آسمانوں میں؟ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا چلا آتا کوئی علم اگر ہو تم سچے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ

اور اس سے زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں

اور اس سے بہکا کون؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک، اور ان کو خبر نہیں

دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ

ان کے پکارنے کی ف۵ اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے ان کے دشمن اور ہوں گے ان کے پوجنے سے

ان کے پکارنے کی۔ اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے ان کے دشمن، اور ہوں گے ان کے پوجنے سے

ف۱ یعنی آسمان وزمین، اور یہ سب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا۔ بلکہ کسی خاص غرض ومقصد کے لیے پیدا کیا ہے جو ایک معین میعاد اور ٹھہرے ہوئے وعدہ تک یوں ہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں۔

ف۲ یعنی برے انجام سے ڈرتے نہیں، اور آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سنی دوسرے کان نکال دی۔

ف۳ یعنی خداوند قدوس نے تو آسمان وزمین اور کل مخلوقات بنائی کیا سچے دل سے کہہ سکتے ہو کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ پھر ان کو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔

ف۴ یعنی اگر اپنے دعوائے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔

كٰفِرِيْنَ ⑥ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ

منکر ف۱ اور جب سنائی جائیں ان کو ہماری باتیں کھلی کھلی کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب ان تک پہنچی

منکر۔ اور جب سنائیے ان کو ہماری باتیں کھلی، کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب ان تک پہنچی

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ

یہ جادو ہے صریح ف۲ کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ہے ف۳ تو کہہ اگر میں بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کر سکتے اللہ کے سامنے

یہ جادو ہے صریح۔ کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ؟ تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کر سکتے اللہ کے سامنے

شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

ذرا بھی ف۴ اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں تم لگ رہے ہو وہ کافی ہے حق بتانے والا میرے اور تمہارے بیچ ف۵ اور وہی ہے بخشنے والا

کچھ۔ اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں لگے ہو۔ وہ بس ہے حق بتانے والا میرے تمہارے بیچ۔ اور وہی گناہ بخشتا

الرَّحِيْمُ ⑧ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ

مہربان ف۶ تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا ف۷ اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے میں

مہربان۔ تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور نہ تم سے ؟ میں

= ف۵ یعنی اس سے بڑی حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ خدا کو چھوڑ کر ایک ایسی بے جان یا بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت برآری کے لیے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کو پکار کر نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی مورتیوں کا تو کہنا ہی کیا، فرشتے اور پیغمبر بھی وہی بات سن سکتے اور وہی کام کر سکتے ہیں جس کی اجازت اور قدرت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔

ف۱ یعنی محشر میں جبکہ امداد و اعانت کی زیادہ حاجت ہوگی۔ یہ بیچارے معبود اپنے عابدین کی مدد تو کیا کر سکتے۔ ہاں دشمن بن کر ان کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ ﴿مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے اس وقت سوچو کیسی حسرت و ندامت کا سامنا ہوگا۔

ف۲ یعنی ان لوگوں کو فی الحال انجام کی کچھ فکر نہیں کسی نصیحت و فہمائش پر کان نہیں دھرتے بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اسے جادو کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

ف۳ یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

ف۴ یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں تو گویا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا۔ جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم خدا کے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے، مجھ کو نجات دے سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ آخر میرے چہل سالہ حالات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بیباک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خدا وند قدوس کا غصہ مول لے لوں۔ بہرحال اگر میں معاذ اللہ کاذب و مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا۔

ف۵ یعنی جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ لہٰذا لغو اور دور از کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو۔ اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا اور مفتری کہا تو سمجھ لو اس کا حشر کیا ہوگا۔ خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتلا رہا ہے اور آئندہ بتلا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا، افتراء کر رہا ہے۔

ف۶ یعنی اب بھی باز آ ؤ تو بخشے جاؤ۔ اور یہ بھی اس کی مہربانی اور بردباری سمجھو کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تم کو فوراً ہلاک نہیں کر دیتا۔ =

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر ف۱ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ آیا ہو اللہ کے یہاں سے

اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام یہی ڈر سنا دینا کھول کر۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو ! اگر یہ ہو اللہ کے ہاں سے

وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ

اور تم نے اس کو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا بے شک

اور تم نے اس کو نہیں مانا اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا اور تم نے غرور کیا۔ بے شک

اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ ع

اللہ راہ نہیں دیتا گناہ گاروں کو ف۲

اللہ راہ نہیں دیتا گناہ گاروں کو۔

= ف یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے۔ وہ ہی میں کہتا ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جس کی خبر پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں۔ اس حیثیت سے بھی یہ کوئی نئی بات نہ رہی۔ بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آ گیا۔ پھر اس کے ماننے میں اشکال کیا ہے۔

ف۱ یعنی مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔ آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کر کے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

ف۲ اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل کے علم و فضل سے مرعوب تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علمائے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا۔ غرض یہ تھی کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات ہاتھ آ جائے کہ دیکھو اہل علم اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں۔ مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے۔ خدا تعالیٰ نے ان ہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید کرائی۔ نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر کہتے تھے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہتی بلکہ اس طرح کہ بعض علمائے یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بیشک ہمارے ہاں اس ملک (عرب) سے ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہ ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے جس کی خبر دی گئی تھی۔ علمائے یہود کی یہ شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں۔ جو باوجود ہزار ہا تحریف و تبدل کے آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آتی ہیں۔ جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہزاروں برس پہلے خود گواہی دے چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے اسی کی مثل ایک رسول آنے والا ہے۔ ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا﴾ یہی سبب تھا کہ بعض منصف و حق پرست احبار یہود مثلاً عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے کہ "اِنَّ هٰذَا الْوَجْهَ لَيْسَ بِوَجْهِ كَاذِبٍ" (یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں) انہوں نے قرآن جیسی واضح الاعجاز کتاب کے حق ہونے کی گواہی دے۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ایک چیز پر وقوع سے ہزاروں برس پہلے ایمان رکھیں، علمائے یہود اس کے صدق کی گواہی دیں، بعض احبار یہود زبانی و قلبی شہادت دے کر مشرف باسلام ہو جائیں، اور ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہو گا اور ایسے ظالم اور گنہگار کی نجات و فلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

دلائل قدرت خداوندی وگمراہی منکرین قیامت واثبات رسالت نبی کریم ﷺ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿حٰمٓ ۞ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ... الی ... لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کی آخری آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان تھا اور یہ کہ قیامت ایک حقیقت ہے جس پر ایمان و یقین انسانی سعادت اور فوز وفلاح ہے اور دین واحکام دین کا تمسخر و مذاق جس طرح کہ منکرین ومکذبین کا شیوہ ہے بدنصیبی وبدبختی ہے حق تعالیٰ کی شان کبریائی کے مقابلہ میں کسی کو بھی جرأت نہیں ہوسکتی کہ سر اٹھا سکے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ حم خداوند عالم ہی اس کی مراد خوب جانتا ہے قسم ہے اس کتاب ہدایت کی اتارنا ہے اس کتاب عظیم کا اللہ ہی کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے اس کی شان حکیمی کے باعث اس کتاب الٰہی کی ہر بات حکمت سے لبریز ہے اور اس کی قوت وغلبہ کی وجہ سے اس کے کسی حکم یا فرمان کو ٹلایا نہیں جاسکتا۔ اسی ہدایت اور احکام کی تمام مخلوق کو دعوت دی گئی اور اسی کے واسطے عالم پیدا کیا گیا چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے نہیں بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر ٹھیک اور حق کے ساتھ کہ ہر پیدا کی ہوئی چیز حکمت کے ساتھ ہے اور اسکا حق ہونا اور حق تعالیٰ کی خالقیت کا دلیل ہونا برحق ہے اور ایک مقررہ وقت کے ساتھ لہٰذا عالم کی ہر چیز اسی وقت تک کے لیے جس کے واسطے اللہ نے اس کو بنایا حتیٰ کہ خود عالم بھی اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ واسطے اللہ نے اس کو بنایا ہے اور جو لوگ منکر ہیں وہ ان باتوں سے بے رخی کرتے ہیں جن سے ان کو ڈرایا گیا نہ تنبیہ وتہدید کا خیال ہے نہ عبرتناک واقعات کی طرف کوئی توجہ اور نہ آخرت کی تیاری جو بھی وعید ونصیحت کی باتیں سنتے ہیں بے توجہی سے اس کو ٹال دیتے ہیں کہہ دو اے ہمارے پیغمبر ﷺ بھلا دیکھو تو کہ تم جن کو پکارتے ہو اللہ کو چھوڑ کر تم مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے کیا چیز پیدا کی ہے زمین سے یا ان کے واسطے کچھ شرکت ہے آسمانوں اور آسمانوں کی کسی چیز میں خداوند عالم نے تو سارا عالم بنایا زمین وآسمان پیدا کئے بتاؤ ان معبودوں نے جن کو خدا کی الوہیت وعبادت میں تم شریک کرتے ہو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے کیا زمین کا کوئی ٹکڑا بنایا یا آسمان کی کوئی چیز پیدا کی میرے پاس لے کر آؤ کوئی نوشتہ یا لکھی ہوئی کتاب یا کوئی ثبوت اور نقل علم سے اگر تم سچے ہو ظاہر ہے کہ اس دعوی پر دنیا میں کسی ہمت نہیں جواب دے سکے اور ثبوت پیش کر سکے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارتا ہے جو اس کو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا اور جواب تو کیا وہ معبود تو اپنے عابدوں کی پکار سے ہی بے خبر ہیں بت پرستوں کے معبود بت ہوں یا مادہ پرستوں کے خیالی معبود کوئی بھی ان میں سے ایسا نہیں کہ خود اس میں ادراک اور شعور ہو تو جب ان معبودان باطلہ میں خود ہی ادراک وشعور نہیں تو اپنے عابدوں کی پکار کہاں سے سنیں گے اور انکی بات کیا پوری کریں گے فرشتوں اور انبیاء کو خدا اور معبود بنانے والے بھی خود اپنی آواز نہ فرشتوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ انبیاء کو۔ فرشتے اور انبیاء وہی سن سکیں گے جو خدا انہیں سنائے گا اور وہی کر سکیں گے جس کی اجازت خدا دے گا اور جب یہ لوگ مشرکین وکفار جمع کیے جائیں گے میدان حشر میں تو وہ انکے معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے بلکہ سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور ان کی بیزاری ونفرت اپنے عابدوں سے دشمنی کی صورت میں محسوس ہوتی ہوگی اور جب سنائی جاتی ہیں انکو ہماری واضح آیتیں

اور کھلے احکام تو یہ منکر اس حق کو جو انکے سامنے آچکا کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے بجائے اس کے کہ آیات قرآنیہ کی طرف توجہ اور ان سے عبرت ونصیحت حاصل کریں یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ "یہ تو جادو ہے" اور اس میں انکی یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ آیات کو سن کر قلبی میلان جو ہوتا ہے تو اس سے لوگوں کے ذہنوں کو برگشتہ کرنے کے لیے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ جادو ہے اور دلوں کا میلان بھی جادو کا اثر ہے بلکہ یہ لوگ کبھی یہ کہتے ہیں یہ تو خود ہی انہوں نے بنایا ہے نہ خدا کی وحی ہے اور نہ یہ خدا کے رسول ہیں خدا پر بہتان لگایا ہے کہ یہ اس کی کتاب ہے تو کہہ دو اے ہمارے پیغمبر اگر میں اس خدا پر کسی بات کا افتراء کروں اور کوئی کلام خود بنا کر تمہیں سناؤں اور یہ کہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بات خدا کے قہر اور غضب کو دعوت دینا ہوگی اور میں یہ کیسے جسارت کر سکتا ہوں کہ انسانوں پر تو کبھی جھوٹ نہ لگاؤں اور خداوند عالم پر جھوٹ بہتان لگاؤں یقیناً ایسا اگر کیا تو خدا کا غضب نازل ہوگا تو پھر تم میرے واسطے کسی بات کی بھی قدرت نہ رکھ سکو گے اللہ کے سامنے وہ خوب جانتا ہے ان باتوں کو۔ جن میں تم لگے ہوئے ہو لہٰذا اس قسم کی بے ہودہ باتوں اور مہمل خیالات کے انجام سے غافل نہ ہو وہی پروردگار کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے، کے لحاظ سے یقیناً وہ میرے اور تمہارے درمیان ایسا فیصلہ کردے گا کہ تم خود اس کلام ربانی کی حقانیت اور میری نبوت ورسالت کا یقین کرلو گے اور وہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو اس کی مغفرت ومہربانیاں تمہیں نوازنے کیلئے کافی ہیں کہہ دو اے ہمارے پیغمبر ﷺ میں نہیں ہوں کوئی نرالا رسول رسولوں میں سے بلکہ اللہ کے رسول جس طرح دنیا میں اللہ کی ہدایات لیکر آئے میں بھی اس خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اسکی وحی اور کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے جس طرح اللہ کے پیغمبروں نے خدا کی توحید والوہیت کی طرف دعوت دی میں بھی تم کو خدا کی توحید کی دعوت دیتا ہوں شرک وکفر اور بت پرستی چھوڑ دینے کیلئے کہتا ہوں پھر آخر میری باتوں سے تم کیوں بدکتے ہو اور میری نبوت ورسالت کے ماننے اور قرآن کریم پر ایمان لانے میں کیا تامل ہے میں اللہ کا رسول ہوں میرے ذمہ صرف اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانا ہے میں اس کا ذمہ دار نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میری کامیابی ونا کامی بھی اللہ کے علم میں ہے اور یہ بھی اللہ کے علم میں ہے کہ تمہاری اس نافرمانی اور بغاوت کا انجام کیا ہوگا ان سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں عذاب خداوندی اور آخرت کے انجام سے اللہ کا معاملہ جو کچھ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ دنیا میں ہوگا وہ تو تمہارے سامنے آہی جائے گا اور جو آخرت میں ہوگا اس کو بھی تم دیکھ لو گے اے ہمارے پیغمبر کہہ دو بھلا یہ بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کے یہاں سے ہو اور تم اس کا انکار کرو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والا گواہی دے اسی کی مثل کتاب پر جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور یہ کہے کہ ایسی ہی وحی اللہ کی موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور انکو کتاب تورات وانجیل دی گئی جن میں اس قرآن اور صاحب قرآن پیغمبر کی خبر دی گئی۔ نشانیاں اور علامت بتائی گئی اور خود یہ قرآن انکی تصدیق بھی کررہا ہے پھر وہ قرآن پر ایمان لائے اور تم غرور وتکبر ہی کرتے ہو قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لانے اور انکے سامنے اطاعت وفرمانبرداری کا سر جھکانے سے تو بھلا بتاؤ تمہارا کیا انجام ہوگا یہ تو صریح ظلم اور ناانصافی ہے اور اللہ تعالیٰ راہنمائی نہیں کرتا ہے ظالموں کی

بلکہ وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث توفیق خداوندی سے محروم رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ گمراہ ہی رہیں اور عذاب آخرت سے نیز دنیا کی ذلت سے نجات نہ پاسکیں۔

آنحضرت ﷺ کی شان رسالت

آیت مبارکہ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ان منکرین کو خطاب ہے جو آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں طرح طرح کے شکوک واوہام اور اعتراضات کرتے تھے تو فرمایا گیا آپ ﷺ اس بات کا اعلان کردیجئے کہ میں کوئی انوکھا اور عجیب رسول نہیں ہوں کہ تم کو میری نبوت پر ایمان لانے اور اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری ہوئی بلکہ میری رسالت ونبوت اور وحی انبیاء سابقین کی طرح ہی ہے اس عنوان میں ایک طرف مکذبین ومنکرین کو قرآن کریم کے وحی الٰہی اور آپ ﷺ کی شان رسالت کو سمجھنے کی دعوت دی جارہی ہے تو دوسری طرف انبیاء سابقین کی تاریخ کی طرف بھی ذہنوں کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ اس قدیم تاریخ سے عبرت حاصل کریں کہ انکی قوموں نے جب انکو جھٹلایا تو عذاب خداوندی سے تباہ وبرباد کردیئے گئے تو اے قریش مکہ تم بھی اپنے انجام سے غافل نہ رہو اسی کے ساتھ اہل کتاب کو بھی گویا مخاطب کرکے یہ بتایا جارہا ہے کہ جب انبیاء سابقین کی نبوت اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کو اہل کتاب پہچانتے ہیں تو بس انکو حقیقت وحی اور میری رسالت کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے اسی حقیقت کو قرآن کریم کی اس آیت میں ظاہر فرمادیا گیا ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ﴾۔

﴿مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت الاستاد مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں یعنی مجھے اس سے سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلاسکتا ہوں کہ دنیا وآخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا ہے اور کفر وعصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کردینا ہے آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کوئی مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

ان کلمات میں ﴿مَا أَدْرِي﴾ کی مراد دنیا وآخرت کے احوال کے تعمیم کے ساتھ فرمائی ہے اور اصل مقصد آیت کی توضیح وتعیین سے ان اشکالات کو رفع کردیا جو بعض مفسرین کو اس لحاظ سے پیش آئے کہ آخرت کے بارے میں تو انجام کا علم آپ ﷺ کو متعدد آیات اور وحی خداوندی سے ہو چکا تھا جن میں آپ ﷺ کے درجات کی عظمت وبرتری بیان کردی گئی تھی حتیٰ کی مقام محمود میں اٹھانے کی بشارت دے دی گئی تو پھر ﴿مَا أَدْرِي﴾ کا مفہوم بلحاظ آخرت کیا ہوگا حضرت شیخ کے یہ کلمات متقدمین مفسرین اور ائمہ کو اس سلسلہ میں پیش آنے والے اشکالات اور ان کے دیئے ہوئے جوابات سے ذہن کو علیحدہ رکھتے ہوئے اصل مراد اور مقصد آیت کو متعین اور واضح کررہے ہیں۔

عبداللہ بن عباس ؓ نے بلحاظ آخرت اس کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ یہ آیت ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ﴾ سے قبل نازل ہوئی تھی اس کے بعد پھر حق تعالیٰ نے اعلان فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آخرت میں آپ ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ جان لیا۔

حافظ ابن کثیر ؒ نے ضحاک ؒ سے اس کی تفسیر میں بیان کیا کہ ''مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس کے بعد مجھے کیا حکم دیا جائے گا اور کس چیز سے مجھ کو منع کیا جائے گا''۔

حسن بصری ؒ سے منقول ہے کہ یہ نفی علم، معاذ اللہ آخرت کے انجام کے لحاظ سے نہیں کیونکہ آخرت کی عظمت وسیادت تو آپ ﷺ کو بتادی گئی اور آپ ﷺ نے اس کو جان لیا اب یہ نفی علم دنیا کے لحاظ سے ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا جیسا کہ دوسرے انبیاء کو بھی قتل کیا گیا اور اسی طرح میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کہ تم کو زمین میں دھنسایا جائے گا جیسا کہ پہلی امتوں کو دھنسایا گیا یا مسخ کیا جائے گا جیسا کہ بعضوں کو کیا گیا یا پتھروں کی بارش کرکے ہلاک کردیا جائے گا جیسا کہ بعض قوموں کو ہلاک کیا گیا اسی طرح یہ بھی نہیں جانتا کہ اے لوگو تم ایمان لاؤ گے یا کفر ہی پر قائم رہتے ہوئے عذاب خداوندی سے تباہ کردیئے جاؤ گے۔

رہا اس حدیث کا مضمون جو خارجہ بن زید ؓ ام العلاء ؓ کی سند سے بیان کرتے ہیں ام العلاء ؓ ان صحابیات میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور مہاجرین کی نصرت کا عہد کیا تھا تو جب انصار نے حضرات مہاجرین کو قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی اپنی برادری میں شریک کیا تو حضرت عثمان بن مظعون ؓ کا قرعہ ان کے نام پر نکلا۔ عثمان بن مظعون ؓ بیمار ہوئے اور وفات پاگئے تو جب انکو غسل دینے کے بعد کفنا دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ام علاء ؓ بیان کرتی ہیں میری زبان سے یہ کلمات نکلے اے ابوالسائب (یہ کنیت تھی عثمان بن مظعون ؓ کی) خدا کی رحمتیں تم پر ہوں میری گواہی ہے تمہارے متعلق کہ خدا نے تمہارا بڑا اکرام کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور تمہیں کیا معلوم کہ خدا نے انکے ساتھ کیسا معاملہ اکرام کا کیا ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر ان کا اکرام نہ ہوا تو پھر اللہ کے یہاں کس کا اکرام ہوگا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ام اعلاء ؓ بس ان پر انکے رب کی طرف سے یقین واقع ہوگیا یعنی موت آچکی اور مجھے انکے بارہ میں خیر کی امید ہے اور حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

تو یہ ان بشارات کے منافی نہیں ہے جو آپ ﷺ کے بارے میں رفع درجات اور اس مقام محمود میں اٹھائے جانے کے متعلق ہے جس پر اولین وآخرین رشک کرتے ہوں گے مقصود آپ ﷺ کا یہ تھا کہ احوال آخرت کی انواع تو بیشمار ہیں نفس نجات وجنت متعین ہونے کے باوجود وہاں کا کیا حال ہوگا کس قسم کا معاملہ ہوگا یہ کوئی نہیں جانتا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی ؒ اس پر بطور فائدہ یہ فرماتے ہیں پس جب اپنے اور تمہارے احوال آئندہ کے علم کا باوجود شدت تلبس ان احوال کے میں مدعی نہیں ہوں تو اور مغیبات بعیدہ کی نسبت تو میں کیا دعویٰ کرتا پس اس باب میں بھی کسی امر عجیب کا مدعی نہیں ہوں یہ وہی چیز ہے جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ البتہ جن احوال وامور کا وحی سے علم ہو گیا خواہ وہ اپنے متعلق ہوں یا غیر کے اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا اخروی ان کا علم بے شک کامل ہے اور اسی کا اشارہ آئندہ یہ الفاظ کر رہے ہیں ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ واللہ اعلم بالصواب"۔ ●

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمہ اللہ ضحاک رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ شاہد بنی اسرائیل اور علماء تورات میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر پہلی نظر پڑتے ہی آپ ﷺ کی نبوت کو پہچان لیا اور اعتراف کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے وہی سچے رسول ہیں جن کی کتب سابقہ میں بشارت موجود ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کے مشرکین بنی اسرئیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے آنحضرت ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے بہت سے لوگ متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور عرب میں اس بات کا کافی چرچا ہونے لگا تو مشرکین نے چاہا کہ اہل کتاب کا عندیہ لیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور اس سلسلے میں انکی کیا رائے ہے مقصد یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تکذیب کر دیں گے تو ایک بات ہاتھ آجائے گی اور اس کو سند بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان باتوں کو غلط کہتے ہیں مگر مشرکین اپنی اس غرض میں ناکام ہوئے حق تعالیٰ شانہ نے انہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرائی نہ صرف اسی حد تک بلکہ انہوں نے اقرار کیا کہ اس عظیم الشان رسول کی بشارت اور ان کی علامت ونشانیاں تو ہماری کتابوں میں موجود ہیں اور یہ کتاب (قرآن کریم) بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ اس کا ذکر کتب سماویہ میں فرمایا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ جیسے حق پرست علماء یہود اسلام لائے اور جو لوگ ان میں متعصب ومعاند اور جاہ پرست تھے انہوں نے جان بوجھ کر بھی عناد اور انکار کی روش اختیار کی اور تو اس آیت مبارکہ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ میں اسی چیز کو بیان فرمایا جارہا ہے۔

ابو یعلی، طبرانی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ (مسجد سے نکل کر) باہر جانے لگے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ یہودیوں کے کنیسہ میں داخل ہوئے یہ انکی عید کا دن تھا ان لوگوں کو اس روز ہمارا وہاں پہنچنا کچھ پسند نہیں آیا آپ ﷺ نے اندر جانے کے بعد فرمایا اے یہودیو! مجھے وہ بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دیتے ہوں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ تو آسمان کے نیچے جو بھی یہودی ہے اس سے اللہ تعالیٰ اپنا غضب دور فرمادے گا یہ سن کر وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تو بھی کسی نے جواب نہ دیا آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا تب بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر تم جواب نہیں دیتے تو سن لو میں البتہ حاشر ہوں میں ہی عاقب ہوں اور میں ہی مقفی ہوں خواہ تم ایمان لاؤ یا انکار کرو یہ فرما کر آنحضرت ﷺ کنیسہ سے لوٹنے لگے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا ہم نکلنے ہی والے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے سے یہ کہتے ہوئے اے محمد ﷺ ذرا آپ ﷺ اسی جگہ ٹھہریں آپ ﷺ نے

● تفسیر ابن کثیر جلد ۴ روح المعانی قرطبی۔ فوائد عثمانی، بیان القرآن۔

اس شخص کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا اے گروہ یہود تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو سب نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص تم سے زیادہ کتاب اللہ کا نہ عالم ہے نہ تم سے زیادہ کوئی سمجھنے والا ہے اور نہ تمہارے باپ سے اور نہ تمہارے دادا سے۔

جب یہودی یہ کہہ چکے تو اس شخص نے کہا تو پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ وہی پیغمبر ہیں جن کو تم تورات وانجیل میں پاتے ہو یہ سن کر سب یہودی غیظ وغضب میں مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹے ہو تم ہمارے میں سب سے برے اور سب سے برے آدمی کے بیٹے ہو راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے تو میں اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ یہاں سے باہر چلے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ الخ

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر ہم سے پہلے ف۱ اور جب راہ پر نہیں آئے اس کے

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو، اگر یہ کچھ بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر پہلے ہم سے۔ اور جب راہ پر نہیں آئے اس کے

فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا

بتلانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے بہت پرانا ف۲ اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی تھی راہ ڈالنے والی اور رحمت اور یہ

بتانے سے تو یہ اب کہیں گے یہ جھوٹ ہے مدت کا۔ اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی ہے راہ ڈالتی اور مہر۔ اور ایک یہ

كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ

کتاب ہے اس کی تصدیق کرتی ف۳ عربی زبان میں تاکہ ڈر سنائے گناہ گاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو مقرر

کتاب ہے اس کو سچا کرتی عربی زبان میں کہ ڈر سنائے گناہ گاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو۔ مقرر

ف۱ یعنی کمزور و ذلیل اور لونڈی غلام مسلمان ہوتے ہیں۔ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے۔ کیا یہ چیز اچھی ہوتی تو اس کے حاصل کرنے میں ہم جیسے عقلمند اور عزت و دولت والے ان لونڈی اور غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔

ف۲ یعنی ہمیشہ کچھ لوگ ایسی باتیں بناتے چلے آئے ہیں۔ شاید یہ جواب ہوگا "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ" اور ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ کا۔

ف۳ یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں، بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی اصولی تعلیم یہی دی تھی جس کی انبیاء واولیاء اقتداء کرتے رہے۔ اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لیے اپنی تعلیمات و بشارات سے راستہ و ہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیے اب قرآن اترا تو اس کو سچا ثابت کرتا ہوا۔ غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ

جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۱ وہ لوگ ہیں

جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ وہ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

بہشت والے سدا رہیں گے اس میں بدلہ ہے ان کاموں کا جو کرتے تھے ف۲ اور ہم نے حکم کردیا انسان کو اپنے ماں باپ سے

بہشت کے لوگ، سدا رہیں گے اس میں۔ بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔ اور ہم نے تقید کیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے

اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا

بھلائی کا ف۳ پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے ف۴ اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینوں میں ہے ف۵ یہاں تک

بھلائی کا۔ پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے۔ اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے۔ یہاں تک

بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ

کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو ف۶ کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ

جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچا چالیس برس کو کہنے لگا اے رب میرے! میری قسمت میں کر کہ شکر کروں احسان تیرے کا جو مجھ

ف۱ اس طرح کی آیت "حٰم السجدہ" میں چوبیسویں پارہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔

ف۲ یعنی اپنے نیک کاموں کے سبب حق تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔

ف۳ قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ ہے لیکن عالم اسباب میں والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں۔ یہاں بھی پہلے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر تھا۔ اب والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ان کی تعظیم و محبت اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھے۔ دوسری جگہ بتلایا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہیے۔ خصوصاً ماں کی خدمت گزاری کے بعض وجوہ سے اس کا حق باپ سے بھی فائق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔

ف۴ یعنی حمل جب کئی مہینہ کا ہو جاتا ہے اس کا ثقل محسوس ہونے لگتا ہے اس حالت میں اور تولد کے وقت ماں کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرتی ہے۔ پھر دودھ پلانے اور برسوں تک اس کی ہر طرح نگہداشت رکھتی ہے۔ اپنی آسائش و راحت کو اس کی آسائش و راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ باپ بھی بڑی مدت تک ان تکلیفوں میں شریک رہتا اور سامان تربیت فراہم کرتا ہے۔ بیشک یہ سب کام فطرت کے تقاضے سے ہوتے ہیں۔ مگر اسی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی شفقت و محبت کو محسوس اور ان کی محنت و ایثار کی قدر کرے۔

(تنبیہ) حدیث میں ماں کی خدمت گزاری کا تین مرتبہ حکم فرما کر باپ کی خدمت گزاری کا ایک مرتبہ حکم فرمایا ہے۔ لطف یہ ہے کہ آیہ ہذا میں والد کا ذکر صرف ایک مرتبہ لفظ "والدیہ" میں ہوا۔ اور والدہ کا تین مرتبہ ذکر لفظ "وَالِدَيْهِ" میں، پھر "حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ" میں، پھر "وَضَعَتْهُ" میں۔

ف۵ شاید یہ بطور عادت اکثریہ کے فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینے ہیں حمل کے۔" یا یوں کہو کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہیں اور دو برس میں عموماً بچوں کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے اس طرح کل مدت تیس مہینے ہوئے۔ مدت رضاع کا اس سے زائد ہونا نہایت قلیل و نادر ہے۔

ف۶ چالیس برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں اسی لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔

عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ

پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں

پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو نیک دے مجھ کو اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں

وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ

حکم بردار ف۱ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں بہتر سے بہتر کام جو کئے ہیں اور معاف کرتے ہیں

حکم بردار۔ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں بہتر سے بہتر کام جو کئے ہیں اور معاف کرتے ہیں

سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْ قَالَ

ہم برائیاں ان کی رہنے والے جنت کے لوگوں میں سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا ف۲ اور جس شخص نے کہا

ہم برائیاں ان کی جنت کے لوگوں میں۔ سچا وعدہ جو ان کو ملنا تھا۔ اور جس شخص نے کہا

لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا

اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے ف۳ کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گزر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے ف۴ اور وہ

اپنے ماں باپ کو، میں بیزار ہوں تم سے کیا مجھ کو وعدے دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گزر چکی ہیں اتنی سنگتیں مجھ سے پہلے۔ اور وہ

يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی تیری تو ایمان لے آ بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے ف۵ پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں

دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے، کہ اے خرابی تیری تو ایمان لا، بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے۔ پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں

ف۱ یعنی سعادت مند آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جو احسانات اللہ تعالیٰ کے اس پر اور اس کے ماں باپ پر ہو چکے ان کا شکر ادا کرنے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق خدا سے چاہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگے۔ جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی ہو، اس سے توبہ کرے اور از راہ تواضع و بندگی اپنی مخلصانہ عبودیت و فرمانبرداری کا اعتراف کرے۔

(تنبیہ) صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود ان کو، ان کے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف میسر ہوا۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

ف۲ یعنی ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔

ف۳ سعادت مند اولاد کے مقابلہ میں یہ بے ادب، نافرمان، اور نالائق اولاد کا ذکر فرمایا کہ ماں باپ اس کو ایمان کی بات سمجھاتے ہیں، وہ نہیں سمجھتا نہایت گستاخانہ خطاب کر کے ایذاء پہنچاتا ہے۔

ف۴ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گزر چکی ہیں۔ کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس نہیں آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یونہی سنتے چلے آتے ہیں مگر آج تک تو اس خبر کا تحقق ہوا نہیں۔ پھر میں کیونکر اعتبار کروں۔

ف۵ یعنی اس کی گستاخیوں پر ایک طرف اللہ سے فریاد کرتے اور دعا مانگتے ہیں کہ اسے قبول حق کی توفیق ملے اور دوسری طرف اس کو سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیاناس! اب بھی باز آ جا! دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے بعث بعد الموت کی جو خبر اس نے دی ہے ضرور اپنے وقت پر پوری ہو کر رہے گی۔ اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔

الْاَوَّلِیْنَ ⑰ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْہِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِمْ مِّنَ

پہلوں کی ف۱ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ثابت ہوئی بات عذاب کی شامل اور فرقوں میں جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے

پہلوں کی۔ وہ لوگ ہیں، جن پر ثابت ہوئی بات شامل اور فرقوں میں جو گزرے ہیں ان سے پہلے

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّہُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ⑱ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَہُمْ

جنوں کے اور آدمیوں کے ف۲ بے شک وہ تھے ٹوٹے میں پڑے ف۳ اور ہر فرقہ کے کئی درجے ہیں

جنوں کے اور آدمیوں کے۔ بے شک وہ تھے ٹوٹے میں آئے۔ اور ہر فرقے کے کئی درجے ہیں،

اَعْمَالَہُمْ وَہُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ⑲ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَذْہَبْتُمْ

اپنے کئے کاموں کے موافق ف۴ اور تاکہ پورے دے ان کو کام ان کے اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۵ اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے کنارہ پر ضائع کیے تم نے

اپنے کئے کاموں سے اور تا پورا دے ان کو کام ان کے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے سرے پر۔ ضائع کئے تم نے

طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِہَا ۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْہُوْنِ

اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں اور ان کو برت چکے ف۶ اب آج سزا پاؤ گے ذلت کا عذاب بدلہ اس کا

اپنے مزے اپنے دنیا کے جیتے اور ان کو برت چکے اب سزا پاؤ گے ذلت کی مار بدلہ ان کا

بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ⑳ ع

جو تم غرور کرتے تھے ملک میں ناحق اور اس کا جو تم نافرمانی کرتے تھے ف۷

جو تم غرور کرتے تھے ملک میں ناحق، اور اس کا جو تم بے حکمی کرتے تھے۔

ف۱ یعنی ایسی کہانیاں بہت سنی ہیں۔ پرانے وقتوں کے قصے اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں اور واقع میں ان کا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔

ف۲ "عذاب کی بات" وہ ہی ہے۔ ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ یعنی جس طرح بہت سی جماعتیں جنوں اور آدمیوں کی ان سے پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں، یہ بدبخت بھی ان ہی میں شامل ہیں۔

ف۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر جو بیج ایمان و سعادت کا بکھیرا تھا وہ بھی ان بدبختوں نے ضائع کر دیا۔ اس سے زیادہ ٹوٹا اور خسارہ کیا ہوگا کہ کوئی شخص تجارت میں بجائے منافع حاصل کرنے کے راس المال کو بھی اپنی غفلت اور حماقت سے ضائع کر بیٹھے۔

ف۴ یعنی اعمال کے تفاوت کی وجہ سے اہل جنت کے کئی درجے ہیں اور اسی طرح اہل دوزخ کے بھی۔

ف۵ نہ کسی نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ کسی جرم کی سزا حد مناسب سے زائد کی جائے گی۔

ف۶ کافر کے کسی نیک کام میں ایمان کی روح نہیں ہوتی۔ محض صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے۔ ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی ہے جو اسی زندگی میں مال، اولاد، حکومت، تندرستی، عزت و شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے۔ اس کو فرمایا کہ تم اپنی صوری نیکیوں کے مزے دنیا میں لے چکے اور وہاں کی لذتوں سے تمتع کر چکے۔ جو عیش و آرام ایمان لانے کی تقدیر پر آخرت میں ملتا گویا اس کی جگہ بھی دنیا میں مزے اڑا لیے۔ اب یہاں کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں " جن لوگوں نے آخرت نہ چاہی فقط دنیا ہی چاہی ان کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں مل چکا"۔

ف۷ یعنی آج تمہاری جھوٹی شیخی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ یہ ہی ایک چیز تمہارے لیے یہاں باقی ہے آگے بعض زور آور اور متکبر قوموں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ان کا انجام کیا ہوا۔

بیان ذہنیت کفار در بارۂ قبول ہدایت وانحراف از حق وتحسین استقامت اہل ایمان

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الی ... وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾

ربط:...... ماقبل آیات میں کتاب الٰہی کی عظمت بیان کرتے ہوئے کفار کے بے ہودہ اعتراضات کا ذکر تھا اب ان آیات میں اسی طرح کے چند لغو اور مہمل اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اہل ایمان کی استقامت کا ذکر اور ان پر حق تعالیٰ شانہ کے خاص انعامات بیان کیے جارہے ہیں اسی کے ساتھ انسان کی سعادت مندی اور اسکی محرومی اور بدنصیبی کا ایک معیار اور ضابطہ بھی بیان فرمایا جارہا ہے ارشاد فرمایا:

اور کہنے لگے کافر ایمان والوں کو اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسکی طرف ہم سے پہلے سبقت نہ کرتے کیونکہ ہم لوگ عزت والے اور عقل مند ہیں بہتر چیز کی طرف سبقت کرنا ہمارا ہی کام ہے جب ہم نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو قبول کرنے والے غلام اور لونڈی کمزور اور غریب ہیں جیسے بلال، صہیب، عمار، خباب، اور سمیہ رضی اللہ عنہم تو معلوم ہوا کہ یہ دین کوئی بہتر دین نہیں ظاہر ہے کہ کافروں کی یہ باتیں مہمل اور خلاف عقل ہیں اور یہ لوگ جب اس دین حق کی ہدایت اور راہ نہ پا سکے تو آئندہ یہ کہیں گے یہ پرانا جھوٹ ہے کہ انبیاء سابقین بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے وہ بھی خدا پر بہتان تھا یہ بھی خدا پر بہتان ہے اور یہ اس کے رسول نہیں حالانکہ [1] اس سے پہلے تو موسیٰ کی کتاب تھی جو انکے واسطے پیشوا سیدھی راہ پر ڈالنے والی اور رحمت کا سامان تھی اور یہ کتاب قرآن کریم اسکی تصدیق کرنے والی ہے جو عربی زبان میں ہے اس وجہ سے اہل عرب اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور ان پر اس کتاب الٰہی کی حقانیت کسی درجہ میں پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس وجہ سے کہ ڈرائے ظالموں کو اور خوشخبری سنائے نیکی کرنے والوں کو کتاب الٰہی اور وحی خداوندی سے یہ قانون طے ہو چکا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کہہ دیا دل کے اعتقاد اور ایمان ویقین کے ساتھ کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر ثابت قدم رہے اور ان کی عملی زندگی کے ہر شعبہ سے حق تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت کے عقیدہ پر ثابت قدم رہنے کا ثبوت ملتا ہے تو ان پر نہ کوئی خوف واندیشہ ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اطمینان وسکون اور ہر غم وصدمہ سے محفوظ یہ لوگ بہشت والے ہوں گے جو ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے یہ ان اعمال کا بدلہ ہوگا جو وہ اپنی زندگی میں کرتے تھے جو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے انکو عطا فرمائے گا اس کتاب الٰہی میں جو کتب سماویہ کے واسطے مصدق ہے اور زبان عربی میں نازل کی گئی جس کو اہل عرب بخوبی سمجھ سکتے ہیں انسانی سعادت کے جملہ اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جہاں اس کتاب الٰہی میں عقیدہ ربوبیت کے حقوق اور تقاضوں کو پورا کرنے کے احکام ان بندوں کی ہدایت وتاکید فرمادی گئی وحی الٰہی ایک طرف رب کے حقوق ادا کرنے کا حکم دے رہی ہے تو دوسری طرف انسان کو اپنے مربی کے حقوق ادا کرنے کے لیے کہا جارہا ہے اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا باپ کے احسانات وانعامات انسان اپنے شعور کے عالم میں محسوس کرہی لیتا ہے ماں کی شفقت ومحبت اور اس کے انعام واحسان کو ہر انسان اس طرح سمجھ سکتا ہے کہ اسکی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا ایک مدت تک تکلیف کے ساتھ اور اس کو جنا ہے تکلیف سے کہ حالت حمل میں بوجھ برداشت کیا طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں

[1] ترجمہ میں لفظ حالانکہ اختیار کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ (آیت) ومن قبلہ کتاب موسیٰ میں واؤ حالیہ ہے۔ ۱۲

بھی پیش آئیں پھر وضع حمل کے وقت بھی مشقت اور خطرہ کا مقابلہ کیا اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس مہینہ میں ہے یہاں کہ جب پہنچ گیا اپنی قوت کو کہ جسمانی قوی کے لحاظ سے پوری توانائی اور طاقت آ گئی اور پہنچا چالیس برس کی عمر کو جس پر پہنچ کر اسکی عقلی اور فکری صلاحیتیں بھی مکمل ہوگئیں تو یہ صاحب اور عقل وفطرت کے مطابق روش اختیار کرنے والا انسان اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر کے کہنے لگا اے میرے رب مجھے بات کا حصہ عطا کردے کہ میں تیری اس نعمت کا شکرادا کروں اور جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے ماں باپ پر اور مجھے اس امر کی توفیق عطا فرما کہ میں ایسا نیک کام کروں جس کو تو پسند کرے اور صالح بنادے تو میری اولاد کو میرے واسطے کہ دنیا میں بھی ان کے صلاح وتقویٰ اور سعادت مندی سے مجھے خوشی اور راحت حاصل ہو اور آخرت میں بھی اولاد صالح کی نیکیوں سے میرے لیے اللہ کی عنایات اور رحمتوں میں اضافہ ہو میں آپ کی طرف اے پروردگار رجوع کرتا ہوں اپنے گناہوں سے تائب ہوتے ہوئے اور بے شک میں آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ●

یہ ہے وہ سعادت وصلاح کا نمونہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ہمہ وقت کوشش میں لگا ہوا ہے جو اپنی صلاحیت کے باعث اللہ رب العزت سے تین چیزوں کا طالب ہے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کے شکر کی توفیق عطا فرمائے دوسرے یہ کہ ایسے عمل کی توفیق سے نواز دے جو اسے پسند ہو اور اس عمل سے وہ راضی ہو جائے تیسرے یہ کہ اولاد کو نیک اور صالح بنادے یہ تین چیزیں درحقیقت سعادت بشریہ ہیں اور اس سعادت اور خوبیوں سے متصف افراد اہل ایمان میں سے بارگارہ خداوندی میں پسندیدہ افراد ہیں انکے بارے میں رب العالمین کا یہ پیغام بشارت ہے کہ یہ ہیں وہ لوگ جن سے ہم قبول کرتے ہیں انکے وہ بہتر کام جو انہوں نے کیے اور درگزر کرتے ہیں ہم ان کی برائیوں سے اس طرح کہ وہ جنت والوں میں سے ہیں یہ اللہ کا وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے ہمیشہ کیا جاتا تھا بلاشبہ ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے مطابق اہل جنت میں ہوگا اور بطور اکرام دخول جنت کے وقت اس کا اظہار کیا جاتا ہوگا یہ تو پیکر سعادت اور ایمان وتقویٰ کی خوبی سے متصف انسان کا حال ہے اور اس کے بالمقابل جو شقاوت وبدبختی میں مبتلا انسان ہوگا وہ ایسا شخص ہے جس نے اپنے ماں باپ کو کہا جب کہ اس کے ماں باپ ایمان وتقوی کی دعوت دیتے ہوں افسوس ہے تم پر کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو اور ڈراتے ہو میں نکالا جاؤں گا قبر سے یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ بہت سے قرن انسانوں کے جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی اب تک زندہ ہو کر نہیں آیا تو پھر میں کیونکر اس بات کا اعتبار کرلوں اس ناعاقبت اندیش بدبخت انسان کے مشفق ومحسن ماں باپ جذبہ اخلاص ومحبت میں اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں ہلاکت وبربادی ہو تیرے واسطے بس ایمان لے آ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اس بدبخت انسان کے ماں باپ اگرچہ نصیحت کرتے ہیں اللہ سے اسکی توفیق وہدایت کی دعا بھی کرتے ہیں پھر اپنی عظمت وبزرگی کا حق ادا کرتے ہوئے ڈانٹتے بھی ہیں مگر پھر کہتا ہے نہیں

● بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مہاجرین وانصار میں سے صرف صدیق اکبر ؓ ایک ایسے شخص ہیں جو خود بھی ایمان لائے اور انکے والدین بھی اور انکی اولاد بھی فتح مکہ کے بعد انکے گھرانہ میں ایک مرد بھی ایسا باقی نہ رہا تھا جو اسلام نہ لے آیا ہو۔

ہیں یہ سب باتیں مگر پہلوں کی نقل کی ہوئی کہانیاں جو ہم پرانے وقتوں سے سنتے چلے آرہے ہیں جن کا کوئی واقعی مصداق نہیں تو یہ ہیں وہ لوگ جن پر خدا کا فیصلہ عذاب ثابت ہو چکا ان امتوں کے درمیان انکا شمار ہونے کی وجہ سے جو پہلے گزر چکیں جنوں ❶ میں سے اور انسانوں میں سے یقیناً وہ لوگ خسارہ میں تھے کیونکہ اللہ نے فطری طور پر ایمان وہدایت کا جو ہر ان میں ودیعت رکھا تھا اس کو ضائع کردیا اور ہر ایک کے واسطے درجے ہیں اپنے کئے ہوئے کاموں کے مطابق اور یہ سب کچھ احکام خداوندی وحی الٰہی اور ہدایت وگمراہی کے اصول اور نجات وہلاکت کے راز اس لئے نازل کر دیئے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دیدے ان کے اعمال کا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا نہ کسی کی نیکی ضائع کی جائے گی اور نہ ہی یہ ہوگا کہ کسی کو بلا جرم کے سزا دی جائے قیامت برحق ہے وہ آکر رہے گی اور جس دن لائے جائیں گے کافر آگ کے سامنے جہنم کے کنارے تو انکو کہا جائے گا لے جا چکے ہو تم اپنے مزے دنیا کی زندگی میں، اور ان سے تم نفع اٹھا چکے ہو لیکن اس دنیوی زندگی کو تم نے غفلت ولا پرواہی اور نافرمانی میں گزار دیا بس اب آج کے دن تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس غرور وتکبر کی وجہ سے جو تم زمین یعنی دنیا میں کرتے تھے ناحق اور نافرمانیوں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جھوٹی شیخی اور تکبر کی سزا یہی ہے کہ ذلت ورسوائی کا عذاب مسلط ہو۔

فائدہ:...... ﴿اَذْهَبْتُمْ﴾ کی مراد ترجمہ کے الفاظ سے یہ ظاہر کی گئی کہ حاصل کرلیں دنیا کی لذتیں اور راحتیں بعض ائمہ مفسرین نے اذہب باب افعال سے ہونے کی وجہ سے ازالہ اور اضاعت کے معنی کیے ہیں تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ضائع کردیئے تم نے اپنے مزے یعنی صورۃ وہ نیکیاں اور بھلائیاں جو کیں وہ اس بناء پر کہ ایمان کی روح ان اعمال میں موجود نہ تھی ضائع کردیں اور آخرت میں ان کا کوئی ثمرہ اور فائدہ تو کیا ہوتا الٹا عذاب وذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مدت حمل وزمانہ رضاعت کے بارہ میں مفسرین کی تحقیق

حافظ عماد الدین ابن کثیر ﷫ ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت اور سورۃ لقمان کی آیت ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ سے بعض ائمہ مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ مدت حمل کم از کم چھ ماہ ہے اور دو سال مدت رضاعت کا بیان ہے جو کہ سورۃ لقمان میں فرمایا گیا اور مدت رضاعت اور مدت حمل دونوں کو مجموعی طور پر یہاں اس آیت میں ﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (تیس ماہ) کی تعبیر سے ذکر فرمایا اس استدلال کو درست فرماتے ہوئے محمد بن اسحاق کی سند سے ایک حدیث کا مضمون بیان کیا کہ ایک واقعہ حضرت عثمان غنی ﷛ کے پاس پہنچا اور صورت حال بیان کی ابتداءً حضرت عثمان غنی ﷛ کو تردد ہوا حضرت علی ﷛ نے فرمایا اس میں کوئی تردد نہ کیا جائے کیا آپ قرآن کریم کی یہ آیت نہیں دیکھتے ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ اور دوسری جگہ ﴿يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ اور سورۃ لقمان میں ہے ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ تو جب دودھ پلانے کی مدت دو سال ہوئی تو ظاہر ہے کہ تیس ماہ میں سے اب حمل کے لیے چھ ماہ ہی باقی رہیں گے چنانچہ حضرت عثمان ﷛ نے اس

❶ جن وانس کی تعمیم اسی فرمان کے مطابق ہے جو ارشاد فرمایا گیا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ چونکہ حق تعالیٰ کی بندگی اور اسکی الوہیت پر ایمان لانے کے مکلف جن وانس دونوں ہیں جیسے کہ فرمایا گیا ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ تو انسانوں کی طرح جو جنات منکر ونافرمان رہے وہ بھی کفار ومشرکین کی طرح جہنم کا ایندھن بنے۔

سے موافقت فرمائی۔ [1] اس روایت سے بہرکیف یہ معلوم ہوا کہ امکان ہے کہ وضع حمل چھ ماہ میں بھی ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا اگر وضع حمل نو ماہ میں ہو تو پھر دودھ پلانے کی مدت ۲۱ ماہ رکھی جائے اگر سات ماہ میں وضع حمل ہو تو ۲۳ مہینہ تاکہ ﴿ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا﴾ کی تکمیل وتعمیل ہو جائے، کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا﴾۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ مجموعی مدت حمل ورضاعت کی تیس ماہ بطور عادت اکثریہ بیان کی گئی ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینے حمل کے اس طرح تین ماہ ہو گئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مجموعی مدت میں ایک چیز یعنی حمل کی اقل مدت چھ ماہ اور رضاعت کی اکثر مدت یعنی دو برس اس وجہ سے اختیار کی گئی کہ یہی دو مدتیں منضبط ہو سکتی ہیں ورنہ دودھ چھڑانے کی کم سے کم مدت کی کوئی تحدید نہیں اسی طرح اکثر مدت حمل کی بھی کوئی تحدید قطعی نہیں روح المعانی میں جالینوس اور ابن سینا کا مشاہدہ نقل کیا ہے۔ [2]

فقہ حنفی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مدت رضاعت ڈھائی سال بیان کی گئی ہے تفسیر مدارک میں امام اعظم رحمہ اللہ سے اسکی تفسیر میں یہ ذکر کیا گیا، وحمله بالا کف یعنی بانہوں اور گود میں اٹھانا اور بانہوں پر لئے پھرنا جو کہ بالعموم شیر خوارگی کے زمانہ میں ہوتا ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت ﴿يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ﴾ دو سال کی مدت بلحاظ اجرت رضاعت بیان فرمائی گئی ہوگی کہ اس سے زائد مدت کی رضاعت کے مصارف والد کے ذمہ نہ ہوں گے اگر کسی مرضعہ سے دودھ پلوانا ہے فتویٰ اگرچہ جمہور کے قول پر ہے مگر حرمت رضاعت کے مسئلہ میں احتیاط بھی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے۔

فائدہ:......﴿وَبَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً﴾ میں انسان کی جوانی اور قویٰ کی مضبوطی بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا "اور پہنچ گیا چالیس سال کی عمر کی" جو قوائے عقلیہ اور فکریہ کا کمال اور اس کا بلوغ ہے انسان کا فہم اور فکر جس حالت پر چالیس برس کی عمر پر عطا فرمایا گیا۔

حافظ موصلی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان بندہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا فرما دیتا ہے اور جب ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اس کو رجوع الی اللہ کی صلاحیت وتوفیق نصیب ہوتی ہے اور جب ستر برس کا ہو جائے تو آسمانوں میں ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی برس کا ہو جائے تو اسکی خطاؤں کا کفارہ ہونے لگتا ہے اور اس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ ثابت فرما دیتا ہے، اور اگر نوے برس کا ہو گیا تو اس کے گناہوں کی مغفرت کے ساتھ اسکی شفاعت بھی اس کے گھر والوں کے لیے قبول کر لی جاتی ہے اور آسمان والے اس کو کہتے ہیں۔ اسیر اللہ فی ارضہ۔ [3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

[2] تفسیر بیان القرآن ج ۲۔

[3] تفسیر ابن کثیر جلد ۴، اخرجه الحافظ الموصلی وروی من غیر هذا الوجه فی سند الامام احمد وقد طعن المحدثون علی اسناده ۱۲

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ﴾ کے ترجمہ میں جو توضیحی الفاظ اضافہ کیے گئے ان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کلمات سے پہلے اس انسان کا ذکر تھا جو سعادت وتقویٰ کا پیکر ہے اس کے بعد شقاوت وبدبختی میں مبتلا ہونے والے انسان کا بیان ان کلمات سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر بدبخت انسان کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ جب اس کے ماں باپ اس کو رشد وہدایت کی دعوت دیتے ہیں وہ انکی ہمدردانہ نصیحتوں کو ایسے ہی انداز سے ٹھکرا دیتا ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ہر اس کافر کا ذکر ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہو جو اس کو رشد وہدایت کی دعوت دیتے ہوں اور وہ ماں باپ کی بات ٹھکرا رہا ہو اور مسلسل انکار قیامت کرتا رہے اور کسی طرح کفر سے باز نہ آئے اس لیے یہ ضروری نہیں کہ اس آیت کا مصداق کسی معین شخص کو قرار دیا جائے۔

مروان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس وقت کہ وہ خطبہ دے رہا تھا ابن ابی حاتم نے عبداللہ المدینی سے روایت کیا ہے کہ مروان جس وقت خطبہ دے رہا تھا تو میں مسجد میں تھا وہ کہنے لگا کہ میں امیر المؤمنین یزید کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہوں اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے بھی تو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کر کے ان ہی میں سے کسی ایک کو خلافت کے واسطے طے فرما دیا تھا لہٰذا یہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اور انکی سنت ہوئی۔ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا یہ طریقہ اور میراث ہرقل کی نہیں ہے؟ خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی اپنے خاندان کے کسی فرد کو اور فرمایا کیا تو وہ ابن اللعین نہیں ہے۔ کہ تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لعنت فرمائی تھی جب تو اس کی پشت میں تھا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن لی اور فرمایا اے مروان کیا تو عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کہتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے خدا کی قسم یہ آیت ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی یہ تو فلاں ابن فلاں کے متعلق اتری ہے اور اگر میں چاہوں تو انکے نام بھی بتا سکتی ہوں (روح المعانی ج ۲٦ تفسیر ابن کثیر ج ۴)

سب سے بڑا قرینہ اس بات کا خود قرآن کریم کے وہ الفاظ ہیں جو اس آیت میں مروان کے دعویٰ کی تردید کر رہے ہیں کیونکہ اس مضمون کا اختتام ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ یہ بتا رہا ہے کہ یہ ذکر ان بدبخت اور شقاوت کے پیکر بیٹوں کا ہے جو ماں باپ کے پیغام رشد وہدایت کو ٹھکرا دیں اور زندگی میں کبھی قبول نہ کریں حتیٰ کہ کفر پر خاتمہ ہو جائے اور اس کا انجام ان ہی نافرمان قوموں کی طرح ہو جو گزر چکیں اور خدا کے عذاب کا فیصلہ انکے حق میں ہو گیا تو ظاہر ہے ان الفاظ کا مصداق ہرگز ایسا کوئی فرد نہیں ہو سکتا جو ایمان کی سعادت سے مشرف ہوا ہو اور شرف صحابیت نصیب ہوا ہو۔ حجۃ الوداع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا ہو ناممکن ہے کہ ان خصائص وفضائل کے حامل فرد کو قرآن کریم اس طرح معذبین اور مجرمین کی فہرست میں درج کر دے اور عذاب کا فیصلہ بھی کر دیا جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اور یاد کر عاد کے بھائی کو ف۱ جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں ف۲ اور گزر چکے تھے ڈرانے والے اس کے آگے سے اور

اور یاد کر عاد کے بھائی جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے آگے سے اور

خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی، اللہ کے سوا میں ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی ف۳ بولے کیا تو آیا ہے

پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی اللہ کے سوا۔ میں ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک بڑے دن کی۔ بولے، کیا آیا ہے

لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ

ہمارے پاس کہ پھیر دے ہم کو ہمارے معبودوں سے، سو لے آ ہم پر جو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو سچا ف۴ کہا یہ خبر تو

ہم پاس کہ پھیرے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے ؟ سو لے آ ہم پر جو وعدے دیتا ہے اگر ہے تو سچا۔ کہا یہ خبر تو

عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ

اللہ ہی کو ہے اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیج دیا میرے ہاتھ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو ف۵ پھر جب دیکھا اس کو

اللہ ہی کو ہے۔ اور میں پہنچا دیتا ہوں جو کچھ دیا میرے ہاتھ، لیکن میں دیکھتا ہوں، تم لوگ نادانی کرتے ہو۔ پھر جب دیکھا اس کو

عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ

ابر سامنے آیا ان کے نالوں کے بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا ف۶ کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے،

ابر سامنے آیا ان کے نالوں کے بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا۔ کوئی نہیں ! یہ وہ ہے جس کی تم شتابی کرتے تھے۔

ف۱ یعنی ہود علیہ السلام جو "عاد" کے قومی بھائی تھے۔

ف۲ مؤلف "ارض القرآن"، "بلاد الاحقاف" کے تحت میں لکھتا ہے" یمامہ، عمان، بحرین، حضر موت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدھنا" یا "ربع خالی" کے نام سے واقع ہے گو وہ آبادی کے قابل نہیں، لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے خصوصاً اس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضر موت اور نجران کے درمیان حصہ میں" عادِ ارم" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔"

ف۳ یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور پیچھے بہت ڈرانے والے آئے۔ سب نے وہی کہا جو حضرت ہود علیہ السلام نے کہا تھا یعنی ایک خدا کی بندگی کرو اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرو۔ ممکن ہے قوم عاد میں بھی حضرت ہود علیہ السلام کے علاوہ اور نذیر آئے ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ف۴ یعنی ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں۔ اگر تو اپنی دھمکیوں میں سچا ہے تو دیر کیا ہے۔ جو زبان سے کہتا ہے، کر کے دکھلا دے۔

ف۵ یعنی اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں جو پیام میرے ہاتھ بھیجا گیا وہ پہنچا رہا ہوں۔ اس سے زائد کا نہ مجھے علم نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ منکر قوم کس وقت دنیاوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہیے۔

ف۶ یعنی سامنے سے بادل اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ سمجھے کہ سب ندی نالے بھر جائیں گے۔ کہنے لگے کہ بہت برساؤ گھٹا اٹھی ہے اب کام بن جائے گا۔ اس وقت طویل خشک سالی کی وجہ سے پانی کی بہت ضرورت تھی۔

بِهٖ ؕ رِیۡحٌ فِیۡهَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ کُلَّ شَیۡءٍۭ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا یُرٰۤی اِلَّا

ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک ف۱ اکھڑ پھینکے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئے کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے

باؤ ہے جس میں دکھ کی مار ہے۔ اکھاڑ مارے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئے کوئی نظر نہیں آتا سوائے

مَسٰکِنُهُمۡ ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدۡ مَکَّنّٰهُمۡ فِیۡمَاۤ اِنۡ مَّکَّنّٰکُمۡ

ان کے گھروں کے یوں ہم سزا دیتے ہیں گناہ گار لوگوں کو ف۲ اور ہم نے مقدور دیا تھا ان کو ان چیزوں کا جن کا تم کو مقدور نہیں

ان کے گھروں کے۔ یوں ہم سزا دیتے ہیں گناہ گار لوگوں کو۔ اور ہم نے مقدور دیئے تھے ان کو جو تم کو مقدور نہیں

فِیۡهِ وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ سَمۡعًا وَّ اَبۡصَارًا وَّ اَفۡـِٕدَۃً ۫ۖ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ سَمۡعُهُمۡ وَ لَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ

دیا ف۳ اور ہم نے ان کو دیے تھے کان اور آنکھیں اور دل پھر کام نہ آئے ان کے کان ان کے اور آنکھیں ان کی

دیے اور ان کو دیئے تھے کان اور آنکھیں اور دل پھر کام نہ آئے ان کو کان ان کے نہ آنکھیں ان کی

وَ لَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِذۡ کَانُوۡا یَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ

اور نہ دل ان کے کسی چیز میں ف۴ اس لیے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں سے الٹ پڑی ان پر جس بات سے کہ وہ

نہ دل ان کے کسی چیز میں کہ تھے اس پر منکر ہوتے اللہ کی باتوں سے اور الٹ پڑی ان پر جس بات سے

یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳

ٹھٹھا کرتے تھے ف۵

ٹھٹھا کرتے تھے۔

تسلی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بر تکذیب کفار و مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اذۡکُرۡ اَخَا عَادٍ ... الی ... مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴾

ف۱ یعنی یہ برساؤ بادل نہیں بلکہ عذاب الٰہی کی آندھی ہے وہ ہی جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔

ف۲ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضب ناک طوفان چلا جس کے سامنے درخت، آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہوگئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دیکھ لیا! اللہ کے مجرموں کا حال یہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔

ف۳ یعنی مال، اولاد، جتھے، اور جسمانی طاقت جو ان کو دی گئی تھی تم کو نہیں دی گئی۔ مگر جب عذاب آیا کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔

ف۴ یعنی نصیحت سننے کے لیے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لیے دل دیے گئے تھے۔ پر وہ کبھی قوت کو کام میں نہ لائے۔ اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہوگئے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ یہ قوتیں سب موجود ہیں اور عذاب الٰہی نے آگھیرا کوئی اندرونی یا بیرونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔

ف۵ یعنی جس عذاب کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ ان پر واقع ہوا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ان کو دل اور کان اور آنکھ دی تھی۔ یعنی دنیا کے کام میں عقلمند تھے۔ وہ عقل نہ آئی جس سے آخرت بھی درست ہو۔"

ربط: ...... سعادت وشقاوت کا ایک بنیادی ضابطہ اور قبول ایمان واعراض عن الحق پر مرتب ہونے والے ثمرات ونتائج کا ذکر کرکے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے امم سابقہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہ کسی طرح اللہ کے پیغمبر انکو ہدایت کی دعوت دیتے رہے بالآخر جب وہ اپنی بغاوت وسرکشی سے باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ کے قہر وعذاب سے تباہ وبرباد کردیئے گئے فرمایا۔

اور یاد کرو عاد کے بھائی ہود علیہ السلام ❶ کو جب کہ ڈرایا انہوں نے اپنی قوم کو احقاف میں جیسے کہ ان سے پہلے بھی نبی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور بہت سے ڈرانے والے ان سے پہلے گزر چکے تھے اور انکے پیچھے بھی سب کا پیغام یہی تھا کہ نہ بندگی کرو کسی کی بھی سوائے اللہ کے میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے ہیبت ناک دن کی آفت سے جس آفت کو نہ کوئی ٹلانے والا ہوگا اور نہ کسی کی دوستی اور سفارش کام دے گی یہ سب کچھ خدا کے پیغمبر نے کہا لیکن یہ لوگ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس آیا ہے اس لئے کہ تو ہم کو اپنے معبودوں سے پھیر دے کسی اور معبود کی طرف اگر یہی غرض ہے تو پھر لے آ ہمارے سامنے وہ چیز جس کا تو دعویٰ کرتا ہے اور اس سے ہمیں ڈراتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے ہم اپنے آباء واجداد کے طریقہ پر قائم رہیں گے اور اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اگر تو سچا ہے تو پھر وہ عذاب لے آ جس سے ڈراتا ہے خدا کے پیغمبر نے کہا یہ علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے کہ عذاب کب نازل ہوگا میں تو تم کو وہی باتیں پہنچا دیتا ہوں جو دیکر بھیجا گیا ہوں اور پیغمبر کا کام ہی صرف یہ ہے کہ اللہ کے احکام اور پیغام اس کی مخلوق کو پہنچائے تمہیں چاہیئے تھا کہ تم اس بات پر یقین کرتے لیکن میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم نادانی کرنے والے لوگ ہو کیوں کہ تمہارے یہ مطالبے بلاشبہ تمہاری نادانی اور جہالت کی دلیل ہیں خدا کے پیغمبر کو عذاب نازل کرنے کی قدرت ہے اور نہ اختیار اور نہ اس کا علم کہ نافرمان قوم پر کب دنیوی عذاب نازل ہوگا اور کب تک ان کو مہلت ہے۔

پھر جب دیکھا اس ابر کو جو انکی وادیوں کی طرف آنے والا تھا تو اس کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر خوش ہو کر کہنے لگے کہ یہ سامنے سے آنے والا بادل تو ہم پر برسنے والا بادل ہے جس سے ہماری یہ ساری وادیاں اور ندی نالے بھر جائیں گے۔ ❷ قہر خداوندی نے انکو جواب دیا نہیں بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کر رہے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو اکھاڑ پھینکے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے چنانچہ وہ بادل بجائے سیرابی کے عذاب خداوندی بن کر ان پر برسنے لگا اور سات رات اور آٹھ دن مسلسل یہ غضبناک طوفانی آندھی عذاب خداوندی برساتی رہی جس نے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا عمارتیں منہدم ہوگئیں انسان اور بڑے بڑے طاقتور جانور اس ہوا کے سامنے تنکوں کی حقیقت سے کچھ زائد نہ تھے۔

---

❶ پیغمبر چونکہ خود اپنی قوم میں مبعوث ہوئے اس بناء پر حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا گیا دیگر انبیاء کی طرح جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ ہود علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بعد بہت سے ڈرانے والے آئے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرایا اور سب کا یہی ایک پیغام تھا ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾۔

❷ بعض تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال ان پر نہایت ہی قحط اور خشکی کا تھا تو اور بھی اس بادل کو دیکھ کر توقعات باندھنے لگے۔

چنانچہ جب صبح کو یہ اٹھے تو کوئی چیز نظر نہ آتی تھی بجز انکے مکانوں کے جو کھنڈرات کی صورت میں نظر آ رہے تھے جس کو دیکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں نافرمان قوم کو اس لئے قریش مکہ کو بھی چاہئے کہ وہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آ جائیں اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بغاوت اور اللہ کی نافرمانی پر انکو ڈرنا چاہئے کہیں انکا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو جائے اور کفار مکہ کو اپنی قوت وطاقت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہئے اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو طاقت ومضبوطی دی تھی ان ہی چیزوں میں کہ جن میں اے کفار مکہ تم کو طاقت اور زور دیا ہے مال ودولت اور عزت ووجاہت کا مگر ان کا مال واولاد طاقت واقتدار اور جتھے کچھ کام نہ آئے اور عذاب خداوندی نہ ٹلا سکے تو اسی طرح تمہاری یہ تمام قوتیں بھی عذاب خداوندی کے سامنے بے حقیقت ہوں گی پھر آخر تم کس چیز پر مغرور ہو اور ہم نے دیئے تھے ان کو کان اور آنکھیں اور دل نصیحتوں کو سن سکتے تھے عبرت کی نشانیاں دیکھ سکتے تھے اور دلوں سے اللہ کی باتوں پر یقین کر سکتے تھے مگر کام نہ آئے انکے کان اور نہ انکی نگاہیں اور نہ انکے دل کسی بھی چیز میں جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے اور چمٹ گیا ان پر وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہ عذاب ان پر مسلط ہوا اور جس چیز کا تمسخر کر رہے تھے وہی انکی ہلاکت کا باعث ہوئی اور آخر الامر انجام یہی ہوا کہ قوتیں سب موجود مگر عذاب الٰہی نے آ گھیرا نہ کوئی اندرونی قوت اس عذاب کو رفع کر سکی اور نہ بیرونی تو اسی طرح قریش مکہ کو بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہئے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے سند غریب سے ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند سے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم عاد ایک دفعہ قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے ایک وفد روانہ کیا جس کو قیل کہا جاتا ہے وہ وفد معاویہ بن بکر پر سے گزرا تو ایک ماہ اس کے یہاں ٹھہرا جو اس کو شراب پلاتا اور دو گانے والی لونڈیاں اس کو اپنے نغمہ وسرور میں مست کرتی رہیں یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا تو وہ مہرہ پہاڑ کیطرف روانہ ہوا اور کہا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ نہ تو میں کسی مریض کی جانب آیا ہوں کہ اس کا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کی طرف کہ اس کا فدیہ ادا کروں۔

اے اللہ (بس یہی طلب ہے) تو عاد کو سیراب کر دے جس چیز سے بھی سیراب کرنے والا ہو تو اچانک چند بادل سیاہ رنگ کے سامنے سے گزرنے لگے تو ان میں سے ایک آواز آئی ان میں جو بادل چاہے اختیار کر لے اس نے ان بادلوں میں سیاہ ترین بادل اختیار کر لیا فوراً اس میں سے آواز آئی خذھا رمادا رمددا الخ۔ یعنی لے لے یہ بادل اس طرح کہ جلا کر راکھ کر دینے والے شعلے اور ریزہ ریزہ کر دینے والا کہ قوم عاد میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑے تو ایک آندھی چلی جس نے پوری بستی ہلاک کر دی اور کوئی مکان باقی نہ بچا کہ وہ منہدم نہ ہو گیا ہو اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور یہ تناور اور طاقت ور ڈیل ڈول والے زمین پر پچھڑے ہوئے پڑے تھے جیسے کہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ یہ آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دن تک چلتی رہی ﴿سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُوْمًا﴾۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ایک روایت کے مضمون میں یہ بیان کیا کہ سب سے پہلے اس عذاب کو ایک عورت نے دیکھا کہ ایک ہوا کا جھونکا انکی بستی کی طرف اٹھا جس میں دہکتی ہوئی آگ کے شعلے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ آندھی عذاب خداوندی لے کر آ رہی ہے تو

ایک خط اپنے پر کھینچ لیا اور ایک خط اس جگہ پر جہاں مومنین تھے تو ان پر یہ ہوا نہایت لطیف وخوشگوار ہو کر لگ رہی تھی حالانکہ یہی ہوا قوم عاد کو، انکی بستی درختوں اور مکانات کو اکھاڑ پھینک رہی تھی اور یہ نظر آ رہا تھا کہ ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔ (ابن ابی شیبہ بحوالہ تفسیر روح المعانی)[1]

حضرت عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب کبھی تیز ہوا چلنے لگتی تو آنحضرت ﷺ فرماتے۔ اللھم انی اسألك خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت به واعوذبك من شرھا وشر ما فیھا وشر ما ارسلت[2] (کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی خیر کا اور ہر اس چیز کا جو اس میں ہو اور جس کے ساتھ اس ہوا کو چلایا گیا اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور ہر اس برائی سے جو اس میں ہے اور جسکے ساتھ یہ بھیجی گئی) اور جب آسمان پر بادل چھاتا تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ فکر و پریشانی سے متغیر ہو جاتا اور اضطراب کی سی کیفیت میں کبھی آپ ﷺ باہر نکلتے اور کبھی اندر داخل ہوتے اور آگے چلتے اور کبھی پیچھے ہٹتے اور جب بارش برسنے لگتی تو یہ آثار فکر و بے چینی کے آپ ﷺ سے دور ہو جاتے تو حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے دریافت کر لیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے اور یہ کیفیت آپ ﷺ پر کیوں واقع ہوتی ہے فرمایا اے عائشہ ؓ مجھے نہیں معلوم جب بادل آتا ہے تو یہ کیسا بادل ہوگا کہیں ایسا ہی تو نہیں جیسا کہ ایک قوم نے اس بادل کو دیکھ کر کہا یہ ابر تو ہم پر برسے گا اور ہمیں سیراب کرے گا۔[3] حضور اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی ان لوگوں کو کیا خبر تھی اس بادل میں کیسا خطرناک عذاب ہے نہ ہی اس کا تصور میں ہو سکتا تھا تو اسی وجہ سے میں ہر بادل کو دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہوں کہ خدا جانے یہ عذاب و ہلاکت کو لے کر آ رہا ہے (العیاذ باللہ) یا اللہ کی رحمت رزق و برکت اور شادابی لے کر آ رہا ہے۔

مقام احقاف

ائمہ مفسرین فرماتے ہیں کہ عاد کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا ان کی بستیاں مقام احقاف میں واقع تھیں لفظ احقاف حقف کی جمع ہے جو ریت کے پہاڑ کو کہتے ہیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے طبقات الارض کے ایک ماہر امام ابن زید کا یہ قول نقل کیا عکرمہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ احقاف پہاڑوں اور غاروں کو کہتے ہیں عاد اولیٰ کی آبادیاں ایسی ہی سرزمین میں واقع تھیں۔

حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے مروی ہے کہ حضرموت میں ایک وادی کا نام احقاف ہے قتادہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات مشہور ہے کہ عاد یمن میں رہنے والی ایک قوم تھی جو ریگستانی علاقہ میں ساحل سمندر پر آباد ہوئی اور اسی کے قرب وجوار میں ان کی بستیاں بھی آباد ہو گئیں۔

مؤلف ارض القرآن بلاد احقاف کے تحت یہ لکھتے ہیں کہ یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے

---

[1] روح المعانی ج ۲۶۔
[2] تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔
[3] صحیح مسلم، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و مسند عبد بن حمید، بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶۔

درمیان جو صحرائے اعظم الدھناء یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے اگرچہ وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف و جوانب میں کہیں کہیں آبادی کے لائق کچھ صاف زمین ہے خصوصاً اس حصہ میں جو حضر موت سے بحران تک پھیلا ہوا ہے گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضر موت اور بحران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خداوند عالم نے اسکی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا

اور ہم غارت کر چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں ف۱ اور طرح طرح پھیر کر سنائیں ان کو باتیں تاکہ وہ لوٹ آئیں ف۲ پھر کیوں نہ

اور ہم کھپا چکے ہیں جتنی تمہارے آپ پاس ہیں بستیاں اور پھر سنائیں ان کو باتیں شاید وہ پھر آئیں۔ پھر کیوں نہ

نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ

مدد پہنچی ان کو ان لوگوں کی طرف سے جن کو پکڑا تھا اللہ سے ورے معبود بڑے درجے پانے کو ف۳ کوئی نہیں گم ہو گئے ان سے ف۴ اور یہ جھوٹ تھا ان کا

مدد پہنچے ان کی جن کو پکڑا تھا اللہ سے ورے درجہ پانے کو پوجنا؟ کوئی نہیں! گم ہوئے ان سے۔ اور یہی جھوٹ تھا ان کا

وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جو اپنے جی سے باندھتے تھے ف۵

اور جو باندھتے تھے۔

تذکرۂ ہلاکت امم سابقہ برائے عبرت اہل مکہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ ... الى ... وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قوم عاد کی ہلاکت وتباہی کا ذکر فرمایا گیا جس سے مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی انکے دین کا تمسخر و مذاق بنایا اور عذاب خداوندی کی وعید کو سن کر پیغمبر سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ اچھا عذاب لے آؤ جس سے ڈرا رہے ہو تو اب اس مناسبت سے اجمالاً ان دوسری قوموں کی تباہی کا حوالہ دیا جا رہا ہے جو مکہ کے اطراف اور شام کے علاقہ میں بسنے والی تھیں اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ نہ انکے معبود کام آئے اور نہ انکے وسائل اور مال و دولت وعذاب

ف۱ یعنی "عاد" کے سوا "قوم ثمود" اور "قوم لوط" وغیرہ کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کی جا چکی ہیں۔ جو تمہارے آس پاس واقع تھیں۔ یہ مکہ والوں کو فرمایا کیونکہ سفروں میں ان کا گزر ان مقامات کی طرف ہوتا تھا۔

ف۲ مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئے۔

ف۳ یعنی جن بتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں اور بڑے بڑے درجے دلائیں وہ اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے۔ اب ذرا ان کو بلایا ہوتا۔

ف۴ یعنی آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ نہ عذاب کے وقت ان کو پکارا جاتا ہے آخر وہ گئے کہاں جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہیں آتے۔

ف۵ یعنی ظاہر ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے کیسے۔

(ربط) اوپر کی آیات میں انسانوں کے تمرد و سرکشی کی داستان تھی۔ آگے اس کے مقابل جنوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا حال سناتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ جو قوم طبعی طور پر سخت متمرد اور سرکش واقع ہوئی ہے اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں۔

خداوندی ٹلا سکے تو ان واقعات سے قریش مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی اور بغاوت سے، باز آ جانا چاہئے۔

ارشاد فرمایا اور بے شک ہم ہلاک کر چکے ہیں تمہارے آس پاس کی بہت سی بستیاں مثلاً قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کر دیں جیسے کہ عاد کی بستی تباہ کر دی گئی جو مکہ والوں کے قرب و جوار میں واقع تھیں اور ان علاقوں پر سے اہل مکہ کا تجارتی سفروں میں گزر رہتا تھا اور ان کی ہلاکت کے واقعات عام طور پر لوگوں میں معروف تھے ہر ایک جانتا تھا اور تاریخی واقعات کے ذیل میں انکو بیان بھی کیا جاتا تھا ان کا حسرت ناک حال یہ تھا کہ اور پھیر پھیر کر ہم نے سنائیں انکو باتیں اور دلائل و نشانیاں بار بار دکھائیں شاید یہ کہ وہ لوٹ جائیں حق و ہدایت کی طرف لیکن نہ انکو نصیحتوں سے کچھ فائدہ پہنچا اور نہ دلائل و بینات سے حق کی طرف رجوع کیا جس کا انجام یہی ہوا کہ تباہ و برباد کر دیئے گئے تو کیوں نہ مدد کی انہوں نے جن کو انہوں نے اپنا معبود بنالیا تھا تقرب حاصل کرنے کے لیے خدا کو چھوڑ کر یہیں! مدد تو کیا کرتے بلکہ وہ تو ان سے گم ہو گئے اور قطعاً بے گانگی اختیار کر لی اور یہ ان کا صریح جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ اپنی طرف سے گھڑتے تھے اور یہ بات یقینی ہے کہ من گھڑت باتیں اور جھوٹ نہ چلا کرتا ہے اور نہ کام آتا ہے تو اسی طرح جو مشرکین زندگی بھر شرک کرتے رہے اور اپنے بتوں کو یہ سمجھتے تھے کہ انکی عبادت خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہے جب میدان حشر ہوگا تو وہ سب معبود غائب ہوں گے اور انکے سارے جھوٹ اور من گھڑت افسانے ان کے سامنے وبال اور عذاب بن کر ظاہر ہو رہے ہوں گے ان مضامین کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ

اور جس وقت متوجہ کر دیئے ہم نے تیری طرف کتنے اِک لوگ جنوں میں سے سننے لگے قرآن پھر جب وہاں پہنچ گئے بولے چپ رہو

اور جب متوجہ کر دیے ہم نے تیری طرف کتنے لوگ جنوں میں سے، سننے لگے قرآن۔ پھر جب پہنچے بولے چپ رہو

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ

پھر جب ختم ہوا الٹے پھرے اپنی قوم کو ڈر سناتے ہوئے ف۱ بولے اے قوم ہماری ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے

پھر جب تمام ہوا الٹے گئے اپنی قوم کو ڈر سناتے۔ بولے اے قوم ہماری! ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے

ف۱ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہاب کی مار پڑنے لگی۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھائے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو کے لیے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت "بطن نخلہ" کی طرف گزری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کے لیے ادھر پھیر دیا۔ قرآن کی آواز انہیں بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اس کی عظمت و ہیبت دلوں پر چھا گئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہی نئی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان و ایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی۔ ان کی مفصل باتیں سورۃ "جن" میں آئیں گی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا۔ ایک درخت نے باذن اللہ کچھ =

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ

موسیٰ کے بعد ف۱ سچا کرنے والی سب اگلی کتابوں کو ف۲ سمجھاتی ہے سچا دین اور ایک راہ سیدھی ف۳ اے قوم ہماری

موسیٰ کے بعد، سچا کرتی سب اگلیوں کو سوجھاتی سچا دین اور ایک راہ سیدھی۔ اے قوم ہماری!

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ ف۴ کہ بخشے تم کو کچھ تمہارے گناہ ف۵ اور بچا دے تم کو ایک عذاب دردناک سے

مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے اور بچائے تم کو ایک دکھ کی مار سے۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ

اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کا اس کے سوا مددگار ف۶

اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کو اس کے سوا مددگار

اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ

وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا ان کے بنانے میں ف۷

وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح۔ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان اور زمین اور نہ تھکا ان کے بنانے میں

= اجمالی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور مفصل حال اس کے بعد وحی کے ذریعہ سے معلوم کرایا گیا۔ کما قال تعالیٰ ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ بعدہ بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لیے ان کے وفود حاضر خدمت ہوئے۔ خفاجی نے روایات کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ چھ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے ملاقات کی۔ اس لیے روایات میں جو اختلاف ان کے عدد یا دوسرے امور کے متعلق معلوم ہوتا ہے اس کو تعدد وقائع پر محمول کرنا چاہیے۔

ف۱ کتب سابقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (تورات) کے برابر کوئی کتاب احکام و شرائع کو حاوی نہیں تھی۔ اسی پر انبیائے بنی اسرائیل کا عمل رہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ میں تورات کو بدلنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اس کی تکمیل کے لیے آیا ہوں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت سے جنوں میں تورات ہی مشہور چلی آتی تھی۔ اس لیے اس موقع پر انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کیا۔ خود تورات میں بھی جو پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ (اے موسیٰ) "تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا۔"

ف۲ شاید اس وقت قرآن کا جو حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا تھا اس میں ایسا مضمون آیا ہوگا۔ یا قرائن سے سمجھے ہوں۔

ف۳ یعنی سچے عقیدے اور عمل کا سیدھا راستہ۔

ف۴ یعنی اس کی بات مانو جو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اور اس کی رسالت پر یقین کرو۔

ف۵ یعنی جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو، اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے۔ آئندہ سے نیا کھاتہ شروع ہوگا لیکن یاد رہے کہ یہاں ذنوب کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کا معاف ہونا اس سے نہیں نکلتا۔

ف۶ یعنی نہ خود بھاگ کر خدا کی مار سے بچ سکے نہ کوئی دوسرا بچا سکے حضرت شاہ صاحب "فی الارض" کی قید پر لکھتے ہیں کہ "(شیاطین کو) اوپر سے فرشتے مارتے ہیں تو زمین ہی کو بھاگتے ہیں۔"

ف۷ اس لفظ میں "یہود" کے عقیدے کا رد ہے جو کہتے تھے کہ چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے۔ "ثم استراح" (پھر ساتویں دن آرام کرنے لگا) العیاذ باللہ۔

بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ

وہ قدرت رکھتا ہے کہ زندہ کرے مردوں کو، کیوں نہیں وہ ہر چیز کرسکتا ہے ف۱ اور جس دن سامنے لائیں

وہ سکتا ہے کہ جلادے مردے۔ کیوں نہیں ؟ وہ ہر چیز کرسکتا ہے۔ اور جس دن سامنے لایئے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا

منکروں کو آگ کے کیا یہ ٹھیک نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی ف۲ کہا تو چکھو

منکروں کو آگ کے۔ اب یہ ٹھیک نہیں ؟ کہیں گے کیوں نہیں ! قسم ہے ہمارے رب کی۔ کہا تو چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا

عذاب بدلہ اس کا جو تم منکر ہوتے تھے ف۳ سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول اور

مار، بدلہ اس کا جو تم منکر ہوتے تھے۔ سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہمت والے رسول اور

تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ

جلدی نہ کر ان کے معاملہ میں ف۴ یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی ف۵

شتابی نہ کر ان کے واسطے یہ لوگ جس دن دیکھیں گے جس چیز کا ان سے وعدے ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن۔

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

یہ پہنچا دینا ہے، اب وہی غارت ہوں گے جو لوگ نافرمان ہیں ف۶

پہنچا دینا۔ اب وہی کھپیں گے جو لوگ بے حکم ہیں۔

ف۱ یعنی بڑا عذاب مرنے کے بعد ہوگا اور اس دھوکا میں نہ رہیں کہ مر کر کہاں زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ کو یہ کچھ مشکل نہیں۔ جو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، اس کو تمہارا دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

ف۲ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دوزخ کا جو اس کا عذاب کیا واقعی چیز نہیں؟ آخر سب ذلیل ہو کر اقرار کریں گے کہ بیشک واقعی ہے۔ (ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے)

ف۳ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار و تکذیب کا مزہ چکھتے رہو۔

ف۴ یعنی جب معلوم ہو چکا کہ منکرین کو سزا ضرور ملتی ہے۔ آخرت میں ملے یا دنیا میں بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ ایک میعاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسے اولوا العزم پیغمبروں نے صبر کیا۔

(تنبیہ) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوا العزم (ہمت والے) ہیں اور عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوا العزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۵ "ڈھیل نہ پائی تھی" دنیا میں یعنی اب تو دیر سمجھتے ہیں کہ عذاب جلد کیوں نہیں آتا۔ اس دن جانیں گے کہ بہت شتاب آیا۔ دنیا میں ہم ایک ہی گھڑی رہے۔ یا عالم قبر کا رہنا ایک گھڑی معلوم ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ گزری ہوئی مدت تھوڑی معلوم ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً سختی اور مصیبت کے وقت عیش و آرام کا زمانہ بہت کم نظر آنے لگتا ہے۔

ف۶ یعنی ہم نے نصیحت کی بات پہنچا دی اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب جو نہ مانیں گے وہی تباہ و برباد ہوں گے۔ ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی اور کسی کو بے قصور ہم نہیں پکڑتے اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے ہی پر کمر باندھ لے۔ تم سورۃ الاحقاف بفضل اللہ وحسن توفیقہ۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اطاعت وقبول حق جماعتے از جنات ببرکت استماع قرآن آیات بینات وانجام معرضین از دعوت داعی اللہ ومنکرین دین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ... الی... اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

ربط:...... اس سے قبل آیات میں انسانوں کے تمرد وسرکشی کا بیان تھا اب ان آیات میں جنوں کی اطاعت وفرمانبرداری کا حال بیان کیا جارہا ہے جس سے یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ جنات طبعی طور پر متمرد وسرکش ہوتے ہیں کیونکہ انکی تخلیق آگ سے فرمائی گئی لیکن اس کے باوجود ان میں سے ایک جماعت نے جب قرآن حکیم کی طرف توجہ کی اور کان لگا کر آیات خداوندی سنیں تو انکی وہ تمام سختی بالکل موم بن گئی یہ محض برکت اس بات کی تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کی طرف توجہ کی اور آیات قرآنیہ سنی مگر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ کفار مکہ انسان ہونے کے باوجود نہ تو نرماتے ہیں اور نہ ہی ان میں سعادت کے آثار محسوس ہوتے ہیں اور یہ صرف اسی وجہ سے کہ انکو کبھی قرآن کریم کی طرف نہ توجہ ہوتی ہے اور وہ آیات سنتے ہیں اس بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے اخیر میں قیامت کا مضمون بیان کیا گیا اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی یہ فرماتے ہوئے کہ مجرمین اس کے علم اور نگاہوں سے چھپے ہوئے نہیں ہیں اور ہرگز بھی خداوند عالم کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اور غلبہ وکامیابی یقیناً حق کی ہوگی۔

ارشاد فرمایا اور جس وقت کہ متوجہ کردیا ہم نے آپ ﷺ کی طرف جنوں میں سے ایک جماعت کو جو کان لگا کر سننے لگے قرآن کو تو جب وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے ان میں سے بعض افراد اپنے ساتھیوں کو کہ خاموش رہو قرآن کا حق یہی ہے کہ جب تلاوت ہو تو سب سننے والے خاموش رہیں اور سنیں پھر جب ختم ہوا سلسلۂ تلاوت تو لوٹے اپنی قوم کی طرف انکو عذاب خداوندی سے ڈراتے ہوئے۔

کلام الٰہی کو سن کر اس کی بلاغت اور اسکی حقانیت کو پہچانا اور یقین حاصل ہوگیا کہ بے شک یہ کلام خداوندی ہے کہنے لگے اے ہماری قوم ہم نے سنی ایک کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے کتابوں کی جو راہنمائی کرتی ہے سچے دین اور سیدھے راستہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ جو کتاب حقانیت اور راہ حق کی رہنمائی کرتی ہو انبیاء سابقین کی کتابوں کی تصدیق بھی کررہی ہو تو بلاشبہ اس پر ایمان لے آنا چاہئے اور داعی حق کی دعوت پر لبیک کہنا یہ عقل اور فطرت کا تقاضا ہے اس لیے اے ہماری قوم مان لو اللہ کے داعی کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ پروردگار بخش دیگا تمہارے گناہوں کو اور پناہ دے گا تمہیں دردناک عذاب سے کیونکہ اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرلینا اور اس پر ایمان لانا گزشتہ گناہوں اور گمراہیوں کا کفارہ ہے اور آئندہ عذاب آخرت سے بھی نجات کا ذریعہ ہے قبول حق اور پیغمبر خدا پر ایمان لانے میں خود ایمان لانے والے ہی کا فائدہ ہے اور اس سے اعراض وانحراف میں خدا کی شان عظمت والوہیت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اور جو اللہ کے داعی کو نہ مانے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عاجز نہیں کرسکتا اللہ کو زمین میں اور نہ اس کے واسطے خدا کو چھوڑ کر کوئی مددگار ہوسکتے ہیں ایسے لوگ بڑی ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جنہوں

نے نہ کلام خداوندی کی عظمت اوراس کی شان کو پہچانا نہ اس کی حقیقت کو سمجھا اور نہ ہی یہ سوچا کہ وہ کلام جو صحیح عقائد پاکیزہ اصول حق وہدایت کا پیکر ہو خدا کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہو وہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے اوراس کلام کو لانے والا خدا کا پیغمبراوراس کا داعی ہے ان حقائق کو سمجھنے کے واسطے تو کائنات میں بیشمار دلیلیں موجود ہیں۔

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ نہیں تھکا انکے بنانے میں تو وہ خدا قدرت رکھتا ہے اس بات پر کہ مردوں کو زندہ کردے بے شک وہ ہر چیز پر بڑی ہی قدرت رکھنے والا ہے لہٰذا اس قسم کے کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ مرکر کہاں زندہ ہوں گے جس اللہ کو زمین وآسمان جیسی عظیم مخلوقات پیدا کرنا کچھ مشکل نہ ہوا اس پروردگار کو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہوسکتا ہے قیامت اور بعث بعد الموت برحق ہے اور جس دن کافروں کو پیش کیا جائے گا جہنم پر اور انکو دہکتی ہوئی آگ اوراس کے شعلے نظر آرہے ہوں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے بے شک اور قسم ہے ہمارے رب کی اس اقرار واعتراف کے بعد پروردگار فرمائے گا تو پھر چکھو تم عذاب اس کفر ونافرمانی کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔

بہر حال یہ حقائق ہیں جن پر کائنات اور کائنات کی ہر چیز شاہد ہے اوراس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں کہ منکرین کو سزا ضرور ملتی ہے خواہ دنیا وآخرت دونوں میں یا آخرت میں اگر اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہو تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ صبر کیجئے آپ ﷺ بھی جیسا کہ صبر کیا ہمت والے رسولوں نے جیسے حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جلدی نہ کیجئے ان کے لیے نزول عذاب کی۔

اگر مجرمین ومنکرین کو ڈھیل اور مہلت دی جارہی ہے تو وہ اللہ کی حکمت پر مبنی ہے عذاب آکر رہے گا اگر دنیا میں نہ آیا تو آخرت کے عذاب سے تو کوئی منکر وکافر کسی طرح نہ بچ سکے گا اور آخرت کا عذاب اس قدر ہولناک ہوگا کہ وہ دنیا کی ہر راحت ولذت کو بھلادے گا صورت حال یہ ہوگی یہ لوگ جس دن کہ وہ عذاب دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا محسوس کرتے ہوں گے کہ نہیں ٹھہرے ہیں دنیا میں مگر دن کی صرف ایک گھڑی اور دنیاوی عیش وعشرت کی ساری زندگی صرف ایک گھڑی محسوس ہونے لگے گی اور عذاب آخرت کا پہلا منظر ہی دنیا کی ساری لذتوں کو بھلادے گا۔

یا یہ کہ دنیا کی زندگی میں عذاب کی تاخیر سے جو یہ خیال کررہے تھے کہ بہت دیر ہوگئی اور طویل مدت گزر گئی مگر عذاب نازل نہیں ہوا مگر جب عذاب خدواندی نظر آئے گا تو سمجھیں گے مہلت اور ڈھیل تو ہم کو صرف دن کی ایک گھڑی ہی کے بقدر ملی ہے نہ یہ کہ کوئی طویل زمانہ گزرا ہو۔

یا یہ کہ عالم قبر کو وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ وہ ایک طویل مدت نہیں بلکہ صرف ایک گھڑی ہی گزری ہے کہ مرنے بعد اب ہم پھر زندہ ہوکر خداوند عالم کے روبرو حاضر ہیں تو مرنے کے بعد سے لے کر عالم آخرت تک خواہ کتنی ہی طویل مدت گزرے مگر قبر میں رہنا صرف ایک گھڑی ہی معلوم ہوگا جس طرح ایک انسان سونے کے بعد آنکھ کھلنے پر یہ نہیں محسوس کرتا کہ اس کے سونے کے دوران کتنا وقت گزرا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ لگی اور بس پھر بیدار ہوگئے نیند آنے اور بیدار ہونے میں کسی

امتداد وقت کا احساس ہی نہیں ہوتا لہٰذا عالم قبر اور مرنے کے بعد سے آخرت و قیامت میں اٹھنے کا مسئلہ بس ایسا ہی ہے جیسا انسان سویا اور اس کے بعد پھر بیدار ہوا یہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے اس کے رسول نے دنیا کو پہنچا دیا اب اس کے بعد ہلاک وہی لوگ کیے جائیں گے جو نافرمان ہیں اور جنہوں نے اللہ کے پیغمبر کے پہنچائے ہوئے پیغام کو نہ سنا نہ اس کو مانا اور نہ اس پر عمل پیرا ہوئے۔

جنوں کے ایک گروہ کا قرآن کریم سننا

جنوں کی ایک جماعت کا ذکر جو ان آیات میں فرمایا گیا اس کی غرض تو یہ ہے کہ کفار مکہ باوجودیکہ از قسم بنی آدم اشرف المخلوق ہیں، اور خدا نے نوع بشر میں حلم و بردباری اور تاثر انفعال کی صلاحیت بہت زائد رکھی ہے اس کے بالمقابل نوع جن میں اس وجہ سے کہ وہ مخلوق ناری ہیں شدت و تمرد اور سرکشی اور خارجی تاثرات سے متاثر نہ ہونے کا وصف ان میں زائد ہے لیکن اس جماعت نے جب قرآن کریم کی طرف توجہ کی اور غور و فکر کے ساتھ سنا تو فوراً ہی حق کی طرف قلوب مائل ہو گئے اور قرآن کریم کی عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اطاعت و فرمانبرداری کا سر جھکا دیا اور نہ صرف یہ کہ خود ہدایت قبول کی بلکہ اپنی قوم کی طرف ہادی و راہنما اور داعی بن کر لوٹے تو اس قصہ سے اہل مکہ کے عناد اور تمرد و سرکشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور رسول خدا ﷺ سے کس قدر متنفر و برگشتہ تھے، جنوں کا یہ گروہ کون تھا اور کس وقت اور کہاں یہ واقعہ پیش آیا؟ تو اس سلسلہ میں:

ایک روایت تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ نقل کی ہے تو یہ واقعہ مقام "نخلہ" میں پیش آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء ادا فرما رہے تھے اور یہ افراد نصیبین کے جنوں میں سے تھے جن کی تعداد سات تھی اس روایت کو ائمہ محدثین نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات میں شمار کیا ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنات کے سامنے خود کچھ نہیں پڑھا اور نہ انکو دیکھا اصل قصہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جنات و شیاطین اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی گئی تھی اور جب بھی کوئی جن آسمانوں پر چڑھ کر غیبی خبروں کی طرف کان لگاتا تو شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ پڑتا اور جلا کر راکھ کر دیتا تو جنوں میں اس صورت حال کے پیش آنے پر تشویش ہوئی اور باہم یہ کہنے لگے کہ ضرور کوئی نئی بات ایسی پیش آئی ہے جس کے باعث اب آسمانوں کی خبروں کا سننا ممکن نہیں رہا تو تلاش کے لئے جنوں کی جماعتیں روئے زمین کے اطراف مشرق و مغرب کی طرف نکل کھڑی ہوئیں ان میں سے ایک جماعت جس نے تہامہ (مکہ) کا رخ کیا تھا رسول اللہ ﷺ کی طرف جب کہ آپ ﷺ مقام نخلہ میں تھے (بازار عکاظ جاتے ہوئے) اور اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو ناگہاں قرآن کریم کی آواز انکے کانوں میں پہنچی فوراً ہی متوجہ ہوئے اور غور سے سننے لگے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو کہنے لگے بس یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور

آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوتی ہے قرآن کریم کی آواز انہیں نہایت ہی عجیب موثر اور دل کش معلوم ہوئی اسکی ہیبت و عظمت دلوں پر چھا گئی اور اپنے ایمان وایقان کا ایسا جوہر لے کر لوٹے کہ اپنی قوم کو بھی رشد وفلاح کی دعوت دینے لگے جس کا ان کلمات میں ذکر ہے، ﴿يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ﴾ یہی وہ قصہ ہے جس کو سورۃ جن میں ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ میں فرمایا گیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ آنحضرت ﷺ کو انکی آمد کا اور قرآن کریم کے سننے کا علم نہیں ہوا تھا ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ ﷺ کو دی اور پھر اسکی تفصیل بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتائی گئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی اس جماعت نے داعی بننے کے بعد جنوں میں اسلام پھیلایا اور بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کیلئے ان کے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ مرتبہ جنوں کی آمد کو بیان کیا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے لیلۃ الجن کا قصہ کتب حدیث میں معروف ہے قارئین تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی کی مراجعت فرمائیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ قصداً آپ ﷺ جنوں کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو وعظ ونصیحت کے ساتھ دین کی تعلیم دی۔ تم تفسیر سورۃ الاحقاف بفضل اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۳ ھجری۔

سورۃ محمد (ﷺ)

سورۂ محمد مدنی ہے جس کی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں اس سورت کا مدنی ہونا اکثر مفسرین کے نزدیک بالاتفاق ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ اس سورت کی تمام آیات مدنیہ ہیں لیکن آیت ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ﴾ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مکہ مکرمہ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے یہ فرما رہے تھے اے سرزمین مکہ تو مجھ کو روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب بستی ہے اور اگر یہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا تو اس لحاظ سے اس آیت کو مکیہ کہا جاسکتا ہے مفسرین کی اس اصطلاح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کو جو آیات مدنیہ منورہ پہنچنے سے قبل نازل ہوئیں وہ مکیہ ہیں حتیٰ کہ سفر ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی مکیہ ہی ہیں۔

اس سورت کی ابتداء ایک عجیب اور پر عظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں کا مقصد زندگی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے اور دعوت محمدیہ ﷺ کا مقابلہ کرنا ہے ان کے اعمال برباد ہیں اس کے بعد مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم ہے پھر مسلمانوں کی فتح ونصرت اور غلبہ وعزت کا معیار بیان کیا گیا اور یہ کہ مسلمان قوم اللہ کی نصرت کی کب مستحق ہوتی ہے ساتھ ہی کفار مکہ کی تباہی کی مثال واضح کر دی گئی اسی کے ضمن میں منافقین کی سازشوں کا بھی ذکر ہو گیا پھر سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے عزت وکامیابی کا راستہ طے کریں سورۂ محمد کا دوسرا نام مفسرین نے سورۃ القتال بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس سورت کا نزول سچے مسلمان اور کفار ومنافقین کے درمیان

تمیز کرنے ہی کے لئے فرمایا گیا ہے جس میں مختلف اسلوب اور پیرایوں میں سعداء واشقیاء کے حالات اور انکے مراتب ومنازل بیان کیے گئے ہیں۔

(۴۷ سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ ۹۵) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (ایاتہا ۳۸ رکوعاتہا ۴)

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو اللہ کی راہ سے ف۱ کھو دیے اللہ نے ان کے کام ف۲ اور جو یقین لائے اور کیے

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے کھو دیئے اس نے ان کے کیے۔ اور جو یقین لائے اور کئے

الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ

بھلے کام اور مانا اس کو جو اترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین ان کے رب کی طرف سے اتاریں ان پر سے ان کی برائیاں

بھلے کام اور مانا جو اترا محمد ﷺ پر اور وہی ہے سچا دین ان کے رب کی طرف سے، ان سے اتاریں ان کی برائیاں

وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا

اور سنورا ان کا حال ف۳ یہ اس لیے کہ جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انہوں نے مانی

اور سنوار ان کا حال۔ یہ اس پر کہ جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے انہوں نے مانی

الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ

سچی بات اپنے رب کی طرف سے یوں بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو ان کے احوال ف۴ سو جب تم مقابل ہو

سچی بات اپنے رب کی طرف سے۔ یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو ان کے احوال۔ تو جب تم بھڑو

كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا

منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو ان کو تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو اور یا

منکروں سے تو گردنیں ہیں مارنی۔ یہاں تک جب کتاؤ ڈال چکے ان میں تو مضبوط باندھو قید پھر یا احسان کرو پیچھے اور یا

ف۱ جیسا کہ رؤسائے کفار کی عادت تھی کہ جان، مال اور ہر طرح سے اس میں کوشش کرتے تھے۔

ف۲ یعنی جن اعمال کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض کام اور الٹے موجب عتاب ہوتے ہیں۔ جیسے لوگوں کو اسلام سے روکنے میں پیسہ خرچ کرنا۔

ف۳ یعنی برائیوں کی عادت چھڑا کر اللہ تعالیٰ ان کا حال سنوار دیتا ہے کہ یوماً فیوماً نیکی میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اچھے حال میں رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "پہلے زمانہ میں ساری مخلوق ایک شریعت کی مکلف نہ تھی۔ اس وقت سب جہان کو ایک حکم ہے، اب سچا دین یہی ہے اور برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی۔ لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف، اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔"

ف۴ یعنی اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے۔ تاکہ باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت ان کو پوری طرح ذہن نشین ہوجائے۔

فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا

معاوضہ لیجو ف۱ جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار ف۲ یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلہ لے ان سے پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے

چھڑوائی لو، جب تک رکھ دے لڑائی اپنا راچھ۔ یہ سن چکے اور اگر چاہے اللہ تو بدلہ لے ان سے، پر جانچنے کو تمہارے

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيْهِمْ

ایک سے دوسرے کو ف۳ اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کرے گا وہ ان کے کیے کام ان کو راہ دے گا

ایک سے دوسرے کو۔ اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ کھو دے گا ان کے کئے۔ ان کو راہ دے گا

وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥

اور سنوارے گا ان کا حال ف۴ اور داخل کرے گا ان کو بہشت میں جو معلوم کرا دی ہے ان کو ف۵

اور سنوارے گا ان کا حال، اور داخل کرے گا ان کو بہشت میں معلوم کروا دی ہے ان کو۔

ف۱ یعنی حق اور باطل کا مقابلہ تو رہتا ہی ہے جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہیے۔ باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں اور ان کے جتھے توڑ دیے جائیں۔ اس لیے ہنگامہ کارزار میں کسل، سستی، بزدلی اور توقف و تردد کو راہ نہ دو۔ اور دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو۔ کافی خون ریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے۔ قال تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ﴾ یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لیے تازیانہ عبرت کا کام دے۔ اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر لیں یا مصلحت سمجھو تو بدون کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کر دو۔ اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ زر فدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو۔ اس میں بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔ بہر حال اگر ان اسیران جنگ کو ان کے وطن کی طرف واپس کرو تو دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات موجود ہیں۔ ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو، تو پھر تین صورتیں ہیں۔ ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا۔ یا غلام بنا لینا، یا قتل کر دینا، احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے۔ جب کہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

ف۲ یعنی یہ حرب و ضرب اور قید و بند کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جنگ موقوف ہو جائے۔

ف۳ یعنی خدا کو قدرت ہے کہ ان کافروں کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر "عاد" و "ثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے۔ لیکن جہاد و قتال مشروع کر کے اسے بندوں کا امتحان کرنا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان و مال نثار کرنے کے لیے تیار ہیں اور کفار میں سے کتنے ان تنبیہی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ نے دے رکھی ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر استیصال نہیں کر دیتا۔

ف۴ یعنی جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے خواہ بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں لیکن حقیقتہً وہ کامیاب ہیں۔ اللہ ان کے کام ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ انجام کار ان کی محنت ٹھکانے لگائے گا۔ ان کو جنت کی طرف راہ دے گا۔ اور آخرت کے تمام منازل و مواقف میں ان کا حال درست رکھے گا۔

ف۵ یعنی جس جنت کا حال ان کو انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اپنے وجدان صحیح سے معلوم ہو چکا تھا اس میں داخل کیے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اس کے دل کی کشش ادھر ہی ہو گی جہاں اس کو رہنا ہے۔

(تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "عَرَّفَهَا لَهُمْ" کے معنی "طَيَّبَهَا لَهُمْ" کے لیے ہیں۔ یعنی جنت ان کے لیے خوشبوؤں سے مہکا دی گئی ہے۔

تنبیہ وتہدید بر کفر وانکار منکرین وبشارت برائے اہل ایمان ومطیعین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللهِ... الی... عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت کا اختتام مجرمین کی ہلاکت وتباہی کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا اور مقصود اہل مکہ کو تنبیہ تھی کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کو تسلی بھی دینا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کی مدد اور رحمت کا انتظار کریں حق بہرحال غالب ہوگا تو اب اس سورت کی ابتداء کافروں اور منکروں کے اعمال کی بربادی کے بیان سے کی جارہی ہے اور یہ کہ حق اور باطل کا فرق اس دنیوی زندگی میں بھی انسان کے سامنے آکر رہے گا اور آخرت میں بھی باطل پرستوں کی تباہی اور عذاب اور اہل حق کی کامیابی ونجات قطعی اور یقینی ہے۔

ان مضامین کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ حق اور باطل کا معرکہ اس کا متقاضی ہے کہ اہل حق، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے باطل سے جہاد کرنے کے واسطے تیار ہوجائیں جہاد کا حکم ایک امتحان ہے جس کے ذریعہ مومنین ومطیعین کا ایثار واخلاص اور قربانی کا جذبہ معلوم ہوگا اور ساتھ ہی باطل پر حق کی فتح وکامیابی بھی تاریخ عالم میں ایک حقیقت بن کر دنیا کی نظروں میں آئے گی۔

فرمایا: جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے روکا انہوں نے اپنے اعمال برباد کردیئے اگرچہ قبل از اسلام انکے اعمال کتنے ہی بہتر ہوں سخاوت کی ہو غریبوں کی اعانت وامداد کی ہو یا خدمت خلق کی ہو جیسے کہ بہت سے شریف الطبع لوگ جاہلیت میں کرتے تھے لیکن جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کا دین اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تو سب نیکیاں اور خوبیاں برباد کردیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کئے اور مانا اس کتاب یا دین کو جو نازل کیا گیا محمد ﷺ پر اور وہی تو حق ہے انکے پروردگار کی طرف سے تو اللہ نے انکی برائیاں مٹادیں جو بھی کچھ انہوں نے جاہلیت کے زمانہ میں کرلی ہوں اور درست کردیا ان کا حال جیسے کہ کسی بیمار کی بیماری دور ہوگئی تو اب وہ اپنے نظام بدن کو محسوس کرے گا کہ درست ہوگیا ہے تو کفر کا مرض دور ہونے سے اعمال واحوال کی درستگی ہونی ہی چاہئے یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے پیروی کی باطل کی اور ایمان والوں کے واسطے انکی مثالیں کہ منکرین ونافرمانوں کے واسطے انکے نمونے ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر بعد والے بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اہل ایمان ومطیعین ایمان ویقین والوں کے واسطے نمونہ ہوتے ہیں جن کی پیروی کرتے ہوئے وہ نجات وکامیابی کے مستحق ہوتے ہیں اور یہی وہ معیار ہے جس پر اعمال کی بربادی یا احوال کی اصلاح موقوف ہے عالم دنیا میں جب حق تعالیٰ نے حق اور باطل کا مقابلہ مقدر فرمادیا ہے تو لامحالہ اہل حق پر باطل کے مقابلہ میں جہاد کی ذمہ داری عائد ہوگی تو ایسی صورت میں بارگاہ رب العزت سے اہل ایمان کو فرمایا جارہا ہے تو اے ایمان والو! جب تم میدان جہاد میں مقابلہ کرو کافروں سے تو مارو انکی گردنیں یہاں تک کہ جب انکو خوب قتل کرچکو تو باقی ماندہ کافروں کو مضبوط باندھ لو قید وبند سے پھر اسکے بعد یا تو احسان کرو اور انکو رہا کردو بغیر کسی فدیہ کے یا معاوضہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی قتل وخونریزی اور ضرب وقید کا سلسلہ جاری رہے تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور قتال موقوف ہوجائے یہی ہے

فیصلہ جس کو خوب توجہ اور غور سے سن لینا چاہئے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا اور قوم عاد اور ثمود کی طرح ہلاک کر دیتا اسکی ضرورت ہی نہ تھی کہ جہاد و قتال کا حکم دیا جاتا لیکن یہ اس لئے کہ امتحان لے اور جانچے اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ اور جو لوگ جہاد کے دوران اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے تو اللہ انکے اعمال ضائع نہیں کرے گا انکی راہنمائی فرمائے گا جنت کے منازل و محلات کی طرف اور ان کا حال بھی بہتر فرمائے گا ہر طرح کی نعمتیں اور کرامتیں عطا فرما کر بالخصوص اپنی رضا اور خوشنودی کے انعام سے بھی جو ہر نعمت اور لذت سے بڑھ کر ہے اس لئے اگر کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو یہ نہ سمجھیں کہ انکی جان ضائع ہوگئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین اور اعلیٰ عوض حاصل کر لیا۔

اور داخل فرمائے گا ان شہیدوں کو جنت میں جو انکو معلوم کرا دی ہے اس کے احوال اور نعمتوں کا قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ پورا علم کرا دیا ہے اور نیز شہید فی سبیل اللہ کو دنیا سے گزرنے سے قبل اللہ رب العزت اس کا وہ مقام بھی دکھا دیتا ہے جو اللہ نے اس کو آخرت میں عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہوتا ہے چنانچہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ہر ایک اپنے ٹھکانے کو اس طرح پہچانتا ہوگا جیسے دنیا میں ہر ایک کو اپنا گھر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ﴿عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے "طیبها لهم"۔ طیب کے معنی خوشبو کے ہیں یعنی وہ مکانات جنتیوں کے واسطے خوشبوؤں سے مہکائے ہوئے ہوں گے۔

میدان جہاد میں مسلمانوں کو ثابت قدمی اور قوت کے ساتھ مقابلہ کا حکم

آیت مبارکہ ﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ میں مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد کا حکم اور کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں کی سرکوبی کی تاکید کی جارہی ہے ابتداء میں حق اور باطل کا مقابلہ ذکر فرمایا گیا تو ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہی ہے کہ اہل حق اور مومنین کو ضروری ہے کہ کفر کی شوکت اور غلبہ پامال کرنے کے واسطے جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور کافروں سے خوب مقابلہ اور مقاتلہ کریں اور ان کی گردنیں اڑائیں اور ان مجرمین کا خون بہائیں تا آنکہ انکی قوت اور حوصلے شکستہ ہو جائیں اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہے کافروں کے عناد اور مسلمانوں سے مقابلہ میں جو ایک طویل عرصہ تک ان کی ظالمانہ جدوجہد کا سلسلہ رہا کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ اب مسلمان انکی یہ طاغوتی طاقتیں پامال کرنے کے لئے جہاد کریں اور جب تک لڑائی ختم نہ ہو جائے اس کے علاوہ اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہاں جب لڑائی ختم ہو جائے اور کافروں کے خون بہہ جائیں اور وہ مسلمانوں کے سامنے عاجز و درماندہ ہو جائیں تو پھر بے شک اختیار ہے کہ احسان کر کے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کر جائے حاصل یہ کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور کفر کے غلبہ کو ختم کرنے کے لیے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ خوب قتال کیا جائے اور اعداء اللہ کی جب تک خوب خونریزی نہ ہو جائے قتال ترک نہ کیا جائے یہاں تک کہ حق کی ہیبت اور رعب کافروں کے دلوں پر اس قدر طاری ہو جائے کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور آئندہ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی ہمت بھی نہ کر سکیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر اعداء اللہ کے اثخان یعنی خوب خون ریزی اور حوصلہ شکنگی سے قبل فدیہ لینے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا قبل اس کے کہ کوئی واضح حکم خداوندی نازل ہوتا بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ﴾ جس کی تفصیل سورۃ انفال میں گزر چکی ہے کہ غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے غالب آجانے کے بعد کفار قریش میں سے جب ستر آدمی مسلمانوں کی قید میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رائے دی یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ آپ ﷺ کے خویش ورشتہ دار ہیں اگر فدیہ لے کر انکو چھوڑ دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس احسان ونرمی سے یہ لوگ ایمان کی طرف مائل ہوجائیں اور یہ حسن سلوک انکی ہدایت کا ذریعہ بن جائے اور ساتھ ہی فدیہ کی وجہ سے تنگ دست اور بے سہارا مسلمانوں کی بھی کچھ اعانت ہوجائے اور یہ مال فدیہ آئندہ مسلمانوں کے لئے جنگی قوت میں اضافہ کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ ائمۃ الکفر اور کافروں کے سرغنہ اور سردار ہیں انکی گردنیں اڑا دیجئے تاکہ کفر کی طاقت پارہ پارہ ہوجائے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی موافقت کی آنحضرت ﷺ نے اپنی طبعی رأفت ومہربانی اور نرم دلی کے جذبہ سے فدیہ لے کر رہا فرمانا قبول فرمالیا تھا جس پر وہ عتاب خداوندی نازل ہوا تھا تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں سورۃ انفال تفسیر روح المعانی ابن کثیر اور معارف القرآن از حضرت والد صاحب رحمہ اللہ۔

ان آیات میں کون سی آیت کس آیت کے لئے ناسخ ہے؟ اسکی تحقیق کیلئے تفسیر احکام القرآن قاضی جصاص رحمہ اللہ کی مراجعت فرمائیں۔

بعض ائمہ حنفیہ سے منقول ہے کہ آیت ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ سورۂ براءت کی آیت ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ سے منسوخ کردی گئی بعض روایات میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ سے بھی ایسی طرح نقل کیا گیا لیکن اکثر ائمہ مفسرین نسخ کے قائل نہیں ہیں اس موقع پر ان آیات میں باہم کوئی تعارض اور مفہوم کا کوئی اختلاف نہیں اور اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی آت کو منسوخ قرار دیا جائے ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ کا حکم جب کہ اثخان وخون ریزی کے بعد ہے تو لامحالہ یہ نوبت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ کے بعد ہی آئے گی۔

اور غزوہ بدر میں چونکہ اس وقت تک کفر کی شوکت پامال نہ ہوئی تھی اس وجہ سے فدیہ قبول کرنا مشیت خداوندی کے مطابق نہ ہوا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شیخ الاسلام حضرت شیخ عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں حق وباطل کا معرکہ تو رہتا ہی ہے جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہوجائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے مقابلہ کرنا چاہئے باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا جب بڑے بڑے شریر مارے جائیں اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل وسستی وبزدلی اور توقف وتردد کو راہ نہ دو دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو کافی خون ریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ

جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى﴾ الخ یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لئے تازیانہ عبرت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر انکو اس بات کا بھی موقع ملے گا کہ وہ اپنی اور مسلمانوں کی حالت کا موازنہ کریں اور جانچیں اور تعلیمات میں غور کرنے کا بھی موقع ملے گا اس طرح ہوسکتا ہے کہ شدہ شدہ حق وصداقت کا راستہ اختیار کرلیں یا مصلحت سمجھو تو بدون معاوضہ کے رہا کردو تو اس صورت میں ممکن ہے کہ بہت سے افراد تمہارے اس احسان سے اور خوبی اخلاق سے متاثر ہوکر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں اور خود ہی مشرف باسلام ہوجائیں یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان قیدیوں کے عوض ان مظلوم مسلمانوں کو رہا کرایا جاسکے جو کفار کے قید وبند میں مبتلا اور ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں تو یہ متعدد فوائد اس میں ہیں بہرحال اسیران جنگ کو ان کے وطن واپس کردینے کی دو ہی صورتیں ہیں معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کردینا ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلح ہو وہ اختیار کرسکتا ہے حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اسی طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو انکے وطن واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں، ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنالینا یا قتل کردینا۔ احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جسکی سزا قتل سے کم نہیں ہوسکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (فوائد عثمانی)

اس سورت کا موضوع چونکہ مومنین مخلصین اور منافقین ومنکرین کے درمیان تمیز قائم کرنا اور انکی علامات ونشانیاں اس طرح ظاہر کرنا ہے کہ اہل ایمان اور منافق کے درمیان کسی طرح کا التباس باقی نہ رہے تو اس ضمن میں اشارۃً خلافت خاصہ اور اس کے لوازم کا بھی اظہار ہو رہا ہے کیونکہ ایک طرف بیان فرمایا جارہا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے کافروں اور اللہ کے راستہ سے روکنے والے فریق کا تو دوسری طرف ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ سے دوسرے فریق مومنین مخلصین کا ذکر ہے اور یہ دونوں فریق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے یہ الفاظ آیات انکے وجود پر دلالت کررہے ہیں آیت کا عموم اگرچہ ہر مسلمان اور کافر ومنافق کو شامل ہے مگر بلحاظ نزول اشارہ اور تعریض ہے کہ یہ دونوں گروہ نزول آیت کے وقت موجود تھے اس کے بعد آیت مبارکہ ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ اس امر پر دلالت کررہی ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کو چاہئے کہ وہ کافروں سے جہاد وقتال کرے اور حق کی حمایت ونصرت کے واسطے مستعد ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدولت انکو دنیا میں مظفر ومنصور فرمائے گا اور آخرت میں نجات ومغفرت اور جنت کی بلند وبالا نعمتوں سے سرفراز فرما کر آخرت کا بھی اعزاز بخشے گا جس کے لئے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ سے فرمائی جارہی ہے گویا واضح اعلان ہو رہا ہے کہ دنیا میں فتح ونصرت حاصل ہوگی اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کا وعدہ پھر اس کے بعد جملہ ﴿مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْۤ اَخْرَجَتْكَ﴾ اور ﴿زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ کے مقابل ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سے دلالۃً سمجھ میں آیا کہ یہ مہاجرین اولین ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ میں ان کے اجر وثواب کا بیان ہے پھر اس کے بعد ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ

تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم﴾ سے یہ واضح کیا جارہا ہے کہ اگر فاسقین ومنافقین کے گروہ کو اقتدار دے دیا جائے تو فساد فی الارض اور قطع رحمی کا سلسلہ عالم میں پھیل جائے گا اس کے بالمقابل جب مومنین مخلصین اور صالحین کی حکومت واقتدار کا دور ہوگا تو اہل زمین امن وعافیت اور صلاح کی زندگی گزارنے لگیں گے چنانچہ خلافت راشدہ کا دور ہوگا تو اہل زمین امن وعافیت اور صلاح کی زندگی گزارنے لگیں گے چنانچہ خلافت راشدہ کے دور نے دنیا کے سامنے اس کا ثبوت پیش کردیا منافقین ومفسدین ناکام وذلیل ہوئے فتوحات سے اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا فرمایا قیصر وکسریٰ کی حکومتیں اور طاقتیں پارہ پارہ ہوگئیں اور مسلمانوں کا افلاس انکی غربت اور ذلت غنیٰ وخوشحالی اور غلبہ وعزت سے تبدیل ہوگئی اور جو وعدے اہل ایمان واخلاص سے کئے گئے تھے دنیا ہی میں اس کا مشاہدہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوگیا یہ تاریخی حقیقت ہر صاحب عقل انسان کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے منہاج نبوت پر ہونے پر ایمان لائے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اخلاص ایمان وتقویٰ اور عند اللہ تعالیٰ انکے مکرم ومشرف ہونے اور ماجور ومظفر ومنصور ہونے کو قرآنی فیصلہ سمجھے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾۔ ماخوذ از افاضات حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ۔ مراجعت فرمائیں (ازالۃ الخفاء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی ف۱ تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں ف۲ اور جو لوگ کہ منکر ہوئے

اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں۔ اور جو لوگ منکر ہوئے

فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ

وہ گرے منہ کے بل اور کھو دیے ان کے کیے کام ف۳ یہ اس لیے کہ ان کو پسند نہ ہوا جو اتارا اللہ نے پھر اکارت کردیے

ان کو لگی ٹھوکر، اور کھو دیئے ان کے کیئے۔ یہ اس پر کہ انہوں نے پسند نہ رکھا جو اتارا اللہ نے، پھر اکارت کردیئے

اَعْمَالَهُمْ ۞ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

ان کے کیے کام ف۴ کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے

ان کے کیئے۔ کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں آخر کیسا ہوا ان کا جو

ف۱ یعنی اللہ کے دین کی اور اس کی پیغمبر کی۔

ف۲ یعنی جہاد میں اللہ کی مدد سے تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور اسلام وطاعت پر ثابت قدم رہو گے۔ جس کے نتیجہ میں "صراط" پر ثابت قدمی نصیب ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے پر یہ بھی منظور نہیں کہ" جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔"

ف۳ یعنی جس طرح مومنین کے قدم جما دیے جاتے ہیں اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرا دیا جاتا ہے۔ اور جیسے خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کی جاتی ہے، اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیے جاتے ہیں۔

ف۴ یعنی جب انہوں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ ان کے کام کیوں پسند کرے گا۔ اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔

قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پہلے تھے ہلاکی ڈالی اللہ نے ان پر اور منکروں کو ملتی رہتی ہیں ایسی چیزیں ف۱ یہ اس لیے کہ اللہ رفیق ہے ان کا جو یقین لائے

پہلے تھے ان سے؟ اکھاڑ مارا اللہ نے ان کو۔ اور منکروں کو ملتی ہیں ایسی چیزیں۔ یہ اس پر کہ اللہ رفیق ہے ان کا جو یقین لائے،

وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪ ع ۱۱

اور یہ کہ جو منکر ہیں ان کا رفیق نہیں کوئی ف۲

اور جو منکر ہیں ان کا رفیق نہیں کوئی۔

معیار نصرتِ خداوندی وغلبۂ مؤمنین وخسران وہلاکت منکرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ... الی ... وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾

ربط:...... سابق مضمون مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی ترغیب وتشویق پر مشتمل تھا اور یہ کہ اہل حق پر یہ لازم ہے کہ باطل کو مٹانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر ڈالیں جب تک وہ فریضہ جہاد ادا نہیں کریں گے عند اللہ بری الذمہ نہ ہوسکیں گے تو اب ان آیات میں مسلمانوں کی فتح وکامیابی اور میدان جہاد میں انکی ثابت قدمی کا معیار بیان فرمایا جارہا ہے۔

فرمایا اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور میدان جہاد میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا کہ اللہ کی مدد سے تمہارے قدم کبھی بھی نہیں ڈگمگائیں گے اسلام اور طاعت خداوندی پر بھی قائم رہو گے اور یہ عملی واعتقادی پختگی وثابت قدمی اس طرح مسلمان کی زندگی میں سرایت کر جائے گی کہ میدان جنگ میں جب کافروں سے مقابلہ ہوگا تو وہاں بھی مضبوط وثابت قدم رہیں گے اور اس کے برعکس جو لوگ کافر ہیں انکے واسطے منہ کے بل گرانا ذلیل ومغلوب [1] کرنا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ اچھے کام یا انکی وہ کوششیں جو مسلمانوں کے خلاف ہوں کامیاب ہوں یہی فیصلہ ہے کہ انکے کئے ہوئے کام برباد کر دیئے اس وجہ سے نہ تو انکے کوئی اچھے کام اور نیک عمل ان کے کام آئے اور نہ اس کے ساتھ جو کچھ انہوں نے اسلام خدا ﷺ کے خلاف محنت کی تدبیریں کیں وہ کارگر ثابت ہوئیں جس کا حاصل یہی ہے کہ آخرت اور دنیا ہر لحاظ سے انکے اعمال اور کوششیں حبط وبرباد ہوئیں اور یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے نفرت کی اس چیز سے جو اللہ نے نازل کی تو ظاہر ہے کہ اسکا یہی انجام ہوا کہ ان کے اعمال برباد کر دیئے حالانکہ اگر یہ خیر کے کام ایمان کے ساتھ کئے جاتے تو اجر

ف۱ یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو منکروں کی کیسی گت بنی اور کس طرح ان کے منصوبے خاک میں ملا دیے گئے۔ کیا آجکل کے منکروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔

ف۲ یعنی اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر ان کی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے۔ جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے؟ غزوہ احد میں ابوسفیان نے پکارا تھا۔ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَكُمْ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکارو "اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ۔"

[1] حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر دے پر یہ بھی منظور نہیں جانچنا منظور ہے سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنی اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ ۱۲

وثواب کا ذریعہ ہوسکتے تھے۔

جہاد کا حکم فرمانے کے بعد ان آیات میں رب العزت نے مسلمانوں کو خدا کے دین کی مدد کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بتادیا کہ خود انکی کامیابی وفتح کا راز یہی ہے۔

اگر مسلمان من حیث القوم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور عزت کی زندگی مطلوب ہے تو انکو چاہئے کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہیں اور اپنی کوششیں اسی مقصد کے واسطے وقف کردیں اسی کی برکت سے وہ دشمنوں کے مقابلے میں مضبوط وثابت قدم رہیں گے اور یہی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اصل کامیابی آخرت کی ہے وہ صرف ایمان وتقوی پر موقوف ہے۔

تاریخ اس کی شاہد ہے دیکھ لیں تو کیا انہوں نے سفر نہیں کیا ہے زمین میں کہ دیکھ لیں کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے جب انہوں نے انکار کیا اور خدا کے رسولوں کا مقابلہ کیا تو ہلاکت وتباہی مسلط کردی اللہ نے ان پر اور کافروں کے واسطے انکی مثالیں ہیں جو عبرت کے واسطے کافی ہیں تو اب کفار مکہ بھی ان واقعات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرسکتے ہیں اور ابھی وقت ہے کہ وہ ہدایت قبول کرلیں اور رسول خدا ﷺ پر ایمان لے آئیں یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ مولیٰ ومددگار ہے ایمان والوں کا اور بے شک جو کافر ہیں انکا کوئی مددگار نہیں حتیٰ کہ خود انکے معبود اور انکے ذرائع ووسائل بھی انکو عذاب خداوندی سے نہ بچاسکے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

فائدہ:......غزوہ احد میں جب وقتی طور پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی پیش آگئی تھی تو ابوسفیان بن حرب ؓ نے پکارا تھا، لنا لعزی ولا عزی لکم، حضرات صحابہ ؓ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کہہ دو "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم"۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ

مقرر اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیے بھلے کام باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

مقرر اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام باغوں میں نیچے بہتی ان کے ندیاں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ⑫

اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کہ کھائیں چوپائے اور آگ ہے گھر ان کا ف۱

اور جو منکر ہیں برتتے ہیں اور کھاتے ہیں، جیسا کھائیں ڈھور اور آگ ہے گھر ان کا۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ

اور کتنی تھیں بستیاں جو زیادہ تھیں زور میں اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا ہم نے ان کو غارت کردیا پھر کوئی نہیں ان کا

اور کتنی تھیں بستیاں جو زیادہ تھیں زور میں اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا۔ ہم نے ان کو کھپا دیا، پھر کوئی نہیں ان کا

ف۱ یعنی دنیا کا سامان عبرت رہے اور مارے حرص کے بہائم کی طرح اناپ شناپ کھاتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ اچھا چند روز مزے اڑالیں آگے ان کے لیے آگ کا گھر تیار ہے۔

لَهُمْ ⑬ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭

مددگار ف۱ بھلا ایک جو چلتا ہے واضح راستہ پر اپنے رب کے برابر ہے اس کے جس کو بھلا دکھلایا اس کا برا کام اور چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر ف۲

مددگار۔ بھلا ایک جو چلتا ہے سوجھی راہ پر اپنے رب کی، برابر اس کے جس کو بھلا دکھایا اس کا برا کام؟ اور چلتے ہیں اپنے چاؤں پر۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ

احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں سے اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا ف۳ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا

احوال اس بہشت کا جو وعدہ ہے ڈر والوں کو اس میں نہریں ہیں پانی کی، جو بو نہیں کر گیا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا

يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا

مزہ نہیں پھرا ف۴ اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے ف۵ اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا ہوا ف۶ اور ان کے لیے وہاں

مزا نہیں پھرا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کو۔ اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا ہوا۔ اور ان کو وہاں

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا

سب طرح کے میوے ہیں ف۷ اور معافی ہے ان کے رب سے ف۸ یہ برابر ہے اس کے جو سدا رہے آگ میں اور پلایا جائے ان کو کھولتا پانی

سب طرح کے میوے اور معافی ہے ان کے رب سے۔ برابر اس کے جو سدا رہتا ہے آگ میں، اور پلایا ہے ان کو کھولتا پانی،

ف۱ یعنی دوسری قوموں کو جو زور و طاقت میں مکہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ پھر یہ کس بات پر اتراتے ہیں۔

(تنبیہ) "قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ" سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے ایسی حرکات کیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن مالوف و محبوب چھوڑنا پڑا۔ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت ہوتے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو تمام شہروں میں اللہ کے نزدیک اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اور اگر میری قوم مجھ کو تیرے اندر سے نہ نکالتی میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔

ف۲ یعنی ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے، اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے، جس کو سیاہ و سفید یا نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں حتیٰ کہ اپنی بدتمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے، کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی شان حکومت و عدل کے منافی ہے۔

ف۳ یعنی طول مکث یا کسی چیز کے اختلاط سے اس کی بو نہیں بدلی۔ شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ کسی طرح کے تغیر کو اس کی طرف راہ نہیں۔

ف۴ یعنی دنیا کے دودھ پر قیاس نہ کرو۔ اتنی مدت گزرنے پر بھی اس کے مزے میں فرق نہیں آیا۔

ف۵ یعنی وہاں کی شراب میں خالص لذت اور مزہ ہی ہے۔ نہ نشہ ہے نہ شکستگی نہ تلخی نہ سرگرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان۔

ف۶ یعنی صاف و شفاف شہد جس میں تکدر تو کہاں ہوتا جھاگ تک نہیں۔

(تنبیہ) یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا جن میں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور و نشاط کی چیز ہے۔ اور شہد کو "شفاء للناس" فرمایا گیا ہے۔

ف۷ مشروبات کے بعد یہ ماکولات کا ذکر فرما دیا۔

ف۸ یعنی سب خطائیں معاف کر کے جنت میں داخل کریں گے وہاں پہنچ کر کبھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جو ان کی کلفت کا سبب بنے۔ اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت ہوگی۔

فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا

تو کاٹ نکالے ان کی آنتیں ف۱ اور بعض ان میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں

تو کاٹ نکلا ان کی آنتیں۔ اور بعضے ان میں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف۔ یہاں تک کہ جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں

لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا

ان کو جن کو علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی ف۲ یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اللہ نے اور چلے ہیں

ان کو جن کو علم ملا، کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی ؟ یہ وہی ہیں جن کے دل پر مہر رکھی ہے اللہ نے اور چلے ہیں

اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

اپنی خواہشوں پر ف۳ اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں ان کو اور بڑھ گئی اس سے سوجھ اور ان کو اس سے ملا بچ کر چلنا ف۴ اب یہی انتظار کرتے ہیں

اپنی چاؤں پر۔ اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں، ان کو اور بڑھی اس سے سوجھ اور ان کو اس سے ملا بچ کر چلنا۔ اب یہی راہ دیکھتے ہیں اس

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

قیامت کا کہ آ کھڑی ہوں ان پر اچانک سو آ چکی ہیں اس کی نشانیاں پھر کہاں نصیب ہوگا ان کو جب وہ آ پہنچے ان پر سمجھ پکڑنا ف۵

گھڑی کی کہ آ کھڑی ہو ان پر اچانک۔ کیونکہ آ چکی ہیں اس کی نشانیاں۔ سو کہاں ملے گی ان کو جب وہ آ پہنچی سمجھ پکڑنی۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے ف۶ اور اللہ کو معلوم ہے

سو تو جان رکھ کہ کسی کی بندگی نہیں سوا اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کو اور ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو۔ اور اللہ کو معلوم ہے

ف۱ یعنی کھولتا ہوا پانی جب دوزخیوں کو پلائیں گے تو آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی۔ (اعاذنا اللہ منہ)

ف۲ اوپر مومنوں اور کافروں کا حال مذکور تھا۔ ایک قسم کافروں کی وہ ہے جسے منافق کہتے ہیں یعنی ظاہر میں اسلام کا دعویٰ اور باطن میں اس سے انحراف۔ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔ یعنی یہ لوگ بظاہر پیغمبر کی بات سننے کے لیے کان رکھتے ہیں۔ مگر نہ دلی توجہ ہے نہ سمجھ، نہ یاد، جب مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ابھی ابھی کیا بیان کیا تھا۔ شاید اس دریافت کرنے سے مقصود ادھر تعریض کرنا ہوگا کہ ان کی بات کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے نہ توجہ سے سنتے ہیں۔

ف۳ یعنی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ پھر نیکی کی توفیق قطعاً نہیں ہوتی۔ محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔

ف۴ یعنی سچائی کے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی روز بروز ہدایت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی سوجھ بوجھ اور پرہیزگاری بڑھتی جاتی ہے۔

ف۵ یعنی قرآن کی نصیحتیں، گزشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت و دوزخ کے وعدہ وعید سب سن چکے اب ماننے کے لیے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہی کہ قیامت کی گھڑی ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو۔ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں، اور جب خود قیامت آ کھڑی ہوگی، اس وقت ان کے لیے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا ہے۔ سب نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ دیکھتے تھے۔ جب وہ آ چکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے۔" حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ" (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے۔ شرح صحیح مسلم میں ہم نے اس کی مفصل تقریر کی ہے۔ یہاں گنجائش نہیں۔ =

ع ۸

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

بازگشت تمہاری اور گھر تمہارا فلا

گشت تمہاری اور گھر تمہارا۔

جزاء وانعامات اہل سعادت ومحرومی وبدنصیبی اہل شقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الی ... مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾

ربط:.....گزشتہ آیات میں مسلمانوں کے غلبہ وکامیابی کا ایک راز بیان فرمایا گیا اور وہ ضابطہ جس پر نصرت خداوندی ان کے شامل حال ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ تاریخی واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے ظاہر کر دیا گیا کہ ہمیشہ سے قانون قدرت اسی طرح چلا آ رہا ہے کہ حق کو غلبہ ہوتا ہے اور باطل اپنے جملہ مادی وسائل اور ذرائع کے ناکام ومغلوب ہوتا ہے تو اب ان آیات میں اہل مکہ پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہونے والے انعامات کا بیان ہے اور یہ کہ انکو دنیوی کامیابی برتری اور عزت کے علاوہ آخرت میں جنت کی بے پایاں نعمتوں سے نوازا جائے گا اور جو قومیں شقاوت وبدبختی کا شکار ہوگئیں انکے واسطے سوائے ذلت وناکامی اور عذاب آخرت کے اور کچھ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ کافر کی حیات بے مقصد اور بے معنی ہے اس لحاظ سے ان کا دنیوی زندگی میں کھانا پینا مادی اسباب عیش وراحت سے تمتع بالکل حیوانوں کی طرح ہے کہ حیوان کا بھی اس دنیوی زندگی کا کوئی مقصد حیات نہیں بس یہی دنیا کی زندگی اسکی زندگی ہے بالکل یہی حال کفار ومنکرین کا بھی ہے۔

ارشاد فرمایا جا رہا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ایمان والوں کی اور ان لوگوں کو جنہوں نے نیکی کے کام کئے ایسے باغات میں جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ دنیا کے ساز وسامان سے نفع اٹھا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جیسے کہ چوپائے کھاتے ہوں کہ انکو اس حیات دنیوی کے مابعد آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں اور سمجھتے ہی نہیں کہ یہ دنیوی حیات کس مقصد کیلئے انسان کو دی گئی ہے اور نیز مال ودولت کی حرص بھی اچھے برے اور نفع نقصان میں انکو تمیز نہیں کرنے دیتی جس طرح چوپائے تمیز نہیں کرتے کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا بری بس چارہ کی حرص ہے اور ہر چیز پیٹ میں بھرے چلے جا رہے ہیں تو ٹھیک ہے چند دن مزے اڑا لیں مگر پس آگ ہی انکا ٹھکانا ہے جو انکے واسطے گویا اسی طرح تیار کیا ہوا ہے جیسے کسی انسان کے واسطے اس کا گھر بطور ٹھکانے کے تیار کیا جاتا ہے۔

= ف۶ ہر ایک کا ذنب (گناہ) اس کے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حدود جواز واستحسان میں ہو بعض اوقات مقربین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ "حسنات الابرار سیات المقربین" کے یہی معنی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو بار استغفار فرماتے تھے۔

(تنبیہ) ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾ کا خطاب ہر ایک مخاطب کو ہے۔ اور اگر خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس علم پر برابر جمے رہیے اور استغفار کرتے رہیے۔ اور "فاعلم" کی تفریع ماقبل پر اس طرح ہے کہ قیامت آنے کے بعد کسی کو ایمان وتوبہ وغیرہ نافع نہیں۔ تو آدمی کو چاہیے کہ اس کے آنے سے قبل صحیح معرفت حاصل کرے۔ اور ایمان واستغفار کے طریق پر مستقیم رہے۔

ف۱ یعنی جتنے پردوں میں پھرو گے پھر بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے جو تمہارا اصلی گھر ہے۔

اور کتنی ہی بستیاں تھیں گزری ہوئی تاریخ میں جن کے تذکرے موجود ہیں جو زیادہ طاقت ور تھیں بہ نسبت آپ ﷺ کی اس بستی کے کہ جس نے نکالا آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ اس سرزمین سے ہجرت کر کے اب مدینہ منورہ جا رہے ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا پھر انکا کوئی مددگار نہ تھا اس لیے اہل مکہ کو اپنے زور اور طاقت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے یہ قوم عاد و ثمود اور مدین والے تو بڑے ہی طاقتور تھے مالی وسائل بھی بہت تھے ہر قسم کا ساز و سامان تھا حتی کہ پہاڑوں میں تراشے ہوئے محفوظ ترین مکانات تھے لیکن کیا کسی نے انکی کوئی مدد کر لی جب عذاب خداوندی آیا تو ایک رات میں بستیاں کی بستیاں نیست و نابود ہو گئیں۔ ● تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح حجت اور صحیح راستہ پر ہے وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کے واسطے اس کے برے اعمال رچا دیئے گئے اور وہ ان ہی اعمال خبیثہ کو اچھا سمجھ رہا ہے اور وہ لوگ اپنی خواہشات پر ہی چلتے ہیں؟ ہرگز نہیں دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے ظاہر ہے کہ جو شخص نہایت ہے شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ حق و صداقت کے کشادہ راستہ پر بے روک ٹوک چل رہا ہو وہ اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو متحیر و مبہوت و بدحواسی کے عالم میں ایک تاریک راستہ میں بھٹک رہا ہے اور ٹھوکریں کھا رہا ہے حتی کہ وہ سیاہ و سفید اور نیک و بد کی بھی تمیز نہ کر سکتا ہو اور خواہشات نفس کی پیروی میں ہر بری چیز کو بھلی سمجھ رہا ہو حال اس جنت کا جس کا تقویٰ والوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جو متغیر و بدبودار نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی زمانہ تک رکھا رہے جس کا مزہ شہد سے زیادہ شیریں اور رنگ دودھ سے زائد سفید ہے نہ اس کے رنگ میں تغیر آتا ہے اور نہ اس کے مزے میں اور نہریں ہیں دودھ کی جس کے مزہ میں کوئی فرق نہیں آتا خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے اور نہریں ہیں شراب طہور کی جس میں لذت ہے پینے والوں کے واسطے برخلاف دنیوی شرابوں کے کہ نہ ان میں کوئی لذت نہ مزہ نہ فرحت بلکہ بدبو گندگی اور قلب کی بے چینی اور دماغ کی مدہوشی اور جسمانی امراض کے سوا ان میں کچھ نہیں ● اور نہریں ہیں شہد کی جو جھاگ سے صاف کیا ہوا ہو جس میں تکدر کا تو کیا شائبہ ہو اس میں جھاگ تک بھی نہ ہوگا بلور کی طرح صاف اور چمکدار ہوگا۔

اور غرض انکے واسطے اس جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے کہ لطیف مشروبات کے لطف و سرور کے ساتھ ماکولات میں بھی مفرح اور لذیذ پھل ہوں گے اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ کہ مغفرت و معافی ہوگی انکے رب کی طرف سے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے بھی قلب کو اطمینان ہو جائیگا کہ اب آئندہ کسی بات پر پروردگار کی طرف سے عتاب و عقاب نہ ہوگا ورنہ تو انسان کو ہر نعمت کے ہوتے ہوئے بھی نعمتوں کے زوال اور مصیبت کے نزول کا تصور فکر و غم کا موجب ہوتا ہے جس سے اہل جنت مامون کر دیئے جائیں گے حق تعالیٰ کی طرف سے اعلان معافی اور اعلان خوشنودی فرما دینے کی وجہ سے ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ تو کیا یہ ایمان و تقویٰ والے جن کو ایسی عظیم

● بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ جا رہے تھے اور مکہ سے نکلتے وقت آپ ﷺ نے چہرۂ انور مکہ کی آبادی یعنی بیت اللہ کی طرف کیا اور فرمایا اے سرزمین مکہ تو مجھے کس قدر محبوب ہے خدا کی قسم اگر یہ تیری قوم مجھ کو نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ ۱۲

● اس کا ثبوت شراب کے اثرات کے تجربہ و تحقیق سے واضح طور پر موجود ہے اور یورپ کے لوگ جو شراب میں بدمست رہتے ہیں انکی صورت و شکل اور حالت اس کا شاہد ہیں۔

الشان نعمتوں سے نوازا جائے گا اس شخص کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے آگ میں ہو اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو انکی آنتوں کو بھی کاٹ ڈالے (اعاذنا اللہ منہ) یقیناً دونوں گروہ برابر نہیں ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے بس اسی طرح اہل ایمان اور منکر بھی برابر نہیں اہل ایمان وتقویٰ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سرشار ہوں گے اور منکرین وکفار آلام ومصائب اور نار جہنم میں مبتلا ہوں گے۔

امام احمد بن حنبل ؒ نے باسناد حکیم بن معاویۃ رضی اللہ عنہ عن ابیہ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے بے شک جنت میں پانی کے سمندر کے ساتھ ایک سمندر دودھ کا ہے اور ایک شہد اور ایک شراب طہور کا جن سے نہریں نکل رہی ہیں۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! جب تم اللہ سے جنت کے لیے دعا مانگو تو فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ فردوس جنت کا درمیانی اور اعلیٰ ترین مقام ہے جس سے تمام نہریں جنت کی بہہ رہی ہیں اور اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔

بہر حال اہل ایمان وتقویٰ یقین وتوجہ کے ساتھ ان باتوں کو سن کر وحی الٰہی اور تعلیمات نبویہ کے آثار قبول کرتے ہیں اور روحانی ہدایات ومعارف سے اپنے قلوب کو منور اور اپنی زندگیوں کو مزین بناتے ہیں اس کے بالمقابل ایک گروہ منافقین کا ہے جن کا یہ حال ہے اور بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جو کان لگاتے ہیں اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ کی باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں ان لوگوں سے جن کو علم دیا گیا اور وہ علم ورشد کے باعث ایمان سے مشرف ہوئے یعنی حضرات صحابہ ؓ سے کیا ہے یہ بات جو ابھی آپ ﷺ نے کہی ہے اس ارشاد فرماتے ہوئے قول کی تحقیر وتنقیص کرتے ہوئے کہ یہ بھی کوئی ہم تو نہیں سمجھ سکے کیا کہا ہے تاکہ ارشادات رسول اللہ ﷺ سننے والے ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ جو تاثر ان پر ہوا ہو اس کو بھی تذبذب کی کیفیت میں بدل ڈالیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اب کہاں انکو سمجھ اور ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی خدا تعالیٰ ان کی ہدایت میں اور اضافہ کرتا ہے اور خدا نے ان کو تقویٰ عطا کیا ہے اس وجہ سے جب بھی وہ پیغمبر خدا کا ارشاد سنتے ہیں انکے ایمان وتقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے اور منافقین جب بھی اس طرح کی کوئی کوشش کرتے ہیں کہ انکے ایمان واعتقاد کو کوئی ٹھیس پہنچے خدا تعالیٰ اس کے برعکس انکے نور ایمان وتقویٰ میں اور زیادتی ہی فرماتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ انکو سن کر ہر منافق ومنکر کو اپنے نفاق وکفر اور اسلام کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں کے ساتھ ریشہ دوانیوں سے باز آجانا چاہئے بلکہ دلائل وحقائق کی روشنی میں ان لوگوں کو حق وہدایت قبول کر لینا چاہئے مگر پھر افسوس انکے نفاق وکفر میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ ہی اس سے رجوع کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں تو پھر کیا یہ صرف قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ناگہاں ان پر آجائے ایسے منکروں کو قیامت دور نہ سمجھنی چاہئے اور نہ اسکا ذکر سن کر مذاق اڑانا چاہئے بس حقیقت تو یہ ہے کہ قیامت کی نشانیاں تو آچکی ہیں پھر بھی یہ لوگ نہ باز آتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

تو کہاں سود مند ہوگا ان کا نصیحت قبول کرنا جب کہ قیامت ان پر آ ہی جائے گی اس وقت تو توبہ کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں گے نہ تو کوئی توبہ قبول ہوگی نہ کوئی معذرت سنی جائے گی اور نہ ہی کسی کا ایمان قبول ہوگا جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ میں یہ قانون واضح فرما دیا گیا ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ کیونکہ قیامت کے قریب علامات مثلاً طلوع الشمس من المغرب سے نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا اور عالم غیب نظروں کے سامنے مشاہد ہونے لگے گا تو پھر ایمان بالغیب ہی نہ رہے گا اور ایمان تو وہی ہے جو بالغیب ہو۔

بہرکیف [1] یہ پیغام توحید اور دعوت ایمان منکرین و کفار سنیں یا نہ سنیں، مانیں یا نہ مانیں اے ہمارے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ جان لیجئے یہ بات کہ یقیناً وہ خدا تنہا ایک ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں [2] جیسا کہ آپ ﷺ جانتے ہیں اسی پر قائم رہیئے اور استغفار کرتے رہیئے اپنی تقصیر و لغزش کے لئے اور تمام ایمان دار مردوں اور عورتوں کیلئے اور اللہ کو معلوم ہے تمہارا لوٹنا پلٹنا چلنا پھرنا اور تمہارا ٹھکانا تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور نہ کسی کا انجام اور ٹھکانا کہ آخرت میں کیا ہے وہ بھی اس سے مخفی نہیں اس لئے نہ تو اہل ایمان کو مایوس ہونا چاہئے اور نہ کفار پر عالم دنیا میں عذاب کی تاخیر سے پریشان ہونا چاہیئے اور نہ ہی یہ سمجھنا چاہئے کہ جس مغلوبی اور مظلومی کے دور سے مسلمان آج گزر رہے ہیں وہ کبھی بدلے گا نہیں یہ سب باتیں اللہ کے علم محیط و ازلی میں ہیں غرض عارضی اور وقتی احوال کو مستقل نہ سمجھنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کیلئے امر بالاستغفار کی حقیقت

آیت مبارکہ ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ﴾ میں استغفار کا حکم مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو ہے تو اس صورت میں "ذنب" سے مراد امر خداوندی کی خلاف ورزی اور نافرمانی جیسی کوئی چیز ہرگز ممکن نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے اصول مسلمہ میں سے ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے دلائل کے ساتھ کلام فرمایا ہے اس وجہ سے لامحالہ لفظ ذنب سے مراد کوتاہی اور کمی یا منشاء خداوندی کی کسی اجتہادی مسئلہ میں پوری پوری مطابقت کا نہ ہونا سمجھا جائے گا قانون ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" کہ عام نیکوں کے حسنات و نیکیاں بارگاہ خداوندی کے مقربین کے حق میں خطا و تقصیر ہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر لحظہ مدارج کی ترقی اور بلندی کا ہوتا ہے اور ہر آنے والی گھڑی گزشتہ گھڑی کی نسبت عظمت و بلندی کے مقام پر پہنچانے والی ہوتی تھی اور آپ ﷺ کے قلب و ذہن میں جن مدارج و مقامات کی آرزو ہوتی تھی ان تک آپ ﷺ کا اپنے تخیل کے لحاظ سے یہ محسوس کرنا کہ نہیں عروج ہوا تقصیر کا درجہ ہے جسکو ذنب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس پر گویا یہ حکم ہے اور اسی کی تعمیل میں آپ ﷺ کا یہ دستور العمل تھا جس کو ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] "بہرکیف" ۔ فاعلم میں جو "فا" ہے اسکا ترجمہ کیا گیا۔ ۱۲

[2] بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب عام ہے اور بعض کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے تو یہ الفاظ جیسا کہ آپ ﷺ جانتے ہیں اسی قول کے پیش نظر ہیں یہ علم اگرچہ رسول خدا ﷺ کو پہلے سے تھا لیکن مقصود اس مقتضاء پر عمل کی تلقین و تاکید ہے۔

انی ● لا ستغفر اللہ کل یوم مأۃ مرۃ۔ کہ ہر روز میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں سو مرتبہ (مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی) امام مسلم ابوداؤد و نسائی نے اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ کل یوم مأۃ مرۃ، کہ میرے قلب پر ایک قسم کی رکاوٹ یا تکدر محسوس ہوتا ہے اور البتہ میں اللہ رب العزت سے استغفار کرتا ہوں ہر روز ایک سو مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا جب بھی میں صبح کرتا ہوں تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ میں سو مرتبہ استغفار نہ کرلوں معلوم ہوا کہ کل یوم سے ہر دن کی صبح کے وقت اسکی پابندی مراد ہے وگرنہ آپ ﷺ کی تو ایک ایک مجلس میں ایک ہی دن میں متعدد بار ایک سو مرتبہ سے زائد استغفار کی تعداد ہو جاتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک ہی نشست میں آپ ﷺ کے استغفار شمار کرتے تو سو مرتبہ سے زائد ہو جاتا تھا، اور یہ جو رکاوٹ یا مراتب عالیہ کی عروج و بلندی میں کمی کا ذکر حدیث میں وارد ہوا اسکی حقیقت یہ معلوم ہوئی ہے کہ پیغمبر خدا کی ظاہر اشتغال کے لحاظ سے دو جانبیں ہیں ایک اشتغال الی الحق اور دوسری جانب اشتغال مع الخلق ہے اگرچہ آپ ﷺ کا اشتغال مع الخلق بھی جو کہ امت کی تعلیم و تربیت کی صورت میں ہے اللہ ہی کے لیے ہے لیکن صورۃً اشتغال الی الحق سے بظاہر تعطل نظر آتا ہے تو اسی کو آپ ﷺ تقصیر و کوتاہی فرما رہے ہیں اور اسی پر سلسلہ استغفار ہے اور یہی وہ ہے جس کو ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ میں فرمایا گیا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتری ایک سورت ف۱ پھر جب اتری ایک سورت جانچی ہوئی ف۲ اور ذکر ہوا اس میں

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتری ایک سورت؟ پھر جب اتری ایک سورت جانچی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ

لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے ان کو جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بے ہوش پڑا ہوا

لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بےہوش پڑا

الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

مرنے کے وقت سو خرابی ہے ان کی ف۳ حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے

مرنے کے وقت۔ سو خرابی ہے ان کی حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی، پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے

ف۱ یعنی ایسی سورت جس میں جہاد کی اجازت ہو۔

ف۲ یعنی بچے تلے احکام پر مشتمل ہے جو غیر منسوخ ہیں اور ٹھیک اپنے وقت پر اترتے ہیں۔

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "مسلمان سورت مانگتے تھے یعنی کافروں کی ایذاء سے عاجز ہو کر آرزو کرتے کہ اللہ جہاد کا حکم دے تو جو ہم سے ہو سکے کر گزریں۔ جب جہاد کا حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا، خوفزدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں۔ بے مدخوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی۔ جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔"

● مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ جامع ترمذی، صحیح مسلم، سنن نسائی۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا

تو ان کا بھلا ہے ف۱ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو

تو ان کا بھلا ہے۔ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت ہو کہ خرابی ڈالو ملک میں اور توڑو

أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا

اپنی قرابتیں ف۲ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں ف۳ کیا

اپنے ناتے۔ ایسے لوگ وہی ہیں جن کو پھٹکارا اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرے اور اندھی ان کی آنکھیں۔ کیا

يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِّنْ

دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل ف۴ بے شک جو لوگ الٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر

دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل ؟ جو لوگ الٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر،

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۗ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا

بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ شیطان نے بات بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے کئے ف۵ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا

پیچھے اس سے کہ کھل چکی ان پر راہ شیطان نے بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے دیئے۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا

ف۱ یعنی ظاہر میں یہ لوگ فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام و احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا اور رسول کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں، پھر جب جہاد وغیرہ میں کام کی تاکید اور زور آ پڑے اس وقت اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت ان کی بہتری اور بھلائی کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" یعنی حکم شرع کو نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ کا حکم ہر طرح ماننا ہی چاہیے۔ پھر رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو کیوں لڑوائے، ہاں جب بہت ہی تاکید آ پڑے اسی وقت لڑنا ضروری ہوگا، نہیں تو لڑنے والے بہت ہیں۔"

ف۲ یعنی حکومت و اقتدار کے نشہ میں لوگ عموماً اعتدال و انصاف پر قائم نہیں رہا کرتے۔ دنیا کی حرص اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ پھر جاہ و مال کی کشمکش اور غرض پرستی میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کا آخری نتیجہ ہوتا ہے عام فتنہ و فساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" یعنی جان سے تنگ ہو کر جہاد کی آرزو کرتے ہو اور اگر اللہ تم ہی کو غالب کر دے تو فساد نہ کرنا۔

(تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "تولیتم" کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے۔ دوسرے علماء "تولی" کو بمعنی اعراض لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے دنیا میں امن و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن و انصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا۔ اور بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے، وہ ہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا۔ اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کرو گے تو تم سے یہ ہی توقع کی جا سکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار بنو گے۔

ف۳ یعنی حکومت کے غرور میں اندھے بہرے ہو کر ظلم کرنے لگے۔ پھر کسی کا سمجھایا نہ سمجھے۔ خدا کی پھٹکار نے بالکل ہی سنگدل بنا دیا۔ اور یہ سب کچھ ان ہی کے سوء اختیار اور قصور استعداد سے ہوا۔

ف۴ یعنی منافق قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا۔ اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو بآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیاوی و اخروی فوائد ہیں۔

ف۵ یعنی منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اس کی سچائی ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جہاد میں شرکت نہیں =

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری کتاب سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کاموں میں اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا ف۱

ان سے، جو بیزار ہیں اللہ کے اتارے سے، ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کام میں، اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

پھر کیسا ہوگا حال جب کہ فرشتے جان نکالیں گے ان کی مارتے جاتے ہوں ان کے منہ پر اور پیٹھ پر ف۲ یہ اس لیے کہ وہ چلے اس راہ

پھر کیسا ہوگا؟ جب کہ فرشتے جان نکالیں گے ان کی مارتے جاتے ہیں ان کے منہ پر اور پیٹھ پر۔ یہ اس پر کہ وہ چلے اس راہ

مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

جس سے اللہ بیزار ہے اور ناپسند کی اس کی خوشی پھر اس نے اکارت کر دیے ان کے کام ف۳

جس سے اللہ بیزار، اور نہ پسند کی اس کی خوشی، پھر اس نے اکارت کر دیے ان کے کیے۔

جذبہ ایمان واخلاص مومنین وشناعت اعتقاد وعمل منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ... الی ... فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں سعادت مند اور اہل ایمان اور انکی مقبولیت عند اللہ کا ذکر تھا اور یہ کہ مجرمین کا انجام ہلاکت اور دین ودنیا کی ذلت ورسوائی کے علاوہ کچھ نہیں تو اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ مومنین مخلصین کا جذبہ کس قدر پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ کا دین قائم کرنے کیلئے کس طرح جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں مگر اس کے برعکس منافق اور وہ لوگ جنکے دلوں میں روگ ہوتا ہے وہ کس کس طرح دین اور احکام دین کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں ایسے لوگوں کی بداعمالیوں اور فساد فی الارض کو بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا پھر اعادہ کیا گیا انسانی سعادت اور کامیابی خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتاری گئی ایک سورت خاص طور سے جس میں جہاد کی اجازت دے دی جائے اور احکام جہاد کی تفصیل بیان کر دی جائے حضرات صحابہ ؓ جہاد کی فرضیت سے قبل اسکی تمنا اور طلب میں تھے جس کے لیے سب سے پہلے ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ نازل کی گئی یہ تو جذبہ اہل ایمان کا تھا لیکن پھر جب نازل کی گئی ایک

= کرتے۔ شیطان نے ان کو یہ بات سجھادی ہے کہ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے۔ خواہ مخواہ جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اور نہ معلوم کیا کچھ سجھاتا اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے۔ ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾

ف۱ منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہرگز تم سے نہ لڑیں گے بلکہ موقع ملا تو تم کو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہاری بات مانیں گے۔

ف۲ یعنی اس وقت موت سے کیونکر بچیں گے۔ بیشک اس وقت نفاق کا مزہ چکھیں گے۔

ف۳ یعنی اللہ کی خوشنودی کا راستہ پسند نہ کیا۔ اسی راہ چلے جس سے وہ ناراض ہوتا تھا۔ اس لیے موت کے وقت ہی بھیانک سماں دیکھنا پڑا۔ اور اللہ نے ان کے کفر وطغیان کی بدولت سب عمل بیکار کر دیے۔ کسی عمل نے ان کو دوسری زندگی میں فائدہ نہ پہنچایا۔

سورت جانچی ہوئی جو اپنے ٹھیک وقت پر اتاری گئی اور جس میں جچے تلے احکام تھے اور اس میں ذکر ہوا قتال کا تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے تو وہ حیرانی اور بدحواسی کے عالم میں آپ کی طرف دیکھتے ہیں اس شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت کے وقت کی غشی طاری ہوئی ہو کہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی بے رونق آنکھوں سے دیکھتا ہے جیسے کہ مرتے وقت انسان کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے پس ہلاکت و بربادی ہے انکے واسطے جو نفاق اور ضعف ایمان کی وجہ سے اسی طرح کی کیفیات میں مبتلا ہیں حکم ماننا اور بھلی بات کہنا ہی سعادت و نجات ہے پھر جب معاملہ پختہ ہو جائے اور جہاد کے لئے قدم اٹھانا ضروری ہو جائے تو کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ فرمانبرداری و اطاعت کا جو زبان سے اظہار کیا جا رہا ہے اس کی تکمیل عملاً کریں یہی ان کے قول و قرار کی عملی تصدیق ہوگی۔ ❶ تو اگر وہ سچے رہتے اللہ کے ساتھ اپنے وعدوں اور اقرار میں تو انکے حق میں بہتر ہوتا تو اے وہ لوگو! جو دل کی بیماری نفاق اور گندگی میں مبتلا ہونے کے باعث جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوتے ہی اپنے اوپر موت کی سی گھٹن اور بدحواسی محسوس کرنے لگے ہو کیا یہ بات متوقع نہیں ہے کہ اگر تم جہاد سے روگردانی کرو تو پھر نوبت یہ آ جائے گی کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور قطع رحمی کرو گے کہ قرابتوں کو پامال کر کے اور انکی حق تلفی کر کے نظام عالم کو تباہ و برباد کر دو گے یہ لوگ یقیناً ایسے ہیں کہ اللہ نے انکو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے ❷ اس طرح کہ انکو بہرا کر دیا حق کے سننے سے اور اندھا کر دیا ہے حقائق کے مشاہدے سے انکی آنکھوں کو اس وجہ سے نہ تو کوئی حق کی بات سننے کی توفیق ہو سکتی ہے اور نہ ہی حق اور دلائل و آیات کا مشاہدہ ممکن ہے اور یہی وہ ذرائع اور راستے ہیں جن سے انسان سعادت اور حق قبول کیا کرتا ہے اور ظاہر ہے حق تعالیٰ نے جو حواس انسان کو اسی غرض سے عطا کئے ہیں وہ ان کو کام میں لائے اگر وہ ان کو اپنی بدنصیبی سے معطل کر دے تو یقیناً خدا کی رحمت سے دور ہو گا رحمت خداوندی کا مستحق انسان کو تو وہی ہے جو ہدایت اور حق قبول کرے۔

انسان کو اللہ نے جس طرح ظاہری بینائی اور بصارت عطا کی ہے اس کو قلب کی بینائی اور بصیرت بھی عطا کی ہے اور عقل و فکر سے نوازا ہے۔

تو ایسے لوگ کیوں نہیں غور و فکر کرتے قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں ان کے قفل کہ ان کی بداعمالیوں اور غفلت کی وجہ سے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا بے شک جو لوگ الٹے پھر گئے ہیں اپنی پیٹھ پر بجائے اس کے کہ حق و ہدایت کی طرف بڑھیں اور پیش قدمی کریں وہ پشت کی طرف الٹے جاہلیت و کفر ہی کی جانب لوٹ رہے ہیں بعد اس کے کہ انکو سیدھا راستہ واضح ہو چکا حقیقت یہ ہے شیطان نے انکے واسطے گمراہی

❶ علامہ آلوسی ؒ کی رائے یہ ہے کہ ﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ﴾ میں اذا کا جواب ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ﴾ ہے اس تقدیر پر مراد یہ ہوگی کہ جہاد کے حکم و تاکید اور مرحلہ جہاد کے سامنے آ جانے پر اگر یہ لوگ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو بہتر تھا اور بعض ائمہ نحاۃ و عربیہ کی رائے یہ ہے کہ ﴿فَاِذَا عَزَمَ﴾ کا جواب محذوف ہے اور وہ ﴿کَرِهُوْا﴾ وغیرہ جیسا مضمون ہے یعنی جہاد کے حکم اور اسکی نوبت آنے پر دل سے اس کو ناگوار سمجھنے لگے اور پہلوتہی کرنے لگے جیسے کہ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ اور فرمایا ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ تفسیر سورۃ نساء میں گزر چکی۔ ۱۲

❷ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ تا تصویر کے معنی میں ہے نہ کہ تعقیب کے لیے کیونکہ ان لوگوں کا اندھا اور بہرا ہونا مقدم ہے ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ سے، بلکہ ملعون ہونا ان احوال پر مرتب ہے۔ ۱۲

رچا دی ہے ❶ ان کے دلوں میں اور دور کی باتیں سمجھائیں کہ جہاد میں جانے سے تو ہوسکتا ہے جلد مرجائیں اور اگر نہ گئے تو دیر تک زندہ رہیں گے خواہ مخواہ جہاد میں جا کر مرجانے سے کیا فائدہ دور دراز کی باتیں اور امیدیں بھی دل میں رچائیں اور دھوکہ میں ڈالا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیز سے نفرت کرتے تھے کہا یعنی یہودیوں سے ہم تمہاری اطاعت کریں گے بعض کاموں میں اگرچہ ہم نے ظاہر میں اسلام کا دعوی کیا ہے لیکن ہم درحقیقت انکے ساتھ نہیں بلکہ دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری موافقت واطاعت کریں گے اگر مسلمان تم پر حملہ کریں گے تو ہم اس وجہ سے کہ ظاہر میں مسلمان ہیں یہ نہیں ہوگا کہ ان کا ساتھ دیتے ہوئے تم سے لڑیں بلکہ ایسی صورت میں کہ تم مسلمانوں سے مقابلہ کرو ہم تمہارا ساتھ دیں گے منافقین یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور اللہ ان کے یہ خفیہ مشورے جانتا ہے یہ منافقین ان خفیہ معاہدوں اور رازدارانہ مشوروں کو یہ خیال کرتے ہیں کہ انکی کسی کو خبر نہیں یہ غلط ہے خدا جانتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ انکی معاندانہ باتیں اور حاسدانہ مکاریاں خدا کو معلوم ہیں اور عنقریب انکے مکروفریب کے تمام حربے طشت از بام کردے گا اور یہ لوگ اپنی ان منافقانہ سازشوں کی سزا اور عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو پھر یہ سوچ لیں کہ کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے انکی جان نکالیں گے اور مارتے جارہے ہوں گے ان کے مونہوں ❷ اور پیٹھ پر تو اس وقت نفاق کا مزہ خوب چکھیں گے یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس نے اللہ کو ناراض کیا اور خدا اس سے بیزار ہے اور پسند نہ کی انہوں نے اللہ کی رضامندی تو انکے سارے کام اکارت کر ڈالے اور جو تدبیریں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی تھیں وہ بھی برباد ہوئیں اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا اس طرح دنیا میں تباہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کو بھی اپنے اوپر مسلط کرلیا۔

اقتدار وحکومت ایمان واخلاص کے بغیر فساد عالم کا باعث ہے

فائدہ:...... آیت مبارکہ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ میں لفظ تولی کا ترجمہ روگردانی سے کیا گیا ہے جیسا کہ بعض ائمہ مفسرین کرام یہی مفہوم ذکر کرتے ہیں تو اعراض وروگردانی کے معنی لینے کی صورت میں ﴿اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد سے عراض وروگردانی کرو گے تو زمین میں فساد برپا ہوجائے گا اور عدل وانصاف قائم نہ رہ سکے گا بلکہ ظلم واستبداد اور حق تلفی وقطع رحمی کا سلسلہ شروع ہوجائے گا اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ درحقیقت دنیا میں قیام امن اور تحفظ حقوق کا ذریعہ ہے اس لئے کہ حقوق انسانی کا تحفظ صرف اللہ کے قانون میں ہے اور جہاد اعلاء کلمۃ اللہ اور دین خداوندی کے قائم کرنے ہی کے واسطے ہوتا ہے اس کے برعکس کفر ہر قسم کی بدامنی ظلم وحق تلفی کا باعث ہے اور آج کی

❶ ﴿الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ میں شیطان کی طرف دو باتوں کی نسبت کی گئی ایک تسویل اور دوسرے املاء، تسویل کے معنی مزین کردینے اور رچا دینے کے ہیں شیطان نے برے اور قابل نفرت کاموں کو مزین کرکے انکے دلوں میں پسندیدہ اور قابل رغبت بنادیا مراد یہ کہ ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور امیدوں میں الجھادیا کہ انکے پورے ہونے کی امید نہیں۔

❷ جیسے کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ یوں تو کفار کی ارواح کے قبض کے وقت جسم کا ایک ایک حصہ کرب وعذاب میں مبتلا ہوگا لیکن اس وجہ سے کہ منافقین نے مونہہ سے جھوٹ بولا تھا مونہوں پر مار پڑتی ہوگی اور اللہ کی اطاعت سے پیٹھ پھیری تھی تو پشت پر فرشتے گرز مارتے ہوں گے۔ ۱۲

دنیا میں یہ بات مشاہدہ اور تجربہ میں بخوبی آ چکی ہے دنیا کے امن وسکون کو تباہ کرنے والی ایٹمی طاقتیں سرزمین کفرہی سے تمام عالم میں پھیل رہی ہیں اوراس امر کا اعتراف ہر صاحب عقل کرنے پر مجبور ہے کہ کفرہی درحقیقت تمام فتنوں کا سرچشمہ اورامن عالم کو تباہ کرنے والا ہے ایک طرف کفرفساد عالم کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف حق تلفی اور ظلم واستبداد کا بھی باعث ہے بعض ائمہ مفسرین نے ﴿اِنْ تَوَلَّیْتُمْ﴾ کا ترجمہ ولایت سے مشتق قرار دیتے ہوئے حکومت وولایت کے حاصل کرنے کا کیا ہے یعنی اگر تم کو حکومت مل جائے"۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا، تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ایسے منافقین جن کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ سے بھی کوئی بات سچی نہیں کرتے اگر حکومت واقتدار حاصل کرلیں تو انجام یہ ہوگا امن عالم کو تباہ کردیں گے اور لوگوں کے حقوق پامال کرتے ہوئے قطع رحمی کرنے لگیں گے حکومت واقتدار کا نشہ بالعموم اعتدال وانصاف کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے دنیا کی حرص، جاہ ومال، نفس پرستی، اغراض وخواہشات کی پیروی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ فتنے اور ہنگامے پھیلتے ہیں، باہمی تعلقات انس ومحبت اوراخوت کی فضا قطعاً ختم ہوجاتی ہے ان تمام برائیوں سے بچانے والی قوت ایمان واخلاص ہے اس لئے اگر حکومت واقتدار ان برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے تو وہ ایمان واخلاص ہی کی وجہ سے ممکن ہوگا ورنہ منافق قسم کے لوگوں کا اقتدار وحکومت عالم کی تباہی ہی کا موجب ہوگی۔ [1]

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ میں یہی ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ فساد فی الارض اور قطع علائق مخلوق خدا کی خدا کی رحمت سے دور اور محروم کردینے والی ہے۔

صلہ رحمی کی تاکید اور معاشرہ میں اس کی آثار وبرکات

تفسیر کے سابق حصوں میں صلہ رحمی کے بارہ میں تفصیل سے کلام کیا جاچکا ہے صلہ رحمی حقوق قرابت کے ادا کرنے کا نام ہے قطع رحمی کرنے والے کتاب اللہ میں بدترین مجرم قرار دیئے گئے اور صلہ رحمی اور حقوق قرابت ادا کرنے والوں کو مفلحین وفائزین میں شمار فرمایا گیا۔

لفظ "رحم" وضع لغت کے لحاظ سے ماں کے پیٹ میں بچہ کے مقام تخلیق کو کہتے ہیں کیونکہ تمام رشتوں اور قرابتوں کا اصل منشاء یہی ہے اس وجہ سے رحم، قرابت کا نام ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [2] کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اس کو اپنے قریب کروں گا اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اس کو اپنے سے قطع اور جدا کردوں گا۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ میں رحمٰن ورحیم ہوں رحم (قرابت) کو میں نے اپنے نام میں سے نکالا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اسکی آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی اس کی سزا جلد از جلد دیتا ہو [3] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس

---

[1] ملاحظہ فرمائیں روح المعانی تفسیر قرطبی اور ابن کثیر ۱۲ منہ

[2] ابن کثیر، جامع ترمذی ابوداؤد۔ ۱۲

[3] ابن کثیر۔ ۱۲

کے رزق اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے اور صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی عزیز و قریب قرابت کا لحاظ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی حق قرابت کی ادائیگی کا معاملہ کیا جائے گا بلکہ صلہ رحمی کی حقیقت وہ ہے جس کو فرمایا گیا لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا۔ یعنی صلہ رحمی کرنیوالا وہ شخص نہیں جو مکافات اور بدلہ کا معاملہ کر رہا ہو، حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع تعلق اور حقوق قرابت کی پامالی کا معاملہ کیا جائے تو یہ صلہ رحمی کرے اور اپنے اوپر جو حق قرابت عائد ہے اس کو ادا کرتا رہے۔

ظاہر ہے کہ معاشرہ میں اگر یہ خوبی عملی طور پر پھیل جائے کہ ہر شخص اپنے حقوق کی وصولی اور مطالبہ کے جذبات وجدوجہد سے بے نیاز ہو کر صرف اسی فکر میں لگ جائے کہ مجھ پر جو حقوق دوسروں کے عائد ہیں جس طرح ممکن ہو اور جو بھی کچھ ہو ادا کروں گا تو بلاشبہ یہ طرز زندگی انسانی حیات اطمینان و راحت اور سکون و عافیت کا گہوارہ بنا دے گا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہ کر دے گا ان کے کینے ف۱ اور اگر ہم چاہیں

کیا خیال رکھتے ہیں؟ جن کے دل میں روگ ہے کہ اللہ نہ کھولے گا ان کے جیوں کے بیر۔ اور اگر ہم چاہیں

لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ

تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے ان کو ان کے چہرہ سے اور آگے پہچان لے گا بات کے ڈھب سے ف۲ اور اللہ کو معلوم ہیں

تجھ کو دکھا دیں ان کو، سو پہچان تو چکا ہے تو ان کے چہرے سے اور آگے پہچان لے گا بات کے ڈھب سے۔ اور اللہ کو معلوم ہیں

اَعْمَالَکُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا

تمہارے سب کام ف۳ اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تاکہ معلوم کرلیں جو تم میں لڑائی کرنے والے ہیں اور قائم رہنے والے ف۴ اور تحقیق کرلیں

تمہارے کام۔ اور البتہ تم کو جانچیں گے تا معلوم کریں جو تم میں لڑائی والے ہیں اور ٹھہرنے والے، اور تحقیق کریں

ف۱ یعنی منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں، کیا یہ خیال ہے کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے؟ اللہ ان کو طشت از بام نہ کرے گا؟ اور مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔

ف۲ یعنی اللہ چاہے تو تمام منافقین کو باشخاصہم معین کر کے آپ کو دکھلا دے اور نام بنام مطلع کر دے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہیں مگر اس کی حکمت بالفعل اس دوٹوک اظہار کو مقتضی نہیں۔ ویسے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے بشرے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لیتے ہیں۔ اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید شناخت ہو جائے گی۔ کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے، جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے منافق کتنی ہی کوشش کرے اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔

(تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "فَلَعَرَفْتَهُمْ" کو "لَوْ نَشَآءُ" کے نیچے نہیں رکھا عامہ مفسرین اس کو "لَوْ نَشَآءُ" کے تحت میں رکھ کر "لَاَرَیْنٰکَهُمْ" پر متفرع کرتے ہیں۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ، پھر تو ان کو پہچان جائے صورت دیکھ کر۔ احقر کے خیال میں مترجم رحمہ اللہ کی تفسیر زیادہ لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا۔ ممکن ہے =

أَخْبَارَكُمْ ۝٣١ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ

تمہاری خبریں ف۱ جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے اور مخالف ہوگئے رسول سے بعد اس کے

تمہاری خبریں۔ جو لوگ منکر ہوئے، اور روکا اللہ کی راہ سے اور خلاف ہوئے رسول سے، پیچھے اس کے

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝٣٢ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

کہ ظاہر ہو چکی ان پر سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام ف۲ اے

کہ کھل چکی ان پر راہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ، اور وہ اکارت کر دے گا ان کے کئے۔ اے

آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝٣٣

ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کیے ہوئے کام ف۳

ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے، اور ضائع مت کرو اپنے کئے۔

تہدید وتحذیر باظہار مکر وتدابیر منافقین ودشمنان اسلام ومساعین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ... الی ... وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں جہاد کے حکم پر منافقین کے بیہودہ رویہ اور طرز عمل کا ذکر تھا اب ان آیات میں انکو مخاطب کرتے ہوئے تنبیہ کی جارہی ہے اور آگاہ کیا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت سے انکی کوئی بھی بات مخفی نہیں ہے اللہ جب چاہے انکے راز فاش کرسکتا ہے انکے نام انکی علامات اور نشانیوں کے ذریعے سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کرسکتا ہے کہ یہ لوگ منافق اور اسلام و مسلمانوں کے دشمن ہیں ساتھ ہی اہل ایمان کو اس پر متوجہ کیا جارہا ہے کہ دشمنان اسلام کے اس رویہ اور طرز عمل سے نہ گھبرائیں بلکہ اس کو ایک طرح سے جہاد کا مرحلہ سمجھتے ہوئے ہمت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کریں اور صبر واستقامت اختیار

= وشناخت "لَحْنِ الْقَوْلِ" اور "سِيمَا" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو۔ یا آیہ ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل وتعیین کے ساتھ مطلع فرمادیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی بندوں سے کوئی بات چھپی رہے، ممکن ہے مگر اللہ کے علم میں تمہارے سب کام ہیں خواہ کھل کر کرو یا چھپا کر۔

ف۴ یعنی جہاد وغیرہ کے احکام سے آزمائش مقصود ہے۔ اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون لوگ اللہ کے راستہ میں لڑنے والے اور شدید ترین امتحانات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں۔

ف۱ یعنی ہر ایک کے ایمان اور اطاعت وانقیاد کا وزن معلوم ہوجائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں عملاً محقق ہوجائیں۔

(تنبیہ) "حتی نعلم الخ" سے جو شبہ حدوث علم کا ہوتا ہے اس کا مفصل جواب" پارہ سیقول" کے شروع ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ﴾ کے حواشی میں ملاحظہ کیا جائے۔

ف۲ یعنی اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کیا نقصان ہے۔ نہ اس کے دین اور پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ قدرت والا ان کے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کردے گا اور سب کوششیں خاک میں ملادے گا۔

ف۳ یعنی جہاد، یا اللہ کی راہ میں اور کوئی محنت وریاضت کرنا اس وقت مقبول ہے جب اللہ ورسول کے حکم کے موافق ہو۔ محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر کام نہ کرو۔ ورنہ ایسا عمل یوں ہی بیکار ضائع جائے گا۔ مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک کام کرچکا یا کر رہا ہے، اس کو کسی صورت سے ضائع ہونے دے۔ نیک کام کو نہ بیچ میں چھوڑو، نہ ریاء ونمود اور اعجاب وغرور وغیرہ سے ان کو برباد کرو۔ بھلا ارتداد کا تو ذکر کیا ہے جو ایک دم تمام اعمال کو حبط کردیتا ہے۔ العیاذ باللہ

کریں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں لگے رہیں اسی میں کامیابی ہے ارشاد فرمایا:

کیا گمان کر لیا ہے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہیں کرے گا انکے کینے اور دل میں چھپے ہوئے وہ جذبات حسد و عناد جو مسلمانوں کے خلاف انکے دلوں میں بھرے ہوئے ہیں، انکو ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ انکو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انکے یہ سارے مکائد اور راز بہت جلد طشت از بام کر دیئے جائیں گے اور امتحان و آزمائش کی ایسی بھٹی میں انکو ڈالے گا کہ کھرا اور کھوٹا الگ ہو جائے گا اور اگر ہم چاہیں تو آپ ﷺ کو دکھلا دیں وہ لوگ اور ان منافقین کو نام بنام آپ ﷺ کے سامنے ظاہر کر دیا جائے لیکن حکمت خداوندی یہ نہیں کہ سب منافقوں کو باشخاصہم آپ ﷺ کو دکھلا دیا جائے ویسے ❶ تو آپ ﷺ انکو پہچان چکے ہیں انکے چہروں کی نشانیوں سے اور آئندہ پہچانیں گے ان کی گفتگو کے انداز سے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے اعمال، انسانوں کی نظروں سے تمہارے اعمال چھپ سکتے ہیں مگر اللہ سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں خواہ کتنے ہی پردوں میں وہ کام کیا جائے اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم معلوم کر لیں دیکھ لیں اور دنیا کی نظروں میں بھی یہ بات لے آئیں کہ کون لوگ تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور تم میں سے کون صابر اور ثابت قدم رہنے والے ہیں اور خوب جانچ لیں، ہم تمہاری خبریں تا کہ ہر ایک کے ایمان و انقیاد اور اطاعت و فرمانبرداری کا حال عملی طور سے ظاہر ہو جائے۔

بے شک جو لوگ منکر ہیں اور انہوں نے اللہ کی راہ سے دوسروں کو بھی روکا اور مخالفت کی اللہ کے رسول کی، بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی ہدایت اور سیدھی راہ ان پر تو ایسے لوگ ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور ضائع کر دے گا اللہ انکے سب کام اور ان کی وہ تمام تر کوششیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے کریں گے وہ سب کوششیں بے کار ہوں گی اور اس سلسلہ میں جو وہ نام و نمود کے طور پر کچھ بہتر کام کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی برباد کر دیگا اس لئے اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور فرمانبرداری کرو اس کے رسول ﷺ کی اور اپنے اعمال باطل نہ کرو کسی قسم کی ریاء اور باطنی کھوٹ کی وجہ سے۔

نفاق کے آثار کا چہرہ اور لب ولہجہ سے نمایاں ہونا

منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ان آیات میں یہ فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو آپ ﷺ کو انکے چہرے دکھا دیں اور معین اشخاص کے ساتھ انکے سامنے آپ ﷺ کو کر دیں مگر یہ بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے اس وجہ سے صرف اتنی ہی بات پر اکتفاء کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ انکے باطنی نفاق کے آثار و نشانات انکے ظاہری اعمال اور احوال میں جانچیں چنانچہ جب بھی اس حیثیت سے دیکھا جائے گا تو وہ پہچان لئے جائیں گے اللہ رب العزت نے مومن کو نور فراست عطا کیا ہے وہ لب ولہجہ اور طرز گفتگو سے پہچان لے گا مخلص و منافق کی بات اور عمل کا رنگ ڈھنگ مختلف ہوتا ہے بعض روایات سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضور ﷺ کو بعض منافقین کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور جس وقت آپ ﷺ کو ان کے ناموں سے آگاہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے انکو اسی وقت نام بنام اپنی مجلس سے پکار کر اٹھا دیا بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ

❶ لفظ "ویسے تو" ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ﴾ میں حرف "فا" کا ترجمہ ہے فا چوں کہ تعقیب کے لئے استعمال کی جاتی ہے اور یہاں بھی جس معرفت کا ذکر ہو رہا ہے وہ ایسی معرفت اور پہچان ہے جو حاصل ہو چکی اس بناء پر "ویسے تو" کا عنوان محاورہ کی رو سے اختیار کیا۔ ۱۲

آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہ ؓ کو کچھ منافقین کے نام بتادیئے اور اسی وجہ سے بعض دفعہ کبار صحابہ ؓ ان سے راستہ میں جب کبھی ملتے تو قسم دے کر پوچھتے کہ تمہیں خدا کی قسم، بتادو کہیں ہمارا نام تو رسول اللہ ﷺ نے منافقین میں نہیں ذکر فرمایا۔

الغرض ابتداء میں تو شخصی طور پر منافقین کو ظاہر و معین نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہی بتایا گیا تھا ﴿وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِي لَحۡنِ الۡقَوۡلِ﴾ لیکن تفسیر درمنثور کی ایک روایت سے جو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے معلوم ہوا کہ بعد میں کچھ منافقین کے نام اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بتادیئے چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم دل اللہ تعالیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد علی المنافقین فکان یدعوا باسم الرجل من اھل النفاق کہ بعد میں اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو جب منافقین کے نام بتادیئے تو آپ ﷺ منافقین میں کسی کا نام لے کر بعنوان منافق پکارا کرتے۔

اور تفسیر روح المعانی میں حضرت انس ؓ سے بیان کیا۔ کان علیہ السلام یعرفھم بسیماھم۔ یعنی نبی کریم ﷺ انکی نشانی سے انکو پہچان لیتے تھے یہاں اس آیت میں ایک پہچان تو سابق بتائی ﴿فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيمٰهُمۡ﴾ اور ایک معرفت و پہچان مستقبل کے بارہ میں فرمائی گئی ﴿وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِي لَحۡنِ الۡقَوۡلِ﴾ کہ لب ولہجہ سے پہچان لیں گے ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں سابق پہچان باطن کے نفاق کا اثر ظاہر میں محسوس ہونا ایک امر ظنی کے درجہ کی چیز ہے اور لحن القول ایک حسی مشاہدہ ہے۔

اور رہا حضرت حذیفہ ؓ کو نام بنام منافقین کا بتادینا تو وہ اشخاص معینہ کی حیثیت سے تھا جن کو گویا بارگاہ رب العالمین سے طے کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہیں انکے علاوہ باقی منافقین کے بارہ میں یہ فرمادیا گیا کہ آپ ﷺ ان کو ان کے لب ولہجہ سے پہچان لیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنۡ سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو اللہ کی راہ سے پر مرگئے اور وہ منکر ہی رہے تو ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ ف۱

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے پھر مر گئے، اور وہ منکر ہی رہے تو ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ۔

لَهُمۡ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدۡعُوۡۤا إِلَى السَّلۡمِ ۖ وَأَنۡتُمُ الۡأَعۡلَوۡنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمۡ وَلَنۡ يَّتِرَكُمۡ

سو تم بودے نہ ہوئے جاؤ اور لگو پکارنے صلح ف۲ اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تم کو تمہارے

سو تم بودے نہ ہوجاؤ اور پکارنے لگو صلح اور تم ہی رہو گے اوپر۔ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تم کو تمہارے

ف۱ یعنی کسی کافر کی اللہ کے ہاں بخشش نہیں۔ خصوصاً ان کافروں کی جو دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ف۲ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سستی اور کم ہمتی نہ دکھلائیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں۔ ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا۔ ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ آگے سورۂ "فتح" میں آتا ہے۔ بہرحال صلح کی بنا اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونی چاہیے۔

اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ

کاموں میں ف۱ یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے، دے گا تم کو تمہارا بدلہ

کاموں میں۔ یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشا۔ اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ چلو گے، دے گا تم کو تمہارے نیگ

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے ف۲ اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں ف۳

اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے۔ اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تنگ کرے تو بخیل ہو جاؤ، اور کھول دے تمہارے دل کی خفگیاں۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ

سنتے ہو تم لوگ تم کو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں ف۴ پھر تم میں کوئی ایسا ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دے گا

سنتے ہو تم لوگ! تم کو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔ پھر تم میں کوئی ہے کہ نہیں دیتا۔ اور جو کوئی نہ دے گا

فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

سو نہ دے گا آپ کو ف۵ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو ف۶ اور اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہارے سوا

سو نہ دے گا آپ کو۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج۔ اور اگر تم پھر جاؤ گے بدل لے گا کوئی لوگ سوا

غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۸

پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے ف۷

تمہارے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے۔

ف۱ یعنی گھبرانے کی کچھ بات نہیں، اگر صبر واستقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخرکار غالب کرے گا اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔

ف۲ یعنی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشا جیسی ہے۔ اگر تم ایمان وتقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشہ سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تم کو اس کا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا۔ اسے کیا حاجت ہے۔ وہ تو خود دینے والا ہے کما قال ﴿وَمَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہ ہے تمام مال اس کا ہے۔ مگر اس کے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے فائدہ کو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ سے) پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سوگنا ہاتھ لگا۔ اس مطلب سے (قرآن کریم میں کئی جگہ) فرمایا ہے کہ اللہ کو قرض دو۔"

ف۳ یعنی اگر اللہ تعالیٰ سختی کے ساتھ کل مال طلب کرنے لگے جو تم کو دے رکھا ہے تو کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہیں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگدلی کا ثبوت دیں گے مال خرچ کرنے کے وقت ان کے دل کی خفگی باہر ظاہر ہو جائے گی۔

ف۴ یعنی ایک حصہ خدا کے دیے ہوئے مال کا اس کے راستہ میں اپنے نفع کی خاطر۔

ف۵ یعنی تمہارا دینا خود اپنے فائدہ کے لیے ہے۔ نہ دو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اللہ کو تمہارے دینے نہ دینے کی کیا پروا۔

ف۶ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی "مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ یا اس کا رسول مانگتا ہے۔ نہیں یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے۔ پھر ایک =

بیان انجام کفر وعناد از اسلام وتلقین صبر واستقامت برائے مومنین مع بشارت غلبہ وکامیابی حق

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ... الى... لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم﴾

ربط:...... اس سے قبل بیان چل رہا تھا کہ منافقین کا نفاق چھپا نہیں رہ سکتا اور انکی سازشیں بھی مخفی نہیں رہ سکتیں نفاق اور ان منافقین کی سازشیں اور مکروفریب سب کچھ طشت از بام کردیا جائے گا اب ان آیات میں منکروں اور اسلام کے دشمنوں کا انجام بد بیان کیا جارہا ہے کہ ان کے واسطے دنیا میں بھی ہلاکت ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو صبر واستقامت کی تلقین فرماتے ہوئے غلبہ وکامیابی کی بشارت سنائی جارہی ہے اور یہ بتا جارہا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح ونصرت کس بنیاد پر قائم ہے انکو چاہئے کہ دنیا اور دنیا کی زیب وزینت اور دھوکہ میں نہ پڑیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد میں معروف رہیں اور کسی قسم کی بھی جانی اور مالی قربانی سے کوئی دریغ نہ کریں جو کچھ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے لوٹ کر اس کا فائدہ تصور سے بھی بالا وبرتر ان ہی کو پہنچے گا اور اگر مال ودولت کی محبت میں بخل کریں گے اس کے نقصانات انہی کو برداشت کرنے پڑیں گے۔

ارشاد فرمایا بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے دوسروں کو روکا پھر وہ مرگئے اسی حالت پر کہ وہ کافر ہی رہے تو اللہ تعالیٰ انکو ہرگز نہیں بخشے گا اس لئے کہ کفر وشرک کی اللہ کے یہاں کوئی معافی اور مغفرت نہیں، بالخصوص جب کہ یہ کافر بھی رہے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے رہے۔

کافر چونکہ اسلام کا دشمن ہے اور دشمن اپنی ہر طاقت اور تدبیر بروئے کار لایا کرتا ہے غلبہ حاصل کرنے کیلئے تو یقیناً وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست کمزور اور کم ہمت نہ بنیں اس لئے اے مسلمانو! تم کمزور اور بودے نہ بنو اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر تم پکارنے لگو صلح کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی کمزوری کی وجہ سے انکے غلبہ اور تسلط کو مان لو گے اور پھر ایسی صورت میں نہ کبھی تم کافروں سے جہاد کرسکو گے

= کے ہزار ہزار پاؤ گے۔ ورنہ اللہ کو اور اس کے رسول کو کیا پڑا ہے۔

ف یعنی اللہ تعالیٰ جس حکمت ومصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل ہونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کیجیے تم اگر بخل کرو اور اس کے حکم سے روگردانی کرو گے وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کردے گا۔ جو تمہاری طرح بخیل نہ ہوگی بلکہ نہایت فراخ دلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی راہ میں خرچ کرے گی۔ بہرکیف اللہ کی حکمت ومصلحت تو پوری ہو کر رہے گی۔ ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔ حدیث میں ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اس کی قوم" اور فرمایا "خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔" الحمدللہ! صحابہ رضوان اللہ عنہم نے اس بینظیر ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پر کرسکتی تھی۔ ہزار ہا علماء وائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وجود ہی اس پیشین گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے۔ بلکہ اس بشارت عظمیٰ کا کامل اور اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاء۔ تم سورة "محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتوفیقہ واعانتہ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔"

اور نہ کفر کی قوت وشوکت کو توڑ سکو گے اور جب کفر کی قوت وشوکت نہ ٹوٹ سکے گی تو پھر ایمان وہدایت عالم میں کس طرح پھیلے گی اور اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبہ دین اسلام کیونکر ہو سکے گا۔

تو اے مسلمانو! تم ہرگز نہ گھبراؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اگر تم صبر واستقلال کے ساتھ احکام خداوندی پر ثابت قدم رہے تو اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور ہرگز بھی وہ پروردگار تمہارے کاموں میں کوئی نقصان نہ ہونے دے گا تم مطمئن رہو جب وہ تمہارے ساتھ ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم مغلوب ہو جاؤ اور تمہاری کوششیں کامیاب نہ ہوں اس لئے گھبرا کر کافروں کیساتھ بغیر جہاد وقتال کے صلح کی طرف مائل نہ ہوں ہاں اگر کسی وقت اسلام کی مصلحت اور مسلمانوں کی بھلائی مصالحت میں نظر آئی تو اس پر وحی الٰہی سے تم کو مطلع کر دیا جائے گا اور اس میں پھر مضائقہ نہ ہوگا جیسے کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور اس پر مصالحت نہ ہونے کی صورت میں جو عظیم خطرات ونقصانات تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بچانے کے لئے صلح کر لینے کی اجازت دی جبکہ پہلے متعدد غزوات ہو چکے تھے اور کافروں کو مسلمانوں کی قوت وہمت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

رہا ہر مقابلہ اور جہاد کی صورت پیش آنے پر صلح کی پیش کش کرنا اور عملاً جہاد کی کوششوں سے گریز کرنا دنیوی حیات کے مرغوب ہونے آثار میں سے معلوم ہوتا ہے تو اس کے لئے یہ بات [illegible] کی تہ ائیوں میں رچی رہنی چاہئے بس دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور تقویٰ اختیار [1] کرو گے تو وہ پروردگار تمہارے اجر تم کو دے گا اور وہ نہیں مانگتا تمہارے مال اپنے کسی فائدہ کے لیے بلکہ یہ جو کچھ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے اول تو مال میں سے بہت ہی معمولی مقدار کا ہے یہ نہیں کہ سارا مال تم سے طلب کیا جا رہا ہے اور پھر جو تھوڑا بہت مانگا جاتا ہے اس کے اجور اور بدلے دنیا اور آخرت میں تم ہی کو لوٹا دیئے جاتے ہیں۔

اگر وہ سوال کرے تم سے تمہارے سارے مال کا جو تم کو دے رکھا ہے جس کا اس کو حق ہے پھر تم کو تنگ کرے اور مجبور کیا جائے کہ کل مال ہی دینا ضروری ہے تو تم بخل کرنے لگو گے اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کر دے مال کی محبت تنگ دلی اور بخل جو انسان کی فطری کمزوری سے اس کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے تو کل مال طلب کرنے میں بہت سے لوگوں کے یہ مخفی عیب ظاہر ہوتے صرف چند ہی باکمال مردان خدا ایسے ہوتے جو اپنا سب کچھ سمیٹ کر لے آتے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ دیتے جو کچھ تھا سب لے آیا اور گھر والوں کے واسطے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں اس لئے اللہ کا یہ کس قدر احسان عظیم ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ جو درحقیقت خود انسانوں کے واسطے باعث

[1] استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں آیت ﴿وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا﴾ کی تفسیر میں یعنی اگر تم ایمان وتقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشے سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا اسے کیا حاجت ہے وہ تو خود دینے والا ہے کما قال تعالیٰ ﴿مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ﴾ اور اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے تمام مال اسی کا ہے مگر اس کے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو تمام مال خرچ کرنے کو نہیں بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدہ کو ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیئے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ سے) پیشہ خرچ کرنا پڑا پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سو سو گنا ہاتھ لگا اسی مطلب سے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ کو قرض دو"۔ انتہی کلامہ۔

خیر وفلاح اور برکت ہے اس میں صرف تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہے اور اس صورت سے انکی کوتاہیوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرمانے والا ہو خبردار ہو جاؤ تم ایسے ہو کہ تم کو جب دعوت دی جاتی ہے اس بات کیلئے کہ تم خرچ کرو اللہ کی راہ میں تو کچھ لوگ تم میں سے وہ ہوتے ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو شخص بھی بخل کرے گا وہ حقیقت میں اپنے ہی لئے بخل کر رہا ہے اس لئے کہ اس بخل کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا اور جو برکات وفوائد انفاق فی سبیل اللہ پر مرتب ہوتے ان سے اپنے آپ ہی کو محروم کر دینے والا ہوگا اور اللہ تو بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ کسی کے خرچ کا وہ محتاج ہے اور تم ہی تو محتاج ہو اللہ رب العزت کے حق کہ تم اپنے وجود اور بقاء حیات میں سراپا احتیاج ہو اور ایک لحمہ کے لیے بھی خدا سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔

اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ ایک دوسری قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا اور وہ پھر تمہاری طرح نہ ہوں گے کہ احکام خداوندی کی فرمانبرداری میں پس وپیش کریں اور مال ودولت کی محبت میں اور انفاق فی سبیل اللہ کا فرض انجام دینے میں کوتاہی کریں خدا کا دین کسی جماعت پر موقوف نہیں کہ بس وہی دین خدا کی حفاظت واعانت کر سکتے ہیں انکے سوا اور کوئی یہ کام انجام نہیں دے سکتا یہ خیال باطل ہے وہ اپنی حکمت سے جس قوم اور طبقہ کو چاہے اقامۃ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے منتخب کر لے ﴿اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود بابرکت کے لئے قرآنی بشارت

﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ کا خطاب درحقیقت ان قاصرین وضعفاء کے لیے تنبیہ وتہدید ہے جو اپنی فطری کمزوریوں یا حالات اور دیگر مصالح کے پیش نظر جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا مقدس فرض ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی برتیں اور حب مال کے باعث خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کریں تو ان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ خدا کو تم جیسوں کی اعانت اور مدد کی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے اور تم ہی سراپا محتاج ہو اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آؤ گے تو خداوند عالم تم جیسے گروہ کی جگہ اور کوئی گروہ اور جماعت لے آئے گا اور پھر وہ اپنے جان ومال اور علمی وعملی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں سے اللہ کا دین قائم کرنے میں مصروف ہو جائیں گے وہ نہایت فراخ دلی سے اللہ کے احکام کی تعمیل کریں گے اور بے دریغ اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔

حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دوسری قوم کون سی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا[1] "اسکی قوم" اور فرمایا "خدا کی قسم ایمان اگر ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ اس کو وہاں سے بھی اتار لائیں گے"۔ الحمد للہ کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

[1] ایک اور روایت ہے کہ انکی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ ۱۲

نے اس بے مثال ایثار اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور علمی و دینی ایسی زبردست خدمات سرانجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضور ﷺ کی پیش گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پر کرسکتی تھی۔

ہزار علماء وائمہ سے قطع نظر کرکے تنہا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وجود ہی اس پیش گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے بلکہ اس بشارت عظمی کے کامل اور اولین مصداق امام صاحب رحمہ اللہ ہی ہیں رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مناقب ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جو کتاب لکھی اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور انکے اصحاب ہیں کیونکہ آبنائے فارس میں کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچ سکی جس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور انکے اصحاب پہنچے اور یہ حقیقت ہے کہ فقہ حنفی پر نظر کرنے والا شخص یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا کہ واقعی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دلائل فقہیہ اور استنباط احکام میں آسمان کے تارے توڑ کر لائے ہیں۔

الحمدللہ تم تفسیر سورۃ محمد صباح یوم الجمعۃ ۵ ربیع الاول ۱۴۰۳ ھجری وللہ الحمد والمنۃ۔

تفسیر سورۃ الفتح

سورۃ الفتح کا مقام نزول

سورۃ فتح مدنی سورت ہے جس کی انتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے اگرچہ یہ نقل کیا گیا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی لیکن تاریخی روایات واحادیث کثرت سے اسکی تصریح کررہی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ذی قعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام سے واپس ہوئے تو یہ دوران سفر نازل ہوئی خاص مدینہ میں نزول نہیں ہوا یہی روایت صحیح ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں یہی بیان کیا، ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے ائمہ محدثین کی ایک جماعت مثلاً ابوداؤد ونسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ جب ذی القعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ سے واپس ہورہے تھے قریش مکہ سے مصالحت ومعاہدہ کرنے کے بعد تو آنحضرت ﷺ پر آثار وحی شروع ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ رب العزت نے آج کی رات مجھ پر ایک سورت نازل فرمائی ہے جو مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے اور وہ سورۃ ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا﴾ ہے امام احمد رحمہ اللہ بروایت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت یہ سورت مقام کراع الغمیم کے نزدیک نازل ہوئی جسکو آپ ﷺ نے اپنی ناقہ پر سوار چلتے چلتے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلاوت کرکے سنایا، طبقات ابن سعد میں مقام نزول ضجنان پہاڑ بتایا ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑ کا نام ہے بہرکیف ان جملہ نقول اور روایات سے یہی ثابت ہے کہ سورۃ فتح حدیبیہ سے واپسی پر دوران سفر نازل ہوئی ہے مگر چونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک سورتوں اور آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا یہی ضابطہ ٹھہرا ہے کہ قبل از ہجرت جو آیات وسورتیں اتریں وہ مکیہ ہیں اور

جو بعد ہجرت کے نازل ہوئیں وہ مدنیہ ہیں خواہ ہو کسی جگہ بھی اتری ہوں حتی کہ حجۃ الوداع میں عرفات میں نازل ہونے والی آیت بھی مدنیہ ہوگی۔

گزشتہ سورۃ محمد ﷺ کا مضمون کافروں اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کا تھا جس میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کے مکروفریب اور ان کی ذلت وناکامی کا بیان تھا تو اب اس کے بالمقابل اس سورت فتح میں مسلمانوں کے غلبہ اور کامیابی کا ذکر اور فتح مبین کی بشارت ہے اور اہل ایمان واخلاص کے اوصاف اور نشانیوں کو بیان کیا جارہا ہے اور اخیر میں جو طبقہ اسلام کا دعوی کرنے کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قدم نہیں اٹھاتا جہاد کا عزم اور ہمت نہیں کرتا تو انکو دھمکی دی گئی تھی ﴿وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ﴾۔ تو اب اس سورت میں ان تمام احوال اور اوصاف کے متبادل چیز سامنے رکھ دی گئی اگر پہلے مغلوبی ہے خدا اس کو فتح وکامیابی سے بدل رہا ہے اگر ایک قوم ضعف ایمان یا نفاق کی وجہ سے اللہ رب العزت کے دین کی حفاظت نہیں کر سکی تو کوئی حرج نہیں خدا نے ان کے بدلے ایسے مخلصین ومومنین اور جانثاروں کا گروہ پیدا فرمادیا ہے کہ انکے ایمان واخلاص اور تقویٰ کی برکتوں سے فتوحات اور حق تعالیٰ شانہ کی عنایات مسلمانوں کا دروازہ کھٹکھٹارہی تھیں اور یہی واقعہ فتح عظیم کا ذریعہ اور اشاعت اسلام کا وسیلہ بنا اور اس فتح کے ذریعہ سے قوم منافقین کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے مخلصین ومومنین کی جماعت عطا فرمائی اور مکہ دار الکفر سے دار الایمان ہوگیا تو ان وجوہ سے سورۃ فتح کے مضامین ﴿يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ﴾ کی بشارت اور اعلان کی پوری پوری تصویر ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب جبرئیل امین علیہ السلام یہ سورت لے کر اترے تو آنحضرت ﷺ کو مبارک باد دی جبرائیل علیہ السلام کے پیغام تہنیت پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مبارک باد دی اور یہ بشارت سنائی (طبقات ابن سعد بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ سورت رمضان المبارک کی پہلی رات میں پڑھے گا تو تمام سال خیر وبرکت اور عافیت اس کے واسطے قائم رہے گی۔

مقاصد سورۃ الفتح

سورۃ فتح اپنے نام اور اپنے آغاز عنوان سے ہی فتح مبین کا پیغام ہے اور تہنیت ہے حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تمام اہل ایمان کے لئے اس سورۃ مبارکہ کے اہم مقاصد میں سے اس معاہدہ کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے پایا یہی معاہدہ اسلام کی اشاعت تبلیغ اور دین کی برتری اور غلبہ کا سبب بنا اور مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا جس پر ﴿يَدۡخُلُوۡنَ فِيۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا﴾ کی بشارت مکمل ہوئی نیز اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا کہ ایمان وتقویٰ مومن کو کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور مومنین کس جانثاری کے جذبہ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

نیز بیعت الرضوان جیسے عظیم واقعہ کا ذکر ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد کرنے والے ہیں انکا کیسا عظیم مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکو اپنی رضامندی کی بشارت دنیا ہی میں سنا دی اسی کے ساتھ اس سورت کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ جہاد سے پہلو تہی کرنا اور لغو ومہمل اعذار پیش کر کے خود گھروں میں

بیٹھے رہنا درحقیقت خود اپنے آپ کو ہلاکت اور ذلت میں ڈالنا ہے۔

اہل ایمان کے انقیاد و اطاعت کا ذکر ہے حضرات صحابہ کرام ﷢ کو فضائل وکمالات حضور اکرم ﷺ کی محبت اور شرف صحبت کی برکت سے حاصل ہوئے اور یہ کہ دراصل وہی کمالات انسانی عظمتوں کے حامل ہیں تو یہ سورت مبارکہ ان بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے۔

اہل حدیبیہ اور حضرات صحابہ کرام ﷢ کے جو فضائل بیان فرمائے گئے ظاہر ہے کہ ان میں خلفائے راشدین ﷢ بدرجہ اتم شامل ہیں بہرکیف اس سورت میں زیادہ تر مقصود دو چیزوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ جو صحابہ کرام ﷢ اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے انکی جانثاری کی قدر افزائی کی جائے اور مغلوبانہ صلح کی وجہ سے جو ان کے دل زخمی ہو رہے تھے ان پر مرہم رکھا جائے اسی وجہ سے خاص طور پر اہل حدیبیہ کو مخاطب بنایا گیا اور ان ہی کو بشارتیں سنائی گئیں۔

دوسرا مقصود یہ ہے کہ جن اعراب نے اس سفر میں آپ ﷺ کی معیت اور مرافقت سے پہلو تہی کی تھی ان کو تنبیہ وتہدید کی جائے۔

مقصود اول یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی کے لئے طرح طرح کے عنوان اختیار فرمائے کہیں ان سے فتح ونصرت کے وعدے فرمائے اور کہیں بیعت کے فضائل بیان کئے اور اپنی خوشنودی کی بشارت سنائی کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی کہیں ان کو غنیمتوں کا مژدہ سنایا اور خیبر کی غنیمتوں کو ان کے واسطے مختص کر دیا اور کہیں ان کو نزول سکینہ سے سرفراز فرمایا، اس سورت میں تین جگہ نزول سکینہ کا ذکر فرمایا اور سکینہ بقول امام شافعی ﷫ اطمینان وسکون قلب کا نام ہے جو ایمان کی آخری منزل ہے جس کے بعد استقلال واستقامت کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا اور یہ سکینت وہ نعمت ہے جو پیغمبران خدا اور خاصان خدا پر نازل ہوتی ہے کہیں یہ فرمایا کہ وصف تقویٰ کو اصحاب حدیبیہ کے لئے لازم کر دیا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ اور لازم اسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ملزوم سے جدا ہونا محال ہو تو معلوم ہوا کہ ان حضرات سے وصف تقویٰ کا جدا ہونا محال ہے پھر یہ فرمانا کہ ﴿وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ مزید اکرام واعزاز ہے کہ یہ حضرات ہی درحقیقت اس کے مستحق تھے اور اس پر مہر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ فرما کر لگا دی کہ جیسے اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کی رسالت کے لائق کون ہے اسی طرح اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون لوگ ان بشارتوں کے مستحق اور لائق ہیں۔

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے میں نے ان آیات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرات شیعہ بتلائیں کہ جب خدا ان سے راضی ہو گیا اور صفت تقویٰ کو انکے واسطے لازم کر دیا تو اب عصمت میں کیا کسر باقی رہ گئی شیعوں کو اگر ایسی کوئی آیت اپنے ائمہ کے متعلق مل جاتی تو نہ معلوم کیا کچھ کرتے آسمان وزمین سر پر اٹھا لیتے۔

مقصود دوم یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب ومنافقین کی تہدید وتنبیہ! تو وہ بھی اس سورت میں بحد کمال فرما دی گئی، حتیٰ کہ ان کے دل میں چھپے ہوئے خیالات اور بیہودہ آرزوؤں اور باطل منصوبوں کو ظاہر کر کے ان کو قیامت تک کے واسطے تمام عالم میں شرمندہ کیا اور خیبر کی غنیمتوں سے محروم کر دیئے گئے۔

واقعہ حدیبیہ اور فتح مبین

عمرہ حدیبیہ اور واقعۃ الحدیبیہ کے نام سے یہ قصہ معروف ہے جس کی تفصیل احادیث میں ہے سورۃ فتح دراصل عمرہ حدیبیہ کے ضمن میں پیش آنے والے واقعہ صلح اور معاہدہ کے اسرار اور حکمتوں پر مشتمل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس معاہدہ میں کیا انعامات فرمائے اور اپنی قدرت وحکمت سے اس معاہدہ کو فتح مبین بنایا۔

واقعہ حدیبیہ متعدد واقعات کا مجموعہ ہے جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ فتح کا مفہوم کسی بند چیز کو کھول دینا ہے تو صلح حدیبیہ کے ذریعہ اسلام کی ترقی اور فتوحات کے لیے جو دروازے بند تھے وہ کھل گئے اس بناء پر یہ صلح ہی اللہ کے کلام میں فتح مبین کے عنوان سے تعبیر کی گئی حتیٰ کہ بعض صحابہ ؓ تو فتح مکہ کی بجائے صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین کا مصداق کہا کرتے تھے جیسے کہ ابن مسعود ؓ سے مروی ہے فرمایا اے لوگو! تم تو فتح، فتح مکہ کو شمار کرتے ہو اور ہم تو صلح حدیبیہ کو ہی فتح سمجھتے ہیں [1] اسی طرح حضرت جابر ؓ اور براء بن عازب ؓ بھی کہا کرتے تھے اور حضرت براء بن عازب ؓ یہ بھی فرماتے تھے ہم تو بیعت الرضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔

واقعہ حدیبیہ احادیث میں جس طرح ذکر فرمایا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ۶ ہجری کی ابتداء میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور آپ ﷺ نے عمرہ کیا کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے سر کے بال کم کرائے آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ ؓ سے بیان کیا آپ ﷺ نے اس خواب کو بیان فرماتے ہوئے کوئی مدت متعین نہیں فرمائی تھی کہ کون سے سال کے بارہ میں دیکھا ہے کہ عمرہ کر کے واپس ہو رہے ہیں مگر شدت شوق میں یہی خیال کیا کہ اسی سال عمرہ اور حرم مکہ میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور آپ ﷺ نے بھی یہی قصد فرمایا کہ عمرہ کے لئے روانگی ہو جائے تو چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ ؓ کی جماعت لے کر آپ ﷺ ذی قعدہ ۶ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ہدی (قربانی کا جانور) بھی آپ ﷺ نے ساتھ لے لی جو حرم میں ذبح کیا جائے قریش مکہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اہل مکہ کو جمع کیا اور یہ طے کیا کہ کسی طرح بھی آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے حالانکہ خود قریش کے لوگ حرم بیت اللہ کا بہت احترام کرتے تھے اور یہ جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کسی کو بھی بیت اللہ کے طواف اور عمرہ سے روکا جائے حتیٰ کہ دشمن کو بھی نہ روکتے تھے مقام حدیبیہ پہنچ کر آپ ﷺ کی ناقہ بیٹھنے لگی لوگ اس کو چوکا مارتے اور کوشش کرتے کہ یہ اٹھ کر چلنے لگے مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی آپ ﷺ نے فرمایا، حبسھا حابس الفیل کہ اس اونٹنی کو اسی ذات نے روک دیا ہے جو ہاتھیوں کو روکنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے یہ ناقہ رکی ہے اور آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ ہو تو میں ضرور اس کو منظور کرلوں گا کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ اس مرحلہ پر ضرور اہل مکہ کچھ نہ کچھ باتیں اپنی منوائیں گے اور دباؤ بھی ڈالیں گے الغرض آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا اسی کو

---

[1] صحیح بخاری جلد دوئم۔

آج کل ''شمسیہ'' کہتے ہیں آپ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف قاصد روانہ فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں ہم کو مکہ میں آنے دو ہم عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے قریش مکہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انتظار کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہی پیغام دیکر بھیجا اور ساتھ ہی ان مظلوم اور مغلوب مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو کفار مکہ کی قید و بند میں تھے یہ بشارت بھی بھیجی کہ عنقریب اللہ کے فضل سے اسلام کا غلبہ ہوگا اور مکہ میں کامیابی اور غلبہ کے ساتھ اسلام داخل ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی میں دیر ہوئی کفار مکہ نے ان کو روک لیا ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے اس وقت آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب لڑائی اور مقابلہ کی نوبت آئے گی تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیعت کی دعوت دی کہ آپ ﷺ کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کریں۔

قریش مکہ کو جب معلوم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا اور کچھ رؤساء مکہ کا وفد آپ ﷺ کے پاس صلح کی غرض سے آیا اور گفتگو کے بعد صلح نامہ تحریر کر کے اس پر طرفین کے دستخطوں کا معاملہ طے پایا شرائط صلح کے بارے میں باہم بحث و تمحیص بھی ہوئی اور بعض شرائط صلح بھی مسلمانوں کو اپنی مغلوبی اور پستی کا احساس ہو کر جوش اور ولولہ بھی آرہا تھا، لیکن حضور ﷺ نے بوحی الٰہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی دی اور فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ان باتوں کو مان لو آپ ﷺ کے فرمانے پر مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے وہ شرائط صلح مان لیں اور صلح نامہ تیار ہوگیا کفار کی طرف سے شرائط صلح میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال غیر مسلح حالت میں آ کر عمرہ کرلیں اور فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر کسی قسم کا حملہ اور جنگی اقدام نہ کریں گے اور اس مدت میں اگر کوئی مرد اہل مکہ میں سے آپ ﷺ کے پاس مدینہ چلا جائے خواہ وہ مرد مسلمان ہی ہو تو آپ ﷺ اس کو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر کوئی آپ ﷺ لوگوں میں سے مکہ واپس آجائے گا تو ہم اس کو واپس نہ کریں گے اس آخری شرط پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافی تشویش تھی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بار بار یہ کہتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ ہم یہ ذلت اسلام میں کیوں قبول کریں مگر بمصلحت آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اس کو بھی مان لو، اور نہایت ہی حکیمانہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بدنصیب ہمارے میں سے دارالکفر آنا چاہتا ہے تو آنے دو ایسے کی ہمیں کیا ضرورت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کرنے کا ارادہ کیا ہو یعنی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں میں جانا چاہتا ہے تو جانے دو ایسے بدبخت کی ہمیں کیا پرواہ ہے اور اگر کوئی مسلمان کفار کی قید و بند میں ہوگا اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے واسطے راستہ خلاصی کا پیدا فرمادے گا۔

یہ حکیمانہ بات سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل مطمئن ہوگئے صلح کا تمام معاملہ طے ہوگیا دستخط ہوگئے اور آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں (کیونکہ وہ حصہ حرم میں داخل تھا) ہدی کا جانور ذبح کیا اور احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے اور راستہ ہی میں مقام کراع الغمیم یا ضجنان پر یہ سورت فتح نازل ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ نے ۷ ہجری کے اوائل میں خیبر فتح کیا جو مدینہ منورہ کے شمال کی جانب واقع ہے یہود کا بڑا عظیم مرکز تھا خیبر پر حملہ میں صرف وہی چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم

تھے جو حدیبیہ کی بیعت الرضوان میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے پھر حسب معاہدہ ۷ ہجری ذی قعدہ عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا عہد نامہ میں دس سال تک باہم لڑائیوں کا سلسلہ بند کر دینے کا معاہدہ تھا لیکن قریش مکہ نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نقض عہد کیا تو آنحضرت ﷺ نے ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف فوج کشی فرمائی اور رمضان المبارک میں اس کو فتح فرمایا تو حق تعالیٰ شانہ نے حدیبیہ میں جو بشارت فتح نازل فرمائی تھی وہ پوری ہوگئی۔

تفصیلات کتب سیرت سے ملاحظہ فرمائیں۔

معاہدہ حدیبیہ اسلام کی عزت وسربلندی اور فتح عظیم

معاہدوں کی نزاکت بڑی ہی اہم ہوتی ہے، قوموں کے درمیان معاہدوں میں بسا اوقات طبعی جذبات اور قومی عظمت ووقار کا مسئلہ بڑی ہی رکاوٹوں کا باعث ہوتا ہے اور پھر یہ کہ معاہدے صرف کسی موجودہ معاملہ اور وقتی مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے نہیں ہوا کرتے بلکہ ایک طویل مستقبل کے مقاصد اور نشیب وفراز اور عواقب ونتائج پر نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پائیدار عظمت وعزت اور اصل مقصد کی کامیابی کس صورت میں ہے اگر وقتی طور پر کوئی بات ظاہری مغلوبی اور پستی کی ایسی مان لیجائے جس میں آئندہ کی عظمتیں اور غلبہ وکامیابی مضمر ہو تو بصیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ وقتی عزت وسربلندی یا اپنی بات رہ جانے کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ کر حقیقی عزت اور غلبہ کی جانب کو ترجیح دی جائے معاہدۂ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی معجزانہ تدبیر، بے پناہ بصیرت وعواقب پر صحیح نظر اور اس کے واسطے بہترین فیصلہ پھر یہ کہ طبعی جذبات پر قابو رکھنا صبر واستقامت جیسے اوصاف واضح طور پر نمایاں ہیں۔

شیخ الاسلام استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں ان ہی کے کلمات میں ملاحظہ فرمایئے۔

''حدیبیہ'' کی صلح بظاہر ذلت ومغلوبی کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور انکے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا مگر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ان احوال ونتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا آپ ﷺ بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ انکی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ ورسولہ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام ''فتح مبین'' رکھا لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں یہ بہت بڑی فتح ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا

مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر انکے بیہودہ مطالبات پر قطعا برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد ورحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ ﷺ کے حق میں بیشمار فتوحات ظاہری وباطنی کا دروازہ کھولتی ہے اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال واطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریبا دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے نامور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانثار تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس وبنیاد اور زرین دیباچہ کے تھی اور اس تحمل وتوکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوئی جن علوم ومعارف قدسیہ اور باطنی مقامات ومراتب کا فتح باب ہوا ہو گا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے یعنی جس طرح سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز واکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز غفران الذنوب ہے، (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ ﷺ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی اور بندہ کے لیے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ تو آپ ﷺ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا، فرماتے، افلا اکون عبدا شکورا (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب

خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آ چکی ہے) بجز انکے اور کسی کا یہ کام نہیں۔

(کذافی الفوائد العثمانیہ)

۴۸ سُوۡرَةُ الفَتۡح مَدَنِیَّةٌ ۱۱۱ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — ایاتہا ۲۹ رکوعاتہا ۴

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ① لِّیَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ

ف۱ ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے ف۲ اور پورا کر دے تجھ پر

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے، صریح فیصلہ۔ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے، اور پورا کرے تجھ پر

ف۱ اس سورت کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ بغرض سہولت فہم ان کو مختصراً یہاں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیان فرمایا گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی، مگر شدت اشتیاق سے اکثروں کا خیال اس طرف گیا کہ امسال عمرہ میسر ہوگا اتفاقاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد بھی عمرہ کا ہو گیا۔ (ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور "ہدی" بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ حالانکہ ان کے ہاں حج وعمرہ سے دشمن کو بھی روکا نہیں جاتا تھا۔ بہرحال "حدیبیہ" پہنچ کر جو مکہ سے قریب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ" اور فرمایا کہ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کروں گا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا (اسی مقام کو آجکل "شمسیہ" کہتے ہیں) (ج) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، ہم کو آنے دو، عمرہ کر کے چلے جائیں گے جب اس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو وہی پیغام دے کر بھیجا اور بعض مسلمان مرد وعورت جو مکہ میں مغلوب ومظلوم تھے ان کو بشارت پہنچائی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے روک لیا۔ ان کی واپسی میں جو دیر لگی یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہو جائے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا (د) پھر مکہ کے چند رؤساء بغرض صلح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا۔ اس سلسلہ میں بعض امور پر بحث وتکرار بھی ہوئی اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے۔ لیکن آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمالیں اور مسلمانوں نے بھی بے انتہا ضبط وتحمل سے کام لیا اور صلح نامہ تیار ہو گیا جس میں ایک شرط کفار کی طرف سے یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس چلے جائیے اور سال آئندہ غیر مسلح آ کر عمرہ کر لیجیے۔ اور یہ کہ فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہوگی۔ اس مدت میں جو ہمارے ہاں سے تمہارے پاس جائے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس نہ رکھیں۔ اور جو تمہارا آدمی ہمارے ہاں آئے گا ہم واپس نہ کریں گے۔ صلح کا تمام معاملہ طے ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حدیبیہ" میں ہی ہدی کا جانور ذبح کیا اور حلق وقصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (ہ) راستہ میں یہ سورت (الفتح) نازل ہوئی۔ اور یہ سب واقعہ اواخر ۶ھ میں پیش آیا (و) حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر اوائل ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیبر" فتح کیا جو مدینہ سے شمالی جانب چار منزل پر شام کی سمت یہود کا ایک شہر تھا۔ اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ شریک نہ تھا جو "حدیبیہ" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ (ز) سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معاہدہ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔ (ح) عہد نامہ میں جو دس سال تک لڑائی بند رکھنے کی شرط تھی قریش نے نقض عہد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور رمضان ۸ھ میں اس کو فتح کر لیا۔

ف۲ "حدیبیہ" کی صلح بظاہر ذلت ومغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے۔ کیوں تمام مزاحمات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم =

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳

اپنا احسان ف۱ اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ ف۲ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد ف۳

اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ۔ اور مدد کرے تجھ کو اللہ زبردست مدد۔

=کی آنکھیں ان احوال ونتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لیے کھول دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" کہہ کر تسلی دیتے رہے۔ یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ تا آنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام "فتح مبین" رکھا لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں بہت بڑی فتح۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بیہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا۔ یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد ورحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی وروحانی طاقت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے۔ گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام "فتح مبین" رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیشمار فتوحات ظاہری وباطنی کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا۔ کفار، مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال واطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صلح "حدیبیہ" سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے نامور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے۔ یہ جسموں کو نہیں، دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی۔ اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لیے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا۔ "حدیبیہ" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانباز تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار لشکر جرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر، بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لیے صلح حدیبیہ بطور اساس وبنیاد اور زریں دیباچہ کے تھی۔ اور اس تحمل وتوکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی، جن علوم ومعارف قدسیہ اور باطنی مقامات ومراتب کا فتح باب ہوا ہو گا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے یہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے یعنی جیسے سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز واکرام سے نوازتے ہیں، خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا۔ جن میں پہلی چیز غفران ذنوب ہے (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے اور کسی بندہ کے لیے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا صحابہ عرض کرتے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو آپ رضی اللہ عنہم کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا۔ فرماتے۔ "اَفَلَآ اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا" (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے۔ اللہ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آ چکی ہے (بجز ان کے اور کسی کا یہ کام نہیں)۔

ف۱ یعنی صرف تقصیرات سے درگزر نہیں بلکہ جو کچھ ظاہری وباطنی اور مادی وروحی انعام واحسان اب تک ہو چکے ہیں ان کی پوری تکمیل وتتمیم کی جائے گی۔

ف۲ یعنی تجھ کو ہدایت واستقامت کی سیدھی راہ پر ہمیشہ قائم رکھے گا۔ معرفت وشہود کے غیر محدود مراتب پر فائز ہونے اور ابدان وقلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنے کی راہ میں تیرے لیے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی۔ لوگ جوق درجوق تیری ہدایت سے اسلام کے سیدھے راستہ پر آئیں گے۔ اور اس طرح تیرے اجور وحسنات کے ذخیرہ میں بیشمار اضافہ ہو گا۔

ف۳ یعنی اللہ کی ایسی مدد آئیگی جسے کوئی نہ روک سکے گا نہ دبا سکے گا۔ اور اسی کی مدد سے فتح وظفر تیرے قدموں کے ساتھ ساتھ ہو گی۔ سورۃ "نصر" میں فرمایا کہ جب خدا کی طرف سے مدد اور فتح آ جائے اور لوگ دین الٰہی میں فوج درفوج داخل ہونے لگیں تو اللہ کی تسبیح وتحمید اور اس سے استغفار کیجیے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح مبین پر بھی آپ نے استغفار کیا ہو گا تو اس کے جواب میں "لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ" الخ کا مضمون اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔ نبہ علیہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

پیغام تہنیت برائے سید المرسلین ﷺ
بفتح مبین واعلان اتمام نعمت رب العالمین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ... الی ... نَصْرًا عَزِيْزًا﴾

ربط:...... جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا کہ سورۃ محمد ﷺ یا سورۃ قتال کا موضوع اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ تھا اور یہ کہ اہل ایمان کو منافقین کی سازشوں سے نہ پریشان ہونا چاہیے اور نہ ہی اپنے مادی وسائل کی قلت سے ڈرنا چاہئے، اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے، قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی کر سکتا ہے غالب کو مغلوب ومفتوح اور مظلوم و بے سہارا قوم کو فتح ونصرت سے ہم کنار کر سکتا ہے تو اس سورۃ پاک میں مسلمانوں کو فتح مبین کی بشارت سنائی جارہی ہے۔

فرمایا: بے شک ہم نے فیصلہ کر دیا ہے آپ ﷺ کے واسطے فتح مبین کا جو کہ صلح حدیبیہ ہے جس سے ظاہری اور باطنی فتوحات اور دینی ودنیاوی نعمتوں کا دروازہ کھول دیا گیا یہ صلح حدیبیہ [1] جن رحمتوں نعمتوں اور کرامات کا آغاز ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ درگزر کرے آپ کے واسطے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی وہ تمام تقصیرات جو پہلے گزریں اور وہ جو بعد میں گزریں اس لئے اب آپ ﷺ کی کسی بھی ایسی تقصیر پر جو قبل از نبوت ہوئی یا بعد از نبوت جو بمقتضائے بشریت قبل از وحی پیغمبر سے ممکن ہے آپ ﷺ سے نہ کوئی مؤاخذہ ہوگا اور نہ سوال وعتاب اور نہ ہی ان باتوں پر کوئی گرفت ہوگی جو آپ ﷺ کے مقام عالی اور آپ ﷺ کی آرزو سے کم تر ہوں کیونکہ آپ ﷺ کی تو آرزو ہر لحہ یہی تھی کہ درجات زیادہ سے زیادہ بلند تر ہوں اور اللہ کا دین زائد سے زائد غالب اور بلند ہو اور صرف تقصیرات سے درگزر ہی نہیں بلکہ پورا کر دے آپ ﷺ پر اپنا انعام ظاہری وباطنی اور مادی وروحانی انعامات میں جواب تک آپ ﷺ پر ہو چکے ہیں اور چلائے آپ ﷺ کو سیدھی راہ پر کہ ہمیشہ ہدایت اور استقامت کی سیدھی راہ پر آپ ﷺ معرفت وشہود کے غیر محدود مراتب طے کرتے رہیں اور ابدان وقلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنے کی راہ میں آپ ﷺ کے واسطے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی [2] اور مدد کرے اللہ آپ ﷺ کی نہایت ہی مضبوط مدد جس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہ سکے، اور جب وہ مدد وظفر وکامیابی آپ ﷺ کے قدموں کے ساتھ ہوگی تو لوگ دین الٰہی میں فوج درفوج داخل ہونے لگیں گے تو اس وقت آپ ﷺ کا بس یہی وظیفہ ہوگا کہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید اور استغفار ہی میں منہمک ہو جائیں گے تو یہ بات اس وعدہ کی تکمیل اور تتمیم ہو جائے گی جو اس وقت فرمایا جارہا ہے۔ (لیغفر لك الله الخ)

فتح مبین اور انعامات خداوندی

ان آیات میں فتح مبین کی بشارت سناتے ہوئے چار خصوصی انعامات کا بیان فرمایا: اول مغفرت۔ دوم اتمام

---

[1] جمہور علماء کا قول یہی ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بیان کیا اور اس روایت کی ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح کی، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجمع بن جاریۃ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قال شهدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديبية فلما انصرفنا عنها الى كراع الغميم فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم عند كراع الغميم فاجتمع الناس اليه فقرء عليهم ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ الخ۔ ۱۲

[2] فوائد شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

نعمت۔ سوم ہدایت صراط مستقیم۔ چہارم نصر عزیز۔

مغفرت ذنوب سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ آپ ﷺ سید البشر ہیں اور اولین وآخرین انبیاء کے سردار ہیں یہ کرامت وفضیلت ایسی ہے کہ کسی کو عطا نہیں کی گئی جس کا خاص طور پر ظہور قیامت کے روز شفاعت عظمیٰ کی صورت میں ہوگا جب کہ تمام پیغمبر نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی امر پر مؤاخذہ کا اندیشہ ہوگا اگرچہ وہ تقصیر نہ تو گناہ ہوگی اور نہ کسی خلاف امر خداوندی کا ارتکاب ہوگا بلکہ یا تو وہ بات بغیر کسی وحی خداوندی یا قبل از وحی منشاء خداوندی سے کچھ مختلف واقع ہوگی کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کے منافی یہ امر ہے کہ صریح حکم خداوندی کے خلاف دیدہ و دانستہ کسی امر کا واقع ہونا، سو ظاہر ہے کہ یہ کسی بھی پیغمبر سے نہیں ہوا چہ جائیکہ سرور کائنات جناب رسول اللہ ﷺ سے! تو ارحم الراحمین نے خاتم النبیین کو ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ کی بشارت عظمیٰ سنا کر ہر قسم کے مؤاخذہ سے مطمئن کر دیا۔ ❶

حدیث شفاعت میں ہے کہ جب اہل محشر روز حشر کی شدت سے گھبرا کر اول حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ وہ خدا کے خلیفہ اور پہلے رسول اور نبی ہیں اور ہمارے باپ ہیں تاکہ وہ ہمارے لئے شفاعت کریں تو حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش کی بناء پر جو بھولے سے سرزد ہوگئی تھی معذرت کریں گے اور فرمائیں گے "لست لها" میں اس مقام اور مرتبہ کے لائق نہیں۔

بالآخر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں یہ درخواست لے کر جائیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام اول تو یہی عذر کریں گے "لست لها"۔ کہ میں بھی مقام شفاعت میں کھڑے ہونے کا اہل نہیں اور بعد ازاں اہل محشر کو یہ مشورہ دیں گے۔

ولكن ايتوا محمداً صلى الله عليه وسلم عبدا غفر الله له ماتقدم من ذنبه وماتاخر (صحيح بخاری ص۱۱۰۸)

لیکن تم سب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی اور پچھلی تمام تقصیرات کو اللہ نے معاف کر دیا ہے۔

باب قول الله ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (صحیح بخاری ص ۲۴۳) باب قول الله عزوجل ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا﴾ از کتاب التفسیر۔

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ خطرہ نہیں کہ ان سے کسی تقصیر پر کوئی سوال اور مؤاخذہ ہو اللہ تعالیٰ نے ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ کی بشارت دے کر اس خطرہ اور اندیشہ سے مامون اور مطمئن کر دیا ہے لہٰذا تم انکی خدمت میں حاضر ہوکر شفاعت کی درخواست کرو اور ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

فياتون محمدا صلى الله عليه وسلم فيقولون يا محمد انت رسول الله وخاتم الانبياء وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر اشفع لنا الى ربك

❶ روح المعانی جلد ۲۶

الاترى مانحن فيه۔ (صحيح بخاری تفسير سورة اسراء)

پس اہل محشر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کریں گے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ نے آپ ﷺ کی اگلی اور پچھلی کوتاہیوں کو معاف کردیا اس لیے آپ ﷺ ہمارے رب سے ہمارے لئے شفاعت کیجئے کیا آپ ﷺ ہماری اس مصیبت و پریشانی کو نہیں دیکھ رہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔

سورۂ محمد کی تفسیر جیسا کہ گزر چکا ذنب سے اس آیت مبارکہ میں وہ سہو ونسیان مراد ہوسکتا ہے جو بمقتضائے بشریت آپ ﷺ سے کسی وقت مدت العمر ظہور میں آیا ہو مقصد آیت یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمارے محبوب ہیں آپ ﷺ کو تسلی اور بشارت دی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات سے درگزر کیا گیا اور کسی بھی امر پر آپ ﷺ سے سوال ومؤاخذہ نہ ہوگا یہ پہلا انعام ہوا۔

دوسرا انعام، اتمام نعمت، کہ عفو تقصیر پر درگزر ہی پر اکتفاء نہ کیا جائے گا بلکہ اس نعمت وبشارت کے بعد اور جس قدر بھی نعمتیں ہیں انکی بھی تکمیل وتتمیم فرمادی جائے گی اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی اور عظیم تر نعمت یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کا دین کامل اور تمام ادیان پر غالب کردیا جائے گا۔

انعام، ہدایت صراط مستقیم یعنی آپ ﷺ کا دین اور شریعت ایسا سیدھا واضح اور ہموار راستہ ہوگا کہ اس پر چلنے میں نہ کسی کو رکاوٹ ہوگی نہ کوئی ابہام وخفا باقی رہے گا جس طرح کہ سورج کی روشنی میں سیدھے راہ پر چلنے والا مسافر بلا روک ٹوک سہولت کے ساتھ اپنا سفر طے کررہا ہو۔

چوتھا انعام۔ نصر عزیز، کہ ایسی کامیابی اور غلبہ، جو نہایت مضبوط ومستحکم ہو جو کسی کی مخالفت ومقابلہ اور بغاوت سے متاثر نہ ہوسکے اور اسلام کے واسطے اس طرح راستہ کشادہ ہوجائیگا کہ بلا کسی روک ٹوک کے لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگیں گے اور جب فتح ونصرت اور غلبہ دین اور اشاعت وقبولیت اسلام کا یہ منظر آپ ﷺ کے سامنے آجائے تو سمجھ لینا کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے جس غرض کے واسطے دنیا میں آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا وہ غرض پوری ہوگئی تو بس مخلوق سے فارغ ویکسو ہوکر صرف اپنے خالق کی طرف رجوع کرنا اور اسی کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہوجانا جس کو سورۂ نصر میں فرمایا ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾

اور جب دار دنیا سے روانہ ہوکر دار آخرت میں قدم رکھو تو رنجیدہ و پریشان نہ ہونا کیونکہ ہم نے آپ ﷺ کی ہر بات سے درگزر کرلیا ہے۔

اور جو فتح مبین اور نصر عزیز آپ ﷺ کو عطا کی گئی اسکی تکمیل اور باقی ماندہ رفعت وبلندی کے مراتب آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں کے ہاتھوں پورے ہوجائیں گے چنانچہ ایران اور شام کی سرزمین آپ ﷺ کے خلفاء نے فتح کی اور قیصر وکسریٰ کے خزائن تقسیم کئے گئے یہ تھی اتمام نعمت جس کی خبر ان کلمات میں دے دی گئی تھی ﴿وَيُتِمَّ

﴿نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ اور یہی نصر عزیز کی تکمیل تھی جس کو ﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ میں فرمایا گیا۔
الغرض یہی حدیبیہ کی صلح فتح خیبر کا سبب بنی، دو سال بعد مکہ فتح ہو گیا حنین وطائف بھی فتح ہو گئے جس کے بعد کل حجاز، نجد اور یمن کے علاقوں میں اسلام کی حکومت قائم ہو گئی فتح روم وفارس سے ظاہری اور باطنی نعمتوں اور خیر کے دروازے کھل گئے۔

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے اور قیصر وکسریٰ اور مقوقس شاہ مصر وغیرہ کی طرف خطوط دیکر قاصد روانہ کیے اور اس صلح کی وجہ سے مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط شروع اور کافروں کے دلوں میں جو قفل پڑے ہوئے تھے وہ کھلنا شروع ہوئے اور اسلام کی باتیں کافروں کے کانوں اور دلوں میں داخل ہونے لگیں نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی ہی مدت میں بیشمار لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور جو لوگ بیس سال سے اسلام کے دشمن خونخوار بنے ہوئے تھے اب وہ اسلام کے عاشق جانثار بن گئے۔

قریش نے اسلام کی رفتار اور گفتار اور اس کے کردار سے اندرونی طور پر یہ سمجھ لیا کہ اب اسلام دبنے والا نہیں اور جو لشکر حضور پرنور ﷺ کے ساتھ ہے وہ کوئی بادشاہی فوج نہیں بلکہ وہ عاشقوں اور جانبازوں اور پروانوں کا کوئی لشکر ہے جن کے عشق کا یہ عالم ہے کہ حضور پرنور ﷺ کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرتا بلکہ صحابہ ؓ کے ہاتھوں پر گرتا ہے جس کو وہ اپنے منہ پر مل لیتے ہیں اور جب حضور پرنور ﷺ بولتے ہیں تو سناٹے کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہیں قریش نے یہ منظر دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے جس پر محبوبیت ختم ہے اور یہ مسلمان جو آپ ﷺ کے گرد جمع ہیں ان پر عاشقیت ختم ہے ان دیوانوں اور پروانوں سے جنگ کرنا آسان نہیں اس لئے صلح پر آمادہ ہو گئے بیس سال سے جو عداوت کا نشہ سر پر چڑھا ہوا تھا وہ ڈھیلا ہو گیا اور آج کل کی اصطلاح میں صلح کے معنی ہتھیار ڈال دینے کے ہیں قریش ظاہر میں بڑائی کی باتیں کرتے تھے مگر دل سے خوفزدہ تھے اور آنحضرت ﷺ دل سے مطمئن تھے اور قریش کی ہر شرط کو منظور کرتے جاتے تھے اس لئے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ سب چند روزہ قصہ [1] ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ

وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ ف۱ اور اللہ کے ہیں

وہی ہے جس نے اتارا چین دل میں ایمان والوں کے، کہ اور بڑھے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے ہیں

ف۱ اطمینان اتارا یعنی باوجود خلاف طبع ہونے کے رسول کے حکم پر جمے رہے۔ ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے۔ اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا اور مراتب عرفان وایقان میں ترقی ہوئی۔ انہوں نے اول بیعت جہاد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اس کے بعد جب پیغمبر علیہ السلام نے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ یہ تھا کہ اپنے پر جوش جذبات وعواطف کو زور سے دبا کر اللہ ورسول کے فیصلہ کے آگے گردن انقیاد خم کر دی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

[1] از افادات حضرت والد محترم سید المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ۔

جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ﴿۴﴾ لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا ف۱ تاکہ پہنچا دے ایمان والے مردوں کو

لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔ اور اللہ ہے خبردار حکمت والا۔ تا پہنچائے ایمان والے مردوں کو

وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ؕ

اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اور اتار دی ان پر سے ان کی برائیاں ف۲

اور عورتوں کو باغوں میں، نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں، سدا رہیں ان میں، اور اتارے ان سے ان کی برائیاں۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ﴿۵﴾ وَّيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ

اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی ف۳ اور تاکہ عذاب کرے دغا باز مردوں کو اور دغا باز عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو

اور یہ ہے اللہ کے ہاں بڑی مراد ملنی۔ اور تا عذاب کرے دغا باز مردوں کو اور عورتوں کو، اور شرک والے مردوں کو

وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ

اور شرک والی عورتوں کو ف۴ جو اٹکلیں کرتے ہیں اللہ پر بری اٹکلیں ف۵ انہی پر پڑے پھیر مصیبت کا ف۶ اور غصہ ہوا اللہ ان پر

اور عورتوں کو، جو اٹکلتے ہیں اللہ پر بری اٹکلیں انہیں پر پڑے پھیر مصیبت کا۔ اور غصے ہوا اللہ ان پر،

ف۱ یعنی وہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لیے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے باز رکھنا اور صلح کرنا حکمت ہے۔ تم کو اگر قتال کا حکم ہو تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس وپیش نہ کرنا کیونکہ آسمان وزمین کے لشکروں کا مالک وہی ہے جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے غیبی لشکروں سے مدد کر سکتا ہے جیسے "بدر" "احزاب" اور "حنین" وغیرہ میں کی۔ اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم دے تو اسی کی تعمیل کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ نکلے ان کو سزا نہ ملی اگر قتال کا حکم ہو جاتا تو ہم ان کو ہلاک کر ڈالتے۔ کیونکہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے ہلاک کر سکتے ہیں۔ بہرحال زمین وآسمان کے لشکروں کا مالک اگر صلح کا حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہوگی۔

ف۲ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا﴾ پڑھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنائی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا، یارسول اللہ! یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا۔ ہمارے لیے کیا ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی اللہ نے اطمینان وسکینہ اتار کر مومنین کا ایمان بڑھایا۔ تاکہ انہیں نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور ان کی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرما دے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ میں بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

(تنبیہ) مومنات کا ذکر تعمیم کے لیے ہے۔ یعنی مرد ہو یا عورت کسی کی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں جاتی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔

ف۳ بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال بزرگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا ناقصوں کا کام ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں یہ بڑا کمال ہے۔

ف۴ یعنی مومنین کے دلوں میں صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات وترقیات کا دروازہ کھول دیا جو انجام کار سبب ہے کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور ان کو پوری طرح سزا ملنے کا۔

ف۵ "بری اٹکلیں" یہ کہ مدینے سے چلتے وقت منافق (بجز ایک جد بن قیس کے) مسلمانوں کے ساتھ نہیں آئے، بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ دل میں سوچا کہ مڈبھیڑ ضرور ہو کر رہے گی۔ یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے۔ ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔ کیونکہ وطن سے دور، فوج کم، اور دشمن کا دیس ہوگا ہم کیوں ان کے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں اور کفار مکہ نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بظاہر "عمرے" کے نام سے آرہے ہیں اور فریب ودغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں۔

ف۶ یعنی زمانہ کی گردش اور مصیبت کے چکر میں آ کر رہیں گے کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔

وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور لعنت کی ان کو اور تیار کی ان کے واسطے دوزخ اور بری جگہ پہنچے اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے

اور ان کو پھٹکارا اور رکھا ان کے واسطے دوزخ۔ اور بری جگہ پہنچے۔ اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور ہے اللہ زبردست حکمت والا ف۱

اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

بشارات اہل حدیبیہ بعطاء نعماء دنیویہ واخرویہ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ... الی... عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات فتح مبین کی بشارت کے ساتھ ان بشارتوں اور کرامتوں پر مشتمل تھیں جو آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ مخصوص تھیں اب ان آیات میں وہ کرامات اور بشارتیں ذکر فرمائی جارہی ہیں جو آپ ﷺ کے ہمرکاب رفقاء اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین" کے متعلق ہیں اور اس لحاظ سے کہ بضدھا تتبین الاشیاء۔ نور کی نورانیت ظلمت وتاریکی کے ہی مقابلہ میں پہچانی جاتی ہے تو اولاً اہل حدیبیہ کے فضائل بیان فرماتے گئے اور پھر بطور تکمیل مضمون انکے مقابل منافقین ومتخلفین کی ذلت اور کمینہ پن بیان کیا جارہا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سفر حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ علیہ السلام پر یہ آیات نازل ہوئیں آپ ﷺ نے ان آیات کے نزول پر فرمایا یہ نصیحتیں اور بشارتیں جو اللہ نے نازل فرمائیں مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہیں حضرات صحابہ ﷺ یہ سن کر فرمانے لگے یارسول اللہ ﷺ یہ انعامات وکرامتیں جو اللہ نے نازل فرمائیں تو وہ آپ ﷺ کے واسطے ہیں اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ کرے گا لیکن ہماری عرض یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو اللہ ہمارے ساتھ کرے گا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ﴾ الآیات۔

ارشاد فرمایا وہی ہے پروردگار جس نے سکینت وطمانینت کو اتارا اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ انکے ایمان میں اور اضافہ ہوجائے استقامت ویقین کامل کی صورت میں انکے اصل ایمان کے ساتھ کہ اس سکینت اور طمانینت قلب سے رسول اللہ ﷺ کی بات پر دل مطمئن ہوگئے گو کہ بعض باتیں بظاہر خلاف طبع تھیں اور ہوسکتا تھا کہ جس طرح کافر ضد پر ڈٹے ہوئے تھے یہ بھی ایسی ہی ضد کی صورت اختیار کرلیتے مگر اس اطمینان قلب کی وجہ سے انکے مراتب ایمان وعرفان میں ترقی ہوئی۔

پہلے تو جہاد کی بیعت سے یہ ثابت کردیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں بہرکیف یہ ایمان

ف۱ یعنی وہ سزا دینا چاہے تو کون بچا سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں پیس کر رکھ دے۔ مگر وہ زبردست ہونے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے۔

کا ایک عجیب رنگ تھا اس کے بعد جب پیغمبر ﷺ نے مسلمانوں کے ابھرتے ہوئے مجاہدانہ جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کرلی تو یہ تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ تھا جو پہلے رنگ پر اضافہ ہوا کہ اپنے جذبات و عواطف کو مغلوب کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا ان کو اس ایمان وانقیاد کے ساتھ اس پر یقین بھی حاصل ہو گیا کہ اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ بڑا ہی خبردار حکمت والا ہے اس کے علم سے دشمنان اسلام کی کوئی سازش اور مخالفت پوشیدہ نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہے گا، اپنے لشکروں کو جہاد کے واسطے حکم دیدیگا اور جب اس کے لشکر میدان جہاد میں آئیں گے جیسے کہ بدر وحنین میں تو پھر کسی کو مقابلہ کی تاب نہ ہوگی اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ پہنچا دے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں ● کو ایسے باغوں (جنتوں) میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں جو ہمیشہ ان میں رہنے والے ہوں گے اور اس انعام واعزاز کے علاوہ یہ بھی ایک خصوصی انعام ہوگا کہ مٹا دے گا ان سے انکی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی ہی کامیابی جو مخلصین و مطیعین اور مومنین صادقین کے حصہ میں آتی ہے اور اس کے برعکس منکرین ومنافقین کے حق میں یہ مصلحت ہے کہ عذاب دے منافق مردوں (دغاباز مردوں) اور منافق عورتوں (دغاباز ● عورتوں) کو اور شرک کرنے والے مردوں اور شرک کرنے والی عورتوں کو جو گمان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں برا گمان بے شک انہی پر لوٹے گا چکر انکی برائی کا اور خدا کا غضب ہے ان پر اور لعنت کی خدا نے ان پر اور تیار کی انکے واسطے جہنم اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے جہاں کی مصیبتوں اور تکالیف کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اللہ کے واسطے ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ● اس وجہ سے منافقین ومنافقات اور مشرکین ومشرکات عذاب خداوندی سے نہیں بچ سکتے جن کے خیالات نہایت گندے تھے اور ان کے دلوں میں بیہودہ آرزوئیں تھیں وہ سوچتے تھے مسلمانوں سے اگر لڑائی ہوئی تو ضرور ناکام ہوں گے کیونکہ نہ ان کے پاس فوج ہے نہ ساز وسامان، وطن سے دور ہوں گے مدد بھی نہ پہنچ سکے گی اس کے برعکس قریش مکہ طاقت ور ہیں ساز وسامان انکے پاس ہے وہ ضرور کامیاب ہوں گے تو ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں کبھی یہ سوچتے کہ مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ہم عمرے کے واسطے جا رہے ہیں یہ محض ایک دھوکہ ہے دراصل ان کا مقصد لڑائی ہے اور قریش مکہ پر حملہ کرنا ہے غرض اس طرح کے اوہام وخیالات میں تھے کہ اللہ رب العزت نے ارادہ کیا کہ ذلیل کیا جائے اور عذاب دنیوی واخروی میں مبتلا ہوں چنانچہ جس قدر انہوں نے پیش بندیاں کیں، احتیاط برتی ان کی سب تدبیریں ضائع گئیں اور مصیبتوں کے چکر نے انکو اپنے گھیرے میں لے لیا یہ تو دنیا کا عذاب ہوا مزید عذاب اخروی یہ کہ

● احادیث سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں حضرت ام سلمہ ؓ بھی ساتھ تھیں تو قرآن کریم نے ان کے اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاص طور پر مومنات کا لفظ بھی بول دیا ورنہ تو بالعموم فضائل واحکام میں ایک ہی عنوان اور صیغہ مذکر دونوں کو شامل ہوا کرتا ہے۔ ۱۲

● حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ نے منافقین ومنافقات کے ترجمہ میں یہ لفظ استعمال کیا جو نہایت ہی بلیغ ولذیذ ہے اس وجہ سے بین القوسین ذکر کردیا گیا۔ ۱۲

● ان آیات میں دو جگہ ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فرمایا گیا پہلی جگہ ان الفاظ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت ہی مخلوقات کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے سے جس طرح چاہتا ہے ہر امر طے فرماتا ہے اس بنا پر وہاں اللہ رب العزت نے اپنی صفت علیما حکیما فرمائی لیکن یہاں مقصود مجرمین ونافرمانوں کو تہدید ودھمکی ہے اس وجہ سے اس پر موقع پر وصف عزیزا حکیما ارشاد فرمایا ۱۲۔ (روح المعانی)

غضب خداوندی کے مستحق بنے خدا کی لعنت ان پر ہوئی اور عذاب جہنم جو ہمیشہ کے لئے ہے مقرر کر دیا گیا اللہ رب العزت بڑے ہی غلبہ اور طاقت والا ہے اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا ساتھ ہی وہ حکمت والا بھی ہے بمقتضائے حکمت جب بھی مناسب جانتا ہے مجرمین کو سزا دیتا ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں نزول سکینت کی بشارت ان کے مومن کامل اور صاحب تقویٰ ہونے کا اعلان ہے

آیت مبارکہ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا مصداق بلاشبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور بالخصوص وہی حضرات ہیں جو حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جب قرآن کریم نے واضح طور پر اس امر کی شہادت دے دی کہ اللہ رب العزت نے ان کے دلوں میں سکینت وطمانینت نازل فرمادی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان افراد اور مقدس ہستیوں کے بارے میں کسی طرح کی ایمان ویقین کی کمزوری کا تصور کرنا قرآنی شہادت العیاذ باللہ ٹھکرانا ہے قرآن کریم نے شہادت دیدی کہ وہ تقویٰ، ایمان، عفت و پاکدامنی کے پیکر ہیں اور ایمان پر استقامت کا ان کو ایسا مقام حاصل ہے کہ ان کے قدم صراط مستقیم سے کسی بھی مرحلہ پر کسی بھی لمحہ نہیں ڈگمگا سکتے اور حتیٰ کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا وصف انکے لئے لازم ذات بنادیا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ اور ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا کہ اللہ رب العزت کے علم ازلی کے لحاظ سے وہی اس کے تمام عالم میں سب سے زیادہ مستحق اور لائق تھے اور جب تقویٰ کمال ایمان اور استقامت وسکینت کا وصف ان حضرات کا لازم ذات وصف ہوگیا تو بلاشبہ ان کا مقام ومرتبہ خداوند عالم کے نزدیک اولیاء اور اس کے محبوب ہونے کا ہوگیا اب اس میں شبہ وتردد قرآن میں شبہ کرنا ہے اور اللہ کی شہادت میں شبہ وتردد بدترین جرم ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا ف۱ تاکہ تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی مدد کرو

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا، اور خوشی اور ڈر سناتا۔ تا تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور اس کی مدد کرو

وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ

اور اس کی عظمت رکھو ف۲ اور اس کی پاکی بولتے رہو صبح اور شام ف۳ تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا

اور اس کا ادب رکھو۔ اور اس کی پاکی بولو صبح اور شام۔ اور جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے، وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے۔ اللہ کا

ف۱ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فرمانبرداروں کو خوشی اور نافرمانوں کو ڈر سناتے ہیں اور خود اپنے احوال بتلاتے ہیں جیسے "انافتحنا" سے یہاں تک تینوں قسم کے مضامین آچکے۔ اور آخرت میں بھی اپنی امت پر نیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔

ف۲ تُعَزِّرُوْهُ اور تُوَقِّرُوْهُ کی ضمیریں اگر اللہ کی طرف راجع ہوں تو اللہ کی مدد کرنے سے مراد اس کے دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اگر رسول کی طرف راجع ہوں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

ف۳ یعنی اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو خواہ نمازوں کے ضمن میں یا نمازوں سے باہر۔

اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ

ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے ف۱ پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا

ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔ پھر جو کوئی قول توڑے، سو توڑتا ہے اپنے برے کو۔ اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا

اللهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ⑩ ع

اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا ف۲

اللہ سے، دیگا اس کو نیگ بڑا۔

انعام بعثت رسول اکرم ﷺ وحق تعظیم وتوقیر وعہد اطاعت وفرمانبرداری

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ... الى ... فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں فتح مبین کی بشارت کے ساتھ ان چار انعامات کا ذکر فرمایا گیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص تھے اب ان آیات میں اس انعام عظیم کا ذکر فرمایا گیا جو تمام امت پر بلکہ تمام انسانوں اور کل کائنات پر آنحضرت ﷺ کی بعثت ورسالت کے ذریعہ فرمادیا گیا اور یہ کہ آپ ﷺ پر ایمان اور بیعت کس قدر بلند پایہ فضیلت ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور جس وقت وہ بیعت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول خدا کے ہاتھ پر رکھتے ہیں تو اللہ کا ہاتھ اس کی شان بے چگون کے مطابق ایمان لانے مسلمانوں کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا بے شک ہم نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے اے ہمارے پیغمبر ﷺ گواہی دینے والا تمام انبیاء علیہم السلام کے حق رسالت ادا کرنے اور انکی قوموں کی نافرمانی کرنے پر اور بشارت سنانے والا اہل ایمان وطاعت کے لئے اور ڈرانے والا نافرمانوں کو تاکہ اے لوگو! تم ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم وتوقیر

ف۱ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حقیقت میں نبی خدا کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل وتاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے۔ فهذا كما قال ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ وكما قال ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت وحمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوگا۔

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے کبھی اسلام پر، کبھی جہاد پر، کبھی کسی دوسرے امر پر بیعت لیتے تھے۔ اگر بطریق مشروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی۔ "حدیبیہ" میں اس بات پر بیعت لی گئی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔

ف۲ یعنی بیعت کے وقت جو قول وقرار کیا ہے، اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ ورسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد وپیمان کو مضبوطی کے ساتھ پورا کیا تو اس کا بدلہ بھی بہت پورا ملے گا۔

❶ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اکثر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ ﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ کی ضمیریں رسول ﷺ کی طرف راجع ہیں اور ﴿وَتُسَبِّحُوْهُ﴾ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ مدد اور تعظیم حقوق رسالت سے ہے اور ظاہر ہے کہ اعانت ومدد پیغمبر ہی کی ہوسکتی ہے اس کے احکام ودین کی اشاعت اور مقاصد دین کی تکمیل کے لیے اس بنا پر یہ ممکن نہیں کہ ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہو اور تسبیح وپاکی ذات کبریاء کے لئے ہے اس وجہ سے ﴿وَتُسَبِّحُوْهُ﴾ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ پر وقف لازم ہے اور آگے لفظ ﴿وَتُسَبِّحُوْهُ﴾ جملہ مستانفہ کے طور پر کلام مستقل ہے۔

کرو● اور پاکی بیان کرو اس اللہ کی جس نے ایسا رسول عظیم مبعوث فرمایا صبح اور شام نمازوں میں اور دیگر اوقات میں یقیناً جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ ﷺ سے وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھوں کے اوپر ہے سو جو شخص بھی اس عہد و پیمان کو توڑے گا تو بس اس کا توڑنا خود اسی پر وبال و مصیبت ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا وہ عہد جو اس نے اپنے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو ضرور عنقریب اللہ اس کو اجر عظیم دے گا اس کے لیے کہ عہد پیمان کو پورا کرنا بہترین خصلت اور موجب انعام ہے اور اس کے برعکس عہد توڑنا غداری ہے اور مجرمانہ کردار کا عملی ثبوت ہے جسکی سزا سے انسان ہرگز نہیں بچ سکتا عہد شکنی اور غداری کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی اور اہل استقامت جس طرح آخرت میں انعام واکرام کے مستحق ہونگے دنیا میں بھی حق تعالیٰ کے انعامات سے نوازے جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی شہادت

آنحضرت ﷺ کا تمام امتوں اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہ ہونا سورۃ نساء کی آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ کی تفسیر میں وضاحت سے بیان کیا جاچکا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میدان حشر کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر پیغمبر اور اس پیغمبر کے ساتھ اسکی امت ہوگی امت سے جب یہ سوال ہوگا کیا، ہمارا پیغام تم تک پہنچا تو وہ انکار کریں گے انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ شانہ کے پیغام پہنچا دینے کا اقرار کریں گے تو انکو گواہ پیش کرنے کے لئے کہا جائے گا اس پر حضور اکرم ﷺ گواہی دیں گے کہ اے اللہ آپ ﷺ کے پیغمبر آپ ﷺ کا پیغام اور ہر حکم اپنی اپنی امتوں کو پہنچا چکے۔ تفصیل کے لئے سورۃ نساء کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے۔

رسول خدا ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت ہے

بیعت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ لوگ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا جارہا ہے صورۃ تو یہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ڈال کر بیعت کرنا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ بیعت اللہ کے ساتھ ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ تو یہ بیعت خدا ہی کی طرف سے اور اسی کی نیابت میں لے رہے ہیں اللہ کا پیغمبر ﷺ تو اللہ کے احکام ہی کی اطاعت کے لیے بیعت لے رہا ہے لہذا یہ بیعت حقیقت میں اللہ ہی سے ہے یہ وہی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم کی اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا، ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (نساء) اسی طرح سورۃ انفال میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (انفال)

یہ بیعت حدیبیہ میں اہل ایمان اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھی جو پہلے سے اصل اسلام پر بیعت کر چکے تھے لیکن آنحضرت ﷺ ایمان واسلام پر بیعت کے علاوہ جہاد پر اور کبھی کسی اور امر خیر پر بھی بیعت لیتے تھے جیسے صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی النصح لکل مسلم، (میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اس بات پر کہ ہر مسلمان کے ساتھ اخلاص و ہمدردی کروں گا)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو

حدیبیہ میں ہمراہ تھے موت پر بیعت نہیں لی (کیونکہ مرنا تو مقصود نہیں) بلکہ اس بات پر بیعت لی تھی کہ ہم میدان جہاد سے بھاگیں گے نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ کی تفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قال لا يدخل النار احد ممن بايع تحت الشجرة۔ (ابن کثیر)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا ان لوگوں میں سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی (یعنی بیعت الرضوان میں شامل ہونے والا کوئی بھی شخص جہنم میں نہیں جائیگا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے ہمسفر لوگوں میں سے نہ کسی نے بیعت کو توڑا اور نہ کوئی بیعت سے پیچھے رہا بجز ایک شخص جد بن قیس منافق کے یہ شخص منافق تھا جیسے کہ صحیح مسلم کی روایت میں وضاحت ہے جب بیعت لی جارہی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھامے ہوئے تھے یہ شخص جد بن قیس اپنے بیٹھے ہوئے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ کر بیٹھا رہا بیعت الرضوان کی تفصیل انشاء اللہ العزیز آیت ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کے تحت آئے گی، بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ

اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے، اور گھر والوں کے سو ہمارا گناہ بخشوا ف۱

اب کہیں گے تجھ کو پیچھے رہنے والے گنوار ہم لگے رہ گئے اپنے مالوں میں اور گھروں میں، سو ہمارا گناہ بخشوا۔

يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ

وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو ان کے دل میں نہیں ف۲ تو کہہ کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ

کہتے ہیں اپنی زبان سے جو نہیں ان کے دل میں۔ تو کہہ کس کا کچھ چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ

ف۱ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لیے ابھارا تھا۔ شاید قرائن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لڑائی کا احتمال ہو۔ اس پر دیہاتی گنوار جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا، جان چرا کر بیٹھے رہے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں گے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر (مدینہ) میں آ کر ان کے کتنے ساتھیوں کو قتل کر گئی۔ اب ہم اس کے گھر جا کر اس سے لڑیں گے؟ تم دیکھ لینا اب یہ اور ان کے ساتھی اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں کھیت رہیں گے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان کے نفاق کا پردہ فاش کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بتلا دیا کہ تمہارے صحیح وسالم واپس جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ کیا کہیے ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی۔ کوئی ہمارے پیچھے مال اور اہل وعیال کی خبر لینے والا نہ تھا بہر حال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے۔

ف۲ یعنی دل میں جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہر داری کے لیے ہے، سچے دل سے نہیں وہ دل میں نہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ

چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے سب کاموں سے خبردار ف۱ کوئی نہیں تم نے تو خیال کیا تھا

چاہے تم پر تکلیف یا چاہے تم کو فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے کام سے خبردار۔ کوئی نہیں ! تم نے خیال کیا

اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

کہ پھر کر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھب گیا تمہارے دل میں یہ خیال

کہ پھر کر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی، اور بھلا نظر آیا تمہارے دل میں یہ،

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ⑫ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ

اور اٹکل کی تم نے بری اٹکلیں اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے ف۲ اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو

اور اٹکل کی تم نے بری اٹکلیں اور تم لوگ تھے کھپنے والے۔ اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور انؐ کے رسول پر تو

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

ہم نے تیار رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ اور اللہ کے لیے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے

ہم نے رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ۔ اور اللہ کا ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا۔ بخشے جس کو چاہے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى

اور عذاب میں ڈالے جس کو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ف۳ اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو

اور مار دے جس کو چاہے۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اب کہیں گے پیچھے رہ گئے جب چلو گے غنیمتیں لینے کو

ف۱ یعنی ہر طرح کا نفع ونقصان اللہ کے قبضہ میں ہے جس کی مشیت وارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ اس کو منظور نہیں تھا کہ تم کو اس سفر مبارک کی شرکت کے فوائد نصیب ہوں۔ نہ اب یہ منظور ہے کہ میں تمہارے لیے استغفار کروں۔ اس نے تمہاری حیلہ تراشی سے قبل ہی ہم کو ان جھوٹے اعذار پر مطلع کر دیا تھا۔ بہرحال اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے اعمال وحرکات کی بدولت "غزوہ حدیبیہ" کی گوناگوں برکات وفوائد کی طرف سے تم کو نقصان اور گھاٹے میں رکھے اور وہاں تم کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جاسکے، تو کیا خدا اگر تمہارے مال واولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے، تم گھر میں رہ کر اسے روک دو گے۔ یا فرض کرو اللہ تم کو کچھ فائدہ مال وعیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو، تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے۔ جب نفع ونقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پروا کرنا محض حماقت وضلالت ہے، ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کر لیں گے بلکہ یاد رکھو اللہ تمہارے سب کھلے چھپے اعمال واحوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

ف۲ یعنی واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں جو بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے۔ یہی تمہاری دلی آرزو تھی اور یہ غلط اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا۔ اسی لیے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی۔ حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ جانتا تھا کہ یہ تباہ وبرباد ہونے والے ہیں۔

ف۳ یعنی جس کو وہ بخشنا نہ چاہے، میں کیسے بخشواؤں، ہاں اس کی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے۔ اس کی رحمت بہرحال غضب پر سابق ہے۔

مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا

چھوڑو ہم بھی تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں کہا اللہ کا تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے یوں ہی

چھوڑو ہم چلیں تمہارے ساتھ۔ چاہتے ہیں کہ بدلیں اللہ کا کہا۔ تو کہہ ہمارے ساتھ نہ چلو گے، یونہی

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا

کہہ دیا اللہ نے پہلے سے ف۱ پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے ف۲ کوئی نہیں پر وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر

کہہ دیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے، نہیں تم جلتے ہو ہمارے بھلے سے۔ کوئی نہیں! پر وہ سمجھتے نہیں رہے مگر

قَلِيْلًا ⑮ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

تھوڑا سا ف۳ کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے

تھوڑا۔ کہہ دے پیچھے رہ گئے گنواروں کو، آگے تم کو بلائیں گے ایک لوگوں پر، بڑے سخت لڑ دیے

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا

تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے پھر اگر حکم مانو گے دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا ف۴ اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے

تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے۔ پھر اگر حکم مانو گے دے گا تم کو اللہ نیگ اچھا۔ اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ

پلٹ گئے تھے پہلی بار دے گا تم کو ایک عذاب دردناک ف۵ اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف ف٦

پلٹ گئے پہلی بار، مار دے تم کو ایک دکھ کی مار۔ اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف۔

ف۱ "حدیبیہ" سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "خیبر" پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ جہاں غدار یہود آباد تھے جو بدعہدی کر کے جنگ "احزاب" میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ گنوار جو "حدیبیہ" نہیں گئے، اب "خیبر" کے معرکہ میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے۔ کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیں کہ تمہاری استدعا سے پیشتر اللہ ہم کو کہہ چکا ہے کہ تم (اس سفر میں) ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے۔ اندریں صورت کیا تم ہمارے ساتھ جا سکتے ہو۔ اگر جاؤ گے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویا اللہ کا کہا بدل دیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔

ف۲ یعنی اللہ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو، سب مال غنیمت بلا شرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آ جائے۔

ف۳ یعنی بہت تھوڑی سمجھ ہے۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد و قناعت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ مال کے حریص ہیں؟ جو تم پر حسد کریں گے؟ اور پیغمبر از راہ حسد خدا پر جھوٹ بول دے گا؟ العیاذ باللہ۔

ف۴ یعنی ذرا صبر کرو۔ اس لڑائی میں تو نہیں جا سکتے لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں۔ بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دے کر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میدان میں آ کر داد شجاعت دینا۔ اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ دے گا۔

(تنبیہ) "ان جنگجو قوموں" سے "بنو حنیفہ" وغیرہ مراد ہیں جو "مسیلمہ کذاب" کی قوم تھی یا "ہوازن" و "ثقیف" وغیرہ جن سے "حنین" میں مقابلہ ہوا یا وہ مرتدین جن پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی۔ یا فارس و روم اور کرد وغیرہ جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت آیا۔ .... =

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اسکے رسول کا اس کو داخل کرے گا باغوں میں جن کے نیچے

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کو داخل کرے گا باغوں میں، جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

بہتی ہیں نہریں اور جو کوئی پلٹ جائے اس کو عذاب دے گا دردناک ف ۱

بہتی ندیاں۔ اور جو کوئی پلٹ جائے، اس کو مار دکھ کی مار۔

قبائح وشنائع منافقین ومتخلفین وبیان حکم معذورین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ... الی ... عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

ربط:...... آیات سابقہ میں مومنین ومطیعین کا ذکر تھا اور رسول خدا ﷺ سے کئے ہوئے عہد و پیان پر قائم رہنے والوں کی فضیلت ومدح تھی تو اب ان آیات میں منافقین اور عہد و پیان توڑنے والوں کی شناعت وقباحت بیان فرمائی جارہی ہے اور یہ کہ اس طرح کے نفاق اور دھوکہ کا انجام کس قدر برا ہے دنیوی ذلت ورسوائی کے علاوہ عذاب آخرت بھی ہوگا البتہ حقیقۃً جو لوگ معذور ہیں ان پر اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تفسیر روح المعانی میں ان آیات کی تفسیر وتوضیح میں اس صورت حال کا ذکر فرمایا ہے جن پر ان آیات کا مضمون مرتب ہے۔

احادیث صحیحہ اور صریحہ سے بھی اسی کو ان آیات کا شان نزول بیان کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ۶ ہجری میں جب عمرہ کا ارادہ فرمایا تو اعراب یعنی بادیہ نشینوں اور دیہات میں بسنے والے بعض قبائل کو بھی بلایا تا کہ وہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ سفر میں شامل ہوجائیں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ شاید قریش کے قبائل رکاوٹ ڈالیں اور مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں یا ہوسکتا ہے کہ مقابلہ کی صورت پیدا ہوجائے کیونکہ غزوہ بدر اور غزوہ احزاب میں انکے بہت سے خویش و اقارب مارے گئے تھے اور یہ احتمال غالب تھا کہ جذبہ انتقام میں آمادۂ پیکار ہوجائیں اور اسی بات کو جنگ کا بہانہ نہ بنالیا جائے تو آپ ﷺ کا جو اصل مقصد عمرہ کرنے کا ہے وہ فوت ہوجائے گا اس لئے مناسب سمجھا کہ ایک کثیر جماعت آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا کہ قریش کو ایسی جرأت ہی نہ ہو اور پھر یہ کہ ان بادیہ نشینوں کی اہل مکہ کے ساتھ کچھ قرابتیں بھی وابستہ تھیں تو یہ توقع کی کہ شاید اس لحاظ میں قریش مکہ عمرہ کرنے سے نہ روکیں بہرکیف آپ ﷺ نے جب اعراب کو طلب فرمایا تو بہت سوں نے پہلے ہی انکار کردیا اور مختلف حیلے اور بہانے کر کے بیٹھے رہے البتہ ان میں سے جو بااخلاص مومن تھے وہ آپ ﷺ کے

=ف ۵ یعنی جیسے پہلے "حدیبیہ" جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ سخت دردناک سزا دے گا۔ شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں مل جائے۔

ف ۶ یعنی جہاد ان معذور لوگوں پر فرض نہیں۔

ف ۱ یعنی تمام امور اور معاملات میں عام ضابطہ یہ ہے۔

ساتھ روانہ ہونے کے واسطے تیار ہو گئے جب مقام حدیبیہ میں پہنچے تو قریش اپنی جاہلانہ حمیت اور جوش انتقام سے مغلوب ہو کر جنگ پر آمادہ ہو گئے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) اس موقع پر کافی رد وقدح کے بعد مصالحت کی گئی جو بظاہر مغلوبانہ تھی اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جذبہ جہاد کے باعث یہی خیال تھا کہ بجائے کسی معاہدہ اور صلح کے مقابلہ اور جہاد کیا جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق وجانثار مخلصین ومحبین کو صدمہ بھی گزرا جس پر حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی پر فرمایا کہ یہ معاہدہ کسی قسم کی شکست اور مغلوبی نہیں بلکہ یہ تو "فتح مبین" ہے اس معاہدہ میں بہت سی مصلحتیں فتوحات اور فوائد ہمارے علم میں ہیں خیبر فتح ہوگا، مکہ فتح ہوگا۔

خیبر ومکہ اور حنین کی غنیمتیں اے مسلمانو! تمہارے ہاتھ آئیں گی تو اس طرح قلب کی شکستگی دور کی گئی اور جو صدمہ اور دل پر زخم تھا ان آیات نے اس پر مرہم کا کام دیا۔

معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب واپسی ہوگئی اور قریش نے خود اپنے عمل سے غداری کا ثبوت دیتے ہوئے عہد وپیمان پارہ پارہ کر ڈالا اور اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو اللہ کی وحی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ خیبر میں صرف وہی جا سکے گا جو سفر حدیبیہ میں ساتھ تھا تا کہ وہ اعراب نہ جا سکیں جنہوں نے حیلے بہانے کر کے سفر حدیبیہ میں ساتھ چلنے سے جان بچائی تھی اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ خیبر کی غنیمتوں میں سے صرف اس شخص کو ہی حصہ ملے گا جو حدیبیہ میں تھا ان اعراب نے ہر چند چاہا کہ ہم بھی ساتھ چلیں تا کہ ہمیں بھی مال غنیمت مل جائے اسی کا ان کلمات مبارکہ میں ذکر ہے ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾۔ یہ غنیمتیں خیبر ہی کی تھیں جو حدیبیہ کے بعد فوراً ہی مسلمانوں کو ملیں اور پھر انعامات خداوندی میں اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ مزید اور غنائم کی بھی بشارت سنا دی گئی ﴿وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا﴾ سے کہ ان کے علاوہ اور بھی غنیمتیں اے مسلمانو! تم کو ملیں گی جن پر ابھی تم قادر نہیں ہوئے ہو یہ غنیمتیں روم اور فارس کی غنائم تھیں جن کا اس وقت وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا تو ان آیات میں ان منافقین اعراب کو تنبیہ کی گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر بھی حاضر نہ ہونے اور حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونے سے عذر کر دیا تو اس تنبیہ ووعید کے علاوہ ان اعراب کو یہ دھمکی بھی دی گئی کہ اچھا اب تو تم نے بہانے کر کے اپنی جان بچالی لیکن عنقریب ایک وقت آئے گا اور ایک سخت اور جنگجو اور طاقتور قوم سے لڑنے کے لیے تم کو بلایا جائے گا اس وقت تمہاری جانثاری اور اخلاص کا امتحان ہو جائے گا اس کی تم کو ابھی سے خبر کر دی تا کہ تم سوچ لو اور خوب غور کر لو اس وقت خیبر میں تو تم کو چلنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی البتہ آئندہ جب اس جنگ جو اور طاقتور قوم سے مقابلہ ہوگا تو اس میں تم چاہو تو چلنا اس میں تم کو جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

جس کا ذکر ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ میں فرمایا گیا اور یہ طاقتور جنگ جو قوم قریش مکہ کے علاوہ ہوگی جو قوت وشوکت میں ان قوموں سے بڑھ کر ہوگی جن سے اب تک مقابلہ پیش آیا اور ظاہر اسباب میں ان پر غلبہ وفتح ممکن معلوم نہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بطور خرق عادت کمزور مسلمانوں کو فتح وکامیابی عطا فرمائے گا، اور اس پرشوکت وعظمت قوم یعنی فارس وروم کی حکومت وسلطنت درہم برہم کر دے گا۔ اور اس زمانہ میں فارس وروم آدھی دنیا کے مالک تھے

اور ساری دنیا ان سے مرعوب وہیبت زدہ تھی اور لفظ ﴿سَتُدْعَوْنَ﴾ یہ بتا رہا ہے کہ یہ دعوت آئندہ عنقریب زمانہ میں دی جائے گی اور یہ عنوان بتا رہا ہے کہ اس دعوت کا داعی ظاہراً کوئی انسان واحد مخصوص نہ ہوگا بلکہ وہ داعی اللہ ہوگا اور اس دعوت کو قبول کرنا اللہ کی دعوت کو قبول کرنا ہوگا اور اس کو ٹھکرانا اللہ کی دعوت کو ٹھکرانا ہوگا اور تاریخ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روم وفارس سے قتال ومقابلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہو کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا تو اس نص قرآنی اور تاریخی حقیقت نے خلفائے ثلاثہ کی دعوت کو اللہ رب العزت کی دعوت قرار دیا اور ان کی دعوت کی قبولیت کو ایمان کا ثبوت شمار فرمایا گیا اور اس دعوت کے انکار کو کفر وارتداد اور بغاوت کا درجہ دیا گیا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

اب کہیں گے آپ ﷺ سے یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ بادیہ نشینوں یعنی جنگلی قسم کے لوگوں میں سے حیلے کے طور پر ہم کو مشغول رکھا اور مہلت نہ دی ہم کو ہمارے مالوں (کاروبار) اور گھر والوں نے تو آپ ﷺ ہمارے واسطے مغفرت طلب کیجئے اس وجہ سے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر نہیں کر سکے کہہ رہے ہیں یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات جو انکے دلوں میں نہیں ہے جانتے ہیں کہ یہ عذر غلط ہے، نہ حقیقت میں انکو کوئی عذر ہے اور نہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ نہ جانے میں اپنے کو قصوروار سمجھ رہے ہیں کہ اس پر استغفار کی درخواست کریں یہ بھی ایک دھوکہ دینا ہے کہ انکی اس درخواست پر یہ گمان کر لیا جائے کہ واقعی یہ لوگ مجبور ہیں اور نہ جانے پر شرمندگی کے ساتھ معافی طلب کر رہے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے تو کس کو قدرت ہے تمہارے واسطے اللہ سے کسی چیز کو دفع کرنے کی، اگر اللہ چاہے کسی ضرر ومصیبت کو تمہارے لئے یا ارادہ کرے تم کو کوئی نفع پہنچانے کا یقیناً اللہ پر کسی کا بس نہیں دنیا کی کوئی طاقت اس کے کسی بھی ارادہ کو نہیں ٹال سکتی ہر نفع ونقصان اسی کے قبضے میں ہے اور اسی کی مشیت کے تابع ہے خداوند عالم کو اس طرح غلط اعذار اور حیلوں سے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو خوب خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو اے لوگو! یہ غلط ہے کہ تم کو تمہارے کاروبار اور گھر کے لوگوں نے مہلت نہیں دی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں نکلتے بلکہ تم نے تو یہ گمان کر لیا تھا کہ اب ہرگز نہیں لوٹیں گے رسول اور ایمان والے اپنے گھروں کی طرف کبھی بھی یہ دیکھ کر کہ مسلمان کمزور اور بے سروسامان ہیں اور قریش مکہ بڑے طاقتور اور ساز وسامان سے آراستہ ہیں اور یقیناً مقابلہ کی صورت میں یہ جتنے جانے والے مسلمان ہیں سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں پوری طرح رچا دی گئی تھی اور تمہاری دلی آرزو تھی حالانکہ یہ بات اور اس طرح کی تمنائیں خود تمہاری ہلاکت وتباہی کا باعث تھیں اور بے شک تم نے یہ گمان بہت ہی برا گمان کیا اور تم لوگ اپنے اس کمینہ پن کے باعث تباہ ہو جانے والی قوم ہو کیونکہ یہ چیز ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ اس پر درگزر کرے اور تم اس کی سزا سے بچ سکو اور قانون خداوندی یہی ہیں جو بھی کوئی ایمان نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو بس سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب جس سے ہرگز بھی کوئی نہیں بچ سکتا اور اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت زمینوں اور آسمانوں کی اس کے حکم کو مجال نہیں کہ کوئی ٹلا سکے جسکو چاہے وہ بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اگر اپنی مہربانی سے کسی کو بخشنا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر کسی کی معصیت ونافرمانی پر سزا دینا چاہے تو اس کو کوئی ٹلا نہیں سکتا اور اللہ ہے بڑا ہی درگزر کرنے والا مہربان کہ بندوں کے ہر گناہ پر انھیں سزا نہیں دیتا بلکہ درگزر ہی فرماتا ہے یہ اسکی مہربانی ہے اور رحمت ہے ورنہ قانون

عذاب کا تقاضا سزا کا نفاذ ہونے لگے تو کوئی بھی عذاب سے نہیں بچ سکتا بلکہ نوبت یہ آجائے ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ تو وہ محض اپنی شان رحیمی سے ایسے عذاب سے درگزر فرماتا ہے۔ ● اس وقت تو یہ اعذار اور حیلے کر کے بیٹھے رہے مگر اس کے بعد اب عنقریب یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے جب اے مسلمانو! تم چلو گے غنیمتوں کے حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دو ہمیں اپنے ساتھ چلنے سے نہ روکو ہم بھی چلتے ہیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا ہوا اور اس کا یہ فیصلہ ہے کہ جو اعراب جھوٹے ہیں اعذار پیش کر کے حدیبیہ کے سفر سے رہ گئے اب وہ آئندہ خیبر کے سفر میں شریک نہ ہو سکیں گے ان لوگوں کو چونکہ خیبر میں فتح کی توقع اور مال غنیمت کا لالچ تھا تو اس سفر میں ساتھ چلنے کے خواہش مند تھے جب کہ سفر حدیبیہ میں خطرہ غالب تھا اور ظاہر اسباب سے انکے دلوں میں یہی رچا ہوا تھا کہ مسلمان بچ کر واپس نہیں آسکیں گے تو اس میں چلنے کے واسطے تیار نہ ہوئے اس لئے اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دو تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے یونہی فیصلہ کر دیا ہے اللہ نے تمہارے واسطے پہلے ہی سے لہٰذا اب یہ تمہارے لیے ممکن نہیں کہ تم اس سفر میں روانہ ہو اور غزوہ میں شرکت کرو تو اس پر یہ لوگ کہنے لگیں گے نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم لوگ تو ہم پر حسد کرتے ہو کہ ہمارا کچھ فائدہ ہو جائے اور بوجہ حسد تمہیں یہ برداشت نہیں کہ مال غنیمت میں ہمیں بھی کچھ حصہ مل جائے اس لئے یہ کہہ رہے ہو کہ خدا نے ہمارے جانے کو منع کر دیا ہے حالانکہ ہمارے جانے کی کوئی ممانعت نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی وجہ تو اس طرح یہ منافقین خدا کے فیصلہ اور بات کو بدلنا چاہتے ہیں کچھ نہیں یہ تو سمجھتے ہی نہیں کسی بھی بات کو مگر بہت کم نہ انکو یہ شعور ہے کہ انکے جھوٹ کو اور فریب کو مسلمان اور رسول خدا ﷺ خوب سمجھ رہے ہیں اور نہ ہی انکو یہ احساس ہے کہ ان کی یہ حرکتیں ان کے کمینہ پن اور مال کی حرص و لالچ کو عیاں کر رہی ہیں عجیب خود فریبی میں مبتلا ہیں اپنی عیاری سے یہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھیں حالانکہ وہ خود دھوکہ میں مبتلا ہیں کہہ دو! اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان پیچھے رہنے والے گنواروں سے اچھا جب تم اب سفر خیبر میں نکلنے کا شوق ظاہر کر رہے ہو تو عنقریب تمہارا یہ شوق اور جذبہ ظاہر ہو جائے گا تو سن لو عنقریب تم کو بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کی جانب جو بڑی ہی قوت و شوکت والی ہوگی تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے یعنی از خود مرعوب ہو کر مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے یا اس کے بعد تم قتال کر لو پھر مغلوب و مفتوح ہوں پھر اگر تم اطاعت کر لو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایمان و اخلاص کے ساتھ تو اللہ تم کو بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ تم پہلے روگردانی اور نافرمانی کر چکے تو تم کو عذاب دے گا نہایت ہی دردناک عذاب یہ وعید و تنبیہ اور تہدید ان منافقین اور جھوٹوں کے واسطے ہے جو غلط اعذار پیش کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ غداری کرتے ہیں، لیکن جو لوگ واقعۃً معذور و مجبور ہیں سفر کی ان میں قدرت ہی نہیں ان کے متعلق قانون خداوندی یہ ہے کہ نہیں ہے نابینا پر کوئی حرج اور نہ ہی کوئی حرج ہے کسی لنگڑے معذور انسان پر اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اگر یہ لوگ سفر جہاد پر نہ نکلیں ان پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ یہ اس کے پابند ہیں کہ خواہ کچھ بھی مشقت و تکلیف ہو یہ ضرور نکلیں اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو باغات (جنتوں) میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص

● ان کلمات سے مضمون عذاب کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے وصف غفور رحیم کی مناسبت اور لطافت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

روگردانی ونافرمانی کرے گا اس کو دردناک عذاب دے گا۔

سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے والوں کی آزمائش اور سزا

ان آیات مبارکہ میں جن منافقین کا حدیبیہ کے سفر سے تخلف کرنے اور پیچھے رہ جانے کا ذکر فرمایا گیا ان پر بطور تہدید کے یہ واضح کر دیا گیا کہ ایسے منافقوں کے لیے بطور سزا حق تعالیٰ کی طرف سے دو چیزیں مقدر کی گئیں۔

ایک تو غزوہ خیبر (جس میں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی) میں شرکت کی ممانعت جس کے نتیجہ میں مال ودولت سے محرومی ایسے منافقوں اور مال کے حریص لوگوں کے واسطے تکلیف دہ چیز اور حسرت وملال کا باعث بنی دوسری سزا یہ طے کی گئی ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ﴾ کہ ایسی قوم کے مقابلہ اور جہاد کی طرف ان کو بلایا جائے گا جو بڑی قوت اور شوکت والی ہوگی۔

علامہ آلوسی ؒ فرماتے ہیں، ﴿قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ میں لفظ قوم نکرہ ہے اور نکرہ ظاہر ہے کہ غیر معین اور غیر معروف ہوتا ہے تو ان الفاظ کی دلالت سے یہ متعین ہوگیا کہ وہ قوم قریش کے علاوہ ہوگی جس سے تم واقف نہ ہوگے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ یہ قوم فارس اور روم تھی اور انکے قتال کی طرف دعوت دینے والے حضرات خلفائے ثلاثہ ؓ تھے اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس کا ظہور نہ ہوا تھا کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں حدیبیہ کے فوراً بعد غزوہ خیبر ہوا اس میں تو واضح طور پر ممانعت نازل ہوگئی ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ (کہہ دو کہ ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو) اس کے بعد فتح مکہ اور غزوہ حنین پیش آیا تو یہ دونوں واقعات بھی اس پیش گوئی کا مصداق نہیں کیونکہ یہ قومیں بھی قریش اور انکے لواحق میں تھے نیز حنین میں مقابلہ ہوازن سے پیش آیا اگر چہ وہ لوگ بڑے سخت تیر انداز تھے مگر وہ نہ تو تعداد میں زائد تھے اور نہ ہی قوت وشوکت والے تھے پھر غزوہ تبوک پیش آیا وہ بھی اس کا مصداق نہیں ہوسکتا اس لیے کہ تبوک میں تو قتال کی نوبت ہی پیش نہیں آئی حالانکہ الفاظ آیت یہ ہیں ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ کہ اس جنگ کا انجام یہ ہوگا کہ حریف یا تو مرعوب ہوکر اسلام لے آئیگا یا جنگ وقتال کی نوبت آئی تو مفتوح ومغلوب ہوگا تو غزوہ تبوک میں اس کی نوبت ہی نہیں آئی الغرض ان وجوہ سے بھی متعین اور ثابت ہوا کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد پیش آیا اور یہ مقابلہ فارس وروم ہی کے ساتھ تھا۔

حضرت علی ؓ کے زمانہ میں پیش آنے والے مقابلہ کی حقیقت

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز نے "ازالۃ الخفاء" میں اس آیت پر تفصیل سے کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وعدہ حضرت عثمان غنی ؓ کے دور خلافت میں پورا ہوگیا خلافت عثمانی کے بعد اگرچہ حضرت علی ؓ کے دور خلافت میں بھی قتال اور مقابلہ کی صورت پیش آئی لیکن انہوں نے جس قتال کی طرف لوگوں کو دعوت دی وہ مسئلہ خلافت کو مضبوط کرنے کے لئے تھا اور اس گروہ کے مقابلہ میں جو خود مسلمانوں میں سے تھا ان کو مغلوب کرنے اور شکست دینے کے واسطے حضرت امیر معاویہ ؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ ہوا یہ مقابلہ نہ تو کفر کے مقابلہ میں تھا اور نہ اس میں حضرت علی ؓ نے اعراب کو دعوت دی تھی۔

بعض روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت امیر ؓ کے حق میں یہ فرمایا تھا، یا علی

بانك لتقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ۔ کہ اے علی رضی اللہ عنہ تم قتال کرو گے قرآن کی تاویل پر یعنی اس کی مراد کی تحریف کرنے والوں سے مقابلہ کرو گے جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر لوگوں سے قتال کیا یعنی اس پر ایمان لانے کے واسطے ان لوگوں سے قتال کیا اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور یہ امر قطعی ہے کہ تاویل پر قتال و مقابلہ اسی سے ہوسکتا ہے اور اسی صورت میں کہ وہ گروہ اصل قرآن کو تو مانتا ہو مگر اس کی مراد میں تحریف و تاویل کرتا ہو اور تنزیل قرآن پر قتال کافروں ہی سے ہوسکتا ہے جو نزول قرآن کے منکر ہوں تو قتال علی التاویل اور قتال علی التنزیل دونوں جمع نہیں ہوسکتے الغرض وہ جنگ جو اور طاقت ور قوم جس کے ساتھ قتال کے لئے اعراب کو بلانے کا ذکر آیت مبارکہ میں ہوا اس کا ظہور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ خلیفہ راشد تھے ان کی دعوت کو قبول کرنا قرآنی حکم اور امر لازم تھا اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والا نص قرآنی سے مستحق اجر و ثواب تھا اور جنہوں نے ان کے حکم سے انحراف کیا ہو مستوجب عذاب ہوئے۔ ●

شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اس کے واسطے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اور ضعیف بھی روایت و دلیل نہیں اس کے بالمقابل ان حضرات صحابہ اور اصحاب حدیبیہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جرح و تنقید بلکہ طعن و تنقیص کرتے ہیں جن کے واسطے قرآن کریم نے صفت تقویٰ کو لازم فرما دیا گویا ان حضرات کے واسطے وصف تقویٰ لازمہ حیات ہوا ان کے ایمان و فضائل میں ایک نہیں متعدد آیات موجود ہیں۔

قرآنی پیش گوئی کے مصداق خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہوسکتا بچند وجوہ اول یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین لڑائیاں ہوئیں۔ جمل، صفین، نہروان۔ یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان اسلام سے تھیں ﴿أَوْ يُسْلِمُونَ﴾ اس پر صادق نہیں آتا یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لئے تھیں۔ دوم یہ کہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔ سوم یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ ان بدؤں کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دعوت جہاد دی ہو۔

بنی امیہ نے بھی کبھی حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت جہاد نہیں دی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں باقی رہے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم تو واقعات تاریخیہ بتلا رہے ہیں کہ انکے عہد میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی روم و ایران سے لڑائی ہوئی اور رومیوں اور ایرانیوں کا ﴿قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ﴾ ہونا یقیناً ناقابل انکار ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ ان تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم نے ان لڑائیوں میں حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت دی لہٰذا وہ بلانے والے قطعاً یہ تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہم ہیں پیشن گوئی کے تمام اجزاء ان پر منطبق ہیں اور جب ان کا داعی جہاد ہونا اور انکی دعوت کی اطاعت کا فرض ہونا ثابت ہوگیا تو خلیفہ برحق ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

● خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بروایت واقدی رحمہ اللہ مراجعت فرمائیں ازالۃ الخفاء جلد اول طبع قدیم۔ ۱۲

اگر باوجود اس پیشین گوئی کے تمام اجزاء کے منطبق ہوجانے کے کوئی شخص ان تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کو اس آیت کا مصداق نہ مانے اس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہو اور کلام الٰہی کی تکذیب ہوجائے۔ نعوذ باللہ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت بیان فرمائی ہے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی عمدہ تقریر تحفہ اثناء عشریہ میں لکھی ہے مگر حضرت مولانا الشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں جو تقریر اس آیت کی لکھی ہے وہ انھیں کا حصہ تھی میں اس موقع پر ازالۃ الخفاء کی وہ پوری تقریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اور اسی کو خاتمہ بیان بناتا ہوں میں نے جو کچھ لکھا وہ سب ازالۃ الخفاء میں ہے۔

شکر لطف تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار وگل ایں ہمہ آوردہ تست

ازالۃ الخفاء مقصد اول کی تیسری فصل جلد اول میں فرماتے ہیں:

وقال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الفتح، ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ. فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا. وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا: کہہ دو اے محمد ﷺ! پیچھے چھوڑے ہوؤں کو جو بادیہ نشینوں سے (ہیں) کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک ایسی قوم (کی لڑائی) کی طرف (جو) سخت لڑنے والی (ہوگی) تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوجائیں گے پس اگر اطاعت کرو گے تو دے گا خدا تم کو اچھا بدلہ اور اگر منہ پھیرو گے تم جیسے کہ منہ پھیرا تھا اس بلانے سے پہلے تو عذاب کرے گا تم پر درد دینے والا عذاب۔

اس آیت کا سبب نزول باجماع مفسرین اور بدلالت سیاق وسباق آیات اور موافق مضمون احادیث صحیحہ کے یہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

اسی تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ پھر فرماتے ہیں:

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب جاننا چاہئے کہ بلانے والے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے ان کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالات عقلیہ کے یہ بلانے والے یا جناب مقدس نبی ﷺ ہوں گے یا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم یا حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا بنی امیہ یا بنی عباس یا ترک جنہوں نے سلطنت عرب کے ختم پر جانے کے بعد سر اٹھایا تھا ان (چھ احتمالوں) سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا (اب دیکھو کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہیں کیونکہ) آنحضرت ﷺ سے اس قسم کا بلانا کبھی ظاہر نہیں ہوا اس لئے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے غزوات گنتی کے ہیں اور معلوم ہے کہ ان میں سے کسی میں اس قسم کا بلانا نہیں ہوا حدیبیہ کے بعد ہی علی الاتصال غزوہ خیبر ہوا اس غزوہ میں اعراب کے کسی متنفس کو آپ ﷺ نے نہیں بلایا بلکہ اس غزوہ میں تو سوا ان لوگوں کے جو حدیبیہ میں شریک تھے کسی اور کا شریک کرنا

منع تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (یعنی اے نبی ﷺ! اعراب سے) کہہ دو کہ تم (خیبر میں) ہمارے ساتھ نہ آؤ تمہارے متعلق پہلے ہی اللہ نے ایسا فرما دیا ہے خیبر کے بعد غزوۂ فتح پیش آیا اس غزوہ میں کچھ اعراب بلائے گئے مگر اہل مکہ ﴿قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ نہ تھے کیونکہ یہ وہی لوگ تھے جن سے لڑنے کے لئے حدیبیہ میں بلائے جا چکے تھے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ ﴿قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ سے اہل مکہ کے علاوہ کوئی دوسری قوم مراد ہے، غزوۂ حنین بھی مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ اہل ہوازن (جن سے اس غزوہ میں لڑائی تھی) اس سے بہت ہی قلیل و ذلیل تھے کہ ان کو بارہ ہزار مردان جنگی کے مقابلے میں (جو حنین میں) ہمرکاب حضرت نبی کریم ﷺ تھے یعنی (مہاجرین وانصار ومسلمین فتح مکہ) ﴿اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ کہا جائے یہ دوسری بات ہے کہ حکمت الٰہی نے میدان جنگ میں بوجہ اس کے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ ناز پیدا ہو گیا تھا دوسرا رنگ دکھا دیا غزوہ تبوک بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ نہیں پایا جاتا (یعنی اس غزوہ کا انجام یہ نہیں ہوا کہ حریف اسلام لاتا یا اس سے جنگ کی نوبت آتی) مقصود (الٰہی) اس غزوہ سے صرف اہل شام وروم کے دلوں میں ہیبت پیدا کرنا تھا جب ہرقل نے جنبش نہ کی اور فوج نہ بھیجی تو مسلمان لوٹ آئے (باقی رہے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ اور بنی عباس اور انکے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لیے بلایا ہی نہیں، جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا (جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا واقدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا لئے گئے ان کے عہد میں مسیلمہ بن قیس مارا گیا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور انہیں نے بنو حنیفہ سے قتال کیا نیز انہیں کے زمانے میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا اس وقت انہوں نے ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر کشی کریں اور انکی توجہ غزوہ روم کی طرف مائل ہوئی چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور نبی کریم ﷺ کو یاد کیا اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کر اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے سبب سے فضیلت دی ہے اور تم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت میں پیدا کیا ہے اور تمہارے ایمان یقین کو ترقی دی ہے اور کھلم کھلا تمہاری مدد کی ہے اور تمہارے ہی حق میں فرمایا ہے ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ﴾ الخ یعنی آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین اور یہ بھی واضح رہے کہ رسول خدا ﷺ کی توجہ اور ہمت ملک شام کی طرف تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انکو اٹھا لیا اور ان کے لیے اپنا قرب پسند کیا ﷺ لہٰذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق ومغرب سب میرے لیے لپیٹ دی گئی ہے اور جس قدر حصہ زمین کا میرے لئے لپیٹا گیا وہاں تک میری امت کی سلطنت پہنچے گی پس اب تم لوگ (اس بارے میں) کیا کہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے ان لوگوں نے کہا کہ یا خلیفۃ رسول اللہ ﷺ (ہمارا بولنا آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا مناسب ہے) آپ رضی اللہ عنہ اپنے حکم سے ہمیں اطلاع دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں کیونکہ اللہ عز وجل نے آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے چنانچہ فرمایا

﴿اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت مسرور ہوئے اور خوش ہوئے اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور بادشاہان یمن اور سرداران عرب اور اہل مکہ کے نام خطوط لکھے ان تمام خطوط کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبداللہ (ملقب بہ) ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام، سلام ہو تم پر۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد ﷺ پر میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ملک شام کی طرف بھیجوں تا کہ تم لوگ اس کو فتح کرو پس جو شخص تم میں سے جہاد کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ سبقت کرے اطاعت خدا اور اطاعت رسول ﷺ پر خط کے آخر میں یہ آیت لکھی تھی ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ الخ اس کے بعد یہ خط سب کے پاس بھیج دیئے اور اس کے جواب کا انتظار کیا، سب سے پہلے جو شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول خدا ﷺ کے خادم تھے (واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اس بلانے میں مثل جارحہ کے ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اس حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے بخطاب آنحضرت ﷺ کے فرمائی کہ تم ایک لشکر بھیجو تو، ہم ویسے پانچ لشکر بھیج دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے چنانچہ (ان کے) اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کیا جو دنیاوی عقل سے بالاتر ہے یہاں تک کہ غزوہ یرموک میں چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے اور ان کے ہاتھ سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی اور ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی بمقابلہ کوشش اور اہتمام کے دوگنا اور چوگنا نتیجہ حاصل ہوا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی کام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے دستور العمل بن گیا انہوں نے اس طریقہ سے غزوہ قادسیہ میں اعراب کو دعوت دی روضۃ الاحباب میں ذکر غزوۂ قادسیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ خبر ملی کہ اہل عجم نے یزدجرد کو بادشاہ بنایا ہے تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ ان اطراف میں جس کو تم جانتے ہو کہ اس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت وشجاعت بھی رکھتا ہے اور فن حرب سے واقف ہے اس کو فوراً سامان درست کر کے مدینہ روانہ کرو اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی کمک کے لئے جب کہ انہوں نے وہاں کے بادشاہ سے جنگ چھیڑی اعراب کو بلایا اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے تو یہ تمام تفصیلات اسی امر کو ثابت کر رہی ہیں کہ وہ بلانا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ انھی خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ہے اور ان میں سے ہر ایک خلیفہ راشد تھے انکی طرف سے جہاد کی دعوت حکم شرعی تھا اور ان کا حکم ماننا قرآنی فیصلہ تھا جس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا اور انکے حکم کی خلاف ورزی عذاب خداوندی کا سبب تھا۔

اور ان سب تفصیلات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شیعوں کا یہ دعویٰ کہ یہ دعوت دینے والے حضرت امیر (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہیں باطل ہے انہوں نے جس کو بھی دعوت دی تھی وہ بیعت کے توڑنے پر مقابلہ کرنے کے لئے [1] تھی۔ ان آیات کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی یہ تحقیق نہایت ہی بلند پایہ اسرار وحکم اور اصول دین اور خلافت راشدہ میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مقام عظمت ونزاہت عند اللہ تعالیٰ ان کی مقبولیت کے بیان پر مشتمل تھی اس وجہ سے اس تحقیق

[1] ازالۃ الخفاء جلد اول۔ روح المعانی جلد ۲۶

انیق کو علامہ آلوسی ؒ و دیگر ائمہ مفسرین کے کلام اور حضرت والد محترم شیخ الحدیث والمفسرین مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کے ارشاد فرمائے ہوئے اشارات سے مرکب و جمع کر کے اس ناچیز سراپا تقصیر نے پیش کر دیا ہے جو حقائق و لطائف ہیں وہ ان حضرات کے ہیں اور انکی ترتیب و بیان میں اگر تقصیر و نقائص محسوس ہوں تو وہ ناچیز کے ہیں جس پر طالب عفو و درگزر ہوں۔

(اللہ تعالیٰ مؤلف کو بلند درجات عطا فرمائے آمین) "مرتب"

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے ف۱ پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا ف۲

اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر جانا جو ان کے جی میں تھا،

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ

پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے ف۳ اور ہے

پھر اتارا ان پر چین، اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک، اور بہت غنیمتیں، جو ان کو لیں گے۔ اور ہے

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ

اللہ زبردست حکمت والا ف۴ وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم ان کو لو سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت ف۵ اور روک دیا

اللہ زبردست حکمت والا۔ وعدہ دیا ہے تم کو اللہ نے بہت غنیمتوں کا تم ان کو لو گے سو شتاب ملا دی تم کو یہ اور روکے

اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾

لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے ف۶ اور تاکہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے ف۷ اور چلائے تم کو سیدھی راہ ف۸

لوگوں کے ہاتھ تم سے۔ اور تا ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے، اور چلائے تم کو سیدھی راہ۔

ف۱ وہ کیکر کا درخت تھا حدیبیہ میں۔ غالباً "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ" الخ فرمانے کی وجہ ہی سے اس بیعت کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں۔ شروع سورت میں اس کا مفصل قصہ گزر چکا۔

ف۲ یعنی ظاہر کا اندیشہ اور دل کا توکل، حسن نیت، صدق و اخلاص اور حب اسلام وغیرہ۔

(تنبیہ) عموماً مفسرین نے "ما في قلوبهم" سے یہی مراد لیا ہے مگر ابوحیان کہتے ہیں کہ صلح اور شرائط صلح کی طرف سے دلوں میں جو رنج و غم اور اضطراب تھا وہ مراد ہے اور آگے "فانزل السكينة عليهم" اس پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی فتح خیبر جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی اور مال غنیمت بہت آیا جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم آسودہ ہو گئے۔

ف۴ یعنی اپنے زور و حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی۔ اور اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور حنین میں ہوا۔

ف۵ یعنی آگے چل کر بیشمار غنیمتیں ملنے والی ہیں۔ ان میں کا یہ ایک حصہ غزوہ خیبر میں دلوا دیا۔

ف۶ یعنی عام لڑائی نہ ہونے دی۔ اور حدیبیہ یا خیبر میں کفار کے ہاتھوں سے تم کو کچھ ضرر نہ پہنچنے دیا اور تمہاری غیبت میں تمہارے اہل و عیال وغیرہ پر کوئی دست درازی نہ کر سکا۔

ف۷ یعنی مسلمان سمجھیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور ان کا درجہ اس کے ہاں کیا ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے۔

ف۸ یعنی اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اس کی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہو گا تو اور زیادہ طاعت و فرمانبرداری کی ترغیب ہو گی۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

وَّأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ

اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر چیز کرسکتا ہے ف۱ اور اگر

اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی، وہ اللہ کے قابو میں ہے۔ اور ہے اللہ ہر چیز کرسکتا۔ اور اگر

قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ

لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے پیٹھ پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۲ رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو

لڑتے تم سے کافر، تو پھیرتے پیٹھ، پھر نہ پائیں گے کوئی حمایتی نہ مدد گار۔ رسم پڑی اللہ کی، جو

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

چلی آتی ہے پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے ف۳ اور وہی ہے جس نے روک رکھا ان کے ہاتھوں کو تم سے

چلی آتی ہے پہلے سے۔ اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی رسم بدلتی۔ اور وہی ہے جس نے روک رکھے ان کے ہاتھ تم سے،

وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے بیچ شہر مکہ کے بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا ان کو ف۴ اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

اور تمہارے ہاتھ ان سے بیچ شہر مکہ کے، پیچھے اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا، دیئے وہ۔ اور ہے اللہ جو کرتے ہو

بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ

دیکھتا ف۵ یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد حرام سے اور نیاز کی قربانی کو بھی بند پڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے

دیکھتا۔ وہی ہیں جنہوں نے انکار کیا، اور روکا تم کو ادب والی مسجد سے، اور نیاز کی قربانی کو، بند پڑی نہ پہنچے

ف۱ یعنی اس بیعت کے انعام میں فتح خیبر دی۔ اور مکہ کی فتح جو اس وقت ہاتھ نہ لگی وہ بھی مل ہی چکی ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کرلیا اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اسی صلح حدیبیہ کا ہے۔

ف۲ یعنی لڑائی ہوتی تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے کوئی مدد کر کے ان کو آفت سے نہ بچا سکتا۔ مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہوجائے۔ اور اس کی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں۔

ف۳ یعنی جب اہل حق اور باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہوجائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب و مقہور کیے جاتے ہیں یہ ہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تبدل و تغیر نہیں۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اہل حق بہیات مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں۔ اور بعض نے ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ کے معنی یوں کیے ہیں کہ اللہ کی عادت کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا۔ یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنت اللہ کے موافق ہونا چاہیے تھا۔

ف۴ مشرکین کی کچھ ٹولیاں "حدیبیہ" پہنچی تھیں کہ موقع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں یا اکیلے دکیلے مسلمان کو ستائیں۔ چنانچہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو شہید بھی کر ڈالا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے۔ آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا اور کچھ انتقام نہیں لیا۔ آیہ ہذا میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اور ببطن مکۃ (بیچ شہر مکہ کے) یعنی شہر کے قریب گویا شہر کا بیچ ہی سمجھو۔

ف۵ یعنی ان کی شرارتیں اور تمہارا عفو و تحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

يَبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ

اپنی جگہ تک ف۱ اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ

اپنی جگہ تک۔ اور اگر نہ ہوتے کتنے مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں، جو تم کو معلوم نہیں، یہ خطرہ

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا

کہ تم ان کو پیس ڈالتے پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑ جاتی بے خبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے ف۲ اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے

کہ ان کو پیس ڈالتے، پھر تم پر خرابی پڑتی بے خبری سے۔ کہ اللہ کو داخل کرنا اپنی مہر میں جس کو چاہے۔ اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے،

لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ

تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی ف۳ جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کد

تو آفت ڈالتے ہم منکروں کو دکھ کی مار۔ جب رکھی منکروں نے اپنے دل میں پچ

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ

نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر ف۴ اور قائم رکھا ان کو

نادانی کی ضد، پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا چین، اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر، اور لگے رکھا ان کو

التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع ۱۱

ادب کی بات پر اور وہی تھے اس کے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار ف۵

ادب کی بات پر، اور یہی تھے اس کے لائق، اور اس کام کے۔ اور رہے اللہ ہر چیز سے خبردار۔

ف۱ یعنی حرم کے اس حصہ تک قربانی کے جانور پہنچنے نہ دیے جہاں لے جا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے۔ حدیبیہ ہی میں رکے پڑے رہے۔

ف۲ یعنی کچھ مسلمان مرد وعورتیں جو مکہ میں مظلوم ومقہور تھے اور مسلمان ان کو پوری طرح جانتے نہ تھے وہ لڑائی میں بے خبری سے پس دیے جائیں گے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو فی الحال لڑائی کا حکم دے دیا جاتا۔ لیکن ایسا ہوتا تو تم خود اس قومی نقصان پر متاسف ہوتے۔ اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھو! مسلمان مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اس خرابی کے باعث لڑائی موقوف رکھی گئی تاکہ وہ مسلمان محفوظ رہیں۔ اور تم پر اس بے مثال صبر وتحمل کی بدولت خدا اپنی رحمت نازل فرمائے نیز کافروں میں سے جن لوگوں کا اسلام لانا مقدر ہے ان کو بھی لڑائی کی خطرناک گڑبڑ سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اس تمام قصے میں ساری ضد اور کعبہ کی بے ادبی ان ہی (مشرکین) سے ہوئی۔ تم باادب رہے۔ انہوں نے عمرہ والوں کو منع کیا اور قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچنے دی۔ بیشک وہ جگہ اس قابل تھی کہ اسی وقت تمہارے ہاتھ سے فتح کرائی جاتی مگر بعض مسلمان مرد وزن مکہ میں چھپے ہوئے تھے اور بعض لوگ جن کا مسلمان ہونا اب مقدر تھا، اس وقت کی فتح مکہ میں وہ پیسے جاتے۔ آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے کو تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے تب اللہ نے مکہ فتح کرا دیا"

ف۳ یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو کیسی دردناک سزا دلواتے ہیں۔

ف۴ نادانی کی ضد یہی کہ اسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیج دو۔ اگلے دو سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو۔ اور ہتھیار کھلے نہ لاؤ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھوا اور بجائے محمد رسول اللہ کے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ تحریر کرو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے =

بیعت الرضوان وفضائل اہل بیعت مع بشارت انعام خداوندی بعطاء غنائم وغلبہ اہل ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ... الى ... بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں ان اعراب و مخلفین کا ذکر تھا جو جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کر کے حدیبیہ کے سفر سے پیچھے رہ گئے تھے انکی باطنی گندگی اور قبائح کے ذکر کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے جس وعید اور تنبیہ کے وہ مستحق تھے بیان کی گئی تھی اب اس گروہ کے بالمقابل ان مخلصین و مطیعین اور جانثاروں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی کہ ہم زندگی کے آخری سانس تک رسول خدا ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور آخری دم تک ہر طرح کی مدد واعانت کرتے رہیں گے اور اطاعت و فرماں برداری سے قدم ہرگز پیچھے نہ ہٹائیں گے حق تعالیٰ شانہ نے ایسے مخلصین کا ذکر اپنی رضا و خوشنودی کے اعلان سے فرمایا ارشاد ہے:

بے شک اللہ خوش ہوا ان ایمان والوں سے جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ ﷺ سے اے ہمارے پیغمبر ﷺ اس درخت کے نیچے جو ایک کیکر کا درخت تھا مقام حدیبیہ میں جہاں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے بیعت کا اعلان فرمایا تھا اور صحابہ ﷺ نے اس درخت کے نیچے بیعت کا سلسلہ شروع کیا پھر جان لیا اللہ نے اس چیز کو جو انکے دلوں میں تھا۔ [1] اخلاص وایمان اور ایثار و جہاد کے جذبات سے تو اتارا ان پر سکون و اطمینان اور انعام دیا انکو ایک نزدیک فتح کا اور بہت سی غنیمتوں کا جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے کہ اس کے ارادہ اور عطاء کو کوئی طاقت روکنے والی نہیں اور وہ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس لئے اگر اس نے مقام حدیبیہ میں فتح اور غنائم کے بجائے معاہدہ اور صلح کو مقدر فرمادیا تو یہ اس کی شان حکیمی ہے کہ فتح و غنائم کو قریب وقت کے لئے مؤخر کر دیا جو فتح خیبر کی صورت میں فوراً ہی ظاہر ہوئی جیسا کہ تفصیل گزر چکی وعدہ کیا ہے اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جن کو تم آئندہ لوگے جس کا ایک حصہ خیبر کی غنیمتیں ہیں سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیئے لوگوں کے ہاتھ تم سے کہ مقام حدیبیہ میں کفار قریش تم پر حملہ نہ کر سکے ورنہ اس حالت میں کہ تم صرف چودہ سو یا پندرہ سو تھے بے سروسامان وطن سے دور تو اس حالت میں کفار مکہ اگر حملہ کر دیتے تو ظاہر اسباب بڑی پریشانی اور تکلیف کے تھے تو یہ کس قدر انعام ہوا اور اللہ کی رحمت ہوئی اور یہ سب کچھ اس وجہ

= یہ سب باتیں قبول کیں اور مسلمانوں نے سخت انقباض و اضطراب کے باوجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے آگے سر تسلیم جھکا دیا اور بالآخر اسی فیصلہ پر ان کے قلوب مطمئن ہو گئے۔

ف۵ یعنی اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اور کیوں نہ رہتے۔ وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے زبردست حامل تھے۔ ایک پکا موحد اور پیغمبر کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات و رجحانات کو عین جوش و خروش کے وقت اللہ کی خوشنودی اور اس کے شعائر کی تعظیم پر قربان کر سکتا ہے۔ حقیقی توحید یہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت و عزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے۔ شاید اسی لیے حدیث میں "كلمة التقوىٰ" کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے۔ کیونکہ تمام تر تقویٰ و طہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے۔ جس کے اٹھانے اور حق ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا تھا۔ اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔

[1] یعنی ظاہری احوال سے اندیشہ اور خطرے کے ساتھ حسن نیت صدق و اخلاص توکل و اعتماد اور حب اسلام کے ساتھ، علامہ ابوحیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلح کی شرائط سے قلب میں جو آثار رنج و غم تھے وہ بھی مراد ہیں۔ ۱۲

سے بھی کیا گیا کہ ایک نشانی ہوجائے ایمان والوں کے لئے اللہ کی قدرت ایمان پر خصوصی عنایات خداوندی کی اور تم کو صراط مستقیم پر چلائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا اللہ رب العزت کے وعدوں اور اس کی لامحدود طاقت پر بھروسہ ہمیشہ قائم رہے گا اور اس وقت کی فتح کے علاوہ ایک اور فتح بھی اللہ نے تمہارے واسطے کردی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو جس کا اللہ نے احاطہ کرلیا ہے اور وہ اس کے قابو میں ہے اور اللہ تو ہر چیز پوری قدرت رکھنے والا ہے اس لئے جس غنیمت اور فتح کو مسلمانوں کے واسطے اللہ نے طے کردیا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو اللہ کے قابو سے نہیں نکال سکتی۔

اور اس صورت میں کہ اللہ نے ایمان والوں کے واسطے فتح و کامیابی طے کردی ہو اگر قتال کرتے کافر تم سے تو پیٹھ پھیرتے شکست کھاتے ہوئے پھر نہ پاتے اپنا کوئی حمایتی اور نہ مددگار تم ہی غالب ہوتے اور فتح و کامرانی حاصل ہوتی اور ان کافروں کو کسی کی حمایت و مدد عذاب خداوندی سے نہ بچا سکتی مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہی تقاضا ہوا کہ فی الحال مقابلہ اور قتال نہ ہو اور معاہدہ و صلح ہی ہوجاتے اور اس صلح کی ان برکات سے مسلمان مستفید ہوں جو مستقبل میں ان کے واسطے مقدر کردی گئیں۔

اللہ کا طریقہ یہ ہے جو اسی طرح پہلے سے چلا آرہا ہے اور اے مخاطب تو اللہ کے طریقہ اور قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا کہ جب بھی اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن مرحلہ پر مقابلہ ہو تو آخر کار حق کو فتح ہوتی ہے اور اہل باطل مغلوب و مقہور ہوتے ہیں اللہ کی یہ سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ بس شرط صرف اتنی ہے کہ اہل حق مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہیں اور اللہ کے اس قانون کو کوئی دوسرا ہرگز تبدیل نہیں کرسکتا اور وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کافروں کے ہاتھوں کو تم سے جب کہ قریش مکہ کی کچھ ٹولیاں حدیبیہ کے مقام میں چوری چھپے حملہ آور ہونے کے ارادہ سے مسلمانوں تک پہنچ گئی تھیں اور تمہارے ہاتھ روک دیئے ان سے سرزمین مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو ان پر غلبہ د(کامیابی) بھی دے دیا تھا اور اس قسم کی چند ٹولیاں شرپسندوں کی جو آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ ؓ پر خفیہ حملہ کرنے کی نیت سے آئے تھے صحابہ ؓ نے ان کو پکڑ بھی لیا تھا اور زندہ گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کردیا تھا تھا اور اللہ دیکھنے والا ہے ان تمام کاموں کو جو تم کرتے ہو تو اس نے تمہارے اس حلم اور تحمل و درگزر کو بھی دیکھ لیا ہے اور وہ یقیناً ایسے صبر و تحمل کا بہتر بدلہ دے گا اور خدا تعالیٰ کے علم اور نظروں سے مجرم و نافرمان چھپے ہوئے نہیں ہیں خدا کو خوب معلوم ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو بندھا ہوا تھا اس بات سے کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ تک پہنچ جاتے یعنی حرم تک جہاں قربانیاں لے جا کر ذبح کی جاتی ہیں اور اگر نہ ہوتے کچھ مرد ایمان والے اور کچھ عورتیں ایمان والی جن کو تم نہ جانتے تھے تو اس صورت میں اگر قتال و جہاد کا حکم دے دیا جاتا تو خطرہ تھا کہ تم ان کو پیس ڈالتے پھر تم پر انکی وجہ سے کوئی خرابی اور مصیبت پیش آجاتی بے خبری کے ساتھ تو اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو اس وقت اللہ کی طرف سے حکم قتال ہوجاتا لیکن ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کہ مکہ میں بہت سے مومن مرد اور عورتیں موجود تھے جنکے ایمان کا تم کو علم نہ ہوتا اور قتال کی نوبت آجاتی تو وہ بھی لاعلمی میں پس جاتے اور ایمان والوں کا مارا جانا بلاشبہ ایک بہت بڑی خرابی اور تکلیف تھی جو تم پر واقع ہوتی تو اس مصلحت کے باعث اللہ نے معاہدہ اور صلح کی صورت پر اپنے پیغمبر ﷺ کو آمادہ کردیا تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جس کو چاہے

کیونکہ یہ ایک بے مثال تحمل اور صبر کا مظاہرہ تھا یقیناً ایسی مہربانی اور حلم کا بدلہ ضرور ملتا اور وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کر لے اگر وہ مسلمان مرد اور عورتیں ایک طرف جدا ہو جاتے تو ہم عذاب دیتے ان اہل مکہ میں سے کافروں کو بڑا ہی دردناک عذاب طبعی طور پر کافروں کی بے جا ضد اور عناد کی روش مسلمانوں کو متاثر اور مشتعل بنا سکتی تھی اور طبعاً ضد کا جواب ضد ہی سے دیا سکتا تھا لیکن یہ خدا کا کس قدر عظیم انعام ہے کہ ایسے وقت مسلمانوں کو خدا نے صبر و تحمل کا حوصلہ دیا جب کہ رکھی کافروں نے حمیت اور ضد اپنے دلوں میں جاہلیت کے زمانہ جیسی ضد نادانی کی لیکن اللہ نے سکون کی کیفیت اتاری اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر باوجودیکہ سخت اضطراب اور بے چینی کا عالم تھا اور صحابہ ؓ جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے مخمور تھے اور قائم رکھا ان پر تقویٰ ● کا کلمہ کہ وحی الٰہی اور فرمان رسول ﷺ کے سامنے صحابہ ؓ سراپا پیکر تقویٰ بن گئے اور حقیقت یہ ہے کہ وہی اس کے لائق تھے اور اس کے اہل تھے اس کے کام کے اور اس کے ثمرات کے مستحق تھے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ اللہ سے ڈر کر اسکی نافرمانی سے باز رہے اور حرم و کعبہ کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا، تو اللہ نے تقویٰ اور طہارت کا یہ وصف اصحاب رسول ﷺ کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا کہ ان کی حیات اور عمل تقویٰ اور تقویٰ کے تقاضوں سے جدا نہیں ہو سکتا اور کل امت میں وہی اس کے سب سے زیادہ مستحق اور اس کا حق ادا کرنے کے اہل تھے کہ جن کو خدا نے اپنی حکمت اور علم محیط سے چن لیا تھا اور بے شک اللہ تو ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے وہی جانتا ہے کہ کس کے واسطے تقویٰ لازمہ حیات بنایا جا سکتا ہے اور کس کو تقویٰ کا پورا حق ادا کرنے کے واسطے منتخب کیا جا سکتا ہے۔

سبب بیعت الرضوان

اس بیعت کا نام اس آیت مبارکہ کی وجہ سے بیعت الرضوان ہوا جس میں حق تعالیٰ نے ان اہل بیعت حضرات صحابہ ؓ سے اپنی رضامندی و خوشنودی کا اعلان فرمایا سفر حدیبیہ اور صلح و معاہدہ کی تفصیل ابتداء سورۃ فتح میں گزر چکی اور یہ کہ بیعت کس طرح واقع ہوئی روایات سیرت اور کتب احادیث سے بیعت الرضوان کا جو سبب معلوم ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے مقام میں پہنچ کر خراش بن امیۃ الضمری ؓ کو بطور قاصد اہل مکہ کی طرف بھیجا یہ پیغام دیکر کہ آپ ﷺ صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں اس کے علاوہ اور کوئی ارادہ مقابلہ یا قتال کا نہیں خراش بن امیہ ؓ جب اہل مکہ کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا اونٹ ذبح کر ڈالا اور خود ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن قریش کے کچھ لوگوں کے روکنے پر وہ اس بات سے باز رہے اس واقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروق ؓ کو مکہ مکرمہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر فاروق ؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر عداوت اور غیظ و غضب

● کلمۃ التقویٰ کی تفسیر کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے اس پر قائم رہنا سچے فرمانبردار اور پکے موحد کا کام ہے اور ایسا ہی فرمانبردار شخص رسول خدا ﷺ کے حکم پر اپنے تمام جذبات و رجحانات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور عین جوش و خروش کے وقت صرف اللہ رب العزت اور اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے اپنے تمام طبعی جذبات قربان کر ڈالتا ہے نہ اس کو اپنی عزت و ذلت کا سوال رہتا ہے نہ وقار کا مسئلہ حائل ہوتا ہے حدیث میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر اسی وجہ سے "لا الہ الا اللہ" سے کی گئی ہے کہ تمام تر تقویٰ اور طہارت کی بنیاد یہی ہے جس کو اللہ رب العزت نے حضرات صحابہ ؓ کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا اور اس کا حق ادا کرنے کے واسطے بھی ان کو چن لیا۔ ۱۲

رکھتے ہیں اور مجھے یہ توقع نہیں کہ اہل مکہ اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی کریں گے تو میرا کوئی مددگار ہوگا اس وجہ سے مناسب ہے کہ آپ ﷺ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں وہاں ان کا مضبوط قبیلہ ہے اور وہ لوگ ان کی قدر بھی کرتے ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انکو قریش مکہ کی طرف قاصد بنا کر روانہ فرمایا یہی پیغام دیکر کہ ہم لوگ صرف عمرہ کرنے ہی آئے ہیں اور ان کو اسلام کی بھی دعوت دینا اور یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مظلومیت کی زندگی گزار رہے ہیں انکے پاس جا کر ان کو بشارت سنا دینا فتح و کامیابی کی اور یہ بھی بتا دینا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنا دین غالب فرمائے گا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے راستہ میں ابان بن سعید العاص مل گیا اس نے اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس پر بٹھایا اور انکو اپنی پناہ دے کر قریش کو اس کی اطلاع کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ میری پناہ میں ہیں ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی کہا کہ اگر چاہو تو بیت اللہ کا طواف بھی کر سکتے ہو لیکن یہ بات کہ تم سب مکہ میں داخل ہو سکو یہ ممکن نہیں ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف بیت اللہ کرلوں اس پر قریش کے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کرلیا آنحضرت ﷺ کو کسی نے یہ کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو شہید کر دیئے گئے اس خبر کے ملنے پر آپ ﷺ نے لوگوں کو اعلان کرایا کہ قریش سے اس کا انتقام لینا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی بیعت کا حکم لے کر اترے کہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لیں آپ ﷺ کے اعلان فرمانے سے سب صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور درخت کے نیچے سلسلہ بیعت شروع ہو گیا ہر ایک اس پر بیعت کر رہا تھا کہ ہم میدان جہاد سے کسی بھی حالت میں ہرگز نہ بھاگیں گے۔ [1]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس درخت کی شاخیں ہاتھ سے تھامے ہوئے تھا تا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور شاخوں سے نہ چھپے [2] اور سب سے پہلے اس روز جس شخص نے بیعت کی وہ ابوسنان وہب بن محصن رضی اللہ عنہ، عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں شعبی رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ہے آنحضرت ﷺ نے جس وقت اعلان بیعت فرمایا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں بیعت کرلوں آپ ﷺ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرے گا (یعنی جانتا بھی ہے؟) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ آپ ﷺ کے دل میں ہے بس اسی پر میں بیعت و عہد کرتا ہوں خواہ میں اس وقت اس کو جانوں یا نہ جانوں یعنی جو بھی کچھ حکم ہوگا بس قبل اس کے کہ وہ معلوم ہو میں اس کی اطاعت و فرماں برداری کیلئے عہد کرتا ہوں۔

بیعت الرضوان میں ایک بیٹے کی اپنے باپ سے سبقت

بیعت الرضوان میں عام بیعت کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور

---

[1] صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی۔ احکام القرآن للقرطبی۔
[2] صحیح مسلم

صحابہ رضی اللہ عنہم بیعت کرتے جاتے تھے صحیح بخاری میں نافع رضی اللہ عنہ کی روایت [1] سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ اس بیعت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سبقت کرنے والے تھے اور انہوں نے والد سے پہلے بیعت کی جسکی صورت یہ ہوئی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک گھوڑا کسی انصاری کے پاس تھا انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو انصاری شخص سے گھوڑا لانے کے واسطے بھیجا مقصد یہ تھا کہ اگر جہاد کی نوبت آ جائے تو اس پر قتال کر سکیں عین اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر بھی نہ تھی کہ بیعت شروع ہو گئی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فوراً درخت کے نیچے پہنچ گئے اور فوراً بیعت کر کے پھر گھوڑا لینے کے واسطے گئے، اور آ کر اپنے والد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے کھڑے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور میں بیعت کر آیا ہوں یہ سنتے ہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھامے کھڑے رہے اور بیعت کا سلسلہ جاری رہا اس سلسلہ بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو کہ اس وقت مکہ میں محصور تھے ان کی بیعت اس شان کے ساتھ فرمائی۔ کہ اپنا ایک ہاتھ پھیلایا اور پھر دایاں ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارا اور جس طرح بیعت میں ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ پکڑا جاتا ہے اسی طرح اپنے ہاتھ سے دوسرا دست مبارک پکڑا۔

عراقی لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان عظمت پر جب جرح وتنقید اور طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزامات اور تہمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہوئی تھی اور طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہر مجمع میں ایک یہ بات بھی کہتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ وہ ہیں جو بیعت الرضوان میں غیر حاضر رہے تو ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی ان الزامات کو دہراتے ہوئے پوچھا بتاؤ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ شخص نہیں ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کی فرمایا میں تجھے اسکی حقیقت بتاتا ہوں اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے اس بیعت میں جو لوگ حاضر تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے بیعت کی تھی مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی نوبت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام بنایا خدا کی قسم ہم سب کی بیعت سے افضل اور بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت تھی۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے ایک تلمیذ سعید بن قتادہ رحمہ اللہ نے دریافت کیا مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اصحاب حدیبیہ جنہوں نے اس درختوں کے نیچے بیعت کی چودہ سو تھے فرمایا مجھے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا ہے کہ وہ پندرہ سو تھے بعض روایات میں تعداد اس سے کم اور بعض میں اس سے زائد بیان کی گئی لیکن ائمہ محدثین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ سو کی تعداد راجح ہے۔

شجرۂ مبارکہ جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی

سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخت کیکر کا تھا جسکے نیچے یہ بیعت لی گئی جس کا نام "بیعت الرضوان" ہے اور قرآن کریم نے ان مقدس نفوس سے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا بعض روایات وتاریخی نقول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

● [1] صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب التفسیر۔

لوگ اس درخت کی تعظیم وتکریم کرنے لگے اور وہاں آ کر نفلیں بھی پڑھتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس درخت کو کاٹ دینے کا حکم فرمایا اس اندیشہ سے کہ کہیں اس درخت کی پرستش نہ ہونے لگے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں طارق بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ ایک دفعہ حج کیلئے جا رہا تھا تو میں نے مقام حدیبیہ سے گزرتے ہوئے ایک جماعت کو دیکھا کہ اس میدان میں نماز پڑھ رہے ہیں میں نے کہا یہ کون سی مسجد ہے (کہ اس جگہ نماز پڑھی جا رہی ہے) لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی یہ سن کر میں حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور انکو یہ بتایا تو انہوں نے فرمایا میرے والد نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ ہم جب آئندہ سال عمرۃ القضاء کے وقت وہاں پہنچے تو ہم اس درخت کو بھول گئے اور یہ طے نہ کر سکے کہ وہ کون سا درخت تھا اور میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی یہ قصہ سنا کر سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ (عجیب بات ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس درخت کو نہ پہچان سکے اور اس پر ان کو قدرت نہ ہوتی اور تم نے اس کو پہچان لیا اب خود ہی سمجھ لو کہ یہ کیا بات ہے۔

تعبیر ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی بلاغت ونکتہ

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں رضا کے معنی "خوشنودی" بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ لفظ رضا کا استعمال کلام عرب میں متعدد صورتوں سے ہوتا ہے کبھی بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جائے، رضیت زیدا۔ اور کبھی عن اور با کے ساتھ مثلاً، رضیت زیدا باحسانه اور کبھی لام کے ساتھ مثلاً رضیت لك۔

علماء عربیہ فرماتے ہیں "ب" کے ساتھ استعمال سببیت کے معنی ظاہر کرتا ہے، باحسانه کہنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کے احسان کی وجہ سے میں خوش ہوا۔ اور جہاں بغیر صلہ کے استعمال ہو تو محض ذات بحیثیت ذات رضا کے معنی ہوں گے اور جس جگہ، ب، کا صلہ اور ذات دونوں کو جمع کیا جائے مثلاً، رضیت باللہ ربا۔ تو ذات سے خوشنودی کی نوعیت کو بتانا ہوگا یعنی اللہ رب العزت کے ساتھ خوشنودی بحیثیت اس کی ربوبیت اور بندگی ہے اور جب عن کے ساتھ استعمال ہوگا تو یہ ظاہر کرنا مقصود ہوگا کہ رضا اور خوشنودی کس چیز سے واقع ہوئی اور رضا و خوشنودی کا منشا کیا ہوگا تو اس موقع پر ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا عنوان اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی خوشنودی ان کے ایمان واخلاص کی وجہ سے واقع ہوئی اور یہی ایمان واخلاص اس رضاء الٰہی کا منشاء بنا جب کہ یہ عمل بیعت انکے ایمان کامل کے ثبوت پر ظاہر ہو رہا ہے جب کہ اس درخت کے نیچے بیعت ہو رہی تھی تو یہ عنوان بلیغ ترین عنوان ہوا بہ نسبت اس کے کہ رضی اللہ بیعتهم کیونکہ اس میں صرف اس عمل پر ہی خوشنودی کا اظہار ہوتا اب یہاں اس کے بالمقابل عمل کو ظرف بنایا گیا اور خوشنودی کا محل صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات قرار دے دی گئی اور اس کا منشاء ان کا ایمان واخلاص بتایا گیا جس کی گواہی دینے والا خود اللہ رب العزت ہوا اب اس کے بعد ان حضرات میں سے کسی کے بھی ایمان واخلاص میں شبہ کرنا درحقیقت خدا تعالیٰ کی گواہی کو ٹھکرانا ہوگا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ

اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیق کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے

اللہ نے سچ دکھایا ہے اپنے رسول کو خواب۔ تحقیق تم داخل ہو رہو گے ادب والی مسجد میں، اگر اللہ نے چاہا چین سے،

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ

بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے ف۱ پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی اس سے ورے

بال مونڈتے اپنے سروں کے اور کترتے بےخطرہ۔ پھر جانا جو تم نہیں جانتے، پھر ٹھہرا دی اس سے ورے

ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۲۷ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ

ایک فتح نزدیک ف۲ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر ف۳ تاکہ اوپر رکھے اس کو ہر دین

ایک فتح نزدیک۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ پر، اور سچے دین پر کہ اوپر رکھے اس کو ہر دین

كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

سے ف۴ اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا ف۵ محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر ف۶

سے۔ اور بس ہے اللہ حق ثابت کرنے والا۔ محمد رسول اللہ کا۔ اور جو اس کے ساتھ ہیں زورآور ہیں کافروں پر،

ف۱ ابتدائے سورت میں ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں۔ ادھر اتفاق سے آپ کا قصد اسی سال عمرہ کا ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عموماً یہ خیال جما لیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ جس وقت صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہوئی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امسال ایسا ہوگا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بیشک یوں ہی ہو کر رہے گا۔ تم امن وامان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے۔ اور تم میں سے کوئی سر منڈوا کر، کوئی بال کتروا کر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکا نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیبیہ سے اگلے سال یوں ہی ہوا آیہ ہذا میں اسی کو فرمایا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا۔ باقی "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" فرمانا ابن کثیر کے نزدیک تحقیق وتوکید کے لیے ہے اور سیبویہ کے نزدیک اس قسم کے مواقع میں قطعی طور پر ایک چیز کا بتلانا کسی مصلحت سے مقصود نہیں ہوتا اور کرنا منظور رہتا ہے وہاں یہ عنوان اختیار کرتے ہیں۔

ف۲ یعنی پھر اللہ نے اپنے علم محیط کے موافق واقعات کا سلسلہ قائم کیا وہ جانتا تھا کہ خواب کی تعبیر ایک سال بعد ظاہر کرنے میں کس قدر مصالح ہیں جن کی تمہیں خبر نہیں۔ اس لیے خواب کا وقوع امسال نہ ہونے دیا اور اس کے وقوع سے قبل تم کو لگتے ہاتھ ایک اور فتح عنایت کر دی۔ یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جسے صحابہ رضی اللہ عنہم فتح مبین کہتے تھے جیسا کہ سورۃ ہذا کے پہلے فائدہ میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

ف۳ یعنی اصول وفروع اور عقائد واحکام کے اعتبار سے یہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

ف۴ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔ اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہوگی۔ باقی حجت ودلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا اور رہے گا۔

ف۵ یعنی اللہ تعالیٰ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنے فعل سے اس کو حق ثابت کرنے والا ہے۔

ف۶ یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑتا اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ وقال تعالیٰ ﴿وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ وقال تعالیٰ ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى =

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ

نرم دل ہیں آپس میں ف۱ تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈھتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی ف۲ نشانی ان کی ان کے

نرم دل ہیں آپس میں، تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدے میں، ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی۔ بانا ان کا ان کے

وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ

منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے ف۳ یہ شان ہے ان کی تورات میں اور مثال ان کی انجیل میں ف۴

منہ پر ہے سجدے کے اثر سے۔ یہ کہاوت ہے ان کی توریت میں اور کہاوت ان کی انجیل میں،

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہوگیا اپنی نال پر ف۵ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو ف۶

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہوا اپنے نال پر، خوش لگتا کھیتی والوں کو

بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا

تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا ف۷ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں اور کیے ہیں کام بھلے معافی کا اور بڑے

تا جلائے ان سے جی کافروں کا، وعدہ دیا ہے اللہ نے، انہیں سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام، معافی کا اور

=الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔" جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔" علماء نے لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلا نہ سمجھے۔

ف۱ یعنی اپنے بھائیوں کے ہمدرد مہربان، ایک کے سامنے نرمی سے جھکنے والے اور تواضع و انکساری سے پیش آنے والے" مدینہ" میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

ف۲ یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع و سجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ وظیفہ عبودیت ادا کر رہے ہیں۔ ریاء و نمود کا شائبہ نہیں۔ بس اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش ہے۔

ف۳ یعنی نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے۔ گویا خشیت و خشوع اور حسن نیت و اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔

ف۴ یعنی پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور و طریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح علیہ السلام کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا۔ پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں" بعض کہتے ہیں کہ " اَخْرَجَ شَطْئَهٗ "میں عہد صدیقی " فَاٰزَرَهٗ " میں عہد فاروقی " فَاسْتَغْلَظَ " میں عہد عثمانی اور " فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ "میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ کو علی الترتیب خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر تقسیم کر دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحیثیت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آ رہا ہے واللہ اعلم۔

ف۶ کھیتی کرنے والے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اس لیے انکا ذکر خصوصیت سے کیا۔ جس ایک چیز کا مبصر اس کو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے۔

ف۷ یعنی اسلام کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جلنے والا کافر ہے۔

عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ ع ۱۲

ثواب کا ۔

بڑے نیگ کا ۔

خاتمہ سورت بر بشارت غلبہ وترقی اسلام مع بیان فضائل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

قال اللہ تعالیٰ : ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۔۔۔ الی ۔۔۔ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

ربط :......سورۃ کا آغاز فتح مبین کی بشارت سے فرمایا گیا تھا اور یہ کہ وہ معاہدہ وصلح جو اللہ رب العزت کی طرف سے فتح مبین ہے بیشمار عنایات اور کرامات کا ذریعہ ہے، فتوحات اور غنائم سے مسلمان قوم عظمت اور سربلندی حاصل کرے گی روم اور فارس کی فتح کی بھی بشارت سنا دی گئی جس کو اللہ تعالی نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورا فرمایا ساتھ ہی حیلے اور بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھے رہنے والے منافقین کی خباثت وشناعت کے ساتھ ان پر وعید وتنبیہ بھی فرمادی گئی تو اب اختتام سورت پر جس خواب کی تعبیر کو اللہ نے پورا فرمایا اس کا ذکر کرتے ہوئے غلبہ دین اور ترقی اسلام کی بشارت سنائی جارہی ہے اور اعراب منافقین کے بالمقابل مخلصین کاملین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات بیان فرمائے جارہے ہیں فرمایا:

بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خواب تحقیق کے ساتھ اس کی پوری پوری تعبیر دنیا کے سامنے ایک حقیقت بنا کر ظاہر فرمادی کہ اے مسلمانو! یقیناً تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن واطمینان کے ساتھ اس طرح کہ مونڈائے ہوئے ہو گے اپنے سروں کو اور کچھ لوگ تم میں سے کترتے ہوں گے اس حال میں کہ تم کسی سے کوئی اندیشہ نہیں رکھتے ہو گے پھر جانا اللہ نے اپنے علم محیط کے لحاظ سے اس چیز کو جو تم نہیں جانتے تھے کہ اس خواب کی تعبیر ایک سال میں ظاہر کرنے میں کس قدر حکمتیں اور عظیم مصلحتیں ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جب وہ خواب ۶ ہجری میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں کوئی سر منڈا کر حلال ہو رہا ہے اور کوئی بال کترا کر اور اتفاق امر یہ کہ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا قصد فرما کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اپنے ہمراہ لے کر روانگی کا اعلان فرما دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ خیال کیا ہم اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے جب صلح مکمل ہونے پر بغیر عمرہ کئے ہوئے حدیبیہ سے واپسی ہونے لگی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ہم کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو بے شک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر مونڈائے گا اور کوئی بال کترائے گا اور اس طرح تم احرام سے حلال ہو گے اور جب وہاں جاؤ گے تو یہ حال ہوگا تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا چنانچہ حدیبیہ کی واپسی سے اگلے سال ایسا ہی ہوا اس آیت مبارکہ میں اسی کو فرمایا جارہا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے

ف۱ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ وعدہ دیا ان کو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب رضی اللہ عنہم ایسے ہی تھے مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا حق تعالیٰ بندوں کو ایسی صاف خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں۔ اس مالک سے اتنی شاباش بھی غنیمت ہے۔ تم سورۃ الفتح بفضل اللہ ورحمتہ فللہ الحمد والمنۃ۔

اپنے رسول کا خواب سچا دکھایا ہے اور وہ پورا ہو کر رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ پھر اس خواب کی تعبیر ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے ایک نزدیک فتح یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جو دراصل مستقبل کی فتوحات اور اسلام کی عظمت و ترقی کا ذریعہ بنی جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اپنا رسول ہدایت دے کر اور سچا دین تاکہ غلبہ دے اس کو ہر دین پر جو اپنے اصول و عقائد اور فروع کے اعتبار سے اس قدر مضبوط واضح اور مستحسن ہے کہ اس سے قبل جس قدر ادیان گزرے شریعتیں اتاری گئیں اور انبیاء مبعوث ہوئے سب پر اس کو غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ تاریخ سے اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب و اقوام پر غالب ثابت کر دیا اور اسلام نے بڑی شان و شوکت سے صدیوں تمام مذاہب والوں پر حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا اس حقیقت کا مشاہدہ کرے گی باقی یہ بات کہ اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے تو بس سن لینا چاہئے کہ اللہ ہی کافی ہے حق ثابت کرنے والا ہونے کی حیثیت سے کہ تاریخ عالم دین اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو انکے ساتھ ہیں وہ بڑے ہی مضبوط اور زور آور ہیں کافروں کے مقابلہ میں ❶ اور نہایت ہی نرم دل ہیں آپس میں جس سے کافروں پر رعب پڑتا ہے اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار مگر اس شدت اور سختی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے ہی نرم دل ہیں ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کا پیکر ہیں اور یہ دونوں شانیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقام حدیبیہ میں پوری طرح نمایاں ہو رہی تھیں اس ایمانی پختگی اور عظمت کے ساتھ انکے ذوق عبادت اخلاص اور خشیت خداوندی کا یہ حال ہے کہ دیکھے گا کہ ان کو اے مخاطب رکوع کرتا ہوا اور سر بسجود اس طرح کہ ڈھونڈتے ہیں اللہ کی مہربانی اور اسکی خوشنودی اس اخلاص اور جذبہ سے کہ انکی ہر عبادت ہر ریا سے پاک صرف اسی غرض اور مقصد پر دائر ہوتی ہے ان کے باطنی تقوی کے آثار ایسے قوی ہیں کہ باطن سے ان کے آثار چہروں پر نمایاں محسوس ہوتے ہیں کہ دیکھے گا اے مخاطب ان کی نشانی اور اثر باطنی تقوی اخلاص اور خشیت کا ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے کیونکہ نمازوں کی پابندی بالخصوص تہجد کا اک خاص نور اور رونق عابدین کے چہروں پر جھلکتی ہے گویا حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن رہی ہیں ❷ یہ ہے ان کی صفت اور شان تورات میں اور مثال ان کی انجیل میں ایک کھیتی کی طرح ہے جس نے زمین سے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کو مضبوط کیا پھر اس کو موٹا کیا پھر وہ برابر کھڑا ہو گیا اپنی پنڈلی یعنی نال

❶ یعنی یہ دو صفتیں شدت و نرمی ان حضرات میں تھی لیکن الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی شان ان میں اس قدر رچی ہوئی تھی کہ کفر اور کافروں کے مقابلہ میں بڑے زور آور اور مضبوط اور شدید لیکن ایمان والوں کے واسطے سراپا پیکر محبت و مہربانی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کافروں کے ساتھ شدت و نفرت کا تو یہ عالم تھا کہ یہ بھی گوارا نہ تھا کہ انکے کپڑے بھی کافروں کے کپڑوں سے لگیں یا انکے بدن سے کافروں کا بدن چھوئے اس کے بالمقابل اہل ایمان کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی مسلمان اپنے دوسرے بھائی سے ملتا تو مصافحہ اور معانقہ کرتا۔ ۱۲ روح المعانی ج ۲۶

❷ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اپنے چہروں کے نور اور حقیانہ چال ڈھال سے الگ پہچانے جاتے تھے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں حضرات صحابہ کا خشوع اور تقوی بیان کیا ہے اور بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے ان للحسنة نورا فی القلب وضیاء فی الوجه وسعة فی الرزق۔ کہ نیکی کا نور قلب میں ہوتا ہے اور اس کی رونق چہرہ پر ہوتی ہے اور وہ رزق میں فراخی کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلوص نیت اور انکے محاسن اعمال کا یہ اثر تھا کہ جو بھی انکو دیکھتا اس کا دل گواہی دیتا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور نصاریٰ نے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر جب شام کے راستے ان کے لئے کھول دیئے تھے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بھی اچھے ہیں ۱۲ (تفسیر ابن کثیر۔)

پر اس طرح کہ پسند آتا ہے کھیتی کرنے والوں کو۔ یہ سب کچھ جو اس مثال کے ذریعہ صحابہ ؓ اور اسلام کی ترقی وشادابی اس کے نشوونما بلندی اور استقامت وقوت مقدر فرمائی گئی اور اس کو بیان کیا گیا اس غرض سے کہ ان کے ذریعہ کافروں کو غیظ وغضب میں ڈالے اور اسلام کی ترقی سے ان کے دل جلیں اور یہ بات اللہ نے پہلے ہی طے کرلی تھی کہ اسلام اس طرح کمزوری کے عالم میں نمودار ہوگا پھر ابھرے گا ترقی کرے گا اور پھلے پھولے گا تا آنکہ کافروں کے دل اسلام کی عظمت کو دیکھ کر جلنے لگیں جیسا کہ ارشاد مبارک ہے ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾۔

وعدہ کیا ہے اللہ نے ایمان لانے والوں اور نیکی کے کام کرنے والوں سے مغفرت ومعافی کا اور بڑے ثواب کا اور اللہ کے وعدے سے بڑھ کر اور کون سا وعدہ سچا ہوسکتا ہے ﴿وَعْدَ اللَّهِ﴾ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ چنانچہ دنیا کے سامنے یہ وعدہ پورا ہوکر رہا اور آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا اور جو مثالیں تورات وانجیل میں صحابہ ؓ کے ایمان وتقویٰ اور ان کے ذریعہ اسلام کی ترقی وعظمت کی بیان کی گئی تھیں وہ بھی پوری طرح دنیا کے سامنے آ گئی۔

تورات وانجیل میں حضرات صحابہ ؓ کے ایمان وتقویٰ کی نشانیاں

ان کلمات میں حضرات صحابہ ؓ کی عجیب ایمانی شان اور عظمت بیان کی گئی کہ انکی تورات وانجیل میں وہ نشانیاں ذکر کردی گئی تھیں کہ اہل کتاب دیکھ کر انہیں پہچان جاتے تھے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں تورات میں بیان کردہ مثال تو وہ تھی جو ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ﴾ میں ذکر فرمائی گئی اور انجیل میں جو مثال تھی وہ ﴿كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ﴾ تھی اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾ پر وقف ہے اور ﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان حضرات کی مثال انجیل میں اس کھیتی کی طرح بیان کی گئی ہے چنانچہ مجاہد ؒ، ضحاک ؒ اور قتادہ ؒ نے اسی کی تصریح کی ہے (روح المعانی ج ۲۶)

یہ کھیتی جس کا ایک پٹھا نکالنا بیان کی اس سے مراد وہ ایک شخص ہے جس نے سب سے پہلے دین اسلام قبول کیا اور وہ صدیق اکبر ؓ ہیں جن کی شان میں قرآن کریم کی یہ آیت ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ﴾ نازل ہوئی ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ﴾ نازل ہوئی ﴿الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ﴾ رسول اللہ ﷺ ہیں اور ﴿وَصَدَّقَ بِهِ﴾ کا مصداق باجماع مفسرین، صدیق اکبر ؓ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب ؒ اس کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت محمد ﷺ کے وقت میں پھر خلفاء ؓ کے عہد میں" بعض علماء فرماتے ہیں کہ ﴿أَخْرَجَ شَطْأَهُ﴾ میں عہد صدیقی ﴿فَآزَرَهُ﴾ میں عہد فاروقی ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ میں عہد عثمانی اور ﴿فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ﴾ میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دیگر اکابر نے ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ کو بالترتیب خلفائے اربعہ ؓ پر تقسیم کردیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جملہ حضرات صحابہ ؓ کی ہیئت مجموعی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ (فوائد عثمانی)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے خصوصی فضائل اور ان کے ایمان وتقویٰ کی قرآنی شہادت

قرآن کریم میں یہ آیات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس انداز کے ساتھ عظمت و برتری ان کا تقدس اور عند اللہ ان کا محبوب ہونا اور کافروں کا ان سے بغض وعداوت رکھنا بیان کر رہی ہیں اور وہ اپنے حقائق ولطائف کے لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔

سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رسالت کو بیان کیا گیا جس کو مشرکین نے صلح نامہ میں سے نکلوایا تھا جس کو اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی کتاب میں لکھ دیا بعد ازاں صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی عظیم دلیل ہیں شاگردوں کا کمال استاد کے کمال کی دلیل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کا ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ہے اور آئندہ آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال اور اخلاص کا بیان ہے۔

اور ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اس لئے کہ اول تو اوپر سے سلسلہ کلام اصحاب حدیبیہ کی مدح میں چلا آ رہا ہے دوم یہ کہ معیت کے حقیقی معنی کسی مقام میں کسی کے ساتھ ہونے کے ہیں اور معیت کے یہ معنی حقیقی ہیں اور جب تک معنی حقیقی بن سکیں معنی مجازی مراد نہیں لئے جاتے، سوم احادیث مستفیضہ مشہورہ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ یہ آیات اصحاب حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئیں اب اس کے بعد ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ سے ان کے فضائل اور ان کی صفات کے ذکر کا آغاز ہوتا ہے، ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے جب کہ حدیث میں ہے۔ من احب للہ وابغض وابغض للہ فقد استکمل الایمان۔ یعنی ان لوگوں کی محبت اور عداوت کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے ان لوگوں نے اپنی محبت اور شفقت کو اور عداوت ونفرت کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے غضب کے تابع کر دیا ہے جن پر خدا نرم ہے ان پر یہ بھی نرم ہیں اور جن پر خدا گرم ہے اور ان پر یہ بھی گرم ہیں اور لفظ ﴿عَلَى الْكُفَّارِ﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافروں کے محض کفر کی وجہ سے عداوت ہے کسی ذاتی غرض کی وجہ سے عداوت نہیں اور ظاہر ہے کہ کفر میں اصل اور بالذات شیطان ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ اور نفس شیطان کا توأم (جڑواں بھائی) ہے معلوم ہوا کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کافروں کے حق میں سخت ہیں تو نفس اور شیطان کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ اشد ہوں گے کیونکہ البغض فی اللہ میں خدا کے دشمنوں سے عداوت بقدر دشمنی ہوتی ہے جو خدا کا دشمن زیادہ ہوگا اس سے دشمنی بھی زیادہ ہوگی لہٰذا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ ہیں تو شیطان پر تو اور بھی زیادہ اشداء ہوں گے کیونکہ شیطان تمام کافروں کا سردار ہے اور علی ہذا القیاس نفس بھی اعداء میں سے ہے بلکہ ایک اعتبار سے شیطان سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے کہ شیطان بھی نفس ہی کے سہارے سے اپنا کام کرتا ہے اگر نفس نہ مانے تو شیطان کیا کرے نیز یہ بھی یاد رہے کہ آیت میں "کفار" سے وہ کفار مراد ہیں جو ان اہل ایمان کے اعزہ واقارب تھے تو جب مطلق عداوت کمال ایمان کی نشانی ہے تو اقرباء کی عداوت کو تو اکملیت کا نشان سمجھا جائے۔

الغرض جو شیطان کا ذاتی دشمن ہوگا وہ بھلا شیطان کے بہکائے میں کیسے آ سکتا ہے اور جس پر نفس اور شیطان کا بس نہ چلتا ہو بلکہ نفس اور شیطان ہی ان کے سامنے بے بس ہوں ان کے سایہ ہی سے بھاگتا ہو اور جس راستہ پر وہ چلتے ہوں اس راستہ ہی کو بھول گیا ہو تو ایسے لوگوں کے مخلص اور مومن کامل ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے لہٰذا ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ﴾ کو اکملیت ایمان کا نشان سمجھنا چاہئے ولذا قال اللہ تعالیٰ فی ایۃ اخری ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ﴾ الغرض اس لفظ سے صحابہ ﷺ کا کمال ایمان اور اللہ تعالیٰ کا محب اور محبوب ہونا خوب واضح ہو گیا اور ظاہر ہے کہ کمال محبت کا درجہ بدون حق الیقین کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

نکتہ:...... انسان میں حق تعالیٰ نے دو قوتیں رکھی ہیں ایک قوت شہویہ اور ایک قوت غضبیہ قوت شہویہ کا کمال یہ ہے کہ اس کو رحمت الٰہی کے تابع کر دے جس پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو اس سے محبت کرے، ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے اور قوت غضبیہ کا کمال یہ ہے کہ غضب خداوندی کے تابع ہو اور ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (ازالۃ الخفاء: ۱؍۴۲)

الغرض ﴿الَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ کی۔

پہلی صفت: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ میں صحابہ ﷺ کے کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری صفت: ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ میں صحابہ ﷺ کی عبادت اور اعمال کا بیان ہے کہ بکثرت نمازوں میں مشغول رہے ہیں اور نماز مومن کی معراج ہے۔

تیسری صفت: ﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ میں صحابہ ﷺ کے اخلاص اور کمال عرفان کا بیان ہے کہ وہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں کسی اجر اور معاوضہ کے طالب نہیں [1] بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے یہ اعمال تقیہ کی بناء پر نہیں ان کا ظاہر اور باطن سب یکساں ہیں گزشتہ آیت یعنی ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا حال بیان کیا اور اس آیت میں یعنی ﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ میں ان کے اخلاص و نیت کو بیان کیا کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل کرتے ہیں۔

چوتھی صفت: ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے اندرونی ایمان کا رنگ چہروں پر نمایاں ہے مناجات اور دعا اور عبادت کے انوار باطن سے نکل کر ظاہر میں آشکارا ہوں گے شاہ عبدالقادر ﷫ فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی ﷜ کسی مجمع میں بیٹھتے تو دور سے پہچان لئے جاتے اور اپنے چہرہ کے نور سے پہچانے جاتے کہ یہ صحابی ہیں۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　　　کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

قانون ہے کل اناء یترشح بما فیہ۔ ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ ان

---

[1] خلاف طریقت بود کاولیا　　تمنا کنند از خدا جز خدا!
گر از دوست چشمت بر احسان دوست　　تو در بند خویشی نہ در بند اوست

مقامات میں ان کے قرب من اللہ کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ حدیث میں ہے اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد۔ بندہ کو اللہ کا قرب سب سے زیادہ حالت سجود میں حاصل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں صفت: ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ فضائل اور اوصاف توریت اور انجیل میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں خبر دی گئی ہے۔ ﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ کہ علماء اہل کتاب نبی امی کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی صفت بھی توریت وانجیل میں مذکور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ذلك" اسم اشارہ ہے جس کا اشارہ مابعد کی طرف ہے یعنی کزرع الخ کی طرف ہے جو بعد میں مذکور ہے جیسا کہ حق جل شانہ کے قول میں ﴿وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ﴾ میں ذلك کا مشار الیہ ﴿دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ﴾ ہے جو بعد میں مذکور ہے۔

چھٹی صفت: ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ الخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دین اسلام کی تدریجی ترقی کو بیان فرمایا اور ان کی ترقی کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی اور کھیتی کی چار حالتیں اور مثال کے ذریعہ تدریجی ترقی کے بڑے بڑے چار مرتبوں کی طرف اشارہ کیا کہ جس طرح کھیتی کی ترقی کے چار درجے ہیں اسی طرح اسلام کی ترقی کے چار درجے ہیں (پہلا درجہ) ﴿اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ کا ہے یعنی دانہ نکلنے کی حالت کا ہے یہ حالت آغاز وجود کی ہے جو نہایت کمزور حالت ہے یہ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء بعثت کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا جو نہایت کمزور حالت تھی اتنی کمزور حالت کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اسلام کے ظاہر کرنے پر قادر نہ تھے ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ سے اسی مرتبہ اور اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت قبل از ہجرت کمزور تھی۔

(دوسرا مرتبہ) ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ یعنی دوسری حالت اس کھیتی کا مضبوط ہو جاتا ہے جس سے یہ امید ہو جائے کہ یہ کھیتی اب ضائع نہ ہوگی بلکہ درخت بن جائے گی یہ حالت ہجرت کے بعد پیدا ہوئی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشرکین کے جور وستم سے نکل کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور سلسلہ جہاد کا شروع ہوا اور دشمنان خدا سے جہاد میں مشغول ہوئے اسلام کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہوگئی یہ ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ کا درجہ ہوا سب سے پہلے بدر کا عظیم معرکہ پیش آیا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور تمام حجاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اطاعت آ گیا اور جزیرۃ العرب میں اسلام کی ایک درجہ کی ریاست اور حکومت قائم ہوگئی یہ ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ کا درجہ ہوا پس جب یہ درجہ حاصل ہو گیا تو اس حالت کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دار دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔

(تیسرا درجہ) ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ یعنی تیسری حالت درخت موٹا ہو جاتا ہے یہ حالت شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں حاصل ہوئی کہ شیخین رضی اللہ عنہما نے دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں سے جہاد کیا اور ان پر غالب آئے اور قیصر و کسریٰ کی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی اور کفر کی شوکت زیر وزبر ہوگئی اور اسلام کو کفر پر برتری اور بالادستی حاصل ہوئی تو اب

﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ کا درجہ حاصل ہوا۔

(چوتھا درجہ) ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ کا ہے کہ درخت اپنے تنا پر کھڑا ہوگیا یہ انتہائی کمال کی حالت ہے یہ حالت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حاصل ہوئی کہ قیصر وکسریٰ کے ماتحت جو بڑی بڑی ریاستیں تھیں وہ سب فتح ہوگئیں اور اسلام کی باج گزار بن گئیں اور معمورۂ عالم کے قلب پر اسلام کا قبضہ ہوگیا اور روئے زمین پر اسلام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگیا کہ روئے زمین کی کسی حکومت کو اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی اور مشرق اور مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں پہنچ گیا اور تمام بلاد مفتوحہ میں قرآن اور حدیث کی نشر واشاعت ہوئی جابجا مسجدیں بن گئیں اور ہر شہر میں قاضی اور مفتی اور معلم مقرر ہوگئے ہر جگہ دین کی تعلیم جاری ہوئی اور ملک کے تمام مقامات کا فیصلہ شرعی قانون کے مطابق ہونے لگا اب اسلام کو ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ کا درجہ حاصل ہوا کہ اسلام کی کھیتی اپنے عروج اور ترقی کے آخری درجہ پر پہنچی اور تمام دنیا میں اسلامی سکہ رائج ہوا اور اس کا بول بالا ہوا اور اسی کا حکم اور قانون دنیا میں رائج ہوا یہ سب فضل الٰہی تھا جو بطور خرق عادت ظہور میں آیا اور یہ سب باتیں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اسلام کو بام عروج پر پہنچایا اور اسلام کو ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ کا درجہ حاصل ہوا اس لفظ میں ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حاصل ہوئیں اور اسلام کو استحکام تام حاصل ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔

غرض یہ کہ لفظ ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ میں خلافت شیخین رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ ہے اور ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ میں خلافت عثمانیہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ کی تفسیر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ سے کارکنان قضا وقدر مراد ہوں کیونکہ اسلام کی کھیتی کے کاشتکار ملائکہ مدبرات ہیں اور لفظ یعجب حق تعالیٰ کی خوشنودی پر دلالت کرتا ہے۔

ساتویں صفت: ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ پھر اخیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک صفت ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ بیان فرمائی کہ کافر اسلام کی اس کھیتی کو دیکھ کر غیظ وغضب میں آجائیں گے یہ نہیں فرمایا ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الاعداء﴾ کہ ان کے دشمن یہ دیکھ کر جلیں گے تاکہ یہ چیز اس عنوان سے واضح ہوجائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جلن اور غیظ وغضب رکھنے والے کفر کے مرتکب اور کافر ہیں کہ خدا تعالیٰ جن کو پسند کرے ان کی مدح کرے یہ لوگ ان پر جرح وطعن کریں اور ان سے جلیں تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا درجہ کفر کا ہوگا اور ایسا طرز یقیناً اس پر دلالت کرے گا ایسے لوگوں کو دراصل خدا ہی سے دشمنی اور ضد ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے روافض کی تکفیر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں اور ان سے بغض نص قرآنی سے کفر ہے امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول اور فتویٰ کی تائید بہت سے اکابر، فقہاء اور ائمہ سے منقول ہے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص وتوہین کرتا ہے تو اس

پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا جو شخص بھی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ اس کے دل میں صحابہ ﷺ سے بغض ہے تو یقیناً یہ آیت اسی پر منطبق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے رسول خدا ﷺ کے اصحاب ؓ اس امت کے سب سے زیادہ برگزیدہ اور متقی افراد تھے جن کا علم نہایت عمیق تھا اور ان میں تکلف کا نام ونشان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر کی مرافقت کے لیے اور اپنا دین قائم کرنے کے واسطے چنا تو انکی فضیلت وعظمت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو جہاں تک بھی تم سے ہو سکے۔ ❶

وعدۂ مغفرت واجر عظیم از جملہ حضرات صحابہ ؓ

حضرات صحابہ ؓ کی مدح وتوصیف کو وعدہ مغفرت اور اجر عظیم پر فرما کر ان جملہ کمالات پر مزید عظمت وبرتری کی ایک مہر ثبت فرما دی اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ لفظ منھم میں من بیانیہ ہے اور ضمیر کا مرجع وہی ہے جو ابتداء کلام ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ﴾ سے متعین ہو چکا وہ جملہ حضرات صحابہ کرام ؓ ہیں چنانچہ علامہ آلوسی ؒ فرماتے ہیں منھم کی ضمیر مجرور اس جماعت کی طرف راجع ہے جو ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ اور ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ اور ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ﴾ سے سمجھی جاتی ہے تو ضمائر سابقہ کے ساتھ یہ ضمیر بھی اسی جماعت کی طرف راجع ہے اور اسی وجہ سے "من" بیانیہ ہے جیسا کہ من بیانیہ بہت سے مواقع میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جن حضرات کی حق تعالیٰ نے یہ صفات عظیمہ بیان کیں تورات وانجیل سے ان کی شان بتائی گئی ان کے ایمان وتقویٰ کمال عبادت خشوع وخضوع کے اوصاف واضح کئے گئے تو بلا شبہ ان سب ہی سے وعدۂ مغفرت اور اجر عظیم ہوگا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان اوصاف وکمالات کو بیان کر کے وعدہ مغفرت اور اجر عظیم پوری جماعت سے نہ کیا جائے بلکہ مبہم طور پر بعض سے کیا جائے، بلاشبہ جن کی یہ خوبیاں اللہ نے آسمان اور زمین کی تخلیق سے قبل اپنی کتاب میں لکھ دیں وہ جماعت بلا استثناء فرد واحد اس وعدہ کی مستحق ہے اور جس گروہ کے بارے میں وعدہ مغفرت اور اجر عظیم ثابت ہو چکا انکے بارے میں کسی بھی وقت بعد نزول آیات ارتداد اور گمراہی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شیعہ اس آیت میں من تبعیض کا لے کر صرف چند نفوس پر اس وعدہ کو منطبق کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ نص قرآنی کا انکار اور تحریف دین ہے اصول شریعت کی رو سے اس زعم اور دعویٰ کے گمراہی اور خروج عن الحق والھدایۃ میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے ازالۃ الخفاء میں اس آیت پر کلام کرتے ہوئے لفظ من کو تبعیض کے معنیٰ میں لیا تو اعیاذ باللہ اس تقدیر پر نہیں کہ صحابہ ؓ اس کا مرجع ہوں اور پھر ان میں سے بعض کے بارے میں یہ وعدہ ہو بلکہ اس صورت میں یہ کلام مستقل ہے حضرات صحابہ ؓ کے بعد آنے والی دوسری جماعتوں کے بارہ میں یہ وعدہ فرمایا جا رہا ہے کہ بعد میں آنے والی جو

❶ روح المعانی، سنن نسائی، جامع ترمذی۔ ۱۲

جماعتیں ان حضرات صحابہ ؓ کے نقش قدم پر چلیں گی اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ متصف ہوں گی ان سے بھی اللہ رب العزت نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمالیا ہے فرماتے ہیں کہ اس کا مرجع اصحاب حدیبیہ ؓ نہیں ان کے کمالات وفضائل ایمان وتقویٰ کی پختگی عاشق خدا اور رسول ہونا تو پہلے ہی بیان کردیا گیا تو اب آیت ﴿وَعَدَ اللّٰهُ﴾ کا مضمون اصحاب حدیبیہ ؓ کے بارے میں ہونا تو ماقبل کے منافی ہوگا کیونکہ وعدہ مستقبل کے واسطے ہوتا ہے تو جب انکے فضائل واکرام کا تحقق ہوگیا تو وعدہ کا کیا درجہ رہ گیا۔ اس لئے منهم کی ضمیر جماعت جدیدہ اور بعد میں آنے والے اور ہونے والے مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

هذا توضیح ما قاله الشاه ولی الله رحمه الله فی ازالة الخفاء والله اعلم بالصواب وهكذا حقق الشيخ الجلال المحلی رحمه الله وهكذا سمعت من حضرت الوالد الشيخ محمد ادريس الكاندهلوی رحمه الله قد تم بحمد الله تعالیٰ وتوفيقه تفسير سورة الفتح ولله الحمد، اللهم افتح لی ابواب رحمتك واشرح صدری لعلوم الكتاب۔

سورۂ حجرات

سورۂ حجرات سورۃ مدنیہ ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

(**پچھلی سورت سے ربط**) گزشتہ سورت میں فتح مبین کا اعلان اور فتح خیبر کی بشارت تھی، فارس اور روم سے جہاد کا ذکر تھا جو خلفائے راشدین ؓ کے زمانہ میں ہوا ان مضامین کے ساتھ مخلصین اور غیر مخلصین کا فرق اور ان کے کچھ احوال بھی بیان ہوئے اور اہل ایمان میں وہ ہستیاں جن کو حق تعالیٰ شانہ نے امت کے واسطے ایک نمونہ بنایا یعنی حضرات صحابہ ؓ خاص طور سے ان کے اوصاف وفضائل بیان کئے گئے تو اب اس سورت میں بوضاحت خلفائے راشدین ؓ کے ایمان وانقیاد واطاعت رسول اللہ ﷺ کا وہ رنگ بیان کیا جارہا ہے جس کے باعث وہ ان کرامتوں اور بشارتوں کے مستحق ہوتے جو گزشتہ سورت میں بیان کی گئیں اور ساتھ ہی انکے قلوب کی پاکی اور تقویٰ کے امتحان کا ذکر ہے کہ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ کہ خداوند عالم نے انکے دلوں اور قلوب کے باطنی تقویٰ کا امتحان لے لیا ہے جس میں الحمد للہ انکی کامیابی کا اعلان ان کلمات نے کردیا جس کے اولین اور عظیم ترین مصداق حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ ہیں جیسا کہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں بیان کیا اسی کے ساتھ آداب رسول اور حقوق رسالت کا بھی بیان ہے کہ امتی پر رسول اللہ ﷺ کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

(۴۹ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (اٰیاتها ۱۸ رکوعاتها ۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے ف۱ اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ سنتا ہے

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ سنتا ہے

ف۱ یعنی جس معاملہ میں اللہ ورسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو، اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ جس =

عَلِيْمٌ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ

جانتا ہے ف۱ اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ

جانتا۔ اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر، اور اس سے نہ

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ

بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہوجائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو ف۲ جو لوگ

بولو تہک کر جیسے تہکتے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت ہوجائیں تمہارے کئے، اور تم کو خبر نہ ہو۔ جو لوگ

يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط

دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے ف۳

دبی آواز بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے۔

= وقت پیغمبر علیہ السلام کچھ ارشاد فرمائیں، خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کرو۔ جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون و چرا اور بلا پس وپیش عامل بن جاؤ۔ اپنی اغراض اور اہوا و آراء کو ان کے احکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنی خواہشات و جذبات کو احکام سماوی کے تابع بناؤ۔

(تنبیہ) اس سورت میں مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق اور اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے سکھلائے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نظام کن اصول پر کاربند ہونے سے مضبوط و مستحکم رہ سکتا ہے اور اگر کبھی اس میں خرابی اور اختلال پیدا ہو تو اس کا علاج کیا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات ومناقشات خود رائی اور اغراض کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بلند کوئی معیار نہیں ہوسکتا۔ ایسا کرنے میں خواہ وقتی اور عارضی طور پر کتنی ہی تکلیف اٹھانا پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

ف۱ یعنی اللہ و رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر ہوسکتی ہے جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں ڈر نہیں، تو بظاہر دعوائے اسلام کو نباہنے کے لیے اللہ و رسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر ان کے احکام کو آگے رکھے گا لیکن فی الحقیقت ان کو اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لیے ایک حیلہ اور آلہ کار بنائے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے، پھر اس کے سامنے یہ فریب کیسے چلے گا چاہیے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

ف۲ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لہجہ میں ادب وشائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے، اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہیے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکدر پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہ ہی ادب چاہیے اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت مفاسد و فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

ف۳ یعنی جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تواضع اور ادب و تعظیم سے بولتے اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لیے پرکھ لیا اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔ قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز۔ ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔ ﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم =

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا ف۱

ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا۔

حقوق آداب وعظمت رسول اکرم ﷺ وانحصار فلاح وسعادت درانقیاد واطاعت پیش فرامین بارگاہ رسالت

ربط:...... سورۃ فتح کا اختتام حضرات صحابہ ؓ کے خصوصی اوصاف وفضائل وکمالات کے ذکر پر ہوا تھا تو اب اس سورت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ امت پر رسول خدا ﷺ کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

اور حضرات صحابہ ؓ کو اللہ نے جو ایسے فضائل وکمالات سے نوازا تھا وہ ان کے انقیاد واطاعت ہی کے باعث تھا، دلوں کے تقویٰ کے ساتھ ظاہری آداب اور حقوق عظمت کا کس قدر لحاظ تھا کہ مجلس میں جب بیٹھتے تو وہی شان ہوتی جو احادیث میں فرمائی گئی کہ کان علی رؤسنا الطیر گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں تو ان مضامین کا آغاز رسول اعظم ﷺ کے حق تعظیم وتجیل کے بیان سے کیا جارہا ہے ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو! ہرگز آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ اور اسکی بات سے آگے بڑھو اسکی خلاف ورزی یا اپنی بات کو رسول خدا کی بات پر اونچی کردیا کسی معاملہ میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے پہلے ہی کچھ طے کرلو یا اپنی رائے کے مقابلہ میں وحی الٰہی کو نظر انداز کردو ❶ بلکہ اس کے برعکس ہر حکم الٰہی اور فیصلہ رسول کو بے چون وچرا سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اس کے خلاف دل میں بھی کسی قسم کی تنگی نہ رکھو اپنی اغراض وخواہشات اور جذبات وحی الٰہی کے تابع کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی خوف خدا اور خشیت وتقویٰ اس امر کا ضامن ہوگا کہ تم کسی بھی مرحلہ پر خدا اور اس کے رسول سے آگے قدم نہ بڑھا سکو گے اور یہ باطنی تقویٰ اس اعتقاد پر موقوف ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے اس لئے کسی انسان کا کوئی قول وفعل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے اللہ رب العزت کی سچی فرمانبرداری اور کامل اطاعت اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں مضمر ہے اور اطاعت وفرمانبرداری تعظیم و توقیر اور ادب پر موقوف ہے اس لیے پیغمبر خدا ﷺ کی توقیر وتعظیم کا یہ حق ہے کہ اے ایمان والو تم بلند نہ کرو اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز پر اور نہ تڑخ کر بات کرو ان سے جیسے کہ تم ایک دوسرے پر تڑختے ہو اور سخت لب ولہجہ میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو ہرگز اس طرح کی بے ادبی اور بے حرمتی خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ بات کرنے میں اختیار نہ کرنا کہیں ایسا نہ تمہارے اعمال نیکیاں برباد ہوجائیں اور تم کو خبر ہی نہ ہو اس لئے کہ اس قسم کی بے حرمتی اور بے ادبی سے گفتگو کرنا

= کے احکام وارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔

ف۱ یعنی اس اخلاص وحق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

❶ یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی یہ متعدد صورتیں ہیں کسی مومن کے لئے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کرنا یہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے۔ ۱۲

رسول خدا ﷺ کی اذیت اور دل آزاری کا ذریعہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جس سے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تکدر واقع ہو اصل ایمان ہی کی بربادی کا باعث ہے جیسا کہ سورۃ احزاب میں واضح طور پر اعلان فرما دیا گیا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس اور جب بھی وہ مجلس رسول ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں آوازیں پست رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی ہیبت ورعب ان پر اس قدر طاری رہتا ہے کہ آواز ہی گویا نہیں نکلتی تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ لیا ہے تقویٰ کے واسطے کہ ادب کی تخم ریزی کے لیے ان کے قلوب کو پرکھا اور ان کو مانجھ کر اور صیقل کر کے تقوی وطہارت سے مزین کیا ان کے واسطے درگزر ہے ان کی کوتاہیوں سے اور بڑا ثواب ہے جو ان کو ایمان واخلاص رسول خدا ﷺ کے احکام کی اطاعت وفرمان برداری اور ان کی تعظیم وتوقیر پر بارگاہ رب العزت سے عطا کیا جائے گا۔

الغرض یہ ایمان کے بنیادی تقاضے ہیں جن کی رعایت اور تکمیل ہر مومن پر فرض ہے کامل اطاعت وفرمانبرداری کہ ہر حکم خدا اور رسول کے سامنے سرنگوں ہو جانا اور کسی بھی بات میں فرمان خداوندی اور حکم رسول سے آگے نہ بڑھنا جس کی اساس تقویٰ ہے پیغمبر خدا کا ادب اور تعظیم وتوقیر اور ہر ایسی بات سے اجتناب واحتیاط جس سے پیغمبر خدا ﷺ کو تکدر یا دل آزاری ہو۔

بارگاہ رسالت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ادب وتواضع

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں پیش آنے والے بہت سے واقعات امت کے واسطے عظیم رحمت اور سامان ہدایت بنتے ہیں کہ قیامت تک کے واسطے ایک ایسا ضابطہ میسر آ جاتا ہے کہ اس پر ایمانی زندگیوں کی تعمیر وتشکیل کی جا سکے۔

حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ آیت ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ﴾ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ میں نازل ہوئی، بخاری رحمہ اللہ [1] نے ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بلند ہوگئی جب کہ بنوتمیم کا ایک وفد آیا تو ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ امیر اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے دوسرے نے کہا نہیں ان کو نہیں کسی [2] کسی اور کو بنایا جائے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تم نے میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہوئے اس کے خلاف کہا انہوں نے جواب دیا نہیں میں نے تمہاری مخالفت کا کوئی قصد نہیں کیا تو اس وقت ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے کچھ آواز بلند ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ﴾ اس کے بعد ان حضرات کی تو یہ کیفیت ہوگئی کہ بات کرتے وقت انکی آواز ہی نہیں سنائی دیتی تھی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو بار بار پوچھنا پڑتا تھا کہ بھائی کیا کہہ رہے ہو۔

حافظ رحمہ اللہ نے مسند بزار کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ

[1] صحیح بخاری ج ۲ کتاب التفسیر۔ ۱۲

[2] بعض روایات سے ان کا نام معلوم ہوا القعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ۔

سے عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ اب آئندہ کبھی بھی کوئی بات نہ کروں گا مگر صرف اسی طرح کہ جیسے کوئی آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے والا ہو۔

حضرات صحابہ ؓ آپ ﷺ کے آداب عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر بعض ایسے صحابہ ؓ نے جن کی قدرۃً آواز اونچی تھی آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونا ہی چھوڑ دیا۔

حضرت ثابت بن قیس ؓ انصار کے خطیب تھے اور نہایت بلند آواز تھے ارادہ کر کے بھی آہستہ بولتے تب بھی انکی آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے اونچی ہی ہوجاتی تو انہوں نے ڈر کر مجلس ہی میں حاضر ہونا ترک کر دیا اور یہی سمجھا کہ جب بھی بولوں گا آواز اونچی ہوجائے گی اور اس طرح وعید ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ کی زد میں آجاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے کئی روز ثابت بن قیس ؓ کو مجلس میں نہ دیکھنے کی وجہ سے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا ثابت ؓ کو؟ کیا وہ بیمار ہے؟ (کہ نہیں آرہا ہے) ایک صحابی نے اس کا تذکرہ کیا تو ثابت بن قیس ؓ نے یہ سبب بیان کیا اور کہا کہ ایسی صورت میں مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں اہل نار میں سے ہوجاؤں گا ان صاحب نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ وجہ بیان کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں بل ھو من اھل الجنۃ بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے۔ ❶

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ثابت ؓ سے فرمایا اے ثابت کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم زندگی گزارو قابل تعریف زندگی اور اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو اور جنت میں داخل ہوجاؤ بولے کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ میں راضی ہوں اللہ اور اس کے رسول کی بشارت پر۔ ❷

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق ؓ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے کہ) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ ﷺ میں اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ کا احترام آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ ﷺ کی دنیوی حیات مبارکہ میں ﴿لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ کی حرمت و ممانعت تھی اسی طرح اب بھی ہے اس لیے قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور سخت لب ولہجہ اختیار کرنا ممنوع ہے وقار و سکون اور تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے ہوئے بات کرے۔ ❸

ف:...... حبط اعمال کی وعید کفر و شرک اور ارتداد کے بعد اس پر بیان فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ خدا کے مقابلہ میں بدتمیزی اور گستاخی ارتداد اور کفر کے درجہ کی معصیت ہے کیونکہ یہ چیز ایذاء رسول ﷺ ہے اور رسول خدا ﷺ کو ایذاء پہنچانا ایمان سے محرومی ہے۔ العیاذ باللہ۔

---

❶ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔

❷ اخرجہ الامام احمد رحمہ اللہ ۱۲

❸ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے اور اگر وہ صبر کرتے

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے، وہ اکثر عقل نہیں رکھتے، اور اگر وہ صبر کرتے،

حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑤ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

جب تک تو نکلتا ان کی طرف تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱ اے ایمان والو اگر

جب تک تو نکلتا ان کی طرف، تو ان کو بہتر تھا۔ اور اللہ بخشتا ہے مہربان۔ اے ایمان والو! اگر

جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ

آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر

آئے تم پاس ایک گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کرو، کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے، پھر کل کو لگو اپنے کئے پر

نٰدِمِیْنَ ⑥ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

لگو پچھتانے ف۲ اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے ف۳

پچھتانے۔ اور جان لو، کہ تم میں رسول ہے اللہ کا۔ اگر تمہاری بات مانا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے،

ف۱ بنی تمیم ملنے کو آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے، وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے لگے کہ "یا محمد اخرج الینا" (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر آیئے) یہ بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے تھے۔ کیا معلوم ہے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات تو مسلمانوں کے تمام دینی و دنیاوی امور کا مرکز و ملجاء تھی۔ کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لیے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جائے اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آخر پیغمبر کا ادب واحترام بھی کوئی چیز ہے چاہیے تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کیا جاتا تو ان کے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے۔ چاہیے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

ف۲ اکثر نزاعات ومناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لیے اول اختلاف وتفریق کے اسی چشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔ فرض کیجیے ایک بے راہرو اور تکلیف دہ آدمی نے اپنے کسی خیال اور جذبہ سے بے قابو ہو کر کسی قوم کی شکایت کی۔ تم محض اس کے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم پر چڑھ دوڑے، بعدۂ ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا، تو خیال کرو اس وقت کس قدر پچھتانا پڑے گا۔ اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہوگی اور اس کا نتیجہ جماعت اسلام کے حق میں کیسا خراب ہوگا۔

ف۳ یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کسی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو۔ حق لوگوں کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو تو زمین وآسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے کما قال تعالیٰ ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ الغرض خبروں کی تحقیق کیا کرو اور حق کو اپنی خواہش اور رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو برا نہ مانو۔ رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر، اسی میں تمہارا بھلا ہے، اگر تمہاری بات مانا کرے تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے، پھر کس کس کی بات پر چلے۔"

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ

پر اللہ نے محبت ڈالی تمہارے دل میں ایمان کی، اور اچھا دکھایا اس کو تمہارے دلوں میں اور برا لگایا تم کو کفر اور گناہ

وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ

اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے ف۱ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

اور بے حکمی۔ وہ لوگ وہی ہیں نیک چال پر۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔ اور اللہ سب جانتا ہے

حَكِیْمٌ ﴿۸﴾

حکمتوں والا ف۲

حکمت والا۔

تنبیہ وتہدید بر بے تمیزی و بے حرمتی در بارگاہ رسالت وتلقین آداب تعظیم واطاعت

ربط:......گزشتہ آیات میں ان حقوق وآداب کا ذکر تھا جو رسول ﷺ کی ذات اقدس کے لیے امت پر عائد اور فرض ہیں اور ان حقوق میں کوتاہی پر وعید وتنبیہ تھی اور یہ کہ یہ ایسی خطرناک تقصیر وغلطی ہے کہ مسلمان سرمایہ اعمال سے ہی محروم ہوسکتا ہے، جو اس نے اپنی زندگی میں کمایا تو اب ان آیات میں بعض ایسی گستاخیوں اور بے تمیزیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو جہلاء اور کم عقل لوگوں سے پیش آتی تھیں اور اس پر تنبیہ کی گئی اور یہ بتایا جارہا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو مخاطب بنانے اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوکر بات کرنے کا کیا طریقہ ہے ادب اور تعظیم وتوقیر اختیار کرنا چاہئے ارشاد فرمایا:

جو لوگ آپ ﷺ کو اے ہمارے پیغمبر پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے ان کو چاہئے تھا کہ اس طرح بے تمیزی کا مظاہرہ نہ کرتے کہ حجروں کے پیچھے ہی سے یا محمد، یا محمد، یا، یارسول اللہ یارسول اللہ کہہ کر پکارنے لگیں، ان کو تو متانت اور ادب کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کی طرف نکل کر باہر آجاتے اور اس وقت آپ ﷺ سے تخاطب شروع کرتے تو بہتر تھا ان کے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس وجہ سے جو بات بے عقلی یا نادانستگی سے سرزد ہوئی اللہ تعالیٰ اس سے درگزر اور اس کو معاف فرمائے گا۔

صبر وتحمل اور متانت انسان میں وہ وصف ہے کہ اس کی بدولت بہت سی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے اور معاملات ومعاشرت میں باہمی اخوت وہمدردی کی فضا قائم ہوتی ہے اس لیے یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اے ایمان والو! جب تمہارے

ف۱ یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پیغمبر علیہ السلام تمہاری ہر بات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوئی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل واحسان سے مومنین قانتین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا۔ اور کفر ومعصیت کی نفرت ڈال دی جس سے وہ ایسی بیہودگی کے پاس بھی نہیں جاسکتے۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے وخواہش کی پیروی کہاں ہوسکتی ہے۔ آج گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ونائب یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

ف۲ یعنی وہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت سے وہ احوال ومقامات مرحمت فرماتا ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوں۔

پاس کوئی فاسق وفاجر آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو تم جا پڑو کسی قوم پر نادانی اور صحیح حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو کیونکہ بسا اوقات انسان کسی غلط خبر پر جذبات میں آکر کسی کے مقابلہ میں غلط قدم اٹھالیتا ہے پھر جب حقیقت سامنے آتی ہے تو اپنی نادانی اور حماقت پر پچھتانا پڑتا ہے اور ظاہر ہے اس طرح کی باتوں سے مسلمان قوم کی اجتماعی اور انفرادی زندگی مختلف اقسام کی خرابیوں میں پڑ جائے گی ہر فتنہ اور شر سے تحفظ کے لیے خدا نے اپنا پیغمبر تمام عالم کے واسطے ہادی اور رحمت بنا کر مبعوث فرما دیا ہے تو پیغمبر خدا کی ہدایت وارشاد کو لائحہ عمل بنانا چاہئے اور اے ایمان والو! یہ بھی جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ قیامت تک مسلمانوں میں رہے گا اور مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ رسول خدا ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ ہی کی اتباع وپیروی کریں یہ روش ہرگز اختیار نہ کریں کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ کو اپنی مرضیات اور جذبات کے تابع کریں یا رسول خدا ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کو اپنی اغراض وخواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کریں اگر اللہ کا رسول تمہاری موافقت کرنے لگے تمہاری بہت سی باتوں میں تو یقیناً تم بڑی ہی مشقت میں پڑ جاؤ گے اور بالفرض اگر ایسی صورت واقع ہو جائے کہ تم اللہ کے رسول اور اس کی ہدایات وتعلیمات کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق بنانے لگو تو بلاشبہ تم ہلاکت وتباہی میں پڑ جاؤ گے مگر اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے قلوب میں رچا دیا ہے اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر کی اور گناہ ونافرمانی کی تو اسکی بدولت اے اہل ایمان تم اپنی خواہشات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے قربان کر دیتے ہو جو ایمان کا رنگ اور ایمان کا تقاضا ہے اور تم اسی ایمانی جذبہ اور معرفت کے باعث اس حقیقت کو سمجھ گئے ہو ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ کہ اگر حق اور وحی الٰہی ان لوگوں کی خواہشات کی موافقت کرنے لگے تو آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ وبرباد ہو جائیں گے تو اس حقیقت کو سمجھ لینے والے ہی وہ لوگ ہیں جو فلاح ورشد کے سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں اور ایسے سعادت مند لوگوں کا راہ راست پر چلنا فضلیت و کرامت ہے اللہ کی طرف سے اور انعام ہے اسی کا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکیم ہے تو اپنے علم وحکمت سے جس کے واسطے چاہتا ہے رشد وہدایت مقدر فرماتا ہے اور جس کسی کو چاہتا ہے اپنے فضل وانعام سے نوازتا ہے۔

قبیلہ بنوتمیم کا گستاخانہ طرز اور ان کو تنبیہ ونصیحت

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ بنوتمیم کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے وہ حجرہ کی دیواروں کے پیچھے ہی سے پکارنے لگے، "یا محمد" اور ایک روایت میں یا رسول اللہ اخرج الینا۔ کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ باہر آیئے بلاشبہ یہ ان کی بے عقلی اور بے تمیزی تھی ان کو حضور ﷺ کے مرتبہ کا لحاظ کرنا چاہئے تھا اور یہ بھی سوچنا چاہئے تھا کہ ممکن ہے کہ اس وقت آپ ﷺ پر اللہ کی وحی اتر رہی ہو یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں آپ ﷺ پر تو امت کے تمام امور کی ذمہ داری تھی اور آپ ﷺ کی ذات اقدس ان کے دنیوی ودینی امور کا مرکز اور ملجا تھی آپ ﷺ تو ہر لحہ ذہنی اور فکری مشغولیت کے علاوہ اپنے دیگر معمولات میں منہمک ومصروف رہتے تھے، پھر یہ طریقہ بے ادبی کا بھی ہے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ صبر کیا جائے اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لائیں

تواس وقت اپنامدعا پیش کیا جائے اس ادب اور رسول خدا ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی تعلیم کے ساتھ یہ فرما دیا گیا کہ جو غلطی اور تقصیر نادانستگی سے پیش آئی اللہ اس کو معاف فرمانے والا ہے اس وجہ سے ان کو چاہیئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہوں اور آئندہ پھر کبھی ایسی چیز کا ارتکاب نہ کریں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔

"حضور ﷺ کی تعظیم ومحبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے" اس آیت مبارکہ میں جس ادب اور تعظیم اور توقیر کی تعلیم دی گئی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ، تابعین اور مشائخ ائمہ اپنے بزرگوں کے ساتھ اسی طرح کا ادب سے ملحوظ رکھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بزرگ صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنے جایا کرتا تو انکے مکان پر پہنچ کر آواز یا دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازے کے باہر بیٹھ جاتا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے تو اپنا مدعا عرض کردوں گا وہ جب باہر تشریف لائے اور مجھے دیکھتے تو فرماتے اے ابن عم رسول اللہ ﷺ آپ رضی اللہ عنہ جب آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے دروازہ پر دستک دے کر اطلاع کیوں نہ کردی فرمایا حق تعالیٰ نے پیغمبر کے پاس آنے والوں کو یہ ادب سکھایا ہے۔ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ﴾ تو میں نے یہ چاہا کہ جس سے میں اس پیغمبر ﷺ کا علم حاصل کررہا ہوں اسکا بھی اسی طرح ادب کروں۔[1]

اعتبار روایت کا قرآنی ضابطہ

آیت مبارکہ ﴿إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ﴾ سے محدثین واصولیین نے نقل حدیث وروایت میں ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہونا شرط قرار دیا ہے اور یہ کہ راوی میں اور مخبر میں ایسے اوصاف ہونے چاہئیں جن کے باعث اس کو ثقہ، عادل ومتقی کہا جاسکے اس لئے کہ قرآن کریم نے فاسق شخص کی خبر کو نا قابل قبول فرمایا ہے۔

کیونکہ جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ اسی میں ہے کہ صداقت ودیانت کے تقاضے، نقل روایات اور بیان واقعات میں پورے کئے جائیں ورنہ تو فتنہ، فساد کا راستہ کھل جائے گا۔

حضرات مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ بن ابی معیط کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنوالمصطلق کے صدقات وزکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا امام احمد رحمہ اللہ نے حارث رضی اللہ عنہ بن ابی ضرار الخزاعی کا واقعہ بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی میں نے اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کرلیا اور احکام اسلام اور ارکان دین کی پابندی کا عہد کیا اور ساتھ ہی میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنی قوم کی طرف واپس جاتا ہوں اور انکو اسلام کی دعوت دوں گا اور احکام اسلام کی پابندی پر آمادہ کروں گا اور ان کے مالوں کی زکوٰۃ بھی وصول کرکے جمع کروں گا آپ ﷺ فلاں وقت اپنا قاصد بھیج دیجئے تاکہ وہ جمع کردہ زکوٰۃ میں آپ ﷺ کے پاس بھیج دوں جو یہاں فقراء مسلمین پر خرچ ہوسکے حارث رضی اللہ عنہ نے

[1] روح المعانی۔ ۱۲

یہاں آ کر اپنی قوم کی زکوٰۃ جمع کی اور انتظار کیا کہ وقت مقررہ پر آنحضرت ﷺ کا قاصد آئے گا طے کردہ وقت پر آنحضرت ﷺ کا قاصد نہ پہنچنے سے حارث رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور دل میں خطرہ گزرا کہیں ایسا تو نہیں کہ آنحضرت ﷺ ناراض ہو گئے ہوں (کسی بات پر) اور اس وجہ سے قاصد نہیں بھیجا، اس خیال و پریشانی پر اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور مشورہ کیا کہ ایسی صورت میں ہم کیا کریں اور یہ بھی رائے دی کہ اگر ایسی صورت ہو کہ کسی بات پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی ناراضگی ہوئی ہے تو ہم سب کو مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے، ادھر قصہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کو حارث رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا تا کہ زکوٰۃ وصول کر کے لے آئے لیکن ولید رضی اللہ عنہ جب روانہ ہوئے تو راستہ میں کچھ خائف ہوئے اور درمیان راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے آ کر یہ بیان کیا یا رسول اللہ ﷺ حارث رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا (اس وجہ سے میں واپس آ گیا ہوں) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت ناگواری ہوئی اور ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ حارث رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو جائے بعض روایات میں ہے کہ اس جماعت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے حارث رضی اللہ عنہ انتظار میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد آئے تو ان کو جب معلوم ہوا کہ ایک جماعت مدینہ سے آ رہی ہے تو استقبال کے لئے اپنی بستی سے باہر آئے اور ان لوگوں سے ملے تو وہ لوگ ان پر لپکے حارث رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا آپ لوگ کس پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تم پر ہی تو حملہ کرنے ہمیں بھیجا گیا ہے پوچھا کس وجہ سے؟ ان لوگوں نے جواب دیا آنحضرت ﷺ نے تمہارے پاس ولید رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا تو تم نے زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی انکار کیا اور ولید کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا حارث رضی اللہ عنہ نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے حق دے کر محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا نہ ولید رضی اللہ عنہ میرے پاس آیا اور نہ میں نے اس کو دیکھا اس کے بعد حارث خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے یہی سوال کیا اے حارث تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا حارث نے بے قرار ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا میں نے تو ولید کو دیکھا بھی نہیں اور میں آپ ﷺ کی طرف اس وقت روانہ ہوا جب کہ میں آپ ﷺ کے قاصد کا منتظر رہا اور قاصد کے نہ پہنچنے سے مجھے اندیشہ ہوا کہ حضور ﷺ ناراض تو نہیں ہیں تو صورت حال معلوم کرنے کے ارادہ سے میں روانہ ہوا تھا اور اس طرح خدمت میں حاضری ہوئی، حضرات مفسرین بیان کرتے اس واقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ کی بنو المصطلق کے ساتھ قدیم زمانہ سے دشمنی تھی تو اس وجہ سے ان کو ڈر ہوا کہ وہ لوگ اس قدیم دشمنی کی بناء پر مجھے قتل کر دیں گے محض اس وہم کے باعث واپس لوٹ گئے اور یہ لغزش ہوئی کہ اس طرح کی بات خلاف واقعہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کی۔

روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی صحیح الاسلام تھے یہ عمل اور یہ صورت حال ان کے نفاق کی وجہ سے نہیں پیش آئی اور ساتھ ہی یہ امر بھی متعین ہے کہ اس آیت کا نزول ولید بن عقبہ ہی کے بارے میں ہوا ہے جیسا کہ صحیح روایات

میں ہے تو اس صورت میں لفظ "فاسق" کا اطلاق صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک فرد پر محض عملی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا، جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا یا اباذر انك امرء فيك جاهلية۔ حالانکہ جاہلیت معصیت وشرک جیسے امور پر مشتمل ہونے والا عنوان ہے تو اس طرح کے بعض تنبیہی عنوانات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اور دین کے اس مسلم قانون کے منافی نہیں جو مشہور ہے۔ الصحابة كلهم عدول۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت تو مسلمات دین میں سے ہے لیکن عدالت کے لئے عصمت لازم نہیں کہ اس ذات سے کوئی معصیت اور خطا سرزد ہی نہ ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت کوئی چوک اور غلطی واقع ہو جائے تو وہ اس پر تائب ہوتے ہیں اور ﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا مقام ایمان وتقویٰ اور توبہ جیسے عالی اوصاف ہی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ کا قول ہے:

> "رضاء" اللہ رب العزت کی ایک صفت ہے وہ اپنی رضا کا اعلان انہی لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں جن کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ انکی وفات موجبات رضا پر ہوگی اس لئے اگر کسی صحابی سے کسی وقت کوئی غلطی سرزد ہوئی اور اس پر وہ تائب ہو گئے تو یہ عدالت کے منافی نہیں ہے کیونکہ توبہ تو گناہوں کو کالعدم کر دیتی ہے۔"

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان سے ایک غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ کے فوج کشی کی خبر اہل مکہ کو بھیج دی تھی جس پر آیات ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ الخ نازل ہوئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی ہوئی تو انہوں نے خود اپنے آپ کو مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے باندھ لیا کہ جب تک میری معافی نازل نہ ہوگی میں اپنے آپ کو اسی ستون سے باندھے رکھوں گا تا آنکہ رسول خدا ﷺ مجھے کھولیں چنانچہ معافی نازل ہوئی حتیٰ کہ اس ستون کا نام ہی اسطوانة التوبة ہو گیا اور اس کی عظیم برکت اور تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اس ستون کے سامنے حاضر ہو کر گنہگار جب تائب ہوں تو بارگاہ رب العزت میں ان کی بھی توبہ شرف قبول حاصل کر لیتی ہے۔

یا اسی طرح بعض حضرات سے کسی گناہ کے سرزد ہونے پر معافی وتوبہ اور عنداللہ پاکی کے لئے خود اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کر دینا جب کہ کوئی مدعی ہے نہ کوئی استغاثہ ہے اور نہ کسی قسم کی شہادت ہے۔

الغرض اس نوع کی تقصیرات جن پر توبہ کا عمل اس قدر قوی ہو کہ اس سے صاحب توبہ اللہ کی بارگاہ میں پہلے کی نسبت زیادہ قرب حاصل کر لے وہ عدالت وتقویٰ کو مجروح نہیں کرتا بلکہ مزید مراتب کی بلندی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾۔

قاضی ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ فاسق کی روایت اور خبر قابل اعتبار اور لائق قبول نہیں اور اس ضمن میں یہ قانون متعین فرما دینا کہ ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ایسی خبر پر اس وقت تک عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کی پوری تحقیق نہ کر لی جائے اور ایک قراءت میں یہ لفظ ﴿فَتَثَبَّتُوْا﴾ پڑھا گیا ہے

یعنی اسکا ثبوت حاصل کرلو، تو جب کسی فاسق کی روایت اور خبر بھی معتبر نہیں تو ظاہر ہے کہ شخص فاسق کی شہادت کیوں کر معتبر ہو سکتی ہے، فاسق شریعت کی اصطلاح میں ہر وہ شخص ہے جو کبائر کا ارتکاب کرتا ہو اور فرائض کا تارک ہو اور اس کے باوجود اس کی طرف سے نہ رجوع ثابت ہو نہ وہ تائب ہوا ہو اور نہ اس نے اپنی حالت معصیت میں تبدیلی کی ہو۔

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو پھر اگر چڑھا چلا جائے ایک ان میں سے دوسرے

اور اگر دو فرقے مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو۔ پھر اگر چڑھا جائے ایک ان میں دوسرے

الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا

پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک پھر آئے اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرا دو ان میں

پر، تو سب لڑو اس چڑھائی والے سے، جب تک پھر آوے اللہ کے حکم پر، پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کراؤ ان میں

بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۞ ۹ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ

برابر اور انصاف کرو بے شک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے ف۱ مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرا دو

برابر، اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے۔ مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں، ملا دو

اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۞ ۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ ع ۱۴

اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو ف۲ اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ

اپنے دو بھائیوں کو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، شاید تم پر رحم ہو۔ اے ایمان والو! ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ

عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ ۚ وَلَا

دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور

دوسروں سے، شاید وہ بہتر ہوں ان سے، اور جو عورتیں دوسری عورتوں سے، شاید وہ بہتر ہوں ان سے، اور

ف۱ یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ اختلاف رفع ہو جائے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو، بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے لڑائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لیے اپنے کو پیش کر دے۔ اس وقت چاہیے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرا دیں۔ کسی ایک کی طرف داری میں جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ جھکیں۔

(تنبیہ) آیت کا نزول صحیحین کی روایت کے موافق "انصار" کے دو گروہ اوس و خزرج کے ایک وقتی ہنگامے کے متعلق ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرا دی۔ جو لوگ خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کریں وہ بھی عموم آیت میں داخل ہیں۔ چنانچہ قدیم سے علمائے سلف بغاوت کے مسئلہ میں اسی سے استدلال کرتے آئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و مشاجرات کو شامل ہے۔ باقی باغیوں کے متعلق احکام شرعیہ کی تفصیل فقہ میں دیکھنی چاہیے۔

ف۲ یعنی صلح اور جنگ کی ہر ایک حالت میں یہ ملحوظ رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی دو بھائیوں کی مصالحت ہے۔ دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے۔ جب =

تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ

عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے ف۱ برا نام ہے گناہ گاری پیچھے ایمان کے ف۲

عیب نہ دو ایک دوسرے کو، اور نام نہ ڈالو چڑ ایک دوسرے کی۔ برا نام ہے گناہ گاری پیچھے ایمان کے۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف ف۳

اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہے بے انصاف۔

ترغیب وتاکید باہمی اخوت وہمدردی وتنبیہ وتہدید بر تحقیر وتذلیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ... الی... فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اس امر پر تنبیہ کی گئی تھی کہ کسی غیر مستند اور غیر معتبر بات کو سن کر اس پر یقین نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کی تحقیق کر لی جائے محض افواہوں سے متاثر ہو کر جذبات میں مغلوب ہو جانا بہت سے مفاسد اور فتنوں کا ذریعہ ہے اور باہمی منازعت وخصومت کا اس سے دروازہ کھل جاتا ہے تو ان آیات میں اس کے بالمقابل ایسی ہدایت وتعلیم دی جارہی ہے کہ مسلمان قوم کو چاہئے کہ وحدت واخوت قائم رکھے، باہمی منازعت اور اختلاف وخصومت سے پوری طرح بچے اور اگر کسی وقت دو جماعتوں میں اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ امت

= دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو، بلکہ اصلاح ذات البین کی پوری کوشش کرو۔ اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کسی کی بے جا طرفداری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔

ف۱ اول مسلمانوں میں نزاع واختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں۔ پھر بتلایا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو بزور اور موثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہیے کہ کم از کم جذبات منافرت ومخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد ونفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت وعداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے۔ اور قلوب میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح واتلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی آیہ ہذا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ تمسخر کرے نہ ایک دوسرے پر آوازیں کسی جائیں نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی جیتی بہا ہدایات ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورۃ حجرات میں موجود ہے۔

ف۲ یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی خود گنہگار ہوتا ہے۔ اسے تو واقع میں عیب لگا یا نہ لگا لیکن اس کا نام بدتہذیب، فاسق گنہگار اور مردم آزار پڑ گیا۔ خیال کرو "مومن" کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا اس کو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا مثلاً یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی عیب میں مبتلا ہو اور وہ اس کا اختیاری نہ ہو، یا ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے، چڑانے کے لیے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

ف۳ یعنی جو پہلے ہو چکا اب توبہ کر لو۔ اگر یہ احکام وہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم یہ ہی ہوں گے۔

اس طرح کی باہمی خصومتوں سے خود اپنے آپ کو تباہ و برباد نہ کر ڈالے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی عظمت و شوکت کو پامال نہ کر لے، اخوت و وحدت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی تحقیر اور طعن و تشنیع سے بھی پرہیز کرے کیوں کہ اس قسم کی باتیں باہمی محبت کی بجائے منافرت اور بغض و اختلاف پیدا کرتی ہیں جس کا انجام قوم من حیث القوم ہلاکت و تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے:

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو انکے درمیان صلح کرا دو پھر اگر چڑھا چلا آئے ان میں سے ایک دوسرے پر تو تم قتال کرو (لڑو) اس گروہ سے جو چڑھ آئے اور زیادتی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم اور قانون کی طرف پھر اگر رجوع کر لے وہ گروہ تو انکے درمیان صلح کرا دو عدل و انصاف کے ساتھ اور ہمیشہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو اللہ تعالیٰ بے شک انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے بہر حال مسلمانوں کو ہر معاملہ میں ایسے ہی عدل و انصاف اور باہمی اخوت و محبت کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہئے جذبات اور اغراض میں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے لیکن ایسی صورت میں دو جماعتیں باہم لڑیں تو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی قوت اور فہم و فکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے ہوئے ان جماعتوں میں مصالحت کرا دینی چاہئے یکسو اور بے تعلق ہو کر بیٹھے رہنا درست نہیں زیادتی کے مرتکب فریق کو مجبور کریں کہ وہ اپنی زیادتی سے باز آجائے نزاعات اور خصومتوں کے پیش آنے کا امکان صرف اسی وجہ سے ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ محبت و یگانگت نہ ہو، حالانکہ اسلام ایک ایسا قوی و مضبوط رشتہ ہے جو تمام امت کو وحدت و اخوت کی لڑی میں منسلک کر دیتا ہے تو اس رشتہ اخوت و محبت سے ہرگز غفلت نہ اختیار کرنی چاہئے یہ حقیقت ہے کہ تمام مسلمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اگر کسی وقت اختلاف پیش آجائے تو ملاپ کرا دیا کرو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم پر مہربانی کی جائے اس لئے کہ خوف خدا اور تقوی ہی تمام احوال کی اصلاح کا ضامن اور حق تعالیٰ کی عنایات و مہربانیوں کا موجب ہے۔

نزاع و اختلاف اور باہمی منافرت و عداوت اور اس کے نتیجہ میں خصومتوں کا سلسلہ تحقیر و تذلیل اور استہزاء و تمسخر سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے محبت و اخلاص ختم ہو کر شکوک و اوہام اور تنفر دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا معاشرہ ان برائیوں سے پاک کریں اس لئے یہ حکم ہے کہ اے ایمان والو! ہرگز تمسخر اور ٹھٹھا پن نہ کرے ایک قوم دوسری قوم سے شاید وہ لوگ ان سے بہتر ہوں جو ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے ایک دوسرے کو چڑاؤ بہت ہی برا ہے گناہ گاری کا نام ایمان کے بعد کیونکہ اس طرح سے مسلمان بھائی کی تحقیر و تذلیل اس کے مومن ہونے کے بعد اس کو فاسق و فاجر کے درجہ میں شمار کرنا ہے۔

اور ساتھ [1] ہی خود یہ شخص جو مسلمان ہو کر بھی ایسی روش اختیار کرتا ہے اپنے مومن ہونے کے ساتھ فاسقانہ کردار

[1] اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ الاسم الفسوق کا مرجع دونوں جانبیں ہیں، خود طعن و تشنیع اور تحقیر کرنے والا اور وہ شخص جس کی تحقیر و توہین کے لیے ایسے خوار، بے ہودہ عنوانات اختیار کیے جائیں۔

پیش کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص کذاب ومفسد ہے اور ایذاء رسانی وافتراء پردازی بھی کر رہا ہے تو مومن ہو کر ایسے کام کرنا اپنے کو فاسق وفاجر کے عنوان سے موسوم کرنا ہے جو نہایت ہی بدترین نام ہو سکتا ہے بعد اس کے کہ کوئی شخص مسلمان ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو چاہئے کہ نادم وشرمندہ ہو کر تائب ہو جائے اور اگر ایسے لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے (جو اپنی ذات پر ہوگا اور دوسروں پر بھی یہ ظلم وتعدی ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی بے حرمتی کا موجب ہوگا)۔

اہل ایمان کے دو گروہوں کے درمیان باہمی قتال کی صورت میں تمام مسلمانوں پر ذمہ داری

آیت مبارکہ ﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر کسی قسم کا اختلاف ونزاع، مقاتلہ کی صورت اختیار کر لے تو مسلمانوں میں سے اہل فہم اور ارباب حل وعقد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس منازعت ومخالفت کو ختم کرانے کی پوری جدوجہد کریں اور آپس میں انکے درمیان صلح کروا دیں، باہمی اخوت ومحبت کا جو رشتہ جذبات میں مغلوب ہو گیا، اس کو زندہ کیا جائے اس کے لئے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ اور ساتھ ہی وہ بنیاد واساس بھی ظاہر کر دی گئی جس پر اخوت ومحبت کی عظیم عمارت قائم ہو سکتی ہے وہ اللہ کا خوف ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یعنی جب حکم شرع کے تابع ہوں تو انصاف سے صلح کرو اور ایک کی طرف داری نہ کرو یہ حکم ہے خانہ جنگی کا جو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں"۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ آپس میں سمجھا بجھا کر ما بہ النزاع امور کو ختم کرا کے اصلاح کرا دیں اور دونوں پارٹیوں میں صلح کرا دیں اور اگر باوجود اصلاح اور صلح کی کوشش کے کسی جماعت کی زیادتی دیکھو، یعنی وہ قتال کے ترک پر آمادہ نہ ہو اور زیادتی اور تعدی سے باز نہ آئے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے تم سب ملکر لڑو اور جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تعدی اور زیادتی کرنے والی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے آگے جھک جائے اور جنگ بند کر دے، پھر جب وہ پارٹی جھک جائے اور جنگ سے رجوع کر لے تو حدود شرعیہ کے مطابق ان کی اصلاح کر دو، عدل کا مطلب ہے شرعی حدود کے موافق صلح کرانا تاکہ صلح پائیدار اور دائمی ہو صرف جنگ بند کرا دینے سے پھر اندیشہ رہے گا کہ کسی وقت پھر لڑائی ہو جائے اس لئے تمام معاملات کو انصاف کے ساتھ کرا دو اور انصاف کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے آگے پھر اسی مضمون کی تاکید ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں تو کبھی بھائیوں کی لڑائی ہو جائے تو اپنے دونوں بھائیوں میں اصلاح کرا دیا کرو کیونکہ بہرحال وہ دونوں پارٹیاں تمہارے بھائی ہیں اور صلح کراتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یعنی جانبداری سے کام نہ لو اور کسی پارٹی کی طرفداری نہ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

کہتے ہیں کہ انصار کے بعض حضرات اور عبداللہ بن ابی کے بعض طرفداروں میں ایک جھگڑا ہو گیا جھگڑا معمولی سی بات پر تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار تھے سواری نے پیشاب کیا عبداللہ بن ابی نے پیشاب پر کچھ ناک بھوں چڑھائی

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ناک بھوں چڑھانے پر کچھ ناراضگی کا اظہار کیا اس پر بات بڑھ گئی اور اس پر آیتیں نازل ہوئیں اس آیت کے متعلق بہت سے مسائل ہیں کیونکہ یہ آیت ہر اس جنگ کو شامل ہے جو مسلمان آپس میں لڑیں یا امام سے بغاوت کر کے مقابلے میں آئیں اور آپس میں لڑیں ان کا حکم فرمایا مرتدین کا نہیں ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ جمل اور جنگ صفین کے موقع پر فرمایا تھا اخواننا بغوا علینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغاوت کرنے والوں کو اپنا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ ایسی بغاوت و باہمی جنگ سے مسلمان کا نام باقی رہتا ہے اور ایک مسلمان کو کافر نہیں کہا جا سکتا اسی لیے اس قسم کے لڑنے والوں کے احکام بھی جدا ہیں مثلاً جو دو پارٹیاں باہم نبرد آزما ہیں وہ دونوں امام المسلمین کی ولایت کے تحت ہیں، یا دونوں امام المسلمین کی ولایت کے ماتحت نہیں ہیں یا ایک امام کی ولایت کے تحت ہے اور دوسری نہیں ہے ان کے تمام احکام علیحدہ علیحدہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکورہ ہیں، یہاں صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ مسلمانوں کو اخوت قائم رکھنے کی غرض سے ایک طریقہ صلح و آشتی اور باہم صفائی کا بتایا گیا ہے اور تیسری پارٹی جو اصلاحی ہو اس کو عدل و انصاف کی تاکید کی گئی اسی پر امت کا نظام اخوت اور نظام عدل قائم ہو سکتا ہے۔ اللھم اصلح ذات بیننا و احفظنا من الفتن ما ظھر منھا وما بطن۔

ایمان کے ساتھ فسق کا عنوان زیب نہیں دیتا

آیت مبارکہ ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ اس امر کی طرف راہنمائی کر رہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد مسلمان کے لئے فسق کا نام بہت برا ہے اور جو توبہ نہ کریں گے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ایسا مذاق اور تمسخر جو کسی کی تحقیر اور دل آزاری کے لئے کیا جائے وہ حرام ہے خواہ مرد کسی مرد کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت کسی عورت کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت مرد کے ساتھ یا مرد عورت کے ساتھ تحقیر آمیز مذاق کرے تو وہ ناجائز ہوگا باقی جس میں دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری نہ ہو وہ مزاح اور خوش طبعی ہے اس میں مضائقہ نہیں اور مزاح جائز ہے۔

یہاں جو رجال اور نساء فرمایا ہے اس سے محض جنس مراد ہے جیسا کہ ہم نے عرض کر دیا ہے یہاں یہ بحث شاید غیر ضروری ہوگی کہ قوم کا اطلاق صرف مردوں پر ہوا کرتا ہے، عورتیں قوم کے لفظ میں داخل نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی ہیں تو تبعاً داخل ہوتی ہیں اور یہ جو فرمایا کہ شاید وہ تم سے بہتر ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہتر ہو جس کی تم تحقیر اور دل آزاری کر رہے ہو یعنی اس کا خاتمہ ایمان پر مقدر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ مقبول ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ البلاء موکل بالقول لو سخرت من کلب لخشیت ان احوال کلبا۔ یعنی ہر قسم کی بلا قول پر سونپی گئی ہے۔ اکثر بلائیں زبان کی بدولت نازل ہوتی ہیں میں تو کسی کتے سے بھی مذاق نہیں کرتا اگر کتے سے بھی تحقیر آمیز سلوک کروں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں کتا نہ بنا دیا جاؤں، بہرحال وہ شخص جو اپنی حقارت اور ذلت پر نظر رکھتا ہے وہ ہمیشہ دوسرے آدمی کو ذلیل کرنے سے احتیاط کرتا ہے، ﴿تَلْمِزُوْٓا﴾ کو میم کے زیر سے اور میم کو پیش دونوں طرح کی قراءت ہے خواہ کسی طرح پڑھے مطلب یہ ہے کسی پر طعن نہ کرو اور عیب نہ لگاؤ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسا کوئی فعل اختیار نہ کرو جس کی وجہ سے تم کو طعن کیا

جائے تنابز بالالقاب کا مطلب ہے کسی کو برے لقب سے پکارنا جو کسی کو ناگوار گزرے یعنی ایسے لقب سے نہ پکارو جو اس کی دل آزاری کا موجب ہو جیسے کسی شخص کی کوئی چڑ بنا لیتے ہیں اور پھر اس چڑ سے اس کو پکارتے ہیں اور وہ ایک مومن کی ناگواری کا سبب ہوتا ہے ہاں اگر کوئی ایسا نام لیا جائے اور ایسا لقب دیا جائے جو ناگوار نہ ہو تو مضائقہ نہیں جیسا کہ بعض لوگ کسی لقب سے خوش ہوتے ہیں آخر میں فرمایا کہ ایمان کے بعد تو مسلمان کے لیے سب سے برا نام فسق کا ہے یعنی کسی مسلمان کو "یا فاسق" کہہ کر پکارنا، جیسے بعض لوگ ان مسلمانوں کو جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے "یا یہودی" کہہ کر پکارتے تھے تو سب سے برا لقب تو ایمان لانے کے بعد فسق کا لقب ہے اس میں سب گناہ داخل ہو گئے مثلاً کسی کو یا فاسق یا زانی یا سارق، کہنا سب داخل ہو گئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو برا لقب دینے سے پہلے تو دیکھو کہ تم ایک گناہ کرنے سے فاسق ہو جاتے ہو جو ایمان کے بعد بہت ہی برا لقب ہے یعنی دوسرے کو برا لقب دینے سے اپنا لقب فاسق ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہیے جس میں اپنا لقب فاسق ہو جائے اور جو شخص ان حرکات ناشائستہ اور ممنوعہ سے باز نہ آئے گا اور توبہ نہ کریگا تو ایسے ہی لوگ ظالم اور ناانصاف ہونگے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہاں کسی پر برا نام ڈالا پہلے تو اپنا نام پڑ گیا فاسق آگے تھا مومن اس پر عیب لگا یا نہ لگا خلاصہ یہ کہ ایسے افعال سے بچنا چاہیے جو کسی مسلمان کی دل آزاری اور ناگواری کا موجب ہو اور بات بڑھ کر فتنہ فساد اور قتل و قتال کی نوبت آئے اور خود فاسق قرار پائے انسان اگر اپنے آپ کو خود حقیر سمجھے تو دوسروں پر عیب لگانے کی جرأت نہ کرے نبی کریم ﷺ کی یہ دعا مشہور ہے اللھم اجعلنی صبورا واجعلنی شکورا واجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔ یعنی اللہ مجھ کو صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا بنا دے اور مجھ کو اپنی آنکھوں میں چھوٹا اور دوسروں کی آنکھوں میں بڑا بنا دے یعنی جب میں خود اپنے پر نظر کروں تو اپنے کو چھوٹا سمجھوں اور دوسرے جب مجھ کو دیکھیں تو بڑا سمجھیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا

اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹول کسی کا

اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے۔ مقرر بعض تہمت گناہ ہے، اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا،

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ

اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو ف ۱ بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا ہے تم کو اس سے ف ۲

اور بدلو نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔ بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔ سو گھن آئے تم کو اس سے۔

ف ۱ اختلاف و تفریق باہمی کے بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کو کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مخالف کی کوئی بات ہو اس کا محمل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو، ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہی کہ ایک بات حسب اتفاق پہنچ گئی بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیے گئے نہیں، اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں =

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان ف۱

اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تنبیہ وتہدید بر بدگمانی وغیبت وممانعت از تجسس احوال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط:......گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی گروہ بندی اور باہمی منازعت ومخاصمت سے منع کیا گیا تھا اور اس پر وعید وتنبیہ کی گئی تھی کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے یا اس کا مذاق اڑائے کیونکہ ایسی ہی باتیں مسلمانوں میں نفاق وشقاق پیدا کرنے والی ہیں تو اب ان آیات میں مزید ایسے اسباب بیان فرمائے جارہے ہیں جن کی وجہ سے باہمی منافرت اور عداوت کی فضا پیدا ہوئی ہے، آپس میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور نوبت جنگ وجدل اور قتل وخونریزی تک پہنچ جاتی ہے جن میں سب سے بڑی اور بنیادی چیز قلوب سے اخلاص کا نکل جانا اور باہم بدگمانی میں پڑ جانا ہے بدگوئی، غیبت الزام تراشی غرض یہ سب باتیں مہلک ہیں ان سے بچنے کی ضرورت ہے تو فرمایا:

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کیا کرو اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیب کی ٹٹول نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم کو اس سے گھن آئے اور تم اس سے متنفر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

چونکہ ظن کی بہت سی اقسام ہیں بعض جائز، بعض واجب، بعض مباح، بعض حرام، اس لئے فرمایا، ظن اور گمان کی کثرت سے احتراز کرو یا یہ مطلب ہے اجتنبوا اجتنابا کثیرا۔ کہ بچو بچنا بہت۔ اہل خیر اور صلاح کے ساتھ بدگمانی کرنا بہت بری بات ہے اور اہل فسق کے معاملے میں بدگمانی جائز ہے اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بعضے افراد ظن اور گمان کے گناہ ہیں تو ان کی تحقیق کرنے کے بعد جہاں بدگمانی جائز ہو یا ضروری ہو وہاں بدگمانی کرے تو مضائقہ نہیں، یہ نہیں کہ ہر موقع پر اور

= جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں۔ ان تمام خرافات سے قرآن کریم منع کرتا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں تو جو اختلافات بدقسمتی سے پیش آجاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روز میں نفسانی اختلافات کا نام ونشان باقی نہ رہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "الزام لگانا اور بھید ٹٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں۔ مگر جہاں اس میں کچھ دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو" وہاں اجازت ہے جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمہ جرح وتعدیل کا معمول رہا ہے کیونکہ اس کے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔

ف۲ یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا اس کو کوئی انسان پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو غیبت اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت ہے۔

ف۱ یعنی ان نصیحتوں پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ چاہیے کہ ایمان واسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر خداوند قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں، اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔

ہر معاملے میں بدگمانی کرو اور برے ظن سے کام لو جو شخص بہت بدگمانیوں سے احتراز کرے گا تو بعض سے بچ جائے گا "تجسس" کسی کے عیب کی تلاش کرنا اور مسلمانوں کے عیب ڈھونڈتے پھرنے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے خذوا ماظھر ودعوا ماستر اللہ یعنی جو کچھ ظاہر ہوا وہ لے لو اور جو اللہ نے چھپالیا اسے چھوڑ دو بہر حال عیب جوئی سے منع فرمایا کسی کی چھپ کر باتیں سننا یا سونے والے کی حالت بنا کر جاگتے رہنا اور دوسروں کی باتیں سنتا رہنا تجسس ہے اس میں بھی اگر کہیں اپنے آپ کو ضرر سے بچانے یا کسی مسلمان کو نقصان سے بچانے کی غرض سے دشمن کی تدابیر کا کھوج لگائے تو جائز ہوگا پھر فرمایا ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو یعنی پیٹھ کے پیچھے ایسی برائی کرنا جو سچی ہو کہ اگر اس کے سامنے کرو تو اس کو ناگوار گزرے یہ غیبت ہے اور اگر وہ بات سچی نہ ہو تو بہتان ہے غیبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کھانا فرمایا جس طرح کسی انسان کا گوشت نوچ کر کھانے سے تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح اس کی آبرو ریزی بھی اسکی تکلیف کا موجب ہے اگرچہ اس آبرو ریزی کا اس کو علم نہ ہو تو عدم حس میں مشابہت مردے کے ساتھ دی لیکن فی نفسہٖ تو تکلیف دہ چیز ہے گویا مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہو پس جس طرح مُردہ بھائی کے گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس طرح اسکی پیٹھ پیچھے اس کی آبرو ریزی سے بھی بچو اور اس کو برا سمجھو، پس پشت ہر صورت میں بدگوئی کی ممانعت فرمادی البتہ مظلوم ظالم کی بدگوئی کر سکتا ہے بشرطیکہ دین کا کچھ فائدہ ہو۔

"تحقیر" جس طرح قول سے ہوتی ہے فعل سے بھی ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل اتارنا یا کسی پستہ قد کو اشارہ کر کے اور مٹھی بنا کر دکھانا وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ جو فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کرنے سے بچو اور توبہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے، غیبت حق العباد بھی ہے اور حق اللہ بھی یعنی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کراؤ اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے لئے استغفار کرے غیبت صرف مسلمان ہی کی حرام نہیں بلکہ کافر جو ذمی ہو اسکی بھی غیبت حرام ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بات جو میں اپنے بھائی کے پس پشت کہہ رہا ہوں وہ اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! یہ بھی غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات اس کے متعلق کہو گے تو اس میں موجود نہیں تو تم اس پر بہتان لگانے والے ہو گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو تحقیق

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں، تا آپس کی پہچان ہو۔ مقرر

اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ

عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا ف۱ اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار ف۲ کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ

عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا۔ اللہ سب جانتا ہے خبردار۔ کہتے ہیں گنوار، ہم ایمان لائے۔ تو کہہ،

تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ

تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں ف۳ اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے

تم ایمان نہیں لائے پر کہو مسلمان ہوئے، اور ابھی نہیں پیٹھا ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے

وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اور اس کے رسول کے کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں کچھ اللہ بخشتا ہے مہربان ہے ف۴ ایمان والے

اور اس کے رسول کے، کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ۔ اللہ بخشتا ہے مہربان۔ ایمان والے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی

وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑائی کی اللہ کی

ف۱ اکثر غیبت، طعن وتشنیع اور عیب جوئی کا منشاء کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز وحقیر ہونا ذات پات اور خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مودب اور پرہیزگار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز ومکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم علیہ السلام وحوا کی اولاد ہیں شیخ، سید، مغل، پٹھان اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری سب کا سلسلہ آدم وحوا پر منتہی ہوتا ہے یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ ومعزز گھرانے میں پیدا کر دے وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوبصورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرا لیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں شکر کرنا چاہیے کہ اس نے بلا اختیار وکسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور وتفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہرحال مجد وشرف اور فضیلت وعزت کا اصلی معیار نسب نہیں تقویٰ وطہارت ہے اور متقی آدمی دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا؟

ف۲ یعنی تقویٰ اور ادب اصل میں دل سے ہے اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی اور مودب نظر آتا ہے وہ واقع میں کیسا ہے اور آئندہ کیسا رہے گا۔ انما العبرة للخواتیم۔

ف۳ یہاں یہ بتلاتے کہ ایمان ویقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت اور عیب جوئی وغیرہ کی خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں۔ جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو، سمجھو کہ ابھی تک ایمان اس کے دل میں پوری طرح پیوست نہیں ہوا۔ ایک حدیث میں ہے۔ "يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ" الخ (ابن کثیر ۸/۳۱)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں" ایک کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی دین مسلمان ہم نے قبول کیا۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ اور ایک کہتا ہے کہ ہم کو پورا یقین ہے۔ جو یقین پورا ہے تو اس کے آثار کہاں؟ جس کو واقعی پورا یقین حاصل ہو وہ تو ایسے دعوے کرنے سے ڈرتا اور شرماتا ہے۔

(تنبیہ) اس آیت سے ایمان واسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہی بات حدیث جبرائیل وغیرہ سے ثابت ہوئی ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

ف۴ یعنی اب بھی اگر فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو گے تو پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے تمہارے کسی عمل کے ثواب میں کمی نہ کرے گا۔

اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ⑮ قُلۡ اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰہَ بِدِیۡنِکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا فِی

راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے ف ۱ تو کہہ کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دین داری اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے

راہ میں، اپنے مال اور جان سے۔ وہ جو ہیں وہی ہیں سچے۔ تو کہہ، کیا جتاتے ہو اللہ کو اپنی دین داری؟ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ⑯ یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ

آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ف ۲ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے ف ۳

آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے۔

قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ ۚ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ

تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر

تو کہہ، مجھ پر احسان نہ رکھو اپنی مسلمانی کا۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو راہ دی ایمان کی، اگر

صٰدِقِیۡنَ ⑰ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ⑱ ع

سچ کہو ف ۴ اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو ف ۵

سچ کہو۔ اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہو۔

مدار فضیلت وکرامت ایمان وتقویٰ نہ کہ نسبت خاندان وقبائل

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی ... الی ... وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴾

ربط: ...... اس سے قبل آیات میں ایسی خصلتوں اور برائیوں سے اجتناب کی تعلیم تھی جو انسانی زندگی کو ذلت وپستی میں ڈالنے والی ہیں اور انسانی معاشرے میں اس قسم کے عیب نہایت ہی بدترین عیب اور تباہ کردینے والی بیماریاں ہیں تو اب ان آیات میں اس کے بالمقابل وہ اوصاف بیان کیئے جارہے ہیں جو انسانی کرامت اور شرف کا باعث ہیں اور اس کو عزت وسربلندی کے مقام پر پہنچادینے کا باعث ہیں۔

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا تاکہ تم

ف ۱ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ ورسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو۔ اور ان کی راہ میں ہر طرح جان ومال سے حاضر رہے۔

ف ۲ یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہنے سے کیا ہوگا جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔

ف ۳ بعض گنوار آکر کہتے تھے کہ دیکھئے ہم تو بدون لڑے بھڑے مسلمان ہوگئے۔ گویا احسان جتلاتے تھے۔ اس کا جواب آگے دیتے ہیں۔

ف ۴ یعنی اگر واقعی تم دعوائے اسلام وایمان میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا اگر سچی بات کہو تو واقعہ اس طرح ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "نیکی اپنے ہاتھ سے ہو، اپنی تعریف نہیں۔ رب کی تعریف ہے۔ جس نے وہ نیکی کروائی۔" گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کردیا کہ اگر تم کو قرآنی آیات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق ہو تو احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ کے احسان وانعام کا شکر ادا کرو جس نے ایسی توفیق ارزانی فرمائی۔

ف ۵ یعنی دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا جانتا ہے۔ اس کے سامنے باتیں نہ بناؤ

ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اور پہچان سکو ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا شریف اور عزت والا ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار اور زیادہ تقویٰ والا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے[1] خلاصہ یہ ہے کہ سب لوگ ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام سے پیدا ہوئے ہیں جس قدر اولاد بڑھتی گئی ان کے شعب قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ بنتے گئے اس سے باہمی تعارف اور پہچان میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ایک ایک نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں اس کے علاوہ بھی اور بہت سے فوائد ہیں مثلاً قرب وبعد کی مناسبت سے انکے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں حاجب اور محجوب کا پتا چلتا ہے ایک خاندان کا آدمی دوسرے خاندان کے آدمی سے متمیز رہتا ہے "شعوب" جمع شعب کی ہے، شعب جمع کرتا ہے قبائل کو اور قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو اور عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور بطن جمع کرتا ہے افخاذ کو اور فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو یہ ہم نے عربی قبائل کی اصطلاح بیان کی دوسری قوموں میں کوئی اور دستور ہوگا، بہر حال یہ اولاد آدم کی تقسیم ہوتی چلی گئی مثلاً فرض کرو خزیمہ شعب ہے اور کنانہ قبیلہ اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم فخذ اور عباس فصیلہ، یہ تمام تقسیمیں صرف باہمی شناخت کیلئے ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، شرافت اور بزرگی اور عزت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اسی کی ہے جو متقی ہو، جو تقویٰ میں اونچا اور اعلیٰ اور اتقیٰ ہے وہی اللہ کے نزدیک بڑا شریف اور مکرم ہے اس اعلان نے بنی نوع انسان میں مساوات اور یگانگت پیدا کردی اور زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور بڑائی کو پارہ پارہ کردیا نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ فرمایا اس میں اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر کو دور کردیا، آدمیوں کی دو ہی قسمیں ہیں، مومن تقی جو پرہیزگار ہو وہ اللہ کے نزدیک عزت دار اور کریم ہے، اور جو شخص فاجر شقی ہے وہ اللہ کی نظر میں ذلیل وخوار ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[2]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے نہ عربی کو عجمی پر کوئی بزرگی ہے نہ سرخ رنگ والے کو سفید رنگ والے پر کوئی بزرگی ہے نہ سفید رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت اور بڑائی حاصل ہے مگر تقویٰ اور پرہیزگاری سے، پیغمبر اسلام علیہ السلام کا یہ بنی نوع انسان پر کتنا بڑا احسان ہے کہ تمام دنیا کے نسبی تفاخر کو مٹا کر سب کو بھائی بھائی بنادیا اور صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو امتیاز کی وجہ قرار دیا یعنی جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے وہی بڑا ہے جس قدر تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے اسی قدر بزرگی میں بڑھا ہوا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ

---

[1] اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ جل شانہ نے فضیلت اور افضلیت کا ایک معیار اور قاعدہ کلیہ ارشاد فرمادیا ہے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے جب آیت مبارکہ یعنی ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ﴾ پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کا شان نزول روایات سے یہ پاتے ہیں کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو واضح ہوجاتا ہے کہ بہ نص قرآنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اتقی الامۃ المسلمہ ہیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ متقی ہیں تو جس شخص کا قرآن کریم کی صریح آیت سے امت اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان سب سے زیادہ متقی ہونا ثابت ہوگیا اس پر طعن وتشنیع یا توہین وتحقیر کرے وہ انسان کیسے مسلمان رہ سکتا ہے۔ ۱۲

[2] حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی بڑائیاں ذات کی اور قوم کی عبث ہیں صفت نیک چاہئے نری (صرف ذات کس کام کی) روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا اے لوگو! اب اللہ نے جاہلیت کی عصبیت ونخوت کو ختم کردیا ہے اب تو بس انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں یا مومن متقی یا شقی فاجر۔ ۱۲

نے۔ من بطا به عمله، لم یسرع به لسبه۔ جو عمل میں پیچھے رہا اس کا نسب اس کو آگے نہ بڑھا سکے گا اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے یعنی ہر شخص کے نسب اور اس کے نسبی تفاخر کو بھی جانتا ہے اور ہر شخص کے تقویٰ سے بھی باخبر ہے۔

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہو گئے یعنی ہم نے مخالفت ترک کر دی ہے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صحیح اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

عرب کے اکثر دیہاتیوں نے صدق دلی سے ایمان قبول کیا تھا، لیکن یہ بنی اسد کے لوگ قحط کے زمانے میں غلہ وغیرہ حاصل کرنے مدینے میں آئے تو کہنے لگے "ہم ایمان لائے، اس پر تنبیہ کی کہ ایمان صرف زبان کے کہنے سے نہیں ہوتا بلکہ دل سے اس کی نیت بھی کرو یعنی جب تک تصدیق قلبی میسر نہ ہو صرف قول سے مومن نہیں ہوتا ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم صلح میں داخل ہو کر آپ ﷺ کے مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے مخالفت ترک کر دی ہے اور ابھی ایمان تمہارے قلب میں داخل نہیں ہوا یعنی صدق قلبی حاصل نہیں ہوئی اور اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو جس میں تصدیق قلبی بھی آ گئی یعنی دل سے بھی ایمان لے آؤ اور زبان اور قلب میں مطابقت پیدا کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال کے اجر میں جو ایمان لانے کے بعد تم کرو گے اس وقت کے کفر و شرک کی وجہ سے کچھ کمی نہیں کرے گا یعنی ایمان لانے کے بعد جو عمل کرو گے اس کا پورا پورا ثواب ملے گا۔

یہ ایمان کی حقیقت نہیں ہے کہ کسی خوف یا کسی مفاد کی طمع اور لالچ میں ایمان کا اعلان اور دعویٰ کر دیا ایمان و یقین تو دل میں راسخ ہو جانے والی اس کیفیت کا نام ہیں جو درخت کی مضبوط جڑ کی طرح جمی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں ابھر رہی ہوں بلندی تک نظر آ رہی ہوں اس وقت مومن کی یہ شان ہوتی ہے کہ غیبت و تہمت اور نزاع و خصومت جیسے عیوب سے پاک ہو کر صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے واسطے تیار رہتا ہے نہ اس کو کسی چیز کا ڈر ایمان کے راستہ سے ڈگمگاتا ہے اور نہ لالچ و طمع اللہ کی نافرمانی پر کبھی آمادہ کرتی ہے اس لئے اس طرح کے دعوے کرنے والوں کو سن لینا چاہئے کہ ایمان والے تو بس وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے کہ کوئی تردد اور شبہ بھی نہ کیا اللہ اور اس کے رسول کی کسی بات میں بلکہ استقامت اختیار کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں تو درحقیقت یہی لوگ سچے ہیں اس لئے اس قسم کے مدعیان اسلام کے دعوؤں کو دیکھ کر سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ایمان کا محض دعویٰ ہے، ظاہری اسلام ہے حقیقی ایمان نہیں ایمان حقیقی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یا معشر من اسلم بلسانه ولم یغض الایمان الی قلبه لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتهم۔ یعنی اے وہ لوگو! جو اپنی زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہو لیکن ایمان ابھی تک اس شخص کے دل کے اندر نہیں پہنچا تو تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے عیوب و نقائص تلاش کیا کرو۔

ان اعراب اور بنو اسد قوم کے لوگوں کی یہ حالت بلاشبہ ایمان والوں کی نشانیوں سے قطعاً مختلف اور جدا ہے پھر بھی

ایمان کے دعوے اور یہ کوشش کہ کسی طرح خدا کا پیغمبر اس قسم کے لوگوں کو سچا مسلمان سمجھ لے بلاشبہ فضول اور بے معنی کوشش ہے تو ایسی صورت میں اے ہمارے پیغمبر کہہ دو کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری، حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اسی قسم کے یہ لوگ اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں آپ کہہ دو مت احسان جتلاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا، بلکہ اللہ ہی تم پر احسان کرتا ہے اگر تم کو ہدایت دے دی ایمان لانے کی اگر تم سچے ہو۔ اپنے اس دعوے میں کہ تم مسلمان ہو گئے ہو ایمان و اسلام کی دولت سے سرفراز فرما دینا یہ اللہ ہی کا انعام و احسان ہے کسی کا ایمان لانا خدا پر کوئی احسان نہیں۔ ❶

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

بے شک اللہ ہی جانتا ہے پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور اللہ خوب دیکھتا ہے۔ اے لوگو! جو کچھ تم کرتے ہو تو جب اللہ رب العزت پر آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہی تمام اعمال و افعال حتیٰ کہ دلوں کے بھید اور راز بھی جانتا ہے تو اس پروردگار سے کسی کا ایمان و اطاعت اور اس کا اخلاص و نفاق کیسے مخفی رہ سکتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی منافق خدا کو دھوکہ دے سکے۔

تم تفسیر سورۃ الحجرات بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ۔

بندۂ ناچیز محمد مالک کاندھلوی (رحمہ اللہ)

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۰۳ ہجری

سورۃ ق

گزشتہ سورت یعنی سورۃ حجرات کے مضامین آداب و حقوق رسالت پر مشتمل تھے اور اس امر کی توضیح و تفصیل تھی کہ انسانی سعادت و فلاح کا دار و مدار صرف رسول خدا ﷺ کے احکام و فرامین کی اطاعت و پیروی ہی میں منحصر ہے اور بارگاہ رسالت میں انقیاد و فرمان برداری حقیقت ایمان ہے تو اب اس سورۃ ق میں قرآن کریم کی عظمت و برتری بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ یہ جملہ ہدایات اور سعادت و فلاح کے خزانے کتاب الٰہی قرآن حکیم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

روایات صحیحہ کی رو سے یہ ثابت ہے کہ مفصلات قرآن میں یہ پہلی سورت ہے، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سنن میں روایت کیا ہے کہ اوس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ دریافت کیا کہ آپ حضرات رضی اللہ عنہم قرآن حکیم کے حصے کس طرح کرتے ہیں فرمایا تین تین سورتوں اور پانچ۔ سات۔ نو۔ گیارہ۔ اور تیرہ سورتوں کے حصے متعین کر لیتے تھے اور مفصلات کا ایک حصہ (جو سورۃ ق سے شروع ہوتا ہے) تین سورتوں سے مراد بقرہ، آل عمران۔ اور سورۃ نساء ہیں اور پانچ

❶ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں نیکی اپنے ہاتھ سے ہو یہ اپنی تعریف نہیں رب العزت کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کرائی۔

سے مراد مائدہ۔ انعام، اعراف اور انفال وبراءۃ ہیں۔ اور سات سے سورۃ یونس۔ ہود۔ یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، اور سورۃ نحل ہیں اور نو سے مراد سورۃ، سبحان الذی، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون، اور فرقان ہیں اور گیارہ سے مراد سورۃ شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، احزاب، سبا، فاطر اور سورۃ یٰسین ہیں، اور تیرہ سے مراد سورۃ صافات، ص، الزمر، غافر حم، سجدہ، حم عسق۔ الزخرف۔ دخان، جاثیہ احقاف، قتال، سورۃ فتح اور حجرات ہیں اور ان کے بعد مفصل۔ ❶

آنحضرت ﷺ ❷ اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے اس سورت کے مضامین اکثر ابتداء تخلیق کائنات، بعث بعد الموت، حشر ونشر حساب ووزن اعمال جنت (جہنم اور ثواب وعقاب تیز ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں اس لحاظ سے یہ سورت گویا قرآن حکیم کے اہم مضامین اور اعظم مضامین کا خلاصہ اور لب لباب ہے اسی عظمت واہمیت کے باعث آنحضرت ﷺ اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمارا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان کے بالکل قریب تھا حتیٰ کہ دو سال تک ہماری روٹی ایک ہی تنور پر پکتی رہی تو مجھے سورۃ ق آنحضرت ﷺ کے جمعے کے خطبے میں سنتے سنتے حفظ ہوگئی حضرت ❸ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ بتاؤ آنحضرت ﷺ عیدین میں کون سی سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے، جواب دیا سورۃ ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ﴾ اور ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اور صبح کی نماز میں بھی کثرت سے اس سورت کا پڑھنا ثابت ہے۔

۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳٤ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتہا ٤٤ رکوعاتہا ۳

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی ف ۱ بلکہ انکو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا انہی میں کا تو کہنے لگے منکر یہ

قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی۔ بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ایک ڈر سنانے والا ان ہی میں کا تو کہنے لگے منکر یہ

شَیْءٌ عَجِيْبٌ ۚ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ

تعجب کی چیز ہے کیا جب ہم مر چکیں اور ہوجائیں مٹی یہ پھر آنا بہت دور ہے ف ۲ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے

تعجب کی چیز ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہوگئے مٹی۔ یہ پھر آنا بہت دور ہے۔ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے

ف ۱ یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آخر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار ومعارف سے دنیا کو محو حیرت بنادیا۔ یہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص وعیب نہیں نہ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے۔ لیکن منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت وبرہان ہے بلکہ محض اپنے جہل اور حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی ان کی طرف رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی ہوگئے۔ کیا پھر زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان وعادت سے بالکل بعید ہے۔

❶ تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔
❷ تفسیر روح المعانی۔
❸ صحیح مسلم۔

الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ

زمین ان میں سے ف۱ اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے ف۲ کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب ان تک پہنچا سو وہ پڑے ہیں

زمین ان میں سے۔ اور ہمارے پاس لکھا ہے جس میں سب یاد ہے۔ کوئی نہیں! پر جھٹلانے لگے ہیں سچے دین کو جب ان تک پہنچا سو وہ پڑے رہے ہیں

مَّرِيْجٍ ⑤ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ

الجھی ہوئی بات میں ف۳ کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں کوئی

الجھی بات میں۔ کیا نگاہ نہیں کی آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہم نے اس کو بنایا ؟ اور رونق دی، اور اس میں نہیں کوئی

فُرُوْجٍ ⑥ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ

سوراخ ف۴ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ اور اگائی اس میں ہر ہر قسم کی رونق

سوراخ۔ اور زمین کو پھیلایا، اور ڈالے اس میں بوجھ اور اگائی اس میں ہر قسم قسم کی رونق

بَهِيْجٍ ⑦ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

کی چیز سمجھانے کو اور یاد دلانے کو اس بندہ کے لیے جو رجوع کرے ف۵ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا

کی چیز۔ سوجھانے کو اور یاد دلانے کو، اس بندے کو جو رجوع رکھے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ⑨ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩ رِّزْقًا

پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے ف۶ اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ بہ تہ ف۷ روزی دینے کو

پھر اگائے اس سے باغ، اور اناج کٹتے کھیت کا اور کھجوریں لمبی ان کا گابھا ہے تہہ بر تہہ۔ روزی دینے کو

ف۱ یعنی ساری مٹی نہیں ہو جاتی، جان سلامت رہتی ہے اور بدن کے اجزاء تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ اس کو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ اس میں جان ڈال دے۔

ف۲ یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتیٰ کہ ان میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو "لوح محفوظ" کہلاتی ہے لکھ دیے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے۔ پس اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے وہ دفتر جس میں سب کچھ لکھا ہے حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے۔ یا اس کو پہلے جملہ کی تاکید سمجھو۔ کیونکہ جو چیز کسی کے علم میں ہو اور قلمبند بھی کر لی جائے وہ لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ مؤکد سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں مخاطبین کے محسوسات کے اعتبار سے متنبہ کر دیا کہ ہر چیز خدا کے علم میں ہے اور اس کے ہاں لکھی ہوئی ہے جس میں ذرا کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

ف۳ یعنی صرف تعجب نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن اور بعث بعد الموت، ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں۔ اور عجب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ بیشک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے۔ اسی طرح شک و اضطراب اور تردد و تحیر کی الجھنوں میں پڑ جایا کرتا ہے۔

ف۴ یعنی آسمان کو دیکھ لو، نہ بظاہر کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون، اتنا بڑا عظیم الشان جسم کیسا مضبوط و مستحکم کھڑا ہے اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل اور جھاڑ فانوس روشن ہوتے ہیں تو کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا، نہ کوئی کنگرہ گرا، نہ پلاسٹر ٹوٹا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر کون سا ہاتھ ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور بنا کر اس کی ایسی حفاظت کی۔

ف۵ یعنی جو آدمی خدا کی طرف رجوع کرتا ہو محض ان ہی محسوسات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے اس کے لیے آسمان و زمین کی تخلیق و تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں ادنیٰ غور کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آ سکتے ہیں۔ پھر خدا جانے ایسی روشن نشانیوں کی =

لِلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪

بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اس ایک مردہ دیس کو یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا ف۱

بندوں کے، اور جلایا اس سے ایک مردہ دیس۔ یوں ہی ہے نکل کھڑے ہونا۔

بیان عظمت کلام خداوندی وانکار منکرین وتعجب بر حشر ونشر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ... الی... كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾

ربط:......سورۃ حجرات کے مضامین کا اختتام اس امر کے بیان پر تھا کہ اسلام کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہدایت ہے اور اس کا عظیم انعام ہے اس پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے ایمان پر استقامت اور دین حق پر ثابت قدمی اس اعتقاد و یقین پر موقوف ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بندہ کی ہر حالت سے باخبر ہے اور وہ ہر عمل کو دیکھتا ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے تو اس مناسبت سے اب سورۃ ق کی ابتداء عظمت کلام خداوندی سے کی جارہی ہے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہدایت کا سرچشمہ قرآن کریم ہے اس پر ایمان لانا چاہئے تو فرمایا ق قسم ہے اس قرآن کی جو بڑے ہی مجد اور شرف والا ہے، ایسے کلام پر چاہئے تھا کہ لوگ ایمان لاتے اور اس کے ذریعے ہدایت اور سعادت حاصل کرتے لیکن افسوس ان اہل مکہ نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا بلکہ اس پر تعجب کرنے لگے کہ انکے پاس آیا ہے ایک ڈرانے والا انہی میں سے جو ان کو عذاب آخرت سے ڈراتا ہے اگر وہ ایمان نہ لائیں ایمان سے انحراف وروگردانی ہی کچھ کم بدنصیبی نہ تھی اس سے بڑھ کر یہاں تک نوبت پہنچی کہ پھر کہنے لگے کافر یہ تو بہت ہی قابل تعجب چیز ہے جو عذاب خداوندی سے ڈرانے والا ہمیں بتارہا ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے جس کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں اور ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں تو کیا جب ہم مرجائیں گے اور مرچکنے کے بعد خاک میں مل کر مٹی ہوجائیں گے تو بھی ہم پھر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے یہ تو لوٹنا بہت ہی بعید ہے عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی اس طرح زمین میں دفن ہو کر ریزہ ریزہ ہوچکنے کے بعد پھر بھی کوئی انسان دوبارہ زندہ ہو اور خدا کی طرف لوٹے یہ منکرین ومکذبین ہماری قدرت وعظمت سے بے خبر ہیں ہمیں تو معلوم ہے زمین ان میں کتنا گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے تو جس ذات کا علم اس قدر بلند اور محیط ہے کہ انسانی ابدان زمین میں دفن ہونے کے بعد کس حالت میں ہیں اور کس طرح گھٹتے ہیں اور زمین ان میں سے کتنا کھاتی ہے تو بے شک اس ذات کو اس بات پر بھی قدرت ہے کہ وہ اجزاء بدنیہ جہاں بھی کہیں ہوں جس شکل میں بھی ہوں انکو لوٹا کر پھر زندہ کردے [1] اور صرف یہی

=موجودگی میں بھی یہ لوگ یہ بکر حق کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہیں۔

ف۲ اناج وہ ہے جس کے ساتھ اس کا کھیت بھی کٹ جائے اور باغ پھل ٹوٹ کر قائم رہتا ہے۔

ف۳ یعنی بڑی کثرت وافراط سے جن کا خوشہ دیکھنے میں بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

ف۱ یعنی بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کردیا۔ اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کردیے جائیں گے۔

[1] احادیث میں ہے کہ جب قیامت قائم کرنے کے لیے اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ یہ ندا کریں گے ایتھا العظام البالیۃ والاوصال المتقطعۃ والشعور المتفرقۃ ان اللہ یامرکن ان تجتمعن۔ کہ اے بوسیدہ ہڈیو اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جوڑ اور منتشر بالو تم سب کو اللہ کا حکم ہے کہ جمع ہوجاؤ چنانچہ اس نداء ہی کے ساتھ انسانی اجزاء جہاں بھی اور جس حالت میں ہوں گے ایک جا جمع ہوجائیں گے اور اس طرح دوبارہ زندہ ہو کر=

نہیں کہ ہمارا علم اشیاء کے وجود اور اس کے بعد ہے بلکہ یہ علم قدیم ہر چیز کے وجود سے قبل بھی ہمارے پاس ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے خواہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے یہ لوگ ان حقائق اور دلائل کو اپنے عناد و سرکشی سے کیا مانتے بلکہ انہوں نے اس حق کو جھٹلایا جب کہ وہ ان کے پاس آچکا تو اب وہ تردد و حیرت ہی کی بات میں الجھے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حق کا انکار کرنے والا تو اضطراب و تحیر ہی میں مبتلا رہے گا کیونکہ سکون و طمانیت تو حق اور قبول حق میں ہے آخر ان کو قدرت خداوندی پر ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے تو کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کو جو ان کے اوپر ہے اور ہم نے اس کو کیسا عجیب اور عظیم بنایا اور اس کو مزین کیا ستاروں سے اور اس میں کسی قسم سے کوئی پھٹن (شگاف) نہیں ہے۔ کہ ایسا عظیم الشان جسم چھت کی طرح کیسے بغیر کسی ستون کے قائم اور مستحکم ہے اور رات کے وقت جب ستارے روشن ہوتے ہیں وہ قندیل کی شکل میں کس طرح بارونق اور خوبصورت نظر آتے ہیں اور پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس چھت میں نہ کوئی سوراخ نظر آیا اور نہ ہی اس کا کوئی کنگرہ گرا اور نہ ہی اس کے رنگ میں کوئی فرق آیا۔ الغرض آسمان پر نظر کرنے اور اس کو غور سے دیکھنے سے یہ سب حقائق واضح ہوتے ہیں اور ان حقائق سے ہر عقل رکھنے والا آدمی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس عظیم مخلوق کی تخلیق میں بڑے ہی باکمال قادر مطلق اور حکیم خالق کا دست قدرت شامل ہے اور زمین کو پھیلا دیا ہم نے اور ڈال دیئے ہم نے بوجھ اور وزنی پہاڑ میخوں کی طرح اس میں گاڑ دیئے کہ کرہ ارضی اپنے اوپر بسنے والی مخلوق کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے نہ حرکت ہے اور نہ دباؤ جھکاؤ ہے کہ اس پر انسان و حیوان چل رہے ہیں اور سواریاں دوڑ رہی ہیں اور اگائی ہم نے اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز سمجھانے کے لئے اور یاد دلانے کے لئے ہر اس بندہ کے واسطے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ ان محسوسات اور عجیب مخلوقات کو دیکھ کر ان کے خالق کو پہچانے اور سمجھے کہ یہ کارخانہ عالم بغیر کسی خالق کے نہیں بنا اور یہ نظام عالم بغیر کسی چلانے والے پروردگار کے نہیں چل رہا ہے اور برسایا ہم نے آسمان سے پانی برکت والا پھر اس سے اگائے ہم نے باغات اور سبزے اور اناج کے دانے جس کے کھیت کو کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے طویل درخت ان کے

= میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

صحاح ستہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے پہلی امتوں میں سے جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلانا اور جلا کر راکھ کر دینا اور جب میں جل کر راکھ ہو جاؤں تو اس میں سے نصف راکھ سمندر میں بہا دینا اور نصف ہواؤں میں اڑا دینا اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس روز تیز ہوائیں چل رہی ہوں اس روز راکھ ہوا میں اڑا دینا اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر دوبارہ اٹھانے کی قدرت ہو گئی تو وہ مجھ کو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ ہوگا (گویا اس کے نزدیک یہ شکل عدم محض کے درجہ میں ہو جانے کی تھی اور اس حالت کے بعد اس کو تصور نہ تھا کہ پھر دوبارہ زندگی کا امکان ہوگا وہ قدرت خداوندی پر یقین تو رکھتا تھا مگر اس کے احاطہ فکر میں قدرت خداوندی کی یہی حد تھی کہ کوئی مردہ اپنے جسم کے ساتھ زمین میں موجود ہو تو بس اس کو دوبارہ اٹھا لیا جائے گا) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا گیا حق تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اس میں جو اجزاء تھے وہ اس نے جمع کر لئے ہوا کو حکم ہوا، ہوا نے جو ریزے اس میں منتشر تھے ان کو جمع کر لیا اور حق تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے سوال فرمایا اے میرے بندے یہ بات تو نے کس وجہ سے کی عرض کرے گا اے پروردگار تیرے ڈر سے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بارگاہ خداوندی سے اس کے اس تقویٰ اور خشیت پر مغفرت فرما دی جائے گی۔ ۱۲

خوشے تہہ بر تہہ ہیں بندوں کے واسطے روزی کا سامان بناتے ہوئے اور زندہ کیا ہم نے اس بارش سے مردہ سرزمین کو تو جس طرح ایک بنجر زمین بارش کے ذریعہ زندہ کی جارہی ہے اور اس سے سبزے، درخت، پھل اور پھول پیدا ہو رہے ہیں جن کے تخم زمین میں بو دیئے جانے کے بعد مٹی میں مل گئے تھے اور مٹی ہی کے ریزوں کی طرح ہو گئے لیکن پھر بھی ان سے درخت سبزے پھل اور پھول اگائے جارہے ہیں بس اسی طرح میدان حشر میں بھی تمام انسانوں کا نکل کھڑا ہونا ہے اسی وجہ سے منکرین حشر کو ان مشاہدات کے بعد انکار و تکذیب سے باز آجانا چاہئے اور جو کچھ خدا کے پیغمبر نے وحی الٰہی سے بتایا اس پر ایمان لانا چاہئے۔

بارش کے برسنے سے زمین بنجر کے شاداب ہونے اور زمین کی تہوں سے سبزے غلے پھل اور پھول کی پیدائش کے مناظر کو دیکھ کر اقرار کر لینا چاہئے ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی بس اسی طرح زمین سے یا جہاں بھی ہوں قیامت کے روز میدان حشر میں اٹھائے گا اور جمع کرے گا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ کہ اس پروردگار کی نشانیوں میں سے ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک اور بنجر پڑی ہے پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو وہ شاداب ہو کر سبز لہلہانے لگی اور ابھری (تو) یقیناً وہ ذات جس نے اس زمین کو زندہ کیا (اور اس سے سبزوں کو پیدا کیا) بلاشبہ وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم، اور کنویں والے اور ثمود، اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی۔

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ

اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم ف۱ ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پھر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا ف۲ اب کیا ہم تھک گئے پہلی بار

اور بَن کے رہنے والے اور تبع کی قوم۔ سب نے جھٹلایا رسولوں کو پھر ٹھیک پڑا میرا ڈرکا۔ کیا اب ہم تھک گئے پہلی بار

الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ ع ۱۵

بنا کر کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں ف۳

بنا کر؟ کوئی نہیں! ان کو دھوکا ہے ایک نئے بننے میں۔

ف۱ ان اقوام کے قصے سورہ حجر، فرقان، دخان وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔

ف۲ یعنی تکذیب انبیاء پر جس انجام سے ڈرایا گیا تھا وہ ہی سامنے آکر رہا۔

ف۳ یعنی دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنے میں انہیں فضول دھوکا لگ رہا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ (معاذ اللہ) وہ پہلی دفعہ دنیا کو بنا کر تھک گیا ہوگا؟ اس قادر مطلق کی نسبت ایسے توہمات قائم کرنا سخت جہالت اور گستاخی ہے۔

تنبیہ وتہدید کفار قریش پر انکار آخرت وحوالہ تاریخ ہلاکت امم سابقہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ... الی... مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مسئلہ آخرت اور حشر جسمانی کا ذکر تھا اور اس پر دلائل وشواہد بیان فرمائے گئے اور کفار قریش کے انکار وتعجب کا رد کیا گیا کہ بعث بعد الموت کا انکار عقلاً وطبعاً ممکن ہی نہیں اب اس کے بعد بطور عبرت اجمالاً امم سابقہ کی ہلاکت وبربادی کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے کہ کس قدر طاقت ور قومیں تھیں لیکن عذاب خداوندی نے ان کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔

ارشاد فرمایا جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس یعنی کنوئیں والے اور ثمود وعاد وعاد اور فرعون اور لوط کی برادری والے اور اصحاب ایکہ یعنی بن کے رہنے والے جو شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھے اور تبع کی قوم جو اہل یمن تھے ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا بس ان پر مسلط ہوگئی میری وعید یعنی تکذیب انبیاء پر جس عبرت ناک انجام سے ڈرایا گیا تھا اور عذاب سے آگاہ کیا گیا تھا وہ عذاب ان پر آ کر رہا چنانچہ کوئی قوم طوفان سے تباہ کر دی گئی تو کسی کو آندھیوں نے ہلاک کر دیا کوئی زلزلہ اور زمین میں دھنسا دیئے جانے کے عذاب سے نیست ونابود کر دیئے گئے کسی کو آسمان سے پتھروں کی بارش نے تباہ کر ڈالا یہ سب عبرتناک واقعات ہیں جو خدا کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر پیش آئے اور تاریخ عالم اس کی گواہ ہے تو ان کفار قریش کو بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں یہ بھی اسی طرح کسی عذاب سے ہلاک وتباہ نہ کر ڈالے جائیں۔

(یہ واقعات اور اقوام کے قصے سورۃ ہود، حجر، فرقان، اور سورۃ دخان وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں)

ان واقعات وحقائق کو دیکھ کر ہر شخص کو خدا کی باتوں پر ایمان لے آنا چاہئے اور یقین کر لینا چاہئے کہ بے شک خداوند عالم انسانوں کو دوبارہ قیامت میں اٹھائے گا اور ان کا حساب ہوگا اور جزاء سزا بھی ہوگی اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر تردد اور شک کی گنجائش نہیں تو اب اس حقیقت کے واضح ہو چکنے کے بعد اے منکرو! سن لو کیا ہم عاجز ہو گئے پہلی مرتبہ پیدا کر کے کہ کوئی شخص یہ تو تسلیم کرے کہ ابتداء تخلیق اللہ نے کی لیکن وہ دوبارہ پیدا کرنے میں تردد کرے، نہیں، حقیقت میں تو نہ کوئی تردد ہے اور نہ ہی شبہ کی گنجائش ہے بلکہ وہ تو ایک دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں دوبارہ نئے طریقے سے پیدا کرنے کے معاملہ میں حالانکہ جب ابتداء خلق کو تسلیم کر لیا گیا تو اعادۂ خلق (جو قیامت کی حقیقت ہے) کے تسلیم کرنے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا قال اللہ تعالیٰ كذبنی ابن ادم ولم يكن له ذالك۔ الخ۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ابن آدم علیہ السلام نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ بات اس کو زیب نہیں دیتی تھی اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ رب مجھ کو دوبارہ نہیں زندہ کرے گا جس طرح کہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا۔

بہر حال یہ اس کا فضول دھوکہ ہے جس میں وہ مبتلا ہے بھلا جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کر دیا اس کو دوبارہ زندگی بخش دینے میں کیا مشکل ہے اگر ایسا گمان ہے کہ وہ پروردگار پہلی مرتبہ پیدا کر کے تھک گیا ہے (العیاذ باللہ) اس لیے اب دوبارہ اس کو ہمت وطاقت نہیں ہے کہ پیدا کر دے اس قادر مطلق کے متعلق اس قسم کا توہم سخت جہالت اور گستاخی ہے اسی امر

کو قرآن کریم نے متعدد مواقع میں ثابت فرمایا جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ اور ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں ف۱ اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی

اور ہم نے بنایا انسان کو اور جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اس کے جی میں، اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی

الْوَرِيْدِ ۝۱۶ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝۱۷ مَا يَلْفِظُ مِنْ

رگ سے زیادہ ف۲ جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں بیٹھا ف۳ نہیں بولتا

رگ سے زیادہ۔ جب لینے جاتے ہیں دو لینے والے، داہنے بیٹھا اور بائیں بیٹھا نہیں بولتا

قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝۱۸ وَجَاۗءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ

کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار ف۴ اور وہ آئی بے ہوشی موت کی تحقیق ف۵ یہ وہ ہے جس سے تو

ایک بات جو نہیں اس پاس، ایک راہ دیکھتا تیار۔ اور آئی بے ہوشی موت کی تحقیق۔ یہ وہ ہے جس سے تو

تَحِيْدُ ۝۱۹ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝۲۰ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ

ٹلا رہتا تھا ف۶ اور پھونکا گیا صور یہ ہے دن ڈرانے کا ف۷ اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا

ٹل رہا تھا۔ اور پھونکا گیا نرسنگا۔ یہ ہے دن ڈر کے کا، اور آیا ہر ایک جی، اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا

ف۱ یعنی اس کے ہر قول و فعل سے ہم خبردار ہیں حتیٰ کہ جو وساوس و خطرات اس کے دل میں گزرتے ہیں ان کا بھی ہم کو علم ہے۔ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾

ف۲ گردن کی رگ مراد ہے جسے "شہ رگ" کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔ شاید یہ کنایہ ہو جان اور روح سے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم (باعتبار علم کے) اس کی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں۔ یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے۔ نیز علت اور منشاء کو معلول اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا۔ اس کا کچھ مختصر بیان ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ کے حواشی میں ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے۔ وَلَنِعْمَ مَاقِيْلَ:

جاں نہاں در جسم واو در جاں نہاں اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

ف۳ یعنی دو فرشتے خدا کے حکم سے ہر وقت اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں جو لفظ اس کے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں۔ نیکی داہنے والا، اور بدی بائیں والا۔

ف۴ یعنی لکھنے کو تیار ہیں۔ (تنبیہ) دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں؟ اور علاوہ اقوال کے کیا کیا کچھ لکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل احادیث و آثار سے ملے گی۔

ف۵ یعنی لو! ادھر سل تیار ہوئی، ادھر موت کی گھڑی آ پہنچی۔ اور مرنے والا نزع کی بیہوشیوں اور جاں کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو گئیں جن کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھی۔ اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا اور ایسا پیش آنا قطعی اور یقینی تھا۔ کیونکہ حکیم مطلق کی بہت سی حکمتیں اس سے متعلق تھیں۔

ف۶ یعنی آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا۔ اور اس ناخوشگوار وقت سے بہت کچھ بھاگتا اور کترا تا رہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی۔ آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر اور حیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا۔

ف۷ چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آ چکی تھی۔ اس کے بعد بڑی قیامت حاضر ہے۔ بس صور پھونکا گیا اور وہ ہولناک دن آ موجود ہوا۔ جس سے انبیاء و رسل =

وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ

اور ایک احوال بتلانے والا ف۱ تو بے خبر رہا اس دن سے اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری سو تیری نگاہ آج

اور ایک احوال بتانے والا۔ تو بے خبر رہا اس دن سے، اب کھول دی ہم نے تجھ پر تیری اندھیری اب تیری نگاہ آج

حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾

تیز ہے ف۲ اور بولا فرشتہ اس کے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر ف۳ ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

تیز ہے۔ اور بولا اس کے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر۔ ڈالو تم دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو،

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ

نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شبہ ڈالنے والا ف۴ جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کو پوجنا سو ڈال دو اس کو سخت

نیکی سے اٹکانے والا، حد سے بڑھنے والا، شبہے نکالتا۔ جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنا تو ڈالو اس کو سخت

الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا

عذاب میں ف۵ بولا شیطان اس کا ساتھی، اے رب ہمارے میں نے اس کو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تھا راہ کو بھولا دور پڑا ہوا ف۶ فرمایا

مار میں۔ بولا اس کا ساتھی اے رب ہمارے! میں نے اس کو شرارت میں نہیں ڈالا، پر یہ تھا بھولا راہ سے دور۔ فرمایا

تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا

جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور میں پہلے ہی ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے ف۷ بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں

جھگڑا نہ کرو میرے پاس، اور میں بھیج چکا پہلے ہی تم کو ڈرکا۔ بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں

= برابر ڈراتے چلے آتے تھے۔

ف۱ یعنی محشر میں اس طرح حاضر کیے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کی طرف دھکیلتا ہوگا اور دوسرا اعمالنامہ لیے ہوگا۔ جس میں اس کی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ شاید یہ وہی دو فرشتے ہوں جو "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت فرمایا تھا۔ ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ اور ممکن ہے کوئی اور ہوں۔

ف۲ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے۔ تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔

ف۳ یعنی فرشتہ اعمالنامہ حاضر کرے گا۔ اور بعض نے "قرین" سے مراد شیطان لیا ہے۔ یعنی شیطان کہے گا کہ یہ مجرم حاضر ہے جس کو میں نے اغوا کیا اور دوزخ کے لیے تیار کر کے لایا ہوں۔ مطلب یہ کہ اغوا تو میں نے کیا مگر میرا ایسا زور تسلط نہ تھا کہ زبردستی اس کو شرارت میں ڈال دیتا۔ یہ اپنے ارادہ اختیار سے گمراہ ہوا۔

ف۴ بارگاہ ایزدی سے یہ حکم دو فرشتوں کو ہوگا کہ ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو (اعاذنا اللہ منہا)

ف۵ یعنی ایسے لوگ جہنم میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں۔

ف۶ یعنی میری کچھ زبردستی اس پر نہ چلتی تھی۔ ذرا شہ دی تھی کہ یہ کم بخت خود گمراہ ہو کر نجات و فلاح کے راستے سے دور جا پڑا۔ شیطان یہ کہہ کر اپنا جرم ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

ف۷ یعنی بک بک مت کرو۔ دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اب ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا ملے گی۔ جو گمراہ ہوا اور جس نے اغوا کیا =

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾

ظلم نہیں کرتا بندوں پر ف ۱

ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

کمال قدرت خداوندی از روئے علم واحاطہ باحوال انسانی

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ... الی ... وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾

ربط :...... ماقبل آیات میں منکرین حشر ونشر کا ذکر تھا اس کے ساتھ پہلی امتوں کی عبرت ناک تاریخ دہرائی گئی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اس کے نتیجے میں مختلف انواع واقسام کے عذاب ان پر نازل ہوئے اور ان کو ہلاک کر دیا گیا تو اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی تکذیب ومخالفت کرنے والی قوم کفار قریش کو عذاب خداوندی سے بے فکر نہ ہونا چاہئے سزا دینا چوں کہ دو چیزوں پر موقوف ہے ایک علم پر کہ مجرم کے جرم کا علم ہو دوسرے قدرت پر کہ مجرم کو سزا دینے پر قادر ہو تو اب ان آیات میں حق تعالیٰ کا کمال علم اور قدرت کا بیان ہے کہ وہ پروردگار احوال انسانی پر ہر لحہ پورا پورا مطلع ہے حتی کہ وہ دل کے احوال اور وساوس وخطرات سے آگاہ ہے اور اس طرح اس کے احاطہ قدرت سے بھی کوئی باہر نہیں لہٰذا کسی مجرم کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ اس کے جرم کی خبر نہ ہوگی یا وہ جرم کی سزا سے بچ سکے گا تو ارشاد خداوندی ہے اور بے شک پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو جس کو ہر صاحب عقل تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور اس کے انکار کی عالم مادیت ودہریت میں کوئی دلیل نہیں اور ہم جانتے ہیں ان باتوں کو بھی جو اس کے نفس (دل) میں گزرتی ہیں لہٰذا انسان کا کوئی عمل اور حال حتی کہ خیال وتصور بھی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے اور ہم اس کے نزدیک تر ہیں اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ۔ یعنی اسکی دھڑکتی ہوئی رگ جس کو شہ رگ کہا جاتا ہے تو جس اللہ رب العزت اور اس کا علم انسان کو روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان کی کوئی بات اللہ سے مخفی رہے جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے انسان کے دائیں اور بائیں سے اس طرح ہے کہ ہر ایک ان میں تیار بیٹھا رہتا ہے کہ جونہی کوئی کام کیا اس نگران و پہریدار نے اس کو اچک کر محفوظ کر لیا نہیں بولتا انسان کوئی لفظ اپنے منہ سے مگر یہ کہ ایک نگران اس کے پاس تیار اس کو دیکھنے والا ہوتا ہے کہ جوں ہی کوئی لفظ منہ سے نکلا اس نگران پہریدار نے لکھ لیا اس طرح سے انسان کی زندگی اس کے احوال اور زبان سے نکلنے والا اور دل میں گزرنے والا ہر خطرہ خدا کے علم میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کو محفوظ کر کے پوری زندگی کی ایک دستاویز مکمل ہوتی ہے اور اسی طرح جب اسکی زندگی اپنی انتہا کو پہنچتی ہے موت کی غشی اس پر آجاتی ہے حقیقت کے ساتھ اور جان کنی کی سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس وقت اسکی حالت اور غیب کی ندا اس کو کہتی ہوتی ہے کہ اے انسان یہی تو ہے وہ جس سے تو اپنا رخ موڑتا رہتا تھا اور کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہ ہوتا تھا کہ اس کی طرف توجہ کرے یا اس کو ٹلاتا رہتا تھا لیکن موت کب کسی

= سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے۔

ف ۱ یعنی ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو کچھ فیصلہ ہوگا عین حکمت اور انصاف سے ہوگا۔ "اور بات نہیں بدلتی۔" یعنی کافر بخشا نہیں جاتا۔ بھلا شیطان اکفر کی بخشش تو کہاں۔

تدبیر سے ٹلا کرتی ہے بہر کیف ہر انسان اپنی انفرادی زندگی پوری کرتے ہوئے موت اور آخرت کی حقیقت تو دیکھتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا اور صور پھونکا جائے گا، بس یہی دن ہے ڈرانے کا جس سے تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور یہی وہ پیغام تھا جو آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر تمام قبائل قریش و مکہ کو پہنچایا اور جس وقت یہ دن آئے گا تو حالت یہ ہوگی کہ ہر انسان آتا ہوگا اس طرح کہ میدان حشر میں کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا ایک گواہ ہوگا جو اس کے احوال کی گواہی دے رہا ہوگا اس وقت دنیا کی لذتوں میں پڑ کر آخرت سے غافل ہونے والے انسان کو کہا جا رہا ہوگا اے انسان! بے شک تو بڑی ہی غفلت میں پڑا رہا اس دن سے اور تیری مادی لذتوں نے تیری آنکھوں پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا سو اب کھول دیا ہے تیرا وہ پردہ تجھ سے تو بس تیری نگاہ آج تو خوب تیز ہے اور وہ چیزیں تجھے صاف نظر آ رہی ہیں جن کے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور کہے گا اس کا ساتھی یعنی وہ فرشتہ جو نامہ اعمال لئے حاضر ہوگا یہ ہے میرے پاس جو کچھ بھی مرتب کیا ہوا ہے جس پر ان دونوں کو جس میں سے ایک سائق ہنکانے والا اور دوسرا شہید وگواہ تھا حکم ہوگا ڈال دو تم جہنم میں ہر اس نافرمان۔ مغرور و مخالف انسان کو جو خیر سے لوگوں کو روکنے والا حد سے بڑھنے اور شک وشبہ میں ڈالنے والا تھا جس نے خدا کے ساتھ بہت سے اور معبود بنا لیے تھے خواہ وہ معبود بت ہوں یا انسان کی نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذتیں ہوں سو پھینک دو اس کو سخت عذاب میں اس وقت کہے گا اس کا ساتھی شیطان اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو سرکشی میں نہیں ڈالا بلکہ یہ تو خود ہی راہ حق سے بہت دور بھٹکا ہوا گمراہی میں پڑا رہا نافرمان اور مجرم انسان اپنے جرائم اور گمراہی کی ذمہ داری شیطان پر ڈال رہا ہوگا اور شیطان اپنی براءت کرتے ہوئے کہتا ہوگا کہ اے پروردگار میں نے کیا زبردستی اس کو اس راستہ پر ڈالا؟ میں نے تو بس اس کو دعوت دی تھی اور یہ خود برضا و رغبت ساری عمر گمراہی کی راہ پر چلتا رہا اور دعوت تو اس کو حق و ہدایت کی بھی پہنچی تھی یہ تو سراسر اسی کا قصور ہے کہ اس نے ہادی حق کی دعوت کو ٹھکرا کر گمراہی کی دعوت کو قبول اور اختیار کیا غرض جب یہ تو تو میں میں ہو رہی ہوگی تو حق تعالیٰ فرمائے گا جھگڑا مت کرو میرے پاس اور میں تو پہلے ہی بھیج چکا تھا تمہاری طرف اپنی دھمکی۔ نیک و بد سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ کس جرم کی کیا سزا ہوگی اور کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی جزاء و سزا سے بچ نہ سکے گا میرے یہاں بات نہیں بدلتی اور نہ ہی میں ظلم کرنے والا ہوں ذرہ برابر بھی بندوں پر جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ عین عدل و انصاف اور قانون حکمت کے مطابق ہوگا اور یہ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ کافر و مشرک کی بخشش و معافی نہیں ہو سکتی سو یہ قانون اسی طرح اٹل ہے اور اسی کے مطابق اب کفر و شرک کی سزا نافذ و جاری کی جا رہی ہے اور جب کافر کی بخشش نہیں تو وہ شیطان جو ہر کفر و گمراہی کا اصل سرچشمہ اور سبب ہے اس کی کیونکر بخشش ہوگی۔

﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ سے حق تعالیٰ شانہ کے علم محیط کا ہونا بیان کیا جا رہا ہے کہ ظاہری اعمال و احوال تو درکنار اللہ رب العزت تو دل میں گزرنے والے خطرات بھی جانتا ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ قلب کے خطرات و وساوس میں جو درجہ غیر اختیاری ہے اس سے اللہ نے درگزر فرمانے کا وعدہ فرما لیا چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، ان اللہ تجاوز عن امتی ما توسوست بہا صدورھا۔ کہ

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان چیزوں کے بارے میں درگزر فرمالیا ہے جو بطور وسوسہ انکے دلوں میں گزریں البتہ عقائد اور باطنی گندگیاں اور نافرمانیوں کا عزم وہ یقیناً قابل گرفت ہے اس لئے کہ وہ عمل اختیاری ہے جسکو آیت ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا﴾ میں فرمایا گیا۔ (تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے)

﴿حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ لغت میں دھڑکتی ہوئی رگ کو کہا جاتا ہے وہ گردن کی رگ ہے جس کو شہ رگ اور رگ جان بھی کہا جاتا ہے جس سے مراد انسان کی روح اور جان ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت انسان سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور یہ قرب ظاہر ہے کہ اللہ کے علم اور قدرت کے لحاظ سے قرب ہے یعنی انسان کو اپنے احوال کا علم اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ اللہ کو اس کے احوال کا علم ہے۔

استاذ محترم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علت اور منشاء کو معلوم اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا (کیونکہ علت پر معلول کا اور منشاء پر ناشی کا وجود موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ موقوف علیہ موقوف سے تقدم رکھتا ہے تو اس وجہ سے خداوند عالم کا یہ فرمانا ہے کہ ہم تو انسان سے بہ نسبت اس کی رگ جاں سے زیادہ قریب ہیں۔) ●

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے کسی نے خوب کہا۔

جاں نہاں در جسم واو در جاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ﴾ سے مراد دو فرشتے ہیں جو خدا کے حکم سے ہر وقت اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں جو بھی لفظ اس کے منہ سے نکلتا ہے لکھ لیتے ہیں ایک دائیں طرف ہوتا ہے جو نیکیاں لکھنے پر مامور ہوتا ہے اور دوسرا بائیں طرف ہوتا ہے جو بدی اور گناہ لکھنے پر مقرر ہوتا ہے ان دو فرشتوں کا محل کیا ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

امام ● احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بلال بن مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا بندہ کبھی ایک کلمہ اللہ کی خوشنودی کا بول دیتا ہے جس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ ایک کلمہ اس درجہ تک پہنچ جائے گا تو اسی ایک کلمہ کی بدولت اس کے واسطے قیامت تک کیلئے اللہ کی رضامندی کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایک کلمہ اللہ کی ناراضگی کا بول دیتا ہے، حالانکہ اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ اس درجہ تک پہنچا دے گا تو اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی قیامت تک کے واسطے لکھ دی جاتی ہے۔

علقمہ رضی اللہ عنہ اس روایت کو نقل کر کے کہا کرتے تھے کہ بہت سی باتیں ہیں جن کو میں اسی وجہ سے کہنے سے باز رہتا ہوں یعنی اس فرمان کا تصور مجھ کو ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرنے کی جانچ پڑتال پر آمادہ کرتا ہے اور میں انتہائی احتیاط اختیار کرتا ہوں۔

● فوائد عثمانی۔ ۱۲

● تفسیر ابن کثیر۔ ۱۲

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے دائیں ہاتھ والا فرشتہ جو خیر لکھتا ہے دوسرے فرشتے پر نگران رہتا ہے کہ اگر بندہ نے کوئی خطا کر لی تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ بائیں جانب والے کو کہتا ہے ذرا ٹھہر جا ابھی اس کی یہ برائی نہ لکھ تاکہ اس مہلت میں بندہ استغفار کر لے لیکن بندہ نے اگر استغفار نہ کیا تو پھر لکھ لیتا ہے حسن بصری رحمہ اللہ یہ آیت ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ﴾ الخ پڑھ کر فرمایا کرتے اے ابن آدم تیرا نامہ اعمال میں نے کھول رکھا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے ہیں ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا بائیں جانب دائیں جانب والا تیری نیکیاں لکھ رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے اب تیری مرضی جو عمل چاہے کر کم کر یا زیادہ کر یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو تیرے یہ صحیفے لپیٹ کر تیری گردن میں ڈال دیئے جائیں گے یہاں تک کہ جب قیامت کے روز تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت کہا جائے گا۔

﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ اس کے بعد فرمایا کرتے خدا کی قسم تیرے بارے میں اس ذات نے عدل و انصاف کیا جس نے خود تیرے نفس کو تیرا محاسب بنایا [1] اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾

﴿وَجَاۗءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ سکرۃ الموت موت کی بے چینی کا نام ہے جو جسمانی طور پر نزع روح کے وقت پیش آتی ہے یہ سکرۃ الموت ہر ایک کے حق میں ہے حدیث صحیح میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر جب موت کی کیفیت واقع ہونے لگی تو آپ ﷺ کی پیشانی پسینہ آلود ہوگئی آپ ﷺ پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے، سبحان اللہ ان للموت سکرات۔

اس آیت میں ہر انسان کی موت کا ذکر ہے اور ہر انسان کی موت اس کے حق میں قیامت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے ان من مات فقد قامت قیامتہ، کہ جو شخص مر گیا بس اس کی تو قیامت شروع ہوگئی تو اس انفرادی قیامت کے ذکر کے بعد عمومی اور اجتماعی قیامت (جو کل عالم کائنات پر برپا ہوگی) کا ذکر فرما دیا گیا ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے یحییٰ بن رافع رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ سنی اور فرمایا سائق محشر کی طرف گھسیٹ رہا ہوگا اور شہید اس کے ہر عمل کی گواہی دیتا ہوگا مجاہد رحمہ اللہ و قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے تھے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سائق فرشتہ ہے اور شہید انسان کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا سائق تو فرشتوں میں سے ہوگا لیکن شہید خود وہ انسان ہے اپنے ہر عمل کی خود ہی گواہی دے رہا ہوگا جیسے کہ ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي اَفْوَاهِهِمْ﴾ میں واضح فرما دیا گیا۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سائق و شہید کافر کے حق میں ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ ہر شخص خواہ وہ نیک یا بدکار ہو ہر ایک کے واسطے یہی ہوگا کہ ایک سائق ہے اور دوسرا شہید۔

[1] تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر قرطبی۔

وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَمَا

دل لگا کر ف۱ اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں ف۲ اور

دل لگا کر۔ اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے چھ دن میں۔ اور

مَسَّنَا مِنْ لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ

ہم کو نہ ہوا کچھ تکان ف۳ سو تو سہتا رہ جو وہ کہتے ہیں اور پاکی بولتا رہ خوبیاں اپنے رب کی ف۴ پہلے سورج کے

ہم کو نہ آئی کچھ ماندگی۔ سو تو سہتا رہ جو کہتے ہیں، اور پاکی بول خوبیاں اپنے رب کی، پہلے سورج

الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ

نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی ف۵ اور پیچھے سجدہ کے ف۶ اور کان رکھ جس دن

نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے سے، اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدے کے۔ اور کان رکھ جس دن

يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ

پکارے پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے ف۷ جس دن سنیں گے چنگھاڑ تحقیق وہ دن

پکارے گا پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے، جس دن سنیں گے چنگھاڑ تحقیق۔ وہ ہے دن

الْخُرُوجِ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ

نکل پڑنے کا ف۸ ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے سب کو پہنچنا ف۹ جس دن زمین پھٹ کر

نکل پڑنے کا۔ ہم ہیں جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم تک ہے پہنچنا۔ جس دن زمین پھٹ کر

ف۱ یعنی ان عبرتناک واقعات میں غور و فکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں، یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں۔ کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو، تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہوشیار ہو جائے۔ جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے اس کا درجہ اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔

ف۲ اس کا بیان پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔

ف۳ جب پہلی مرتبہ بنانے سے نہ تھکے تو دوسری مرتبہ کیوں تھکیں گے۔ اور تباہ و برباد کر دینا تو بنانے سے کہیں آسان ہے۔

ف۴ یعنی ایسی موٹی باتوں کو یہ لوگ نہ سمجھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین نہ ہوں۔ بلکہ ان کی بیہودہ بکواس پر صبر کرتے رہیں۔ اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں جو تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کے بنانے اور بگاڑنے پر قدرت رکھتا ہے۔

ف۵ یہ وقت اللہ کی یاد کے ہیں۔ ان میں دعاء اور عبادت بہت قبول ہوتی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہی نمازیں فرض تھیں۔ فجر اور عصر اور تہجد، بہر حال اب بھی ان تینوں وقتوں کو خصوصی فضل و شرف حاصل ہے نماز یا ذکر و دعاء وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہیے۔ حدیث میں ہے۔ "عَلَيْكُمْ بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ"۔ بعض نے کہا کہ "قَبْلَ الطُّلُوعِ" سے نماز فجر "قَبْلَ الْغُرُوبِ" سے ظہر و عصر اور "مِنَ اللَّيْلِ" سے مغرب و عشاء مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی نماز کے بعد کچھ تسبیح و تہلیل کرنا چاہیے۔ یا نوافل مراد ہوں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

ف۷ کہتے ہیں صور پھونکا جائے گا بیت المقدس کے پتھر پر۔ اس لیے نزدیک کہا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی اور سب کو یکساں سنائی دے گی۔

سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم کو آسان ہے ف۱ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں ہے ان پر

نکل پڑیں وہ دوڑتے۔ یہ اکٹھے کرنا ہم کو آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں، اور نہیں تو ان پر

بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

زور کرنے والا سو تو سمجھا قرآن سے اس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے ف۲

زور کرنے والا۔ سو تو سمجھا قرآن سے اس کو جو ڈرے میرے ڈرکے سے۔

ع ۱۶/۱۷

شدت عذاب خداوندی بر مجرمین وعزت واکرام مطیعین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ ... الی ... مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ خداوند عالم کا علم جملہ احوال بشریہ کو محیط ہے کہ کوئی مجرم نہ اس کے احاطہ علم سے غائب ہوسکتا اور نہ اس کی قدرت وگرفت سے بچ سکتا ہے تو اب ان آیات میں مجرمین کے عذاب کی شدت بیان کی جارہی ہے اور ساتھ ہی اہل ایمان اور مطیعین پر جو کچھ انعام وکرم ہوگا اس کا ذکر ہے کہ وہ کس اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل کئے جائیں گے اسی کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ ہدایت اور قبول حق کا دارومدار قلب کی سلامتی اور رجوع الی الحق پر ہے اگر قلب امراض خبیثہ میں مبتلا ہے تو دلائل وحجج اس کے واسطے بیکار ہیں اور اگر قلب تو بیمار نہیں لیکن توجہ اور رغبت قبول حق اور ہدایت کی نہیں تو بھی کوئی نفع حاصل نہ ہوگا یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ راہ حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آیا کرتی ہیں اس لیے صبر واستقامت چاہیے اور صبر وعزم ذکر خداوندی اور تسبیح وتحمید پر موقوف ہے کیونکہ یہ روح کی غذا ہے اسی سے روح کو قوت وتوانائی حاصل ہوتی ہے ان مضامین کو حشر اور قبور سے نکل کر حساب وکتاب کے لئے حاضری کے مضمون پر ختم فرمایا ارشاد ہے جس روز کہ ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر چکی وہ اپنی شدت اور وسعت اور پھیلاؤ اور غیظ وغضب کی حالت میں جواب دیگی اور کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ جس سے مجھے بھرا جائے گا اور مجرموں کو ان کے کفر ونافرمانی کی سزا دی جائے گی اور اس وقت جب کہ کافروں کے سامنے قہر خداوندی کا یہ ہیبت ناک منظر ہوگا قریب کردی جائے گی جنت تقویٰ والوں کے لیے جو دور نہ ہوگی جو نہایت ہی نزدیک پوری زیب وزینت کے ساتھ اہل ایمان کے سامنے ہوگی اس وقت کہا

=دے گی۔ باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی ندائیں حق تعالیٰ کی طرف سے اس روز ہوں گی۔ بعض نے آیت سے وہ مراد لی ہے۔ مگر ظاہر نفخ صور ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۸ یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے۔

ف۹ یعنی بہرحال موت وحیات سب خدا کے ہاتھ میں ہے اور پھر کر آخرکار اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ بچ کر کوئی نہیں نکل سکتا۔

ف۱ یعنی زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے۔ خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کردے گا اور ایسا کرنا اس کو کچھ مشکل نہیں۔

ف۲ یعنی جو لوگ حشر کا انکار کرتے اور واہی تباہی کلمات بکتے ہیں بکنے دو۔ اور ان کا معاملہ ہمارے سپرد کرو۔ ہم کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب نہیں کہ زور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں۔ ہاں قرآن سنا سنا کر بالخصوص ان کو نصیحت اور فہمائش کرتے رہیے جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں۔ ان معاندین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیے۔ تم سورۃ ق والحمد للہ

جار ہا ہوگا یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا اے ایمان والو! ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اس کے احکام واوامر کی حفاظت کرنے والا ہو بے شک جس نے خشیت اور تقویٰ اختیار کیا حالت غیب میں یعنی بغیر خدا اور قیامت کو دیکھے ہوئے پروردگار رحمٰن سے اور لے کر آیا ایک صاف ستھرا دل رجوع کرنے والا اس پر ایسا ہی انعام وکرم ہوگا اس قسم کے جملہ اہل ایمان وتقویٰ سے کہا جائے گا داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ یہی دن ہمیشہ رہنے کا ہے عافیت وسلامت کا اعلان خداوند عالم کی طرف سے بھی ہو رہا ہوگا اور فرشتے بھی یہی بشارت سنا رہے ہوں گے ان اہل ایمان کے واسطے جنت میں جو کچھ چاہیں گے وہ ہوگا اور ہر خواہش پوری ہوگی بلکہ ہمارے پاس تو ان کے لیے اس سے بھی زائد ہے کہ اہل جنت کی طلب اور خواہش ختم ہو جائے گی اور ان کے تصور میں بھی وہ انعامات نہ آسکیں گے جو انکی خواہش اور طلب سے بڑھ کر دیئے جائیں گے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اعلان ہوگا رضاء خداوندی کا فرمایا جائے گا۔ رضائی لااسخط علیکم بعدی ابدا۔ اور مزید اس پر دیدار خداوندی سے بھی۔ نوازے جائیں گے ظاہر ہے یہ سب کچھ انعام واکرام اہل ایمان وتقویٰ پر ہوگا لیکن اس کے بالمقابل کافروں ونافرمانوں کے واسطے تو ذلت ورسوائی اور عذاب کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا عذاب تو کوئی کیا ٹلا سکے گا دنیا میں بھی جب خدا کا قہر وعذاب کسی مجرم قوم پر مسلط ہوتا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا چنانچہ اور کتنی ہی جماعتیں ہم ہلاک کر چکے ان کفار مکہ سے پہلے جو ان سے زیادہ طاقت اور گرفت والے تھے جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے جیسے قوم عاد وثمود اور اہل مدین لیکن جب ان پر عذاب خداوندی آیا تو کیا کوئی ہوا ان میں بچ کر نکل جانے والا نہ کوئی بھاگ سکا نہ کسی کو کوئی ٹھکانا اور پناہ مل سکی بے شک اس میں سوچنے اور عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے اندر قلب سلیم ہے یا وہ توجہ سے اللہ کی باتوں کو سنے درآں حالیکہ وہ غور وفکر کرنے والا ہو تو بلاشبہ ان عبرتناک واقعات سے اس کے سینہ میں سمجھنے والا دل قبول حق کے واسطے تیار ہو جائے گا جنت وجہنم کے ان احوال اور وسعتوں پر کسی کو کوئی تعجب وحیرت کی قطعا ضرورت نہیں ہم تو ہر چیز پر قادر ہیں اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جملہ مخلوقات کو چھ دن کے اندر بنا دیا اور ہم کو کوئی تکان نہ ہوا اور چھ دن کی مدت بھی محض ان مخلوقات کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے لگائی ورنہ تو اللہ ایک آن اور لمحہ میں ہی ساری کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے تو جب ہم ان تمام عظیم مخلوقات کو ابتداءً پیدا کر چکے تو ہمارے واسطے دوبارہ لوگوں کو زندہ کر کے اٹھانا اور جنت جیسی مخلوقات کا بنانا کیا مشکل ہو سکتا تو اگر ان حقائق کے باوجود بھی کفار ومشرکین نہ مانیں اور انکار ہی کرتے رہیں اور آپ ﷺ کی باتوں کا تمسخر ومذاق کریں تو پس آپ ﷺ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ منکرین کہتے ہیں اور پاکی بیان کرتے رہئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اور رات کے کچھ حصوں میں بھی خدا کی پاکی بیان کرتے رہئے اور سجدہ کرنے کے بعد بھی جب بھی فرض نماز ادا کریں اور اس میں سجدوں سے فارغ ہوں تو ان سجدوں کے بعد خدا کی تسبیح وپاکی کرتے رہئے اور اس طرح ہمہ اوقات یاد خداوندی میں لگے رہئے اور کان لگائے رکھو اس دن پر کہ پکارنے والا پکارے قریب ہی جگہ سے یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ سنیں گے ایک چیخ ٹھیک ٹھیک بس یہی دن نکل پڑنے کا ہوگا مردوں کا اپنی قبروں سے یا جس جگہ بھی اور جس حالت میں انسان کے بدن اور اس کے اجزاء ہوں گے سب کو خدا تعالیٰ جمع کرے گا بے شک ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی

مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ وہ دن ہوگا کہ زمین شق ہوجائے گی ان سے اور زمین کے پھٹ جانے سے اس سے مردے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو رہے ہوں گے نہایت ہی تیزی سے دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم پر نہایت ہی آسان ہے۔ ❶

ہم خوب جانتے ہیں وہ باتیں جو کہہ رہے ہیں آپ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی میں اور آپ ﷺ ان پر کوئی زبردستی کرنے والے نہیں کہ کسی کو ہدایت پر زبردستی لے آئیں یا اکی بے ہودہ باتوں سے اس کو روک دیں سو آپ ﷺ تو نصیحت کرتے رہئے قرآن کے ذریعہ ہر اس شخص کو جو میری ❷ دھمکی سے ڈرتا ہو اس طرح کی تذکیر و نصیحت اور یاددہانی سے ہر وہ شخص جس کے دل میں ادنیٰ درجے کا بھی خوف خدا ہے وہ کفر و عناد سے باز آجائے گا اور امید ہے کہ ہدایت اور حق قبول کر لے نصیحت و فہمائش بہر کیف نفع سے خالی نہیں اور انجام خدا کے حوالہ کر دیجئے بندہ کے لیے ہر معاملہ میں تفویض الی اللہ ہی چاہئے اسی میں کامیابی اور اللہ کی مدد اور رضا و خوشنودی ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾۔

﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کی تفسیر

﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کی تفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جہنم کا ایندھن جہنم میں ڈالا جا رہا ہوگا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ تو جواب دے گی نہیں، ہے کچھ اور؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم (بے چون و چگون) اس پر رکھ دے گا تو کہے گی قط قط، بس بس۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اسی مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بروایت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنت میں کشادگی ہی باقی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کر کے جنت کی اس زائد جگہ کو پر فرمائے گا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی بیان فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت و جہنم کا

---

❶ ظاہر ہے کہ جب ایک انسان عاجز خدا کے عطا کردہ اسباب اور مادی وسائل سے فضا میں منتشر آوازوں اور صورتوں کو جمع کر سکتا ہے تو اس قادر مطلق اور خالق کائنات کے لیے انسانوں کا قیامت کے روز جمع کرنا کیا مشکل ہو سکتا ہے (تفصیل پہلے گزر چکی ہے) ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ندا کرنے والے فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جو بامر خداوندی نفخ صور کے ساتھ یہ آواز دیں گے، ایتها العظام البالیة والشعور المتفرقة والاوصال المتمزقة ان الله یامرکن ان تجتمعن۔ کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اور پراگندہ بالو! اور ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں کے جوڑو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب یکجا جمع ہو جاؤ۔

چنانچہ یہ ندا ہر مخلوق کو ایسی سنائی دی گی گویا کہ اس قریب ہی سے اس کو پکارا جا رہا ہے اور انسانی بدن کے اجزاء منتشرہ جمع ہو جائیں گے یہ روایت جمہور متکلمین کے اس قول کی تائید کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا حشر جسمانی قیامت کے روز نئے اجسام کو بنانا نہیں بلکہ اجسام قدیمہ دنیویہ ہی کو از سر نو زندہ کرنا ہے اور ارواح کو ان سے وابستہ کرنا ہے واللہ اعلم بالصواب (تفسیر احکام القرآن للقرطبی تفسیر مظہری)

❷ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ قتادہ رحمہ اللہ جب یہ تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے اللھم اجعلنا ممن یخاف وعیدك ویرجوا وعدك یا باؤیا رحیم، کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری وعید اور دھمکی سے ڈرتے ہوں اور تیرے وعدہ کی امید لگائے ہوئے ہوں، اے کریم مہربان

آمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

باہم مناظرہ اور حجت بازی ہوگی جہنم کہے گی کہ دیکھو میرے میں کس قدر بڑے بڑے مغرور و سرکش اور جبار لوگ ہیں مثلاً فرعون، ہامان وشداد وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے میری حیثیت بہت اونچی ہے کیونکہ اونچے طبقے کے لوگ میرے اندر ہیں، جنت بولے گی ٹھیک ہے مجھے کیا ہوا اگر مجھ میں ضعفاء و مساکین اور درویش قسم کے لوگ ہیں اس پر ارشاد خداوندی ہوگا جنت کیلئے اے جنت تو میری رحمت ہے تیرے ذریعہ سے میں بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں اور اے جہنم تو تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں اور تم میں سے ہر ایک کو پر کیا جانا میرے ذمہ ہے۔

﴿فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ الخ کی تعلیم سے یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ منکرین و مکذبین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ اور ذریعہ یہی ہے کہ انکی طرف سے پیش آمدہ اذیتوں پر صبر کیا جائے اور اپنا معاملہ خدا کے حوالہ کرتے ہوئے اس کی یاد اور تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جانا چاہئے یہ تفویض اور انابت الی اللہ ہی دشمنوں پر غالب و کامیاب بنائے گی۔

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ میں ان دو اوقات کی تخصیص یا تو اس امر پر مبنی ہے کہ اسراء و معراج سے قبل دو نمازیں فجر اور عصر فرض تھیں اور تہجد (قیام لیل) کو بھی آنحضرت ﷺ اور امت پر واجب کیا گیا تھا جو ایک سال تک رہا جس کے بعد قیام لیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ کر دیا گیا اور جب معراج میں پنجگانہ نمازیں فرض ہوگئیں تو اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ہر ایک سے اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا، گو کہ آنحضرت ﷺ اس پر پابندی ایسی ہی کرتے تھے جیسے کہ امر واجب کی کی جائے حتیٰ کہ کسی رات اگر ضعف یا بیماری کے باعث قیام لیل نہ فرما سکے تو اس کی قضا کے طور پر طلوع شمس اور زوال کے درمیانی وقت میں بارہ رکعت ادا فرمالیتے۔ (کما ورد فی الاحادیث الصحاح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک روز ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے (رات کا وقت تھا) آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا (اے لوگو!) بے شک تم اپنے رب کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور پھر تم اپنے رب کا دیدار اسی طرح کرو گے جیسے اس وقت تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو جس میں تمہیں کسی قسم کی دقت و رکاوٹ نہیں (اور فرمایا) اگر تم سے ہو سکے تو تم ہرگز عاجز نہ ہونا اس نماز سے جو قبل طلوع الشمس ہے اور اس نماز سے جو غروب سے پہلے ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾۔

﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہ نمازوں کے بعد والی تسبیحات ہیں جیسا کہ اس حدیث مشہور میں وارد ہوا جس میں آپ ﷺ نے فقراء مہاجرین کو ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر۔ اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر۔ پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی اس کی دوسری تفسیر جو بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور شعبی رحمہ اللہ منقول ہے "دو رکعتیں بعد مغرب ہیں"۔

امام احمد بن حنبل ؒ حضرت علی ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر فرض کے بعد علاوہ فجر اور عصر دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ ؓ کے یہاں رہا تاکہ حضور ﷺ کا معمول رات کی عبادت کا دیکھ سکوں تو آپ ﷺ جب فجر کی نماز کے لئے جانے لگے تو آپ ﷺ نے دو رکعتیں ہلکی ادا کیں اور فرمایا اے ابن عباس ؓ ر کعتین قبل الفجر ادبار النجوم، ور کعتین بعد المغرب ادبار السجود، یعنی ستاروں کے پیٹھ پھیرنے پر تسبیح کا حکم آیت ﴿وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ میں فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہیں اور تسبیح کا حکم ﴿اَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اس آیت ق میں وہ مغرب کے بعد والی دو سنتیں ہیں۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ ق۔

سورۃ الذاریات

اس سورت کے مضامین بھی زیادہ تر اثبات حشر ونشر ہی پر مشتمل ہیں گزشتہ سورت تخلیق کائنات اور انسان کے جملہ احوال پر حق تعالیٰ شانہ کے علم قدرت کا احاطہ بیان کرتے ہوئے ان حقائق کو ثابت فرمایا گیا تھا کہ کسی بھی مجرم اور نافرمان منکر کو اللہ کی گرفت اور عذاب سے بےفکر اور مطمئن نہ ہو جانا چاہئے اور نہ ہی وہ کسی طرح حق تعالیٰ کی گرفت سے بچ سکتا ہے اسی کے ساتھ اثبات قیامت کے لیے دلائل قدرت اور مشاہدات کونیہ کو پیش کیا گیا کہ کسی درجہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں تردد باقی نہ رہے اب اس سورت میں وقوع قیامت کی نہایت عظمت اور اہمیت کے ساتھ خبر دی جارہی ہے اور انسانوں کو پوری قوت کے ساتھ یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ آخرت سے غافل نہ ہوں فکر آخرت اور اس کی تیاری میں مصروف ہو جائیں یوں تو قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جو مسئلہ حشر ونشر اور اثبات قیامت پر مشتمل ہیں لیکن جس عظمت وجلال اور پر رعب انداز سے کلام الٰہی اس موقع پر قیامت کا ذکر فرمارہا ہے وہ انداز اور طرز تعبیر بھی مستقل ایک معجزانہ شان رکھتی ہے اسی وجہ سے قسم کے عنوان سے مضمون کا آغاز فرمایا جارہا ہے۔

(۵۱ سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۶۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اٰیاتھا ۶۰ رکوعاتھا ۳)

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ① فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ② فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ③ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ④ اِنَّمَا

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو پھر چلنے والیاں نرمی سے پھر بانٹنے والیاں حکم سے ف۱ بے شک

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر، پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو، پھر چلنے والیاں نرمی سے، پھر بانٹنے والیاں حکم سے، بے شک

ف۱ اول زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں، پھر ان میں پانی بنتا ہے۔ اس بوجھ کو اٹھائے پھرتی ہیں۔ پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلی ہے پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں۔ ان ہواؤں کی اللہ قسم کھاتا ہے۔ بعض علماء نے ذاریات، سے ہوائیں۔ "حاملات" سے بادل، "جاریات" سے تارے اور "مقسمات" سے فرشتے مراد لیے ہیں۔ گویا مقسم بہ کی ترتیب نیچے سے اوپر کو ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے کہ "ذاریات" ہوائیں۔ "حاملات"۔ بادل، "جاریات" کشتیاں، اور "مقسمات" فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے رزق وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ

جو وعدہ کیا ہے تم سے سو سچ ہے اور بے شک انصاف ہونا ضرور ہے ف۱ اور بیشک انصاف ہونا ضرور ہے ف۲ تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی

جو وعدہ دیا تم کو سو سچ ہے۔ اور بے شک انصاف ہونا ہے۔ قسم ہے آسمان جالی دار کی، تم پڑے رہے ہو ایک جھگڑے کی

مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱

بات میں اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا ف۳ مارے پڑے اٹکل دوڑانے والے ف۴ وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے ف۵

بات میں۔ اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا۔ مارے گئے اٹکل دوڑانے والے۔ وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے،

یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ۝۱۲ یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا

پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا ف۶ جس دن وہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے چکھو مزا اپنی شرارت کا یہ ہے

پوچھتے ہیں، کب ہے دن انصاف کا ؟ جس دن وہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے۔ چکھو مزہ اپنی شرارت کا۔ یہ ہے

الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴

جس کی تم جلدی کرتے تھے ف۷

جس کی تم شتابی کرتے تھے۔

اعلان وقوع قیامت وتنبیہ وتوبیخ برتر دد وانکار حشر ونشر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ... الی ... كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾

ربط:...... سورۂ قٓ کا مضمون قیامت اور حشر ونشر کے ثابت کرنے پر مشتمل تھا اور اسی ضمن میں کچھ احوال قیامت حساب و کتاب کی پیشی مجرمین کی سزا اور مطیعین پر انعامات کا ذکر تھا اب اس سورت پاک میں وقوع قیامت کا اعلان فرمایا جارہا ہے

ف۱ یعنی یہ ہواؤں اور بارش وغیرہ کا نظام شاہد ہے کہ آخرت کا وعدہ سچا، اور انصاف ہونا ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں ہوا تک بے نتیجہ نہیں چلتی تو کیا اتنا بڑا کارخانہ یوں ہی بے نتیجہ چل رہا ہے؟ یقیناً اس کا کوئی عظیم الشان انجام ہوگا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں۔

ف۲ یعنی صاف دشفاف، خوبصورت، مضبوط اور پر رونق آسمان کی قسم جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جس پر ستاروں کی اور فرشتوں کی راہیں پڑی ہوئی ہیں۔

ف۳ یعنی قیامت اور آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں۔ اس کو وہی تسلیم کرے گا جسے بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو۔ جو شخص راندۂ درگاہ ہے اور خیر وسعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا۔ حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم ونسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے۔

ف۴ یعنی دین کی باتوں میں اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور محض اپنے ظن وتخمین سے قطعیات کو رد کرتے ہیں۔

ف۵ یعنی دنیا کے مزوں نے آخرت اور خدا سے غافل کر رکھا ہے۔

ف۶ یعنی انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف کا دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟

ف۷ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا گیا۔ یعنی ذرا صبر کرو۔ وہ دن آیا چاہتا ہے۔ جب تم آگ میں الٹے سیدھے سینکے جاؤ گے۔ اور خوب جلا تپا کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ آگیا۔

اور ہواؤں، بادلوں ستاروں اور وہ فرشتے جو نظام کائنات پر مامور ہیں ان کی قسم کھا کر ایک طرف اس اعلان کے گویا دلائل پیش کئے جا رہے ہیں کہ جس ذات کے قبضہ قدرت میں یہ عظیم کارخانہ چل رہا ہے وہی ذات قادر مطلق جب چاہے، اس نظام عالم کو درہم برہم کر کے قیامت برپا کر دے تو دوسری جانب احوال قیامت کی ہیبت وعظمت بھی مخاطبین کے ذہن میں قائم کی جا رہی ہے اور ان کی غفلت ولاپرواہی پر توبیخ وملامت بھی ہے، ارشاد فرمایا:

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر پھر قسم ہے ان کی جو اٹھانے والی ہیں بوجھ کو پھر قسم ہے ان کی جو چلنے والی ہیں نرمی سے پھر قسم ہے ان کی جو تقسیم کرنے والی ہیں از روئے حکم بے شک بس یہی ہے کہ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ یقیناً سچا ہو کر رہے گا کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس حیات دنیوی کے بعد دوبارہ قیامت میں اللہ جل شانہ کے روبرو حاضر ہونا ہے اور بے شک انصاف ہونا ہے کہ نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع ہوگی اور نہ بدی کی سزا سے بچ سکے گا اور ہر ظالم خواہ اس نے دوسرے پر ظلم کیا ہو یا اپنی ذات پر ظلم کا بدلہ بہر حال اس پر ہوگا قسم ہے آسمان کی جو جال والا ہے کہ ستاروں کا جال اس پر گھرا ہوا ہے جو آسمان پر رونق کا باعث ہونے کے علاوہ خداوند عالم کی عظیم قدرت کی بہترین نشانی بھی ہے ان دلائل اور نشانیوں کے باوجود بھی حق سے انحراف وانکار کرنے والے لوگو! بے شک تم تو ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو اس سے وہی باز رہے گا جو اس سے پھیر دیا گیا اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے اس خیر وسعادت کی راہ کو قبول کرنے سے محروم رہا، تو ظاہر ہے جو سعادت وخیر سے دھتکار دیا گیا اس کے حصہ میں اب کہاں سے ہدایت وسعادت حاصل ہو سکتی ہے ہلاک ہوں انکل وتخمین لگانے والے لوگ جو اپنی غفلت وجہالت میں بھٹک رہے ہیں پوچھتے ہیں تمسخر اور مذاق کے انداز میں بتائیے تو کب ہے وہ جزاء کا دن ایسے احمقانہ سوال کرنے والوں کو جواب دے دو جزاء کا دن وہ ہوگا جس دن وہ جہنم کی آگ پر آزمائے جائیں گے اور اوندھے منہ آگ پر ان کو ڈالا جا رہا ہوگا۔ ﴿یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ﴾۔ اس وقت کہا جاتا ہوگا چکھو لو مزہ اپنی شرارت وخباثت کا یہی تو ہے وہ عذاب یا جزاء کا دن جس کی تم جلدی کر رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ کب آئے گا وہ انصاف کا دن جیسا کہ ان کو اس دن کا بہت انتظار ہے اور اس کی تاخیر انکو بھاری معلوم ہو رہی ہے تو جب عذاب ان پر مسلط ہوگا تو کہا جاتا ہوگا کہ بس اب دیکھ لو اور یقین کر لو بلاشبہ ان کے استہزاء وتمسخر کا ایسا ہی جواب قدرت کی طرف سے ہونا چاہئے سوایسے منکرین اور گستاخ لوگوں کو ہماری طرف سے سب کچھ سنا دیا جائے۔

کلمات قسم کی تشریح

﴿وَالذّٰرِیٰتِ﴾ الخ میں واؤ قسمیہ ہے جیسے "والصّٰٓفّٰتِ" وغیرہ میں قسم کے معنی ہیں لفظ ذاریات جمع ذاریۃ کی ہے ذروا کے معنی بکھیرنے کے ہیں تو ذاریات اہل عرب کے یہاں ان ہواؤں کو کہا جاتا ہے جو غبار اور ذرات بکھیرتی ہیں گویا تیز ہوائیں اور آندھیاں اس کا مصداق ہوئیں پھر ان سے بادل بنتے ہیں جن میں اللہ کی قدرت سے پانی کے ذخائر جمع ہوتے ہیں اور اسی طرح یہ ہوائیں ان بادلوں کو لئے پھرتی ہیں اور بوجھ اٹھائے ہوتی ہیں جب پانی برسنے کا وقت قریب آتا

ہے تو ان ہواؤں میں نرمی آجاتی ہے پھر اللہ کے حکم سے جہاں جس قدر بارش کا حصہ ہوتا ہے تو وہ زمین کے اس حصہ کو تقسیم ہوجاتا ہے تو اس لحاظ سے یہ ہوائیں جن کی تحریک سے یہ بادل حرکت میں آئے اور برسے گویا تقسیم کرنے والی ہوئیں۔

یہ تفسیر ان ائمہ مفسرین کے قول پر ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یہ چاروں یعنی ذاریات، حاملات، جاریات اور مقسمات ہواؤں ہی کی صفات ہیں لیکن بعض ائمہ مفسرین ذاریات سے ہوائیں مراد لیتے ہیں اور حاملات سے بادل جاریات سے کشتیاں اور بعض ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لیتے ہیں۔

سعید بن المسیب ؒ بیان کرتے ہیں ایک شخص حضرت عمر فاروق ؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین مجھے بتایئے کہ ﴿وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا﴾ کیا ہے؟ فرمایا یہ ہوائیں ہیں اور اگر میں رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنتا کبھی نہ کہتا پھر پوچھا فرمایئے ﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا﴾ کیا ہے؟ فرمایا بادل ہیں اور اگر میں رسول اللہ ﷺ سے نہ سنتا کبھی نہ کہتا پھر سوال کیا کہ ﴿فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا﴾ کیا ہے جواب دیا یہ کشتیاں ہیں جو سمندر میں بڑی سہولت اور آسانی سے تیرتی ہیں اور حسب سابق اس کو بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا پھر کہا اچھا ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ﴾ کے کیا معنی ہیں فرمایا یہ ملائکہ ہیں جو اللہ کی مخلوق پر اس کا رزق تقسیم کرنے والے یا اس کے اوامر واحکام مخلوقات تک پہنچانے والے ہیں تو جمہور مفسرین کے مشہور قول کے مطابق الجاریات سمندر میں تیرنے والی کشتیاں اور جہاز ہیں اور حضرت علی ؓ بن ابی طالب کی تفسیر میں الجاریات سے مراد ستارے ہیں تو اس لحاظ سے ان آیات میں جن اشیاء کی قسم کھائی گئی وہ عالم زمین سے ہوائیں اور عالم جو سے بادل اور ملکوت السمٰوٰت سے ستارے اور فرشتے ہوئے اس طرح ان مخلوقات عظیم کا ذکر نہایت ہی لطیف انداز سے ترقی من الادنیٰ الی الاعلی کا نمونہ ہوگیا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ [1]

مسند بزار میں اس طرح کا مضمون حضرت علی ابی طالب ؓ سے روایت کیا ہے جب کہ وہ کوفہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی اور آپ ؓ نے اسی طرح جواب دیا۔ [2]

"ایان" لغت عربیہ میں زمانہ اور وقت کے سوال کے لئے واضع کیا گیا ہے لیکن اس کا استعمال اس موقع پر ہوتا ہے جہاں متکلم کسی چیز کی آمد بعید اور ناقابل تسلیم سمجھتا ہو برخلاف لفظ متی کے کہ وہ مطلق سوال عن الوقت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے الغرض ان کے اس سوال میں عناد وانکار قیامت اور یہ کہ جس قیامت کی دھمکی دی جارہی ہے وہ کہاں آئے گی تو اس طبعی شقاوت کے باعث جواب میں تنبیہ اور سختی کا رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا ﴿یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ﴾ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے واسطے پھانسی کا حکم ہوجائے مگر وہ احمق باوجود قیام براہین کے محض اس وجہ سے کہ تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جائے اور یہی کہتا رہے اچھا وہ دن کب آئے گا چونکہ یہ سوال از راہ تعنت ہے اس لئے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا بھی نہایت ہی مناسب ہوگا وہ دن اس وقت آئے گا جب تم پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے"۔ تو اسی طرح یہاں ﴿اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ کے جواب

[1] تفسیر ابن کثیر، روح المعانی۔
[2] بحوالہ تفسیر ابن کثیر۔

میں بھی مناسب ہوا کہ فرمایا جائے ﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ﴾ ان کلمات میں مجرمین پر تنبیہ کے بعد اہل انعام اور مطیعین کے انعام واکرام کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿١٥﴾ اٰخِذِينَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ

البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں ہیں اور لیتے ہیں جو دیا ان کو ان کے رب نے ف۱ وہ تھے اس سے پہلے

البتہ ڈر والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں، پاتے ہیں جو دیا ان کو ان کے رب نے۔ وہ تھے اس سے پہلے

مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِيٓ

نیکی والے ف۲ وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے ف۳ اور ان کے

نیکی والے۔ وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے۔ اور صبح کے وقتوں معافی مانگتے، اور ان کے

أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِيٓ

مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا ف۴ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے واسطے اور خود

مال میں حصہ تھا مانگنے کا اور ہارے کا۔ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو۔ اور خود

أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

تمہارے اندر سو کیا تم کو سوجھتا نہیں ف۵ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ف۶ سو قسم ہے رب آسمان

تمہارے اندر۔ کیا تم کو سوجھ نہیں۔ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا۔ سو قسم ہے رب آسمان

ف۱ یعنی خوشی خوشی ان نعمتوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے پروردگار نے ارزانی فرمائی ہیں

ف۲ یعنی دنیا سے نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے۔ آج ان کا نیک پھل مل رہا ہے۔ آگے ان نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے۔

ف۳ یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہوسکا۔ جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرما دیجیے۔ کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی۔ بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت وخوف بڑھتا جاتا تھا۔

ف۴ "ہارا ہوا" وہ جو محتاج ہے اور مانگتا نہیں پھرتا۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے (زکوٰۃ کے علاوہ) اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو التزام کی وجہ سے گویا ایک حق لازم سمجھا گیا۔

ف۵ یعنی یہ شب بیداری، استغفار اور محتاجوں پر خرچ کرنا اس یقین کی بنا پر ہونا چاہیے کہ خدا موجود ہے اور اس کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی۔ اور یہ یقین وہ ہے جو آفاقی وانفسی آیات میں غور کرنے سے بسہولت حاصل ہوسکتا ہے۔ انسان اگر خود اپنے اندر یا روئے زمین کے حالات میں غور وفکر کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک وبدکی جزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی۔ جلد یا بدیر۔

ف۶ یعنی سائلوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے اس لیے نہیں ڈرنا چاہیے کہ خرچ کر کے ہم کہاں سے کھائیں گے اور نہ خرچ کر کے ان سائلین پر احسان جتلائیں کیونکہ تمہاری سب کی روزی اور اجر وثواب کے جو وعدے کیے گئے ہیں آسمان والے کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر ایک کی روزی پہنچ کر رہے گی کسی کے روکے نہیں رک سکتی۔ اور خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں " آنے والی جو بات ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترتا ہے۔"

وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝۲۳

اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو ف۱

اور زمین کے کی، یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔

انعام واکرام مطیعین وآثار ایمان وتقویٰ درحیات مومنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ... الى ... مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اور معاندین کے انکار قیامت پر تنبیہ وتہدید تھی اور عذاب خداوندی سے آگاہ کیا گیا تھا تو اب ان آیات میں معاندین ومنکرین کے بالمقابل اہل ایمان وتقویٰ کے کچھ احوال اور انکی ایمانی زندگی کا رنگ بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی طرف سے جن انعامات سے ان کو نوازا جائے گا اس کا اجمالی بیان ہے تو فرمایا جا رہا ہے:

بے شک تقویٰ والے اللہ کے فضل وانعام سے باغات اور چشموں میں ہوں گے جو چشمے اور نہریں ان کے محلوں کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی بڑی فرحت اور خوشنودی کے ساتھ۔ لینے والے ہونگے ان نعمتوں کو جو ان کے رب نے ان کو عطا کیں اور یہ انعامات خداوندی اور اعزاز واکرام اس بناء پر ان کے لئے ہوگا کہ بے شک اس سے پہلے وہ عالم دنیا میں نیکیاں کرنے والے تھے وہ ایسے محسن ❶ اور نیکوکار اور اللہ رب العزت کی محبت اور ذوق عبادت میں مخمور تھے کہ بہت ہی کم رات کے حصہ میں ایسا ہوتا کہ وہ سوتے ہیں اور باوجود عبادت کے اس ذوق وشوق اور انہماک کے وہ اپنے کو خطاوار ہی سمجھتے ہوئے صبح کے وقتوں میں اپنے رب سے معافی ہی مانگتے ہوتے ہیں اور ان کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ان مالوں میں حق ہے مانگنے والوں کا اور محتاج وتنگدست لوگوں کا اور خود اپنی رضا وخوشنودی طبع سے مساکین وتنگ دستوں کا ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے گویا کہ یہ اہل اللہ اس حصہ مال کو ان کا حق سمجھ کر ادا کر رہے ہیں اور یہ خوبیاں اور محاسن خدا پر ایمان اور آخرت پر یقین کی صفت پر مبنی ہیں سو خدا پر ایمان اور آخرت پر یقین کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے روئے زمین کی نشانیاں تو بہت ہی عظیم وبلند ہیں۔ اور خود تمہارے اندر بے شمار دلائل ونشانیاں ہیں جن سے خدا کی قدرت پر کامل ایمان اور آخرت پر یقین حاصل ہوسکتا ہے تو کیا تمہیں یہ نشانیاں نظر نہیں آتی ہیں احسان وانفاق فی سبیل اللہ سے نفس میں ہرگز یہ خطرہ اور وسوسہ پیدا نہ ہونے دیا جائے کہ ہمارے مال میں کمی آجائے گی اور پھر ہم کہاں سے کھائیں گے اور آسمان میں رزق ہے جو تمہارے واسطے لکھ دیا گیا ہے اور وہ تم کو ہر حال میں ملے گا اور وہ ہر نعمت تم کو ملے گی جس کا تم سے

ف۱ یعنی جیسے اپنے بولنے میں شبہ نہیں، ویسا ہی اس کلام میں شبہ نہیں۔ یقیناً روزی پہنچ کر رہے گی، قیامت قائم ہوگی، آخرت آ کر رہے گی، اور خدا کے وعدے ضرور پورے ہوں گے۔ آگے ﴿وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ کی مناسبت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا قصہ سناتے ہیں جو تمہید ہے لوط علیہ السلام کے قصہ کی۔ دونوں قصوں سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا میں محسنین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین کے ساتھ اس نے کیسا برتاؤ کیا۔

❶ محسنین کے ترجمہ میں اختیار کردہ الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صفت احسان بمعنی احسان فی العبادة ہے جو اخلاص اور کمال عبادت کا نام ہے اور یہ بھی مراد ہے کہ احسان بمعنی انعام وانفاق فی سبیل اللہ ہو کہ علاوہ زکوٰۃ کے وہ صدقات نافلہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے ہیں۔

وعدہ کیا جاتا ہے کہ صدقہ اور خیرات کی برکات میں سے ہے کہ ایک کا ثواب اور بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا اور صدقات کی برکت دنیا میں بھی رزق اور مال کو کثیر کرے گی اور آخرت میں بھی اجر و ثواب کا مستحق بنائے گی سو قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی یہ بات حق اور قطعی ہے جیسا کہ تم بولتے ہو اور تم کو اپنے بولنے میں کوئی شبہ اور شک نہیں اسی طرح اللہ کا وعدہ بھی یقینی اور حق ہے اس میں بھی ہرگز کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اہل ایمان وتقویٰ کے خصوصی اوصاف

ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ کے خصوصی احوال واوصاف بیان فرماتے گئے جو انکے واسطے بارگاہ خداوندی میں اعزاز واکرام کا باعث ہیں اس پہلے بیان کردہ گروہ کے برعکس جو اپنی نافرمانی اور سرکشی کے باعث خدا کے قہر وغضب اور عذاب کا مستحق بنا تو پہلی چیز تو یہ ذکر فرمائی گئی کہ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے جو ان کے سکون وراحت کی دلیل ہے دوسری چیز یہ فرمائی گئی ہے ﴿اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ﴾ کہ اللہ کے انعامات مسلسل ان پر ہو رہے ہوں گے جو ان کو بڑی خوشی دیتے ہوں گے عطاء الٰہی کے قبول کرنے میں اس کے بندوں کو کس قدر لذت ہوتی ہے وہ اس سے ظاہر ہے پھر اس کا راز بیان کیا جارہا ہے کہ یہ انعام واکرام ان کے ایثار وسخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ اور ذوق عبادت کے باعث ہے کہ پوری پوری رات اللہ کی عبادت میں گزار دیں اور بستروں پر پہلو بھی نہ ٹیکیں اور پھر اس درجہ کمال عبادت کے باوجود خشیت خداوندی کا یہ عالم کہ صبح کے اوقات میں استغفار میں مصروف ہوں جیسے کہ قصوروار گڑگڑا کر معافی مانگتا ہو ان حضرات کو معرفت حق میں بھی درجہ اعلیٰ واکمل حاصل ہے کہ زمین کی نشانیوں اور خود اپنی ذات کی نشانیوں یعنی دلائل آفاق اور دلائل انفس سے اپنے عجز وذلت کو اور خالق کائنات کی عزت وعظمت کو خوب پہچان رہے ہوں پھر یہ کہ سائلین اور تنگ دستوں کو دیکر فخر وغرور یا احسان جتانا تو درکنار ان کا طرز اور انداز زندگی تو یہ بتاتا ہے کہ گویا انہوں نے اپنے اوپر اپنا حق سمجھ رکھا ہے نیز خدا پر اعتماد وبھروسہ اس درجہ کہ نہ تنگی کا خطرہ نہ مستقبل کا فکر بلکہ یہ اعتماد واعتقاد کہ ہمارا رزق آسمانوں پر اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ ہمیں ضرور ملے گا اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ آخرت کا یقین، غرض یہ ہیں وہ اوصاف جو اہل ایمان وتقویٰ کے ان آیات میں نظر آتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا کہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کرتے ہیں تو اس آیت کا مصداق اپنے کو نہیں پاتا (غایت تواضع کے باعث)

عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنوتمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا اے ابو اسامہ رضی اللہ عنہ قرآن کریم نے جس قوم کا ذکر کیا ہے ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ میں وہ صفت ہم اپنے میں نہیں پاتے ہم تو خدا کی قسم تھوڑا حصہ بھی رات کا قیام نہیں کرتے فرماتے ہیں میرے والد نے جواب دیا اچھا ہے اس شخص کے لیے جب اونگھ آئی تو سو گیا اور جب بیدار ہوا تو خدا کا تقویٰ اختیار کیا۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے میں اپنے عمل جب اہل جنت کے اعمال سے موازنہ کرتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت بلند مرتبہ لوگ ہیں اور ایک ایسی قوم ہیں کہ ہمارے اعمال انکے درجے تک

نہیں پہنچ سکتے لیکن جب اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کرتے ہیں تو الحمد للہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اسلئے بس ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ہم اس گروہ میں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ تو اس وجہ سے امید یہی ہے کہ اللہ رب العزت ہم اپنی رحمت وعنایت کے ساتھ توجہ کرتے ہوئے درگزر فرمائے گا۔

غرض یہ اوصاف وہی ہیں جن کا ذکر حضرت عبداللہ بن سلام ﷛ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کی طرف جوق در جوق رجوع کرنے لگے میں بھی انہی میں سے ایک تھا آپ ﷺ کی مجلس میں جس وقت پہنچا اور آپ ﷺ کے چہرہ انور پر نظر پڑی تو ایک ہی نظر سے یقین کرلیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا سب سے پہلی چیز جو میں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی وہ تھی، یایها الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وفی روایة وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام۔ کہ اے لوگو! کثرت سے سلام کیا کرو (محتاجوں کو) کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کرو اور رات کے ان حصوں میں نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں بس تم جنت میں سلامتی وعافیت کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔

اور حدیث اختصام ● ملاء اعلیٰ میں ہے جب درجات کا سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے یہی کلمات ارشاد فرمائے افشاء السلام واطعام الطعام والصلوة باللیل والناس نیام۔

﴿اَلْمَحْرُوْمِ﴾ کی تفسیر

﴿اَلْمَحْرُوْمِ﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں حافظ ابن کثیر ﷫ نے حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ اور مجاہد ﷫ سے نقل کیا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کا بیت المال میں کوئی حصہ نہ ہو اور نہ اس کے پاس کسب معاش کا کوئی ذریعہ ہو جس سے وہ اپنا گزارہ کر سکے ام المومنین حضرت عائشہ ﷞ سے بھی تقریبا یہی مفہوم نقل کیا گیا۔

سعید بن المسیب ﷫ اور عطاء ﷫ بیان کرتے ہیں محروم وہ شخص ہے جس کا مال ضائع ہوگیا ہو قتادہ ﷫ اور زہری ﷫ سے منقول ہے اس تنگ دست کو محروم کہتے ہیں جو لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو اور اس پر اس حدیث کو بیان کیا کرتے۔ لیس المسکین بالطواف الذی ترده اللقمة واللقمتان والتمرة والتمرتان ولکن المسکین الذی لا یجد غنی یغنیه ولا یفطن له فیتصدق علیه کہ مسکین یہ گشت کرنے والا سائل نہیں ہے کہ اس کو ایک لقمہ دو لقمے در در بھٹکا رہے ہوں اور ایک کھجور دو کھجوریں ایک در سے دوسرے در پر لے جارہی ہوں مسکین تو درحقیقت وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی سہارا نہ ہو اور نہ اسکی حالت وظاہری طور وطریق سے سمجھا جاتا ہو کہ وہ مسکین محتاج شخص ہے کہ اس کو صدقہ ہی دے دیا جائے۔

﴿وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ﴾ کی تفسیر میں بعض حضرات نے بیان کیا کہ یہ بارش ہے جس سے اللہ بندوں کا رزق پیدا فرماتا ہے بعض مفسرین نے نقل کیا کہ کسی اعرابی نے یہ آیت سنی ﴿فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ﴾ تو گھبرا کر کہنے لگا۔ سبحان اللہ

● جامع ترمذی ابواب صلوۃ اللیل۔ ۱۲

یہ کون ہے جس نے خداوند رب جلیل کو غصہ دلایا یہاں تک کہ اس کو قسم تک کھانے کی نوبت آگئی کیا ایسا بھی ہے کوئی کہ خدا کی بات کو سن کر فوراً ہی تصدیق نہ کرے حتیٰ کہ وہ قسم کھا کر اپنی بات کو مؤکد و ثابت فرمائے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ

کیا پہنچی ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے ف۱ جب اندر پہنچے اس کے پاس تو بولے سلام

کیا پہنچی ہے تم کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی، جو عزت والے تھے؟ جب اندر آئے اس کے پاس تو بولے، سلام!

قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ

وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے ف۲ پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک بچھڑا گھی میں تلا ہوا پھر ان کے سامنے رکھا

وہ بولا سلام ہے، یہ لوگ ہیں اوپرے۔ پھر دوڑا اپنے گھر کو، تو لایا ایک بچھڑا گھی میں تلا۔ پھر ان کے پاس رکھا،

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ

کہا کیوں تم کھاتے نہیں ف۳ پھر جی میں گھبرایا ان کے ڈر سے بولے تو مت ڈر اور خوش خبری دی اس کو ایک

کہا کیوں تم کھاتے نہیں؟ پھر جی میں ہڑبڑایا ان کے ڈر سے۔ بولے، تو نہ ڈر۔ اور خوش خبری دی اس کو ایک

عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا

لڑکے ہشیار کی ف۴ پھر سامنے سے آئی اس کی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھیا بانجھ ف۵ وہ بولے

لڑکے ہوشیار کی۔ پھر سامنے آئی اس کی عورت بولتی، پھر پیٹا اپنا ماتھا، اور کہا کہیں بڑھیا بانجھ وہ بولے

كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

یوں ہی کہا تیرے رب نے وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار ف۶

یوں ہی کہا تیرے رب نے۔ وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار۔

ف۱ یعنی فرشتے تھے جن کو ابراہیم علیہ السلام اول انسان سمجھے ان کی بڑی عزت کی اور اللہ کے ہاں تو فرشتے معزز و مکرم ہیں ہی۔ کما قال ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾

ف۲ یعنی سلام کا جواب سلام سے دیا اور دل میں یا آپس میں کہا کہ یہ لوگ کچھ اوپرے سے معلوم ہوتے ہیں۔

ف۳ یعنی نہایت اہتمام سے مہمانی شروع کردی اور نہایت مہذب و شائستہ پیرایہ میں کہا کہ کیوں حضرات آپ کھانا نہیں کھاتے؟ وہ فرشتے تھے، کھاتے کس طرح۔ آخر ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ آدمی نہیں ہیں۔

ف۴ یہ قصہ سورۂ "ہود" اور "حجر" میں گزر چکا ہے۔ وہاں تفصیل ملاحظہ کرلی جائے۔

ف۵ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (کیا خوب) ایک بڑھیا بانجھ جس کی جوانی میں اولاد نہ ہوئی۔ اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟

ف۶ یعنی ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینا چاہیے۔ (پھر تم بیت نبوت سے ہو کر اس بشارت پر تعجب کیا کرتی ہو)

(تنبیہ) مجموعہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جن کی بشارت ماں اور باپ دونوں کو دی گئی۔

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ ف۱ وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک گناہ گار قوم پر کہ چھوڑیں

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا ؟ اے بھیجے ہوؤ! وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک لوگوں گناہ گار پر، کہ چھوڑیں

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿۳۴﴾ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ

ہم ان پر پتھر مٹی کے ف۲ نشان پڑے ہوئے تیرے رب کے یہاں سے حد سے نکل چلنے والوں کے لیے ف۳ پھر بچا نکالا ہم نے

ان پر پتھر مٹی کے، نشان پڑے تیرے رب کے ہاں بےحد چلنے والوں کو۔ پھر بچا نکالا ہم نے

فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً

جو تھا وہاں ایمان والا پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے ف۴ اور باقی رکھا ہم نے اس میں نشان

جو تھا وہاں ایمان والا۔ پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ، سوا ایک گھر کے مسلمانوں کا، اور رکھا اس میں نشان

لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۷﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ

ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں عذاب دردناک سے ف۵ اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اس کو فرعون کے پاس دے کر کھلی

ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں دکھ کی مار سے۔ اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اس کو فرعون پاس دے کر سند

مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ

سند ف۶ پھر اس نے منہ موڑ لیا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ف۷ پھر پکڑا ہم نے اس کو

کھلی۔ پھر اس نے منہ موڑا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو

وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ

اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ان کو دریا میں اس پر لگا الزام ف۸ اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے ان پر ہوا خیر سے خالی نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر

اور اس کے لشکروں کو اور پھینک دیا ان کو دریا میں اور اس میں پڑا الاہنا۔ اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے ان پر باؤ بےخبر نہ چھوڑتی کوئی چیز جس پر گزرتی،

ف۱ یعنی ابراہیم نے فرشتوں سے پوچھا کہ آخر تم کس مہم کے لیے آئے ہو۔ انداز سے سمجھے ہوں گے کہ ضرور کسی اور اہم مقصد کے لیے ان کا نزول ہوا ہے۔

ف۲ یعنی قوم لوط کی سزا دہی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ کنکر کے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کریں۔ "من طین" کی قید سے معلوم ہو گیا کہ یہ اولوں کی بارش نہ تھی جس کو توسعاً پتھر کہہ دیا جاتا ہے۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ عذاب کے پتھر خاص ان ہی کو لگیں گے جو عقل، دین اور فطرت کی حد سے نکل چکے ہیں۔

ف۴ یعنی اس بستی میں صرف ایک حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانا مسلمانی کا گھرانا تھا۔ اس کو ہم نے عذاب سے محفوظ رکھا اور صاف بچا نکالا۔ باقی سب تباہ کر دیئے گئے۔

ف۵ یعنی اب تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور ان کی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔

ف۶ یعنی معجزات و براہین۔

ف۷ یعنی زور و قوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو چالاک جادوگر ہے اور یا دیوانہ ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔ ....

عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ

گزرے کہ نہ کر ڈالے اس کو جیسے چورا ف۱ اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو برت لو ایک وقت تک ف۲ پھر شرارت کرنے لگے

کہ نہ کر ڈالتی اس کو جیسے چورا۔ اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو برتو ایک وقت تک، پھر شرارت کرنے لگے

أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا

اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے پھر نہ ہو سکا ان سے کہ اٹھیں اور نہ ہوئے

اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو کڑاکے نے اور وہ دیکھتے تھے، پھر نہ سکے کہ اٹھیں، اور نہ ہوئے

كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٦﴾ ع۲

کہ بدلہ لیں ف۳ اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو اس سے پہلے تحقیق وہ تھے لوگ نافرمان ف۴

کہ بدلہ لیں۔ اور نوح کی قوم کو اس سے پہلے، مقرر وہ تھے لوگ بےحکم۔

تذکرہ مہمانان ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر ثواب مصدقین وعقوبت مکذبین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ... الى... إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں مومنین ومتقین اور انکے انعامات کا بیان تھا قرآن کریم کا یہ خصوصی طرز بیان ہے کہ ایک فریق کے ذکر کے بعد اس کے بالمقابل فریق کا بھی حال بیان کر دیا جائے تا کہ دونوں کا تقابل کر لیا جائے اور اس طرح ذہنی طور پر سامعین کیلئے قبول حق کی رغبت اور کفر ونافرمانی سے نفرت اور ڈر پیدا ہو سکے تو اب ان آیات میں نافرمانوں اور مجرموں کا ذکر ہے کہ خدا کے فرشتے ان پر عذاب لے کر پہنچے اور ان کو اس طرح ایک آن کی آن میں ہلاک کر دیا گیا اور ہلاکت بھی ایسی عبرتناک کہ سننے والے سن کر کانپ جائیں، ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر (ﷺ) کیا آپ ﷺ کو قصہ معلوم ہوا ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا جو معزز تھے اس لیے کہ وہ اللہ کے فرشتے تھے اور اللہ کے فرشتے ﴿عِبَادٌ مُكْرَمُونَ﴾ (اس کے مکرم بندے) ہوتے ہیں یا معزز، بایں معنی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مکارم اخلاق کے لحاظ سے انکا اعزاز واکرام فرمایا جب کہ وہ مہمان ان کے پاس پہنچے پھر ان کو سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً ان کو کہا سلام (کہ تم پر خدا کی سلامتی ہو) پھر غور کرتے ہوئے کہ یہ کون لوگ ہیں کہنے لگے یہ تو انجان لوگ ہیں جن کو میں نہیں پہچان رہا ہوں ممکن ہے کہ یہ بات دل میں کہی ہو، اور ممکن ہے کہ زبان سے کہا ہو، لیکن

= ف۸ یعنی ہم نے زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر اور سرکشی اختیار کی، سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہی کاٹا۔

ف۱ یعنی عذاب کی آندھی آئی جو خیر وبرکت سے یکسر خالی تھی۔ اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس چیز پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا۔

ف۲ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑا لو، اور یہاں کا سامان برت لو۔ آخر عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ گے۔

ف۳ یعنی ان کی شرارت روز بروز بڑھتی گئی۔ آخر عذاب الٰہی نے آ لیا ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور وطاقت اور متکبرانہ دعوے اور لطفے خاک میں مل گئے کسی سے اتنا بھی نہ ہوا کہ چکھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔

ف۴ یعنی ان اقوام سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اپنی بغاوت اور سرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی ہے وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔

بحکمت خداوندی فرشتوں نے سن کر سکوت کیا ہو اور یہ واضح نہ کیا ہو کہ ہم فرشتے ہیں، کیونکہ ابھی اس وضاحت کی ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہوگی پھر ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا ان کے سامنے لے کر آئے پھر اس کو ان کے قریب کر کے رکھ دیا جیسے کسی مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا جائے چونکہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے کھاتے پیتے نہیں وہ تو نور محض اور مخلوق نوری تھے، جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ نہیں کھاتے تو بولے کیا آپ لوگ کھاتے نہیں جب اس پر بھی فرشتوں نے کھانا شروع نہ کیا تو پھر دل میں ایک ڈر محسوس کیا ان کی طرف سے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ عزت واکرام کے ساتھ ان کی ضیافت کی جارہی ہے پھر بھی نہیں کھا رہے ہیں کہیں یہ کوئی دشمن تو نہیں، اس زمانہ میں کوئی دشمن ہو کر کسی کے یہاں آتا تو اس کا کچھ کھایا نہیں کرتا تھا کیونکہ کسی کا کھا کر اس کے ساتھ دشمنی کرنا انسانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے فرشتے اس ڈر اور خوف کو محسوس کر کے کہنے لگے مت ڈرو ہم تو اللہ کے فرشتے ہیں اس وجہ سے نہیں کھا رہے ہیں نہ کھانے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم تمہارے دشمن ہیں بلکہ ہم تو تمہیں ایک بشارت خداوندی سنانے آئے ہیں اور بشارت دی ان کو ایک فرزند کی جو بڑا ہی علم والا ہوگا کیونکہ وہ فرزند اللہ کے علم میں طے تھا کہ پیغمبر ہوں گے اور پیغمبر کا علم اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی تھی جن کی نسل سے انبیاء بنی اسرائیل پیدا ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (سارہ علیہا السلام) جو ان باتوں کو سن رہی تھیں سامنے سے آئی پکارتی ہوئی پھر اپنے چہرہ کو پیٹا اپنے ہاتھ سے اور کہنے لگیں اچھا بڑھیا اور بانجھ اور عجیب ہے کہ اس کے بچہ پیدا ہوگا۔

فرشتوں نے کہا تعجب کی کیا بات ہے خدا کی قدرت اور اس کے امر سے ایسا ہی تمہارے لیے تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے وہ بے شک بڑا ہی حکمت والا خوب جاننے والا ہے اگرچہ یہ بات اپنی جگہ قابل تعجب ہے لیکن خداوند عالم کی بلند پایہ حکمتوں اور اس کے علم کے پیش نظر نہ اس کی قدرت میں تردد کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی اس حکمت پر کہ بڑھاپے کے زمانہ میں ایک بانجھ کو بچہ دیدے کوئی شبہ ہو سکتا ہے بلکہ اس کی شان علیمی اور حکیمی پر ایمان رکھنے والے ہر فرد کو بلا تردد اور بلا تعجب اس پر یقین کرنا چاہئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فراست نبویہ سے سمجھا کہ فرشتوں کی آمد علاوہ اس بشارت کے کسی اور غرض سے بھی ہے ممکن ہے کہ کچھ آثار ظاہر ہو رہے ہوں اور کوئی تعجب نہیں کہ جو فرشتے خدا کی طرف سے ایک مجرم قوم کیلئے اس کا قہر وعذاب لیکر آئے ان پر آثار قہر محسوس کیئے ہوں اور اس سے کچھ طبعی گھبراہٹ بھی ہوئی ہو جس کا بعد میں دور ہونے کا ذکر ہے تو دریافت کیا اچھا پھر بتاؤ کیا اہم بات ہے تمہاری اے بھیجے ہوئے فرشتو! کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم یعنی قوم لوط کی طرف تاکہ ہم ان پر برسائیں کنکریاں پتھر کی جن پر علامت ہوگی [1] آپ ﷺ کے رب کی طرف سے جو حد سے گزرنے والی قوم کے لئے ہے چنانچہ ان بستیوں پر عذاب کا وقت آیا تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تو ہم نے ان بستیوں سے نکال لیا ہر اس شخص کو جو مومنین سے تھا تاکہ ان کو جدا کرنے کے بعد باقی ماندہ مجرمین پر خدا کا عذاب نازل ہو لیکن ہم نے مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا بجز ایک گھر کے اور چھوڑ دیا ہم نے اپنی نشانی کو بعد میں آنے والے ان لوگوں کے لئے جو درد

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کنکری پر نام لکھا ہوا تھا اور وہ اسی پر پڑتی اور اگر ان میں سے بھاگتا تو وہ کنکری اس کا تعاقب کر کے اس کے سر کو پاش پاش کرتی (سورۂ ہود میں وہی تفصیل گزر چکی) (ابن کثیر قرطبی)۔

ناک عذاب سے ڈرتے ہوں اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں عبرت کا سامان اور ہمارے قہر کی نشانیاں موجود ہیں جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا فرعون کی طرف ایک واضح حجت اور ید بیضاء اور عصا جیسے معجزات کے ساتھ مگر اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے روگردانی کی اور کہنے لگا یہ تو جادوگر یا مجنون ہیں سو ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکر کو پھر پھینک دیا دریا کی موجوں میں اور وہ ملامت کا مستحق تھا اس لیے اس طرح بدحالی اور ذلت کے ساتھ غرق کیا گیا کہ اس کی تاریخ خود اس پر ہمیشہ ملامت کرتی رہے گی اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر ایک آندھی ● چھوڑی جو بہت ہی منحوس تھی نہ گزرتی وہ کسی چیز پر بھی مگر یہ کہ اس کو بنا دیتی بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ اور ثمود کے واقعہ میں بھی عبرت کا سامان ہے جب کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا مزے اڑالو ایک وقت معین تک اگر کفر سے باز نہ آئے تو بس اتنے دن اور چین و آرام سے گزار لو وہ تین دن کی مہلت تھی جیسا کہ گزر چکا، اس معین مدت کے گزرنے پر عذاب خداوندی سے تباہ کردیئے جاؤ گے مگر وہ سرکشی ہی کرتے رہے اپنے پروردگار کے حکم سے سو ایک بجلی جیسی کڑک نے ان کو دبوچ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے پس نہ تو ان میں سکت تھی کھڑے ہونے کی کہ کہیں بھاگ ہی جائیں بلکہ اوندھے منہ گر رہے تھے جیسے کہ پہلے ارشاد فرمایا گیا ﴿فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ﴾ اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکے اور ظاہر ہے کہ انتقام خداوندی کا بدلہ لینے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے۔

اور قوم نوح کو بھی یاد کرو جو ان سے پہلے گزری بے شک وہ لوگ بڑے ہی نافرمان تھے کہ ایک طویل مدت حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ ونصیحت اور تبلیغ سے بھی باز نہ آئے اور خدا کی نافرمانی پر تلے رہے جس کا انجام یہی ہوا کہ طوفان ● میں غرق کردیئے گئے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا یہ واقعات بسط وتفصیل کے ساتھ متعدد سورتوں میں گزر چکے۔

ف: ...... فرشتوں کا سلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچنے پر ان لفظوں کے ساتھ قرآن نے ذکر کیا فقالوا سلاما۔ منصوب تو یہ جملہ فعلیہ کی صورت میں تھا کہ سلمنا علیك سلا ما یا نسلم علیك سلا ما۔ جس کا مفہوم یہی ہے کہ ہم آپ کو سلام کرتے ہیں اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام کہنا مرفوع جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لحاظ سے فرشتوں کے سلام سے زیادہ بلیغ ابراہیم علیہ السلام کا سلام ہوا اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر اس کے سلام کا جواب دیا کرو تو اس طرح ابراہیم علیہ السلام کا جواب قرآن کریم کے فرمان کے مطابق فرشتوں کے سلام سے احسن اور بہتر ہو گیا۔

وَالسَّمَاۤءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝

اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہے ف۱ اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم ف۲

اور آسمان کو بنایا ہم نے ہاتھ کے بل سے، اور ہم کو سب مقدور ہے۔ اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں۔

ف۱ یعنی آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی اور اس سے بھی بڑی چیزیں پیدا کرے تو کیا مشکل ہے۔

ف۲ یعنی زمین و آسمان سب خدا کے پیدا کیے ہوئے اور اسی کے قبضہ میں ہیں۔ پھر اس کا مجرم بھاگ کر کہاں پناہ لے سکتا ہے۔ نیز خالق کائنات کی عجیب =

● یہ آندھی مغربی ہوا تھی یہی وہ حقیقت تھی جس کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا نصرت بالصبا واهلكت عاد بالدبور مجھے مدد دی گئی باد صبا (مشرقی ہوا) سے اور قوم عاد کو ہلاک کیا گیا پچھمی ہوا سے۔

● تفصیلات سورۂ اعراف ہود اور یونس، میں گزر چکیں۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ

اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم دھیان کرو ف۱ سو بھاگو اللہ کی طرف

اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے شاید تم دھیان کرو۔ سو بھاگو اللہ کی طرف۔ میں تم کو اس کی طرف سے

نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾ كَذَٰلِكَ مَا

میں تم کو اس کی طرف سے ڈرسناتا ہوں کھول کر، اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو اس کی طرف سے ڈرسناتا ہوں کھول کر ف۲ اسی طرح ان

ڈرسناتا ہوں کھول کر۔ اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کوئی پوجنے کا۔ میں تم کو اس کی طرف سے ڈرسناتا ہوں کھول کر۔ اسی طرح ان سے

أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۵۲﴾ أَتَوَاصَوْا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ

سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ف۳ کیا یہی وصیت کر مرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں

پہلوں کو جو رسول آیا، یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔ کیا یہی کہہ مرے ہیں ایک دوسرے کو، کوئی نہیں!

قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ بِمَلُومٍ ﴿۵۴﴾ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ

پر یہ لوگ شریر ہیں ف۴ سو تو لوٹ آ ان کی طرف سے اب تجھ پر نہیں ہے الزام اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے

یہ لوگ شریر ہیں۔ سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے، اب تجھ پر نہیں الاہنا اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ

ایمان والوں کو ف۵ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ف۶ میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ

ایمان والوں کو۔ اور میں نے جو بنائے ہیں جن اور آدمی اپنی بندگی کو، میں نہیں چاہتا ہوں ان سے روزینہ

= وعجیب کاریگری میں آدمی غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔

ف۱ یعنی نر اور مادہ، جیسا کہ ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا "زوجین" سے متقابل و متضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان، وغیرہ ذالك۔

ف۲ یعنی جب زمین و آسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر حکومت ہے تو بندہ کو چاہیے ہر جانب سے ہٹ کر اسی کی طرف بھاگے۔ اگر اس کی طرف نہ بھاگا اور رجوع نہ ہوا تو یہ بہت ڈر کی چیز ہے۔ یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بھی ڈر کی بات ہے ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں۔

ف۳ یعنی ایسی صاف تنبیہ و انذار پر اگر یہ منکرین کان نہ دھریں تو غم نہ کیجیے۔ ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف کوئی پیغمبر آیا، اسی طرح جادوگر یا دیوانہ کہہ کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑا دیا۔

ف۴ یعنی ہر زمانے کے کافر اس بات میں ایسے متفق اللفظ رہے کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر یا مجنون کہہ کر چھوڑ دینا۔ اور واقع میں وصیت تو کہاں کرتے، البتہ شرارت کے عنصر میں سب شریک ہیں۔ اور یہی اشتراک پچھلے شریروں سے وہ الفاظ کہلاتا جو اگلے شریروں نے کہے تھے۔

ف۵ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض دعوت و تبلیغ کما حقہ ادا کر چکے، اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہے گا ان ہی معاندین پر رہے گا۔ ہاں سمجھانا آپ کا کام ہے۔ سو یہ سلسلہ جاری رکھیے جس کی قسمت میں ایمان لانا ہو گا اس کو یہ سمجھانا کام دے گا جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہو گی۔

ف۶ یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لیے ان میں خلقۃً ایسی استعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں یوں =

وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا

اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط ف۱ سو ان گناہ گاروں کا بھی

اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں، اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زورآور مضبوط، سو ان گناہ گاروں کا بھی

ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ

ڈول بھر چکا ہے جیسے ڈول بھرا ان کے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں ف۲ سو خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن سے

ڈول بھرا ہے، جیسے ڈول بھرا ہے ان کے ساتھیوں کا، اب مجھ سے شتابی نہ کریں۔ سو خرابی ہے منکروں کو، اپنے اس دن سے

الَّذِي يُوعَدُونَ ۝

ع ۱۴

جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے ف۳

جس کا ان سے وعدہ ہے۔

اثبات توحید و رسالت مع دلائل و براہین و تسلی سید الانبیاء والمرسلین ﷺ

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ... الی... الَّذِي يُوعَدُونَ﴾

ربط:...... سلسلہ بیان مکذبین و منکرین کے انکار و تکذیب کے عبرتناک انجام کا چل رہا تھا اب ان مکذبین و منکرین پر حجت قائم کرنے کے لئے توحید و رسالت کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا جا رہا ہے ارشاد فرمایا:

اور آسمان کو ہم نے بنایا ہے اپنی قدرت سے اور ہم بہت ہی وسیع القدرت ہیں اور زمین کو ہم نے فرش بنایا سو ہم کیسے اچھے اس کو بچھانے والے ہیں کہ اس میں کس قدر منافع رکھے اور کتنی انواع و اقسام کی چیزیں پیدا کیں غلے، پھل سبزے اور پھول سب کچھ انسانوں کے نفع اور راحت کے لیے پیدا کیا اور زمین کو اس طرح بچھا دیا کہ اس پر نقل و حرکت کا سلسلہ بھی جاری ہے اور یہ تمام چیزیں اس سے پیدا ہو رہی ہیں اور اس کی تہہ میں جو معدنیات و خزائن ودیعت رکھے وہ مزید برآں ہے اور ہر چیز (نوع) سے ہم نے جوڑا بنایا جیسے سیاہ و سفید، شیریں و تلخ، خوبصورت و بدصورت، اور روشنی و تاریکی، نافع و مضر، بلند و پست اور مذکر و مؤنث امید ہے کہ تم مخلوقات کے اس تنوع اور قدرت خداوندی کے عظیم مظاہر سے اللہ کی

= ارادہ کونیہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اس کے حکم تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کریں گے بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھاتے رہیے کہ سمجھانے سے ہی یہ مطلوب شرعی حاصل ہو سکتا ہے۔

ف۱ یعنی ان کی بندگی سے میرا کچھ فائدہ نہیں، ان ہی کا نفع ہے۔ میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لیے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے۔ میں ان سے اپنے لیے روزی کیا طلب کرتا، خود ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں بھلا مجھ جیسے زور آور اور قادر و توانا کو تمہاری خدمات کی کیا حاجت ہو سکتی ہے بندگی کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی و عظمت و کبریائی کا قولاً فعلاً اعتراف کر کے میرے خصوصی الطاف و مراحم کے مورد و مستحق بنو۔

ف۲ یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں۔ جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا، ان کو بھی پہنچ کر رہے گا۔

ف۳ یعنی قیامت کا دن یا اس سے پہلے ہی کوئی دن سزا کا آ جائے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو "بدر" میں خاصی سزا مل گئی۔

توحید وخالقیت کو سمجھ جاؤ اس لئے ان دلائل توحید اور قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر اور تم کو چاہیئے کہ بس تم اللہ کی طرف دوڑو عقل اور انسانی فطرت بھی آمادہ کررہی ہے کہ خالق کائنات کو پہچان کر اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لایا جائے اور یہ بھی عقل انسانی اور فطرت فیصلہ کررہی ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہلاکت و بربادی کا باعث ہے لیکن مع ھذا، اے کفار قریش میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے کھلم کھلا ڈرانیوالا ہوکر آیا ہوں کہ توحید وخالقیت رب العالمین کے انکار پر تم کو آگاہ ہوجانا چاہئے کہ عذاب آکر رہے گا پھر تاکید سے کہتا ہوں اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ میں تمہارے واسطے اسی خدا کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں ایسے روشن دلائل کے ساتھ دعوت توحید دینے والے پیغمبر پر چاہئے تھا کہ ایمان لاتے اور اپنا مخلص ومشفق رسول جو ہلاکت سے بچانے کے لیے تباہی کے انجام سے آگاہ کررہا ہے اور اس سے ڈرارہا ہے اس کی بات پر یقین کرتے لیکن افسوس کہ قریش مکہ نہ ایمان لائے اور نہ اللہ کے پیغمبر ہادی کی بات پر یقین کیا بلکہ وہ تو تمسخر پر آمادہ ہوگئے کہ کبھی ساحر کہا، اور کبھی مجنون ودیوانہ تو حق تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں، اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہوں صبر کیجئے اسی طرح ان سے پہلے جس کسی قوم کے پاس بھی کوئی رسول اللہ کا پیغام لے کر آیا ان لوگوں نے یہی کہا جادوگر یا مجنون تو اسی طرح اگر یہ کفار مکہ آپ ﷺ کو کچھ کہیں تو تعجب کی بات نہیں کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں کہ ہر ایک قوم اللہ کے رسولوں سے ایک ہی قسم کا مذاق اور ایک ہی طرح کا انکار کررہی ہے حالانکہ ایک قوم کا دوسری قوم سے کبھی ملنا بھی نہیں ہوا پھر بھی سب کا ایک ہی بات کہنا عجیب ہے اصل میں اسکی وجہ یہ نہیں کہ ایک قوم دوسری قوم سے مل کر اس کو طے کرتی چلی آتی ہو کہ تم بھی اپنے پیغمبر کا اس طرح انکار کرنا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ سرکش ہیں اور سرکشی کی یہ علت مشترکہ سب میں یکساں ہے اس وجہ سے اس کے نتیجہ میں زبانوں سے نکلنے والی بات بھی ایک ہی معلوم ہوئی ہے علت جب واحد اور متحد ہے تو اس کا ثمرہ اور نتیجہ بھی ایک ہی ہوگا پس آپ ﷺ ان سے اعراض کرلیجئے اور بلاوجہ ان کی طرف التفات سے اپنے آپ کو افسردہ وغمگین نہ بنایئے آپ ﷺ کسی طرح بھی قابل مؤاخذہ نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو اس کو آپ ﷺ پر ذمہ داری نہیں خدا کی طرف ہی لو لگائے رکھئے اور نصیحت کرتے رہیئے کیونکہ بار بار سمجھانا اور نصیحت کرنا یقین کرنے والوں کو نفع پہنچاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان مخاطبین میں کسی وقت کسی کو اللہ تعالیٰ یقین کی صلاحیت عطا کردے اور پھر یہی ہے کہ وعظ ونصیحت سے اگر منکرین وکفار کوئی فائدہ نہ اٹھائیں گے تو اہل ایمان کو تو بہرحال نفع ہوگا اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن وانس کو مگر صرف اسی لئے کہ وہ عبادت کریں اصل مقصد تخلیق تو یہی ہے اگرچہ وہ اپنی مادی زندگی کے اسباب کی تکمیل وفراہمی کے لیے اور بھی دوسرے کام کریں لیکن اصل مقصد حیات عبادت خداوندی برقرار رکھتے ہوئے دنیا کے ہر کام اور ہر عمل کو خواہ وہ کسب معاش ہو کھانا پینا ہو سونا جاگنا ہو، لباس وسکونت ہو ان امور میں اشتغال اور ان کی تکمیل میں عملی کوشش عبادت کے اصل مقصد تخلیق ہونے کے منافی نہیں پھر جب ان کو اصل مقصد تخلیق کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا جائے تو پھر ان منافع کا حصول اور ان میں اشتغال ان مقصد کے منافی ہونے کے بجائے مقصد اصلی کے مبادی میں سے ہوجائے گا، اور اس مقصد کے تعین کے بعد دنیا چونکہ دار الامتحان ہے اس لیے اس مقصد کے حصول کے لیے انسان کو قدرت علی العمل اور اختیار کی صلاحیت دی اور خیر وشر اس کے سامنے واضح

کر کے خیر کی دعوت دے دی اور شر سے بچنے کا حکم دیدیا گیا تا کہ وہ اپنے اختیار اور عملی صلاحیت کو ایمان وہدایت کے راستہ پر صرف کر کے نجات وانعام خداوندی کا مستحق بنے اور اگر سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کرے تو عذاب کا مستحق ہو۔ الغرض تخلیق جن وانس کا مقصد تو اللہ کی عبادت ہی ہے مگر عبادت اور طاعت کا کرنا جن وانس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا اور ان کے عمل ہدایت وگمراہی کو شجر وحجر کی حرکات کی طرح بےبس وبے اختیار نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ان اشیاء کیلئے جن وانس کی طرح جنت وجہنم اور جزاء وسزا کا تصور نہیں کیونکہ انکے احوال میں ان کے کسب واختیار کو دخل نہیں ہے قرآن کریم میں حیوانات طیور شجر وحجر بادلوں اور سایوں کی تسبیح وتحمید اور عبادت کا ذکر ہے جیسے ارشاد ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾ مگر ان کی عبادات پر اہل ایمان وطاعت کی طرح جنت اور نعماء جنت کا ذکر نہیں حضرت علی ﷛ سے اسی مضمون کے قریب قریب آیت مبارکہ کی تفسیر بعض مفسرین مثلاً بغوی ﷫ نے بیان کی ہے یہ بھی ممکن ہے مراد یہ ہو کہ جن وانس کی تخلیق ایسی استعداد وصلاحیت اور جوہر پر کی گئی کہ وہ ہدایت اور حق کو قبول کر کے اللہ کی عبادت کر سکیں ﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ کا مضمون اس کی تائید کرتا ہے اور وہ حدیث معروف بھی کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یھودانہ اوینصرانہ اویمجسانہ۔ (کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنالیں، یا نصرانی بنالیں یا مجوسی) اسی کی موید ہے۔

الغرض اس تقدیر پر مراد یہ ہوگی کہ میں نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر ایسی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، متکلمین اور اکثر مفسرین کے ذوق سے پہلی تفسیر اولیٰ اور راجح معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

بہرکیف جن وانس کا مقصد تخلیق عبادت خداوندی ہے اور اس مقصد کے حصول وتکمیل کو جن وانس کے اختیار وکسب پر موقوف کر دیا گیا اور انکو عقل وفہم کی صلاحیتوں کے عطا کرنے کے بعد ایمان کی دعوت دی گئی اور ظاہر ہے اس طلب عبادت میں اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ اس کو مخلوق کی عبادت کی حاجت ہے بلکہ خود مخلوق اپنے خالق کی عبادت کی محتاج ہے اور اسی میں سعادت وفلاح مضمر ہے، اس لئے فرمایا:

میں ان سے نہیں چاہتا ہوں کوئی روزینہ اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں میں نے بندگی کا حکم دنیا کے آقاؤں کی طرح نہیں دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو کہتا ہے کہ محنت کرو اور کماؤ بلکہ میں ہی تو سب کو روزی دینے والا ہوں اور سب میرے محتاج ہیں عبادت کا حکم صرف اسی لئے دیا ہے کہ میری عظمت وشہنشاہیت کو پہچان کر میری بندگی کرو اور میرے انعام کے مستحق[1] بنو بے شک

● یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا۔

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

﴿مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ﴾ کی یہ تفسیر قاضی بیضاوی ﷫ کی رائے کے مطابق ہے دوسرا مفہوم ﴿مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ﴾ کا یہ ہے کہ جن وانس کی تخلیق سے میں نے ارادہ یہ کیا کہ وہ میری عبادت کریں اور یہی ان کا مقصد حیات ہے جس کی وجہ سے ان کو چاہئے کہ وہ اپنی فکری اور عملی صلاحیتیں عبادت ہی کیلئے صرف کریں ان کی تخلیق سے میں کسی قسم کے رزق کا ارادہ نہیں کیا یعنی یہ کہ وہ اپنے رزق اور اپنی اولاد کی رزق کی فراہمی کو مقصود اصلی سمجھ کر آخرت اور عبادت کو نظرانداز کردیں جیسے یہ ممکن نہیں کہ بندے مجھ کو کھلائیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی دوسرے کو کھلائے میں ہی تو رزاق ذو القوۃ المتین ہوں۔ =

اللہ ہی روزی دینے والا بڑا طاقت ور مضبوط ہے ان حقائق کو دیکھتے ہوئے شرک وکفر سے پرہیز کرنا چاہئے لیکن پھر بھی اگر کوئی نافرمانی سے باز نہیں آتا تو وہ بہت بڑا ظالم ہے اور ظالم سزا سے بچ نہیں سکتا بے شک ان ظالموں کا ڈول بھر چکا جیسے ان کے ساتھیوں کا ڈول بھر چکا۔ اور ڈول بھر چکنے کے بعد انسان کنوئیں سے ہٹتا ہے اور اپنا حصہ لے کر اب دوسرے کے واسطے ڈول چھوڑتا ہے تو اسی طرح یہ ظالم دنیا کی زندگی کی عیش وراحت کا ڈول بھر چکے اور اب خدا کی گرفت اور سزا کا وقت آچکا ہے جب کہ ان کے ساتھیوں کا بھی اسی طرح انجام ہوا کہ نافرمانی کرتے رہے لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو اس سے بچ نہ سکے تو اسی طرح بس ان ظالموں کے لئے خدا کا عذاب طے ہو چکا ہے اب یہ لوگ مجھ سے جلدی نہ کریں جیسے کہ یہ بدبخت پہلے سے کہتے رہتے ہیں کہ اچھا وہ عذاب لے آیئے جس کی دھمکی دی جارہی ہے سو ہلاکت ہے کافروں کیلئے ان کے اس دن کے عذاب سے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے یعنی قیامت کا دن یا اس سے پہلے ہی جو دنیاوی سزا کا دن اللہ کے علم میں طے ہو چکا تھا چنانچہ بدر کا دن آیا اور مشرکین مکہ کو دنیا میں بھی سزا مل گئی۔ ●

ف: ...... ﴿فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ﴾ کے ترجمہ میں بعض مفسرین کی رائے کے موافق ذنوبا بمعنی بھرا ہوا ڈول لیتے ہوئے یہ مراد واضح کی گئی کہ یہ ڈول کا بھر جانا بس دنیاوی منافع اور راحتوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ ڈول بھر لینے والا شخص کنوئیں سے ہٹ جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے اسی طرح بس ان کافروں کی زندگی اور منافع حیات کا ڈول بھر چکا اب تقدیر خداوندی سے مصائب وعذاب کا دور شروع ہو جانے والا ہے۔

بعض مفسرین نے ذنوب کی تفسیر حصہ سے کی ہے تو اس صورت میں مراد حصہ عذاب ہوگا ان ظالموں کے واسطے بھی عذاب کا ایسا ہی حصہ طے کر دیا گیا ہے جیسا کہ ان کے ساتھیوں کے لئے تھا لہٰذا اب جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔

سورۃ الطور

سورۃ الطور کے مضامین بھی دین کے بنیادی عقائد کی تحقیق وتثبیت پر مشتمل ہیں خاص طور سے توحید ورسالت کا مضمون دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کفار مکہ پر حجت قائم کی گئی اسی طرح بعث بعد الموت اور جزاء وسزا کا مسئلہ بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا اور یہ کہ قیامت کے احوال کس قدر شدید ہوں گے ان کی شدت اور ہولناکی ذکر فرمائی گئی اور یہ کہ عذاب خداوندی جب کفار پر مسلط ہوگا تو اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا اسی اہمیت کے پیش نظر مضمون کی ابتداء عظیم الشان قسموں سے فرمائی گئی مجرمین کی سزا وعقوبت کے بیان کے بعد اہل ایمان اور تقویٰ پر انعامات خداوندی کا بیان ہے اور اسی

= گویا یہ مضمون اسی کے قریب ہو گیا جو سورۃ طٰہٰ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اے مخاطب اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس پر پابند رہیئے ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے مراد یہ ہے کہ ہر گھر کا سرپرست اپنے افراد خانہ کے لئے معاش کا فکر کرتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی سرپرستی تمام تر اصلاح معاش کے لئے صرف کرے اور اپنے گھر والوں کی آخرت کی فکر نہ کرے اس کو چاہئے کہ وہ افراد خانہ کی اصلاح معاد کے لئے پوری کوشش کرے اصلاح معاد میں اگر کوتاہی ہوئی تو اس پر باز پرس ہوگی لیکن اصلاح معاش کی کوتاہی پر ہم ہرگز گرفت نہ کریں گے اور اس بات کا حکم اور تاکید اسی وجہ سے ہے کہ رزق دینے والے تو ہم ہیں حدیث قدسی کا مضمون ہے "اے ابن آدم تو میرے عبادت کے واسطے فارغ ہو جا میں تیرے قلب کو غنا سے بھر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے قلب کو افکار و پریشانیوں سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہ کروں گا"۔

● اشارہ ہے کہ وعدۂ عذاب کا دن آخرت تو ہے ہی لیکن دنیا میں بھی عذاب کا جو وقت اللہ نے مقرر کر لیا تھا وہ خدا تعالیٰ جل شانہ نے غزوہ بدر میں دکھا دیا۔ ۱۲

ضمن میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو ثابت فرمایا گیا۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے معبودان باطلہ کی تقبیح و مذمت کرتے ہوئے ان کو تنبیہ وتہدید کی گئی اور آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اپنے عناد وبغاوت سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو تباہ کردے گا اس سورت کا نام سورۃ الطور اس وجہ سے ہے کہ مضمون کی ابتداء طور پہاڑ کی قسم سے فرمائی گئی اور یہ کوہ طور وہ مقدس جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا تو اس لحاظ سے یہ وہ مقدس جگہ ہوئی جہاں اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کے جمال وجلال کا ورود ہوا۔

۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ٧٦ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ۴۹ رکوعاتھا ۲

وَالطُّوْرِ ① وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ② فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ③ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ وَالسَّقْفِ

قسم ہے طور کی ف۱ اور لکھی ہوئی کتاب کی کشادہ ورق میں ف۲ اور آباد گھر کی ف۳ اور اونچی

قسم ہے طور کی، اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں، اور آباد گھر کی، اور اونچی

الْمَرْفُوْعِ ⑤ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧ يَّوْمَ

چھت کی ف۴ اور ابلتے ہوئے دریا کی ف۵ بے شک عذاب تیرے رب کا ہو کر رہے گا اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا ف۶ جس دن

چھت کی، اور ابلتے دریا کی، بے شک عذاب تیرے رب کا ہونا ہے۔ اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا۔ جس دن

تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ⑨ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الَّذِيْنَ هُمْ

لرزے آسمان کپکپا کر ف۷ اور پھریں پہاڑ چل کر ف۸ سو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں

لرزے آسمان کپکپا کر، اور پھریں پہاڑ چل کر۔ سو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی، جو باتیں

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

بناتے ہیں کھیلتے ہوئے ف۹ جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر یہ ہے وہ آگ جس کو تم

بناتے ہیں کھیلتے۔ جس دن دھکیلے جائیں دوزخ کو دھکیل کر۔ یہ ہے وہ آگ جس کو تم

ف۱ یعنی کوہ "طور" جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔

ف۲ اس کتاب سے شاید لوح محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا اعمالنامہ یا قرآن کریم یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ، سب احتمالات ہیں۔

ف۳ شاید کعبہ کو کہا یا ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے اس کو "بیت معمور" کہتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

ف۴ یعنی آسمان کی قسم جو زمین کے اوپر ایک چھت کی طرح ہے اور یا "سقف مرفوع" عرش عظیم کو کہا جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت کی چھت ہے۔

ف۵ دنیا کے ابلتے ہوئے دریا مراد ہوں، یا وہ عظیم الشان دریا مراد ہو جس کا وجود عرش عظیم کے نیچے اور آسمانوں کے اوپر روایات سے ثابت ہوا ہے۔

ف۶ یعنی یہ تمام چیزیں جن کی قسم کھائی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت وعظمت والا ہے۔ پھر اس کی نافرمانی کرنے والوں پر عذاب کیوں نہیں آئے گا۔ اور کس کی طاقت ہے جو اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دے گا۔

ف۷ یعنی آسمان لرز کر اور کپکپا کر پھٹ پڑے گا۔

=

تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ

جھوٹ جانتے تھے ف۱ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا ف۲ چلے جاؤ اس کے اندر پھر تم صبر کرو یا نہ صبر کرو

جھوٹ جانتے تھے، اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا؟ پیٹھو اس میں، پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو،

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۚ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯

تم کو برابر ہے وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے ف۳

تم کو برابر ہے۔ وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے۔

تہدید وتوبیخ منکرین معاد وعید عذاب برائے اہل عناد

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ... الی ... مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:..... سورۂ والذاریات کا اختتامی مضمون جن وانس کی تخلیق بغرض عبادت خداوندی تھا اسی کے ساتھ جو قوم اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو نہیں تسلیم کرتیں اور بلاحجت ودلیل نافرمانی اور بغاوت پر قائم ہیں ان کو عذاب خداوندی کی دھمکی دی گئی ارشاد فرمایا:

قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ورق میں لکھی ہوئی ہے اور قسم ہے بیت معمور کی اور قسم ہے ایک بلند چھت کی اور قسم ہے ابلتے ہوئے سمندر کی یقیناً آپ ﷺ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا جس کا کوئی ٹلانے والا نہیں اور یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جس دن کہ آسمان تھرتھرانے لگے گا لرزے کے ساتھ اور ہٹ جائیں گے پہاڑ اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے پس ہلاکت وبربادی ہے ان لوگوں کے واسطے جو جھٹلانے والے ہیں اس عذاب خداوندی، روز قیامت، حساب وکتاب اور جزاء وسزا کو جو اپنی اس بیہودگی میں منہمک لہو ولعب میں پڑے ہوئے ہیں اور باوجود ان حقائق اور دلائل کے نہ ان کو خدا پر یقین آتا ہے اور نہ وہ خدا کی باتوں کو مانتے ہیں، انسانی عقل اور فطرت سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اس طرح ان حقائق ودلیل سے غفلت چشم پوشی برتتے یہ بدنصیب اپنی بدبختی کے باعث اسی غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ وہ دن آجائے جب کہ انکو دھکے دے، دیکر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جارہا ہوگا اس وقت کہا جائے گا یہی ہے وہ جہنم جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے جیسا کہ تم دنیاوی زندگی میں ان باتوں کو گھڑلیا کرتے تھے یا

= ف۸ یعنی پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

ف۸ یعنی جو آج کھیل کود میں مشغول ہو کر طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کے لیے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔

ف۱ یعنی فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہا جائے گا کہ یہ وہ آگ حاضر ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔

ف۲ یعنی تم دنیا میں انبیاء کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ذرا اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی خبر انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوجھتا نہ تھا، اب بھی نہیں سوجھتا۔

ف۳ یعنی دوزخ میں پڑ کر اگر گھبراؤ اور چلاؤ گے، تب کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ اور بفرض محال صبر کر کے چپ ہو رہو تب تم پر کوئی رحم کھانے والا نہیں۔ غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لیے کوئی سبیل نہیں۔ جو کرتوت دنیا میں کیے ان کی سزا یہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

یہ کہ اب بھی تم کو نظر نہیں آ رہا ہے۔

اب بھی بتاؤ کیا تمہیں یہ عذاب جہنم نظر آ رہا ہے یا نہیں اگر ہمت ہے تو اب انکار کر دا چھا اب اس میں داخل ہو جاؤ پھر تم صبر کرو یا نہ کرو برابر ہے تم پر دونوں نہ تو تمہارے واویلا سے جہنم سے چھٹکارا مل سکے گا اور نہ ہی یہ ہوگا کہ اگر تم سکوت وانقیاد اختیار کرلو تو تم پر کچھ رحم کر دیا جائے نہیں بلکہ عذاب جہنم ہر طرح برقرار رہے گا اصل بات یہ ہے کہ تم کو بدلہ اسی چیز کا دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے تم دنیا کی زندگی میں اپنے ہوش وحواس اور اپنے کسب واختیار سے کفر کرتے رہے جو اللہ کی سب سے بڑی معصیت ہے اور کبھی تم کو اس کا احساس نہ ہوا کہ اب بہت ہو چکا اس بغاوت و نافرمانی کو چھوڑ دیا جائے تو جب تم دنیا میں کبھی کفر سے باز نہ آئے اور اللہ کی بغاوت ومعصیت کو نہ چھوڑا تو پھر اب اس کی سزا بھی یہی ہے کہ بس تم ہمیشہ عذاب جہنم میں رہو جس طرح کہ ہمیشہ کفر کیا اس کی سزا بھی دوام وہمیشگی کی صورت میں ہوگی اس وجہ سے آہ وواویلا سے بھی کوئی کام نہ چلے گا اور سکوت وخاموشی بھی کوئی مفید نہ ہوگی۔

کلمات قسم اور جواب قسم میں ربط ومناسبت

اس موقع پر حق تعالیٰ نے ایک عظیم الشان مضمون یعنی ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ کہ اے مخاطب تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اور قیامت ضرور آئے گی حساب اور جزاء وسزا کا مرحلہ انسان سے ٹل نہیں سکتا تو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس خبر اور بیان کے لئے پانچ عظیم الشان چیزوں یعنی کوہ طور، کتاب مسطور، بیت معمور، سقف مرفوع اور بحر مسجور، کی قسم کھائی کہ ان عظیم الشان مخلوقات کی عظمت کا مخاطب اپنے ذہن میں استحضار کرتے ہوئے آئندہ بیان کی جانے والی خبر پر نہ حیرت کرے نہ اس میں تردد کرے بلکہ بلا جھجک اور تامل اس پر ایمان لائے یہ دیکھتے ہوئے کہ جس خدا نے اس عظیم الشان اور فکر انسانی کی پرواز سے بڑھ کر چیزوں کو پیدا کر دیا وہ قادر مطلق قیامت اور حشر ونشر پر بلاشبہ قادر ہے پھر چونکہ قیامت جزاء وسزا کا دن ہے جس کا دارومدار ایمان وکفر سعادت وشقاوت اور حیات انسانی کے خیر وشر میں مضمر ہے اس وجہ سے قسموں میں پہلے کوہ طور کی قسم کھائی جو وادی مقدس اور وہ جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناجات فرمائی ان کو اس خطاب دلنواز سے سرفراز فرمایا ﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۞ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی﴾۔ یہ وہی مبارک جگہ ہے جس میں الواح تورات عطا کی گئیں جس میں ہدایت کے علوم تھے یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ کی درخواست کی تو جواب دیا گیا۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾۔ اور اس جواب میں یہ ظاہر فرما دیا گیا تھا کہ یہ رحمت عامہ اور حسنہ تامہ تو میں نے اس نبی امی آخر الزمان ﷺ کے واسطے لکھ دی اور طے کر دی ہے جس کو اہل کتاب تورات وانجیل میں لکھا ہوا پائیں گے جس نبی امی کی یہ شان ہوگی۔

پھر دوسری قسم کتاب مسطور کی کھائی کتاب مسطور کی تفسیر میں بعض ائمہ مفسرین انسان کا نامہ اعمال لیتے

ہیں اور ہر انسان کی زندگی کا عمل ایک کھلے ورق کی صورت میں موجود ہوگا اور وہ اس کی گردن میں لٹکا ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا﴾۔ جس کے متعلق ہر انسان کو مبعوث ہونے پر حکم ہوگا کہ ﴿اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ یا بعض کی رائے کے مطابق کتاب مسطور قرآن کریم ہے جو ایک کھلے ورق کی طرح واضح اور روشن ہے یا بقول بعض کتاب مسطور لوح محفوظ ہے۔

تیسری قسم بیت معمور جو کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کے لئے کعبہ ہے اور عرش الٰہی کے محاذات میں ہے اور اس کے محاذات میں زمین پر خانہ کعبہ قائم ہے چوتھی قسم سقف مرفوع یعنی آسمان کی ہے کہ آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے ستارے، چاند، سورج، جو ایسی عظیم الشان مخلوقات ہیں کہ سارے عالم کی عقلیں ان چیزوں کی عظمت کے سامنے حیران اور مبہوت ہیں پانچویں قسم بحر مسجور [1] یعنی ابلتے ہوئے اور طوفانی تھپیڑوں اور موجوں سے امنڈتے ہوئے سمندر کی ہے ان قسموں کے ساتھ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ کا ربط اور مناسبت واضح ہے کہ قیامت کی اصل وجہ مجازات اور اعمال کا بدلہ ہے اور ظاہر ہے کہ مجازات میں احکام ہدایت و شریعت اصل ہیں جن کی بحیثیت مکان اور محل کے نسبت طور کی طرف ہے اور وہ سامان ہدایت وحی الٰہی قرآن حکیم یا لوح محفوظ سے انسانی حیات کیلئے ہادی و رہنما ہے اور ان پر عمل محفوظ رہنے والا نامہ اعمال ہے جو کھلے ورق کی مانند ظاہر و روشن ہے اور جزاء و سزا کا مدار عبادت و طاعت اور ترک طاعت پر ہے جس کا مرکز آسمانوں پر بیت معمور اور زمین پر کعبۃ اللہ ہے اور اعمال صالحہ و سیئہ کی جزاء و سزا جنت و جہنم ہے جو عالم سمٰوٰت میں ہے اور جنت و جہنم کی وسعت و عظمت کو انسان ستاروں اور چاند و سورج کی عظمت کے مشاہدہ سے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور سمندر کی موجوں کی دیکھ کر انسان جہنم کی آگ کے شعلوں اور موجوں کو پہچان سکتا ہے تو اس طرح ان قسموں کی اصل مضمون قیامت اور مجازات سے لطیف مناسبت سمجھی جاسکتی ہے۔

بعض روایات کی رو سے یہ بھی خیال کیا گیا کہ بعید نہیں کہ اسی سمندر کو قیامت برپا ہونے پر جہنم کی آگ اور اس کی موجیں بنادیا جائے جس خدا نے یہ سمندر پانی کے بنائے وہی خدا اس پانی کو آگ بھی بنا سکتا ہے۔

حافظ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک رات عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ کی آبادی میں کسی طرف گشت فرما رہے تھے (جیسا کہ ان کا اکثر معمول تھا کہ راتوں کو گشت کر کے معلوم کریں کہ لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں) تو ایک شخص کے مکان کے سامنے سے جب گزرے تو وہ شخص تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا تو ٹھہر گئے اور

---

[1] بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ سمندر قیامت کے روز آگ بنادیا جائے گا اس آیت کے پیش نظر ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ یعنی جب کہ سمندر دہکائے جائیں گے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ بحر مسجور آسمانوں سے اوپر عرش الٰہی کے نیچے ہے۔

علاء بن بدر رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بحر مسجور سمندر کو اس وجہ سے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے کھیتی ہوسکتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفاسیر میں بھی یہی نقل کیا گیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دوسرے ایک قول میں یہ نقل کیا گیا کہ مسجور کے معنی معکوف یعنی روکا گیا کے ہیں اور اس کی تائید حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی کہ سمندر تین مرتبہ اپنی گردن بلند کر کے اللہ رب العزت سے پھیل جانے کی اجازت نہ طلب کرتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو روکتا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا (رواہ احمد ابن حنبل فی المسند، بحوالہ ابن کثیر)

سننے لگے تو اس شخص نے سورۃ والطور پڑھی پہلے ہی سے اسکی تلاوت وقراءت اور تہجد کے آثار وانوار سے طبیعت پر ایک خاص اثر اور کیفیت طاری تھی کہ مزید اسکی پرسوز آواز سے جب یہ سنا ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾۔ تو ایک چیخ نکلی اور فرمایا قسم ہے رب کعبہ کی ایسا معلوم ہوا کہ کمر ٹوٹ گئی، سواری سے اترے دیوار کی ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اور پھر گھر لوٹے اس وقت کی رقت اور طبعی تاثر نے بیمار کر ڈالا ایک ماہ مریض کی طرح صاحب فراش رہے لوگ عیادت کیلئے آئے مگر کسی کو حقیقت معلوم نہ ہوئی کہ کیا مرض ہے رضی اللہ عنہ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ

جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہیں اور نعمت میں میوے کھاتے ہوئے جو ان کو دیے ان کے رب نے اور بچایا ان کے رب نے دوزخ کے

جو ڈر والے ہیں، باغوں میں ہیں اور نعمت میں، میوے کھاتے جو دیئے ان کے رب نے، اور بچایا ان کے رب نے دوزخ کی

الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ

عذاب سے ف۱ کھاؤ اور پیو رچتا ہوا بدلہ ان کاموں کا جو تم کرتے تھے تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر

مار سے۔ کھاؤ اور پیو رچ سے بدلہ اس کا جو کرتے تھے، لگے بیٹھے تختوں پر،

مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ

برابر بچھے ہوئے قطار باندھ کر ف۲ اور بیاہ دیں ہم نے ان کو حوریں بڑی آنکھوں والیاں اور جو لوگ یقین لائے اور ان کی راہ پر چلی ان کی اولاد ایمان سے

برابر بچھے قطار۔ اور بیاہ دیں ہم نے ان کو گوریاں بڑی آنکھوں والیاں۔ جو یقین لائے اور ان کی راہ چلی ان کی اولاد ایمان سے

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ

پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی ف۳ ہر آدمی اپنی کمائی میں

پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ان سے ان کا کیا کچھ۔ ہر آدمی اپنی کمائی میں

ف۱ یعنی جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہوں گے۔ ہر قسم کے عیش وآرام کے سامان ان کے لیے حاضر رہیں گے اور یہ ہی انعام کیا کم ہے کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔

ف۲ یعنی جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ان کی ترتیب نہایت قرینہ سے ہوگی۔

ف۳ یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور ان ہی کاموں کی راہ پر چلیں۔ جو خدمات ان کے بزرگوں نے انجام دی تھی یہ بھی ان کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں ان ہی کے ساتھ ملحق کر دے گا گو ان کے اعمال واحوال سے کماً وکیفاً فروتر ہوں۔ تاہم ان بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لیے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائے گا۔ اور ممکن ہے بعض کو بالکل ان ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دے دیا جائے گا۔ نہیں یہ محض اللہ کا فضل واحسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا ابھار کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔

تنبیہ: احقر نے واتبعتھم ذریتھم کا جو مطلب لیا ہے صحیح بخاری کی یہ حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ قالت الانصار یا رسول اللہ ان لکل قوم اتباعا وانا قد اتبعناک فادع اللہ ان یجعل اتباعنا منا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اجعل اتباعھم منھم۔

رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ

پھنسا ہے ف۱ اور تار لگا دیا ہم نے ان پر میووں کا اور گوشت کا جس چیز کو جی چاہے ف۲ جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بکنا ہے

پھنسا ہے۔ اور ریل لگا دیئے ہم نے میوے اور گوشت، جس چیز کا جی چاہے۔ جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ، نہ بکنا ہے

فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَاَقْبَلَ

اس شراب میں اور نہ گناہ میں ڈالنا ف۳ اور پھرتے ہیں ان کے پاس چھوکرے ان کے گویا وہ موتی ہیں اپنے غلاف کے اندر ف۴ اور منہ کیا

اس شراب میں نہ گناہ میں ڈالنا، اور پھرتے ہیں ان کے پاس چھوکرے ان کے، گویا وہ موتی ہیں غلاف میں دھرے۔ اور منہ کیا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ

بعضوں نے دوسروں کی طرف آپس میں پوچھتے ہوئے بولے ہم بھی تھے اس سے پہلے اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے پھر احسان کیا اللہ نے

ایکوں نے دوسروں کی طرف، آپس میں پوچھتے، بولے ہم بھی تھے اپنے گھر میں ڈرتے رہتے، پھر احسان کیا اللہ نے

عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾ ع

ہم پر اور بچا دیا ہم کو لو کے عذاب سے ہم پہلے سے پکارتے تھے اس کو بے شک وہی ہے نیک سلوک والا مہربان ف۵

ہم پر، اور بچایا ہم کو لوؤں کے عذاب سے۔ ہم آگے سے پکارتے تھے اس کو۔ بے شک وہی ہے نیک سلوک رحم والا۔

وعدہ انعام واکرام برائے اہل ایمان وایقان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ... الی ... اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾

ربط:...... گذشتہ آیات میں قدرت خداوندی کے عظیم مناظر اور شواہد کو بیان کرتے ہوئے مجرمین ومنکرین کو عذاب آخرت سے متنبہ کیا گیا تھا اور ان پر وعید اور عذاب کی شدت کا ذکر تھا اب ان آیات میں مجرمین ومنکرین کے بالمقابل مومنین ومطیعین پر انعامات خداوندی کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کا رب العالمین کے یہاں کس قدر اعزاز واکرام ہوگا۔ ارشاد فرمایا:

بے شک تقویٰ والے لوگ بہشت کے باغات میں ہوں گے اور ہر طرح سامانِ عیش وراحت میں لطف اندوز اور

ف۱ اوپر فضل کا بیان تھا یہاں عدل کا ضابطہ بتلا دیا یعنی عدل کا مقتضی یہ ہے کہ جس آدمی نے جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا ہے اسی کے موافق بدلہ پائے۔ آگے اللہ کا فضل ہے کہ وہ کسی کی تقصیر معاف فرما دے یا کسی کا درجہ بلند کر دے۔

ف۲ یعنی جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے کو دل چاہے بلا توقف لگا تار حاضر کیے جائیں گے۔

ف۳ یعنی شراب طہور کا دور چلے گا تو جنتی بطور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے۔ لیکن اس شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی نشہ، بکواس اور فتور عقل وغیرہ کچھ نہ ہوگا نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔

ف۴ یعنی جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف وشفاف رہتا ہے گرد وغبار کچھ نہیں پہنچتا۔ یہی حال ان کی صفائی اور پاکیزگی کا ہوگا۔

ف۵ یعنی جنتی اس وقت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے اور غایت مسرت وامتنان سے کہیں گے کہ بھائی ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے کیسا مامون ومطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہیں لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر کر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا۔

مسرور ہوتے ہوں گے اس عیش وراحت کے سامان سے جو انکے رب نے ان کو دیا اور اس پر کہ انکے پروردگار نے انکو جہنم کے عذاب سے بچایا عذاب خداوندی سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اہل تقویٰ اور ایمان والوں کو کہا جاتا ہوگا۔ کھاؤ پیو خوب مزے سے جتنا چاہو ان اعمال کی وجہ سے جو تم دنیا میں کرتے تھے ان جملہ انعامات اور عزت واکرام کے ساتھ سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ایسی مسندوں پر (تختوں پر) جو ترتیب سے بچھے ہوں گے اور اس لئے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی تقاضوں کے باعث کسی مونس کا بھی خواہاں ہوتا ہے تو ہم ان کو بیاہ دیں گے ایسی حوروں کے ساتھ جو کشادہ چشم ہوں گی اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی عزت واکرام کا تو یہ عالم ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ انکی پیروی کرنے والی ہوئی تو اگرچہ ان کی اولاد ان کے رتبہ کی نہ ہوگی اور ان کے اعمال اپنے بزرگوں جیسے اعمال نہ سہی، مگر اس وجہ سے کہ وہ بھی ایمان لا چکے ان کے ماں باپ کی خوشنودی کے لئے ہم ان کو بھی انہی کے ساتھ کردیں گے تاکہ ان بزرگوں کو اپنی اولاد کی معیت اور مرافقت سے مزید خوشی حاصل ہو اور ہم ان اہل جنت کے عمل میں سے کچھ کم نہیں کریں گے اس طریقہ سے کہ انکی نیکیاں کچھ ان کے نامہ سے گھٹا کر ان کی اولاد کے حساب میں جمع کردیں اور اس طرح دونوں کے درجے برابر کر دیئے جائیں، بلکہ اولاد کو ان کے استحقاق سے بڑھا کر ان کے ماں باپ کے برابر کر دیا جائے گا ہر شخص اپنے اعمال کے دائرہ میں گھرا ہوا ہے اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کا عمل گھٹا کر ضائع کر دیا جائے خواہ عمل خیر ہو خواہ عمل شر ہو ﴿فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ اور اضافہ کریں گے ہم ان اہل جنت کی نعمتوں میں ہر قسم کے پھل اور گوشت سے جو ان کو مرغوب ہو جو انکی اصل غذاء سے زائد ہوگا اور اہل جنت اللہ رب العزت کے انعامات اور وہاں کی راحتوں سے اس قدر مسرور ہوں گے کہ لطف اندوز ہونے کے لئے ایک دوسرے سے شراب طہور کے جام کی چھینا جھپٹی کرتے ہوں گے جس میں نہ کوئی لغو اور بے ہودہ بات ہوگی اور نہ گناہ کی جیسے کہ دنیا کی شراب میں بدمست لوگ بے ہودہ بکواس اور معصیت وگناہ کے کام کرتے ہیں جنت کی شراب طہور ان بے ہودہ اور گندے اثرات سے پاک صاف ہوگی اس کا نام شراب ہوگا لیکن لطافت وطہارت میں وہ اپنی خود مثال ہوگی ﴿لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ﴾ اور گشت کرتے ہوں گے ان کے سامنے خدمت کے لئے اور فواکہ وغیرہ لانے کے لئے ایسے لڑکے جو خاص انہی کے واسطے ہوں گے گویا وہ محفوظ رکھے ہوئے موتی ہیں اپنی لطافت اور چمک میں ایسا محسوس ہوتا ہوگا یہ بند جگہ میں محفوظ رکھے ہوئے وہ موتی ہیں کہ جن پر نہ گرد وغبار پڑا اور نہ ہی باہر کی ہوا یا دھوپ نے انکی رونق، آب وتاب اور چمک میں کوئی تغیر وتبدل پیدا کیا اور وہ اہل جنت غایت فرح ونشاط میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھتے ہوں گے اور جب ہر ایک دوسرے کو اپنے انعامات اور راحتوں سے مطلع کرے گا تو کہیں گے بے شک ہم تو اس سے پہلے دنیوی زندگی میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے ڈرا کرتے تھے کہ نا معلوم ہمارا انجام کیا ہوگا اور ہم پر کیا گزرے گی لیکن اللہ نے ہم پر بڑا ہی احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیا جس کا ہم کو ڈر تھا اور اپنی کوتاہیوں کے باعث خیال یہی کرتے تھے کہ نہ معلوم کس کس قسم کا عذاب اور گرفت ہمارے اعمال پر ہوا، اول تو یہی بڑا انعام تھا کہ اس نے عذاب سے بچایا لیکن اس کی نعمتوں کا کیا ٹھکانا کہ اس نے تو جنت کی راحتوں سے بھی نواز دیا بے شک ہم اس سے پہلے بھی اس کو پکارا کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عذاب جہنم سے بچا اور مغفرت سے

سرفراز فرما اور اس نے ہماری دعائیں قبول کیں واقعی وہ تو بڑا ہی محسن اور مہربان ہے۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز یہ آیت ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ الخ تلاوت کی اور پھر اسی طرح دعائیہ کلمات فرمانے لگیں اے اللہ تو ہم پر احسان فرما اور ہم کو دہکتی ہوئی دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ

اب تو سمجھا دے کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہے اور نہ دیوانہ ف۱ کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں ہم منتظر ہیں اس پر

اب تو سمجھ کہ تو اپنے رب کے فضل سے پریوں والا نہیں نہ دیوانہ۔ کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم راہ دیکھتے ہیں اس پر

رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ

گردش زمانہ کے ف۲ تو کہہ تم منتظر رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ف۳ کیا ان کی عقلیں یہی سکھلاتی ہیں

گردش زمانے کی۔ تو کہہ، تم راہ دیکھو کہ میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں یہی سکھاتی ہیں

بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ

ان کو یا یہ لوگ شرارت پر ہیں ف۴ یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنا لایا کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات

ان کو، یا وہ لوگ شرارت پر ہیں؟ یا کہتے ہیں کہ یہ بات بنا لایا؟ کوئی نہیں! پر ان کو یقین نہیں؟ پھر چاہیئے لے آئیں کوئی بات

مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا

اسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں ف۵ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے یا انہوں نے بنایا

اسی طرح کی، اگر وہ سچے ہیں۔ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے؟ یا انہوں نے بنائے

ف۱ کفار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دیوانہ کہتے، کبھی کاہن۔ یعنی جنوں اور شیطانوں سے کچھ جھوٹی سچی خبریں لے کر دیتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ آج تک کسی کاہن اور دیوانے نے ایسی اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں اور حکیمانہ اصول، اس طرح کے صاف، شستہ اور شائستہ طرز میں بیان نہیں کئے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیے۔ ان کی بکواس سے دل گیر نہ ہوں۔ جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاہن ہیں نہ مجنون بلکہ اسکے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی ہے۔

ف۲ یعنی پیغمبر جو اللہ کی باتیں سناتا اور نصیحت کرتا ہے۔ کیا یہ لوگ اس لیے قبول نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مر مرا کر ختم ہو گئے ہیں، یہ بھی ٹھنڈے ہو جائینگے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔

ف۳ یعنی اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔ میں تمہارا دیکھتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ کون کامیاب ہے، کون خائب و خاسر۔

ف۴ یعنی پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں۔ کیا ان کی عقل و دانش نے یہی سکھلایا ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل و فرزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن یا دیوانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر شاعروں اور پیغمبروں کے کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تو کیسے عقلمند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر محض شرارت اور کج روی سے باتیں بناتے ہیں۔

ف۵ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا؟ سو نہ ماننے کے ہزار بہانے۔ جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے =

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ

آسمانوں کو اور زمین کو، کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے ف۱ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی

آسمان اور زمین ؟ کوئی نہیں ! پر یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی

الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ

داروغہ ہیں ف۲ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن آتے ہیں تو چاہیے لے آئے جو سنتا ہے ان میں ایک سند

داروغے ہیں ؟ کیا ان پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن آتے ہیں ؟ تو لے آئے جو سنتا ہے ان میں ایک سند

مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

کھلی ہوئی ف۳ کیا اس کے یہاں بیٹیاں ہیں اور تمہارے یہاں بیٹے ف۴ کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ بدلہ، سو ان پر تاوان کا

کھلی۔ کیا اس کے ہاں بیٹیاں اور تمہارے ہاں بیٹے ؟ کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ نیگ سو ان پر چٹی کا

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ

بوجھ ہے ف۵ کیا ان کو خبر ہے بھید کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں ف۶ کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا سو جو

بوجھ ہے۔ کیا ان کو خبر ہے بھید کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں ؟ کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا ؟ سو جو

= لیے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔ اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین، اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں، اس کے قرآن جیسا قرآن بنا لانا بھی محال ہے۔

ف۱ یعنی پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے۔ کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو۔ کیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں؟ یا یہ خیال ہے کہ آسمان و زمین ان کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا اس قلم رو میں جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین و آسمان کو نیست سے ہست کیا۔ مگر اس علم کے باوجود جو ایمان و یقین شرعاً مطلوب ہے اس سے محروم اور بے بہرہ ہیں۔

ف۲ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے؟ یا اس ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے۔ پھر ایسے صاحب تصرف و اقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع و منقاد کیوں بنیں۔

ف۳ یعنی کیا یہ دعویٰ ہے کہ وہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہو تو کسی بشر کا اتباع کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ جس کا یہ دعویٰ ہو تو بسم اللہ اپنی سند اور حجت پیش کرے۔

ف۴ یعنی کیا (معاذ اللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں جیسا کہ بیٹے اور بیٹیوں کی اس تقسیم سے مترشح ہوتا ہے اور اس لیے اس کے احکام و ہدایات کے سامنے سر تسلیم جھکانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔

ف۵ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لیے نہیں مانتے کہ خدانخواستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس ارشاد و تبلیغ پر کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں۔

ف۶ یعنی کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے۔ اس لیے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ضرورت نہیں۔

كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَاِنْ يَّرَوْا

منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں ف۱ کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوا وہ اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے ف۲ اور اگر دیکھیں

منکر ہیں، وہی آتے ہیں داؤ میں۔ کیا ان کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوا؟ وہ اللہ نرالا ہے ان کے شریک بتانے سے۔ اور اگر دیکھیں

كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

ایک تختہ آسمان سے گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا ف۳ سو تو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ دیکھ لیں اپنے اس دن کو

ایک تختہ آسمان سے گرتا، کہیں یہ بدلی ہے گاڑھی۔ سو تو چھوڑ دے ان کو جب تک ملیں اپنے دن سے،

الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّ

جس میں ان پر پڑے گی بجلی کی کڑک جس دن کام نہ آئے گا ان کو ان کا داؤ ذرا بھی اور نہ ان کو مدد پہنچے گی ف۴ اور ان

جس میں ان پر کڑاکا پڑے گا۔ جس دن کام نہ آئے گا ان کو ان کا داؤ کچھ، اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ اور ان

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

گناہ گاروں کے لیے ایک عذاب ہے اس سے ورے پر بہت ان میں کے نہیں جانتے ف۵ اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا

گناہ گاروں کو ایک مار ہے اس سے ورے پر وہ بہت لوگ نہیں جانتے۔ اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ

تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ف۶ اور پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے ف۷ اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیٹھ پھیرتے وقت

کہ تو ہماری آنکھ کے سامنے ہے، اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے۔ اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی، اور پیٹھ دیتے وقت

ف۱ یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں تو کیا پھر یہی ارادہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکروفریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ داؤ پیچ سب ان ہی پر الٹنے والے ہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

ف۲ یعنی کیا خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑنے پر ان کی مدد کریں گے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے نیاز کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل یا مقابل و مزاحم ہو۔

ف۳ یعنی حقیقت میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ صرف ایک چیز ہے "ضد اور عناد" جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق فرض کیجیے آسمان سے ایک تختہ ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی تاویل کر دیں گے۔ مثلاً کہیں گے کہ آسمان سے نہیں آیا۔ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور منجمد ہو کر گر پڑا ہے جیسے بڑے بڑے اولے کبھی کبھی گرتے ہیں بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

ف۴ یعنی ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجیے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن آتا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے۔ اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی، نہ کسی طرف سے مدد پہنچے گی۔

ف۵ یعنی ان میں سے اکثروں کو خبر نہیں کہ آخرت کے عذاب سے ورے دنیا میں بھی ان کے لیے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ شاید یہ معرکہ "بدر" وغیرہ کی سزا ہو۔

ف۶ یعنی صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے حکم تکوینی و تشریعی کا انتظار کیجیے جو عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں۔

ف۷ یعنی صبر و تحمل اور سکون و اطمینان کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح و تحمید اور عبادت گزاری میں لگے رہیے۔ خصوصاً جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھیں یا نماز =

ع۱

النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾

تاروں کے ف۱

تاروں کے۔

زجر وتوبیخ مجرمین از عذاب خداوندی وحمایت ایزدی بہ تسبیح وحمد رب العالمین

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿فَذَكِّرْ فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ ... الی ... وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾

ربط:...... ماقبل آیات سورۃ والطور میں دوگروہوں کا ذکر فرمایا گیا ایک گروہ مجرمین کا اور دوسرا مطیعین کا اور احوال متعلقہ بھی ذکر کردیئے گئے تو اس کے بعد یہ مناسب ہوا کہ اہل عناد وانکار کو زجر وتوبیخ عذاب خداوندی سنایا جائے کیونکہ انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ برے افعال واعمال کے نتائج بد سن کر متاثر ہوتے ہیں پھر اس حالت تاثر میں اگر اس کو مزید تنبیہ وزجر کیا جائے تو وہ ان برے اعمال سے باز آنے کا قصد کرلیتا ہے تو اسی لحاظ سے اب ان آیات میں ان مکذبین کا رد بھی کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی دی جارہی ہے کہ اگر منکرین آپ ﷺ کا مقابلہ کریں کوئی بے ہودہ اور لغو طریقہ اختیار کریں تو آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہ ہوں آپ ایسی باتوں پر صبر کریں آپ ہماری حمایت ونگرانی میں ہیں اور خداوند عالم کی حمد وثناء اور اس کی پاکی بیان کرتے رہئے یہ قلب کی قوت وہمت کا بھی سامان ہے اور اللہ کی حمایت ونصرت کا بھی ذریعہ ہے تو ارشاد فرمایا:

پس آپ ﷺ تو ان معاندین کو جو ابھی تک آپ ﷺ کی طرف رخ نہیں کررہے ہیں سمجھاتے رہئے خواہ یہ آپ ﷺ کو کچھ بھی کہیں بہرحال آپ ﷺ اپنے رب کی فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون جیسا کہ یہ مشرکین مکہ کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے پیغمبر خدا کو جس کی زبان حکمت ترجمان سے ایک ایک لفظ حکمت ومعرفت اور انسانی رشد وہدایت کا جاری ہوتا ہے اس کو مجنون کہنا خود کہنے والے کے دیوانہ ہونے کی دلیل ہے جس کو خود ان مشرکین کے سنجیدہ لوگ بھی قبول نہ کرتے تو یہ کہنا شروع کردیتے کہ یہ شاعر ہیں جس کو حق تعالیٰ فرمارہے ہیں اچھا کیا یہ لوگ آپ ﷺ کی نسبت یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ شاعر ہیں جن کے متعلق ہم موت کے حادثہ کا انتظار کررہے ہیں کہ جس طرح اور بھی دنیا میں شاعر آئے اور اپنی زندگی گزار کر مرگئے اسی طرح آپ ﷺ کے بارہ میں بھی کہہ رہے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے اچھا تم لوگ انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں کہ تمہارے اس انکار وکفر کا انجام بد کب تم پر آئے گا اور اس وقت تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ میں جو کچھ کہتا تھا وہ حق ہے اور وہی اللہ کا دین ہے اور یہ کہ اللہ ہی کے دین کا غلبہ اور کامیابی ہوکر رہتی ہے خواہ اس کا کتنا ہی مقابلہ کیا جائے۔

ایسی خلاف فطرت اور خلاف عقل باتیں یہ منکرین کیسے کررہے ہیں بڑے ہی تعجب کی بات ہے جس کو کوئی صاحب عقل قبول نہیں کرسکتا تو کیا ان کی عقلیں ان کو ان باتوں کا حکم کررہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ عقل انسانی ایسی لغویات کا تصور بھی نہیں

= کے لیے کھڑے ہوں۔ یا مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جائیں۔ ان حالات میں تسبیح وغیرہ کی مزید ترغیب وتاکید آئی ہے۔

ف۱ "رات کے حصہ" سے مراد شاید تہجد کا وقت ہو۔ اور تاروں کے پیٹھ پھیرنے کا وقت صبح کا وقت ہے۔ کیونکہ صبح کا اجالا ہوتے ہی ستارے غائب ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ تم سورۃ الطور وللہ الحمد والمنۃ۔

کر سکتی یا یہ کہ یہ سرکش لوگ ہیں اور یہی فیصلہ ہے کہ یہ بات محض عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہے عقل تو ایسی بات کسی کو نہیں سمجھا سکتی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن خود آپ ﷺ نے بنایا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ بات منکرین خود سمجھ رہے ہیں کہ ہم غلط کہہ رہے ہیں اور ان کو اس بارے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا تو یہ باتیں (ان مشرکین کا کہنا) اس بناء پر نہیں کہ وہ کسی نتیجہ اور حقیقت تک نہیں پہنچے بلکہ ان کا مقصد تو بس یہی ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے تو آخر انکار کی ایسے لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے اور کس وجہ سے وہ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کر رہے ہیں اگر وہ اس پر ہی اصرار کرتے ہیں کہ یہ وحی الٰہی اور کلام ربانی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ہی گھڑ لیا ہے تو پھر چاہیئے کہ یہ لوگ اسی جیسا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ سچے ہیں یہ لوگ بھی عربی اور بڑے فصیح و بلیغ قادر الکلام اور مایہ ناز شاعر ہیں ان کو عربی کلام مقابلہ میں پیش کردینے میں کیا رکاوٹ ہے جب کہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو کسی معلم سے کچھ سیکھا اور نہ پڑھا اور نہ سخن گوئی میں اس سے پہلے عرب قوم میں ان کا کوئی مقام دیکھا گیا۔

اگر یہ منکرین ان دلائل سے بھی قرآن کو کلام الٰہی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت اور خدا کی وحدانیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور خالق کائنات کی خالقیت پر ایمان نہیں لاتے تو پھر بتائیں کیا یہ لوگ خود بخود بغیر کسی خالق کے پیدا کر دیئے گئے ہیں یا یہ کہ انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور اس طرح خود اپنے آپ کو گویا صفت خالقیت میں شریک قرار دیا اور وجہ سے خدا کی وحدانیت کو نہیں تسلیم کرتے حالانکہ ان کی فطرت میں خدا کی خالقیت کا تصور پوری طرح موجود ہے اور دلائل وشواھد بھی اس امر کے مقتضی ہیں کہ خدا کی خالقیت اور وحدانیت پر یقین کیا جائے افسوس یہ لوگ ایمان تو کیا لاتے بلکہ یقین ہی نہیں کرتے کیونکہ اگر صحیح معنیٰ میں یقین حاصل ہوتا تو اس کو قبول کرتے اور مانتے اے پیغمبر ﷺ کیا ان کے پاس آپ ﷺ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں اور خزائن رحمت میں نبوت و رسالت بھی ہے کہ جس کو یہ چاہیں نبوت و رسالت دیں یا یہ کہ یہ لوگ حکمران ہیں کہ ان کا حکم چلے اور جس کو یہ لوگ رسول بنانے کی اجازت دیں اس کو رسول بنایا جائے پھر آخر کیوں آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں بہر حال کوئی عقلی دلیل تو ان کے پاس ایسی نہیں کہ جس کی بناء پر یہ لوگ رسالت محمدیہ ﷺ کا انکار کر سکیں تو کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے کہ اس پر چڑھ کر آسمان کی باتیں سن لیں اور اس طرح دعویٰ کر سکیں کہ ایک نقلی دلیل اور آسمانی وحی ہمارے پاس آئی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ یہ (محمد رسول اللہ ﷺ رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اگر کوئی ایسی جراءت کرتا ہے تو چاہئے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے کر آئے اور ثابت کرے کہ یہ شخص رسول بنایا گیا ہے اور محمد ﷺ رسول خدا نہیں (العیاذ باللہ) اے مشرکین و منکرین ایسی بے دلیل اور لغو باتوں سے باز آجاؤ جو کفر و عناد میں کرتے چلے جا رہے ہو۔ بتاؤ کیا اس (خدا خالق کائنات) کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے واسطے بیٹے ہیں الغرض دلائل سے خداوند عالم کی توحید اور اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ کی رسالت ثابت ہو چکی ہے پھر بھی یہ لوگ آخر آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان کیوں نہیں لاتے کیا آپ ﷺ ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ تاوان گراں معلوم ہوتا ہو کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ اس کو لکھ رہے ہیں اور لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے جس کے باعث وہ امور غیب اور وحی الٰہی سے ثابت شدہ باتوں کا انکار اور رد کر رہے ہیں بلکہ اصل

بات یہ ہے کہ یہ لوگ رسول خدا کے ساتھ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کی مخفی سازشیں یہی ظاہر کر رہی ہیں سو انکو سن لینا چاہئے پس جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ خود ہی اس برائی کا شکار ہوں گے چنانچہ اس سازش کا انجام دیکھ لیا، بدر میں ذلیل دنا کام ہوئے اور مقتول وقیدی بھی بنے بہر کیف یہ سب واقعات وحقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ خداوند عالم یکتا ہے وہی وحدہ لاشریک لہ قادر مطلق اور خالق کائنات ہے اگر اب بھی تسلیم نہیں تو بتائیں کیا ان کا کوئی اور معبود ہے اللہ کے سوا؟ نہیں ہرگز نہیں پاکی ہے اللہ رب العزت کی ذات کیلئے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں اور منکرین کے پاس جب اور کوئی حجت نہ رہتی تو اس قسم کی بات کہنے لگتے کہ اچھا ہم آپ ﷺ کی رسالت پر تب یقین کریں گے جب آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ کر ہمارے پاس لے آؤ تو اس کے بارے میں ایسے دشمنان عقل کو اول تو یہ جواب دیا جائے کہ معجزات کی فرمائش بڑی ہی گستاخی ہے اور پھر یہ کہ اگر بالفرض فرمائشی معجزہ ظاہر بھی کر دیا جائے تو پھر اس پر ایمان نہ لانے کا انجام سوائے ہلاکت اور عذاب خداوندی سے تباہی کے کچھ نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ اگر ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر بھی کر دیا جائے اور یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ کہہ دیں گے یہ تو تہہ بہ تہہ جما ہوا بادل ہے تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان لوگوں کی اس قسم کی لغو باتوں سے غمگین ومتفکر نہ ہوں بس انکو چھوڑ دیجئے اپنی اسی حالت پر یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس میں انکے ہوش وحواس اڑ جائیں گے یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ ان کی کوئی تدبیر انکے کام آئے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جاسکے گی اس وقت تو ہر کافر اور بدبخت اپنی مصیبت میں گھرا ہوگا اور آخرت میں ان لوگوں پر یقینا یہ مصیبت آئے گی۔ لیکن ان ظالموں کے واسطے ایک بہت بڑا عذاب واقع ہونے والا ہے اس دن کے عذاب سے پہلے چنانچہ اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے اور بدر میں ذلیل ہوئے قتل کیے گئے مگر افسوس اکثر لوگ ان میں سے جانتے نہیں ہیں کہ انتقام الٰہی کس قدر شدید چیز ہے اور انتصار الٰہی سے کس طرح اہل ایمان فاتح وغالب ہوا کرتے ہیں۔

تو اے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ صبر کیجئے اپنے رب کے فیصلہ کے لیے اور جو کچھ یہ لوگ سازشیں کر رہے ہیں ان سے ہرگز بھی پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ ﷺ تو ہماری حفاظت میں ہیں پھر کس بات کا ڈر ہے اور اگر طبعی تاثرات سے دل پر کچھ ملال اور بوجھ ہو تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے جس وقت کہ آپ ﷺ اٹھیں سو کر تہجد کے وقت یا کسی مجلس سے اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی پاکی وحمد کیا کیجئے مثلاً عشاء کا وقت اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی جو کہ وقت فجر ہے ان اوقات میں نماز خدا کی حمد وثناء اور تسبیح قلب کے بوجھ کو کم کر دے گی اور رجوع الی اللہ کی نعمت سے ایسی فرحت حاصل ہوگی کہ ان ظاہری احوال وواقعات سے دل پر واقع ہونے والا بوجھ اور غم بھی جاتا رہے گا۔

وسبح بحمد ربك حين تقوم کی تفسیر میں اکثر مفسرین تہجد کا وقت مراد لیتے ہیں جیسے کہ حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کے درمیان کسی حصہ میں بیدار ہو اور یہ کلمات پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير سبحان الله والحمد لله ولا الہ الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔ پھر اس کے بعد یہ کہے رب اغفر لی یا کوئی بھی دعا مانگے تو ضرور اسکی دعا قبول کی جائے گی مجاہد رحمہ اللہ نے ﴿حِيْنَ تَقُوْمُ﴾ سے مجلس سے اٹھنا مراد لیا

ہے اور کلمات سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك کو کفارۃ المجلس فرمایا گیا ہے۔

﴿وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فجر کی دو سنتیں بھی بیان کی گئی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں سے زیادہ کسی بھی سنت یا نفل پر پابندی کرتے نہیں دیکھا۔

تم تفسیر سورۃ والطور وللہ الحمد والمنہ۔

سورۃ النجم

سورۃ النجم مکی سورتوں میں سے ہے مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت اور بعد از معراج نازل ہوئی اس کی باسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کا اصل مضمون اور موضوع خاص آنحضرت کی نبوت ورسالت کا اثبات ہے اور اسراء ومعراج کے خصوصی احوال کا ذکر اور ملکوت سمٰوٰت کے عجائب کے بیان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنی مقصود ہے اور اس ضمن میں یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہے اس وجہ سے قیامت، حشر ونشر اور جنت وجہنم پر ایمان لانا چاہئے اسی تفصیل کے مطابق جو وحی الٰہی اور زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

توحید خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے شرک، وبت پرستی کی تردید اور اس کا خلاف عقل وفطرت انسانی ہونا ثابت فرمایا گیا اور ان بتوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی گئی جن کی مشرکین مکہ پرستش کیا کرتے تھے پھر قیامت کے روز عدل وانصاف اور جزاء اعمال کی تفصیل فرمائی گئی اور یہ کہ ہر انسان کی سعی اور جدوجہد کا بدلہ اس کو ضرور مل کر رہتا ہے۔

اختتام سورت پر عاد وثمود اور قوم نوح ولوط جیسی قوموں کی ہلاکت وتباہی کا ذکر کر کے مجرمین ومنکرین کو تنبیہ کی گئی تا کہ وہ اس رویہ سے باز آ جائیں۔

۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰياتها ۶۲ رکوعاتها ۳

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ

قسم ہے تارے کی جب گرے ف۱ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا ف۲ اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو

قسم ہے تارے کی جب گرے۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا، اور نہیں بولتا اپنی چاؤ سے۔ یہ تو

ف۱ یعنی غروب ہو۔

ف۲ "رفیق" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلط فہمی کی بناء پر راستہ سے بھٹکے، نہ اپنے قصد واختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے، بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں، کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی راہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا=

هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ④ عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ⑤ ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ⑥ وَهُوَ بِالۡاُفُقِ

حکم ہے بھیجا ہوا ف۱ اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے زور آور نے ف۲ پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر

حکم ہے جو پہنچتا ہے۔ اس کو سکھایا سخت قوتوں والے نے، زورآور نے۔ پھر سیدھا بیٹھا۔ اور وہ تھا اونچے کنارے

الۡاَعۡلٰی ؕ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ⑧ فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ⑨ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ

آسمان کے ف۳ پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک، پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو

آسمان کے، پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا۔ پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک۔ پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر، جو

اَوۡحٰی ؕ⑩ مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ⑪ اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ⑫ وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَۃً

بھیجا ف۴ جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا ف۵ اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا ف۶ اور اس کو اس نے دیکھا ہے

بھیجا۔ جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا۔ اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا؟ اور اس کو اس نے دیکھا ہے ایک دوسرے

= ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہیے۔ جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔

ف۱ یعنی کوئی کام تو کیا۔ ایک حرف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلو کو "قرآن" اور غیر متلو کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔

ف۲ یعنی وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور جو بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلاتا ہے وہ بہت سخت قوتوں والا، بڑا زور آور حسین و وجیہ فرشتہ ہے جسے "جبرائیل امین" کہتے ہیں۔ چنانچہ "سورۃ التکویر" میں جبرائیل کی نسبت فرمایا۔ ﴿اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ﴾

ف۳ "اونچے کنارے" سے اکثروں نے افق شرقی مراد لیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق نمودار ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے تو سورۃ "مدثر" اتری۔

ف۴ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنے اصلی مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر نزدیک ہو گئے کہ دونوں کے درمیان دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی۔ غالباً اس سے مراد سورۃ "مدثر" کی یہ آیات ہیں۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ﴾ یا کچھ اور احکام ہوں گے۔

(تنبیہ) فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی میں محققین کے نزدیک "او" شک کے لیے نہیں۔ بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ زیادہ کی نفی کے لیے ہوتی ہے۔ یعنی تعیین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ "قوسین" کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم، وہاں اتنا ظاہر کر دینا ہے کہ کسی حال اور کسی طرح اس سے زائد نہ تھا۔ وفیہ اقوال اخر ذکرها المفسرون۔

ف۵ یعنی حضرت جبرائیل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک حضرت جبرائیل کو دیکھ رہی ہے، کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

ف۶ یعنی وحی بھیجنے والا اللہ، لانے والا فرشتہ جس کی صورت و سیرت نہایت پاکیزہ، اور فہم و حفظ وغیرہ کی تمام قوتیں کامل، پھر اتنا قریب ہو کر وحی پہنچائے، پیغمبر اس کو اپنی آنکھ سے دیکھے، اس کا صاف اور روشن دل اس کی تصدیق کرے، تو کیا ایسی دیکھی بھالی چیز میں تم کو حق ہے کہ اس سے فضول بحث و تکرار کرو اور جھگڑے نکالو و اذا لم تر الهلال فسلم لاناس راوه بالابصار۔

اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا

اترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی ف۱ جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ

اتارے میں، پرلی حد کی بیری پاس، اس پاس ہے بہشت رہنے کی۔ جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ

يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

چھا رہا تھا ف۲ بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی ف۳ بے شک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے ف۴

چھا رہا تھا، بہکی نہیں نگاہ، اور حد سے نہیں بڑھی۔ بے شک دیکھے اپنے رب کے، بڑے نمونے۔

ف۱ جس طرح جنت کے انگور، انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے محض اشتراک اسمی ہے۔ اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا جائے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح کی ہوگی۔ بہرحال وہ درخت ادھر ادھر کی سرحد پر واقع ہے جو اعمال وغیرہ ادھر سے چڑھتے ہیں، اور جو احکام وغیرہ ادھر سے اترتے ہیں سب کا منتہیٰ وہ ہی ہے۔ مجموعہ روایات سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس درخت پر چھا رہے تھے۔ اور فرشتوں کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ "مایغشی" سنہری پروانے تھے۔ یعنی نہایت خوش رنگ جن کے دیکھنے سے دل کھنچا جائے۔ اس وقت درخت کی بہار اور رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے۔ شاید ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے قول کے موافق معراج میں جو اللہ کا دیدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اس کا بیان اسی آیت کے ابہام میں منطوی ومندرج ہو۔ کیونکہ پہلی آیتوں کے متعلق تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احادیث میں تصریح ہے کہ ان سے رؤیت رب مراد نہیں۔ محض رؤیت جبرائیل مراد ہے۔ ابن کثیر نے مجاہد سے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اخص اصحاب میں سے ہیں اسی آیت کے تحت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ "كَانَ اَغْصَانُ السِّدْرَةِ لُؤْلُؤًا وَيَاقُوْتًا وَزَبَرْجَدًا فَرَاٰهَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاٰى رَبَّهٗ بِقَلْبِهٖ" اور یہ رؤیت چونکہ صرف قلب سے نہ تھی بلکہ قلب اور بصر دونوں کو دیدار سے حصہ مل رہا تھا جیسا کہ "مَازَاغَ الْبَصَرُ" سے ظاہر ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا۔ "رَاٰهُ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِقَلْبِهٖ وَمَرَّةً بِبَصَرِهٖ" یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا۔ (کما قالوا فی حدیث اِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِمَكَّةَ مَرَّتَيْنِ) ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی لیکن یاد رہے کہ یہ رؤیت وہ نہیں جس کی نفی "لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے۔ یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ علاوہ بریں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب سوال کیا گیا کہ دعوائے رؤیت، آیت "لاتدرکہ الابصار" کے مخالف ہے تو فرمایا "وَيْحَكَ ذَاكَ اِذَا تَجَلّٰى بِنُوْرِهِ الَّذِيْ هُوَ نُوْرُهٗ" (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات وانوار متفاوت ہیں۔ بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں۔ اور رؤیت رب فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے۔ اور اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کی رویت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک خاص درجہ کی رویت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کے موافق میسر ہوئی۔ اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک وسہیم نہیں۔ نیز ان ہی انوار و تجلیات کے تفاوت وتنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال میں کوئی تعرض نہیں۔ شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں۔ اور اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایات "رایت نورًا" اور "نور انی اراہ" میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ف۳ یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا، پورے تمکن واتقان سے دیکھا، نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر داہنی بائیں ہٹی نہ مبصر سے تجاوز کر کے آگے بڑھی، بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے پاک تھے۔

ف۴ "اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ" کے فائدہ میں جو بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ، جو نمونے دیکھے ہوں گے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

اثبات عظمت نبوت وحجیت اقوال رسول اللہ ﷺ وعصمت حیات طیبہ

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ... الی ... مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾

ربط:...... گزشتہ سورت توحید خداوندی اور دلائل قدرت اور اثبات حشر ونشر کے مضامین پر مشتمل تھی اب اس سورت میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا بیان ہے اور یہ کہ رسول خدا ﷺ کا ہر قول وعمل وحی الٰہی ہے پیغمبر کی ہر بات اوران کا ہر عمل امت کے واسطے قانون اور اسوہ بنایا گیا ہے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی کوئی بات اوراس کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ خود اس کی خواہش سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی وحی ہی ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن اللہ کی وحی ہے بس فرق اتنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام لفظ اور معنی دونوں کا مجموعہ ہے اور حدیث رسول میں الفاظ اگر آپ ﷺ کے ہیں مگر معنی اور حکم اللہ ہی کا ہے ارشاد فرمایا:

قسم ہے ستارہ کی جب کہ وہ غروب ہونے لگے یقیناً یہ تمہارے ساتھی جو ہمہ وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اور جن کی سیرت اور تعلیمات وہدایات قیامت تک کے واسطے امت کے ساتھ ہیں نہ تو راہ حق سے بھٹکے کہ بھول کر یا غلطی وخطاء سے راہ حق سے چوک گئے ہوں اور نہ ہی غلط راستہ اختیار کیا کہ جانتے اور دیکھتے ہوئے کسی غرض اور مقصد کی خاطر غلط راستہ اختیار کرلیا جائے اس طرح یہ ہر غلطی اور گمراہی سے محفوظ ومعصوم ہیں اور نہ بولتے ہیں کوئی لفظ اپنی زبان سے اپنی خواہش سے بلکہ ان کا تو زبان سے بولا ہوا ہر لفظ وہ اللہ کی وحی ہی ہوتا ہے جس کی وحی ان کو کی جاتی ہے جیسے کہ قرآن اپنے لفظ اور معنیٰ کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل ہوتا ہے اس طرح یہ الفاظ وکلمات جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوئے ہیں یہ ان ہی معانی اور احکام کی تعبیر ہیں جو احکام اور مضمون آپ ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے تو آپ ﷺ اللہ کی مقرر کردہ راہ پر ایسی طرح قائم ہیں اور اسی پر آپ ﷺ کی زندگی کا ہر قول وفعل حتیٰ کہ زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اور جملہ احوال وکیفیات مطابقت وموافقت کے ساتھ جاری ہیں کہ سرمو بھی اس خط مستقیم سے انحراف نہیں جس طرح کہ ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک اپنی پوری مسافت اسی خط پر قائم رہتے ہوئے پوری کرتا ہے جو اس کے واسطے مقرر کردیا گیا نہ وہ اپنی سمت بدلتا ہے نہ منزل سے ادھر یا ادھر اپنا رخ موڑتا ہے اور جس طرح ستارے مسافروں کے لئے رہنمائی کا سامان ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ از ابتدا، تا انتہاء تمام عالم کے واسطے رہنما ہے [1] سکھایا ہے انکو ایک بڑے مضبوط قویٰ والے طاقت ور فرشتہ

[1] ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی﴾ قسم ہے ستارہ کے غروب کی، قسم کھا کر جواب قسم کو ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا ان کلمات سے قسم اور جواب قسم میں ربط اور مناسبت انشاء اللہ بخوبی واضح ہے اصل مضمون تھا آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کے کمال استقامت کا اور یہ کہ اس میں نہ بھول چوک سے غلطی کا احتمال ہے اور نہ جان بوجھ کر وہ راہ حق سے العیاذ باللہ منحرف ہوسکتے ہیں وہ منحرف تو کیا ہوں گے ان کی زندگی کے تو ہر قول وفعل کو آسمانوں کے تاروں کی طرح رہنما اور سمت ومنزل معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے کہ آپ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے تمام دنیا راہ ہدایت پاسکتی ہے اس پر چل سکتی ہے اور اس پر چل کر منزل فلاح وسعادت تک پہنچ سکتی ہے غروب کی طرح طلوع بھی قدرت خداوندی کا عظیم نمونہ ہے مگر ممکن ہے کہ غروب سے قریب وقت دیکھ کر طالبان ہدایت کو مزید توقف کرنے کی گنجائش نہیں سمجھنی چاہئے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اب بھی اگر حصول ہدایت میں تاخیر کی تو پھر یہ باقی ماندہ مہلت اور موقع بھی ختم ہوجائے گا تو اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو غنیمت سمجھنا چاہئے پھر یہ کہ طلوع سورج سے ستاروں کا غروب ہے تو اشارہ ہوسکتا ہے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کہ جانب کہ وہ تمام انبیاء سابقین جو اپنی اپنی جگہ اپنی قوموں کی رہنمائی کے لیے ستاروں کی مانند تھے اب خاتم الانبیاء کے آفتاب نبوت کے طلوع ہونے پر سب غائب ہوگئے اور جس طرح سورج کا نور تمام ستاروں کو مغلوب ومستور کردیتا ہے اسی طرح یہ آفتاب نبوت بھی ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ کا پیکر بن کر طلوع ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نے جو پیدائشی طور پر نہایت قوی اور زور آور ہے یہاں تک کہ اس نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا نہایت ہی حسن و جمال والا ہے یعنی حضرت جبریل امین علیہ السلام پھر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور حال یہ کہ وہ آسمان کے اونچے کنارہ پر تھا جب کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام کو ابتداء وحی کے زمانہ میں آسمان کے مشرقی کنارہ پر ان کی اصلی صورت میں دیکھا کہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آسمان کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک خلا کو پر کر رکھا ہے جس سے آپ ﷺ پر ہیبت اور کپکپی طاری ہوگئی تھی اور گھر آ کر فرمایا تھا کہ "دثرونی، دثرونی" اور اس پر ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ آیات نازل ہوئیں پھر وہ نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر اس قدر نزدیک ہوا کہ آپ ﷺ سے صرف دو کمانوں کے برابر رہ گیا یا اس سے بھی نزدیک اور اپنے اصلی مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترا اور انتہائی نزدیکی اور قرب اختیار کر لیا پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھی حکم بھیجا اور جو اس کی مشیت ہوئی جھوٹ نہیں کہا دل نے اس چیز کو جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھ سے دیکھی آپ ﷺ کا دل آنکھ کے مشاہدہ پر مطمئن تھا اور اس کی تصدیق کر رہا تھا کہ یہ بات نہ تھی کہ آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہو مگر اندر سے دل مطمئن نہ ہو اور تصدیق نہ کرتا ہو۔

تو اے لوگو! کیا تم جھگڑ رہے ہو اس چیز پر جو ہمارا بندہ دیکھ رہا ہے اس ایک مرتبہ کی رؤیت پر کفار قریش اور منکرین کیا جھگڑ رہے ہیں اور کیوں تعجب کر رہے ہیں اور بے شک ہمارے اس بندہ نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے اترتے ہوئے سدرۃ المنتہٰی کے پاس جس کے آرام اور راحت کی بہشت ہے جب کہ آپ ﷺ شب معراج میں ساتویں آسمان پر پہنچے اور اس سے اوپر سدرۃ المنتہٰی اس بیری کے درخت کو دیکھا جو لوح محفوظ سے دنیا میں نازل ہونے والے احکام خداوندی اور عالم زمین کے جملہ احوال و اعمال جو بارگاہ خداوندی میں پیش ہونے والے ہوتے ہیں، میں ان کا منتہٰی و مرکز ہے بس اسی کے قریب جنت الخلد ہے جس کو دیکھا اور یہ بیری کا نام محض دنیا والوں کو سمجھانے کیلئے ہے یہ نہیں کہ دنیا کے بیری کے درختوں کے مشابہ ہو بلکہ اس کی شان اور عظمت و خوب صورتی اس عالم کے مناسب اور شایان شان ہوگی جس طرح جنت کے انگور، انار پھل اگرچہ دنیاوی پھلوں کے نام سے تعبیر کئے گئے مگر ظاہر ہے کہ دنیا کے پھلوں کو ان سے کوئی بھی نسبت نہیں جب کہ ڈھانک رہی تھی اس سدرۃ المنتہٰی کو ایک ایسی چیز جس نے اس کو چھپا رکھا تھا کہ انوار و تجلیات اس پر اس طرح برس رہی تھیں کہ ہجوم انوار اور شدت تجلیات یا انوار و تجلیات پر برسنے والے خوش رنگ سنہرے پروانوں نے اس کو ڈھانک رکھا تھا جس طرح کہ سورج کی شعاعیں سورج کے کرہ کو نگاہوں سے چھپا لیتی ہیں تو ان تجلیات و انوار کے نزول کے وقت باوجود انکی شدت و کثرت کے آپ ﷺ کی نگاہ نہ بہکی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ نہ ٹیڑھی اور ترچھی ہو کر دائیں سے بائیں مڑی اور نہ نگاہ مقام نظر سے آگے بڑھی بلکہ نظر محل نظر پر پوری قوت اور تثبت کے ساتھ جمی رہی یہ نہیں کہ اچٹتی نظر سے کوئی چیز نظر کے سامنے آ گئی ہو تو، جو کچھ دیکھا وثوق و یقین کے ساتھ دیکھا اور جو کچھ نظر نے دیکھا دل اس پر مطمئن ہوا اور اس کی تصدیق کی بے شک آپ ﷺ نے دیکھا اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں سے بڑی بڑی نشانیوں کو اور قدرت کے ایسے نمونے دیکھے کہ حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا پورا پورا مشاہدہ ہو گیا۔

شب معراج میں مشاہدہ آیات قدرت

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو ثابت کیا گیا اور آپ ﷺ کے ہر قول وعمل کو وحی الٰہی اور اس کا حجت اور نمونہ ہدایت ہونا ذکر کیا گیا اور یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ایسا مقام عصمت وحفاظت کا عطا کیا گیا ہے، کہ بالارادہ یا بلا ارادہ راہ حق سے سرمو انحراف اور لغزش کا احتمال نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ بغیر اس مقام عصمت کے وہ ذات ہادی عالم کیونکر بنائی جا سکتی تھی ظاہر ہے کہ جو خود غلطی اور گمراہی کا شکار ہو سکتا ہو وہ دوسروں کا ہادی ورہنما کیسے ہوگا اس لئے عصمت کا لازمہ نبوت ہونا عقلاً بھی ثابت ہوا تو ابتداء میں آپ ﷺ کی شان رسالت بیان کرتے ہوئے اصل مقصد یعنی شب معراج میں آیات کبریٰ اور قدرت کی عظیم نشانیوں کے مشاہدہ کا مضمون شروع فرمایا گیا پہلی اور دوسری آیت میں تو ستارے کے غروب کی قسم کھا کر یہ اعلان فرمایا گیا کہ ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کی عصمت وحفاظت ظاہر فرمائی گئی اور یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر لغزش اور گمراہی سے محفوظ فرمایا ہے پھر تیسری اور چوتھی آیت میں آپ ﷺ کے ہر نطق کی خواہشات نفس سے پاکی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ وحی الٰہی ہے اور شریعت میں جو درجہ وحی الٰہی اور قرآن کریم کا ہے وہی درجہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک کا ہے اور اس سے ذرہ برابر انحراف کرنے کی کسی بھی مومن کو قطعاً گنجائش نہیں جیسے کہ ارشاد فرمادیا گیا ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾۔ شان رسالت کی اس تحقیق وتثبیت اور حجیت اقوال رسول ﷺ کے بعد پانچویں آیت "علمه شديد القوى"۔ سے وحی الٰہی لانے والے قاصد فرشتہ کی قوت اور عظمت بیان کی گئی کہ وہ قاصد پیغامات خداوندی پہنچانے میں نہ مرعوب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی طاقت اور زور اس کو مغلوب کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود ہی ایسے مضبوط قویٰ اور زور والا ہے اس کے ساتھ ظاہری حسن وجمال اور وقار کا بھی پیکر ہے، جیسا کہ ابن عباس ؓ ﴿ذُوْ مِرَّةٍ﴾ کی تفسیر میں۔ ذو منظر حسن۔ فرماتے ہیں۔ [1] لہٰذا معلوم ہو گیا کہ رسول ﷺ خدا پر وحی لانے والا قاصد بھی کسی تقصیر وغلطی کا شکار نہیں ہو سکتا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اس قاصد کو خوب اچھی طرح پہچانا اس کو دیکھا اور نہایت قریب سے بھی دیکھا کہ پہلے افق اعلیٰ پر نمایاں ہوا پھر اور قریب ہوا اور افق سماء کی بلندی سے نیچے کی طرف نزول کیا اور اتنا قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور آنکھ کے مشاہدہ کی دل سے بھی تصدیق کرنے لگا تو ایسی قوتوں والے قاصد نے اس قرب کے بعد جو پیغام دیا اور پہنچایا وہ یقیناً ہر طرح حجت ہے۔

ایک مرتبہ کی رؤیت کے بعد دوسری مرتبہ کی رؤیت ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ سے بیان فرمائی گئی اس دوسری رؤیت کا محل اور مقام ساتواں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تھا جس کا مشاہدہ آپ ﷺ نے شب معراج میں فرمایا تو اس طرح ان ابتدائی مضامین کے بعد شب معراج کے احوال کی طرف کلام منتقل ہوا اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہونا اور سدرۃ المنتہیٰ پر انوار وتجلیات کے برسنے کا ذکر فرمایا گیا اور یہ کہ وہاں آپ ﷺ نے اپنے رب کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر۔ قرطبی، روح المعانی۔

روایات صحیحہ سے یہ بات تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں جس پر انکو پیدا کیا گیا دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جب کہ غار حرا میں وحی نازل ہو چکنے کے بعد سلسلہ وحی رک گیا تھا اور وحی کے شوق وانتظار میں بے چین ہو کر باہر میدانوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جائے تو اس زمانہ میں ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ آسمان وزمین کے درمیان اپنی عظیم جسامت سے افق سماء کو گھیرے ہوئے ہیں اس عظیم الشان فرشتہ کو دیکھ کر آپ ﷺ پر رعب اور کپکپی طاری ہوگئی اور آپ ﷺ گھر لوٹے اور فرمایا، دثرونی، دثرونی۔ (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) دوسری مرتبہ جبریل امین علیہ السلام کو اصلی صورت میں شب معراج میں دیکھا جس کا ذکر ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ میں ہے اور اس رؤیت کو جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت پر اور ان ہی کے قرب اور تدلی پر محمول کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بعض ائمہ محدثین اسی کے مطابق قرار دیتے ہیں۔

تو اس طرح رؤیت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ زمین پر ہوئی اور ایک مرتبہ ملکوت سماوات پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب، ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ قرب جبرئیل علیہ السلام کا تھا اور ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾ کے بھی معنیٰ یہ بیان کئے کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی کی اللہ کے بندہ محمد ﷺ کو جو بھی وحی کی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں (دوسری بار جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا)

لیکن اس کے بالمقابل ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اس بات کی قائل تھی کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو رؤیت خداوندی حاصل ہوئی ہے اور یہ قرب اور تدلی حق تعالیٰ کے قرب اور تدلی پر جیسے بھی اس کے شان کے لائق ہو، محمول ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انس رضی اللہ عنہ بن مالک اور حسن بصری رحمہ اللہ اسی کے قائل تھے کہ رؤیت بصریہ ہوئی ہے اور ان کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے طبقہ میں بھی متعدد حضرات رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے، عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے لیکن ترمذی میں عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس نسبت میں تردد معلوم ہوتا ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، رای محمد ربہ (کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے) میں نے عرض کیا، کیا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ "کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں فرمایا "ویحك" (تجھ پر افسوس) یہ تو اس صورت میں کہ حق تعالیٰ متجلی ہوا پنے اس نور کے ساتھ جو اس کا نور ذاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت کعب رضی اللہ عنہ احبار سے ملاقات ہوئی تو اس ملاقات میں کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے ان اللہ تعالیٰ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد وبین موسیٰ فکلم موسیٰ مرتین وراہ محمد مرتین۔ [1] (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور کلام محمد ﷺ وموسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اللہ سے کلام کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے دو دفعہ اللہ رب العزت کا دیدار کیا) اور مسروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا، کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، فرمایا مسروق رحمہ اللہ تو نے ایسی بات کہہ دی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا اے ام المومنین رضی اللہ عنہا ذرا ٹھہریئے

[1] جامع ترمذی۔

(اور مجھے مہلت دیجئے) کہ کچھ عرض کروں اور میں نے یہ آیت پڑھی، ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ فرمایا تو اس آیت کو کہاں لے جا رہا ہے یہ تو جبریل علیہ السلام کی رؤیت کا بیان ہے۔

صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا "ھل رایت ربك"، ارشاد فرمایا۔ نور انی اراہ۔ ایک روایت میں، رایت نورا اور بعض شارحین نے نورانی اراہ کو نورانی اراہ پڑھا ہے یعنی وہ ذات رب جس کو میں نے دیکھا ہے وہ نور والی ذات ہے کہ میں اس کا دیدار کر رہا ہوں۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بروایت ترمذی اگرچہ ابتداءً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات پر تردد اور اشکال ظاہر ہو رہا ہے لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے [1] بروایت ابن ابی حاتم عباد بن منصور رحمہ اللہ سے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ کی تفسیر دریافت کی تو عکرمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کا دیدار کیا ہے میں نے کہا جی ہاں فرمایا ہاں دیکھا ہے اور ایک دفعہ کے بعد پھر ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔

خاتم المحدثین حضرت سید انور شاہ کشمیری اور استاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ معراج میں آنحضرت ﷺ کو رؤیت خداوندی ہوئی ہے، مشکلات القرآن میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان آیات پر کلام فرمایا اور اس تحقیق کو استاذ محترم نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں مدار تحقیق اور حل مسئلہ کے طور پر اختیار فرمایا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان آیات النجم کے مضمون کو تین حصوں پر اور تین حالتوں کے بیان پر محمول فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائی تین آیات میں اللہ نے موحیٰ الیہ یعنی اپنے رسول ﷺ کا ذکر فرمایا کہ استقامت علی الحق اور عصمت وحفاظت کا یہ مقام ہے اور ان کا ہر قول وفعل وحی الٰہی ہے موحیٰ الیہ کے بیان کے بعد واسطہ وحی یعنی وحی پہنچانے والے قاصد کی عظمت وقوت کا بیان ہوا اور یہ کہ موحیٰ الیہ کو واسطہ وحی اور قاصد سے معرفت اور قرب بھی ہے جو افق اعلیٰ کے عنوان سے ذکر کیا گیا اس کے بعد کی آیات اس حالت کو بیان کر رہی ہیں جو موحیٰ الیہ اور رب العزت کے مابین شب معراج میں واقع ہوئی وہ قرب و دیدار ہے جس کو ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ میں بیان فرمایا گیا اور جن آیات کے دکھلانے کے لئے سفر اسراء کرایا گیا جس کو فرمایا گیا۔ ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ (تاکہ دکھائیں ہم اپنی عظیم آیات ونشانیاں) عروج سمٰوات اور سدرۃ المنتہیٰ پر اس وعدہ کی تکمیل کر کے فرما دیا گیا ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ تو اگر یہ آیت صرف رؤیت جبریل علیہ السلام ہوتی تو نہ تو اس کے وعدہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس کو عظیم ترین آیات میں شمار کیا جاتا۔ کیونکہ جبریل امین علیہ السلام کی رؤیت تو اصلی صورت میں پہلے ہی آغاز وحی کے زمانہ میں ہو چکی تھی جو معراج سے آٹھ نو برس قبل کا زمانہ تھا تو پھر ظاہر ہے ﴿لِنُرِيَهٗ﴾ سے جس چیز کے دکھانے کا وعدہ ہو رہا ہے وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جس کو آپ ﷺ نے پہلے نہ دیکھا ہو علاوہ ازیں جبریل علیہ السلام تو آپ ﷺ کے وزیر تھے جیسا کہ احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے تو پھر صرف انکے دیدار کے لیے معراج جیسا عظیم الشان معجزہ مقدر فرمانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا تھا اس وجہ سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس تیسرا حصہ آیات میں قرب خداوندی اور دیدار خداوندی کا بیان ہے جس کے لئے سیر ملکوت سمٰوٰت کرائی گئی اور سدرۃ المنتہیٰ سے بلند مقام تک پہنچایا گیا پھر جب کہ حضرات

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴

صحابہ ﷺ کی ایک جماعت اس کی قائل تھی اور آیات کا انطباق بھی بلا تکلف و تردد ہو رہا ہے تو معراج میں دیدار خداوندی ماننے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

آیت مبارکہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے پیدا ہونے والے اشکال حل کرنے کے لئے استاذ محترم شیخ الاسلام رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

لیکن یاد رہے کہ یہ رؤیت وہ نہیں جس کی نفی آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں (جیسے کہ مادی چیزوں کی حقیقت کا احاطہ اور ماہیت کا ادراک ہو جاتا ہے) علاوہ بریں ابن عباس ﷠ سے جب سوال کیا گیا کہ دعوائے رؤیت آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کے مخالف ہے تو فرمایا ویحك ذاك اذا تجلی بنوره الذی هو نوره۔ (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات وانوار متفاوت ہیں بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں اور رؤیت فی الجملہ دونوں پر صادق آتی ہے اور اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کی رؤیت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جب کہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں گی وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہاں ایک خاص درجہ کی رؤیت سیدنا محمد رسول اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیم کو شب معراج میں ابن عباس ﷠ کی روایت کے موافق میسر ہوئی اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ ﷺ کا شریک و سہیم نہیں نیز انہی انوار و تجلیات کے تفاوت اور تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ (حضرت) عائشہ ﷞ اور (حضرت) ابن عباس ﷠ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں اور اسی طرح ابوذر ﷜ کی روایات رایت نورا اور، نورانی اراہ، یا نورانی اراہ۔ میں تطبیق ممکن ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم انتہی کلامہ من فوائدہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ کی روایت راہ مرتین کی مراد بعض روایات کے الفاظ سے یہ کی جاتی ہے کہ مرۃ بقلبہ ومرۃ راہ بعینہ، لیکن یہ بھی امکان ہے کہ ایک مرتبہ کی رؤیت وہ ہو جو حالت منام میں ایک رات آپ ﷺ نے فرمائی جس کا ذکر حدیث اختصام ملاء اعلی میں ہے اور دوسری مرتبہ شب معراج میں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک روایت میں ابن عباس ﷠ سے مرفوعاً یہ نقل کیا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی عز وجل۔ ان لفظوں کو روایت کر کے کہا فانہ حدیث اسنادہ علی شرط الصحیح۔ کہ یہ حدیث ایسی ہے کہ اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے فرمایا لیکن یہ حدیث منام کا ایک مختصر حصہ ہے جیسا کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابن عباس ﷠ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرا رب میرے سامنے متجلی ہوا ایک بہترین صورت میں حالت نوم میں اور فرمایا اے محمد (ﷺ)! جانتے ہو کہ؟ ملاء اعلی کس چیز میں خصومت کر رہے ہیں میں نے کہا نہیں تو رب العزت نے اپنا دست بے مثال میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی ٹھنڈک (لطافت و سکینت) میں اپنے سینہ کے درمیان محسوس کرنے لگا اس کے بعد پھر جب

سوال کیا تو میں نے جواب دیا نعم فی الکفارات والدرجات الخ۔

بہرکیف ان قرائن اور دلائل سے آیات نجم کے اس تیسرے حصہ کو رویت خداوندی پر محمول کرنا واضح معلوم ہوتا ہے۔ مسئلہ کی اہمیت تو چاہتی تھی کہ اس کے متعلقہ پہلوؤں پر تفصیل سے کلام کیا جاتا لیکن ضیق مقام کے باعث اختصار کے ساتھ یہ نقول پیش کر دیں اور ترجیح راجح کے طور پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ محترم کی رائے ناچیز نے اپنی تعبیر میں پیش کر دی میں اپنے علم و فہم کے قصور کے باعث نہیں کہہ سکتا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بتمام وکمال واضح کر سکا یا نہیں حضرات قارئین سے اپنی تقصیر و کوتاہی پر عفو و درگزر کا طالب ہوں فاصفحوا الصفح الجمیل۔

أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ ⑲ وَمَنَوٰةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ⑳ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ㉑

بھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ کو اور منات تیسرے پچھلے کو ف۱ کیا تم کو تو ملے بیٹے اور اس کو بیٹیاں

بھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ، اور مناۃ وہ تیسری پچھلی۔ کیا تم کو بیٹے اور اس کو بیٹیاں؟

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ㉒ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ

یہ بانٹا تو بہت بھونڈا ف۲ یہ سب نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، اللہ نے نہیں اتاری

تو تو یہ بانٹا بھونڈا۔ یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری

بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن

ان کی کوئی سند ف۳ محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کی امنگ ہے اور پہنچی ہے ان کو ان کے

ان کی کوئی سند۔ نری اٹکل پر چلتے ہیں، اور جو جیوں کے چاؤ ہیں اور پہنچی ان کو ان کے

ف۱ یعنی اس لامحدود عظمت و جلال والے خدا کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے شرم آنی چاہیے۔

(تنبیہ) "لات" و "عزیٰ"، "منات" ان کے بتوں اور دیویوں کے نام ہیں۔ ان میں "لات" طائف والوں کے ہاں بہت معظم تھا۔ "منات" اوس و خزرج اور خزاعہ کے ہاں۔ اور "عزیٰ" کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول "عزیٰ" جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ پھر "لات" جو طائف میں تھا۔ پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں "منات" جو مکہ سے بہت دور مدینہ کے نزدیک واقع تھا۔ علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔ "واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری ھؤلاء الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔" کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا گیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہ ہی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورت پڑھی۔ کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑبڑ مچا دیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں آواز ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لب و لہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیے ہوں گے جو ان کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ "تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ" آگے تعبیر و ادا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہو سکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جا رہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی۔

ف۲ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفار ان بتوں کو خدا کے بیٹیاں کہتے تھے۔ سو اول تو خدا "لم یلد ولم یولد" ہے اور بالفرض اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے تب بھی یہ تقسیم کس قدر بھونڈی اور مہمل ہے کہ تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور خدا کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو۔

ف۳ یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدائی کی کوئی سند نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ =

رَبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

رب سے راہ کی سوجھ ف۱ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو کچھ چاہے، سو اللہ کے ہاتھ ہے سب بھلائی پچھلی اور پہلی ف۲

رب سے راہ کی سوجھ۔ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو چاہے۔ سو اللہ کے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی۔

تنبیہ وتہدید برانکار توحید ورسالت وعدم حقیقت معبودان باطلہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ... الى ... فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت اور آپ ﷺ کی عظمت ومنقبت کا بیان تھا اور اس کے ضمن میں معراج کے بعض خصوصی احوال کے ذکر سے حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وکبریائی اور اس کی وحدانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں اس کے بالمقابل ابطال شرک اور شرک اور مشرکین کے معبودوں کی حقارت وبے بسی اور ایسے معبودوں کی پرستش کا خلاف عقل وفطرت ہونا بیان کیا جارہا ہے ارشاد فرمایا:

تو پھر کیا اے لوگو! تم نے حق تعالیٰ شانہ کے لامحدود عظمت وجلال اور اس کی عظیم نشانیوں کو سمجھ کر ان کے بالمقابل ان مشرکین کے معبودوں لات وعزیٰ کو دیکھا اور ایک اور تیسرے معبود منات کو جن کی حقارت وذلت روز روشن کی طرح عیاں ہے ان حقیر معبودوں کا تو خدائے برتر کے ساتھ نام لینے میں بھی شرم کرنی چاہئے پھر ظلم یہ کہ یہ مشرکین ان کو خدا کی بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (العیاذ باللہ) تو ایسے لوگوں سے پوچھو کیا تمہارے واسطے بیٹے ہوں اور اس کے واسطے بیٹیاں یہ تو اس صورت میں بہت ہی بھونڈی تقسیم ہے یہ تو بس صرف چند نام ہی ہیں جو تم نے رکھ لئے ہیں اور تمہارے باپ دادوں نے کہ اللہ نے جس کی کوئی دلیل نہیں اتاری حالانکہ خدا تو وہ ذات ہے جس کی وحدانیت وخالقیت کے لئے کائنات کا ایک ایک ذرہ دلیل ہوتا ہے یہ لوگ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ محض اپنے گمان اور من گھڑت تخیلات کی پیروی کرتے ہیں اور ہر اس چیز کو جو انکے نفس کی خواہش ہو، حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے اور ایسا واضح اور سیدھا راستہ جس پر چل کر ہر انسان ہدایت وسعادت اور دین دنیا کی فلاح پاسکتا ہے نجات وکامیابی انسانی کے درست عقیدہ اور صحیح عمل پر موقوف ہے ایسا انسان جو عقائد ونظریات اور عمل کی گمراہیوں میں پڑا ہوا ہے اس کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ آخرت میں بھی اپنی کامیابی کے دعوے کرے جیسا کہ مشرکین مکہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے تو ایسے عقل وفہم کے دشمنوں سے کہہ دیا جائے کیا انسان کی ہر وہ چیز ہے جس کی وہ تمنا کرے کوئی بھی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کرسکتا یقیناً کامیابی عقائد کی درستگی اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا دین

= بیٹیاں کہہ لو۔ یا بیٹے یا اور کچھ محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ نہیں۔

ف۱ یعنی باوجود یکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا۔ مگر یہ احمق ان ہی اوہام واہواء کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آگیا اور دل میں امنگ پیدا ہو کر گزرے۔ تحقیق وبصیرت کی راہ سے کچھ سروکار نہیں۔

ف۲ یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے۔ یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان جو تمنا کرے وہی مل جائے گا۔ یاد رہے دنیا اور آخرت کی سب بھلائی اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی بت پوجنے سے کیا ملتا ہے، ملے وہی جو اللہ دے۔

ہے پس اللہ ہی کے لئے ہے آخرت اور اس کی کامیابی اور اس سے قبل والی پہلی زندگی یعنی عالم دنیا اور اسکی سعادت و کامیابی کا نہ آرزوؤں اور تمناؤں سے کچھ ملتا ہے اور نہ اس قسم کے من گھڑت خیالات سے کہ یہ ہمارے بت ہمارے کام آئیں گے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ سوائے ہلاکت اور خسران کے کچھ حاصل نہ ہوگا لات وعزیٰ اور منات یہ مشرکین مکہ کے معبود تھے، عام اہل عرب میں سب سے زیادہ معظم اور بڑا معبود، لات سمجھا جاتا تھا، پھر اس کے بعد عزیٰ اور تیسرے درجہ کا معبود منات سمجھا جاتا تھا، لات یہ ایک بت منقش قسم کی سفید چٹان پر طائف میں بنا رکھا تھا اور اس کے ارد گرد ایک بت خانہ کے طور پر گھر سا بنا رکھا تھا اور یہ لوگ اس کی خوبصورتی اور زیب وزینت (جو خود ان کی اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی تھی) کے باعث دیگر قبائل عرب پر فخر کیا کرتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یہ بت جاہلیت کے زمانہ کے ایک شخص کی طرف منسوب تھا جو حج کے موسم میں حاجیوں کے واسطے ستو گھولا کرتا تھا اوس اور خزرج کے لوگ اس کی زیادہ تعظیم وتکریم کرتے تھے مگر قریش اور بنو کنانہ عزیٰ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے جو کہ مکہ کے قریب ایک نخلستان میں تھا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یوم احد میں اسی کا نعرہ لگایا تھا، لنا العزی ولا عزی لکم، جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کہہ دو "اللہ مولانا ولا مولی لکم"۔ تیسرا معبود منات یہ مقام مشلل میں تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے دور جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ اوس اور خزرج اسکی تعظیم کرتے تھے اور حج کے زمانہ میں یہاں سے احرام باندھ کر حج کا تلبیہ کہتے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوا کرتے تھے معجم البلدان میں ذکر کیا ہے کہ مشرکین عرب بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان بتوں کا نام پکارا کرتے تھے اور یہی الفاظ کہا کرتے تھے اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری۔ اور ان الفاظ کے ساتھ مزید یہ کہا کرتے۔ ھؤلاء الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔ بعض کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے کہ سورۃ والنجم کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ تلاوت کی تو کسی جن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں اپنی آواز ملا کر یہ کہہ دیا۔ تلك الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔ اور اس پر سب مشرکین سجدہ میں گر گئے، یہ واقعہ اصول حدیث اور اصول دین کے لحاظ سے کسی طرح صحیح نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ جس پیغمبر کا ہر لفظ اور اس کا ہر نطق وحی الٰہی ہے اور اللہ نے اس کو نمونہ ہدایت بنا کر ہر خطا وگمراہی سے محفوظ کر دیا اس کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات میں کوئی شیطان اپنی آواز ملا کر کلمات شرک جاری کر دے اور سننے والے یہ گمان کریں کہ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بولے ہیں بہر کیف یہ واقعہ از روئے اسناد اور بحیثیت اصول دین نا قابل اعتبار ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ ایک حدیث میں ہے، من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی کہ جس کسی شخص مومن نے مجھے خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میرا ہم شکل بن کر کسی کے سامنے آسکے تو جب بحالت نوم (خواب) میں کسی مسلمان کے سامنے شیطان متمثل نہیں ہوسکتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ بحالت بیداری خود پیغمبر کے سامنے وہ اپنی آواز (صوت) پیغمبر کی آواز سے ملتبس کر دے تو صورت کے التباس پر جس طرح اس کو قدرت نہیں دی گئی تو اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ صوت کے التباس پر قدرت نہ ہوگی۔

البتہ اتنا بے شک ثابت ہے صحیحین کی روایت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم کی تلاوت فرمائی اور اس مجمع

میں مسلمان ومشرکین موجود تھے تو ہر ایک خواہ مسلمان ہو یا مشرک سجدہ میں گر پڑا سوائے قریش کے ایک بوڑھے کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر اپنی پیشانی سے لگالی اور کہا کہ بس مجھے یہی کافی ہے اور یہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا جس کو ابن سعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، فرایتہ بعد قتل کافرا۔ چنانچہ یہ بوڑھا غزوہ بدر میں قتل کیا گیا، تو یہ بات تو احادیث سے ثابت ہوئی اور اس قصہ میں مشرکین کے سجدہ کا منشا یا تو یہ ہوگا کہ انہوں نے جب آیت قرآنیہ میں اپنے بتوں کے نام سنے تو سجدہ میں گر پڑے قطع نظر اس کے کہ آئندہ کیا مضمون آرہا ہے یا حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ کی تحقیق کی رو سے یہ وجہ ہو کہ اس وقت اس مجلس میں غیبی تجلیات کا نزول ہوا ہو تو مسلمانوں کا سجدہ تو ایمان وطاعت کا سجدہ تھا، لیکن مشرکین کا سجدہ ایک طرح کی مبہوتی اور بدحواسی کے عالم میں ہوا اگرچہ مشرکین کا یہ سجدہ صرف ظاہری تھا لیکن کیا تعجب ہے کہ اس ظاہری سجدہ کی برکت سے ان کو بعد میں ایمان لانے کی توفیق ہوگئی ہو برخلاف اس خبیث بوڑھے کے جو ظاہری سجود سے محروم رہا تو اس کو کبھی بھی سجدہ نصیب نہ ہوا ہو اور بحالت کفر قتل کر دیا گیا تو اس توجیہ کے پیش نظر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لفظ فقد رایتہ بعد قتل کافرا، کی وجہ اور حکمت بھی کچھ ظاہر ہو رہی ہے کہ اسی کو خاص طور پر کفر کی حالت میں مقتول ہونے کو بیان کرنا اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں توفیق ایمان کی گنجائش ظاہر کرتا ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ

اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی ان کی سفارش مگر جب حکم دے اللہ جس کے واسطے

اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی ان کی سفارش کچھ مگر جب حکم دے اللہ جس کے واسطے

يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

چاہے اور پسند کرے ف ۱ اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام

چاہے اور پسند کرے۔ جو لوگ یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا، وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کو نام زنانہ۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾

اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں محض اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں ف ۲

اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں۔ نری اٹکل پر چلتے ہیں، اور اٹکل کام نہ آئے ٹھیک بات میں کچھ۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ؕ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ

سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا بس یہیں تک پہنچی

سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے، اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا۔ یہاں ہی تک پہنچی

ف ۱ یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دے اور اس سے راضی ہو تو وہاں سفارش بیشک کام دے گی۔ ظاہر ہے اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ دو بکفار سے راضی ہیں۔

ف ۲ یعنی جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دے کر خدا کی بیٹیاں کہہ دیا۔ یہ ان کی =

مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝۳۰

ان کی سمجھ ف۱ تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اس کو جو بہکا اس کی راہ سے اور وہی خوب جانے اس کو جو راہ پر آیا ف۲

ان کی سمجھ۔ تیرا رب ہی بہتر جانے جو بہکا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانے، جو آیا راہ پر۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تاکہ وہ بدلہ دے برائی والوں کو ان کے کیے کا اور بدلہ دے

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تا وہ بدلہ دیوے برائی والوں کو ان کے کئے کا اور بدلہ دے

الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۳۱ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ

بھلائی والوں کو بھلائی سے ف۳ جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی ف۴

بھلائی والوں کو بھلائی۔ جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ

بے شک تیرے رب کی بخشش میں بڑی سمائی ہے ف۵ وہ تم کو خوب جانتا ہے، جب بنا نکالا تم کو زمین سے اور جب تم بچے تھے

بے شک تیرے رب کی بخشش میں سمائی ہے۔ وہ تم کو خوب جانتا ہے، جب نکالا تم کو زمین سے، اور جب تم بچے تھے

= محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد اور عورت ہونے سے واسطہ۔ اور خدا کے لیے اولاد کیسی۔ کیا پکی اور ٹھیک بات پر قائم ہونا ہو تو ایسی اٹکلوں اور پادر ہوا اوہام سے کام چل سکتا ہے۔ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتی ہیں؟

ف۱ یعنی جس کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا کی چند روزہ زندگی ہو کر اس میں منہمک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شرارت اور کج روی کی طرف سے منہ پھیر لیں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے بدطینت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے فوری نفع نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ ان کی تمام تر علمی جد و جہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت فرو کرنے کے لیے ہے۔

ف۲ یعنی جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا، ان سب کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہو کر رہے گا۔ ہزار جتن کرو، اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

ف۳ یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔

ف۴ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورۃ "نساء" کے فوائد میں مفصل گزر چکا۔ "لمم" کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے وہ "لمم" ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے، ہمارے نزدیک بہترین تفسیر وہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے سورۃ "نساء" کے فوائد میں اختیار کی ہے لیکن یہاں ترجمہ میں دوسرے معانی کی بھی گنجائش رکھی ہے۔

ف۵ اسی لیے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ گناہ گار کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑنے =

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲

ماں کے پیٹ میں سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بچ کر چلا۔

ماں کے پیٹ میں، سو مت بولو اپنی ستھرائیاں۔ وہ بہتر جانے اسے جو بچ چلا۔

عظمت شان رب العالمین روز محشر وشناعت عقائد مشرکین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ ... الی ... هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین کے معبودوں کا ذکر تھا اور یہ کہ ان معبودوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں بجز اس کے کہ یہ محض نام ہیں جو ان کی عبادت اور پرستش کرنے والوں نے گھڑ لئے ہیں چہ جائیکہ ان میں کوئی قدرت وطاقت ہو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی بارگاہ میں کسی کی مجال نہیں کہ کوئی کسی کی سفارش کر سکے اس لیے ان مشرکین کو اپنے دماغوں سے یہ خیال نکال دینا چاہیے کہ یہ معبود قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے۔ ارشاد فرمایا:

اور کس قدر فرشتے ہیں آسمان میں کہ ان کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی حالانکہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آسمانوں میں رہتے ہیں مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے سفارش کرنے کی اور اس کے لئے پسند کرے اول تو فرشتے یا کوئی بھی ہو بلا اجازت کے شفاعت نہیں کر سکتے اور اگر سب مل کر کریں بھی تو نافع نہیں جس کو اجازت ملے گی وہی کر سکے گا اور جس کے واسطے پسند کیا جائے گا اسی کے واسطے ہو سکے گی اس وجہ سے کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ فلاں فلاں میرے سفارشی ہوں گے بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہی ہیں جو فرشتوں کو لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں کوئی بھی صحیح العقل انسان یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ فرشتے جو اللہ کی مخلوق نوری ہیں وہ لڑکیاں ہیں اور پھر غضب یہ کہ ان کو خدا کی بیٹیاں تجویز کرنا حالانکہ ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں یہ لوگ محض بے بنیاد اور بے اصل خیالات اور صرف اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں اور بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ اور ثابتہ کے مقابلہ میں اٹکل اور اوہام فاسدہ ذرہ برابر بھی کارآمد نہیں ہو سکتے۔ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ان کے نام بھی عورتوں اور لڑکیوں کے رکھتے ہیں یہ انتہائی عقل اور فطرت سے بعید بات ہے اور حق تعالیٰ کے مقابلہ میں بڑی ہی بے باکی ہے بس آپ ﷺ ایسے شخص سے بے رخی کر لیجئے اور اس سے منہ موڑ لیجئے ایسا شخص قابل التفات ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی باتوں پر کوئی اثر لیا جائے ہماری یہی نصیحت ہے کہ بس آپ ﷺ ایسے شخص سے اعراض و بے رخی اختیار کر لیجئے جس نے ہماری نصیحت سے روگردانی کر لی اور اس کا کوئی مقصد نہیں سوائے دنیوی

= لگے تو بندہ کا ٹھکانا کہاں۔ یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو۔ اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے۔ اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ جس کی ابتداء مٹی سے تھی، پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد کتنی جسمانی وروحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا۔ آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے کا استحقاق نہیں۔ جو واقعی متقی ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو جاتی ہے۔ الا من عصمہ اللہ۔

زندگی کے اور ظاہر ہے کہ جس کا مقصد حیات صرف دنیوی زندگی ہو وہ نہایت ہی ناعاقبت اندیش اور کم فہم ہے لیکن بس ان لوگوں کا یہی مبلغ علم اور منتہائے فکر ہے اس سے آگے انکے فہم وعقل کی پرواز نہیں بے شک آپ ﷺ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو راہ سے بھٹک گیا اور وہی اس سے بھی خوب واقف ہے جس نے صحیح راہ پائی اس لیے آپ ﷺ کو کہا جارہا ہے کہ ہمارے ذکر یعنی قرآن یا ایمان یا ذکر الٰہی سے جو بھی غافل ہے اور اس سے اعراض و بے رخی کر رہا ہے آپ ﷺ اس سے اپنا رخ موڑ لیجئے کیونکہ ذکر الٰہی اور ایمان یا قرآن سے بے رخی دنیا کی محبت کے باعث ہے ایسے لوگوں کو کچھ تو سمجھنا چاہئے کہ جو اصل کائنات کا مالک ہے اس کو چھوڑ کر اس کی پیدا کردہ چیز سے اس کو کیا مل جائے گا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ہر چیز اس کے قبضہ اور اختیار میں ہے اللہ ہی نے یہ سارا کارخانہ عالم قائم کیا ہے اور اپنا پیغمبر بھیجا کتاب نازل کی یہ سب کچھ اس مقصد کی خاطر کہ انجام کار وہ بدلہ دے ان لوگوں کو جنہوں نے برے کام کئے ان کی برائیوں کا اور بدلہ دے نیکی کا ان لوگوں کو جنہوں نے نیکی کے کام کئے اور عمل کی مجازات عقل اور فطرت کا قانون ہے اچھا صلہ اور انعام ان لوگوں کے لیے ہوگا جو محسنین و نیکوکار ہیں جو پرہیز کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے مگر معمولی لغزش اور چھوٹے چھوٹے گناہ جو اتفاقاً بھول چوک سے واقع ہوجائیں بے شک آپ ﷺ کا پروردگار مغفرت و بخشش کے لحاظ سے بہت ہی وسیع ہے اس کی وسعت مغفرت کے سامنے گناہوں کی اور خطاؤں کی کوئی حقیقت نہیں وہ تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین اور بصورت حمل تھے اور وہ تمہارے عمل ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے لہٰذا تم اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو اور اپنی تقویٰ وطہارت کے دعوے مت کیا کرو وہی پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون تقویٰ والا ہے [1] الغرض جب یہ حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی پیدائش سے پہلے ہی جانتا ہے اور اس کے علم سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں تو یقیناً ہدایت و گمراہی کا عمل بھی اس کے سامنے مخفی نہیں رہ سکتا اور جب آسمان و زمین سب کچھ اس کا ہے تو بلاشبہ اسی کے در سے سب کچھ مل سکتا ہے دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر اس کو چھوڑنا بڑی ہی بدعقلی اور بدنصیبی ہے اور جب وہ ساری کائنات کا مالک ہے تو یقیناً نیکی اور بدی کا بدلہ بھی دے گا۔

قانون مجازات اور اعمال سیئہ کی تفصیل

آیت مبارکہ ﴿اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ بیان اور صفت ہے۔ ﴿اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا﴾ نیکوکار لوگ کون

[1] حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے علم اللہ من کل نفس ماھی صانعة والی ماھی صائرة فلا تزکوا انفسکم ولا تطھروھا من الاثام ولا تمدوھا باحسن الاعمال۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر شخص کو جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والا ہے اور اس کے لیے کیا ہونے والا ہے لہٰذا تم اپنے آپ کو پاکباز نہ سمجھ بیٹھو اور نہ اپنے تقویٰ وطہارت کا دعویٰ کرو اور نہ اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کیا کرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی گئی تو آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ یہ شخص غرور اور دھوکہ میں نہ پڑ جائے فرمایا "ویلك قطعت عنق اخیك"۔ افسوس تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ ڈالی بار بار آپ ﷺ یہی فرماتے رہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کی نیکی کی تعریف ہی کرنا چاہتا ہے تو بس یہ کہدے کہ فلاں شخص کو میں ایسا گمان کرتا ہوں اور اصل تو خدا ہی خوب جاننے والا ہے میں خدا کے مقابلہ میں کسی کی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ہوتے ہیں ان کا وصف ان کلمات میں بیان کیا گیا ہے کہ جو کبائر وفواحش سے پرہیز کرنے والے ہیں ان کو خدا کے نزدیک نیکوکار شمار کیا جاسکتا ہے، انسان کو تقویٰ اور محسن ہونے کے مضمون سے یا اجتناب کے مضمون سے "اللمم" کا استثناء فرمادیا جس سے مراد خطا اور نسیان سے چھوٹے گناہوں کا سرزد ہوجانا ہے بعض مرتبہ لاپرواہی اور عدم توجہ بھی کسی معصیت کے صدور کا باعث ہوجاتی ہے محقرات اعمال اور صغائر کو "لمم" کا مصداق بالعموم مفسرین فرماتے ہیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا میں "لمم" کے متعلق اس سے قریب تر چیز کوئی چیز نہیں سمجھتا جو ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث میں ذکر فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے حصہ میں زنا کا ایک حصہ رکھ دیا ہے جس کو بہرحال پاتا ہے، آنکھ کا زنا نامحرم کا دیکھنا، زبان کا فحش باتوں کا کرنا ہے اور انسان کا نفس شوق اور آرزو کرتا ہے لیکن فرج اس کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس قسم کے گناہ جو نظر، فحش کلامی، بےحیائی کی بات سننا خیالات بےہودہ کی طرف توجہ کرنا صغائر اور لمم ہیں اسی بناء پر بعض متکلمین کی رائے ہے کہ گناہوں کے جو مقاصد ہیں ان کو کبائر کہا جائے گا اور جو مبادی ہیں وہ صغائر ہیں۔

جیسا کہ آیت سے ﴿اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ﴾ میں ظاہر فرمایا گیا بعض مفسرین ائمہ نے یہ نقل کیا کہ اتفاقی طور پر کسی گناہ کا سرزد ہوجانا لمم ہے عطاء رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حسن بصری رحمہ اللہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ جس گناہ پر انسان تائب ہوگیا وہ لمم ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بروایت ابن جریر رحمہ اللہ مجاہد رحمہ اللہ سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، قانون مغفرت میں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کو اصولیین نے بنیاد سمجھا ہے ﴿وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۞ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ﴾ الخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جو فواحش اور ظلم کی حد میں شمار کئے جائیں اور انکی مغفرت کا قانون یہ ہے کہ انسان نادم وشرمندہ ہوکر معافی مانگے اور ندامت وشرمندگی یہ ہے کہ آئندہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔

کبائر کی معافی توبہ پر موقوف ہے اور صغائر جن کو سیئات کہا جاتا ہے ان کی معافی حسنات کے ذریعہ فرمائی گئی ﴿اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ﴾ علماء متکلمین کے یہاں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ سیئات کی معافی آیا بذریعہ حسنات اجتناب عن الکبائر کی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا مطلقاً نیکیاں انسان کے صغائر کو معاف کردیتی ہیں دونوں قول منقول ہیں امام غزالی رحمہ اللہ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ معمولی گناہ بمنزلہ امراض ہیں اور طاعات وعبادات بمنزلہ علاج اور دوا ہیں اور اجتناب عن الکبائر بمنزلہ پرہیز کے ہے دوا اور علاج کی تاثیر پرہیز کے ساتھ پوری طرح باقی رہتی ہے اور بدپرہیزی کی صورت میں دوا کی تاثیر یا ختم ہوجاتی ہے یا ضعیف ہوجاتی ہے (تفصیل کے لیے مراجعت فرمائیں: احیاء العلوم)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ

بھلا تو نے دیکھا اس کو جس نے منہ پھیر لیا ف۱ اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا ف۲ کیا اس کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے ف۳ کیا

بھلا تو نے دیکھا وہ جس نے منہ پھیرا اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا۔ کیا اس کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے۔ کیا

لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

اس کو خبر نہیں پہنچی اس کی جو ہے ورقوں میں موسیٰ کے اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا اتارا ف۴ کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا ف۵

اس کو خبر نہیں پہنچی؟ جو ہے ورقوں میں موسیٰ کے اور ابراہیم کے، جن نے پورا اتارا، کہ اٹھاتا نہیں اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا،

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا ف۶ اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھلانی ضرور ہے پھر اس کو بدلہ ملنا ہے اس کا پورا

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھائی ہے، پھر اس کو بدلہ دینا ہے اس کا پورا

الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾

بدلہ ف۷ اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے ف۸ اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور جلاتا

بدلہ۔ اور یہ کہ تیرے رب تک پہنچنا اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا، اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور جلاتا

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ

اور یہ کہ اس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ ف۹ ایک بوند سے جب ٹپکائی جائے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے

اور یہ کہ اس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ، ایک بوند سے جب ٹپکائے، اور یہ کہ اس پر لازم ہے

ف۱ یعنی اپنی اصل کو بھول کر خالق و مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا پھر اس کا دل سخت ہو گیا" مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے۔ ایک کافر نے کہا کہ ایسا مت کر میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا۔ بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں "وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى" کے معنی یہ ہوں گے کہ کچھ مال دیا، پھر ہاتھ کھینچ لیا۔

ف۳ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔

ف۴ یعنی ابراہیم علیہ السلام اپنے قول و قرار اور عہد و پیمان کی پابندی میں پورا اترا اور اللہ کے حقوق پوری طرح ادا کیے اور اس کے احکام کی تعمیل میں ذرہ بھر تقصیر نہ کی۔

ف۵ یعنی موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی بذات خود کرنا ہوگی۔

ف۶ یعنی آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہی اس کا ہے۔ کسی دوسرے کی نیکیاں لے اڑے یہ نہیں ہو سکتا۔ باقی کوئی خود اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کو منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل حدیث و فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

ف۷ یعنی ہر ایک کی سعی و کوشش اس کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ اور اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

ف۸ یعنی تمام علوم و افکار اور سلسلہ وجود کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے اور سب کو آخرکار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔

ف۹ یعنی اس عالم میں تمام متضاد و متقابل احوال اسی نے پیدا کیے ہیں۔ خیر و شر کا خالق وہی ہے جو خوشی یا غم کی کیفیات بھیجتا ہنساتا رلاتا، مارتا، جلاتا اور کسی کو نر کسی کو مادہ بناتا اسی کا کام ہے۔

الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا

دوسری دفعہ اٹھانا ف۱ اور یہ کہ اس نے دولت دی اور خزانہ ف۲ اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا ف۳ اور یہ کہ اس نے غارت کیا عاد

دوسرا اٹھانا، اور یہ کہ اس نے دولت دی اور پونجی، اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا، اور یہ کہ اس نے کھپا دیئے عاد

الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾

پہلے کو ف۴ اور ثمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نوح کی قوم کو پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم اور شریر ف۵

اگلے، اور ثمود پھر باقی نہ چھوڑا۔ اور نوح کی قوم اس سے پہلے۔ وہ تو تھے اور بھی ظالم اور شریر۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ

اور الٹی بستی کو پٹک دیا پھر آ پڑا اس پر جو کچھ کہ آ پڑا ف۶ اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے گا ف۷ یہ ایک ڈر سنانے والا ہے

اور الٹی بستی کو پٹکا، پھر اس پر چھایا جو چھایا۔ اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے گا؟ یہ ایک ڈر سنانے والا ہے

مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا

پہلے سنانے والوں میں کا ف۸ آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوا کھول کر دکھانے والا ف۹ کیا تم کو اس

پہلے سنانے والوں میں کا۔ آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوا کھول دکھانے والا۔ کیا تم اس

الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ

بات سے تعجب ہوتا ہے اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو ف۱۰ سو سجدہ کرو اللہ کے آگے

بات سے اچنبھا کرتے ہو؟ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں، اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔ سو سجدہ کرو اللہ کے آگے

ف۱ یعنی جس نے ایک قطرۂ آب سے نر و مادہ پیدا کر دیے، دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (یہ درمیان میں ایک پیدائش سے دوسری پیدائش پر متنبہ کر دیا)

ف۲ یعنی مال، خزانہ، جائیداد یں سب اسی کی دی ہوئی ہیں اور بعض نے "اَقْنٰی" کے معنی "اَفْقَرَ" کیے ہیں۔ یعنی اسی نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنا دیا۔ یہ معنی پہلے سیاق کے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ متقابل چیزوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اگر پہلا مطلب لیا جائے تو اس کے مقابل اہلاک کو رکھا جائے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یعنی خزانے اور مال و دولت دے کر وہی بڑھاتا ہے اور وہ ہی بڑی بڑی دولتمند اور طاقتور قوموں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

ف۳ "شعریٰ" ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ "شعریٰ" کا رب بھی اللہ ہے۔ دنیا کی تمام الٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ "شعریٰ" غریب بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے۔ اس میں مستقل تاثیر کچھ بھی نہیں۔

ف۴ یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم۔

ف۵ کہ سینکڑوں برس تک خدا کے پیغمبر نوح علیہ السلام کو سخت ترین ایذائیں پہنچاتے رہے۔ جن کو پڑھ کر کلیجہ پھٹتا ہے، اور آنے والوں کے لیے بری راہ ڈال گئے۔

ف۶ یعنی پتھروں کا مینہ (یہ قوم لوط کی بستیوں کا ذکر ہے)

ف۷ یعنی ایسے مفسد ظالموں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر بھی انسان اپنے رب کو جھٹلاتا ہی رہے گا۔

ف۸ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسے ان سے پیشتر دوسرے نبی ڈرا چکے ہیں۔

ف۹ یعنی قیامت قریب ہی آ لگی ہے، جس کا ٹھیک وقت اللہ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا۔ اور جب وقت معین آ جائے تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی۔ =

ع

وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

اور بندگی ف ا

اور بندگی۔

خصائص اوصاف سعادت وشقاوت وقانون جزاء اعمال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ... الى ... فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہ کے عظمت وجلال کا بیان تھا اور اس ضمن میں خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں کا ذکر تھا تو اب بعض ایسے شقی اور بد بخت انسانوں کا ذکر ہے کہ انکی شقاوت دنیا کے واسطے سامان عبرت ہے اور اسی کے ساتھ اعمال کی جزاء وسزا کا معیار بیان فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ انسانی کوشش بہر حال اپنے ثمرات ظاہر کر کے رہتی ہے تو ارشاد فرمایا:

بھلا آپ ﷺ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے دین حق سے روگردانی کی اور تھوڑا سا دیا اور پھر سخت دل ہو گیا (ا) اور جو کچھ دے رہا تھا وہ بند کر دیا جیسے کہ بعض مفسرین کے بیان کے مطابق ولید بن مغیرہ جو کچھ تھوڑا بہت اسلام کی طرف مائل ہونے لگا تھا مشرکین نے اس کو ملامت کی کہ تو یہ کیا کر رہا ہے اس نے کہا کہ اگر قیامت آ گئی جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو پھر وہاں کا عذاب کس طرح برداشت کروں گا اس سے ڈر لگتا ہے اس پر ایک متعصب قسم کے مشرک (جس کا نام عاتیہ تھا) نے کہا کہ اگر وہاں عذاب کی نوبت آئی تو میں اس کا ضامن ہوں اور وہ عذاب تیرے بجائے میں اٹھالوں گا بشرطیکہ تو مجھے اتنا اتنا مال دے دے ولید نے اس کی بات مان لی اور جو کچھ میلان ہوا تھا پھر اس سے روگردانی کر لی اور کچھ مال دیا مگر بعد میں مال دینا بند کر دیا، یا سخت دل ہو گیا کہ مشرکین مکہ کے کہنے سننے سے دل میں اسلام لانے کے لئے جو نرمی پیدا ہوئی تھی وہ پھر بدستور کفر شقاوت اور قساوت میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا تھا پھر سخت ہو گیا اس کا دل، کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ قیامت آنے پر جب عذاب ہوگا تو کوئی دوسرا شخص وہ عذاب میرے بجائے

= اللہ ہی چاہے تو ہٹے، مگر وہ چاہے کا نہیں۔

ف ا یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہیے تھا خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے برخلاف تعجب کرتے اور ہنستے ہو۔ اور غافل و بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو۔

ف ا یعنی غافل کو زیبا نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت وفہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے۔ بلکہ لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے۔ اور مطیع ومنقاد ہو کر جبین نیاز خداوند قہر کے سامنے جھکا دے۔

(تنبیہ) روایات میں ہے سورۂ نجم پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام مسلمان اور مشرک جو حاضر تھے سجدہ میں گر پڑے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ "اس وقت سب کو ایک غاشیۃ الٰہیہ نے گھیر لیا تھا گویا ایک غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً وکرہاً سب کو سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بد بخت جس کے دل پر سخت مہر تھی اس نے سجدہ نہ کیا مگر زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس نے بھی پیشانی کو لگائی اور کہا مجھے اسی قدر کافی ہے۔"

(تم سورة النجم ولله الحمد والمنة)

● اکدی۔ کدیۃ۔ سے ماخوذ ہے پتھر کی سخت چٹان کو کہتے ہیں، محاورات میں ہے اکدی حافر البئر یعنی کنواں کھودنے والے نے زمین کی سختی یا پتھر آ جانے کی وجہ سے کھدائی بند کر دی۔

اٹھالے گا اور مجھ کو اس سے سبکدوش کردے گا کیا اس کو خبر نہیں پہنچی ان باتوں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے اور نیز اس خلیل ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں جس نے اللہ کے ہر حکم کو پورا کیا تورات اور تورات کے علاوہ دیئے گئے موسیٰ علیہ السلام کو کچھ صحیفے اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں مضامین مذکور ہیں انکی خبر ولید کو نہیں پہنچی حالانکہ وہ قرآن اور نبی کریم ﷺ سے پہلے نازل ہوچکے ہیں اور انکی باتیں لوگوں میں معروف ہیں اور خدا کے سارے پیغمبر بنیادی باتوں توحید، آخرت، جنت و جہنم، جزاء وسزا جیسے امور میں متفق ہیں توان سب صحیفوں میں یہ بات کھول کر بیان کردی گئی ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے گناہ گار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا تو جب یہ بات ان اولوالعزم پیغمبروں کے صحیفوں میں موجود ہے پھر اس قسم کا معاملہ اس نے کیوں کرلیا اور ان صحیفوں میں تو یہ بھی ہے کہ ہر انسان کے واسطے وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا اور یہ کہ عنقریب اس کی سعی وکوشش دیکھی جائے گی اور کسی کو جدوجہد اور عملی کوشش ضائع نہیں ہوتی خواہ خیر ہو یا شر پھر اس کو اسکی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بہرکیف انسان کو کوشش کا ثمرہ اور نتیجہ مل کر ہی رہتا ہے یہ نہیں کہ وہ نہ ملے اور ثمرات اعمال اس پر مرتب نہ ہوں۔

فلاسفہ اور معتزلہ نے ﴿اِلَّا مَا سَعٰی﴾ کا قصر انسان کے استحقاق کے لئے سمجھا حالانکہ مدلول آیت سعی کا حصول للانسان ہے یعنی سعی انسانی کا قصر فی الحصول ہے کہ سعی حاصل ہوکر ہی رہتی ہے یہ مراد نہیں کہ انسان کو بس اس کی سعی کا ہی صلہ ملتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آرہی ہے۔

اور ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے پروردگار ہی کی طرف ہر چیز کا پہنچنا ہے وہی ذات ہر شے کا منتہیٰ ہے اسی تک ہر ایک آواز پہنچتی ہے، اسی کی طرف ہر ایک عمل پہنچتا ہے اور اسی کی طرف ہر مخلوق کو لوٹ کر جانا ہے وہی مبدأ کائنات ہے اور وہی منتہیٰ بھی ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے کیونکہ ہر غم اور خوشی کا سامان اسی کے اختیار میں ہے اور اسی کے حکم سے انسان پر یہ احوال وواقعات پیش آتے ہیں لہٰذا درحقیقت ہنسانے اور رلانے والی ذات اللہ ہی کی ہے اس وجہ سے انسان کو چاہئے کہ ہر خوشی اور مسرت اللہ رب العزت سے مانگے اور ہر غم ورنج میں اپنے پروردگار ہی کو پکارے اور یہ کہ وہی موت دیتا ہے اور وہی حیات وزندگی دیتا ہے اور موت وحیات کا وہی خالق اور مالک ہے اور اسی نے جوڑا پیدا کیا دونوں قسموں نر و مادہ کا نطفہ کے ایک قطرہ سے جب کہ وہ ڈالا جاتا ہے رحم میں جب حق تعالیٰ کی شان خالقیت کا یہ مشاہدہ تمام عالم میں ہے کہ اس نے جوڑے پیدا کیے انسانوں اور حیوانوں میں مذکر ومؤنث اور نر و مادہ اور دنیا کی ہر چیز میں خیر وشر، نفع ونقصان، بلندی وپستی اور نور وظلمت تو جس ذات اعلیٰ واجل کی خالقیت اور قدرت کے یہ سارے کرشمے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اس ذات کے لیے کیا مشکل ہے قیامت میں دوبارہ انسان کو پیدا کردے اس لئے ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ اور اس پر ضروری ہے دوبارہ پیدا کرنا کیونکہ اس نے اس بات کا وعدہ کرلیا ہے اور جب اس کے حکم کے خلاف ایک پتا بھی حرکت نہیں کرسکتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر اللہ کسی پر عذاب نازل فرمائے تو کوئی اس کو بچا کر وہ عذاب خود برداشت کرلے اور یہ کہ وہی ہے جس نے اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا کیا اور رزق دے کر کسی کا محتاج نہیں رکھا اور اسی نے کسی کو مالدار بنایا زمینیں جائیداد، مویشی اور خزائن اموال دیکر الغرض کسی کو بقدر ضرورت دیا اور کسی کو اپنی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ نوازا۔ اور ان صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ وہ پروردگار ہے شعریٰ ستارہ کا بھی جس کی یہ اہل عرب اور مشرکین پرستش کرتے ہیں افسوس کہ

ایک مخلوق کی تو پرستش کرنے لگے لیکن اس کے خالق کو نہ پہچانا۔ ❶ اور یہ کہ اس نے عاد اولیٰ یعنی عاد قدیم کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کی قوم کو بھی سو ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا اور قوم نوح کو بھی جو ان سے پہلی تھی بے شک یہ سب بڑے ہی ظالم اور سرکش تھے اور لوط کی الٹی ہوئی بستیاں بھی جن کو اسی پروردگار نے اکھاڑ پھینکا پھر ان بستیوں کو ڈھانک لیا جس کسی بھی ہیبت ناک چیز نے ڈھانک لیا تھا جس کی ہیبت وعظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا یہ سابقہ قومیں کیسی طاقت ور قومیں تھیں اسباب اور وسائل کی کوئی کمی نہ تھی مکانات اور محفوظ پتھروں کے تراشے ہوئے قلعے تھے لیکن ان قوموں کی مادی طاقت اور وسائل کی کثرت انکو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی، ظالموں اور سرکشوں کی تباہی خداوند عالم کا ایک عظیم انعام ہے تو اے مخاطب تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت میں شک کرتا رہے گا اور ان واقعات کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے گا ان عبرت ناک واقعات کو سن کر تو چاہئے کہ ولید اور اس کے ساتھی اور قریش مکہ ایمان لے آئیں تو اہل مکہ سن لو یہ محمد ﷺ بھی ڈرانے والے ہیں۔ عذاب خداوندی سے پہلے ڈرانے والوں کی طرح امم سابقہ کو وہ انبیاء علیہم السلام ڈراتے رہے اسی طرح یہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ بھی ہیں ان پر ایمان لانے میں کسی طرح تامل نہ کرنا چاہئے اب تاخیر کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ پاک کے آخری نبی ہیں اور قریب آ چکی ہے قریب آنے والی چیز یعنی قیامت جس کو کوئی اٹھانے والا نہیں اللہ کے سوا یعنی قیامت کے آ چکنے کے بعد کسی کی یہ طاقت نہیں کہ اس کو ٹلا سکے قیامت تو کیا درخت سے گرنے والے پتہ کو بھی کسی کی مجال نہیں کہ گرنے سے روک دے پھر بھی کیا تم اس بات اور قیامت کے آنے پر تعجب کر رہے ہو اور اس کو اچنبھا سمجھ رہے ہو اور تم ہنستے ہو اور ان باتوں کو پیغمبر کی زبان سے جب سنتے ہو تو مذاق اڑانے لگتے ہو اور تم روتے نہیں حالانکہ خدا کے عذاب اور امم سابقہ کی ہلاکت وتباہی کے واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے تو تمہیں اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہئے اور اپنی بدنصیبی پر رونا چاہئے اور تم اسی طرح غافل ومتکبر بنے ہوئے ہو قرآن اور اللہ کے پیغامات نہ ہنسی کھیل کی چیز ہیں۔ نہ ہی ان سے غفلت واعراض بے رخی اور تکبر کرنا چاہیئے یہ حرکات تباہی اور بربادی کا باعث ہیں بس اب تو اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاؤ اور اسی کی عبادت کرو۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس حکم خداوندی کی تعمیل میں فوراً سربسجود ہو گئے اور اس مجلس میں جتنے مسلمان تھے وہ بھی سجدہ میں گر پڑے اور اس مجلس میں کچھ انوار وتجلیات کا نزول ہوا کہ جو یہاں موجود مشرکین تھے وہ بھی مبہوت ہو کر بدحواسی کے عالم میں سجدہ میں گر پڑے البتہ ایک بوڑھا امیہ بن خلف جو شرک وکفر میں ایک مضبوط چٹان کی طرح تھا اس کو بظاہر یہ غاشیہ غیبیہ اور انوار وتجلیات متاثر نہ کر سکے اور وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا اور ایک مٹھی پر مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگائی اور کہنے لگا کہ بس مجھے تو یہ کافی ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، یہی وہ واقعہ تھا سورۃ النجم کی تلاوت پر سجدہ کرنے کا جس کو صحیحین میں بیان کیا کہ۔ سجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسجد من معہ من المسلمین والمشرکین الخ۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت وہاں جو بھی مسلمان تھے اور مشرک سب سربسجود ہو گئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قرآن کریم میں یہ سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔

❶ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "شعری" ایک بہت بڑا تارا ہے اس کو بعضے عرب پوجا کرتے تھے۔ ۱۲

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو صلوٰۃ الکسوف یعنی سورج گہن کی نماز میں جنت وجہنم کے مناظر پیش کیے گئے اور آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! خداوند عالم بڑا ہی غیور ہے اور اسی وجہ سے اس نے فواحش اور بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے مراد یہ تھی کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے شخص کو اس بات سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ وہ خداوند عالم کی غیرت کو پامال کر کے خدا کے قہر وغضب کو دعوت دے رہا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے انجام سے بےفکر نہ ہونا چاہئے۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر تم وہ بات جان لو جو مجھے معلوم ہے تو تم لوگ ہنسنا بھول جاؤ گے اور کثرت سے رویا کرو گے اور حتیٰ کہ تمہیں اپنے بستروں پر چین نہ آئے گا اور تم جنگلوں میں نکل جاؤ گے دین اور دین کی باتوں پر مذاق وتمسخر انتہائی بدنصیبی ہے اگر حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا ادنیٰ درجہ میں بھی کسی کو اندازہ ہو جائے تو پھر اس کی تو یہ کیفیت ہو جائے گی کہ زندگی کے ہر عیش وراحت ہی کو بھول جائے گا۔

ان آیات کی تفسیر اس شان نزول سے قطع نظر کرتے ہوئے عمومی طور سے یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اس موقع پر حق تعالیٰ شانہ نے ہر اس شخص کی مذمت فرمائی جو ابتداء میں دین کی طرف راغب ہوا مانوس ہوا اور کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگا مگر پھر دل سخت ہو گیا اس کو چھوڑ بیٹھا اور بخل کرنے لگا تو اس کے حق میں فرمایا گیا کہ بھلا ایسا شخص بھی آپ ﷺ نے دیکھا ہے کہ جو پہلے بے رخی اور روگردانی کرتا ہو پھر وہ کچھ نرم دل ہو کر تھوڑا بہت اللہ کے لئے خرچ کرے مگر پھر سخت دل ہو جائے اور اس سلسلہ کو بند کر دے تو کیا اس کو غیب کی خبر ہو گئی ہے کہ اگر زائد خرچ کروں گا تو میں مفلس ہو جاؤں گا اور میرے پاس کچھ باقی نہ بچے گا تو کیا وہ قضاء وقدر کے معاملات دیکھ رہا ہے اور اسے نظر آ گیا ہے کہ بس اس کے بعد اس کو کچھ نہ ملے گا پھر اس تخیل کے بعد حقوق اللہ بھی ضائع کر رہا ہے اور حقوق العباد میں بخل کر کے ظلم اور معصیت کا مرتکب ہو رہا ہے کیا اس کو کتب سماویہ اور ان اولوالعزم پیغمبروں کے صحیفوں سے یہ بات معلوم نہیں کہ ہر انسان کو اپنے گناہوں کا قیامت کے روز بوجھ اٹھانا ہے اس غلط خیال میں نہ رہنا چاہئے کہ وہاں کی پیش آنے والی مشقتیں اور مصیبتیں کوئی دوسرا برداشت کرے گا پھر اسی مناسبت کے ساتھ اخیر سورت تک سلسلہ تنبیہ وتہدید کا فرمایا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآنی فیصلہ کہ ہر جدوجہد بارآور ہوتی ہے اور مسئلہ ایصال ثواب

آیت مبارکہ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ کی مراد سیاق وسباق سے متعین ہے کہ انسان کی جو بھی سعی اور کوشش ہے اس کا ثمرہ اور نتیجہ اس پر ضرور مرتب ہوا کرتا ہے اللہ رب العزت نے جس طرح دنیوی نظام میں یہ چیز مقدر فرمادی ہے کہ انسان کی جدوجہد بہر کیف بارآور ہوتی ہے آخرت میں بھی یہی حال انسانوں کے اعمال وافعال کا ہے اس آیت کے ظاہر الفاظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فلاسفہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں جب یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لئے صرف اسی کی سعی ہے اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ مردوں کو زندوں کی طرف سے ایصال ثواب نہیں ہوسکتا زندوں کے اعمال عبادت اور تلاوت سے اموات کو کوئی نفع نہیں تو ایصال ثواب کے منکر ہوئے اہل سنت اور جمہور علماء اس پر

متفق ہیں کہ زندہ کی طرف سے میت کے لئے ایصال ثواب صحیح اور درست ہے آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہے انبیاء کرام ﷺ کے لیے درود وسلام اور مومنین سابقین کے حق میں دعائے مغفرت اپنے والدین اور اولاد کے لئے دعاء صلاح و فلاح یہ سب امور نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں انبیاء وصالحین کی شفاعت بھی ثابت ہے اگر ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ کا یہ مفہوم لیا جائے جس کے معتزلہ قائل ہیں تو یہ سب باتیں لغو اور بیکار ہونگی۔

حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی تصریح کی ہے کہ زندہ کی دعا واستغفار صدقہ وخیرات اور تلاوت قرآن مردوں کو نفع پہنچاتا ہے اور حاملین عرش کا اہل ایمان کے لئے دعا کرنا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

شیخ ابن ہمام ؒ نے فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ مالی خیرات وصدقات اور بدنی خیرات مثل دعا، نماز روزہ، اور تلاوت قرآن سے اموات کو ثواب پہنچتا ہے اور ان چیزوں سے انکو خوشی ہوتی ہے اور دوسروں کی طرف سے قربانی تو خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ماں باپ کی طرف سے صدقہ اور وقف اور حج صحیحین کی روایات میں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت علی ؓ ہمیشہ ایک قربانی آنحضرت ﷺ کی طرف سے کیا کرتے تھے۔

علامہ زبیدی ؒ شرح احیاء میں فرماتے ہیں کہ علماء اہلسنت ایصال ثواب پر متفق ہیں اور معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ اموات کو زندوں کی طرف سے کسی عمل صالح اور خیر کا ثواب نہیں پہنچتا۔

حضرات مفسرین نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں ایک تو وہی مراد جو پہلے ذکر کی گئی معتزلہ کے استدلال کا جواب ہے کسی نے جواب دیا لام تملیک کا ہے یعنی انسان اپنی ہی سعی کا مالک ہوتا ہے نہ کے دوسرے کی سعی کا ہاں اگر اپنی سعی اور عمل کسی اور کو ہدیہ اور ہبہ کردے تو بے شک دوسرا بھی اس سے منتفع ہوسکتا ہے جیسے کہ مال و دولت جس کا انسان مالک ہوتو دوسرے کو ہبہ کردینے سے دوسرا اس سے مستفید ومنتفع ہوجاتا ہے۔

بعضوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے آباء واجداد کے عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے کہ ان کے صلاح وتقویٰ سے میری نجات ہوجائے گی بلکہ اس کو چاہئے کہ خود بھی عمل کرے، ورنہ اگر خود بھی عمل نہ کرے اور آباء واجداد پر امید لگائے بیٹھا رہے گا تو قرآن کریم نے اس زعم فاسد کا رد کردیا ہے اور فرمادیا ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ. لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ. وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾۔

قرآن کریم سے مردوں کے لئے دعا واستغفار ثابت ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾۔

نماز جنازہ بھی دعا ہی ہے اور اس طرح ایصال ثواب ہے بعض کا قول ہے کہ یہ آیت ایمان کے بارے میں ہے کہ مومن کا ایمان اسی کے لیے نافع ہے یہ نہیں کہ کسی دوسرے کافر کو اس سے فائدہ پہنچ جائے۔

بعض حضرات کا حدیث (اذا مات الانسان انقطع عمله کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع

ہوجاتا ہے) سنئے استدلال کرنا درست نہیں اس لیے کہ حدیث کا مدلول تو اس کے مرنے کے بعد اس کے عمل کے انقطاع کو ظاہر کررہا ہے نہ یہ کہ کسی مردے کو زندہ کی طرف سے کوئی ثواب نہیں پہنچ سکتا اور ظاہر ہے کہ ہر دو میں زمین وآسمان کا فرق ہے بہر کیف ان دلائل سے مسئلہ ایصال ثواب ثابت ہے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ النجم۔

سورۃ القمر

اس سورت کا نام القمر ہے اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات عظیمہ میں سے ایک واضح اور روشن معجزہ ہے جس کو قرآن کریم نے دلیل نبوت کے طور پر بیان کرنے کے ساتھ قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آجانے کی علامت بتایا روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ ہم کو کوئی نشانی دکھایئے جس سے ہم سمجھیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ ﷺ چاند کے دو ٹکڑے کردیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے انکے اس وعدہ پر آپ ﷺ نے دعا مانگی یہ چودھویں رات تھی دعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت عظیمہ سے چاند کے دو ٹکڑے کردیئے اور کفار قریش نے بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیا کہ اس کا نصف حصہ صفا پہاڑ پر تھا اور نصف جبل قعیقعان پر اور آپ ﷺ نے انکو فرمایا، دیکھولو اے لوگو! نہ صرف یہ کہ اہل مکہ ہی نے اس کا مشاہدہ کیا بلکہ جو لوگ اطراف وجوانب سے آئے انہوں نے بھی یہی حال بتایا کہ ہم نے فلاں شب چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا اس عظیم الشان معجزہ کے بیان سے سورت کی ابتداء فرمائی گئی جو سید البشر ﷺ کی نبوت ورسالت کا واضح اور روشن ترین ثبوت تھا اس کے بعد ان لوگوں پر وعید وتنبیہ فرمائی گئی جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی اللہ پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوئے۔

پھر اختتام سورت پر اہل شقاوت کی محرومی اور ہلاکت کا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان وتقویٰ کا ذکر فرمایا گیا جیسا کہ قرآن کریم کا طرز بیان ہوتا ہے کہ ترہیب کے مضامین کے بعد ترغیب کے مضامین لائے جائیں تو اس اسلوب عجیب کے مطابق ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ پر سورت ختم فرمائی گئی۔

(۵۴ سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ ۳۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (ایاتہا ۵۵ رکوعاتہا ۳)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②

پاس آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند ف۱ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا ف۲

پاس آ لگی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی ٹال دیں، اور کہیں کہ یہ جادو ہے چلا آتا۔

ف۱ ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "منیٰ" میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی طرف اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔

ف۲ یعنی اس طرح کے جادو مدعیان نبوت نے پہلے بھی کیے ہیں، پھر جس طرح وہ جاتے رہے یہ بھی جاتا رہے گا۔

وَ كَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ

اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھہرا رکھا ہے وقت پر ف۱ اور پہنچ چکے ہیں ان کے پاس احوال جن میں

اور جھٹلایا اور چلے اپنی چاؤں پر، اور ہر کام ٹھہر رہا ہے وقت پر۔ اور پہنچ چکے ہیں ان کو احوال جتنے میں

مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ

ڈانٹ ہوسکتی ہے ف۲ پوری عقل کی بات ہے پھر ان میں کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے ف۳ جس دن پکارے پکارنے والا ایک ناگوار

ڈانٹ ہو سکتی ہے۔ پوری عقل کی بات ہے، پھر کام نہیں کرتے ڈر سناتے۔ سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے، جس دن پکارے پکارنے والا ایک ان دیکھی

نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ

چیز کی طرف ف۴ آنکھیں جھکائے ف۵ نکل پڑے قبروں سے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی دوڑتے جائیں

چیز کو، نویں آنکھیں، نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی بکھر پڑی۔ دوڑتے جائیں

اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

اس پکارنے والے کے پاس ف۶ کہتے جائیں منکر یہ دن مشکل آیا ف۷

پکار پر۔ کہتے منکر یہ دن مشکل آیا۔

اعلان قرب قیامت مع ذکر دلائل قدرت خداوند جلیل و رسالت نبی کریم ﷺ و تہدید و تنبیہ بر اعراض منکرین و مجرمین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ... الی ... هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ سورت کا مضمون جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کا اثبات اور اس کی عظمت شان ظاہر کرتا تھا اب

ف۱ یعنی ان کا عذاب بھی اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔ اور اللہ کے علم میں ان کی گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت سے ٹلنے والی نہیں۔

ف۲ یعنی قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرائے جا چکے ہیں جن میں اگر غور کریں تو خداوند قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔

ف۳ یعنی قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے کوئی ذرا نیک نیتی سے توجہ کرے تو دل میں اترتی چلی جائیں مگر افسوس اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں اس پر کچھ اثر نہیں کوئی نصیحت و فہمائش وہاں کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ پتھر پر جونک نہیں لگتی۔ لہذا ایسے سنگدل بدبختوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی منہ نہ لگائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ و دعوت باحسن اسلوب ادا کر چکے۔ اب زیادہ تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو ان کے ٹھکانے کی طرف چلنے دیں۔

ف۴ یعنی میدان حشر کی طرف حساب دینے کو۔

ف۵ یعنی اس وقت خوف و ہیبت کے مارے ذلت و ندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے۔

ف۶ یعنی تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑیں گے۔ اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری دینے کے لیے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوں گے۔

ف۷ یعنی اس دن کے ہولناک احوال و شدائد اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے آج کیا گزرے گی آگے بتلاتے ہیں کہ قیامت اور آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر آئے گا بہت سے مکذبین کیلئے اس سے پہلے دنیا ہی میں ایک سخت دن آ چکا ہے۔

اس سورۃ قمر میں آپ ﷺ کی نبوت کی دلائل قاطعہ اور براہین واضحہ بیان کیے جارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ دلائل ومعجزات میں شق قمر کا واقعہ ایک طرف اللہ کی قدرت کی عظیم ترین نشانی ہے تو دوسری جانب رسول اللہ ﷺ کی رسالت ثابت کرنے کے لئے ایک ایسی دلیل ہے جس کا کوئی صاحب عقل انسان انکار نہیں کرسکتا اور حتیٰ کہ وہ ایک تاریخی حقیقت بن گئی جس میں کسی طرح تردد اور تامل کا امکان نہ رہا، تو ارشاد فرمایا۔

قریب آگئی ہے قیامت اور دو ٹکڑے ہوگیا چاند جب کہ مقام منیٰ میں کفار مکہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں کوئی نشانی دکھائیں اور اس چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ ﷺ کے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے چاند پھٹ گیا اور اس کے ٹکڑے ہوگئے ایک مغرب کی سمت نظر آرہا تھا اور دوسرا مشرق کی طرف ایسی عظیم الشان دلیل اور معجزہ ظاہر ہونے پر چاہیئے تھا کہ فوراً ایمان لے آتے مگر حالت یہ ہوئی کہ اور اگر دیکھ لیں کوئی نشانی تو بے رخی کریں اور اس کو تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہ ہوں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے تو اسی طرح اس وقت بھی انہوں نے کہا کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ہمیں نظر آیا اور جھٹلایا ان لوگوں نے خدا کے اس معجزہ کو اور پیغمبر کی نشانی کو اور پیروی کی اپنی خواہشات کی ان کا یہ جرم تو اس بات کا موجب تھا کہ اس وقت عذاب خداوندی سے ہلاک کر دیئے جاتے مگر انکو مہلت دی گئی اور ہر کام اللہ کی طرف سے ایک وقت مقرر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے اسی وقت عذاب وقہر کی کیا ضرورت تھی عبرت ونصیحت کے واسطے تو یہ بھی بہت کافی ہے اور بے شک ان کے پاس بہت سے واقعات واحوال آچکے ہیں جن میں بہت کچھ نصیحت وتنبیہ ہے یہ قرآن کریم اللہ کی وحی ہے ایک ایسی حکمت ودانائی کی بات ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ہے اور ہدایت ومعرفت کی انتہا تک پہنچ جانے والی ہے تو پھر اس کے بعد کیا کام دیں گی ڈرانے والی چیزیں [1] ایسے سخت دل لوگ جن پر نہ کوئی نصیحت کام دے اور نہ تنبیہ وتہدید سے کوئی اثر ہو اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے تو بس آپ ﷺ روگردانی کر لیجئے ان سے۔ ایسے بدبختوں سے اب کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ ہدایت قبول کریں گے بس انتظار کیجئے اس دن کا جس میں پکارنے والا پکارے گا ایک نہایت ہی ناگوار چیز کی طرف وہ میدان حشر میں حساب کے واسطے پکارا جانا ہوگا جو ہر کافر ومجرم کے واسطے شدید ناگوار چیز ہے حالت یہ ہوگی انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی قبروں سے نکلتے ہوں گے اس طرح کہ گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیوں کا غول ہیں دوڑتے ہوں گے اپنی گردنوں کو دراز کیے ہوئے پکارنے والے کی جانب یہ ایسا منظر ہوگا کہ ہر کافر کہتا ہوگا کہ یہ دن تو بہت سخت ہے ظاہر ہے کہ بارگاہ خداوندی کی حاضری اور حساب کے لیے پیشی کافر کے لیے کوئی آسان کام نہیں یہ شدت اور ہیبت تو اس کے واسطے ہر آنے والے عذاب سے زیادہ شدید ہوگی، لیکن جس کسی کا حساب پاک وصاف ہو اس کو اعلان حساب اور پیشی کی کوئی فکر نہیں ہوتی اسی طرح اہل ایمان وتقویٰ بےفکر اور مطمئن ہوں گے اور بڑے ہی انبساط وخوشی سے میزان اعمال کی طرف جاتے ہوں گے حتیٰ کہ ان پر یوم الحساب کی پیشی کسی فرض نماز کی رکعت کے قیام سے زیادہ دشوار

---

[1] یہ ترجمہ ان مفسرین کی رائے کے مطابق ہے جنہوں نے اس جگہ لفظ "ما" کو استفہامیہ لیا ہے اور اگر "ما" نافیہ ہو تو پھر ترجمہ اس طرح ہوگا، "بس نہیں کام دیتیں انکو ڈرانے والی چیزیں"۔ اور ایسے عبرت ناک واقعات سے انکو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ۱۲

محسوس نہ ہوگی جب کہ کافروں اور مجرموں کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے اور ہر کوئی پسینہ میں غرق ہوگا کسی کے منہ تک اور کسی کے سینہ تک اور کسی کے گھٹنوں اور پاؤں تک پہنچا ہوگا۔

(کما ورد فی الاحادیث)

مشاہدہ اور تواتر سے معجزہ شق القمر کا ثبوت

معجزہ شق القمر کا وقوع قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور علاوہ ازیں تاریخی نقول سے اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہے ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام خداوندی، احادیث رسول اللہ ﷺ اور مشاہدہ سے ہو چکا ہو اس کا انکار یا اس کی تاویل خلاف عقل ہے اس پر بلاتردد ایمان لانا لازم ہے جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت وجہنم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن کریم کی ہر بیان کردہ چیز پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا اگر قرآنی تصریحات اور قطعیات میں تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر نہ تو ایمان بالآخرۃ رہے گا اور نہ جنت وجہنم کی حقیقت کا کوئی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے جس قرآن حکیم نے ہم کو قیامت جیسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی اور ہمارا اس پر ایمان ہے تو اسی قرآن نے ہمیں شق القمر کے واقعہ کی بھی خبر دی تو جب قیامت پر ایمان ہے تو پھر شق قمر جو قیامت سے زیادہ کوئی عجیب یا عظیم شے نہیں اس پر ایمان لانے میں کیا تامل کیا جا سکتا ہے امام طحاوی رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ دلائل قویہ سے ثابت ہے۔

فلاسفہ اور ملحدین نے شق القمر کو محال قرار دیتے ہوئے انکار کیا اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز پیش آنے والے شق قمر کا ذکر ہے کہ جب قیامت آئے گی اس وقت چاند پھٹ جائے گا۔

فلاسفہ اور ملحدین کا شق قمر کو محال قرار دینا خود خلاف عقل ہے یہ ایک محض دعویٰ ہے جس پر ان کے پاس کوئی ثبوت اور برہان قطعی نہیں اولاً تو یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ چاند ہو یا سورج اور کوئی ستارہ وسیارہ یہ سب اجسام ہیں اور دلیل عقلی سے یہ بات لازم ہے کہ ہر جسم کا اجزاء کی طرف منقسم ہونا اور پھر اس کے اجزاء کو جوڑ کر جسم مستنیر بنایا ہے وہ انکو تقسیم کرنے اور ٹکڑے کرنے پر قادر ہے حکماء کے نزدیک جسم متصل کا منفصل اور منفصل کا متصل ہونا ممکنات میں سے ہے اس دلیل سے جہاں شق قمر کا ثبوت مل رہا ہے اسی کے ساتھ وقوف شمس اور رد شمس کا معجزہ بھی ثابت ہوتا ہے اور اس پر بھی فلسفیانہ قسم کا کوئی اشکال نہیں رہتا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ ''جبارین'' سے جہاد کر رہے تھے بحکم خداوندی آفتاب ٹھہر گیا یہاں تک کہ جس روز اللہ کا پیغمبر فتح کا مامور تھا فتح واقع ہوگئی اسی طرح آنحضرت ﷺ کے معجزات میں رد شمس کا واقعہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد واپس ہوگیا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہو جانا یا آفتاب کا ٹھہر جانا اور لوٹ جانا فی نفسہٖ عظیم الشان امر ہے اور امر معتاد بھی یہ نہیں ہے لیکن عقلاً اس کو تسلیم کرنے میں کوئی وجہ تامل نہیں کیونکہ آفتاب وماہتاب کی حرکت طلوعی اور غروبی سب اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہے تو محرک اصل اللہ رب

العزت ہے وہ جب چاہے ان اجرام کی حرکت کو روک دے اجرام علویہ ہوں یا اجرام سفلیہ، آسمان ہو، یا زمین، بر و بحر سب کی حرکت و سکون اسی کے قبضہ قدرت میں ہے زمین کو متحرک مانو یا آسمان کو بہرکیف اس امر پر مجبور ہونا پڑے گا کہ ہر شئی اور اس کی حرکت خدا کے ہاتھ میں ہے الغرض جو چیز وحی الٰہی، اخبار متواترہ، نیز مشاہدہ سے ثابت ہو اس کا انکار یا اس میں تردد خلاف عقل ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کوئی نشانی دکھائیں، تاکہ ہم آپ ﷺ کی نبوت مان لیں اس پر آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے ان سے فرمایا دیکھو لو گواہ رہو اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ شق قمر پر قریش کے لوگ کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے تو ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے اس کو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ اگر ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ سب کی آنکھوں پر جادو کر دیں اس کے بعد ان لوگوں نے مکہ سے باہر سے آنے آ والے قافلوں سے پوچھنا شروع کیا تو ہر قافلہ یہ بتاتا کہ ہاں ہم نے بھی یہ عجیب واقعہ دیکھا ہے، الغرض یہ احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کا واضح بیان بھی بتا رہا ہے کہ شق قمر کا واقعہ حقیقتاً ہو چکا ہے۔

آیت مبارکہ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تفسیر روح المعانی ● میں یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال قبل ایک مرتبہ کچھ مشرکین مکہ جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے جن میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب، ربیعہ بن الاسود، نضر بن حارث وغیرہ وغیرہ بھی تھے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو اپنی نبوت کا کوئی خاص نشان دکھلائیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کے کر دکھلاؤ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کیے ہوئے تھا آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے لوگوں نے کہا ہاں ہم ایمان لے آئیں گے حضور ﷺ نے حق جل شانہ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل ابی قعیقعان پر تھا دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑوں سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے اور حضور ﷺ اس وقت یہ فرما رہے تھے، اشھدوا، اشھدوا۔ اے لوگو! گواہ رہو اے لوگو گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا، مشرکین مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ نے تم پر جادو کر دیا ہے بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد ﷺ تمام لوگوں پر جادو کر دیں اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد ﷺ نے تم پر سحر کیا ہے چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے یعنی عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا اس پر یہاں آیت نازل ہوئی ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②﴾۔

● روح المعانی ج ۲۷۔

جیسا کہ بیان کیا گیا معجزہ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اسانید صحیحہ اور جیدہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف وخلف کے خلاف ہے قابل اعتبار نہیں اور اس صورت میں آگے کا مضمون ﴿وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا﴾ بے معنی ہو جائے گا اس لئے کہ قیامت کے واقع ہونے پر تو کسی کے اعراض اور بے رخی کا امکان ہی نہیں رہتا، واقعہ شق القمر کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے وہ البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر: ۳/ ۱۱۸۔ ۱۲۰ اور فتح الباری: ۷/ ۱۳۸ باب انشقاق القمر سے لی ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

مخالفین اسلام کا معجزہ شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب

مخالفین اسلام اس معجزہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون وفساد محال نہیں خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر، شجر اور حجر سب برابر ہیں جس خدا نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے بہر حال اس قسم کی خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں ہاں مستبعد اور مستغرب ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے جو لوگ محض استبعاد کی بناء پر محال قرار دیتے ہیں انکو محال اور مستبعد کا فرق بھی معلوم نہیں رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزارہا ایسے عجیب وغریب واقعات ہیں جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں انکا ذکر نہیں تورات اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے جو صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی عموماً لوگ سوئے ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بھی ہوں تو عادۃً یہ ضروری نہیں ہے کہ سب لوگ آسمان کی طرف نظریں اٹھائے تک رہے ہوں اور زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی پر کوئی فرق چاند کے ٹکڑے ہونے سے نہیں آ سکتا بارہا چاند گہن لوگوں کو نظر نہیں آتا بایں ہمہ تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار کے اسلام کا سبب مؤرخین اسی واقعہ کو کہتے ہیں اگر عام تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور نہیں تو اس سے اس واقعہ کی تکذیب کیسے ہو سکتی ہے یوں تو عام تاریخوں میں قوم عاد وثمود کے بھی واقعات نہیں ملتے نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا اور تمام عالم کو تو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا نیز کسی شئ کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی پھر یہ کہ اس زمانہ میں رصدگاہیں نہیں تھیں کہ پہلے سے بذریعہ اخبار اطلاع ہوتی۔

معجزہ ردشمس

حضور اکرم ﷺ کے مشہور معجزات میں سے معجزہ ردشمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ خیبر کے قریب مقام صہباء میں تھے اور سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی، عرض کیا نہیں حضور ﷺ اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی رضی اللہ عنہ تیرے رسول کی اطاعت میں تھا آفتاب کو واپس بھیج دیں تا کہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پڑیں امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں ابن جوزی رحمہ اللہ اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کا نام "کشف اللبس عن حدیث رد شمس"۔ رکھا جس میں حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام فرمایا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا ہے، نسیم الریاض شرح شفاء قاضی: ۳/۱۰۔ ۱۳، زرقانی: ۵/۱۱۳۔ ۱۱۶ ملاحظہ فرمائیں۔

معجزہ حبس شمس

بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے لیے تھوڑی دیر کے واسطے آفتاب کی حرکت روک دی گئی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں زرقانی: ۵/۱۱۸ و نسیم الریاض: ۳/۱۴ و شرح شفاء للعلامۃ القاری: ۱/۵۹۱۔

چونکہ شق قمر اور ردشمس اور حبس شمس یہ تینوں معجزے متقارب تھے اس لئے ہم نے انکو بھی شق قمر کے سلسلہ میں ذکر کر دیا یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں واقع ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے جب معراج سے واپسی پر قریش کے سامنے اسراء و معراج کی کیفیت بیان کی تو قریش نے بیت المقدس کی علامتیں دریافت کیں اور آپ ﷺ سے ایک قافلہ کا حال پوچھا جو بغرض تجارت شام کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کب واپس آئے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قافلہ بدھ کے روز مکہ میں داخل ہوگا جب بدھ کا دن اخیر ہونے لگا تو کفار نے شور مچایا اس وقت آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو اسی جگہ ٹھہرا دیا جہاں تھا یہاں تک کہ قافلہ آ گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپکی تصدیق ظاہر فرمائی۔ ●

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي

جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندہ کو اور بولے دیوانہ ہے اور جھڑک لیا اس کو ف۱ پھر پکارا اپنے رب کو

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندے کو اور بولے دیوانہ ہے، اور جھڑک لیا۔ پھر پکارا اپنے رب کو

ف۱ کہنے لگے اے نوح! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو تم کو سنگسار کر دیا جائے گا گویا دھمکیوں ہی میں اس کی بات رلا دی۔ اور بعض نے "وازدجر" کے معنی یوں کیے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے آسیب زدہ۔ جن اس کی عقل لے اڑے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

● ماخوذ از سیرت المصطفیٰ ج اول۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ۔

مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا

کہ میں عاجز ہوگیا ہوں تو بدلہ لے ف۱ پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے پانی ٹوٹ کر برسنے والے سے اور بہا دیئے زمین سے چشمے

کہ میں دب گیا ہوں تو بدلہ لے۔ پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے، ریل سے پانی کے۔ اور بہا دیئے زمین سے چشمے،

فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ⑬ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا

پھر مل گیا سب پانی ایک کام پر جو ٹھہر چکا تھا ف۲ اور ہم نے اس کو سوار کر دیا ایک تختوں اور کیلوں والی پر بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ف۳

پھر مل گیا پانی ایک کام پر جو ٹھہرا رہا تھا، اور سوار کیا اس کو ایک تختوں اور کیلوں والی پر، بہتی ہماری آنکھوں کے سامنے،

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

بدلہ لینے کو اس کی طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی ف۴ اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشانی کے لیے، پھر کوئی ہے سوچنے والا ف۵ پھر کیسا تھا میرا عذاب

بدلہ اس کی طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی، اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشان کر، پھر کوئی ہے سوچنے والا۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب

وَنُذُرِ ⑯ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ

اور میرا کھڑکھڑانا ف۶ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا ف۷ جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا

اور میرا دڑکا؟ اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا؟ جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا

ف۱ یعنی سینکڑوں برس سمجھانے پر بھی جب کوئی نہ پسیجا تو بددعا کی، اور کہا اے پروردگار! میں ان سے عاجز آچکا ہوں۔ ہدایت و فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ اب آپ اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لیجیے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیے۔

ف۲ یعنی پانی اس قدر ٹوٹ کر برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ اتنا پانی ابلا گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لیے اکٹھا ہوگیا۔ جو پہلے سے اللہ کے ہاں ٹھہر چکا۔ یعنی قوم نوح کی ہلاکت اور غرقابی۔

ف۳ یعنی اس ہولناک طوفان کے وقت نوح کی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن و چین سے چلی جارہی تھی۔

ف۴ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا یہ اس کی سزا ملی۔

ف۵ یعنی سوچنے والوں کے لیے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج کشتی کا وجود دنیا میں اس کشتی کے قصہ کو یاد دلانے والا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔ اور بعض نے کہا کہ بعینہ وہی کشتی نوح کے بعد مدت تک رہی۔ "جودی" پہاڑ پر نظر آتی تھی۔ اس امت کے لوگوں نے بھی دیکھی۔ واللہ اعلم۔

ف۶ یعنی دیکھ لیا۔ میرا عذاب کیسا ہولناک اور میرا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔

ف۷ یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور انداز و تبشیر سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف، سہل اور موثر ہیں۔ پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔

(تنبیہ) آیت کا یہ مطلب نہیں قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے جس کے اندر کوئی دقائق و غوامض نہیں۔ اس علیم و خبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذ اللہ اپنے غیر متناہی علوم سے کورا ہو جاتا ہے؟ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہوں گی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے "لا تنقضي عجائبه" (قرآن کے عجائب و اسرار کبھی ختم ہونے والے نہیں) علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق و اسرار کا پتہ لگانے اور ہزار ہا احکام مستنبط کرنے میں عمریں صرف کر دیں تب بھی اس کی آخری تہ تک نہیں پہنچ سکے۔

عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ

میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا ہم نے بھیجی ان پر ہوا تند ایک نحوست کے دن جو چلے گئی ف۱ اکھاڑ مارا

میرا عذاب اور میرا ڈرکا ؟ ہم نے بھیجی ان پر باؤ ٹھری سناٹے کی ایک نحوست کے دن، جو چلی گئی، اکھاڑ مارتی

النَّاسَ ۙ کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا

لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی اکھڑی پڑی ف۲ پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا اور ہم نے آسان کردیا

لوگوں کو، جیسے وہ جڑیں کھجور کی ہیں اکھڑی پڑی۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرکا ؟ اور ہم نے آسان کیا

الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴿۲۲﴾ ع کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا

قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو ف۳ پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا

قرآن سمجھنے کو، پھر ہے کوئی سوچنے والا ؟ جھٹلائے ثمود نے ڈر سناتے پھر کہنے لگے، کیا ایک آدمی ہم ہی میں کا اکیلا

نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ کَذَّابٌ

ہم اس کے کہے پر چلیں گے تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں ف۴ کیا اتری اسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے بڑائی

ہم اس کے کہے پر چلیں گے تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں۔ کیا اتری اسی پر سمجھوتی ہم سب میں سے ؟ کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے بڑائی

اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

مارتا ہے ف۵ اب جان لیں گے کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارنے والا ف۶ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی ان کے جانچنے کے واسطے ف۷

مارتا۔ اب جان لیں گے کل کو، کون ہے جھوٹا بڑائی مارتا۔ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی ان کے جانچنے کو،

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی نحوست نہ اٹھی جب تک تمام نہ ہو چکے۔ اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا، یہ نہیں کہ ہمیشہ کو وہ دن منحوس سمجھ لیے جائیں جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے۔ اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے منحوس بن گیا ہے۔ تو مبارک دن کون سا رہے گا۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا۔ بتلائیے اب ہفتہ کے دنوں میں کون سا دن نحوست سے خالی رہے گا۔

ف۲ "قوم عاد" کے لوگ بڑے تومند اور قد آور تھے، لیکن ہوا کا جھکڑ ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹکتا تھا جیسے کھجور کا تنہ جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔

ف۳ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اور ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اصول دین میں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

ف۴ یعنی کوئی آسمان کا فرشتہ نہیں، بلکہ ہم ہی جیسا ایک آدمی اور وہ بھی اکیلا جس کے ساتھ کوئی قوت اور جتھا نہیں، چاہتا ہے کہ ہمیں دبالے اور سب کو اپنا تابع بنالے یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر ہم اس کے پھندے میں پھنس جائیں تو ہماری بڑی غلطی اور حماقت بلکہ جنون ہوگا۔ وہ تو ہم کو ڈراتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے تابع ہو جائیں تو گویا خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں۔

ف۵ یعنی پیغمبری کے لیے بس یہی رہ گیا تھا؟ سب جھوٹ ہے۔ خواہ مخواہ بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنا دیا۔ اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔

ف۶ یعنی بہت جلد معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

سو انتظار کر ان کا اور سہتا رہ ف۱ اور سنا دے ان کو کہ پانی کا بانٹا ہے ان میں ہر باری پر پہنچنا چاہیے ف۲

سو دیکھتا رہ ان کو اور ٹھہرا رہ اور سنا دے ان کو، کہ پانی بانٹا ہے ان میں ہر باری پر پہنچنا ہے۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

پھر پکارا انہوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا ف۳ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا ہم نے بھیجی ان پر

پھر پکارے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹا۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا دڑکا؟ ہم نے بھیجی ان پر

صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ کانٹوں کی ف۴ اور ہم نے آسان کردیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی

ایک چنگھاڑ، پھر رہ گئے جیسے روندی باڑ کانٹوں کی۔ اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو، پھر ہے کوئی

مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ

سوچنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈر سنانے والوں کو ف۵ ہم نے بھیجی ان پر آندھی پتھر برسانے والی سوائے لوط کے گھر کے،

سوچنے والا؟ جھٹلائے لوط کی قوم نے ڈر سناتے۔ ہم نے بھیجی ان پر باؤ پتھراؤ کی سوا لوط کے گھر کے

نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ

ان کو ہم نے بچا دیا پچھلی رات سے، فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حق مانے ف۶ اور وہ ڈرا چکا تھا ان کو

ان کو بچا دیا ہم نے پچھلی رات سے فضل سے اپنی طرف کے۔ ہم یوں بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حق مانے۔ اور وہ ڈرا چکا ان کو

بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا

ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو ف۷ اور اس سے لینے لگے اس کے مہمانوں کو پس ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں اب چکھو

ہماری پکڑ سے، پھر لگے مکرانے ڈرکا اور اس سے لینے لگے اس کے مہمان، پھر ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں اب چکھو

= ف۷ یعنی ان کی فرمائش کے موافق ہم پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے۔

ف۱ یعنی دیکھتا رہ، کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "وہ اونٹنی جس پانی پر جاتی سب جانور بھاگتے، تو اللہ نے باری ٹھہرا دی۔ ایک دن وہ جائے، اور ایک دن سب جانور۔"

ف۳ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ایک بدکار عورت تھی اس کے مویشی بہت تھے اپنے ایک آشنا کو اکسا دیا۔ اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

ف۴ فرشتے نے ایک چیخ ماری، کلیجے پھٹ گئے۔ اور سب چورا ہو کر رہ گئے۔ جیسے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں۔ اور چند روز کے بعد پائمال ہو کر اس کا چورا ہو جاتا ہے۔

ف۵ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب ہے۔

ف۶ یعنی وہ پچھلی رات میں اپنے گھر والوں کو لے کر صاف نکل گئے۔ ان کو ہم نے عذاب کی ذرا بھی آنچ نہ لگنے دی۔ اور یہ ہی ہماری عادت ہے۔ حق شناس اور =

عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدۡ صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾

میرا عذاب اور میرا ڈرانا ف۱ اور پڑا ان پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہر چکا تھا اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا ف۲

میرا عذاب اور میرا ڈرکا۔ اور پڑا ان پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہر رہا تھا۔ اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرکا۔

ع ۱۸ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾

اور ہم نے آسان کردیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا اور پہنچے فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے ف۳

اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو، پھر ہے کوئی سوچنے والا ؟ اور پہنچے فرعون والوں پاس ڈرکے۔

كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذۡنٰهُمۡ اَخۡذَ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

جھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے ان کو پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر ف۴

جھٹلائیں ہماری نشانیاں ساری، پھر پکڑی ہم نے ان کو پکڑ زبردست کی، قابو میں لے کر۔

تاریخ شقاوت وبدنصیبی وہلاکت امم سابقہ وتصدیق انبیاء ومرسلین قصہ اول قوم نوح علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ ... الى ... اَخۡذَ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ شق القمر کا ذکر تھا اور یہ کہ منکرین نے اس کا گستاخی اور بے ہودگی کے ساتھ انکار کیا اب ان آیات میں انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے اور ان کے معجزات کا انکار کرنے والوں کا انجام بد بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ کس طرح اپنی شقاوت وبدنصیبی کے باعث ہلاک ہوئے سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کیا جا رہا ہے، فرمایا:

جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے قوم نوح کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ سے اعراض وبے رخی بلکہ مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ پھر جھوٹا کہا ہمارے بندہ نوح کو اور کہنے لگے کہ یہ مجنون ہیں اور انکو جھڑکا گیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے ● جس پر انتہائی آزردگی اور مایوسی کے عالم میں نوح نے اپنے رب کو پکارا اے پروردگار میں تو عاجز وبے بس ہو چکا ہوں بس اب تو ہی بدلہ دے ظاہر ہے کہ صدیاں جب نصیحت وفہمائش کرتے گزر گئیں لیکن بجائے اس کے کہ اصلاح

= شکر گزار بندوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

ف۷ یعنی اس کی باتوں میں واہی تباہی شبہ اور جھگڑے کھڑے کر کے جھٹلانے لگے۔

ف۱ یعنی فرشتے جو حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ ان کو آدمی سمجھ کر اپنی خوئے بد کی وجہ سے قبضانا چاہا۔ ہم نے ان کو اندھا کر دیا کہ ادھر ادھر دھکے کھاتے پھرتے تھے۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور کہا لو! پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔

ف۲ یعنی اندھا کرنے کے بعد ان کی بستیاں الٹ دی گئیں۔ اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

ف۳ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کے ڈرانے والے نشان۔

ف۴ یعنی خدا کی پکڑ بڑے زبردست کی پکڑ تھی۔ جس کے قابو میں نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ دیکھ لو! تمام فرعونیوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق کیا کہ ایک بچ کر نہ نکل سکا۔

● بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کو نصیحت فرماتے تو قوم کے بد بخت ان کو ڈانٹتے کچھ بدنصیب گالیاں دیتے اور بعض شقی ان کے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حال ہوتی اور نفرت ونافرمانی ہی بڑھتی گئی ایسی صورت میں یقیناً انسان مایوس ہی ہو جاتا ہے ادھر وحی خداوندی نے بھی کچھ اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اے نوح علیہ السلام تمہاری قوم میں سے جن کو ایمان لانا تھا وہ لا چکے بس اور کوئی ایمان نہیں لائے گا، اس عالم میں یقیناً پیغمبر خدا کی دعا ضرور جلد از جلد قبول ہوتی ہے اور خدا کی مدد مجرمین کی ہلاکت وسرکوبی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تو ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے ٹوٹ کر مسلسل برسنے والے پانی کے ساتھ جو طوفان کی طرف آسمان سے برس رہا تھا اور پھاڑ دیا ہم نے زمین کو چشموں کی صورت میں جس کے بعد سب پانی مل گیا اوپر سے بادلوں کا برسنے والا اور نیچے سے زمین کے چشموں سے ابلنے والا تو آسمان وزمین کا پانی باہم مل کر سطح زمین اور خلاء میں سمندر کی شکل بن گیا اس فیصلہ کے مطابق جو طے کر دیا گیا اور اٹھالیا ہم نے نوح کو اس طوفان سے بچانے کیلئے ایک کشتی پر جو تختوں اور کیلوں والی تھی جس کو نوح علیہ السلام نے بامر خداوندی پہلے ہی تیار کرلیا تھا جو چل رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت ونگرانی میں یہ سب کچھ بدلہ لینے کے لئے کیا گیا اس کے واسطے جس کی قدر نہ پہچانی گئی اور نعمت ہدایت اور وعظ وارشاد کی ناقدری کرتے ہوئے اس کو ٹھکرایا گیا اور ہم نے اس واقعہ کو ہمیشہ کے واسطے چھوڑ دیا ہے عبرت ونشانی بنا کر تا کہ اللہ کے پیغمبروں کی نافرمانی اور انکار کرنے والے اس سے عبرت حاصل کرسکیں تو ہے کیا کوئی شخص غور وفکر کر کے نصیحت حاصل کرنے والا اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے تو کیا ہے کوئی شخص عبرت حاصل کرنے والا۔ یقیناً یہ ایسے واقعات ہیں ہر صاحب عقل کو ان میں غور وفکر کرنا چاہئے اور ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے تو کیا قریش مکہ میں سے ہیں کچھ لوگ ایسی صلاحیت وسعادت والے کہ سوچیں اور اللہ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔ (واقعہ کی تفصیلات پہلے گزر چکی)

قصہ قوم عاد

جھٹلایا تھا قوم عاد نے بھی اللہ کے رسول کو تو پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا کہ اس نافرمان قوم کی ہلاکت وتباہی کی عبرت ناک تاریخ قیامت تک نمونہ عبرت بنادی گئی بے شک ہم نے ان پر بھیجی ایک تیز وتند آندھی جو اکھاڑ پھینکنے والی تھی، ایک نحوست کے دن میں جو اپنی نحوست کے دن میں جو اپنی نحوست اور آثار کے لحاظ سے ان پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو گیا یہ ایسا نحوست کا دن تھا کہ اس دن شروع ہونے والی آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک طوفانی تھپیڑوں کی شکل میں چلتی رہی اور اس تباہی وبربادی کی نحوست اس قوم پر قیامت تک کے واسطے مستمر ودائم ہو گئی وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی اس طرح کہ گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی جو اکھڑی پڑی ہیں کیونکہ وہ لوگ نہایت تنومند وتوانا تھے زمین پر پچھڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ کھجور کے درخت ہیں جن کو اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا گیا ہے تو پھر بتاؤ اے لوگو! کیسا رہا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور کھڑکھڑانا اور بے شک آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لئے تو ہے کیا کوئی شخص قریش مکہ اور منکرین ومکذبین میں سے سوچنے والا کہ غور وفکر کر کے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ اگر میں نے بھی اللہ کے پیغمبر کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہ لایا تو میرا بھی ایسا ہی انجام ہوسکتا ہے۔

قصہ قوم ثمود

جھٹلایا تھا قوم ثمود نے بھی عذاب خداوندی سے ڈرانے والے رسولوں کو یا ان نصیحتوں اور تنبیہات کو جو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھنے کے لئے کی گئیں گو کہ ان کے رسول ایک ہی رسول حضرت صالح علیہ السلام تھے لیکن ایک رسول کا انکار درحقیقت خدا کے تمام رسولوں کا انکار اور جھٹلانا ہے پھر کہنے لگے جب اور کوئی بات یا دلیل انکار و تردید کی نہ مل سکی کیا ہم اپنے ہی میں سے ہم جیسے ایک بشر (آدمی) کی پیروی کریں ایسی صورت میں تو ہم بہت ہی بڑی غلطی اور حماقت میں پڑنے والے ہوں گے کیا انہی پر ڈالی گئی نصیحت اور اللہ کی وحی اتاری گئی ہمارے درمیان سے نہیں بلکہ یہ تو بہت ہی جھوٹا بڑائی مارنے والا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسکی وحی مجھ پر اترتی ہے بھلا اس میں کون سی خوبی اور خصوصیت ہے کہ ہمارے میں سے اسی کو وحی اور نصیحت کے نازل کرنے کے واسطے منتخب کیا گیا ظاہر ہے کہ یہ احمقانہ باتیں ہیں یہ لوگ عن قریب خود جان لیں گے کہ کون جھوٹا بڑائی خور ہے یہ خود جھوٹے ہیں اور اپنے تکبر و عناد کی وجہ سے خدا کے پیغمبر پر ایمان لانے کو آمادہ نہیں ہو رہے ہیں ہم بھیجتے ہیں ایک اونٹنی ان کے آزمانے کے واسطے جس کا خود ان لوگوں نے بطور نشانی مطالبہ کیا تھا سو انتظار کرو ان کا جو انجام بھی انکا مقدر ہے وہ نظروں کے سامنے آ جائے گا اور تحمل کرتے رہو انکی بے ہودگیوں پر اور انکو یہ بتا دو کہ پانی کی نوبت انکے درمیان تقسیم کی ہوئی ہے ہر نوبت پر حاضری ہوگی اسی کی جس کی نوبت ہے ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پر جائے اور دوسرے دن اور جانور پانی پینے جائیں اس پر ان بدبختوں کو گرانی ہوئی کہ یہ ایک دن ناقہ صالح کے پانی کے لیے کیوں مخصوص ہے حسد اور عداوت سے مغلوب ہوگئے پھر آ پکارا انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس پر اس نے تلوار کا ایک ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا اونٹنی کے کونچوں [1] کو۔

پھر بتاؤ اے مخاطبو! کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا ہم نے بھیجی ان پر ایک چیخ [2] اور ہولناک آواز پھر وہ ہو کر رہ گئے روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ کی مانند جو ہوا میں اڑ رہے ہیں اور بے شک آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی غور و فکر کرنے والا۔ (تفصیلات گزر چکی ہیں)

قصہ قوم لوط (علیہ السلام)

جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والے اللہ کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کو جنہوں نے خدا کی نافرمانی پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور جب کوئی اللہ کے ایک رسول کو جھٹلا دے تو گویا اس نے اللہ کے تمام رسولوں کو جھٹلایا ان کی اس نافرمانی اور بدنصیبی پر بے شک ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی پتھر برسانے والی جس نے ساری قوم پر علامت لگے ہوئے پتھروں کی بارش کی اور سب کو ہلاک کر ڈالا مگر لوط کے گھر کو اور انکے ان افراد خانہ کو جو اہل ایمان تھے۔ بچا لیا ہم نے انکو رات کے

[1] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک بدکار عورت تھی اس کے پاس مویشی بہت تھے اس نے اپنے ایک آشنا کو اکسایا وہ لپکا اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ ۱۲

[2] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ چنگھاڑ فرمایا ہے جو ایسی ہولناک آواز کو کہا جاتا ہے جس سے کانوں کے پردے پھٹ جائیں اور دل شق ہو جائے۔ ۱۲

آخری حصہ میں جو سحر اور صبح صادق کے قریب ہوتا ہے محض انعام و رحمت کرتے ہوئے اپنی طرف سے اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اللہ کے شکر گزار ہوں اور حق کو مانیں اور بے شک اللہ کے رسول علیہ السلام نے تو انکو ڈرایا تھا ہماری گرفت سے مگر وہ پھر حجت بازی کرنے لگے ڈرانے والوں سے اور انہوں نے بہت کچھ تدبیر کی ان کے مہمانوں کے لینے کے لئے جب کہ اللہ کے فرشتے مہمانوں کی صورت میں انکے پاس پہنچے قوم کو خبر ہوئی تو اپنے بے ہودہ جذبات پورا کرنے کے واسطے ان پر مسلط ہونے کی کوشش کرنے لگے حضرت لوط علیہ السلام نے اگرچہ دروازہ بند کر دیا تھا مگر پھر بھی یہ بدبخت دروازہ توڑنے لگے اور لوط علیہ السلام منع کرتے رہے جب کسی طرح باز نہ آئے تو جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور خدا کا عذاب ان پر مسلط ہوا جسکو ارشاد فرمایا پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پاٹ دیں اور چہروں سے ان کی آنکھوں کو مٹا کر گوشت کے ایک پارچہ کی طرح کر ڈالا اس طرح ان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا اچھا اب چکھو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ اور صبح ہی اول وقت ان پر ایک عذاب مسلط ہوا جو ان پر چمٹ جانے والا تھا جس سے کسی طرح بھی بچاؤ اور خلاصی کا امکان نہ تھا اور اس دوسرے عذاب پر (جو آسمان سے پتھروں کی بارش کی صورت میں تھا) بھی کہہ دیا گیا پھر چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا تو اس طرح یہ قوم ایک چھوٹے عذاب جو انکی آنکھوں کو مٹا دینے کی صورت میں تھا اور ہر ایک کے لئے انفرادا تھا اور اس کے بعد ایک عمومی اور اجتماعی بڑے عذاب یعنی پتھروں کی بارش سے تباہ کر دی گئی اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو ہے کیا کوئی شخص سوچنے والا کہ ان عبرتناک واقعات کو غور و فکر کی نظر سے دیکھ کر ایمان و ہدایت اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اختیار کر لے تا کہ دین و دنیا کی فلاح و سعادت حاصل ہو۔

اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے والے پہنچے خداوند عالم کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام اور ان کو عطا کئے ہوئے معجزات مگر جھٹلایا انہوں نے بھی ہماری تمام نشانیوں کو جس پر ہم نے انکو بھی پکڑا اپنی سخت گرفت میں اور ایسے عذاب میں کہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کر دیا گیا۔ (تفصیلات گزر چکیں)

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ

اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں ان سب سے یا تمہارے لیے فارغ خطی لکھ دی گئی ورقوں میں کیا کہتے ہیں ہم سب کا مجمع ہے

اب تم میں جو منکر ہیں کچھ بہتر ہیں ان سب سے؟ یا تم کو فارغ خطی لکھی گئی ورقوں میں؟ کیا کہتے ہیں ہم سب کا میل ہے

مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ

بدلہ لینے والا ف۱ اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگیں پیٹھ پھیر کر ف۲ بلکہ قیامت ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے

بدلہ لینے والے؟ اب شکست کھائے گا میل اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر، بلکہ وہ گھڑی ہے ان کے وعدہ کا وقت، اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے

ف۱ گزشتہ اقوام کے واقعات سنا کر موجودہ لوگوں کو خطاب ہے یعنی تم میں سے کافر کیا ان پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کیے جائیں گے؟ یا اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو، سزا نہیں ملے گی؟ یا یہ سمجھتے ہوئے ہیں کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے۔ اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آ جائیں گے تو سب بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

ف۲ یعنی عنقریب ان کو اپنے مجمع کی حقیقت کھل جائے گی جب مسلمانوں کے سامنے سے شکست کھا کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ چنانچہ "بدر" اور "احزاب" =

وَاَمَرُّ ۞ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۞ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ؕ

اور بہت کڑوی ف۱ جو لوگ گناہ گار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا میں جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ

اور بہت کڑوی۔ جو لوگ گناہ گار ہیں، غلطی میں ہیں، اور سودا میں۔ جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۞ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۞ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ

چکھو مزا آگ کا ف۲ ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر ف۳ اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے

چکھو مزہ آگ کا۔ ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر اور ہمارا کام یہی ایک دم کی بات ہے،

كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۞ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْیَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞ وَكُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی

جیسے لپک نگاہ کی ف۴ اور ہم برباد کر چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر ہے کوئی سوچنے والا ف۵ اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی

جیسے لپک نگاہ کی۔ اور ہم کھپا چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو، پھر ہے کوئی سوچنے والا؟ اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی

الزُّبُرِ ۞ وَكُلُّ صَغِیْرٍ وَّكَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۞ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۞ فِیْ مَقْعَدِ

ورقوں میں ف۶ اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا ف۷ جو لوگ ڈرنے والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں بیٹھے

ورقوں میں۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی لکھنے میں آ چکی۔ جو لوگ ڈر والے ہیں، باغوں میں ہیں اور نہروں میں بیٹھے

صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۞

ع ۱۵ / ۱۰

سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے ف۸

سچی بیٹھک میں، نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔

= میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾

ف۱ یعنی یہاں کیا شکست کھائیں گے، ان کی شکست کا اصلی وقت تو وہ ہوگا جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی۔ وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔

ف۲ یعنی اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں۔ یہ سودا دماغ میں سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو! اب ذرا اس کا مزہ چکھو۔

ف۳ یعنی ہر چیز جو پیش آنے والی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔

ف۴ یعنی ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ہم کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت ہوتی ہے۔

ف۵ یعنی تمہاری قماش کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کر چکے ہیں۔ پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ ان کے حال سے عبرت حاصل کر سکے۔

ف۶ یعنی ہر ایک نیکی بدی عمل کے بعد ان کے اعمالناموں میں لکھی گئی ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔

ف۷ یعنی اس سے قبل ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیل "لوح محفوظ" میں لکھی جا چکی۔ تمام دفاتر باقاعدہ مرتب ہیں کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔

ف۸ مجرمین کے بعد یہ متقین کا انجام بیان فرمادیا کہ وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ و رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا۔ "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِیْكٌ مُقْتَدِرٌ۔ مَا تَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ يَكُوْنُ فَاَسْعِدْنِیْ فِی الدَّارَیْنِ وَكُنْ لِّیْ وَلَا تَكُنْ عَلَیَّ وَاٰتِنِیْ فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنِیْ عَذَابَ النَّارِ۔" تم سورۃ القمر وللہ الحمد والمنۃ۔

تنبیہ قریش مکہ بعد ذکر واقعات عبرت ونصیحت

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ: ﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ ... الى ... عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات کا حاصل امم سابقہ کی ہلاکت وتباہی کے احوال کا ذکر تھا کہ یہ عظیم قومیں کس طرح عذاب خداوندی سے تباہ کردی گئیں اسی وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہیں لائے تو ان واقعات کو ذکر کر کے اہل مکہ کو خطاب کیا جا رہا ہے اور غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ آخر وہ سوچ کر بتائیں کہ جب ان میں وہی نافرمانیاں اور خدا کے رسول کا انکار ایمان سے روگردانی پائی جا رہی ہے، تو آخر کیوں نہیں ان پر بھی ایسے ہی عذاب مسلط ہوں گے جیسے کہ ان سابقہ قوموں پر ہوئے اور اب ان قریش مکہ میں کیا ایسی وجہ فضیلت وخوبی ہے کہ یہ لوگ خداوند عالم کی گرفت سے محفوظ رہیں تو فرمایا ان قریش مکہ کو مخاطب بناتے ہوئے کیا تمہارے میں سے کفار ومنکر کچھ بہتر ہیں ان لوگوں سے کہ اس بناء پر عذاب سے بچے رہیں گے یا تمہارے واسطے کوئی پروانہ براءت ہے صحیفوں میں لکھا ہوا یا نازل کیا ہو ظاہر ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں تو پھر کیا یہ کہتے ہیں ہم ایک ایسی مضبوط جمعیت ہیں جو بدلہ لینے والے ہوں گے ہر اس طاقت سے جو ہم پر کسی طرح کی کوئی گرفت کرے نہیں نہیں ہرگز ایسا ممکن نہیں بلکہ عنقریب یہ سارا مجمع اور کافروں کا لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کا بھاگیں گے اور اس وقت انکو اپنی طاقت اور جمعیت کی حقیقت نظر آجائے گی چنانچہ بدر واحزاب میں یہ پیشن گوئی پوری ہوئی یہ عذاب وذلت ہی تو ہے جو ان کے واسطے مقدر ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ قیامت ان سے وعدہ کا وقت ہے جو طے ہو چکا ہے اور بلاشبہ قیامت تو بہت بڑی آفت اور بڑی ہی تلخ چیز ہے اس کے عذاب وشدت کا تو کوئی گھونٹ بھی انسان سے نہیں پیا جا سکے گا بے شک مجرمین ومنکرین بڑی ہی گمراہی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کو گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے چہروں کے بل اور کہا جاتا ہوگا چکھ لو جہنم کی آگ کا مزا اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر گمراہی میں مبتلا تھے اور کیسی حماقت اور دیوانہ پن ہم نے دنیا کی زندگی میں اختیار کیا بے شک کائنات میں وہی ہے جس کو ہم نے پہلے سے مقرر کردہ انداز کے مطابق پیدا کیا ہے ● ہدایت ہو یا گمراہی، سعادت ہو یا شقاوت نیکی ہو یا بدی غربت ہو یا امیری تندرستی ہو یا بیماری ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور تقدیر کے

● حضرات متکلمین اور ائمہ اہلسنت اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر امر اللہ کی تقدیر سے ہے اور ہر چیز کا علم اللہ کو اس کے وجود سے قبل سے تابعین رحمہم اللہ کے دور میں کچھ لوگ تقدیر خداوندی کا جب انکار کرنے لگے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات سے فرقہ قدریہ اور منکرین قدر کا رد کیا کرتے تھے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا جبکہ وہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے اور کپڑے نیچے کی طرف سے بھیگے ہوئے تھے میں نے عرض کی اے ابن عباس رضی اللہ عنہما مسئلہ تقدیر میں لوگ کچھ حجت بازی اور قیل وقال کرنے لگے ہیں فرمایا خدا کی قسم یہ آیت ﴿ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ سوائے ان لوگوں کے اور کسی کے بارے میں نہیں نازل ہوئی اور اس کے بعد فرمایا اولئك شرار الخلق۔ یہ اللہ کی مخلوق ہیں بدترین مخلوق ہے۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر امت کے مجوسی ہوتے ہیں میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں اور قضاء وقدر کا انکار کرتے ہیں۔

مسئلہ تقدیر دین اسلام کے عقائد قطعیہ میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اس میں تردد یا انکار گمراہی وکفر ہے اور بحث ومباحثہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کو دعوت دینا ناراضگی کو دعوت دینا ہے ایک دفعہ کچھ لوگ اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ ان پر سخت ناراض ہوئے اور انکو تنبیہ فرمائی، اصل مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی۔ ۱۲

مطابق بنائی اسی میں دنیا کی عمر اور اس کے فناء کا وقت بھی ہے جو قیامت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ہمارا کام تو بس ایک دم کی بات ہے جیسے نگاہ کا جھپکنا اور آخر قریش مکہ کو کس بات پر غرور یا اعتماد ہے اور بلاشبہ ہم تو ہلاک کر چکے ہیں اے قریش مکہ بہت سی تم جیسی قوموں کو جن کے پاس تم سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و اقتدار تھا تو ہے کیا کوئی شخص تم میں سے عبرت حاصل کرنے والا اور ان لوگوں کو کبھی بھی اس چیز سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ جو بھی کچھ انہوں نے کیا وہ صحیفوں میں لکھا ہوا محفوظ ہے اور چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جا چکی ہے تو ایمان و کفر اور نیکی و بدی ہر چیز اور ہر عمل لکھ لیا گیا اور یہی خدا کا قانون ہے جس کے مطابق روز آخرت میں مجرمین کو سزا بھگتنی پڑے گی لیکن انکے بالمقابل بے شک اللہ سے ڈرنے والے ایمان والے باغوں اور نہروں میں ہوں گے کہ انکے رہنے کے واسطے باغ و محل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ بڑی ہی سچائی کے ٹھکانے میں عزت و اکرام کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے اپنے اس بادشاہ کے نزدیک جو ہر چیز پر بڑی ہی قدرت اور قابو رکھنے والا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس عزت و شرف کا یہ مقام شہنشاہ رب العالمین کے نزدیک ملنا یہ اس سچائی کا بدلہ ہے جو اہل ایمان نے اپنے صدق قلب سے ایمان قبول کر کے پھر سچائی کے ساتھ اپنے وعدوں پر قائم رہنے کی صورت میں اختیار کی اور یقیناً یہ مجلس عزت و شرف کی وہ سچی مجلس ہے جس سے بڑھ کر کوئی صداقت کی منزل و محفل نہیں ہو سکتی اور ایسے معزز مکان و مجلس کے ساتھ خالق کونین کا قرب مزید و برتری کا باعث ہوگا۔

میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس آیت پر فائدہ تحریر فرماتے ہوئے جو کلمات دعائیہ فرمائے اسی دعا پر میں اس سورت کی تفسیر ختم کر رہا ہوں اللھم انك مليك مقتدر ما تشاء من امر يكون فاسعدني في الدارين وكن لي ولا تكن علي واتني في الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة وقنا عذاب النار امين برحمتك يا ارحم الراحمين تم بحمد الله تفسير سورة القمر۔

سورۃ الرحمٰن

سورۃ الرحمٰن مدنیہ ہے عام طور مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کے نزول کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک مجمع میں یہ سورت اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی اس کی اٹھتر آیات اور تین رکوع ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کے کلمات کی عظمت و خوبی اور انکا حسن و بلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے اس سورت کا حسن و زینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ان لکل شیء عروسا وعروس القران الرحمن" کہ ہر چیز کی ایک زینت و خوبصورتی ہوتی ہے جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ شانہ کی ایک ایسی عظیم الشان اور ظاہر و باہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر انکی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق و گویائی علم و فہم کے ذکر کے بعد شمس

وقمر، نجم وشجر ارض وسماء جیسی عظیم قدرت خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کا پروردگار عالم کے سامنے مطیع وفرماں بردار ہونا بیان کیا اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم وجاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت کبریائی کا ذکر فرمایا اور یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اسکی نافرمانی شقاوت وبدنصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء وسزاء سے غافل نہ ہونا چاہئے اس ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ مطیعین پر انعام وکرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب وشدائد میں مبتلا ہوں گے اور ان کی ذلت ورسوائی کیسی ہوگی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف لائے اور اس مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از اول تا آخر سورۃ الرحمن تلاوت فرمائی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش بیٹھے سنتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے یہ سورت جنوں کو سنائی تو وہ اسکی تلاوت کو سن کر اچھا جواب دیتے رہے بہ نسبت تمہارے (کہ تم خاموش رہے) میں دوران تلاوت جب بھی یہ آیت پڑھتا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کہ اے جن انس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے تو جن ہر مرتبہ اس آیت کو سن کر کہتے، لا بشیء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد۔ نہیں اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے بس تیرے ہی واسطے ہر طرح تعریف وخوبی ہے۔

فقہاء حنفیہ ومالکیہ اور اکثر ائمہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ جب بھی سورۃ رحمن تلاوت کی جائے تو سننے والوں کے لیے سنت طریقہ یہی ہے کہ آیت مذکورہ سنتے ہوئے جواباً یہ کلمات کہے جائیں، البتہ دوران نماز کیونکہ استماع وانصات لازم ہے اس لئے دل ہی دل میں اس مضمون کا تصور کر لے۔

۵۵ سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۷ ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ اٰیاتہا ۷۸ رکوعاتہا ۳

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

رحمان نے سکھلایا قرآن ف۱ بنایا آدمی پھر سکھلایا اس کو بات کرنا ف۲ سورج اور چاند کے لیے

رحمٰن نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی، پھر سکھائی اس کو بات سورج اور چاند کو

ف۱ جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے، انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپید اکنار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنادینا رحمان ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام۔

(تنبیہ) سورۂ "النجم" میں فرمایا تھا۔ "علمه شديد القوى الخ" یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو۔

ف۲ "ایجاد" (وجود عطا فرمانا) اللہ کی بڑی نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایجاد ذات، اور ایجاد صفت تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اس میں علم بیان کی صفت بھی رکھی۔ یعنی قدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن وخوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ سے وہ قرآن سیکھتا سکھاتا ہے۔ اور خیر وشر ہدایت وضلالت، ایمان وکفر اور دنیا وآخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔

بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿٧﴾ أَلَّا

ایک حساب سے ہے ف۱ اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں ف۲ اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو کہ

ایک حساب سے۔ اور جھاڑ اور درخت لگے ہیں سجدے میں۔ اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو کہ

تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَأَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَالْأَرْضَ

زیادتی نہ کرو ترازو میں اور سیدھی ترازو تو لو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو ف۳ اور زمین کو بچھایا

مت زیادتی کرو ترازو میں۔ اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول۔ اور زمین کو رکھا

وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

واسطے خلق کے ف۴ اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جن کے میوہ پر غلاف اور اس میں اناج ہے جس کے ساتھ بھس ہے

واسطے خلق کے، اس میں میوہ ہے اور کھجوریں، جن کے میوہ پر غلاف، اور اناج جس کے ساتھ بھس ہے

وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾

اور پھول خوشبودار ف۵ پھر کیا کیا نعمتیں رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ف۶ بنایا آدمی کو کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا

اور پھول خوشبو۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں؟ بنایا آدمی کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا،

ف۱ یعنی دونوں کا طلوع وغروب، گھٹنا بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا، پھر ان کے ذریعہ سے فصول ومواسم کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا، یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں اور اپنے مالک وخالق کے دیے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اس نے اپنے بندوں کی جو خدمات اور ڈیوٹی ان کے سپرد کر دی ہیں۔ ان میں کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔

ف۲ یعنی علویات کی طرح سفلیات بھی اپنے مالک کی مطیع ومنقاد ہیں۔ چھوٹے جھاڑ، زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اونچے درخت سب اس کے حکم تکوینی کے سامنے سربسجود ہیں۔ بندے ان کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔

ف۳ اوپر سے دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آرہے تھے۔ یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ آگے زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میزان (ترازو) کا ذکر شاید اس لیے ہو کہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان وزمین کے درمیان معلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو۔ چونکہ اس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لیے ہدایت فرمادی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو، نہ دیتے وقت کم، ترازو کے دونوں پلے اور باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے، بلکہ بدون کم بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔

(تنبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق وعدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن وتناسب کے ساتھ قائم کیا۔ اگر عدل وحق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل وحق کے جادہ پر مستقیم رہیں۔ اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں، نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں۔

ف۴ کہ اس پر آرام سے چلیں پھریں اور کاروبار جاری رکھیں۔

ف۵ یعنی پھل میوے بھی زمین سے نکلتے ہیں اور غلہ اناج بھی۔ پھر غلہ میں دو چیزیں ہیں۔ دانہ، جو انسانوں کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانوروں کے لیے ہے۔ اور بعض چیزیں زمین میں وہ پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام نہیں آتیں لیکن ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

ف۶ یعنی اے جن وانس! اوپر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت =

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ

اور بنایا جن کو آگ کی لپیٹ سے ف۱ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں ف۲ مالک دو مشرق کا

اور بنایا جان آگ کی ڈیگ سے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ مالک دو مشرقوں کا

وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا

اور مالک دو مغرب کا ف۳ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے چلائے دو دریا مل کر چلنے والے ان دونوں میں ہے

اور مالک دو مغرب کا۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ چلائے دو دریا بھڑ چلتے۔ ان میں ہے

بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾

ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے ف۴ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نکلتا ہے ان دونوں سے موتی اور مونگا

ایک پردہ، زیادتی نہیں کرتے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ نکلتا ہے ان سے موتی اور مونگا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ ف۵ پھر کیا کیا نعمتیں

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ اور اسی کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ۔ پھر کیا کیا نعمتیں

= کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جاسکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت "فبای الاء ربکما تکذبٰن" سنے تو جواب دے "لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ سب حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے)

(تنبیہ) گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا لیکن "انام" میں وہ شامل ہیں۔ اور ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ میں دونوں کا عبادت کے لیے پیدا ہونا مذکور ہے۔ یہ اس آیت کے بعد متصل ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتلائی گئی ہے، اور چند آیات کے بعد "سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ" اور "يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" میں صریحاً جن وانس کو مخاطب کیا گیا ہے، یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔

ف۱ یعنی سب آدمیوں کے باپ آدم کو مٹی اور جنوں کے باپ کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔

ف۲ "الاء" کا ترجمہ عموماً "نعمت" کیا گیا ہے۔ لیکن ابن جریر نے بعض سلف سے "قدرت" کے معنی نقل کیے ہیں۔ اس لیے جس مقام پر جو معنی زیادہ چسپاں ہوں وہ اختیار کیے جائیں۔ یہاں اس سے پہلی آیت میں دونوں مطلب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انس و جن کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جماد لایعقل سے عاقل بنادینا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی بھی ہے۔

(تنبیہ) یہ جملہ "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" اس سورت میں اکتیس مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا شئون عظمت وقدرت میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار عرب وعجم کے کلاموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔

ف۳ جاڑے اور گرمی میں جس جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ دو مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دو مغرب ہوئیں۔ ان ہی مشرقین اور مغربین کے تغیر وتبدل سے موسم اور فصلیں بدلتی ہیں۔ اور طرح طرح کے انقلابات ہوتے ہیں۔ زمین والوں کے ہزارہا فوائد ومصالح ان تغیرات سے وابستہ ہیں تو ان کا ادل بدل بھی خدا کی بڑی نعمت اور اس کی قدرت عظیمہ کی نشانی ہوئی۔

(تنبیہ) آیت سے پہلے اور پیچھے دور تک دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوئے ہیں اس لیے یہاں مشرقین ومغربین کا ذکر نہایت ہی لطف دیتا ہے۔

ف۴ یعنی ایسا نہیں کہ میٹھا اور کھاری پانی ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت وغیرہ کو بالکلیہ زائل کر دے یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں۔ اس آیت کے مضمون کے متعلق کچھ تقریر سورۃ "فرقان" کے اواخر میں گزر چکی ہے۔ اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ .... =

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟

انعامات رب جلیل بر انسان بعطاء وصف بیان و تعلیم قرآن و فیضان نعماء جسمانیہ و روحانیہ

قَالَ اللہُ تَعَالٰی : ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ... الی ... فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

ربط:...... سورۂ قمر میں دلائل نبوت اور معجزات عظیمہ کا بیان تھا اور امم سابقہ کے احوال ذکر فرمائے گئے کہ کس طرح انہوں نے اپنے پیغمبروں کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لائے جس کے باعث عذاب خداوندی سے انکو ہلاک و برباد کر دیا گیا جس سے مقصود اہل مکہ کو متنبہ کرنا تھا کہ وہ ان احوال و واقعات کو سوچ کر اپنے انجام کے بارے میں بھی خود فیصلہ کرلیں تو اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ان انعامات خاصہ کا ذکر فرمایا جو انسان پر کئے گئے ان انعامات میں بالخصوص کائنات کی تخلیق اور ان تمام منافع سے انسان کا منتفع ہونا ذکر فرمایا اور یہ کہ جب حق تعالیٰ نے کائنات کی جملہ منفعتوں سے انسان کو متمتع کیا ہے تو انسانی فطرت اور عقل کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری کرے اور یہ کہ ہر مخلوق اللہ کے حکم کے تابع اور اسی کی مطیع ہے یہ انسان کو اللہ نے خاص شرف عطا کیا ہے کہ وہ اپنے کسب و ارادہ سے ایمان و ہدایت کو اختیار کر کے آخرت کی جزاء اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کا مستحق بنتا ہے تو ارشاد فرمایا:

رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن سکھایا جو اس کی عطاؤں میں سب سے بڑی عطاء اور نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے بنایا ہے اسی نے انسان کو پھر سکھایا اس کو بات کرنا اور نطق و گویائی کی نعمت سے سرفراز کیا جس کے باعث وہ اللہ کا کلام پڑھ سکے سیکھ سکے اور تلاوت کر سکے ورنہ تو ممکن نہ تھا کہ انسان کلام الٰہی کی دولت سے اور نعمت سے منتفع ہو سکے پھر اس قوت گویائی سے یہ انسان کلام الٰہی کے حقائق و معارف لوگوں کو سنائے، خیر کی دعوت دے اور شر سے منع کرے تو یہ سب ثمرات قوت گویائی ہی پر مرتب ہیں چاند اور سورج ایک حساب کے ساتھ جاری ہیں اور سبزے اور درخت اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ میں مشغول ہیں اس طرح علویات میں چاند سورج اور ستارے اور سفلیات میں نباتات و شجر و حجر سب ہی اللہ کی بندگی میں مصروف ہیں اور کیسی عظیم قدرت ہے اس پروردگار کی جس نے آسمان کو اونچا بنایا اور قائم کردی ترازو اس امر کا مامور پابند کرتے ہوئے کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں کیونکہ ترازو و اداء حقوق میں سرکشی اور زیادتی انسانی زندگی کی فلاح و سعادت کو تباہ کر دینے والی چیز ہے اور برابر رکھو ترازو کو انصاف کے ساتھ اور مت گھٹاؤ تول کو خیانت ظلم اور دھوکہ انسانی حقوق کو تباہ و برباد کر دینے والی چیزیں ہیں اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے ترازو سیدھی رکھی

= ف۵ یعنی کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے بنائے ہوئے ہیں مگر خود تم کو اللہ نے بنایا اسی نے وہ قوتیں اور سامان عطا کیے جن سے جہاز تیار کرتے ہو۔ لہٰذا تم اور تمہاری مصنوعات سب کا مالک و خالق وہی خدا ہوا۔ اور یہ سب اسی کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہوئی۔

(تنبیہ) یہ جملہ پہلے جملہ "یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ الخ" کے مقابل ہے۔ یعنی دریا کے نیچے سے وہ نعمتیں نکلتی ہیں اور اوپر یہ نعمتیں موجود ہیں۔

جائے اور تول میں مشتری کیلئے کسی قسم کی کوئی کمی نہ کی جائے اور زمین کو بچھایا ہے مخلوق کیلئے کہ اس میں میوے اور پھل ہیں اور کھجور کے درخت ہیں غلافوں والے کہ انکے گچھوں پر غلاف ہوتے ہیں پھر اس غلاف کے شق ہونے پر کھجوریں بڑھتی ہیں اور پکتی ہیں اور اسی میں دانے ہیں بھوسے والے یعنی اناج اسی طرح دوسرے حبوب و غلے اور خوشبودار پھول۔ تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ظاہر ہے کہ ایسی نعمتیں جو سورج کی طرح روشن اور انسانی حیات کا مدار ہیں ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کیسی عظیم قدرت ہے اس پروردگار کی جس نے انسان کو پیدا کیا ہے خشک کھنکھناتی مٹی سے ٹھیکرے کی طرح اور یہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں لہٰذا اصل جنس اور مادۂ جنس کے لحاظ سے مطلق انسان مٹی سے پیدا کیا گیا اور پیدا کیا جن کو دہکنے والی آگ کی لپٹ سے اور ایسے شعلہ سے جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے جن وانس کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور جمادات ونباتات جیسی لایعقل مخلوق کی بجائے عقل وشعور کی نعمت سے نوازنا یقیناً ثقلین (جن وانس) کے بڑی نعمت ہے ● وہ مالک ہے دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور ظاہر ہے کہ مشرقین ومغربین کے تغیر وتبدل سے موسموں اور فصلوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور تبدیلی موسم سے زمین والوں کو کس قدر فوائد اور منافع حاصل ہوئے ہیں انکی کوئی حد وانتہا نہیں مع ھذا، یہ جملہ فوائد ومنافع تبدیلی موسم مشرق ومغرب، سرما وگرما کا فرق حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی بڑی واضح نشانیاں ہیں تو ان عظیم الشان نعمتوں اور بلند پایہ قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نعمت اور کوئی بھی نشانی ایسی نہیں کہ اس کا انکار کیا جا سکے جاری کئے ہیں اس پروردگار نے دو دریا جو آپس میں مل کر چلتے ہیں اس طرح کہ انکے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ ایک دوسرے پر غالب نہیں آتے اور باہم مخلوط نہیں ہوتے بلکہ شور پانی اپنی جانب اسی طرح شور اور کھارا ہے اور میٹھا پانی اپنی سمت اسی طرح میٹھا ہے حالانکہ پانی کی طبعی خاصیت تقاضا کرتی ہے کہ ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائے اپنے رنگ کے لحاظ سے اور مزے کے لحاظ سے بھی لیکن اس طرح ہر ایک کا اپنے رنگ اور مزے کے اعتبار سے جدا رہنا خداوند عالم کی قدرت کی عظیم نشانی اور بندوں کے واسطے بڑا ہی انعام ● ہے نکلتے ہیں ان دونوں سے موتی اور مونگا پھر بتاؤ کہ اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور اسی

● بالعموم "الآء" کا ترجمہ نعمتوں سے کیا جاتا ہے اضافہ کردہ الفاظ میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ تخلیق انس کے ساتھ جنات کی تخلیق کو بھی اس بناء پر نعمت فرمایا گیا۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے بعض ائمہ سلف سے قدرت اور نشانی کے معنی بھی کئے ہیں تو جس آیت میں جو ترجمہ چسپاں ومناسب ہو اختیار کیا جا سکتا ہے اور یہاں دونوں معنی مناسب ہیں۔

● یہی مضمون سورۃ فرقان کی آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ میں بیان فرمایا گیا ہے دلائل قدرت میں بلاشبہ یہ بڑی دلیل ہے کہ دو دریا اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہوں کہ ایک طرف میٹھا پانی اور دوسری طرف کھارا حالانکہ پانی کا مزاج یہ ہے کہ اس کے اجزاء ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائیں جیسے کہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ایک جگہ پر اگر ایک قسم کے پانی کے ساتھ دوسرے رنگ یا ذائقہ کا پانی جمع ہو جائے تو دونوں مل کر شئی واحد ہو جاتے ہیں اس قسم کے دریاؤں کا مشاہدہ کرنے والوں نے اس بات کی شہادت دی ہے تفسیر بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے لے کر چاٹگام تک دریا کی یہی شان ہے کہ اسکی دونوں جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک جانب پانی سفید ہے اور دوسری جانب پانی سیاہ، سیاہ پانی میں سمندر کی طرح تموج اور جو فانی تلاطم رہتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک سفید دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں رنگوں کے پانی کا ملتقی ہے اور کشتیاں اس پانی میں چلتی ہیں جو سفید ہے سیاہ =

کے واسطے ہیں وہ جہاز اور کشتیاں جو ابھرنے والی ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح کہ دیکھنے والا ان جہازوں اور کشتیوں کو دور سے دیکھ کر یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ پہاڑ اور جھنڈیاں ہیں جو سطح سمندر پر قائم ہیں تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور یہ کس قدر عظیم انعام ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو ایسی صلاحیت اور عقل وفکر سے نوازا کہ وہ جہاز اور کشتیاں بنائے اور انکو سمندر میں چلائے بلاشبہ انسان اللہ رب العزت کی ایسی بلند پایہ نعمتوں کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ جن اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلا سکتے ہیں۔

مؤلف ترجیح اسالیب القرآن ایک موقع پر یہ نقل کرتے ہیں کہ کسی عالم کو ایک مرتبہ ادلہ کلامیہ میں کچھ شک اور تردد واقع ہوا تو اللہ رب العزت سے دعا کی کہ اے پروردگا کوئی ایسی دلیل القاء فرمادے کہ اس میں کسی فلسفی کو کوئی شبہ نہ ہوسکے اور نہ کسی قسم کی وہ تشکیک جاری کر سکے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے اور یہ آیت پڑھ رہا ہے

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾

فوراً مطمئن ہوگئے اور سمجھ لیا کہ واقعۃً یہ استدلال ایسی حجت قاطعہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی دہریہ اور منکر خدا ذرا بھی تردد وتامل کی گنجائش نہیں نکال سکتا اور اس آیت نے طبیعین کے شبہ کا قلع قمع کر دیا کہ پانی کی طبیعت تو اختلاط واتصال اور امتزاج ہے تو سوائے قدرت خداوند کے کون چیز دونوں دریاؤں کے پانی کو ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے سے روکنے والی ہے تعالیٰ اللہ تعالیٰ وجلت قدرتہ۔

انعام خداوندی بصورت وجود انسانی وعطاء صفات وکمالات ایمانی

سورت مبارکہ کی ابتدا انسانی زندگی کے لئے ایک ایسی بڑی اور بلند پایہ نعمت کے ذکر سے فرمائی جارہی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت ممکن نہیں وہ قرآن کریم اور کلام ربانی کا علم ہے جو اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ عالم انسانیت کی فلاح و بہبود اور دین ودنیا کی سعادت حاصل کرنے کیلئے عطاء فرمایا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہے۔ انسان کے بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو

= پانی نہایت کڑوا ہے اور سفید پانی میٹھا ہے۔ ﴿هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ کا منظر نظر آتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں اور مجھ سے باریسال (بنگال) کے دطلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دوندیاں ہیں جو ایک دریا سے نکلتی ہیں ایک کا پانی بالکل کھاری (کڑوا) ہے اور دوسری کا نہایت شیریں یہاں گجرات (یعنی صوبہ بمبی کے علاقہ گجرات) میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک) سمندر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد وجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا ہے مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت. ور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مخلوط نہیں ہوتے اوپر کھاری پانی رہتا ہے جب مد ختم ہوجاتا ہے تو جزر کے وقت اوپر سے کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا پانی نیچے جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے ان شواہد سے خدا کی قدرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور ہر صاحب عقل اس پر مجبور ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ہر دریا اور ہر جگہ کے متعلق اس آیت کو محمول کرلیں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ہر قسم کے درمیان زمین کی بہت سی جگہ حائل بنادی تا کہ ایک دریا اور سمندر کا پانی دوسرے میں نہ ملے اگر یہ فاصلے نہ رکھے جاتے اور انکو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً پانی اپنی طبیعت اور مزاج کے باعث ایک دوسرے میں مل جاتے۔ ۱۲

دیکھو بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنادینا رحمٰن ہی کا کام ہو سکتا ہے ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام سورۃ النجم میں ﴿عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی﴾ فرمایا تھا یہ جبرئیل امین علیہ السلام شدید القویٰ تھے جن کے توسط سے قرآن نازل ہوا مگر اصل اور اصلی معلم اللہ رحمٰن ہی ہے اسی نے انسان کو قرآن کے علوم سے آشنا و آگاہ بنایا۔

اس موقع پر حق تعالیٰ شانہ نے اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے تخلیق انسان کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد ﴿عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾ فرما کر انسان میں نطق و بیان کی صلاحیت عطا فرمانے کا ذکر فرمایا، ظاہر ہے یہ دونوں عطائیں بہت ہی بڑی ہیں ایجاد یعنی وجود عطا کرنا بڑی نعمت کیا بلکہ یہ تو نعمتوں کی اساس اور جڑ ہے ان کلمات میں یہ واضح کیا جارہا ہے کہ ایجاد اور عطاء وجود کی دو قسمیں ہیں ایک ایجاد ذات اور دوسری ایجاد صفت کہ اللہ نے آدمی کو پیدا فرمایا اور پھر اس میں بیان اور اپنی مافی الضمیر کی وضاحت کی صفت رکھی کہ بڑی ہی فصاحت و بلاغت اور حسن و خوبی سے وہ اپنا مدعا اور مافی الضمیر ظاہر کر سکے اسی صفت کے ذریعہ وہ قرآن سیکھ سکتے ہے اور دوسروں کو سکھا سکتا ہے اور اس طرح وہ خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کو پہچان سکتا ہے اور دوسروں کو بتادیا سکتا ہے اور خیر و ہدایت کی دعوت دے سکتا ہے شر اور گمراہی سے بچا جا سکتا ہے اور یہی سب کچھ قرآنی علوم ہیں اور اسی میں انکی عافیت و عزت ہے اور یہی سب کچھ امن عالم کا باعث ہے اسی میں ہر فلاح و سعادت مضمر ہے تو یہ انسان جس کے واسطے ساری کائنات پیدا کی ہے وہ اپنی سعادت و فلاح کے حصول لئے قرآنی ہدایت کا محتاج تھا اور یہی کلام ربانی امن عالم کا باعث تھا تو کس قدر عظیم انعام الٰہی ہوا کہ انسان کو پیدا کر کے قرآن بھی نازل فرمایا ورنہ انسان اگر بغیر قرآن کے ہوتا تو کبھی ہدایت اور خیر کے امور عالم میں نظر نہ آسکتے گمراہی اور شر و فساد کی زندگی ہوتی اور انسان انسان ہونے کی بجائے درندے اور بہائم و چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے اسی وجہ سے جو انسان قرآنی ہدایت سے بے رخی کریں ان کے حق میں فیصلہ ہوگیا ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾۔

نجم و شجر کی تفسیر

ابن جریر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نجم و شجر کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے مختلف اور متعدد اقوال منقول ہیں یہ بات تو تمام ائمہ لغت اور تفسیر کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شجر بمعنی درخت ہے تو اپنے تنے پر قائم اور زمین سے بلند ہو نجم کے بارے میں ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سبزہ جو زمین پر پھیلا ہوا ہو یا جس میں ہر طرف سبزہ ہو اور وہ بیلیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہوں داخل ہیں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سفیان ثوری رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اور خود ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس معنی کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے لیکن قتادہ رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ نجم آسمان کے ستارہ کو کہتے ہیں مجاہد رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور عرف کی رو سے بھی یہی معنی ظاہر ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا پہلی تفسیر کے پیش نظر ان دو کا ذکر شمس و قمر کے مقابلہ میں ہونے کا یہ مفہوم ہوگا کہ جس طرح علویات میں شمس و قمر مقرر کردہ حساب کے مطابق چلتے ہیں اور اس طرح یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تکوینی طور سے وہ اللہ کے حکم کے سامنے مطیع و فرماں بردار۔

چھوٹے جھاڑ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں ہوں یا قد آور درخت ہر ایک اللہ کے سامنے سرنگوں ہے جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾۔

وضع میزان کا مفہوم

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ آسمان کی بلندی کا ذکر فرماتے ہوئے وضع میزان کو بیان فرمایا گیا آسمان اور آسمان پر نظر آنے والے شمس وقمر اور نجوم کا ذکر فرما کر اپنی قدرت عظیمہ ظاہر فرمائی جارہی ہے ساتھ ہی مخاطب کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ وہ شمس وقمر اور ستاروں کے نظام پر نظر ڈالے اور فلکیات پر غور کرے تو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت عظیمہ کا مشاہدہ ہوگا اور یہ دیکھے گا کہ کس حسن اسلوب کے ساتھ یہ سب نظام قائم ہے جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں تو اسی طرح اللہ رب العزت نے زمین والوں کے واسطے نظام عدل قائم رکھنے کے واسطے ترازو اتاری ہے جسکے ذریعے عدل وانصاف قائم کیا جاسکتا ہے اور عدل وانصاف ہے جو بذریعہ ترازو قائم ہوتا ہے اسے زمینی نظام حیات اسی حسن اسلوب سے چل سکتا ہے جس خوبی اور حسن اسلوب سے فلکیات کا نظام چل رہا ہے گویا اللہ رب العزت نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق اور عدل کی بنیاد پر بہترین توازن اور تناسب کے ساتھ قائم فرمایا ہے اگر عدل اور حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام ہی درہم برہم ہوجائے اس لئے ضروری ہے کہ بندے بھی حق اور عدل کی راہ پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔

حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب امانت کا ضیاع ہوجائے گا یہ اس تقدیر پر ہے کہ وضع میزان سے اقامت عدل کا مفہوم لیا جائے ممکن ہے ترازو سے حسی اور ظاہری ترازو مراد ہو اور ترازو ہی سے معاملات کی درستگی اور حقوق کی حفاظت وابستہ ہے تو ہدایت فرمادی گئی کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ ترازو میں کسی قسم کا جھکاؤ اور ابھار نہ ہو نہ لیتے وقت زیادہ تولو اور نہ دیتے وقت کم تولو ترازو کے دونوں پلے یعنی لینے اور دینے کے برابر رکھو آیات سابقہ میں جس طرح دو دو چیزوں کے جوڑے بیان کئے گئے یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ میں زمین کی پستی بیان فرمادی گئی اور یہ احکام وہدایات بلاشبہ مخلوق کی عافیت وبقاء کا عظیم سامان ہیں تو ان چیزوں کو بھی ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا ف۱ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

جو کوئی ہے زمین پر نبڑنے والا ہے، اور رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور تعظیم والا۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

ف۱ یعنی زمین وآسمان کی تمام مخلوق زبان حال وقال سے اپنی حاجات اسی خدا سے طلب کرتی ہے۔ کسی کو ایک لمحہ کے لیے اس سے استغناء نہیں۔ اور وہ بھی =

انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا

پھٹ جائے آسمان تو ہو جائے گلابی جیسے نری ف۱ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پھر اس دن پوچھ نہیں

پھٹ جائے آسمان، تو ہو جائے گلابی، جیسے تیل کی تلچھٹ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ پھر اس دن پوچھ نہیں

يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ

اس کے گناہ کی کسی آدمی سے اور نہ جن سے ف۲ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے پہچانے پڑیں گے گناہ گار

اس کے گناہ کی کسی آدمی سے نہ جن سے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ پہچانے پڑیں گے گناہ گار

بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ

اپنے چہرے سے ف۳ پھر پکڑا جائے گا پیشانی کے بال سے اور پاؤں سے ف۴ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے یہ دوزخ ہے

اپنے چہرے سے، پھر پکڑا جائے گا ماتھے کے بال سے اور پاؤں سے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ یہ دوزخ ہے

الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

جس کو جھوٹ بتاتے تھے گناہ گار ف۵ پھریں گے بیچ اس کے اور کھولتے پانی کے ف۶ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

جس کو جھوٹ بتاتے گناہگار، پھرتے ہیں بیچ اس کے، اور کھولتے پانی کے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ ع ۲

جھٹلاؤ گے

جھٹلاؤ گے؟

عظمت خداوند رب انام مع ذکر احوال قیامت وذلت و بدحالی مجرمین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ... الی ... تُكَذِّبٰنِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں فرمائی تھیں جن کے ضمن میں ان گراں قدر انعامات کا ذکر فرمایا جو جن وانس پر کی گئیں اور ظاہر ہے کہ ان دلائل وانعامات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جن وانس اسکی اطاعت و بندگی میں

ف۱ یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور رنگ میں لال تری کی طرح ہو جائے گا۔

ف۲ یعنی کسی آدمی یا جن سے اس کے گناہوں کے متعلق معلوم کرنے کی غرض سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ خدا کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں بطور الزام و توبیخ ضابطہ کا سوال کریں گے۔ کما قال ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ یا یہ مطلب ہو کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال نہ ہو گا بعد میں ہونا اس کے منافی نہیں۔

ف۳ یعنی چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے مجرم خود بخود پہچانے جائیں گے جیسے مومنین کی شناخت سجدہ اور وضو کے آثار و انوار سے ہو گی۔

ف۴ یعنی کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کو پاؤں سے ملا دیں گے اور زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔

ف۵ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

ف۶ یعنی کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا عذاب ہو گا۔ (اعاذنا اللہ منہما ومن سائر انواع العذاب)

مصروف ہو جائیں اب ان آیات میں عظمت خداوندی کا بیان ہے اور قیامت کی ہول وشدت اور اس میں مجرمین پر جو ندامت وذلت ہوگی اس کا ذکر ہے کہ قیامت کے ہولناک احوال میں منکرین ومکذبین کا کیسا عبرتناک حال ہوگا۔

ارشاد فرمایا جو بھی کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے جن وانس ہوں یا شجر وحجر ہوں ہر چیز پر یقیناً فنا طاری ہو کر رہے گی اور اے مخاطب بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے ہر چیز کے فنا کے بعد قیامت اور پھر حشر ونشر پر مطیعین کے واسطے انعامات اور مجرمین کے لئے عذاب وسزا کس قدر عظیم انعام ہے تو پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے اس کی شان عظمت وکبریائی کا تو یہ حال ہے کہ اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں کل کائنات اور مخلوق اسی کی محتاج ہے ہر ایک اپنی حاجت اسی سے مانگتا ہے زبان حال سے ہو یا زبان قال سے کسی کو ایک لحہ کیلئے بھی اس سے اس استغناء وبے نیازی نہیں وہی مخلوق کی حاجت روائی اپنی حکمت سے کرتا ہے مخلوق کیا انواع واقسام بیشمار ہیں اور ان کی حاجتیں اور تقاضے متضاد بھی ہیں اور مخلوق کے احوال بھی مختلف ہیں جن وانس میں کوئی نیک ہے کوئی بد کوئی مطیع وفرماں بردار ہے اور کوئی نافرمان کوئی ہمدرد ومخلص اور مخلوق خدا کو آرام پہنچاتا ہے تو کوئی ظلم وتعدی اور سرکشی اختیار کئے ہوئے ہیں اس وجہ سے ہر نوع مخلوق اور ہر حالت اور ہر طرز عمل پر اس کی شان جداگانہ ہے اس کی حکمت بالغہ کے باعث یہ ہے کہ ہر روز اس کی ایک شان ہے کسی کو بڑھانا کسی کو گھٹانا کسی کو عزت دینا کسی کو پست کرنا اور ذلیل کرنا کسی کو انعام واکرام سے نوازنا کسی کو اس کے برے اعمال کی بدولت مصائب وآفات میں مبتلا کرنا کسی کو طاعت وانابت الی اللہ کی توفیق سے نوازنا کسی کو اس کی شومئ قسمت سے خیر اور عمل صالح سے دور کر دینا کبھی کسی کو تندرست رکھنا اور کبھی بیمار کر دینا کسی کو مارنا کسی کو جلانا غرض جمال وجلال کے یہ شئون ہیں جو مخلوق کی صلاحیت اور انکے احوال کے تفاوت سے بدلتی رہتی ہیں یہ اختلاف شئون بھی ایک عجیب نعمت ورحمت ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر بتاؤ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے قیامت بہرحال آنی ہے اور یہ نظام عالم اور دنیا کے سارے دھندے عنقریب ختم ہونے والے ہیں یہ ایک دور ہے دنیوی زندگی کا جو دار العمل ہے اس کے بعد پھر دوسرا دور شروع ہوگا سو عنقریب ہم فارغ ہو جائیں گے تمہارے واسطے اے جن وانس۔ بس پھر یہی کام رہے گا کہ مطیعین کو جزاء اور انعامات سے نوازنا اور مجرمین ونافرمانوں کو سزا اور عذاب تو پھر اب بتاؤ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے خداوند عالم کی حکومت اس کا حکم اور اسکی گرفت کائنات کو محیط ہے کوئی اس کے دائرہ حاکمیت سے نہیں نکل سکتا تو اے گروہ جن وانس اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ بھاگ نکلو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نکل کر اور بچ کر تم کہاں جاسکتے ہو اور کون سی وہ جگہ ہوسکتی ہے جہاں تم آسمانوں اور زمین کے کناروں اور حدود سے نکل جاؤ ہرگز نہیں نکل سکتے بغیر قوت اور غلبہ کے اور یہ ممکن نہیں کہ خدا کے مقابلہ میں کسی کو کوئی غلبہ اور قدرت ہو اس کا حکم اور غلبہ ہی ہر جگہ تم کو محیط ہے تم اس کے احاطہ حکم سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے اور اگر کہیں جانا ہی چاہو تو جہاں جاؤ گے اسی کے حکم اور حکومت کے دائرہ میں رہو گے اس وقت یہ حالت ہوگی ﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ﴾ بھاگنے کی جگہ تلاش کرے گا مگر نہ ملے گی تو پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے یقیناً یہ بہت بڑا اللہ کا انعام ہے کہ ایسی باتیں واضح طور پر بتادیں اور جن وانس کو ان پر آگاہ کر دیا چھوڑے جائیں گے تم پر اے جن وانس جو

بھی تم میں سے منکر و کافر اور مجرم ہوں گے دہکتی آگ کے شعلے پر جو صاف اور بغیر دھوئیں کی آمیزش کے اور دھواں ملے ہوئے شعلے جب دونوں طرح شعلے تم پر برستے ہوں گے تو پھر تم کسی طرح بدلہ نہیں لے سکو گے نہ تم میں ظاہر ہے کوئی طاقت ہوگی اور نہ تمہارا کوئی مددگار و ہمدرد ہوگا اے جن و انس مجرموں کو سزا کتنا بڑا انعام ہے تو پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

پھر جب پھٹ جائے آسمان پھر وہ ہو جائے سرخ چمڑے کی طرح جب کہ پروردگار قیامت برپا فرمائے گا اور اس کا قہر و جلال اس طرح ظاہر ہو رہا ہوگا تو بلا شبہ اس کی قدرت و عظمت اور ہیبت و جلال ہر ایک کو نظر آتا ہوگا یہ کس قدر عظیم قدرت کی نشانی ہے اور اس قدرت کی نشانی میں کیسا عظیم سامان عبرت ہے جن و انس کے لئے جو یقیناً اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے تو اے جن و انس پھر تم اپنے رب کی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے تو پھر اس روز نہیں پوچھا جائے گا کسی سے اس کے گناہ کے متعلق نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے اس لئے کہ ہر ایک کے اعمال ظاہر ہوں گے خود ہر مجرم کے ہاتھ پاؤں اس کے جرم کی گواہی دے رہے ہوں گے اور اگر سوال بھی ہوگا جیسا کہ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾۔ تو وہ سوال توبیخ و تہدید اور تحقیر و تذلیل کیلئے ہوگا یہ نہیں کہ نفس گناہ اور جرم کو معلوم کرنے کیلئے کہ یہ گناہ یا جرم کیا یا نہیں ایسی حقیقتوں کا عالم دنیا میں بتا دینا اور ان باتوں سے آگاہ کر دینا کس قدر بڑا انعام ہے تو اے جن و انس تم اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کا انکار کرو گے بس اس وقت تو یہ عالم ہوگا کہ مجرموں کو پہچانا جاتا ہوگا انکے چہروں سے اور چہرے کی علامتوں سے جیسے ہر مجرم کا چہرہ اس کے جرائم کا آئینہ دار ہوتا ہے پھر پکڑا جائے گا پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پاؤں میں سلاسل و بیڑیاں ہوں گی اور اس حالت میں پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جا رہا ہوگا[1] سن لو یہ قدرت و عظمت کی نشانیاں تو بتاؤ پھر بھی اپنے رب کی کس کس نشانی کا تم انکار کرو گے اس حالت میں کہ کفار و مجرمین طوق و سلاسل میں جکڑے پیشانیوں کے بل بالوں سے گھسیٹے جا رہے ہوں گے اور کہا جا رہا ہوگا ان سے سن لو یہ ہے وہ جہنم جس کا مجرمین انکار کرتے تھے پھرتے ہوں گے اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان کہ جہنم کا ایک حصہ دہکتی آگ کے شعلوں کا ہوگا اور دوسرا حصہ کھولتے ہوئے پانی کا ہوگا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو، اور یہ مجرم اس کے درمیان گشت کرتے ہوں گے اور اسی طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے تو اے جن و انس پھر بھی تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں کہ تم کو مجرمین کے احوال سنا دیئے تا کہ تم اس طرح کے جرم سے بچو اور اللہ کی طاعت و بندگی کا راستہ اختیار کرو۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ۝٤٦ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝٤٧ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۝٤٨ فَبِأَيِّ

اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کے لیے ہیں دو باغ ف۱ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ جن میں بہت سی شاخیں ف۲ پھر

اور جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کو ہیں دو باغ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ جن میں بہت سی ٹہنیاں۔ پھر کیا

ف۱ یعنی جس کو دنیا میں ڈر لگا رہا کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے۔ اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا اس کے لیے وہاں دو عالیشان باغ ہیں جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں۔

ف۲ یعنی مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں نہایت پر میوہ اور سایہ دار ہوں گی۔

[1] حضرت استاذ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں یا یہ کہ ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر پیشانی کے بالوں سے ملا دیں گے۔ ۱۲

الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا

کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں ف۱ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان دونوں میں

کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے بہتے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ ان میں

مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا

ہر میوہ قسم قسم کا ہوگا پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے بچھونوں پر جن کے

ہر میوے کی قسم قسم۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ لگے بیٹھے بچھونوں پر، جن کے

مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ

استر تافتے کے ف۲ اور میوہ ان باغوں کا جھک رہا ف۳ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں عورتیں ہیں

استر تافتہ کے۔ اور میوہ ان باغوں کا جھک رہا۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ ان میں عورتیں ہیں

الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾

نیچی نگاہ والیاں نہیں قربت کی ان سے کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ف۴ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے

نیچی نگاہ والیاں، نہیں بیاہا ان کو کسی آدمی نے ان سے پہلے، اور نہ کسی جن نے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا

وہ کیسی جیسے کہ لعل اور مونگا ف۵ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور کیا بدلہ ہے نیکی کا مگر نیکی ف۶ پھر

وہ کیسی جیسے لعل اور مونگا۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ اور کیا بدلہ ہے نیکی کا مگر

الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَا

کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور ان دو کے سوا اور دو باغ ہیں ف۷ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

نیکی۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ اور ان دو باغ کے سوا اور دو باغ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

ف۱ یعنی جو کسی وقت تھمتے نہیں۔ نہ خشک ہوتے ہیں۔

ف۲ جب ان کا استر دبیز ریشم کا ہوگا تو ابرے کو اسی سے قیاس کر لو۔ کیسا کچھ ہوگا۔

ف۳ جس کے چننے میں کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں بے تکلف متمتع ہو سکیں گے۔

ف۴ یعنی ان کی عصمت کو کسی نے بھی چھوا، نہ انہوں نے اپنے ازواج کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

ف۵ یعنی ایسی خوش رنگ اور بیش بہا۔

ف۶ یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ان جنتیوں نے دنیا میں اللہ کی انتہائی عبادت کی تھی۔ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اللہ نے ان کو انتہائی بدلہ دیا۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾

ف۷ شاید پہلے دو باغ مقربین کے لیے تھے اور یہ دونوں اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾

جھٹلاؤ گے گہرے سبز جیسے سیاہ ف۱ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے ہیں ابلتے ہوئے

جھٹلاؤ گے ؟ گہرے سبز جیسے سیاہ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ ان میں دو چشمے ہیں ابلتے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں میوے ہیں اور کھجوریں اور انار ف۲ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ ان میں میوہ اور کھجوریں اور انار۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي

جھٹلاؤ گے ان سب باغوں میں اچھی عورتیں ہیں خوب صورت ف۳ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے حوریں رکی رہنے والیاں

جھٹلاؤ گے ؟ سب باغوں میں نیک عورتیں ہیں خوبصورت۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ گوریاں رکی رہتیاں

الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ

خیموں میں ف۴ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے نہیں ہاتھ لگایا ان کو کسی آدمی نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے پھر کیا

خیموں میں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ نہیں بیاہا ان کو کسی آدمی نے ان سے پہلے، نہ کسی جن نے۔ پھر کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے سبز مسندوں پر اور قیمتی بچھونے نفیس پر پھر کیا کیا نعمتیں

کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ لگے بیٹھے سبز چاندنیوں پر اور چھاپے کی خوش طرح۔ پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کی جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے ف۵

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ؟ بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کے جو بزرگی رکھتا ہے تعظیم والا۔

اعزاز واکرام اہل ایمان بعطاء نعمتہائے عظام از رب ذی الجلال والاکرام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ... الی ... ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾

ف۱ سبزی جب زیادہ گہری ہوتی ہے تو سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔

ف۲ مگر یہاں کے انار اور کھجوروں پر قیاس نہ کیا جائے۔ ان کی کیفیت اللہ ہی جانے۔

ف۳ یعنی اچھے اخلاق کی خوبصورت اور خوب سیرت۔

ف۴ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے ہی سے ہے۔

ف۵ یعنی جس نے اپنے وفاداروں پر ایسے احسان وانعام فرمائے اور غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصلی خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے۔ اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں پھر سمجھ لو جس کے اسم میں اس قدر برکت ہے مسمیٰ میں کیا کچھ ہوگی۔ "وَنَسْئَلُ اللّٰهَ الْكَرِيْمَ الْوَهَّابَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ =

ربط:......گزشتہ سلسلہ آیات کفار ومجرمین کی تنبیہ اوران کی سزاؤں کے بیان پر مشتمل تھا ان آیات میں اہل ایمان اور مطیعین کی جزاؤں اوران پر آخرت میں عطا کردہ نعمتوں اورراحتوں کا بیان ہے ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

اور جو شخص بھی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اس کیلئے دو باغ ہیں جنت کے عظیم الشان باغات میں سے جن کی نعمتیں اور راحتیں وہ ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے قلب ودماغ میں اس کا تصور ہوا ظاہر ہے کہ یہ استحضار وتصور اور ڈر کہ اللہ کے سامنے میں کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا قدم قدم پر انسان کو ہر خطاء وغلطی سے بچائے گا اور ہر مرحلہ پر وہ آخرت کے اجر وثواب حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے گا اور تقویٰ کا بلند ترین راستہ اختیار کرکے جن کے ایسے عالیشان باغات کا مستحق ہوگا پھر اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ؟ ان عالیشان باغوں کی صفت یہ ہوگی کہ بہت سی شاخوں والے ہوں گے جو مختلف وانواع واقسام پر مشتمل ہوں گی جن پر متعدد اقسام کے پھل ہوں گے اوران کی شادابی اور سایہ اور بھی راحت ولذت کا باعث ہوگا تو پھر کس کس نعمت کو اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو بہتے ہوں گے جس کی وجہ سے نہ کوئی درخت خشک ہوگا اور پھلوں اور پھولوں کی شادابی میں کوئی کمی نہیں آئے گی تو پھر بتاؤ کس کس نعمت کا اپنے رب کی نعمتوں میں سے انکار کرو گے ان باغوں میں پھل اور میوے ہوں گے قسم قسم کے پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ان نعمتوں اور ہر قسم کے خوشگوار پھلوں اور میووں کے علاوہ راحت اور آرام کے بھی پورے سامان عطا کئے جائیں گے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ایسے بستروں پر جن کے استر بھی دبیز ریشم کے ہوں گے اوران باغوں کا میوہ (پھل) جھک رہا ہوگا اہل جنت کی جانب اوران کو اتنی بھی مشقت کی ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں اور درختوں کے قریب جا کر درختوں پر چڑھیں اور پھل توڑیں بلکہ درختوں کی شاخیں ان پر جھکی ہوئی ان سے قریب ہوں گی جب چاہیں تازہ بتازہ پھل درختوں سے توڑ کر کھاتے رہیں تو اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے ان تمام نعمتوں اور اسباب راحت کے علاوہ یہ بھی انعام ہوگا کہ ان باغات میں ایسی عورتیں (حورعین) ہوں گی جو نگاہ نیچی رکھنے والی ہوں گی۔ حیاء عورت کی زینت وخوبصورتی ہے تو ظاہری جملہ محاسن اور خوبصورتیوں پر ایک مزید خوبصورتی یہ ہوگی کہ وہ قاصرات الطرف اور نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جو ان کی عفت کی نشانی ہے جن کو نہ چھوا ہوگا ان سے پہلے کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے جو خاص ان ہی اہل جنت کے واسطے پیدا کی جائیں گی تو پھر سوچو بتاؤ اے جن وانس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ حوریں اپنے حسن وجمال اور طہارت وپاکیزگی میں گویا یاقوت ومرجان اور خوش رنگ وبیش بہا مونگا ہوں گی تو پھر کس کس نعمت کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ظاہر ہے کہ احسان ونیکوکاری کا بدلہ کچھ نہیں سوائے بھلائی اور خوبی کے سواس وجہ سے اہل ایمان واحسان کو ایسی ہی بھلائیوں، خوبیوں، نعمتوں اور راحتوں کا بدلہ دیا جائے گا تو اے جن وانس بتاؤ اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے اوران دو باغوں سے کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے، تو پھر کیا کیا اپنے رب کی نعمتوں کی تم تکذیب کرو گے نہایت سبز گہرے رنگ کے ہوں گے کہ انکی شادابی اور تروتازگی انتہاء پر پہنچی

=اَنْ یَّجْعَلَنَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ۔" امین۔ تم سورۃ الرحمن وللہ الحمد والمنۃ۔

ہوگی تو کس کس نعمت کا اپنے رب کی نعمتوں میں سے انکار کرو گے ہر نعمت وانعام کو اے جن وانس سوچو غور کرو اور اس نعمت کا تصور کر کے سمجھو کہ خدا کا کس قدر انعام وکرم ہے اسکی ہر نعمت دعوت فکر دے رہی ہے اور نعمتوں سے نوازے ہوئے ہر فرد سے سوال کرتی ہے کیا تو مجھ کو جھٹلا سکتا ہے۔

ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہیں پانی کے ابلتے ہوئے تو پھر کس کس نعمت کا اپنے رب کی تم انکار کرو گے ان میں پھل میوے کھجوریں اور انار ہیں جو دنیا کے پھلوں کھجوروں اور انگور وانار پر قیاس نہیں کیے جاسکتے جیسی وہاں کی ہر نعمت اس عالم کی شان بلند وبالا کے مطابق ہے اسی طرح یہ پھل اور غذائیں بھی وہی کی شان کے مطابق ہوں گی نام تو بے شک یہی ہیں جو دنیا کے پھلوں کے ہیں لیکن دنیا کے پھلوں اور جنت کے پھلوں میں زمین وآسمان سے بھی زائد فرق ہے تو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ ان سب باغوں میں جو یہ دو کم درجے کے ہیں اور وہ پہلے دو جو نہایت عالی شان اور بلند مرتبہ ہیں نہایت ہی بہترین پاکیزہ خوبصورت عورتیں (یعنی حورعین) تو پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے وہ حوریں ہیں جو رکی رہنے والی ہیں خیموں میں یہ نہیں کہ باہر نکلی نکلی ماری ماری پھرتی ہوں عورت کی عظمت اور اس کی خوبی و خوبصورتی ستر وحجاب اور اپنے گھر کی زینت ہی بنے رہنے میں ہے اس وجہ سے اہل جنت کے واسطے جو حورعین جنت میں ہوں گی ان کی خاص صفت "فی الخیام" بیان فرمائی گئی پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمت تم جھٹلاؤ گے نہ چھوا ہوگا ان حورعین کو ان سے پہلے کسی آدمی نے اور نہ کسی جن نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے یہ اہل جنت تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسندوں اور نہایت قیمتی نفیس بچھونوں پر انتہائی راحت اطمینان وسکون کی یہ نشست ہوگی جو ان کی مجلسوں میں نظر آتی ہوگی یہ ہوں گے انعامات اور اعزاز واکرام اہل ایمان اور خداوند عالم سے خشیت وتقویٰ رکھنے والے بندوں پر تم اے جن وانس بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے اے مخاطب ان تمام تفصیلات کو سننے کے بعد بس سمجھ لے کہ بڑی ہی برکت والا ہے تیرے رب کا نام جو بڑی ہی عظمت اور بزرگی والا ہے یہ سب قدرت کی نشانیاں "جنت وجہنم" اور انکے احوال اہل جہنم پر عذاب وسزائیں اور اہل جنت پر انعام وکرم خداوند ذوالجلال کی عزت وکبریائی کی ایسی دلیل ہے کہ نہ اس میں کوئی شبہ کرسکتا ہے اور نہ کسی کو انکار کی مجال ہوسکتی ہے یہ اسی کا کرم ہے وہ اپنے وفادار بندوں پر احسان وانعام فرماتا ہے اور اسی کی یہ شان کبریائی ہے کہ مجرمین سے انتقام لیتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر خوبی اور نعمت کا سرچشمہ اللہ رب العزت کی ذات ہے اور یہ ساری نعمتیں اہل ایمان کو اس کا نام لینے اور اس کا کلمہ پڑھنے کی بدولت ہیں اس لئے جیسے اس کی ذات بالا وبرتر اور بابرکت ہے معلوم ہوا کہ اس کا نام بھی بہت بڑا ہے جس کے لینے سے یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

صدق اللہ تبارك اسم ربك ذی الجلال والاکرام نسئال اللہ العظیم الکریم الوھاب ذالجلال والاکرام ان یجعلنا من اھل الایمان والاخلاص وان یحشرنا مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولئك رفیقا، امین یارب العالمین۔

قرآن کریم میں تکرار آیات ومضامین کی حکمت

سورۃ الرحمٰن میں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کا بار بار اعادہ فرمایا گیا اسی طرح سورۃ القمر میں ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾ اور سورۃ والمرسلات میں ﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ﴾ مکرر ہے تو تکرار مضامین وآیات کے سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے اصولی طور پر حضرات قارئین کی خدمت میں اجمالاً اتنا عرض کر دیا جائے کہ قرآن کریم کے طرز بیان میں ایک خصوصی طرز یہ بھی ہے کہ واقعات وقصص اور انکے اجزاء کو بار بار بیان کرتا ہے اور بعض آیات معینہ بار بار دہرائی جاتی ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر کیے گئے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام اور فرعون کے ذکر سے تو شاید ہی کوئی حصہ قرآن کریم کا خالی ہو ان تمام واقعات کو قرآن بکثرت کہیں اجمال اور تفصیل سے کسی جگہ بعض اجزاء قصہ اور دوسری جگہ دوسرے بعض اجزاء بیان کرتا ہے اسی طرح بعض آیات مثلاً ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ اور ﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ﴾ ایک ہی سورت میں بار بار دہرائی جارہی ہے تکرار مضامین وآیات کی تفصیلی حکمتیں تو متعلقہ مقامات کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ زمخشری رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

اس مقام پر ان حضرات اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کردہ بعض اصولی چیزیں اشارۃً بیان کرنے پر ہم اکتفاء کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ قرآن کریم جن واقعات کو بیان کرتا ہے ہر واقعہ اپنے مختلف اجزاء اور متعدد پہلوؤں کے اعتبار سے بہت سے مفید ثمرات اور اہم نتائج پر مشتمل ہوتا ہے تو ہر مقام وموضوع اور مقصد کی رعایت کرتے ہوئے ہر واقعہ کو کبھی مجموعی طور پر اور کبھی اس کے کسی ایک جز اور پہلو کو کہیں اجمال اور کہیں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور متعدد مقامات پر اس ایک ہی واقعہ کو ذکر کرنے سے ہر مقام کے مناسب ایک نئے فائدہ اور نتیجہ کا اخذ کرنا مقصود ہوتا ہے انہیں مقاصد ونتائج کی کثرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان واقعہ یا اس کے اجزاء میں تکرار اختیار کیا جاتا ہے دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیز مکرر ذکر کی جارہی لیکن مقصد اور غرض کے اعتبار سے وہ مکرر نہیں بلکہ نئی چیز ہوتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بنیادی اجزاء اور پہلو حسب ذیل ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد آغوش مادر کے بجائے سمندر کی موجوں کے حوالہ ہو جانا پھر ایک حیرت انگیز طریقہ سے فرعون کے یہاں پہنچ جانا اسی کے گھر میں تربیت پانا قبطی کو قتل کر کے مدین کی طرف جانا وہاں ایک انوکھے طور پر نکاح ہو جانا اہلیہ کو ہمراہ لے جاتے ہوئے آگ کے شعلہ کو دیکھ کر پہاڑی پر جانا اور وہاں سے منصب نبوت سے سرفراز ہو کر لوٹنا اور معجزہ کا عطا ہو جانا پھر دعوت ایمان لے کر فرعون کے پاس جانا فرعون کا تمرد وسرکشی کے ساتھ تحقیر آمیز سوال وجواب کرنا معجزات دیکھ کر فرعون اور تمام ساحروں کا ذلیل ہونا انجام کار فرعون اور اس کی قوم کا دریائے نیل میں غرق ہو جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مظفر ومنصور ہو کر بنی اسرائیل کو روز روز کے عذاب سے بچا لینا وغیرہ وغیرہ۔

اب قرآن کریم کبھی اس قصہ اور اس کے اجزاء کو اپنی قدرت عظیمہ اور اپنی جلالت شان کے ظاہر کرنے کے لیے

ذکر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت وطاقت اور سطوت وجبروت کے سامنے فرعون جیسے متمرد اور مغرور ومتکبر بادشاہ کی حقیقت کچھ نہیں دم کے دم میں اللہ نے اسکی سلطنت اور طاقت وشوکت کو درہم برہم کرڈالا اتنے بڑے ساز وسامان والا کس طرح بے گور وکفن مارا گیا کسی جگہ مقصود ان ہی ہیبت ناک اور تاسف انگیز واقعات کے بیان کرنے سے غافل بندوں کو عبرت دلانا ہوتا ہے کہ تم کو بھی ان معاصی اور کفریات سے باز رہنا چاہئے جن کا یہ خمیازہ پہلی قومیں بھگت چکی ہیں ورنہ کچھ بعید نہیں کہ خدا کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو کسی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی اتباع کرنے والوں پر احسان جتانا مقصود ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پر پیغمبر خدا کی اطاعت وپیروی کی وجہ سے یہ انعام فرمائے کہ ایسے جابر وخونخوار کے پنجہ ظلم سے نجات بخشی جس کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہ تھی پھر اسی ظالم کے تاج وتخت کا وارث بھی بنادیا۔

کسی جگہ معجزات کے ذکر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے غرض اسی نوع کے اور بہت سے مقاصد ہوتے ہیں جن کے پیش نظر واقعات اور انکے اجزاء کو ہر ایک مقصد کے اثبات کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز تکرار مطالب قرآن کے متعلق اکسیر فی اصول التفسیر [1] میں فرماتے ہیں:

"تکرار در مطالب قرآن کریم برائے آں است کہ آنچہ خواہیم کہ سامع را افادہ نمائیم دو قسم می باشد یکے از آنکہ مقصود آنجا مجرد تعلیم مالا یعلم بود تا مخاطب حکم مجہول را معلوم کند وآں نادانستہ دانستہ گردد دیگر آں کہ مقصود استحضار آں علم مدرکہ او باشد تا ازاں لذت فراواں گیرد ورنگ ایں علم بر ہمہ قویٰ غالب آید وقرآن کریم بہ نسبت ہر یکے از علوم خمسہ کہ بیانش خواہد آمد ہر دو قسم افادہ ارادہ فرمود تعلیم مالا یعلم بہ نسبت جاہل ورنگین ساختن نفوس بداں بہ سبب تکرار بہ نسبت عالم اللہم مگر در اکثر احکام کہ تکرار آنجا حاصل نشدہ افادہ دوم آنجا مطلوب نبودہ ولہٰذا در شریعت بتکرار تلاوت امر فرمودہ اند نہ بمجرد فہم اکتفاء کردہ اند ایں قدر فرق نہادہ اند کہ در اکثر احوال آں مسائل بعبارت تازہ واسلوب جدید اختیار فرمودہ اند تا اوقع باشد در نفوس والذ باشد در اذہان اگر تکرار بیک لفظ کنند چیزے باشد کہ بطو وظیفہ آں را تکرار نمانید در صورت اختلاف تعبیرات وتفاسیر اسالیب ذہن خوض کند وخاطر بکلی در آں فرو رود"۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہوتی ہیں اور دو ہی اعتبار ونظریوں کے ساتھ قرآن خطاب فرماتا ہے ایک وہ کہ جو اس حکم سے ناواقف ہیں ان کو تو صرف ایک نامعلوم چیز کی طرف تعلیم دینا ہے دوسرے وہ کہ محض امر غیر معلوم کی تعلیم دینا مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کیفیت کا قلب میں راسخ کردینا مقصود ہوتا ہے تا کہ قوت مدرکہ اس علم کا پورے طور پر استحضار کرے اور طبائع اس سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ اس کے رنگ میں رنگی جائیں۔

اور ظاہر ہے کسی کام میں ملکہ بغیر اسکی پابندی اور التزام اور بار بار کی مشق کے نہیں ہوسکتا اسی طرح اذہان وطبائع کا علوم الٰہیہ کے رنگ میں رنگا جانا تکرار ومداومت کا محتاج ہوگا جیسا کہ نماز وروزہ اور تمام عبادات کی پابندی اس امر کا باعث ہے کہ ہم اطاعت وانقیاد کے خوگر ہوجاتے ہیں اور بلکہ بسا اوقات اس کے ترک سے اذیت محسوس ہونے لگتی ہے اس طرح کلمہ

[1] صفحہ نمبر ۱۰ مطبوعہ کانپور۔ ۱۲

توحید اور ذکر اللہ کی پابندی حق تعالیٰ کے تصور اور اس کی محبت قلب میں جما دینے کی تاثیر رکھتی ہے قلب میں اس کیفیت کے رسوخ کا ذریعہ کثرت ذکر کثرت تلاوت تکرار اور مواظبت عمل ہے تو مضامین و مطالب قرآنیہ کا تکرار بھی اسی لئے ہے کہ تا کہ مخاطبین کے قلوب میں یہ مضامین وعلوم پورے طور پر راسخ و متمکن ہو جائیں اور طبیعت انہی کے رنگ میں رنگی جائے ذہن انکی حلاوت وشیرینی سے لطف اندوز ہونے لگیں پھر مزید خوبی یہ کہ تکرار بعینہ ایک ہی لفظ اور عنوان کے ساتھ نہیں بلکہ ہر جگہ تازہ عبارت اور نئے اسلوب کے ساتھ ہے تو اختلاف تعبیرات کی وجہ سے ذہن کو زیادہ غور وخوض کا موقع ملتا ہے اور مدرکہ انسانی کو ہر بار اس مضمون کے سننے سے نئی لذت حاصل ہوتی ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں ایک ہی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ بار بار دھرائی گئی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی مخلوق جن وانس پر بڑے انعامات کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت کے ذکر کے بعد اس آیت کو لایا گیا تقریر وتثبیت اور الزام حجت کے طور پر کہ اے جن وانس (بھلا بتاؤ) اب اپنے رب کی نعمتوں میں کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (انکی ناشکری کرو گے) مقصد یہ ہے کہ سامع ہر ہر نعمت پر متنبہ ہو کر اپنے پروردگار کی نعمتوں کو پہچانے اور ان کا شکر بجالانے کے لیے آمادہ ہو اس سورت میں انعامات کا ذکر ایک تو بصورت انعام ہے کہ ان نعمتوں کو یاد لایا گیا جو منعم حقیقی کی طرف سے بندوں پر کی گئیں اور دوسرے اخروی رنج ومحن اور عذاب جہنم کے بیان میں اپنے انعام کو ذکر فرمایا تا کہ ان آلام اور کیفیات مصائب کو سن کر ان امور سے پرہیز کریں جو عذاب اخروی کا سبب ہیں ان امور کا ذکر بھی انعام ہے اگرچہ بیان تو عذاب اور شدت کا ہے مگر اس وجہ سے کہ اس سے مقصود بندوں کو ان اعمال وافعال سے بچنے کی تعلیم ہے جو اس عذاب وشدت کا باعث ہیں لامحالہ ان احوال کا ذکر بھی یقیناً ایک نعمت خداوندی ہی ہوا اور اس پر ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ اسی طرح مربوط اور چسپاں ہوا جیسے دیگر انعامات خداوندی پر ہے زانی وبدکار اور لوٹ وغارت گری ڈالنے والوں کی سزا پاک باز ونیک طینت لوگوں کو بعنوان بشارت اور اس طرح اس کو تعبیر کیا جائے کہ یہ سزا دینے والے حاکم کے انعامات میں سے ایک عظیم انعام ہے یا جیسے تریاق کا ذکر انعام ہے تو اس کے بالمقابل سم اور مہلک زہر کا بیان بھی مخاطب کے واسطے معلم کا بہت بڑا انعام ہے تا کہ وہ اپنے مخاطب کو نافع اور مضر ہر قسم کی چیزوں سے مطلع اور باخبر کر دے۔

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ "نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز" اور سید مرتضیٰ "کتاب الامالی" میں فرماتے ہیں:

ان فعل العقاب وان لم یکن نعمة فذکره ووصفه والانذار به من اکبر النعم لان فی ذالك زجرا عما یستحق به العقاب۔ [1]

بے شک فعل عقاب اور عذاب بظاہر اگرچہ کوئی نعمت نہیں ہے لیکن اس کا ذکر اور اس کی کیفیت کا بیان بڑی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے کیونکہ اس کے ذکر سے ان برے کاموں سے روکنا مقصود ہے جنکے کرنے سے انسان عذاب خداوندی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

شیخ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

---

[1] کتاب الامالی ص ۸۸۔

وقد سئل ای نعمة فی قوله تعالیٰ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ فاجیب باجوبة حسنها النقل من دار الهموم الی دار السرور وراحة للمومنین (الاتقان فی علوم القرآن)۔

یہ سوال کیا گیا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ میں کونسی نعمت کا بیان ہے (کہ جس کے بعد ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ فرمایا گیا جس طرح انعامات خداوندی پر اس کو اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے) تو اس کے متعدد جواب دیئے گئے جن میں سب سے بہتر یہ جواب ہے کہ اس آیت میں دارالھموم (یعنی تکالیف وآلام اور رنج وغم کی زندگی) سے دارالسرور کی طرف منتقل ہونے کا اور اہل ایمان کے واسطے راحتوں کا بیان ہے (جو یقیناً ایک عظیم الشان نعمت ہے لہٰذا اس کے ذکر پر بھی ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ آیت مربوط اور چسپاں بلکہ نہایت ہی لطیف ہے۔)

غرض قرآن کریم کے خصوصی طرز خطاب میں تکرار خطاب مضامین اور آیات میں جس کے بیشمار اسرار اور حکمتیں ہیں ہم نے صرف بطور مثال یہ چند چیزیں بیان کردیں۔

اعجاز قرآن کی بحث ہم یہ عرض کر چکے ہیں دنیا کے تمام اہل علم اور ارباب نظر وفکر اور اصحاب فہم وبصیرت بھی قرآن کریم کے حقائق ومعارف اور اس کے اسرار ولطائف کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے اس باب میں انکی مشترکہ مساعی اور کوششیں صرف وہی نسبت رکھ سکتی ہیں جو ناپیدا کنار سمندر کے سامنے ایک قطرہ کو ہے وحی الٰہی اور علوم قرآن کے سامنے تمام دنیا کے اہل علم کی علمی وفکری صلاحیتوں کے بارے میں قرآن کریم نے فیصلہ فرمادیا ہے۔

﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾

اور نہیں دیا گیا ہے اے لوگو! تم کو علم میں سے مگر ایک نہایت ہی قلیل حصہ۔

اس لیے ظاہر ہے کہ یہ محدود علم کس طرح لامتناہی اور غیر محدود علوم اور حقائق کی بلندیوں تک رسائی کر سکتا ہے۔

﴿فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

تکرار آیات کی حکمت پر علامہ سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر اوقات ایک واقعہ مختلف اجزاء کے اعتبار سے بہت سے مسائل اور متعدد نتائج پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم اس واقعہ کو کسی وقت کسی لحاظ سے ذکر کرتا ہے۔

اور کسی وقت دوسرے لحاظ سے اس کا ذکر کرتا ہے اور ہر موقع پر اس کے ایک خاص نتیجہ کا لحاظ کرتے ہوئے کلام کی تحقیق وتثبیت یا اس کی تفصیل وتوضیح ہوتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ سے متعلق بہت سے مسائل وموضوعات ہیں اور اس کے متعدد اجزاء ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حیرت انگیز طریقہ پر فرعون کے یہاں پہنچنا اور اس کے یہاں تربیت پانا ایک قبطی کے قتل کے بعد مدین کی طرف جانا اور وہاں ایک عجیب اور انوکھے طریقے سے نکاح ہوجانا اپنے اہل

کو لے کر جاتے ہوئے راستہ میں آگ دیکھنا اور آگ دیکھنے کی بجائے منصب نبوت ورسالت سے سرفراز ہونا معجزات میں خاص معجزہ ید بیضاء اور عصا کا معجزہ دیا جانا، پھر ان معجزوں کو لے کر فرعون کے دربار میں دعوت توحید وایمان کے ساتھ جانا جادوگروں کا مقابلہ اور ان کا ایمان لانا فرعون کی دھمکی اور جادوگروں کی ایمان پر ثابت قدمی اور پختگی وغیرہ وغیرہ اب ظاہر ہے کہ یہ متعدد موضوعات ہیں سطحی منظر سے دیکھنے والا ہر موقع پر یہ خیال کرے گا کہ بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا واقعہ دہرایا جا رہا ہے لیکن درحقیقت ہر جگہ موضوع اور مقصد جدا ہوگا اسی طرح دیگر انبیاء کے واقعات کا بھی اعادہ وتکرار ہے اور ہر جگہ ایک حکمت اور مفید مضمون ہے جو دوسری جگہ نہیں گویا تکرار ہی نہیں ہے بلکہ ہر موقع پر ایک مستقل مضمون اور عظیم مقصد کی تحقیق وتثبیت ہے۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم کا بیان اور واقعات کا ذکر صرف اسی حد تک نہیں ہوتا کہ ایک بات بتادی جائے یا کسی واقعہ کو بطور خبر واطلاع بیان کر دیا جائے بلکہ ان حقائق کو ذہن اور مخاطب کی طبیعت میں رچا نا ہی مقصود ہوتا ہے جو ظاہر ہے بغیر تکرار کے ممکن نہیں کسی چیز کا مجرد علم اور چیز ہے اور اس چیز سے ذہن کا مانوس ومربوط ہونا اور اس کے مطابق مزاج بن جانا یہ دوسری بات ہے تو یہ نوعیت اسکی مقتضی ہے کہ بار بار اعادہ ہو۔ تا آں کہ وہ مضمون قلب ودماغ کی گہرائیوں میں راسخ ہوجائے اور حتیٰ کہ وہ مزاج وطبیعت ہوجائے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ تکرار مطالب قرآن کے موضوع پر اکسیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ "قرآن کریم کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک وہ لوگ جو اس کے اس حکم سے پہلے سے ناواقف ہیں اور ان کو صرف حکم سنانا اور اس سے باخبر کرنا مقصود ہوتا ہے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کو اس حکم کا علم یا اس بات کی خبر پہلے سے تو ہو چکی ہے لیکن انکے قلب میں اس مضمون یا اس حکم کے مطابق کیفیت راسخ نہیں ہوتی اس گروہ سے خطاب اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ تعلیم ان کے دلوں میں جگہ پکڑ لے اور ان کے قلب کی گہرائیوں میں اور رگ وپے میں سرایت کر جائے" تو ظاہر ہے کہ اس طرح کسی حقیقت اور علم کا راسخ ہوجانا تکرار واعادہ کو مقتضی ہے اسی پر ہر آیت کے تکرار کو بھی محمول کرلیا جائے کہ سورۃ الرحمٰن میں ہر مرتبہ کسی نہ کسی نعمت کے بعد حق تعالیٰ کا یہ دریافت فرمانا کہ اے جن وانس بتاؤ اپنے رب کی نعمتوں میں سے تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے تاکہ ہر نعمت کے ذکر کے بعد سامع اللہ کے انعام کو سوچے اور اس کو پہچانے اور پھر غور وفکر کی گہرائیوں میں چکر لگا کر یہ سمجھنے پر مجبور ہوجائے کہ بے شک رب العالمین کی بیشمار نعمتوں میں انسان کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرسکتا اور جب اس نعمت کے ذکر کے بعد یہ سنے ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ تو ہر بار دل کی گہرائیوں سے نکلے لا بشيء من نعمك ربنا نكذب ولك الحمد اس قسم کا تکرار تو قدیم شعراء عرب کے کلام میں بھی پایا گیا ہے اور اس تکرار کو بڑا ہی بلیغ بلکہ لذیذ سمجھا جاتا ہے چنانچہ عرب کے ایک مشہور شاعر مہلہل بن ربیعہ نے کلیب کے مرثیہ میں ہر مصرعہ کے بعد اس مصرعہ کا اعادہ کیا على ان ليس عدلا من كليب۔ [1]

اسی طرح لیلی اخیلیہ توبتہ من الحمیر کے مرثیہ میں ہر مصرعہ پر لنعم الفتی یاتوب کنت دہراتی ہے علی ہذا القیاس اس قسم کے سینکڑوں نظائر کلام عرب میں بکثرت موجود ہیں۔

---

[1] کتاب الامالی صفحہ ۸۶، ۸۷

سورۃ الواقعہ

سورۃ واقعہ مکی ہے اس کی چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں یہ سورت خاص طور سے احوال قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے اور یہ مضامین اپنے سیاق وسباق سے قیامت، حشر ونشر اور جزا وسزا کی عظمت وہیبت قلوب پر قائم کرنے میں ایک عجیب تاثیر رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بوڑھے ہوگئے (جب کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضعف کے آثار اس طرح واقع ہوئے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح بڑھاپا آ گیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی توانا اور صحت مند تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو سورۃ ہود، واقعہ مرسلات، عم یتسآءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا بنا دیا یعنی ان کے مضامین کی ہیبت نے مجھ کو اچانک ایسا مضمحل کر ڈالا۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں عمرو بن الربیع اعصری کی سند سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے اور یہ مرض انکا مرض وفات تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ فرمایا میرے گناہ (بس یہی تکلیف ہے) فرمایا کسی چیز کے لئے خواہش ہے؟ جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کیا میں آپ کے واسطے کسی طبیب کا حکم دوں (کہ انتظام کیا جائے) کہنے لگے طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے (یعنی اصل طبیب جو شفاء کا مالک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہر صحت ومرض اور موت وحیات ہے اسی کے حکم سے تو بیمار (ہوا ہوں) پوچھا کہ کیا میں آپ کے واسطے کسی مقدار مال اور بخشش کا حکم نہ کردوں جواب دیا مجھے کوئی حاجت نہیں فرمایا آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا فرمایا کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق فقر کا کوئی اندیشہ ہے حالانکہ میں نے ان کو اس بات کی ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کرلیا کریں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کرے اس کو کبھی فقر وفاقہ پیش نہیں آئے گا۔

الواقعۃ:...... قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس وجہ سے کہ قیامت بلاشبہ واقع ہونے والی ہے اور اس سے زائد قطعی اور یقینی کوئی چیز باعتبار وقوع نہیں ہوسکتی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَيَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ اور فرمان ہے کہ ﴿سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴾ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں اس سورت کو بکثرت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ابتداء سورت میں قیامت کے واقع ہونے کی خبر اس کے احوال عظمت وہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد انکے انجام اور سعادت وشقاوت اور جزاء وسزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بدنصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت وتباہی میں ڈالتے ہیں۔

۵۶ سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۴۶ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیاتہا ۹۶ رکوعاتہا ۳

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں ہے اس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ ف۱ پست کرنے والی ہے بلند کرنے والی ف۲ جب لرزے زمین

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں اس کے ہو پڑنے میں جھوٹ، اتارتی ہے چڑھاتی جب لرزے زمین

رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ⑦

کپکپا کر اور ریزہ ریزہ ہوں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پھر ہوجائیں غبار اڑتا ہوا ف۳ اور تم ہوجاؤ تین قسم پر ف۴

کپکپا کر، اور ٹکڑے ہوں پہاڑ توٹ کر، پھر ہوجائیں گرد اڑتی اور تم ہوجاؤ تین قسم۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑧ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ⑨

پھر داہنے والے کیا خوب ہیں داہنے والے ف۵ اور بائیں والے کیا برے لوگ ہیں بائیں والے ف۶

پھر داہنے والے، کیسے داہنے والے ؟ اور بائیں والے ؟ کیسے بائیں والے ؟

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫ ثُلَّةٌ مِّنَ

اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے وہ لوگ ہیں مقرب باغوں میں نعمت کے ف۷ انبوہ ہے

اور اگاڑی والے سو اگاڑی والے، وہ لوگ ہیں پاس والے باغوں میں نعمت کے، انبوہ ہے

ف۱ یعنی قیامت جب ہو پڑے گی اس وقت کھل جائے گا کہ یہ کوئی جھوٹی بات نہیں۔ نہ اسے کوئی ٹال سکے گا۔ نہ واپس کر سکے گا۔ اور ﴿لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ﴾ وغیرہ کے جھوٹے دعوے سب ختم ہوجائیں۔ کوئی شخص جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولناک سختیوں کو گھٹانا چاہے یہ بھی نہ ہوگا۔

ف۲ یعنی ایک گروہ کو نیچے لے جاتی ہے اور ایک گروہ کو اوپر اٹھاتی ہے۔ بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں بہت معزز اور سربلند سمجھے جاتے تھے اسفل السافلین کی طرف دھکیل کر دوزخ میں پہنچا دے گی اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں پست اور حقیر نظر آتے تھے، ایمان وعمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کرے گی۔

ف۳ یعنی زمین میں سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑتے پھریں گے۔

ف۴ یعنی وقوع قیامت کے بعد کل آدمیوں کی تین قسمیں کر دی جائیں گی۔ دوزخی، عام جنتی، اور خواص مقربین جو جنت کے نہایت اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ آگے تینوں کا مجملاً ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کے احوال کی تفصیل بیان ہوگی۔

ف۵ یعنی جو لوگ عرش عظیم کی داہنی طرف ہوں گے جن کو اخذ میثاق کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمال نامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی خوبی و برکت کا کیا کہنا، شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی نسبت دیکھا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی داہنی طرف نظر کر کے ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

ف۶ یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے، عرش کے بائیں جانب کھڑے کیے جائیں گے۔ اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ ان کی نحوست اور بدبختی کا کیا ٹھکانہ۔

ف۷ یعنی جو لوگ کمالات علمیہ وعملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے۔ وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب ووجاہت میں بھی سب سے آگے ہیں۔ ("وَهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالرُّسُلُ وَالصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ يَكُوْنُوْنَ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ" کما قال ابن کثیر)

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا

پہلوں میں سے اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے ف۱ بیٹھے ہیں جڑاؤ تختوں پر ف۲ تکیہ لگائے ان پر

پہلوں میں، اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں، بیٹھے ہیں پلنگوں پر، سونے سے بنے، تکیے دیے ان پر

مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ

ایک دوسرے کے سامنے ف۳ لیے پھرتے ہیں ان کے پاس لڑکے سدا رہنے والے ف۴ آبخورے اور کوزے اور پیالہ

ایک دوسرے کے سامنے، لئے پھرتے ہیں ان پاس لڑکے سدا رہنے والے۔ آبخورے اور تنّیاں۔ اور پیا

مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا

نتھری شراب کا جس سے نہ سر دکھے اور نہ بکواس لگے ف۵ اور میوہ جونسا پسند کرلیں اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس

نتھری شراب کا، سر نہ دکھے جس سے، اور نہ بکنا لگے، اور میوہ جونسا چن لیں، اور گوشت اڑتے جانوروں کا جس

يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا

قسم کا جی چاہے ف۶ اور عورتیں گوری بڑی آنکھوں والیاں جیسے موتی کے دانے اپنے غلاف کے اندر ف۷ بدلہ ان کاموں کا جو کرتے تھے نہیں

قسم کو جی چاہے۔ اور گوریاں بڑی آنکھوں والیاں۔ کئی برابر لپٹے موتی کے۔ بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔ نہیں

يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ

سنیں گے وہاں بکواس اور نہ گناہ کی بات مگر ایک بولنا سلام سلام ف۸ اور داہنے والے کیا

سنتے وہاں بکنا اور نہ جھوٹ لگانا، مگر ایک بولنا سلام سلام۔ اور داہنے والے، کیسے

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "پہلے کہا، پہلی امتوں کو، اور پچھلی یہ امت (محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم یا پہلے اسی امت کے (مراد ہوں) یعنی اعلیٰ درجہ کے لوگ پہلے بہت ہو چکے ہیں۔ پیچھے کم ہوتے ہیں۔"

(تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں یہ دونوں احتمال بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی اور روح المعانی میں طبرانی وغیرہ سے ایک حدیث ابو بکرہ کی بسند حسن نقل کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے متعلق فرمایا "ھُمَا جَمِیْعًا مِنْ ھٰذِہِ الامۃ۔" واللہ اعلم۔ ابن کثیر نے ایک تیسرا مطلب آیت کا بیان کیا ہے۔ احقر کو وہ پسند ہے۔ یعنی ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس کثرت سے ہوئے ہیں، پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ "خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ" ہاں اگر ابو بکرہ کی حدیث صحیح ہو جیسا کہ روح المعانی میں ہے تو ظاہر ہے وہی مطلب متعین ہوگا۔

ف۲ جو سونے کے تاروں سے بنے گئے ہیں۔

ف۳ یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔

ف۴ یعنی خدمت کے لیے لڑکے ہوں گے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے۔

ف۵ یعنی نتھری اور صاف شراب جس کے قدرتی چشمے جاری ہوں گے اس کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی نہ بکواس لگے گی کیونکہ اس میں نشہ نہ ہوگا۔ خالص سرور اور لذت ہوگی۔

ف۶ یعنی جس وقت جو میوہ پسند ہو اور جس قسم کا گوشت مرغوب ہو بدون محنت وتعب کے پہنچے گا۔

ف۷ یعنی صاف موتی کی طرح جس پر گرد وغبار کا ذرا بھی اثر نہ آیا ہو۔

ف۸ یعنی لغو اور واہیات باتیں وہاں نہیں ہوں گی نہ کوئی جھوٹ بولے گا نہ کسی پر جھوٹی تہمت رکھے گا۔ بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی۔ یعنی جنتی =

أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ

کیسے داہنے والوں کے رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جن کا کانٹا نہیں ف۱ اور کیلے تہ پر تہ اور سایہ لمبا ف۲ اور پانی

داہنے والے ؟ رہتے بیری کے درختوں کانٹے جھاڑے ہوؤں میں، اور کیلے تہ بر تہ، اور چھاؤں لمبی اور پانی

مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ إِنَّآ

بہتا ہوا اور میوہ بہت نہ اس میں سے ٹوٹا اور نہ روکا ہوا ف۳ اور بچھونے اونچے ف۴ ہم نے

بہایا اور میوہ بہت، نہ ٹوٹا اور نہ روکا پھر بچھونے اونچے۔ ہم نے

أَنْشَأْنٰهُنَّ إِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّأَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ

اٹھایا ان عورتوں کو ایک اچھی اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں پیار دلانے والیاں ہم عمر واسطے داہنے والوں کے ف۵ انبوہ ہے

وہ عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں، پیار دلاتیاں ایک عمر کی واسطے داہنے والوں کے۔ انبوہ ہے

الْأَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ ع ۱ ۴۸ ۱۴

پہلوں میں سے اور انبوہ ہے پچھلوں میں سے ف۶

پہلوں میں اور انبوہ ہے پچھلوں میں

اخبار وقوع قیامت وتقسیم انسان در گروہ ثلاثہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ... الى ... ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾

ربط:......سورۃ الرحمٰن میں ابتداً حق تعالیٰ نے اپنی قدرت وعظمت کی نشانیاں بیان فرمائیں پھر عالم کے فنا اور قیامت کے برپا ہونے کا ذکر فرمایا اس کے بعد منکرین کی بدحالی اور انکی سزاؤں کا سلسلہ بیان شروع فرمایا پھر اس کے بالمقابل اہل ایمان وتقویٰ کی جزاؤں اور ان پر اللہ کی طرف سے عطا کردہ انعام واکرام کی تفصیل فرمائی گئی اب اس کے بعد اس سورۃ واقعہ میں

= ایک دوسرے کو اور فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے۔ اور رب کریم کا سلام پہنچے گا جو بہت ہی بڑے اعزاز واکرام کی صورت ہے اور سلام کی یہ کثرت اس کی طرف اشارہ ہے کہ اب یہاں پہنچ کر تم تمام آفات اور مصائب سے محفوظ اور صحیح وسالم رہو گے نہ کسی طرح کا آزار پہنچے گا نہ موت آئے گی نہ فنا۔

ف۱ جو قسم قسم کے مزیدار پھلوں سے لدے ہوں گے۔

ف۲ یعنی نہ دھوپ ہوگی نہ گرمی سردی لگے گی۔ نہ اندھیرا ہوگا۔ صبح کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے جیسا درمیانی وقت ہوتا ہے ایسا معتدل سایہ سمجھو اور لمبا پھیلا ہوا اتنا کہ بہترین تیز رفتار گھوڑا سو برس تک متواتر چلتا رہے تو ختم نہ ہو۔

ف۳ بہت قسم کا میوہ، نہ پہلے اس میں سے کسی نے توڑا نہ دنیا کے موسمی میووں کی طرح آئندہ ختم ہو نہ اس کے لینے میں کسی قسم کی روک ٹوک پیش آئے۔

ف۴ یعنی بے حد دبیز اور اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی۔

ف۵ یعنی حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں ملیں گی وہاں ان کی پیدائش اور اٹھان خدا کی قدرت سے ایسی ہوگی کہ ہمیشہ خوبصورت جوان بنی رہیں گی۔ جن کی باتوں اور طرز وانداز پر بے ساختہ پیار آئے گا اور سب کو آپس میں ہم عمر رکھا جائے گا اور ان کے ازواج کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

ف۶ یعنی اصحاب یمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بھی ان کی بہت کثرت ہوگی۔

احوال قیامت کی تفصیل بیان کی جارہی ہے کہ قیامت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اور اس کے آنے پر دنیا کے انسانوں کے سامنے انکی زندگی کا انجام معلوم ہوجائے گا اور کس طرح وہاں کوئی عزیز وسربلند ہوگا اور کوئی ذلیل وسرنگوں اور جو مقربین بارگاہ خداوندی ہوں گے ان پر کیسے کیسے انعامات ہوں گے ارشاد فرمایا:

یاد کرو جب واقع ہونے والی چیز واقع ہوجائے گی یعنی قیامت تو اس کے وقوع کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا اس وقت ہر ایک منکر اور کافر کے سامنے بھی حقیقت کھل جائے گی کہ جو بات اللہ کے پیغمبر نے کہی تھی وہ بالکل حق تھی اور جب وہ واقع ہوجائے گی تو اس کو کوئی ٹلانے والا نہ ہوگا کہ کسی تدبیر اور حیلہ سے ٹلا دے وہ کسی کو پست کرنے والی ہوگی اور کسی کو بلند کرنے والی ہوگی بڑے بڑے متکبر جو دنیا میں بڑے ہی سربلند تھے وہ اس وقت پست اور ذلیل ہورہے ہوں گے اور دنیا میں حقیر اور پست سمجھے جانے والے مومنین سربلند ہوں گے یہ قیامت ایسی صورت سے برپا ہوگی کہ اس وقت زمین لرزنے لگے گی بڑے ہی شدید جھٹکوں کے ساتھ اور بالکل ہی ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے پہاڑ پھر وہ ہوجائیں گے پراگندہ غبار اور روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح اور اس وقت اے انسانو! تم ہوجاؤ گے تین قسم کے گروہ جنتی جہنمی اور مقربین، سو داہنے والے یعنی جن کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور وہ نجات پانے والے ہیں کیا ہی خوب ہیں داہنے والے اور بائیں والے جن کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ ہلاک ہونے والے ہیں کیا ہی بدنصیب ہیں بائیں والے اور تیسرا[1] گروہ آگے بڑھنے والوں کا ہے سو وہ تو سبقت ہی لیجانے والے ہیں وہی تو مقربین ہیں بارگاہ خداوندی میں جو آسائش وآرام کی باغوں میں ہوں گے اور مقربین کا ایک بڑا گروہ اولین میں سے ہوگا اور کچھ تھوڑے لوگ ہوں گے پچھلوں میں سے اور بعد میں آنے والوں میں سے یہ لوگ ایسی مسندوں اور تختوں پر ہوں گے جو سونے کے تاروں سے جڑے ہوں گے جن پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے اس طرح اطمینان وسکون اور سرور حاصل ہوگا اور ہر ایک دوسرے کی طرف رخ اور توجہ کرنے والا ہوگا اور سب برابر رتبہ کے نظر آتے ہوں گے یہ نہیں کہ کچھ صف اول کے ہوں اور کچھ صف ثانی کے انکے سامنے گشت کرتے ہوں گے ایسے خدمت گار لڑکے جو ہمیشہ اسی طرح معصومیت ولطافت کی شان کے ساتھ رہیں گے جو لئے پھرتے ہوں گے آبخورے اور آفتابے اور جام ایسی شراب طہور کے جو صاف وشفاف چشمے سے بہتے ہوئے پانی کی طرح ہو جس کے پینے سے نہ انکو دردسر ہوگا اور نہ عقل میں کوئی فتور ہوگا برخلاف اس کے کہ دنیا کی شرابیں

[1] اصحاب الیمین کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ عرش الٰہی کی دائیں طرف ان اہل ایمان کو جگہ عنایت کی جائے گی یہ دائیں ہاتھ والے وہی ہوں گے جن کو عہد الست اور اخذ میثاق کے وقت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سے نکالا گیا تھا اور یہ وہی ہوں گے جن پر القاء نور کے وقت نور پہنچا تھا اور انہوں نے پھر اپنی دنیوی زندگی میں یہ نور ہدایت حاصل کیا اور پھر یہی نور ان کا ساتھی قبر میں رہا اور صراط پر بھی رہا لقول اللہ عزوجل ﴿يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ تو اسی نسبت سے فرشتے بھی انکو دائیں طرف لیں گے اور اصحاب یمین ہونے کا یمن اور برکت یہ ہوگی کہ انکے نامہائے اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے جس پر ان کو بڑی ہی فرحت ومسرت ہوگی اور فرط مسرت سے یہ لوگ پکار پکار کر کہتے ہوں گے ھاؤم اقرءوا کتابیہ اور یہی وہ ہیں جن کو شب معراج میں آنحضرت نے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب دیکھا تھا اور آدم علیہ السلام اپنی اولاد میں سے جب ان بیٹوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ہنستے اور ان کے بالمقابل اصحاب الشمال اور بائیں بازو والے وہ بدنصیب ہیں جو ہر جگہ محرومی اور بدنصیبی ہی کا شکار رہے تو جب آدم علیہ السلام کی نظر اپنی اس بدنصیب اولاد پر پڑتی تو غمزدہ ہوکر روتے تو یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے نامہائے اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور اس وقت یہ اپنی بدنصیبی پر غم کریں گے اور حسرت ہوگی کہ کاش ہم ہدایت قبول کرکے اصحاب الیمین دائیں بازو والوں میں شامل ہوجائے۔ ۱۲

دردسر کا باعث ہوتی ہیں اور عقل وہوش میں فتور ڈال کر انسان کو پاگل کی طرح مدہوش کر دیتی ہیں۔

اور نیز ایسے پھل اور میوے جن کو یہ لوگ پسند کریں اور چاہیں اور پرندوں کا وہ گوشت جس کی یہ لوگ خواہش کریں اور وہ حورعین (گوری رنگت کی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں) جو سیپ میں محفوظ رکھے ہوئے چمکدار موتیوں کی طرح ہوں ایسی نعمتیں، راحتیں اور لذتیں اہل جنت کو حق تعالیٰ کی طرف سے اس صبر وقناعت وتقویٰ کے بالمقابل عطا کی جائیں گی جو ایمان والوں نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے دنیا میں ان تمام لذتوں سے پرہیز کیا تھا تو یہ سب کچھ بدلہ ہے ان اعمال کا جو یہ لوگ دنیا میں کرتے تھے ان جملہ راحتوں، نعمتوں اور لذتوں کے علاوہ یہ بھی انکا اکرام اور اعزاز ہوگا کہ کوئی ناگوار طبع اور ناگوار خاطر چیز بھی ان کے لئے نہ ہوگی چنانچہ نہ سنیں گے اس میں کوئی بے ہودہ بات اور نہ کوئی فسق وفجور کی چیز اور فحش بات بس ہر طرف سے یہی ایک آواز ہوگی۔ سلاماً، سلاماً جو سنائی دے گی ظاہر ہے کہ دار السلام میں سلام سلام کی آوازوں کے علاوہ اور کیا سنا جا سکتا ہے وہاں نہ بک بک کی آوازیں سنیں گے اور نہ شور وشغب اور بے ہودہ گفتگو ہوگی، کیونکہ شور وشغب یا فسق وفجور کی باتیں اور بے ہودہ کلام باطن کی گندگی کے آثار وثمرات ہیں اور جنت دار الطیبین ہے لا یدخلھا الا الطیبون۔ اس وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس عالم میں اہل جنت کے سامنے کوئی بھی بات خبث وگندگی کی ظاہر ہو۔

اور داہنی طرف والے؟ سبحان اللہ کیا ہی خوب ہیں داہنی طرف والے انکی سعادت اور ان پر انعامات کا یہ عالم ہوگا کہ وہ لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں بیریاں ہوں گی بغیر کانٹوں کے اور ایسے درخت کے بیر نہایت ہی عمدہ اور لذیذ ہوں گے جنت کا کوئی پھل اور درخت محض تفہیم اور تعارف کے طور دنیا کے درختوں اور پھلوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ نہیں کہ ان درختوں اور پھلوں کو دنیا کے درخت اور پھل کے مشابہ اور ہم رتبہ سمجھا جائے وہاں کی تو ہر نعمت پرواز فکر اور حد قیاس سے بالا وبرتر ہے اور ان باغوں میں تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے اور ایسا سایہ جو پھیلا ہوا ہوگا اور وہ پانی جو جاری اور بہتا ہوگا اور وہ پھل جو بڑی ہی کثرت سے ہوں گے نہ کبھی منقطع ہونے والے ہوں گے، فصل ختم ہو جانے کی وجہ سے اور نہ انکو روکا گیا ہوگا۔ کہ کسی طرح کی پابندی عائد ہو بلکہ ہر پھل بلا روک ٹوک نہایت کثرت کے ساتھ ہر وقت ان اہل یمین کے پاس پہنچتا ہوگا اور بچھونے ہوں گے نہایت ہی بلند جو حسی بلندی کے ساتھ معنوی عظمت وبلندی بھی رکھتے ہوں گے وہاں کی عورتیں ایسی ہیں کہ ہم نے ان کو بنایا ہے ایک خاص طور سے بنانا پھر ہم نے ان کو بنایا باکرہ خاوندوں کی محبوبہ برابر عمروں والی داہنے ہاتھ والوں کے لیے تاکہ یہ اہل جنت دیگر نعمتوں اور راحتوں کے ساتھ رفیق حیات کی مرافقت اور اس مرافقت سے کامل راحت وسکون حاصل کر لیں اور انسانی طبائع کے لئے جس قسم کی بھی راحت ولذت کا طبعاً تصور ہو سکتا ہے ان سب کی جنت میں تکمیل کر دی جائے ان اصحاب یمین کا ایک بہت بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بہت بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا اس طرح اصحاب الیمین اولین اور آخرین دونوں طبقوں میں بڑی تعداد میں ہوں گے۔

اہل ایمان وتقویٰ کا ہر دور میں بکثرت ہونا امت محمدیہ ﷺ پر خصوصی انعام

اللہ رب العزت کا امت محمدیہ ﷺ پر خصوصی انعام ہے کہ انمیں اہل ایمان وتقویٰ ہر دور اور قرن میں بکثرت ہوں

گے کوئی دور اور قرن مومنین اور مخلصین سے خالی نہیں رہ سکتا یہاں تک کہ اسی طرح قیامت قائم ہوجائے گی یہی وجہ ہے کہ اس امت کے ناجی تعداد میں اکثر ہوں گے بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان میں تباہ و برباد ہونے والوں کا عدد زیادہ ہوگا۔ یہی وہ چیز تھی جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، شب معراج میں جب کہ آنحضرت ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سے ہوا تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے پوچھا گیا اے موسیٰ علیہ السلام کیوں رو رہے ہو عرض کیا اے پروردگار یہ نوعمر نبی ہیں جو میرے بعد مبعوث ہوئے لیکن انکی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر حسرت کرتے ہوئے گریہ فرمانے لگے امت کا تعلق فطری ہے اور ظاہر ہے کسی پیغمبر کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا صدمہ ہوسکتا ہے کہ اس کی امت کی زائد تعداد جہنم کا ایندھن بنے اور نجات پانے والے کم ہوں تو یہ اعزاز اللہ رب العزت نے آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا اور آپ ﷺ کی امت کو یہ شرف بخشا کہ ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! کیا تم اس پر راضی ہو کہ جنت میں تم چوتھائی ہو جاؤ لوگوں نے عرض کیا ضرور ہم اس پر راضی ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا اس پر راضی ہو کہ تم تہائی اہل جنت ہو اس پر بھی عرض کیا بے شک یا رسول اللہ آپ ﷺ نے گویا قصداً تعداد کی اس نسبت پر ہم سے رضامندی کی وضاحت لے لی تو پھر فرمایا اور ایسی بشارت دی کہ وہ توقع بلکہ تصور سے بھی بڑھ کر تھی فرمایا:

> والذی نفسی بیدی انی لارجوان تکونوا نصف اھل الجنۃ وما انتم الا کالشعرۃ البیضاء فی جلد الثور الاسود اوکالشعرۃ السوداء فی جلد الثور الابیض۔ (رواہ مسلم)
>
> قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے میں تو امید کرتا ہوں کہ تم نصف جنتی ہوگے حالاں کہ تمہاری نسبت تمام امتوں کے مقابلہ میں بس ایسی ہی ہے جیسے چند سفید بال سیاہ بچھڑے کی کھال میں یا چند سیاہ بال سفید بچھڑے کی کھال میں۔

بلکہ جامع ترمذی کی ایک حدیث سے تو عددی تناسب اس سے بھی زائد معلوم ہوا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت "اھل الجنۃ ماءۃ وعشرون صفا۔ ثمانون منھا من ھذہ الامۃ واربعون من سائر الامم"۔ کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہونگی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہونگی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی پہلے اس سورت میں ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ فرمایا پھر دوبارہ ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ فرمایا بعض مفسرین نے بعض روایات وآثار کے پیش نظر یہ رائے قائم کی کہ اولین سے مراد پہلی قومیں ہیں اور آخرین سے مراد آنحضرت ﷺ کی امت ہے اور آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق ہے ابن جریر رضی اللہ عنہ نے اس تفسیر کو اختیار کیا حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بطور قرینہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ جب پہلی آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا پہلی امتوں میں سابق زیادہ ہوں گے اور ہم میں کم تو اس کے کچھ عرصہ یا ایک

سال بعد یہ دوسری آیت نازل ہوئی ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ سن لو جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا دیا ہے ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ وان من ادم الی ثلة وامتی ثلة۔ کہ آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثلہ ہے اور میری امت دوسرا ثلہ (گروہ) ہے۔

لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بالمقابل یہ تفسیر کی ہے کہ یہ دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں اولین امت اور آخرین امت اولین امت خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ کے پیش نظر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین علیہم الرضوان ہیں اور آخرین انکے بعد ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث مرفوع جس باعث اولین سے مراد قبل از آنحضرت ﷺ امتیں ہیں محدثین کے اصول سے اس کی اسناد صحیح نہیں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے فی اسنادہ نظر۔

روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد واضح موجود ہے کہ آپ ﷺ نے ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا، ھما من امتی، کہ یہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بعض سندوں سے یہی تفسیر منقول ہے۔

اور خود اس جگہ الفاظ قرآن اور آیات کا سیاق بھی اس معنیٰ کو متعین کر رہا ہے کیونکہ ارشاد فرمایا ﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ اور یہ خطاب ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہے جس سے یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ یہ تین گروہ امت ہی کے ذکر فرمائے جا رہے ہیں ایک گروہ اصحاب المیمنہ دوسرا اصحاب المشئمہ تیسرا السابقون السابقون یعنی مقربین بارگاہ تو پہلی آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ سابقون کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ مقربین وسابقین اولین امت میں تو ایک گروہ کثیر ہوگا اور یہ سابقین ومقربین آخرین امت میں قلیل ہوں گے لیکن دوسری دفعہ ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ میں اولین وآخرین میں گروہ کثیر ہونا اصحاب الیمین کا بیان فرمایا جا رہا ہے اور اصحاب الیمین وہ مطلق جملہ اہل ایمان ہیں جو نجات کے مستحق ہوں گے اور جنت کی وہ نعمتیں ان کو عطا ہوں گی جن کا ذکر کیا گیا تو ایسے اہل ایمان وتقویٰ جو خواص مقربین سے کم درجے کے ہوں گے ان کے گروہ کثرت سے اولین امت میں ہوں گے اور ان کے گروہ کثرت سے آخر امت میں بھی ہوں گے الغرض امت محمدیہ کے تین گروہ کی تفصیل فرما دی گئی جس کا ابتداءً ذکر ﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ میں ہوا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَأَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ أَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝

اور بائیں والے کیسے بائیں والے تیز بھاپ میں اور جلتے پانی میں اور سایہ میں دھوئیں کے

اور بائیں والے۔ کیسے بائیں والے؟ آنچ کی بھاپ میں، جلتے پانی میں، اور چھاؤں میں دھوئیں کی،

لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ

نہ ٹھنڈا اور نہ عزت کا ف۱ وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوش حال اور ضد کرتے تھے اس بڑے

نہ ٹھنڈی اور نہ عزت کی۔ وہ لوگ تھے اس سے پہلے آسودہ اور ضد کرتے اس بڑے

ف۱ یعنی دوزخ کے آگے سے کالا دھواں اٹھے گا۔ اس کے سائے میں رکھے جائیں گے۔ جس سے کوئی جسمانی یا روحانی آرام نہ ملے گا۔ نہ ٹھنڈک پہنچے گی۔ نہ =

الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾

گناہ پر ف۱ اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مرگئے اور ہوچکے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گا

گناہ پر، اور تھے کہتے کہ کیا جب ہم مر گئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے ؟

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ

اور کیا ہمارے اگلے باپ دادے بھی ف۲ تو کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے سب اکٹھے ہونے والے ہیں ایک دن مقرر کے

کیا ہمارے باپ دادوں کو بھی اگلے ؟ تو کہہ، اگلے اور پچھلے سب اکٹھے ہونے ہیں ایک دن مقرر کے

مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾

وقت پر ف۳ پھر تم جو ہو اے بہکے ہوؤ جھٹلانے والو البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈ کے سے

وقت پر پھر تم جو چاہو، اے بہکو جھٹلانے والو ! البتہ کھاؤ گے ایک درخت سیہنڈ کے سے،

فَمَالِــُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾

پھر بھرو گے اس سے پیٹ ف۴ پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی پھر پیو گے جیسے پئیں اونٹ تونس سے ہوئے ف۵

پھر بھرو گے اس سے پیٹ، پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی، پھر پیو گے جیسے پئیں اونٹ تونس سے۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ مہمانی ہے ان کی انصاف کے دن ف۶ ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے ف۷ بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو

یہ مہمانی ہے ان کی انصاف کے دن۔ ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے۔ بھلا دیکھو جو پانی ٹپکاتے ہو،

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

اب تم اس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے ف۸ ہم ٹھہرا چکے تم میں مرنا ف۹ اور ہم

اب تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ؟ ہم نے ٹھہرا دیا تم میں مرنا، اور ہم

= وہ عوت کا سایہ ہوگا۔ ذلیل وخوار اس کی تپش میں بھنتے رہیں گے۔ یہ ان کی دنیاوی خوشحالی کا جواب ہوا جس کے غرور میں اللہ ورسول سے ضد باندھی تھی۔

ف۱ وہ بڑا گناہ کفر وشرک ہے اور تکذیب انبیاء یا جھوٹی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہرگز کوئی زندگی نہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ﴾

ف۲ جو ہم سے بھی پہلے مرچکے۔ یعنی یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

ف۳ یعنی قیامت کے دن جس کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے۔

ف۴ یعنی جب بھوک سے مضطر ہوں گے تو یہ درخت کھانے کو ملے گا اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا۔

ف۵ یعنی گرمی میں تونسا ہوا اونٹ جیسے پیاس کی شدت سے ایک دم پانی چڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہی حال دوزخیوں کا ہوگا لیکن وہ گرم پانی جب منہ کے قریب پہنچائیں گے تو منہ کو بھون ڈالے گا، اور پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ (العیاذ باللہ)

ف۶ یعنی انصاف کا مقتضاء یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے۔ =

بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝۶۰ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ وَلَقَدْ

عاجز نہیں اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمہاری طرح کے لوگ اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں جہاں تم نہیں جانتے ف۱ اور

ہار نہیں رہے، اس سے کہ بدل لائیں تمہاری طرح کے اور اٹھا کھڑا کریں تم کو، جہاں تم نہیں جانتے۔ اور

عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝۶۳ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ

تم جان چکے ہو پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے ف۲ بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی

جان چکے ہو پہلا اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے ؟ بھلا دیکھو تو ! جو بوتے ہو ؟ کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی

اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۴ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝۶۵ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝۶۶

یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے ف۳ اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اس کو روندا ہوا گھانس پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے ہم تو قرض دار رہ گئے

یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے۔ اگر ہم چاہیں کہ کر ڈالیں اس کو روندن پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے، ہم قرضدار رہ گئے

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝۶۷ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝۶۸ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ

بلکہ ہم بےنصیب ہوگئے ف۴ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے

بلکہ ہم بدنصیب ہوئے، بھلا دیکھو تو ! پانی جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے

اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝۶۹ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۰ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ

یا ہم ہیں اتارنے والے ف۵ اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا پھر کیوں نہیں احسان مانتے ف۶ بھلا دیکھو تو آگ جس کو

یا ہم ہیں اتارنے والے ؟ اگر ہم چاہیں اس کو کردیں کھارا، پھر کیوں نہیں حق مانتے بھلا دیکھو تو ! آگ جو

= ف۷ یعنی اس بات کو کیوں نہیں مانتے کہ پہلے بھی اس نے پیدا کیا اور وہ ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

ف۸ یعنی رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے۔؟ وہاں تو تمہارا کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے۔

ف۹ یعنی جلانا مارنا سب ہمارے قبضے میں ہے۔ جب وجود و عدم کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہوئی تو مرنے کے بعد اٹھا دینا کیا مشکل ہوگا۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی تم کو اور جہان میں لے جائیں۔ تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بسادیں۔"

ف۲ یعنی پہلی پیدائش کو یاد کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

ف۳ یعنی بظاہر بیج زمین میں تم ڈالتے ہو لیکن زمین کے اندر اس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے اس کے متعلق تو ظاہری اور سطحی دعوی بھی تم نہیں کر سکتے کہ ہماری تیار کی ہوئی ہے۔

ف۴ یعنی کھیتی پیدا کرنے کے بعد اس کا محفوظ اور باقی رکھنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے پھر تم سر پکڑ کر رو دو اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا بھاری نقصان ہوگیا۔ بلکہ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

ف۵ یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے اور زمین کے خزانوں میں وہ پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں۔ تم کو کیا قدرت تھی کہ پانی بنا لیتے یا خوشامد اور زبردستی کر کے بادل سے چھین لیتے۔

ف۶ یعنی ہم چاہیں تو میٹھے پانی کو بدل کر کھاری کڑوا بنا دیں جو نہ پی سکو نہ کھیتی کے کام آئے۔ پھر احسان نہیں مانتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے کتنے خزانے =

قال فما خطبکم

تُوْرُوْنَ ۝ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً

تم سلگاتے ہو کیا تم نے پیدا کیا اس کو درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے ف۱ ہم نے ہی تو بنایا وہ درخت یاد دلانے کو ف۲

سلگاتے ہو کیا تم نے اٹھایا اس کا درخت یا ہم ہیں اٹھانے والے، ہم نے وہ بنائے یاد دلانے کو،

وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

اور برتنے کو جنگل والوں کے ف۳ سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا ف۴

اور برتنے کو جنگل والوں کے۔ سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی، جو سب سے بڑا۔

ذلت وخواری محرومین از ایمان وہدایت وشدائد روز قیامت، ودلائل بعث بعد الموت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ... الی ... بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾

ربط:...... اس سے قبل اصحاب الیمین کی عزت وکرامت کا بیان تھا اور یہ کہ ان کو جنت میں کیسی عظیم الشان نعمتیں عطا کی جائیں گی تو اس کے بعد اصحاب الشمال اور ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جو ایمان وہدایت سے محروم رہے ارشاد فرمایا:

اور بائیں والے کیسے بدنصیب ہیں یہ بائیں والے ان پر قیامت کے روز شدائد اور مصائب کی کوئی حد نہ ہوگی یہ لوگ دہکتی ہوئی آگ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہوں گے اور ایسے سایہ میں جو سیاہ دھوئیں کا ہوگا جو نہ ہی ٹھنڈا ہوگا اور نہ ہی نفع بخش ہوگا اور بائیں جانب والوں کو ایسے شدید اور سخت عذاب میں اس وجہ سے مبتلا کیا جائے گا کہ یہ لوگ اس سے پہلے بڑے ہی عیش وعشرت میں پڑے ہوئے تھے اللہ کی نعمتوں سے بجائے اللہ کو پہچاننے کے اور زائد خدا سے بغاوت وسرکشی کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا اور بہت سخت نافرمانی پر اصرار کرتے تھے اور شرک جیسی عظیم معصیت کا ارتکاب کرتے تھے اور اسی کے ساتھ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب کہ ہم مرجائیں گے اور مر کر ہم مٹی ہوجائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہوجائیں گی تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور کیا اگلے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔ ان کے استعجاب اور حیرت وانکار کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ کہہ دیجئے یقیناً تم سب اگلے اور پچھلے بلاشبہ جمع کئے

= تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر فرماتے تھے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانَاهُ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔" (ابن کثیر)

ف۱ عرب میں کئی درخت سبز ایسے ہیں جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے ہمارے ہاں بانس، پہلے سورۃ "یٰس" میں اس کا بیان ہوچکا۔ یعنی ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے۔ تم نے یا ہم نے۔

ف۲ یعنی یہ آگ دیکھ کر دوزخ کی آگ کو یاد کریں کہ یہ بھی اسی کا ایک حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے اور سوچنے والے کو یہ بات بھی یاد آسکتی ہے کہ جو خدا سبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا۔

ف۳ جنگل والوں اور مسافروں کو آگ سے بہت کام پڑتا ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں۔ اور یوں تو سب ہی کا کام اس سے چلتا ہے۔

(تنبیہ) بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب سمجھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کو تلاوت کرنے کے بعد کہے "بل انت یارب"

ف۴ جس نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور خالص اپنے فضل واحسان سے ہم کو متمتع کیا اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور منکرین کی گھڑی ہوئی خرافات سے اس کی اور اس کے نام مبارک کی پاکی بیان کرنا چاہیے۔ تعجب ہے کہ لوگ ایسی آیات باہرہ دیکھنے کے بعد بھی اس کی قدرت ووحدانیت کو کما حقہ نہیں سمجھتے۔

جاؤ گے ایک مقرر کردہ وقت پر اور اس وقت تم خود مشاہدہ کرلو گے کہ تمہیں کس طرح دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا گیا اس وقت تمہارا یہ سب تعجب دور ہو جائے گا پھر اے گمراہو! خدا اور اس کے رسول کی باتیں جھٹلانے والو! تم کھانے والے ہو گے درخت زقوم جس کے سوا تمہارے واسطے کوئی غذا نہ ہوگی پس اسی سے تم اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہوؤ گے پھر اس کے بعد تم اس پر پینے والے ہوؤ گے کھولتا ہوا پانی جس کو تم اس طرح پیتے ہو گے جیسا کہ پیاسے اونٹوں کا پینا ہو جو استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہوں بدحواسی اور بے قراری کی کیفیت سے تم اس پر گر رہے ہو گے حالانکہ وہ پانی اس قدر کھولتا ہوگا کہ اس سے انتڑیاں بھی کٹ کٹ کر دبر کے راستہ سے نکل آئیں گی اے مخاطبو! سن لو یہ ہے ان مکذبین ضالین کی مہمانی قیامت کے دن جو انکے واسطے مہیا کی جائے گی یہ ہے انجام ان منکرین کا جو خدا اور اس کے رسول کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں حشر ونشر اور قیامت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ کسی بھی صاحب عقل کے لیے اس امر کی گنجائش نہیں کہ وہ حشر اور بعث بعد الموت کا انکار کرے۔

ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا تو پھر تم کیوں نہیں یقین کرتے اور کیوں نہیں اللہ کی بات مانتے اگر بالفرض تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر بتاؤ یہ جو منی تم عورتوں کے رحم میں ٹپکاتے ہو پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم اس کے بنانے والے ہیں ایک قطرۂ آب کو رحم مادر میں مختلف احوال میں متغیر کرنا کہ نطفہ سے علقہ (دم بستہ) علقہ سے مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) پھر اسکی ساخت اور ڈھال یہاں تک کہ ہڈیوں اور جوڑوں کو مرتب کرنا پھر اس میں حیات ڈالنا یہ سب کچھ ہماری ہی قدرت ہے جس کا ہر مرحلہ اور ہر صورت اپنی زبان حال سے اقرار کرتی ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ تو جس طرح ہم انسانی تخلیق کے ان جملہ مرحلوں کو اپنی قدرت سے پورا کرتے ہیں تو زندگی اور موت کے بھی ہم ہی مالک ہیں ہم نے ہی مقرر کر رکھا ہے تمہارے درمیان موت کو جس کے لیے زمان ومکان سب کچھ طے کیا ہوا ہوتا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ ہم

تمہارے بدلہ اور کوئی قوم لے آئیں جو تم جیسی ہو اور تم کو پیدا کریں ایسی صورت میں جو تم نہیں جانتے ہو کہ وہ کیا صورت ہوگی یا کون سی جگہ ہوگی بلاشبہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تم کو ہلاک کرکے اور دوسری قوم پیدا کردیں جیسے کہ یہ بات دن رات تمہاری نظروں کے سامنے ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں اور دوسرے پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں تو یہ بھی ایک نمونہ بعث بعد الموت کا ہے اور بے شک تم جان چکے ہو پہلی مرتبہ پیدا ہونے کو تو جب ایک مرتبہ کی پیدائش تم جانتے ہو اور اس پر تمہارا یقین ومشاہدہ ہے تو پھر تم کو دوبارہ زندہ اور پیدا ہونے میں کیا تردد وتامل ہے تو پھر بھی کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے حالانکہ یہ دلائل ومشاھدات قبول حق اور خدا کی باتوں پر ایمان لانے کے لئے بہت کافی ہیں ان ہزارہا تاریخی شواہد کو دنیا میں کوئی بھی رد نہیں کرسکتا کہ کئی قومیں قرون اولیٰ میں ہلاک کردی گئیں اور پھر دوسری قوم جوان ہی جیسی نسل انسانی کی ایک قوم تھی پیدا کردی گئی یہی وہ ارشاد ہے جو دوسری جگہ ارشاد فرمایا ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اچھا پھر بتاؤ یہ جو تم کھیتی کرتے ہو اور زمین میں بیج ڈالتے ہو تو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اس کے اگانے والے ظاہر ہے کہ زمین کی تہوں میں سے اس تخم کو پھاڑ کر نکالنا اور پھر ایک گھاس کے تنکے کا نشوونما کرنا یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے شاداب ہو اس پر غلہ کے دانے لگیں پھر پکیں پھر ان کو کاٹا جائے یہ سب کچھ اللہ رب

العزت ہی کی شان خالقیت ہے جو ہر مرحلہ اور تغیر پر نظر آ رہی اگر ہم چاہیں تو اس کھیتی کو سوکھا ہوا گھاس بنا دیں جو ریزہ ریزہ ہو خواہ اگتے ہی اس کو گھاس بنا دیں یا بڑھنے کے بعد اور قبل اس کے کہ اس پر دانے لگیں اور وہ پکیں پھر تم اس پر حیرت کے ساتھ نادم وشرمندہ ① ہونے لگو اور شدت غم میں کہنے لگو کہ بے شک ہم تو بڑے ہی خسارہ میں ڈال دیئے گئے بلکہ ہم تو محروم ہی ہو چکے ہیں اور بڑے ہی بدنصیب ہیں اچھا ذرا تم یہ بتاؤ یہ پانی جو کہ تم پیتے ہو کیا تم نے اس پانی کو اتارا ہے بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے یہ کس قدر عظیم انعام ہے اور ہماری قدرت کی کیسی واضح دلیل ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا بنا دیں اور ایک گھونٹ بھی تو تم پینے پر قادر نہ رہو پھر آخر کیوں نہیں تم ہمارے شکر گزار ہوئے کہ کس قدر عظیم ذخیرے میٹھے پانی کے تمہارے قبضہ میں دے دیئے جس کا ایک ایک گھونٹ مستحق شکر ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پی کر یہ کلمات فرماتے الحمد للہ الذی سقانا عذبا فراتا برحمتہ ولم یجعلہ ملحا اجاجا بذنوبنا (کہ شکر ہے اور ہر تعریف اس پروردگار کی جس نے یہ شیریں پانی پلایا ہے اور اس کو ہمارے گناہوں کی وجہ سے شور اور تلخ نہیں بنایا) پھر ذرا یہ بھی دیکھو اور بتاؤ کہ یہ آگ کہ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہیں اس کو پیدا کرنے ② والے یقیناً یہ درخت کہ جس سے آگ سلگتی ہے صرف اللہ ہی کی قدرت سے پیدا ہوا۔

ہم نے بنا دیا ہے اس درخت کو جب کہ اس کی آگ کو دہکتے ہوئے دیکھا جائے یاد دلانے کا سامان آخرت کی آگ کے لیے کہ اس کو دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ آخرت کی آگ کس طرح دہکتی ہوگی اور اس آگ کی سوزش کیسی اذیت پہنچانے والی ہوگی اور برتنے کا سامان ہے جنگل والوں اور مسافروں کے لئے ③ کس طرح جنگل میں رہنے والے اور جنگل میں سفر کرنے والے اس درخت کی آگ سے نفع اٹھاتے ہیں کھانا پکانا روشنی حاصل کرنا سردی کی شدت میں اس سے آرام حاصل کرنا لوہے تانبے جیسی چیزوں کو تپا کر سامان زندگی تیار کرنا غرض ایسی ہی ہزار ہا نعمتیں ہیں جو صرف آگ جیسی واحد نعمت سے

① حسن بصری ؒ سے اور قتادہ ؒ سے لفظ ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ﴾ کی یہی تفسیر منقول ہے ابن عباس ؓ نے غمگین ہونے کے معنی مراد لیے ہیں قتادہ ؒ نے یہ بھی بیان کیا کہ ﴿تَفَكَّهُونَ﴾ کے معنی معذبون ہیں، عکرمہ ؓ نے ملامت سے تفسیر کی ہے ابن جریر ؒ اور سدی ؒ کہتے کہ کہ حسرت کے معنی مراد ہیں کہ اس خرچ اور محنت پر تم حسرت کرنے جو تم نے اس کھیتی پر کیا الغرض لفظ ﴿تَفَكَّهُونَ﴾ کی یہ تفسیر ان ائمہ سے قدر مشترک ایک ہی جامع حقیقت کو بیان کر رہی ہے۔ ۱۲ روح المعانی ۲۶ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

② بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنے والا ہر جملہ استفہامیہ پر پہنچے تو یہ کہے، بل انت یا رب، نہیں نہیں اے پروردگار مگر تو ہی اس کا خالق ہے۔

③ المقوین کے ترجمہ میں لفظ جنگل والوں کے ساتھ اور مسافروں کا لفظ اضافہ کر کے ان اقوال متعددہ کی طرف اشارہ ہے جو اسکی تفسیر میں منقول ہیں حافظ ابن کثیر ؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس ؓ مجاہد ؒ قتادہ ؒ اور ضحاک ؒ نے مقوین کے معنی مسافرین کے بیان کئے ہیں اور ابن جریر ؓ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے دوسرے بعض ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ مقوین القی اور القواء سے مشتق ہے جس کے معنی جنگل و بیابان جو آبادی سے دور ہو یہ دونوں تفسیریں معروف ہیں اور اکثر حضرات مفسرین نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم ؓ سے مقوین کے معنی محتاج اور فقراء بیان کئے ہیں۔
ابن ابی نجیح ؒ نے معنی مستمعین یعنی کان لگانے اور توجہ سے سننے والے بھی کیا ہے یہ جملہ معانی بلا تکلف اس جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ آگ جیسی نعمت کا ہر شخص محتاج ہے اور اس کو پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کیلئے انعام عظیم ہے خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر جنگل و بیابان ہو یا آبادی اور شہر میں وہ محتاج ہو یا غیر محتاج غنی ہو یا تنگدست ہر ایک اس نعمت کا محتاج ہے اور اس سے منتفع ہوتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہو تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں آگ سبزہ اور پانی کیونکہ یہ تینوں چیزیں مدار حیات ہیں۔ ۱۲

متعلق ہیں جن کو دنیا میں ہر خاص عام جانتا ہے جو ایک طرف اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے تو دوسری طرف انعام عظیم بھی ہے جس پر بندہ کو ہر لمحہ اس کی پاکی اور عظمت کا اقرار اعتراف کرتے رہنا چاہئے۔

سو اے مخاطب تو پاکی بیان کر اپنے رب عظیم کے نام کی اور اس کی ہر نعمت کا شکر ادا کر جس نے مخلوق کی حیات اور راحت کے یہ جملہ اسباب پیدا کئے اور اپنی قدرت عظیمہ سے پانی اور آگ جیسی متضاد چیزوں کو پیدا کیا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی ف۱ اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم بے شک یہ قرآن ہے عزت والا

سو میں قسم کھاتا ہوں تارے ڈوبنے کی، اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم، بے شک یہ قرآن ہے عزت والا،

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا

لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں ف۲ اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے ف۳ اب کیا

لکھا چھپی کتاب میں، اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنے ہیں، اتارا ہے جہان کے صاحب سے۔ اب کیا

الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ

اس بات میں تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو ف۴ پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے

اس بات میں تم سستی کرتے ہو؟ اور اپنا حصہ یہی لیتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو، پھر کیوں نہ جس وقت جان پہنچے

ف۱ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح) یا آیات قرآن کے اترنے کی آسمان سے زمین پر، آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی فرشتے اس کتاب کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ کتاب یہی قرآن لکھا ہوا ہے فرشتوں کے ہاتھوں میں یا لوح محفوظ میں" اور بعض نے "لایمسّہٗ" کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں۔ وہ ہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔ یا اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدون وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس وقت "لا یمسہ" کی نفی نہیں کے لیے ہوگی۔

ف۳ یعنی یہ کوئی جادو ٹوٹکا نہیں نہ کاہنوں کی ژٹیل اور بے سروپا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں بلکہ بڑی مقدس و معزز کتاب ہے جو رب العالمین نے عالم کی ہدایت و تربیت کے لیے اتاری، جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام قائم کیا، یہ ستارے ایک اٹل قانون کے ماتحت اپنے روزانہ غروب سے اسی کی عظمت و وحدانیت اور قاہرانہ تصرف و اقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں (کما احتج بہ ابراھیم علی قومہ) اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ و برتر ہستی اور سلطۂ غیبیہ کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہ ہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرے ذرے کا مالک و خالق ہوگا۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو پہلے رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔ اور کیا ایک عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھ سکتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیات یا تمام کتب و صحف سماویہ سے عبارت ہے، اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت و رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا۔ وہ ہی پاک خدا ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا۔ اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے۔ کس کی مجال ہے جو اس کو بدل سکے یا غائب کر دے۔ اس کے انوار اور شعاعیں ان ہی دلوں میں پوری طرح منعکس ہوتی ہیں جو مانجھ کر پاک و صاف کر لیے جائیں۔

ف۴ یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو۔ اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ ان کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو، جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آ گیا تھا اس سے بارش ہوگئی گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس باران رحمت کی =

الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِیْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا

حلق کو اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کے پاس ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں

حلق کو، اور تم اس وقت دیکھتے ہو، اور ہم اس کے پاس ہیں تم سے زیادہ، پر تم نہیں

تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّاۤ

دیکھتے پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو، اگر ہو تم سچے ف۱ سو جو

دیکھتے۔ پھر کیوں اگر تم نہیں کسی کے حکم میں، کیوں نہیں پھیر لیتے اس کو اگر ہو تم سچے۔ سو جو

اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ

اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا اور جو اگر وہ ہوا

اگر وہ ہوا پاس والوں میں، تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا۔ اور جو اگر وہ ہوا

اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ

داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے ف۲ اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں

داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے۔ اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں

الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾

بھٹکنے والوں میں سے تو مہمانی ہے جلتا پانی اور ڈالنا آگ میں ف۳ بے شک یہ بات ہے لائق یقین کے ف۴

بھکوں میں، تو مہمانی ہے جلتا پانی، اور پیٹھانا آگ میں۔ بے شک یہ باتیں یہی ہے لائق یقین کے۔

= قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں، سخت بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک نعمت کی شکرگزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔

ف۱ یعنی ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو گویا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار میں نہیں، یا کبھی مرنا اور خدا کے ہاں جانا ہی نہیں۔ اچھا جس وقت تمہارے کسی عزیز و محبوب کی جان نکلنے والی ہو، سانس حلق میں اٹک جائے، موت کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو، اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے اگر تم کسی دوسرے کے قابو میں نہیں تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان کو اپنی طرف نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل نخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو دنیا کی طرف واپس لا کر اسے آنے والی سزا سے کیوں بچا نہیں لیتے۔ اگر اپنے دعووں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ۔

ف۲ یعنی تم ایک منٹ کے لیے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہوگا تو اعلیٰ درجہ کی روحانی و جسمانی راحت و عیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا۔ اور "اصحاب یمین" میں سے ہو تب بھی کچھ کھٹکا نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی خاطر جمع رکھ ان کی طرف سے"۔ یا یہ مطلب ہے کہ اصحاب یمین کی طرف سے اس کو سلام پہنچے گا۔ یا اس کو کہا جائے گا کہ تیرے لیے آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے، اور تو "اصحاب یمین" میں شامل ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنے والے کو یہ بشارتیں مل جاتی ہیں۔ اور اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

ف۳ یعنی اس کا انجام یہ ہوگا کہ مرنے سے پہلے خبر سنا دی جائے گی۔

ف۴ یعنی تمہاری تکذیب سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ اس سورت میں مومنین اور مجرمین کی خبر دی گئی ہے بالکل یقینی ہے، اسی طرح ہو کر رہے گا۔ خواہ مخواہ شبہ پیدا کر =

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۹۶﴾

سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا ف ۱

سو بول پاکی اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا۔

ع ۲
۱۶

حقانیت قرآن کریم واثبات وقوع یوم عظیم

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ... الی ... فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾

ربط:...... اس سے قبل حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت وخالقیت کے عظیم دلائل وشواہد ذکر فرماتے اور ان انعامات عظیمہ کو ظاہر فرمایا جو اس نے دنیا کی انسانوں پر فائض فرماتے اور ان عظیم نعمتوں کو انکی زندگی کا مدار بنایا اب اس کے بعد قرآن کریم کی حقانیت بیان کرتے ہوتے یہ ذکر فرمایا کہ روز قیامت کیسا عظیم دن ہے اور قیامت کے احوال کیسے ہولناک ہوں گے اور یہ کہ قیامت کے روز کس طرح جزاء وسزا سے انسانوں کی قسمیں اور طبقات نظر آتے ہوں گے اور کون اپنی سعادت سے کامیابی حاصل کریں گے اور کون وہ بدنصیب ہوں گے جنکے حصہ میں محرومی اور عتاب خداوندی آئے گا ارشاد فرمایا:

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور بے شک یہ بہت ہی بڑی قسم ہے اگر تم سمجھو کہ ستاروں کا نظام رفتار کیسا عجیب اور محکم ہے اور انکا طلوع وغروب بغیر کسی خلل اور فرق کے جاری ہے تو ایسی مخلوق کی عظمت اور اس کے محیر العقول نظام محکم کو کائنات کے سامنے رکھتے ہوئے قسم کھاتا ہوں کہ یقیناً یہ کتاب جو محمد رسول اللہ ﷺ پر اتاری گئی قرآن کریم ہے جو بڑی ہی قدر ومنزلت والی کتاب ہے جس کی عزت وکرامت کی کوئی انتہاء نہیں جو ایک چھپی ہوئی کتاب لوح محفوظ میں پہلے ہی سے محفوظ وموجود ہے کیونکہ یہ اللہ کا کلام قدیم ہے جو ہمیشہ ہی سے لوح محفوظ میں محفوظ ومستور رہا اور ازل ہی سے یہ طے کر دیا گیا تھا کہ یہ قرآن کریم صرف نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا جائیگا اس کو صرف وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ❶ اتارا ہوا ہے یہ کلام پروردگار عالم کی طرف سے اور جو کلام رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہو بلاشبہ وہ متکلم کی عظمتوں، اس کے کمالات اور حکمتوں کا مظہر اتم ہوگا جو حکمتیں اور عظمتیں اس کی مخلوقات سے ظاہر

= کے اپنے نفس کو دھوکا نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔

ف ۱ یعنی تسبیح وتحمید میں مشغول رہو کہ یہی وہاں کی بڑی تیاری ہے اس نیک مشغلہ میں لگ کر مکذبین کی دل آزار بیہودگیوں سے بھی یکسوئی رہتی ہے اور ان کے باطل خیالات کا رد بھی ہوتا ہے۔ یہاں سورت کے خاتمہ پر جی چاہتا ہے کہ وہ حدیث نقل کر دی جائے جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے۔ "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ۔ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ" تم سورۃ الواقعہ وللہ الحمد والمنۃ۔

❶ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطھرون سے مراد فرشتے ہیں کہ اس لوح کو سوائے فرشتوں کے اور کوئی چھو بھی نہیں سکتا اس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود ہے کہ لوح محفوظ تک جب کسی کی رسائی ممکن نہیں تو بلاشبہ یہ کلام الٰہی لوح محفوظ سے بحفاظت تامہ نازل ہوا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں یا ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مراد یہی ہے کہ لوح محفوظ سے قرآن کو لانے میں فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا اور چھونا ہاتھ سے بھی ہوتا ہے تو بغیر وضو اور طہارت کے قرآن کریم کے چھونے کی حرمت ثابت ہوگئی اور چھونا بمعنی تعلق اور مناسبت کا حاصل کرنا بھی ہے تو یہ معنی مفہوم ہونگے کہ قرآن کریم کے علوم اور حقائق سے صرف انہی لوگوں کو تعلق اور مناسبت ہو سکتی ہے جو اپنے اپنے اخلاق سے پاک باز ہیں، اور جن کے قلب نفاق وسوء خلق کی گندگی سے آلودہ =

ہیں بلاشبہ وہی عظمتیں اس کے کلام میں بھی جلوہ گر ہونگی اور جیسے اس کی کائنات میں کسی بھی جگہ کوئی نقص اور عیب نہیں اس طرح اس کے کلام میں بھی کسی عیب اور نقص کا گزر نہیں ہوسکتا ایسے کلام پر تو کسی بھی صاحب عقل کو ہرگز کوئی تامل نہ کرنا چاہئے لیکن افسوس ایسا نہیں تو کیا اب بھی اس بات میں اس کے ماننے میں تم سستی کر رہے ہو اور تم نے اپنی روزی یہی بنالی ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے ہو ● کبھی کہتے ہو کہ جادو ہے کبھی کہتے ہو کہ کہانت ہے یا شاعر کا کلام ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو تو پھر کیوں نہیں تم ایسا کرتے کہ جس وقت جان حلقوم تک پہنچ جائے اور سکرات موت واقع ہونے لگیں اور اس وقت تم دیکھ رہے کہ کس قدر طرح روح کا نزع ہو رہا ہے اور ہم تو اس کے پاس زیادہ قریب ہیں بہ نسبت تمہارے لیکن تمہیں نظر نہیں آتا ہے کہ ہم کس قدر قریب ہیں تو اگر اے منکرو، تم خدا کی باتوں کو جھٹلاتے ہو اور تم کسی کے قابو میں نہیں ہو تو کیوں نہیں تم اس روح کو پھیر لیتے اگر تم سچے ہو کہ موت وحیات کا مالک اللہ نہیں اگر تمہارا یہ گمان درست ہے تو پھر تم کو چاہئے کہ یہ روح جو بدن سے پرواز کر رہی ہے اس کو واپس بدن کی طرف لوٹا دو اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت جان نکلنے کے بعد روح کو دوبارہ نہیں لوٹا سکتی تو جس طرح یہ روح اور جان خدا کے قبضہ میں ہے اسی طرح ہر انسان کی جزاء وسزا بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور اس کو کوئی لوٹانے پر قادر نہیں چنانچہ یہ ہو کر رہیگا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا پس اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو اس کے واسطے راحت ہے اور روزی ہے یا ہوا کے جھونکے اور خوشبوئیں اور نعمتوں کے باغات اور اگر وہ داہنے والوں میں سے ہے تو پھر سلامتی ہے تیرے واسطے داہنے والوں سے اور اگر وہ ہے جھٹلانے والوں گمراہوں سے تو پھر مہمانی ہے کھولتے ہوئے پانی کی اور جن ہم کی دہکتی آگ میں جھونکے جانے کی کہ کھولتے ہوئے پانی سے مہمانی کا آغاز ہوگا اور ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں اس کو جھونک دیا جائے گا۔

بے شک یہ بات پختہ یقین کی ہے جو اللہ رب العزت کی قدرت وعظمت اور اس کی شان ربوبیت سے بلاشبہ

= ہیں ان کو علوم قرآنیہ سے کوئی تعلق ومناسبت نہیں ہوسکتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں باسناد عبداللہ بن ابی بکر بن محمد عمرو بن حزم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو فرمان لکھوا کر ان کے نام بھیجا تھا اس میں یہ تھا ان لا لیس القران الا طاھر اس وجہ سے فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر وضو قرآن کریم چھونا ممنوع ہے اور اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اسی حکمت کے پیش نظر وہ بات ہے جو حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن کریم دشمن کی سرزمین میں لے کر سفر کیا جائے اسی اندیشہ کے باعث کہ وہ مصحف قرآن کی توہین وبے حرمتی نہ کریں اور بغیر پاکی ممکن ہے قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو بہن نے وہ اوراق چھپا لئے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ کہ دکھاؤ مجھے تم کیا پڑھ رہے ہو تو کہا تم مشرک ہو اور نجس آدمی قرآن کو نہیں چھو سکتا ان کو پہلے غسل کے لیے کہا پھر ان کے ہاتھ میں وہ اوراق دیئے۔ ۱۲

● ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ﴾ کی تفسیر میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہیثم بن عدی رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ بیان کیا ہے کہ بعض قبائل عرب مثلاً از دشنوۃ میں لفظ رزق بمعنی شکر بولا جاتا تھا کہا جاتا تھا ما رزق فلاں یعنی وہ شخص شکر سے محروم رہا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً یہ معنی ذکر کیے ہیں شکر کم انکم تکذبون کہ تم نے اپنا شکر بس یہی بنایا ہے کہ تکذیب کرتے ہو یہ کہہ کر کہ فلاں فلاں ستارہ کے طلوع وغروب کی وجہ سے بارش برسی زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز مقام حدیبیہ میں ہم کو صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات میں بارش برسی تھی آپ ﷺ نے سلام پھیر کر لوگوں کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا میرے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے صبح کی ہے اس طرح کہ کچھ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور کچھ میرا کفر کرنے والے ہیں جس نے یہ کہا کہ ہمیں بارش برسی ہے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش برسی تو وہ میرا کفر کر رہا ہے اور کوکب (ستارہ) پر ایمان لا رہا ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

واضح اور ثابت ہے تو اس پر اے مخاطب یقین کر اور اس کی عظمت و کبریائی پر ایمان لاتے ہوتے پس اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرتا رہ مکذبین کی تکذیب اور ان کے جھٹلانے کی نہ کوئی پروا کرنی چاہئے اور نہ اس سے دل پر رنج وغم کا اثر لینا چاہئے بلکہ تسبیح وتحمید میں مصروف رہنا ہی مومن کا کام ہے منکرین کی دل آزار بے ہودگیاں انھی پر وبال جان بن کر ظاہر ہوں گی ● تسبیح وتحمید کی برکت سے قلب اوہام اور وساوس سے بھی پاک رہتا ہے اور انابت الی اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔

موت کے وقت انسانوں کے طبقات

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ میں سکرات موت اور نزع روح کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے طبقات متعین کر دیئے جاتے ہیں اور جس طبقہ کا وہ مرنے والا انسان ہوتا ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ملائکہ رحمت اہل ایمان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں ایتها الروح الطیبة فی الجسد الطیب کنت تعمرینه اخرجی الی روح وریحان ورب غیر غضبان۔ یعنی اے پاکیزہ روح جو تو پاکیزہ بدن کی تعمیر اور نشوونما کر رہی تھی نکل راحتوں اور نعمتوں کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو راضی اور خوش ہے اس کے بالمقابل منکر و فاجر کو کہا جاتا ہے، اے روح نکل خدا کے غضب اور عذاب کی طرف اور جہنم کی اذیتوں اور مصیبتوں کی طرف اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ میت کے دفن کے وقت بار بار یہ آیت تلاوت فرماتے ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ﴾ اور لوگوں سے فرمایا کرتے اے لوگو! دعا کرو اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھے قول ثابت اور کلمہ ایمان کے ساتھ تو اس آیت میں تین طبقات کا بیان اس طرح فرمایا گیا ﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ ﴿وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ کہ یا تو وہ شخص مقربین میں سے ہوگا مقربین کاملین کا گروہ وہ ہوا جن کے انعامات اور ان پر رحمتوں کی کوئی حد وانتہاء نہ ہوگی دوسرا گروہ اصحاب الیمین یعنی عام اہل ایمان کا ہوگا ان پر بھی رحمتوں کی کوئی حد وانتہا نہ ہوگی انعامات ہوں گے لیکن ان کا درجہ مقربین سے بہرحال کم ہوگا۔ تیسرا طبقہ مکذبین ومنکرین کا ہوگا جن کے اوپر مرتے ہی عذاب کی سختیاں شروع ہو جائیں گی اہل ایمان کے لیے بشارت کا پیغام اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ

● حضرات عارفین فرماتے ہیں تقویت قلب اور اطمینان باطن کے لئے سبحان اللہ والحمد للہ جیسے کلمات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں تسبیح وحمد سے قلب کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے صدموں اور تکالیف کو برداشت کر لیتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی حدیث پر اپنی کتاب کو ختم فرمایا۔

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۞ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ کہ جن لوگوں نے (اپنے اعتقاد اور عمل سے) یہ کہہ لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اسی پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے تو ان پر فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر اترتے ہیں کہ اے ایمان والو! نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور بشارت سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست اور ولی ہیں۔

دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہے تو تم چاہو اور تمہارے واسطے ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو جو ضیافت و مہمانی ہے رب غفور رحیم کی طرف سے۔

تو مقربین انعامات سے نوازے جائیں گے اصحاب الیمین نجات پائیں گے اور راحت و سکون سے جنت میں داخل ہوں گے لیکن منکرین و مکذبین خدا کی لعنت غضب اور عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منها وادخلنا الجنة بكرمه وفضله من الابرار امين يا رب العالمين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الواقعة

سورۃ الحدید

یہ سورت بھی ان مدنی سورتوں میں ہے جو شریعت کے بنیادی احکام اور عقائد توحید کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہیں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر بھی کلام فرمایا گیا اور یہ کہ انسان کو دین و دنیا کی سعادت کیلئے ضرورت ہے کہ اپنے باطن کو اخلاق رذیلہ کی گندگیوں سے پاک رکھتے ہوئے احسان اور انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرے۔

اس سورۃ مبارکہ میں بالخصوص تین اہم موضوع ذکر فرمائے گئے ہیں۔

اولاً: یہ کہ جملہ کائنات و موجودات اللہ کی مخلوق ہے اور خدا ہی اس کا مالک اور خالق ہے اور صرف اسی کا تصرف اور حکم جاری ہے اس کی خالقیت اور حاکمیت میں کوئی شریک نہیں۔

ثانیاً: یہ کہ دین خداوندی کی سربلندی کے لیے انسان کو کسی قسم کی جانی اور مالی قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

ثالثاً: دنیا اور دنیا کے ساز و سامان اس کے عیش اور لذتوں کی حقیقت واضح فرمائی گئی کہ یہ زیب و زینت اور مال و متاع محض ایک دھوکہ اور فریب ہے ان چیزوں سے انسان کو چاہئے کہ دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ یہ سمجھے کہ دنیا کی زندگی صرف چند روزہ اور یہاں کا قیام آخرت کی تیاری کے واسطے ہے۔

ان مضامین کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و کبریائی اور اسکی پاکیزہ صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح و پاکی بیان کرنے میں مصروف ہے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اسکی قدرت و عظمت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے پھر یہ کہ وہ ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر ہے کہ اسکی کوئی نہایت نہیں وہ ظاہر ہے کہ اسکی قدرت کا جلوہ ہر موجودہ مخلوق میں ظاہر ہے اور باطن ہے ایسا کہ نگاہوں اور افکار و عقول کی پرواز سے بالا ہے اس کے بعد اہل ایمان کو انفاق و ایثار کی دعوت دی گئی ساتھ ہی ایمان کا وہ اکرام و اعزاز بھی بیان کیا گیا جو میدان حشر میں انکو نصیب ہوگا کہ ﴿نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ الخ۔

اختتام سورت پر اللہ رب العزت نے اپنے رسولوں کی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور انکی تعلیمات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی امت کو ایمان وتقویٰ کی دعوت دیتے تھے۔

(۵۷ سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۴) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (آیاتھا ۲۹ رکوعاتھا ۴)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ف۱ اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا اسی کے لیے ہے راج آسمانوں کا

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ اسی کو راج ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ

اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے ف۲ وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا ف۳ اور باہر

اور زمین کا، جلاتا ہے اور مارتا ہے، اور وہ سب چیز کرسکتا ہے۔ وہ ہے پہلا اور پچھلا اور باہر

وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے ف۴ وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ

اور اندر اور وہ سب چیز جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا

دن میں پھر قائم ہوا تخت پر ف۵ جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اس سے نکلتا ہے ف۶ اور جو

دن میں، پھر بیٹھا تخت پر، جانتا ہے جو پیٹھتا ہے زمین میں، اور جو اس سے نکلتا ہے، اور جو

ف۱ یعنی زبان حال سے یا قال یا دونوں سے۔

ف۲ یعنی آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کا حکم اور اختیار چلتا ہے ایجاد واعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔

ف۳ جب کوئی نہ تھا، وہ موجود تھا، اور کوئی نہ رہے وہ موجود رہے گا۔

ف۴ ہر چیز کا وجود ظہور اس کے وجود سے ہے۔ لہٰذا اس کا وجود اگر ظاہر و باہر نہ ہو تو اور کس کا ہوگا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی کنہ ذات اور حقائق صفات تک عقل وادراک کی رسائی نہیں کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کرسکتا نہ اپنے قیاس ورائے سے اس کی کچھ کیفیت بیان کرسکتا ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہرحال وہ اندر بھی باہر بھی، ظاہر بھی باطن بھی، کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر (بمعنی غالب) ایسا کہ اس سے اوپر کوئی قوت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقع نہیں جہاں اس کی آنکھ سے اوجھل ہو کر پناہ مل سکے۔ فَفِي الْحَدِيْثِ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَّاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ

ف۵ اس کا بیان سورۂ اعراف میں آٹھویں پارے کے ختم سے کچھ پہلے گزر چکا ہے۔

ف۶ مثلاً بارش کا پانی اور بیج زمین کے اندر جاتا ہے۔ اور کھیتی درخت وغیرہ اس سے باہر نکلتے ہیں۔ اس کا بیان سورۂ "سبا" میں گزر چکا۔

يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

کچھ اترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے ف۱ اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو

اترتا ہے آسمان سے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔ اور تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔ اور اللہ ! جو کرتے ہو

بَصِيرٌ ④ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ⑤ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي

اس کو دیکھتا ہے ف۲ اسی کے لیے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام ف۳ داخل کرتا ہے رات کو دن

دیکھتا ہے۔ اسی کو ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔ داخل کرتا ہے رات کو دن

النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑥

میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں ف۴ اور اس کو خبر ہے جیوں کی بات کی ف۵

میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور اس کو خبر ہے جیوں کی بات کی۔

اللہ تعالیٰ کی چند اہم صفات کا ذکر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی... وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے زبان حال سے یا قال سے یا دونوں سے وہی بڑی عزت حکمت والا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اسکی عزت و کبریائی اور اسکی شان حکیمی کی گواہی دے رہی ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی وہی ان سب کا نظام چلا رہا ہے اور اس کی حاکیت میں کوئی شریک نہیں اسی کی یہ شان ہے کہ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر بڑا ہی قادر ہے آسمانوں اور زمین پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور کوئی طاقت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی وہی اول ہے اور وہی آخر ہے ایسا اول کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا خوب جاننے والا ہے۔

ہر شئے کا وجود اس کا ظہور اس کی بقاء اور اس کے زمانہ بقاء کے تغیرات اور جملہ احوال اسی کے علم میں ہیں وہ ازلی ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں وہ ذات ابدی ہے کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی لیکن وہ باقی رہے گا۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾۔ عرش سے لے کر فرش تک ہر موجود اس کے وجود کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر کیا کوئی چیز روشن ہوگی کہ چاند سورج ستارے اس کی خالقیت و قدرت کی گواہی دے رہے ہیں حتی کہ انسان کا سانس جو اسکی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے اس کی ہر آمد و رفت قدرت خداوندی کی گواہی دے رہی ہے اس طرح روشن اور ظاہر و باہر ہونے کے ساتھ

ف۱ آسمان کی طرف سے اترتے ہیں فرشتے۔ احکام، قضاء و قدر کے فیصلے۔ اور بارش وغیرہ اور چڑھتے ہیں بندوں کے اعمال اور ملائکۃ اللہ۔

ف۲ یعنی کسی وقت تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں ہو وہ خوب جانتا ہے اور تمام کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔

ف۳ یعنی اسکی قلمرو سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے۔ تمام آسمان و زمین میں اسی اکیلے کی حکومت ہے اور آخر کار سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔

ف۴ یعنی کبھی دن کو گھٹا کر رات بڑی کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس رات کو گھٹا کر دن بڑا کر دیتا ہے۔

ف۵ یعنی دلوں میں جو نیتیں اور ارادے پیدا ہوں یا خطرات و وساوس آئیں، وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

ایسا لطیف اور خفی ہے کہ نہ نگاہیں اس کا ادراک کر سکتی ہیں اور نہ ہی اسکی ذات وصفات کا احاطہ انسانی عقول کر سکتی ہیں ایسا علیم کہ اس کی نظر اور علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر قائم اور متمکن ہوا عرش پر جہاں سے کائنات پر اسکی حکمرانی جاری ہے وہ جانتا ہے ہر چیز کو جو زمین کے اندر جاتی ہے جیسے وہ دانے اور تخم جو زمین میں بوئے جاتے ہیں یا وہ خزائن ومعادن جو زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں اور ہر چیز کو جو زمین سے باہر نکلتی ہے جیسے کہ سبزے اور نباتات ● اور جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے بارش کا پانی اسکی مقدار اس کا زمانہ اور اسکی جگہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہے اس طرح وہ فرشتے جو آسمانوں سے احکام اور تکوینی امور لے کر اترتے ہیں اور آسمانی فیصلے بھی اور قضاء وقدر کے امور سب کچھ اللہ ہی کے علم میں ہے اور اسی کے علم اور حکم کے مطابق ان سب چیزوں کا آسمان سے نزول ہوتا ہے اور جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں چڑھتی ہے انسانوں کے اعمال اور احوال سے اور وہ فرشتے جو بندوں کے اعمال لے کر آسمانوں پر چڑھتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں غرض ہر نازل ہونے والی چیز اور اوپر چڑھنے والی چیز خدا کے علم میں ہے اسی کے حکم کے مطابق اور اسی کے فیصلہ سے ہے وہ پروردگار تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں بھی کہیں تم ہو اور اللہ خوب دیکھتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو اور کسی وقت اور کسی حال میں تم سے غائب نہیں اور اس سے کوئی عمل چھپا نہیں رہ سکتا خواہ کوئی عمل ظاہر ہو یا چھپ کر کیا جائے جب کہ وہ پروردگار دلوں کے حال واحوال پر مطلع ہے تو ظاہری اور حسی اعمال واحوال اس سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی کوئی بھی اس کی حدود سلطنت سے نہیں نکل سکتا جہاں بھی جائے گا اسی کی حکومت اور سلطنت میں گھرا ہوگا۔ اور اسی کی طرف تمام امور اور کام لوٹتے ہیں وہی ہر کام کا فیصلہ کرتا ہے اور وہی ہر عمل کی جزاء وسزا دیتا ہے کیونکہ ہر عمل اس کی بارگاہ میں اسی لئے پہنچایا جاتا ہے کہ وہ اسکی جزاء یا سزا دے رہی ہے جو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں دن ورات کا گھٹانا بڑھانا اور دن کی روشنی کو مٹا کر رات کی تاریکی پھیلا دینا اور رات کی تاریکی کو دن کے نور سے زائل کر دینا یہ سب کچھ اسی کی قدرت ہے ورنہ دنیا کی طاقت اگر تمام مادی وسائل بھی صرف کر دے تو ایک لحہ کا بھی تغیر وتبدل نہیں کر سکتی اور وہی خوب جاننے والا ہے دلوں کی چیزوں کو کہ کس کے دل میں کیا خیالات ہیں کیسے عقائد ہیں کس قسم کے ارادے اور عزائم ہیں وہ کیا سوچتا ہے اور کس چیز کی آرزو کر رہا ہے اس کی نیت کس عمل میں کیسی ہے غرض یہ سب کچھ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اس میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

اسماء حسنیٰ کی توضیح وتشریح آیت ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾ میں گزر چکی حضرات قارئین وہاں مراجعت فرمالیں۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت مبارکہ ہزار آیتوں سے بڑھ کر افضل ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلبیہ کے محسوس ہونے پر اگر کوئی شخص آیت ﴿وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ پڑھ لے تو اس کے دل سے ہر قسم کے وساوس وخطرات زائل ہو جائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو یہ کلمات دعائیہ پڑھتے اللھم

● ان مضامین کی تفصیلات پہلے گزر چکیں۔

رب السموت السبع ورب العرش العظیم ربنا ورب کل شیء منزل التورات والانجیل والفرقان فالق الحب والنوی لا الٰہ الا انت اعوذ من شر کل شیء انت اخذ بناصیتہ انت الاول فلیس قبلک شیء وانت الاخر فلیس بعدک شیء وانت الظاھر فلیس فوقک شیء وانت الباطن لیس دونک شیء، اقض عنا الدین واغننا من الفقر۔ (صحیح مسلم)

ان کلمات دعائیہ میں مناجات ودعا کے ساتھ حق تعالیٰ کی معرفت اسکی شان ربوبیت اور عظمت وقدرت کے اوصاف بھی واضح ہیں اوران کلمات کا تلفظ ایمان ویقین اور معرفت خداوندی کی قوت وبرکت کا باعث ہے۔

اے اللہ ان کلمات مبارکہ کی معرفت وحقیقت ہماری زندگیوں میں رچادے اسی پر زندہ رکھ اسی پر اے اللہ ہمیں موت دے توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا ندامی مفتونین امین یا رب العلمین۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ

یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر ف۱ سو جو لوگ تم پر یقین لائے ہیں

یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو جو کچھ تمہارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کر کر۔ سو جو لوگ تم میں یقین لائے

وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ

اور خرچ کرتے ہیں ان کو بڑا ثواب ہے ف۲ اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر اور رسول بلاتا ہے تم کو

اور خرچ کرتے ہیں ان کو نیگ بڑا ہے۔ اور تم کو کیا ہوا؟ کہ یقین نہ لاؤ گے اللہ پر، اور رسول بلاتا ہے تم کو

لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى

کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر ہو تم ماننے والے ف۳ وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے

یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے تمہارا اقرار، اگر ہو تم مانتے۔ وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے

ف۱ یعنی جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے اس کا مالک اللہ ہے تم صرف امین اور خزانچی ہو۔ لہٰذا جہاں وہ مالک بتلائے وہاں اس کے نائب کی حیثیت سے خرچ کرو۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھو کہ پہلے یہ مال دوسروں کے ہاتھ میں تھا ان کے جانشین تم بنے۔ ظاہر ہے تمہارا جانشین کوئی نہ کوئی اور بنایا جائے گا۔ پھر جب معلوم ہے کہ یہ چیز نہ پہلوں کے پاس رہی نہ تمہارے پاس رہے گی، تو ایسی زائل وفانی چیز سے اتنا دل لگانا مناسب نہیں کہ ضروری اور مناسب مواقع میں بھی آدمی خرچ کرنے سے کترائے۔

ف۲ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفت وخصلت موجود نہیں، اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں اور ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کریں۔

ف۳ یعنی اللہ پر ایمان لانے یا یقین ومعرفت کے راستوں پر چلنے والے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اور اس معاملہ میں سستی یا تقاعد کیوں ہو جبکہ خدا کا رسول تم کو کسی اجنبی اور غیر معقول چیز کی طرف نہیں بلکہ تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ جس کا اعتقاد تمہاری اصل فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور جس کی ربوبیت کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ چنانچہ آج تک اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بھی قلوب بنی آدم میں پایا جاتا ہے۔ پھر دلائل وبراہین اور ارسال رسل کے ذریعہ سے اس ازلی عہد وپیمان کی یاد دہانی اور تجدید بھی کی گئی۔ اور انبیائے سابقین نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے۔ اور تم میں بہت سے وہ بھی ہیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سمع واطاعت اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ امور ایمانیہ پر کاربند رہنے کا پکا عہد کر چکے ہیں۔ پس ان مبادی کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے۔

عَبۡدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمۡ لَرَءُوۡفٌ

بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا ہے

بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں۔ اور اللہ تم پر نرمی رکھتا ہے

رَّحِيۡمٌ ۞ وَمَا لَـكُمۡ اَلَّا تُنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

مہربان ف۱ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہے ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں ف۲

مہربان۔ اور تم کو کیا ہوا ہے؟ کہ خرچ نہ کرو گے اللہ کی راہ میں، اور اللہ کو بچ رہتا ہے ہر کچھ آسمانوں میں اور زمین میں۔

لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰۤـئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے ف۳ اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے

برابر نہیں تم میں، جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور لڑا۔ ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے، ان سے

الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقٰتَلُوۡا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۞ ع ۱۰ / ۱۴

جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا ف۴ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۵

جو خرچ کریں اس سے پیچھے، اور لڑیں۔ اور سب کو وعدہ دیا ہے اللہ نے خوبی کا۔ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ ۞

کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھی طرح، پھر وہ اس کو دونا کر دے اس کے واسطے اور اس کو ملے ثواب عزت کا ف۶

کون ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو اچھی طرح قرض، پھر وہ اس کو دونا کر دے اس کے واسطے، اور اس کو ملے نیگ عزت کا۔

ف۱ یعنی قرآن اتارا اور صداقت کے نشان دیے تاکہ ان کے ذریعہ سے تم کو کفر و جہل کے اندھیروں سے نکال کر ایمان و علم کے اجالے میں لے آئے۔ یہ اللہ کی بہت ہی بڑی شفقت اور مہربانی ہے، اگر سختی کرتا تو ان ہی اندھیروں میں پڑا چھوڑ کر تم کو ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا۔

ف۲ یعنی مالک فنا ہو جاتا ہے اور ملک اللہ کا بچ رہتا ہے اور دیسے تو ہمیشہ اسی کا مال تھا۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے موافق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہو، خوشی اور اختیار سے نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر افلاس سے نہ ڈرے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ کیا اس کے راستہ میں خوشدلی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہے گا؟ "وَلاَ تَخۡشَ مِنۡ ذِی الۡعَرۡشِ اِقۡلاَلاً"

ف۳ اور بعض نے فتح سے مراد صلح حدیبیہ لی ہے۔ اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ف۴ یعنی یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا یا آخرت میں دے گا لیکن جن مقدروالوں نے "فتح مکہ" یا "حدیبیہ" سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ بڑے درجے لے اڑے، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال وغنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولو العزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ورزقنا اللہ اتباعھم وحبھم۔ آمین۔

ف۵ یعنی اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں اخلاص کا وزن کتنا ہے۔ اپنے اسی علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

ف۶ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو۔ پھر تم ہی دولتیں برتو گے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے) یہی =

دعوت ایمان برب کون ومکان وحکم اطاعت رسول کریم ﷺ وترغیب بذل مال عزیز برائے رضائے خداوند ذوالجلال

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... الى ... وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے خداوند عالم نے اپنی صفات قدرت وعظمت کا بیان فرمایا ان صفات اور خوبیوں کو سن کر ہر مخاطب کو چاہئے کہ ایسی ذات سراپا عظمت وکبریائی پر ایمان لانے کے واسطے تیار ہو جائے اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری جو اس کے رسول ہی کی ذریعے ہو سکتی ہے تیار ہو جائے اور کائنات کے خالق ومالک کی خوشنودی کے لئے اپنی جان ومال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے اور جو مال صرف اللہ ہی نے اس کو عطا کیا ہے اس مال کو اس کی فرماں برداری اور حقوق کے ادا کرنے میں صرف کرنے سے قطعاً بخل نہ کرے ارشاد فرمایا:

ایمان لاؤ اے لوگو! اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین ومعرفت کے راستوں پر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ خدا اور اس کا رسول تم کو کسی ایسی بات کی طرف دعوت نہیں دے رہا ہے جو اجنبی اور بے پہچانی ہوئی نہ ہو خدا کی معرفت اسکی ربوبیت کا اعتقاد تو تمہاری فطرت میں رچا ہوا ہے اسی کی ربوبیت وبندگی کی طرف اس کا رسول دعوت دے رہا ہے پھر آخر کس وجہ سے سستی بے رخی اور اعراض ہے مال ودولت اور دنیا کی خواہشات اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں حائل نہ ہونی چاہئے بلکہ ہر طرح جان ومال سے اسکی اطاعت کے لئے تیار ہو جاؤ اور خرچ کرو اس کی رضا وخوشنودی کے لئے اس مال میں سے جو اس پروردگار نے تمہارے ہاتھوں میں دے دیا ہے تم کو اپنا نائب بنا کر اللہ کے مال کو خرچ کرنے میں مالک وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور اسی نے تم کو وہ مال عطا کیا اور تم صرف اس کے نائب اور اس کا مال خرچ کرنے میں امین اور خزانچی ہی ہو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا انکے واسطے بہت ہی بڑا ثواب ہے لہٰذا جو لوگ اس سعادت سے ابھی تک محروم ہیں انکو چاہئے کہ وہ بھی اس کی طرف رغبت کریں اور اس کے حاصل کرنے کے لئے دوڑیں اگر اے لوگو! ان تمام حقائق کے علم کے بعد بھی اس کی طرف رغبت اور سبقت نہیں کرتے تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

اور کیا ہو گیا تم کو کہ تم ایمان نہیں لاتے ہو اللہ پر حالانکہ کہ اس کا رسول ﷺ تم کو دعوت دے رہا ہے اور بلا رہا ہے اس بات کے لئے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور حال یہ ہے کہ تمہارے رب نے تم سے اس بات کا عہد لے لیا ہے عہد الست میں جب کہ تم کو تمہارے باپ آدم کی پشت سے نکال کر تم سے خطاب فرمایا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾۔ اور تم سب نے اقرار کر لیا تھا اور اسی وقت خدا نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ میرے رسول تمہارے پاس اس عہد ومیثاق کو یاد دلانے کے لیے آئیں گے تم انکی بات ماننا اور ان پر ایمان لانا تو اس عہد کو پورا کرو اگر تم یقین رکھتے ہو اور ظاہر ہے کہ اس کے رد کرنے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس اقرار کا کچھ نہ کچھ اثر بنی آدم پر آج تک ظاہر ہے خواہ وہ زبان سے خدا کی الوہیت کا اقرار کرے یا نہ کرے لیکن اسکی فطرت کے تقاضے اور مظاہر اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت اس کی الوہیت

= معنی ہیں دونے کے۔ ورنہ مدارک میں اور غلام میں سو دبیاج نہیں۔ جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔"

اورتوحیداس کی فطرت میں موجود ہے۔

وہی ہے پروردگار جو اتارتا ہے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام تا کہ تم کو گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کرنور ہدایت کی طرف لے آئے اور بے شک اللہ رب العزت تم پر بہت ہی نرمی کرنے والا مہربان ہے کہ تم کو تمہارے انکار وکفر اور نافرمانی پر سزا دیکر ہلاک نہیں کرتا بلکہ تم کو مہلت دے رہا ہے اور اپنی مہربانی سے تمہارے واسطے آیات بینات نازل کیں جن کے ذریعے تم گمراہیوں سے، نجات پا کر فلاح وسعادت کی زندگی اختیار کرلو ایسے مہربان ورحیم پروردگار کے حکم پر تم کو ہر طرح کے ایثار پر تیار ہو جانا چاہئے اور مال ودولت کی محبت میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کررہے ہو تمہیں چاہیئے کہ دنیا اور دنیا کے مال ومنال کی حقیقت کو سمجھو اور کیا ہو گیا کہ تم نہیں خرچ کرتے ہو اللہ کی راہ میں حالانکہ اللہ ہی کے واسطے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی سب کچھ فنا ہو جائے گا اور بس اللہ ہی کی ذات باقی رہے گی ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ اس لیے عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنی حیات اور زندگی میں ہی اللہ کی راہ میں خرچ کردو تا کہ تمہارے مرنے کے بعد وہ تمہارے واسطے ذخیرہ ہو سکے اس کے برعکس اگر تم نے کچھ خرچ نہ کیا تو ظاہر ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر مرنا ہے اور ایسی صورت میں آخرت میں بھی کوئی ذخیرہ تمہارے کام آنے والا نہ ہوگا اور اللہ کی راہ میں خرچ کی قدر ومنزلت ضرورت اور حالت کے لحاظ سے ہے جب اللہ کے دین میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور اسلام ومسلمین کمزور ومحتاج ہیں تو یقیناً اس وقت اس کا درجہ اللہ کے یہاں بہت بڑا ہوگا اس کے برعکس یہ وقت اگر نکل گیا اور اسلام مستغنی ہو گیا اس طرح کی ظاہری امداد واعانت سے تو پھر یقیناً یہ درجہ نصیب نہ ہوگا اس لیے معلوم ہو جانا چاہئے کہ برابر نہیں تم میں سے وہ شخص جس نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور فتح مکہ سے قبل جہاد کیا بے شک یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد فتح مکہ کے خرچ کریں اور قتال کریں دونوں گروہوں میں ایثار وقربانی اور اسلام کی اعانت ومدد کے لحاظ سے بڑا فرق ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک ہی سے نیک بدلہ کا وعدہ کیا ہے [1] کہ ہر شخص کو

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مفسرین فتح سے مراد صلح حدیبیہ لیتے تھے لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہی مراد ہے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوں تو اللہ کے راستہ میں کسی وقت بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہی ہے خدا اس کا بہترین بدلہ دنیا اور آخرت میں دے گا لیکن جن مقدر والوں نے فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا اور بڑے درجے لے اڑے بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی اس وقت اسلام کو جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال وغنائم کی توقعات بہت کم ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستہ میں جان ومال لٹانا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ رزقنا اللہ تعالیٰ اتباعھم وحبھم امین یارب العالمین ۱۲ فوائد عثمانی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے ایک جبہ پہنا ہوا تھا جو سینہ پر کئی جگہ سے پھٹا ہوا اور پیوند لگا ہوا تھا انہوں نے اپنا جو کچھ مال تھا وہ قبل الفتح (اور قبل از ہجرت) اللہ کی راہ میں خرچ کردیا تھا تو جبرائیل امین علیہ السلام اترے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کرڈالا ہے جبریل امین علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ رب العزت کا ان کو پیغام سلام ہے اور یہ کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو اس فقر کی حالت میں یا ناراض ہو؟ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پیغام سنایا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں (آپ ﷺ گواہ ہوں) میں اپنے رب سے راضی ہوں ۱۲۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

نیکی کا بدلہ جزاء حسن ونیکی کی صورت میں ملے گا اور اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو ہر ایک کو اس کے اخلاص اور جذبہ اور عمل کی قدر و قیمت کے مناسب جزاء عطا فرمائے گا ایسی صورت میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی راہ میں ایثار وقربانی سے دریغ اور تاخیر نہ کرنی چاہئے لہٰذا یہ اعلان کیا جا رہا ہے کون ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو بہترین قرض دینا جس کو اللہ تعالیٰ بڑھائے گا خوب بڑھانا اس کے واسطے دنیا میں بھی اسکی برکت کی حد وانتہاء نہ ہوگی اور آخرت میں اس کے واسطے اجر وثواب ہوگا عزت وکرامت والا وہ جنت کی بیشمار نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے جن کا نہ کسی انسان نے تصور کیا ہوگا نہ کسی آنکھ نے ایسی نعمتیں دیکھی ہوں گی اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔

صدق اللہ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ فرما رہا ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حاضر ایک صحابی ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ ہم سے قرض کا ارادہ فرما رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! یہ سن کر کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک بڑھایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر رکھتے ہوئے گویا بصورت بیعت کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا انکا بہت بڑا باغ تھا جس میں چھ سو درخت کھجور کے تھے باغ میں رہائشی جگہ بھی بنی ہوئی تھی جس میں انکی بیوی ام الدحداح رضی اللہ عنہا اور انکے بچے تھے فوراً باغ پر پہنچے اور باغ کے باہر ہی سے بیوی کو پکارا یا ام الدحداح رضی اللہ عنہا، اس نے جواب دیا لبیک کہا باغ سے باہر نکل آ میں نے یہ باغ اپنے پروردگار کو قرض دے دیا ہے (اور اپنے رب کو دیتے ہوئے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا ہے) ایک روایت میں ہے کہ ام الدحداح رضی اللہ عنہا فوراً ہی انتہائی انبساط ومسرت سے بول اٹھیں سبحان اللہ اے ابوالدحداح رضی اللہ عنہ تمہارا یہ معاملہ نہایت ہی نفع بخش ہے یہ کہہ کر اسی وقت اپنے بچوں اور سامان سمیت باغ سے باہر نکل آئیں اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کس قدر خوشے ہیں ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کے واسطے جو میں جنت میں لٹکے ہوئے دیکھ رہا ہوں ایک روایت میں ہے کہ یہ خوشے یاقوت اور موتیوں کے ہیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو دوڑتی ہوئی چلتی ہے ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے داہنے ف۱ خوشخبری ہے

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو، دوڑتی چلتی ہے ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے داہنے، خوشخبری ہے

ف۱ میدان حشر میں جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہوگا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہوگی۔ شاید ایمان کی روشنی میں جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنے کیونکہ نیک عمل داہنی طرف جمع ہوتے ہیں۔ جس درجہ کا کسی کا ایمان وعمل ہوگا اسی درجہ کی روشنی ملے گی۔ اور غالباً اس امت کی روشنی اپنے نبی کے طفیل دوسری امتوں کی روشنی سے زیادہ صاف اور تیز ہوگی۔ بعض روایات سے بائیں جانب بھی روشنی کا ہونا معلوم ہوا ہے۔ اس کا مطلب شاید یہ ہوگا کہ روشنی کا اثر ہر طرف پہنچے گا۔ واللہ اعلم۔

الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ

تم کو آج کے دن باغ ہیں کہ نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں سدا رہو ان میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی ف۱ جس دن

تم کو آج کے دن باغ ہیں نیچے بہتیں جن کے نہریں، سدا رہیں ان میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ جس دن

يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ

کہیں گے دغا باز مرد اور عورتیں ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری ہم بھی روشنی لے لیں تمہارے نور سے کوئی کہے گا

کہیں گے دغا باز مرد اور عورتیں، ایمان والوں کو ہماری راہ دیکھو ہم بھی سلگا لیں تمہاری روشنی سے، کسی نے کہا

ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ

لوٹ جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈ لو روشنی پھر کھڑی کردی جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ اس کے اندر رحمت ہوگی

الٹے جاؤ پیچھے، پھر ڈھونڈھ لو روشنی۔ پھر کھڑی کردی ان کے بیچ میں ایک دیوار جس کو ایک دروازہ۔ اس کے اندر میں مہر ہے

وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ

اور باہر کی طرف عذاب ف۲ یہ ان کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ ف۳ کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے

اور باہر کی طرف عذاب۔ یہ ان کو پکارتے ہیں، کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ، وہ بولے کیوں نہ تھے ؟ لیکن تم نے

فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ

بچلا دیا اپنے آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آپہنچا حکم اللہ کا

بچلا دیا آپ کو اور راہ دیکھتے رہے، اور دھوکے میں پڑے اور بہکے خیالوں پر، جب تک آپہنچا حکم اللہ کا،

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اس دغا باز نے ف۴ سو آج تم سے قبول نہ ہوگا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے

اور تم کو بہکایا اللہ کے نام سے اس دغا باز نے۔ سو آج تم سے نہیں قبول چھڑوائی دینی، اور نہ منکروں سے۔

ف۱ کیونکہ جنت اللہ کی خوشنودی کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں مل گئیں۔

ف۲ یعنی مومنین اور منافقین کے بیچ میں دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔ اس دروازے سے مومن جنت کی طرف جا کر منافقوں کی نظر سے اوجھل ہو جائیں گے۔ دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الٰہی کا منظر دکھائی دے گا

ف۳ قصہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے کافر پل صراط پر نہیں چلیں گے پہلے ہی دوزخ میں اس کے دروازوں سے دھکیل دیے جائیں گے ہاں جو کسی نبی کی امت میں ہیں سچے یا کچے انہیں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک سخت اندھیری لوگوں کو گھیر لے گی۔ اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی۔ منافق بھی ان کی روشنی میں پیچھے پیچھے چلنا چاہیں گے لیکن مومن جلد آگے بڑھ جائیں گے اس لیے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہرو، ہم کو اندھیرے میں پیچھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تھوڑا انتظار کرو کہ ہم بھی تم سے مل جائیں اور تمہاری روشنی سے استفادہ کریں۔ آخر ہم دنیا میں تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی بظاہر مسلمانوں میں ہوتا تھا اب اس مصیبت کے وقت ہم کو اندھیرے میں پڑا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا رفاقت کا حق یہی ہے۔ جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو وہاں سے لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے اتنے میں دیوار دونوں فریق کے درمیان حائل ہو جائے =

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑮

تم سب کا گھر دوزخ ہے وہی ہے رفیق تمہاری، اور بری جگہ جا پہنچے ف ۱

تم سب کا گھر دوزخ ہے۔ وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے۔

احوال آخرت ومیدان حشر مع ذکر انعام واکرام، مومنین وذلت ونا کامی منکرین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ... الی ... وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و پاکی بیان کی گئی اور یہ کہ ساری کائنات اس کی ربوبیت والوہیت کا اقرار کرتی ہے اور وہی اول وآخر ہے اور وہی ظاہر وباطن اور ہر چیز کا عالم اور ہر شئے پر قادر ہے تو اس کے بعد یہ بیان فرمایا جارہا ہے اس ذات رب العزت پر ایمان لانے والوں کا آخرت میں کیسا اعزاز ہوگا اور کیسے عظیم انعامات سے نوازے جائیں گے اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان سے محروم رہے ان کی بدنصیبی اور بدحالی کا کیسا عالم ہوگا ارشاد فرمایا:

وہ دن بھی بڑا عظیم الشان دن ہوگا جب کہ آپ ﷺ دیکھیں گے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو کہ دوڑتا ہوگا ان کا نور انکے آگے اور ان کے داہنی طرف ● جب کہ وہ میدان حشر میں ہوں گے اور پل صراط سے گزرتے ہوں گے اس وقت ان کو بشارت دی جارہی ہوگی یہ اعلان کرتے ہوئے کہ اے ایمان والو! بشارت ہو تم کو آج کے دن کہ تم پر انعامات خداوندی کی کوئی حد نہیں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ نہیں کہ دنیوی نعمتوں اور راحتوں کی طرح دوام وخلود نہ ہو بلکہ نہ اہل جنت فنا ہوں گے اور نہ ہی انکی نعمتیں ختم ہوں گی یہی ہے بڑی کامیابی یہ انعام واکرام تو اہل ایمان کا ہوگا لیکن اس کے بالمقابل یہ وہ دن ہوگا کہ اس وقت منافق مرد اور منافق عورتیں کہتے ہوں گے اہل ایمان سے جب کہ اہل ایمان ان سے آگے نکلے جارہے ہیں ہوں گے انتظار کرو ذرا ہمارا تاکہ ہم کچھ روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے کیونکہ اہل ایمان پر خود انکے ایمان کا نور ہوگا اور ایمان وعمل صالح کا نور ان سے آگے بھی ہوگا اور دائیں طرف بھی کہا جائیگا تم لوٹ جاؤ اپنے پیچھے کی طرف پھر تلاش کرو روشنی اسی حالت میں پھر قائم کردی جائے گی انکے درمیان

=گی۔ یعنی روشنی دنیا میں کمائی جاتی ہے وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے، یا پیچھے سے وہ جگہ مراد ہو جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔

ف ۱۴ یعنی بیشک دنیا میں بظاہر تم ہمارے ساتھ تھے اور زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے۔ لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ لذات وشہوات میں پڑ کر تم نے نفاق کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نفس کو دھوکا دے کر ہلاکت میں ڈالا۔ پھر توبہ نہ کی بلکہ راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی ہے اور دین کے متعلق شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ یہی دھوکا رہا کہ آگے ان منافقانہ چالوں کا کچھ خمیازہ بھگتنا نہیں۔ بلکہ یہ خیالات اور امیدیں پکالیں کہ چند روز میں اسلام اور مسلمانوں کا یہ سب قصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آخر ہم ہی غالب ہوں گے۔ رہا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔ ان ہی خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور موت نے آ دبایا اور اس بڑے دغاباز (شیطان) نے تم کو بہکا کر ایسا کھو دیا کہ اب سبیل رستگاری کی نہیں رہی۔

ف ۱ یعنی بالفرض اگر آج تم (منافق) اور جو کھلے بندوں کافر تھے کچھ معاوضہ وغیرہ دے کر سزا سے بچنا چاہو تو اس کے منظور کیے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ بس تم سب کو اب اسی گھر میں رہنا ہے۔ یہی دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہی رفیق ہے۔ کسی دوسرے سے رفاقت کی توقع مت رکھو۔

● اگرچہ بعض ضعیف روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نور اہل ایمان کے بائیں جانب بھی ہوگا لیکن قرآن کریم کے الفاظ نے صرف داہنی طرف کے نور کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ جس کی وجہ سے بظاہر یہ ہوگی کہ نامہ اعمال بھی انکا انکے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔

ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف اس کے آگے عذاب ہوگا کہ اس دروازہ کے اندر مومنین کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جس کے اندر رحمت ہی رحمت ہوگی اور اس طرح اس میں داخل ہو کر منافقین کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اس دروازہ کے اندر جنت کا سمان ہوگا اور ادھر دروازہ سے باہر جہاں منافقین ہوں گے وہاں عذاب الٰہی کا منظر ہوگا جو منافقین کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوگا۔

منافقین، یہ سوچ کر کہ ہم دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہا کرتے تھے انکو پکاریں گے کیا ہم نہیں تھے تمہارے ساتھ اہل ایمان جواب دیں گے بے شک ظاہر میں تو تم ہمارے ساتھ لگے ہوئے تھے لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنوں میں ڈال دیا تھا اور تم راہ دیکھتے تھے اور انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کب مسلمانوں کو نقصان وذلت اور ناکامی ہوتی ہے اور تم دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے اور تم کو دھوکہ میں ڈال رکھا تھا تمہاری امیدوں اور آرزوؤں نے یہاں تک کہ خدا کا حکم آ پہنچا اور تمہاری وہ امیدیں کہ جو تم نے باندھ رکھی تھیں کہ دین اسلام (العیاذ باللہ) ختم ہو جائے گا اور مسلمانوں کو ذلت وناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا سب ختم ہوگئیں اور اس کے برعکس تم ہی کو ذلیل وناکام ہونا پڑا یہاں تک کہ تم اسی کفر ونفاق پر مرے اور اب قیامت کا عذاب اور جہنم کا مزہ چکھو اور تم کو دھوکہ میں ڈالا اللہ کے بارے میں ایک دغاباز نے اور اس دغاباز شیطان نے تم کو ایسا بہکایا اور ایسا بھٹکایا کہ اب کوئی راستہ ہی راستگاری کا باقی نہ رہا سو آج کا دن ایسا ہے تم سے اے منافقو! کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ تم فدیہ دیکر ہی چھٹکارا حاصل کر و اور نہ کافروں سے کوئی فدیہ قبول ہوگا اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے یہی دوزخ تمہاری رفیق ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے نہ کسی اور کی رفاقت کی توقع رکھو اور نہ ہی یہ تصور کرو کہ تم کسی اور جگہ لوٹ کر جاسکو گے بس جہنم ہی ملجاوماوی ہے اور اس کا عذاب رفیق وساتھی ہے جس سے کبھی بھی مفارقت نہ ہوگی۔

میدان حشر میں منافقین کی مومنین سے التجاء

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ﴾ میں منافق مردوں اور منافق عورتوں کی اہل ایمان سے ایک درخواست والتجاء کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ وہ اس تاریکی میں جو ان پر مسلط ہوگی اور میدان حشر میں بدحواسی کا عالم ہوگا تو کس طرح وہ اہل ایمان سے التجاء کریں گے۔

حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایسی ظلمت واقع فرمائے گا (ابتداء) کہ کوئی چیز بھی نظر نہ آتی ہوگی حتیٰ کہ کسی مومن کو اور نہ کسی کافر کو اپنی ہتھیلی بھی نظر نہ آتی ہوگی یہاں تک کہ اللہ رب العزت مومنین کی طرف ایک نور بھیجے گا (جو انکے اعمال کے مناسب ہوگا اور ایمان اور تقویٰ کے درجہ کے مطابق) کسی کا پہاڑ کے برابر ہوگا اور کسی کا کھجور کے بقدر تو اس روشنی کو دیکھ کر منافقین اہل ایمان کے پیچھے دوڑیں گے لیکن جب دیکھیں گے کہ ان تک رسائی نہیں ہو رہی ہے تو کہیں گے ﴿انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾۔

عبداللہ بن عباس ؓ بیان فرماتے ہیں کہ روز محشر جب تمام مخلوق ظلمت وتاریکی میں گھری ہوگی تو اللہ تعالیٰ ایک نور بھیجے گا جو اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے جنت کی راہنمائی کر رہا ہوگا منافقین کو جب اس طرح کا نور محسوس ہوگا تو وہ مومنین کے

پیچھے چلنے لگیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان پر تاریکی مسلط فرمادے گا اس وقت منافقین اہل ایمان سے التجاء کریں گے اور یہ بات یاد دلائیں گے کہ ہم تو دنیا میں تمہارے ساتھ لگے رہا کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے فرمایا کہ یہی وہ نور ہوگا جس تکمیل اور زیادتی کی اہل ایمان اللہ سے دعا کرنے لگیں گے ﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ اور یہ وقت ایسا ہوگا کوئی کسی کو یاد کرتا نہ ہوگا بلکہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ہوگا اہل ایمان شوق جنت میں ہر ماسوا سے بے تعلق ہوں گے اور کافر وں منافق آثار عذاب کے مشاہدے سے بدحواس ہوں گے اور اس وقت مومنین کے نور سے منافقوں کو کچھ نظر نہ آسکے گا جیسے کہ نابینا انسان کو بینا کی آنکھ کی روشنی سے کچھ نظر نہیں آسکتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن ابی حاتم رحمہ اللہ بیان کیا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ باب دمشق پر ایک جنازہ کی تجہیز وتدفین میں شریک تھے جب نماز ہو چکی اور لوگ جنازہ دفن کرنے لگے تو فرمایا اے لوگو! ابھی تم صبح وشام کر رہے ہو ایسی جگہ جہاں تم نیکی اور بدی کی تقسیم کر سکتے ہو اور کر رہے ہو لیکن عنقریب ایک وقت ایسا آنے والا ہے تم یہاں سے ایک دوسری منزل کی طرف کوچ کر دو گے اور وہ یہ قبر کی منزل ہے اور ہاتھ سے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ تنہائی کا گھر ہے یہ تاریکی کی جگہ ہے یہ کیڑوں کا مقام ہے جو انسان کے جسم کو کھائیں گے یہ تنگی کی جگہ ہے بجز اس کے کہ اس پر اللہ کشادہ کر دے پھر تم اس قبر سے میدان حشر کی منزلوں کی طرف منتقل ہو گے یہاں کے مراحل میں ایک مرحلہ پر تو یہ ہوگا تمام انسانوں کو خدا کا ایک امر ڈھانکے گا جس سے کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے پھر اس مرحلہ سے تم ایک دوسرے مرحلہ کی طرف منتقل ہو گے جہاں تاریکی ہی تاریکی ہوگی جو سب پر مسلط ہوگی اس وقت ایک نور ظاہر ہوگا جو مومن کو عطا کیا جائے گا لیکن کافر و منافق اس سے محروم رہیں گے ان کو اس نور سے ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیا جائے گا یہی وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ تو اس وقت کافر و منافق مومن کے نور سے کسی طرح بھی فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا جیسے کہ کوئی نابینا شخص بینا انسان کی آنکھ اور اس کی روشنی سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ [1]

روایات تفسیر سے یہ چیز ظاہر ہو رہی ہے کہ جو کھلے کافر ہیں انکو ابتداء ہی سے نور سے محروم رکھا جائے گا اور انکے لیے پل صراط پر چلنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی شروع ہی سے انکے واسطے جہنم کے دروازے کھلے ہوں گے جن میں انکو دھکے دیکر کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا البتہ جو کسی نبی کی امت میں ہیں خواہ وہ سچے ہیں یا کچے انہیں پل صراط پر سے گزرنے کا حکم ہوگا اور اس پر چڑھنے کے وقت سخت اندھیرا ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی کوشش کریں گے اسی روشنی میں اہل ایمان کے پیچھے پیچھے چلیں گے مگر اہل ایمان جلد ہی آگے بڑھ جائیں گے اس وقت منافق ان کو پکاریں گے ﴿اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ کہ ذرا ہمارا انتظار کرو تا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر چلیں، آخر دنیا میں بھی تو ہم تمہارے

[1] تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ج ۴، روح المعانی ج ۲۷۔

ساتھ تھے اس پر مومنین کہیں گے ﴿ارْجِعُوْا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ کہ پیچھے لوٹو اور وہاں روشنی تلاش کرو جیسے ہی لوٹیں گے فوراً ہی ایک دیوار حائل کردیجائے گی اور اس کے اس طرف رحمت ہوگی جس طرف مومنین ہوں گے اور دوسری طرف عذاب ہوگا جس میں منافقین کو جھونک دیا جائے گا الغرض نفاق کا جب اصل سبب ظلمت وتاریکی کا ہوا تو ان اعمال اور خصلتوں کو قیامت کے روز نور کا ذریعہ فرمایا گیا جو ایمان واخلاص کی دلیل ہوتے ہیں مثلاً رات کی تاریکیوں میں نمازوں اور جماعت کے لیے باہر نکلنا جیسا کہ ارشاد ہے بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامة (ابوداؤد وترمذی) یعنی بشارت سنادو ان لوگوں کو جو کثرت سے رات کی تاریکیوں میں جماعت کی پابندی اور مسجد کی حاضری ایمان واخلاص والوں ہی کا کام ہے تو اس پر نور کی بشارت بیان فرمائی جارہی ہے اسی طرح جماعتوں کی پابندی بھی ایمان کی علامت ہے تو اس پر بھی بشارت ہے قیامت کے روز نور کی اور نجات وکامیابی کی۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا

کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ گڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو اترا ہے سچا دین ف۱ اور نہ ہوں

کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو ؟ کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے، اور جو اترا سچا دین، اور نہ ہوں

كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ

ان جیسے جن کو کتاب ملی تھی اس سے پہلے پھر دراز گزری ان پر مدت پھر سخت ہوگئے ان کے دل اور بہت

جیسے جن کو کتاب ملی اس سے پہلے، پھر لمبی گزری ان پر مدت، پھر سخت ہوگئے ان کے دل۔ اور بہت

مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ

ان میں نافرمان ہیں ف۲ جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر سنا دیئے تم کو پتے

ان میں بے حکم ہیں۔ جان رکھو ! کہ اللہ جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے۔ ہم نے کھول سنائے تم کو پتے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ

اگر تم کو سمجھ ہے ف۳ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں، مرد اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح ان کو ملتا ہے

اگر تم کو بوجھ ہے۔ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں، اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح قرض، ان کو ملتی ہے

ف۱ یعنی وقت آگیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں۔ اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگیں۔

ف۲ یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو۔ نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد قبول کرے۔ شروع میں اہل کتاب یہ باتیں پیغمبروں کی صحبت میں پاتے تھے۔ مدت کے بعد غفلت چھاتی گئی۔ دل سخت ہوگئے وہ بات نہ رہی، اکثروں نے سخت سرکشی اور نافرمانیاں شروع کردیں۔ اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچی تھی۔

ف۳ یعنی عرب لوگ جاہل اور گمراہ تھے جیسے مردہ زمین۔ اب اللہ نے ان کو ایمان اور علم کی روح سے زندہ کیا۔ اور ان میں سب کمال پیدا کردیے۔ غرض کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ سچی توبہ کرلے تو اللہ پھر اس کے قالب میں روح حیات پھونک دے گا۔

لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ

دونا اور ان کو ثواب ہے عزت کا ف۱ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے

دونی، اور ان کو نیگ ہے عزت کا۔ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور سب اس کے رسولوں پر، وہی ہیں سچے ایمان والے۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

اور لوگوں کا احوال بتلانے والے اپنے رب کے پاس ان کے واسطے ہے ان کا ثواب اور ان کی روشنی ف۲ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو

اور احوال بتانے والے اپنے رب کے پاس۔ ان کو ہے ان کا نیگ اور ان کی روشنی۔ اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑲ ع ۱۸

وہ ہیں دوزخ کے لوگ ف۳

وہ ہیں دوزخ کے لوگ۔

شکوۂ خداوندی از غفلت اہل اسلام وانہماک در نعماء دنیا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ ... الی ... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں میدان حشر کے کچھ مناظر بیان کئے گئے اور یہ کہ منافق اس وقت کیسی بے چینی اور کرب میں مبتلا ہوں گے اور اس وقت ایسی بے سروسامانی کا عالم ہوگا کہ اہل ایمان سے کچھ روشنی لینا چاہیں گے تو وہ بھی نہ مل سکے گی) اور ہولناک تاریکیوں میں بدحواس ہی رہیں گے اب ان آیات میں مسلمانوں کو ایسی غفلت ولا پرواہی سے باز رہنے کی ہدایت و تاکید فرمائی جارہی ہے اور یہ بھی واضح کیا جارہا ہے کہ دنیا کی مادی نعمتیں غفلت کا باعث بنتی ہیں اور اہل کتاب اسی طرح عیش و عشرت میں پڑ کر خدا سے غافل ہو گئے تھے اور جب ان پر اسی حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی تو ایمان وتقویٰ اور تعلق مع اللہ کی تمام صلاحیتوں کو انہوں نے گنوادیا اور انجام یہ کہ خدا کی اطاعت سے خارج ہو گئے تو عبرت کیلئے اہل کتاب کی ایک تاریخی مثال پیش کرتے ہوئے اس امر پر متنبہ کردیا گیا کہ غفلت اور نفاق ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور نفاق کا انجام روز محشر میں کیا ہوگا وہ بیان کردیا گیا ارشاد فرمایا:

ف۱ یعنی جو اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کریں اور غیر اللہ سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہ ہوں گویا وہ اللہ کو قرض دیتے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں کہ ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ کئی گنا کرکے لوٹایا جائے گا۔

ف۲ مترجم محقق رحمہ اللہ نے بظاہر "اَلشُّهَدَآءُ" کا عطف "اَلصِّدِّيْقُوْنَ" پر مانا ہے یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر پوری طرح یقین لائے (اور اس یقین کا اثر ان کے اعمال و احوال میں ظاہر ہونا چاہیے) تو سچے اور پکے ایماندار یہ ہی ہیں۔ اور اللہ کے ہاں یہ ہی حضرات بطور گواہ کے دوسرے لوگوں کا حال بتلائیں گے۔ کما قال ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ آخرت میں ان سچے ایمان داروں کو اپنے اپنے عمل اور درجہ ایمان کے موافق ثواب اور روشنی عطا ہوگی (آیت کی تفسیر اور بھی کئی طرح کی گئی ہے مگر رعایت اختصار ان کے نقل کی اجازت نہیں دیتی۔)

ف۳ یعنی دوزخ اصل میں ان ہی کے لیے بنی ہے۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے ایمان والوں کے لئے اس بات کا کہ ان کے دل گڑگڑائیں اللہ کی یاد سے اور اس کے لیے جو دین حق اترا ہے یعنی قرآن اور احکام دین کہ اس کی اطاعت کے لئے ان کے دل نرما جائیں اور خشیت وتقویٰ کے آثار ان میں پیدا ہوں اور نہ ہو جائیں ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر ایک مدت دراز گزری کہ وہ دنیوی لذتوں اور عیش وعشرت میں پڑ کر خدا سے غافل ہو گئے پھر ان کے دل سخت ہو گئے اس وجہ سے ان کو اس کا احساس بھی نہ رہا کہ یہ غفلت ونافرمانی ان کو کس منزل پر پہنچائے گی چنانچہ وباغی ونافرمان ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں تو مسلمانوں کو یہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اہل کتاب کی سی روش اور عادت اختیار کریں اے مسلمانو! جان لو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے بعد جیسے کہ مشاہدہ ہے کہ بنجر زمین پر رحمت کی بارشیں برستی ہیں اور پھر وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی ہیں تو اسی طرح سے اے اہل عرب تم دور جاہلیت میں ایسے ہی ہو چکے تھے جیسے کہ بے آب وگیاہ بجز زمین مگر اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا، قرآن کریم نازل فرمایا اور روح وقلب کو شاداب کرنے والی اس بارش نے تمہارے قلوب کی دنیا زندہ تروتازہ اور شاداب بنادی اب ایسا نہ ہونا چاہیے کہ اس سرسبز وشاداب باغ کو اپنی غفلت اور قلبی قساوت سے پھر ویران وبنجر بنادو۔

بے شک ہم نے تمہارے واسطے بہت سی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں امید ہے کہ تم سمجھ جاؤ اگر کوئی شخص اس قسم کی غفلت کا مرتکب ہو چکا ہے تو اس کے واسطے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ تائب ہو جائے تو پھر اللہ کی رحمت اس کے ایمان وتقویٰ کے باغ کو شاداب بنا سکتی ہے ایمان اور اخلاص اگر چہ قلب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی صفت کا نام ہے لیکن ہر صفت کی ظاہری علامت اور نشانیاں ہوتی ہیں ان علامات میں سے ایثار وصدقہ بہترین علامت اور اخلاص کا ثبوت ہے اس بناء پر بات سمجھ لینی چاہئے کہ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جو اللہ کو قرض حسن دیں دوگنا کیا جائے گا ان کے واسطے انکا دیا ہوا صدقہ، دنیا میں کم از کم دوگنا ورنہ زائد سات سوگنا تک ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے واسطے بہت ہی عزت کا ثواب ہوگا آخرت میں ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اپنا مال ایسے اخلاص اور صدق نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ اس کے مستحق ہیں کہ دنیا میں بھی انکو بدلہ ملے اور آخرت میں بھی اجر عظیم اور ثواب کریم کے مستحق ہوں گے اور جو لوگ پورے اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر بے شک یہ لوگ سچے ایمان والے ہیں اور گواہ ہیں اپنے رب کے یہاں جب کہ قیامت کے روز ساری امتیں پیش ہوں گی اور ان کے انبیاء علیہم السلام سے کہا جائے گا کہ تمہارے واسطے کون اس بات کا گواہ ہے کہ تم نے اپنے رب کا پیغام اور اس کے احکام اپنی اپنی قوموں کو پہنچا دیئے تھے تو امت محمد یہ لائی جائے گی اور یہ گواہ ہوں گے کہ بے شک اے اللہ ان پیغمبروں نے تیرے پیغام اور احکام پہنچا دیئے، کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ [1] ان سچے ایمان والوں کے لیے ان کا ثواب ہوگا ایمان وتقویٰ اور اخلاص کا اور روشنی ہوگی جو میدان حشر میں

[1] بعض حضرات نے یہاں شہید کا ترجمہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہی کیا ہے اور اس کا قرینہ یہ سمجھا کہ آیت کریمہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ میں صدیق کے بعد شہید کا ذکر کیا گیا ہے اور صدیقیت کے مقام کے بعد مقام =

انکے آگے اور ان کے دائیں ہوگی اور وہ اعزاز واکرام اور سکون واطمینان کے ساتھ اس روشنی میں اپنی جنت کی طرف جاتے ہوں گے اور اس کے بالمقابل وہ بدنصیب جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جہنم والے ہیں اور اصل جہنم تو ان ہی کے واسطے تیار کی گئی ہے ان کے علاوہ اگر اہل توحید کے کچھ مجرمین سزا کے لیے عذاب جہنم میں جائیں گے بھی تو سزا کے بعد یا شفاعت یا رحمت خداوندی سے آزاد کردیے جائیں گے مگر یہ کافر تو ہمیشہ ہی ہمیشہ اس میں رہیں گے اس لئے اصل اصحاب الجحیم کفار ومشرکین ہی ہیں۔

دنیوی نعمتوں اور راحتوں کی فراخی طبعاً انسان کو غافل بناتی ہے

انسانی طبیعت کا خاصہ ہے اور بہت ہی کم سعادت منداس سے مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں کہ دنیوی انعامات اور راحتوں کی کثرت سے اس میں غفلت ولا پرواہی کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں اسی وجہ سے ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ﴾۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں قدرت خداوندی کی طرف سے دو آزمائشوں میں آزمایا گیا، ابتلینا بالضراء فصبرنا ثم ابتلینا بالسراء فلم نصبر۔ ایک امتحان مصائب اور مشقتوں کا ہوا جس پر ہم نے صبر کیا اور کامیاب ہوئے پھر راحتوں اور نعمتوں کے ساتھ امتحان ہوا تو اس میں ہم صبر نہ کرسکے اور اس امتحان میں ہم کامیاب نہ ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ما کان بین اسلامنا وبین ان عاتبنا اللہ تعالیٰ بھذہ الایہ ﴿اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ﴾ الا اربع سنین (صحیح مسلم) کہ ہماری اسلام لانے اور اس آیت کے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عتاب فرمایا یعنی ﴿اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا﴾ کے نازل ہونے میں چار سال سے زائد مدت نہیں گزری یعنی فتح مکہ کے چار ہی سال بعد یہ صورت حال ہوئی کہ اس طرح کی آیت کے نازل ہونے سے ہماری غفلت ولا پرواہی پر عتاب فرمایا گیا۔

اہل کتاب کی قساوت کی تفصیل پہلے گزر چکی سورۃ بقرہ سے لے کر آخر قرآن کریم تک متعدد حصوں میں ان پر

=شہادت ہے تو اس لحاظ سے ﴿وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ کا مفہوم خدا کیلئے اپنی جان قربان کرنا اور اپنے رب کے یہاں شہید ہونا بیان کیا ہے۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيۡقُوۡنَ﴾ یہ مابعد سے مفصول اور جدا ہے اور آگے لفظ ﴿وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ کلام مستقل اور مستانف ہے یعنی اہل ایمان کے لیے تو وصف صدیقون ذکر فرمادیا اب اس کے بعد ﴿وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ جملہ مستقلہ میں شہداء کا عند اللہ ہونا بیان فرمایا۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے فرمایا یہ تین قسمیں ہیں جن کا حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

مصدقین۔ صدیقین، اور شہداء اور یہ وہی تین گروہ ہیں جن کو آیت مبارکہ ﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ﴾ میں ذکر کیا گیا۔

حضرات مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صدیقین وشہداء ایک ہی گروہ ہے اور شہداء، صدیقین ہی کا وصف ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ گواہ ہوں گے اپنے رب کے یہاں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مرفوعا یہی تفسیر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوا امتی شہداء اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اسی روایت کے پیش نظر ترجمہ میں الفاظ کا اضافہ اور وضاحت کی گئی ۱۲ واللہ اعلم بالصواب)

انعامات خداوندی اور انکی غفلت کا ذکر کیا گیا اور یہ کہ انکی قساوت قلبی نے نوبت یہاں تک پہنچائی کہ خدا کے اصل احکام کی صریح نافرمانی کرنے لگے اور اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا اصل پیشوا بنالیا حتیٰ کہ جو حکم خداوندی بھی انکی خواہش کے خلاف ہو اس میں تحریف شروع کی اور ایسے حیلے اختیار کئے کہ گویا خدا کو یہ بتادیں کہ ہم تیرے احکام کی اطاعت کرر ہے ہیں اور درحقیقت کرر ہے ہوں نافرمانی جیسے کہ سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار کے معاملہ میں کیا جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی۔

اور بنی اسرائیل کے قلوب کی قساوت کی نوعیت سورۃ بقرہ میں ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ میں ذکر فرمادی گئی، قساوت کے آثار میں سے سب سے پہلا اثر اور نتیجہ احکام خداوندی سے بغاوت اور نافرمانی ہے جس کو ارشاد فرمایا گیا ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ

جان رکھو کہ دنیا کہ زندگانی یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتات ڈھونڈنی مال کی

جان رکھو ! کہ دنیا کا یہی ہے کھیل اور تماشا، اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں، اور بہتات ڈھونڈنی مال کی

وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ

اور اولاد کی جیسے حالت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اس کا سبزہ پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہوگیا پھر ہوجاتا ہے

اور اولاد کی۔ جیسے کہاوت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو، ان کا سبزہ اگتا پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہوگیا پھر ہوجاتا ہے

حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ

روندا ہوا گھاس اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی

روندن۔ اور پچھلے گھر میں سخت مار ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی۔ اور دنیا کا

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ

زندگانی تو یہی ہے مال دغا کا ف۱ دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو ف۲ جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ

جینا تو یہی ہے جنس دغا کی۔ دوڑو اپنے رب کی معافی کو اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ

ف۱ آدمی کو اول عمر میں کھیل چاہیے، پھر تماشا، پھر بناؤ سنگھار (اور فیشن) پھر ساکھ بڑھانا، اور نام و نمود حاصل کرنا، پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال و اولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھربار بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے۔ مگر یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی اور زائل ہیں۔ جیسے کھیتی کی رونق و بہار چند روزہ ہوتی ہے اور پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اس کو روند کر چورا کردیتے ہیں۔ اس شادابی اور خوبصورتی کا نام و نشان نہیں رہتا۔ یہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کرلیتا ہے۔ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں۔ وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا۔ یعنی ایمان اور عمل صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ چیز کما لے گا سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اس کے لیے مالک کی خوشنودی و رضامندی اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر و عصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لیے سخت عذاب اور جس نے ایمان کے باوجود =

السَّمَاۤءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

آسمان اور زمین کا ف۱ تیار رکھی ہے واسطے ان کے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، یہ فضل اللہ کا ہے دے اس کو جس کو

آسمان اور زمین کا، رکھی ہے واسطے ان کے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے، دے جس کو

يَّشَاۤءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ

چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ف۲ کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری

چاہے، اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ کوئی آفت نہیں پڑی ملک میں، اور نہ آپ

اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ۚۖ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا

جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں ف۳ بے شک یہ اللہ پر آسان ہے ف۴ تاکہ تم غم نہ کھایا کرو

تم میں جو نہیں لکھی ایک کتاب میں، پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔ تا تم غم نہ کھایا کرو

عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ

اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا ف۵ اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا وہ جو

اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ ریجھا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا۔ اور اللہ نہیں چاہتا ہے کسی اتراتے بڑائی مارتے کو۔ وہ جو

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

کہ آپ نہ دیں اور سکھلائیں لوگوں کو بھی نہ دینا ف۶ اور جو کوئی منہ موڑے اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں کے ساتھ موصوف ہے ف۷

آپ نہ دیں، اور سکھائیں لوگوں کو نہ دینا۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں سراہا۔

=اعمال میں کوتاہی کی اس کے لیے جلد یا بدیر دھکے کھا کر معافی ہے۔ دنیا کا خلاصہ وہ تھا، آخرت کا یہ ہوا۔

ف۲ یعنی موت سے پہلے وہ سامان کرلو جس سے کوتاہیاں معاف ہوں اور بہشت ملے۔ اس کام میں سستی اور دیر کرنا مناسب نہیں۔

ف۱ یعنی آسمان اور زمین دونوں کو اگر ملا کر رکھا جائے تو اس کے برابر جنت کا عرض ہوگا۔ طول کتنا ہوگا؟ یہ اللہ ہی جانے۔

ف۲ یعنی ایمان و عمل بیشک حصول جنت کے اسباب ہیں لیکن حقیقت میں ملتی ہے اللہ کے فضل سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو سزا سے چھوٹنا ہی مشکل ہے۔ جنت ملنے کا تو ذکر کیا۔

ف۳ ملک میں جو عام آفت آئے مثلاً قحط، زلزلہ وغیرہ اور خود تم کو جو مصیبت لاحق ہو مثلاً مرض وغیرہ وہ سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی کے موافق دنیا میں ظہور ہو کر رہے گا۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔

ف۴ یعنی اللہ کو ہر چیز کا علم ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا پھر اپنے علم محیط کے موافق تمام واقعات و حوادث کو قبل از وقوع کتاب (لوح محفوظ) میں درج کر دینا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔

ف۵ یعنی اس حقیقت پر اس لیے مطلع کر دیا کہ تم خوب سمجھ لو کہ جو بھلائی تمہارے لیے مقدر ہے ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے، ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ لہٰذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین و مضطرب ہو کر پریشان نہ ہو اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں بلکہ مصیبت و ناکامی کے وقت صبر و تسلیم اور راحت و کامیابی کے وقت شکر و تحمید سے کام لو۔

(تنبیہ) پہلے ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ میں بتلایا تھا کہ دنیا کے=

تمثیل بے ثباتی دنیا وعظمت خداوند خالق کائنات وتعلیم صبر وقناعت وتاکید فکر آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا... الی... هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں انسان کا دنیوی نعمتوں اور راحتوں میں لگ کر یاد خدا اور فکر آخرت سے غفلت ولا پرواہی برتنے پر تنبیہ فرمائی گئی تھی اور یہ کہ یہ طریقہ اہل کتاب کا تھا اہل ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ اب ان آیات میں دنیا اور دنیا کی لذتوں کی ناپائیداری بیان فرمائی جارہی ہے اور اسکی بے ثباتی کا ایک نقشہ پیش کیا جارہا ہے تا کہ دنیا کی حقیقت سمجھی جاسکے، فرمایا:

جان لو اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی بس ایک کھیل اور تماشا اور بناؤ سنگھار اور تمہارے درمیان آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا برائیاں مارنا اور مال واولاد میں زیادتی کی کوشش کرنا بس ان ہی میں مصروف ومنہمک رہتے ہوئے انسان اپنی زندگی گزار دیتا ہے بچپن میں کھیل تماشا ہے جوانی آئی تو بناؤ سنگھار میں پڑ گیا پھر کچھ عمر پختہ ہوئی تو عزت وجاہ اور نام ونمود اور اپنی ساکھ جمانے کی فکر میں لگ گیا، مال اولاد کے غم میں لگے ہوئے ہے کہ مال خوب جمع کرلوں اولاد کے کام آئے گا عزت بڑھے گی قوم میں مقام بلند ہوگا تو از اول تا آخر یہی منزلیں جن کو انسان طے کرتا چلا جاتا ہے اور اس بات کو سوچتا بھی نہیں کہ دنیا کی زندگی ہے کیا؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے نہ اس کی ناپائیداری کا خیال ہے اور نہ کبھی یہ تصور کہ ان تمام لذتوں نعمتوں اور راحتوں کا انجام کیا ہے دنیوی زندگی کی حالت بالکل ایسی ہی ہے جیسے بارش کہ جب برسی تو بہت ہی اچھا لگا اس کا سبزہ اور شادابی، کھیتی کرنیوالوں کو پھر یہ سبزہ زور پکڑتا ہے لہلہانے لگتا ہے تو اے مخاطب دیکھے گا تو اس کو کہ وہ زرد ہونے لگا ہے جب پکنے کا وقت قریب آتا ہے پھر جب وہ خشک ہوجائے تو ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے کہ آدمی اور جانور اس کو روند روند کر چورا چورا کردیتے ہیں اور شادابی وخوبصورتی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا جو اس کھیتی کے ابھرنے اور اس کے سرسبز وشاداب ہونے پر پہلے نظروں کو لبھا رہی تھی اب جب کہ وہ کھیتی گھانس پھونس کے تنکے اور ریزے ہوچکی تو اس کی طرف کسی قسم کا میلان ہی باقی نہ رہا یہی حال بالکل دنیا کی زندگی کا ہے اور اس کے ساز وسامان کا ہے میرے استاذ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بس یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز وسامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے آدمی اسکی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کرلیتا ہے حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے

= سامان عیش وطرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ آیت ہذا میں متنبہ فرمادیا کہ یہاں کی تکالیف ومصائب میں گھر کر چاہیے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

ف۶ اکثر متکبر مالداروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ بڑائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پیسہ جیب سے نہ نکلے گا کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی یہ ہی سبق پڑھائیں گے۔ موقع پر بڑھ کر خرچ کرنا متوکلوں اور ہمت والوں کا کام ہے۔ جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ سختی اور نرمی سب اسی مالک علی الاطلاق کی طرف سے ہے۔

ف۷ یعنی تمہارے خرچ کرنے یا نہ کرنے سے اس کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا۔ وہ تو بے نیاز اور بے پرواذات ہے۔ تمام خوبیاں علی وجہ الکمال اس کی ذات میں جمع ہیں۔ تمہارے کسی فعل سے اس کی کسی خوبی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ جو کچھ نفع نقصان ہے تمہارا ہے۔ خرچ کروگے خود فائدہ اٹھاؤ گے، نہ کروگے گھاٹے میں رہوگے۔

والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا سمجھو بیڑا پار ہے آخرت میں اس کے لئے مالک کی خوشنودی ورضا مندی ہے اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے سخت عذاب ہے اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لئے جدل یا بدیر دھکے تھے کھا کر معافی ہے دنیا کا خلاصہ وہ تھا اور آخرت میں معاملہ یہ ہوگا کہ عذاب شدید مقدر ہوگا جس سے نجات کا کوئی امکان نہیں بجز اللہ کی رحمت اور مغفرت کے جو ایمان وعمل صالح ہی کی بدولت نصیب ہوسکتی ہے۔

اور مغفرت ومعافی بھی ہے اللہ کی طرف سے اگر کوئی صاحب ایمان شخص اپنی غفلت ولا پرواہی سے کسی گناہ کا ارتکاب کرلے اور نادم وشرمندہ ہوکر خدا کی بارگاہ میں تائب ہو اور اللہ کی طرف سے رضا مندی بھی ہے ایمان وعمل صالح والوں کے لیے نیز ان لوگوں کے واسطے بھی جو گناہ اور خطاء کے بعد تائب ہوجائیں تو خداوند عالم انکی توبہ پر خوش ہوتا ہے اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکہ ہی کا سامان ہے الغرض جب دنیا کی زندگی اور اس کی لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں اور دنیا کا سامان اور متاع زندگی درحقیقت دھوکہ ہی کا سامان ہے تو انسان کو چاہئے کہ موت سے غافل نہ ہو آخرت کی فکر میں لگا رہے اور دنیا کے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس لئے بجائے دنیوی زندگی میں انہماک اور اس کے ساز وسامان کی فکر وتیاری کے اے لوگو! دوڑو اس مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان وزمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے واسطے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی اللہ کا فضل وانعام ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششیں اور دوڑ آخرت اور جنت کی نعمتوں کی طرف پھیر دے اور یہ کمال اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کے واسطے چاہے اسی کو علم محیط ہے وہ جانتا ہے کہ کس میں اس نعمت کی صلاحیت ہے اور کون اس صلاحیت اور سعادت سے محروم رہنے کے قابل ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے جو اپنے انعامات سے بندوں کو نوازتا ہے اور یہ نوازا جانا اور جنت کے انعامات اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل وانعام ہے اور حقیقت کو بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ جو بھلائی اللہ نے کسی کے واسطے مقدر فرمادی وہ اس کو ضرور حاصل ہوکر رہے گی اور جو چیز کسی کے مقدر میں نہیں ہو کبھی بھی ہاتھ نہیں آسکتی لہٰذا اگر کوئی خیر یا نفع کی چیز حاصل نہ ہوسکے تو اس پر غمگین ومضطرب ہونے کی ضرورت نہیں اور نعمتوں کے حصول پر غرور وتکبر نہ کرنا چاہئے اور مصائب وآفات سے مضطرب وبے چین ہونا بھی غلط ہے بلکہ یہ اعتقاد قلب کی گہرائیوں میں راسخ کرلینا چاہئے کہ کوئی بھی مصیبت ایسی نہیں ہے کہ جو زمین میں واقع ہو اور نہ کوئی ایسی مصیبت کہ جو تمہاری جانوں میں ہو مگر یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک لکھی ہوئی کتاب میں ہوتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں اور ظاہر کریں اس وجہ سے دنیا میں ہر آفت وتکلیف اور راحت ونعمت خدا کے لکھے ہوئے فیصلے ہی کے مطابق واقع ہوتی ہے بے شک یہ چیز اللہ پر بہت ہی آسان ہے اے لوگو! یہ سب کچھ تم کو بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے اس وجہ سے کہ تم غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تم سے فوت ہوجائیں اور نہ شیخی جتایا کرو ان چیزوں پر جو اللہ نے تم کو عطا کیں بلکہ اللہ کے انعامات پر شکر کیا کرو اور آفات ومصائب کے آنے پر صبر کیا کرو اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہے ہر اس شخص کو جو شیخی جتانے والا بڑائی مارنے والا ہو ایسے لوگ کہ جو بخل کرتے ہیں خود بھی اور دوسروں کو بھی آمادہ کرتے ہیں کہ وہ بھی بخل کریں یقیناً ایسا رویہ اللہ سے اور اس کے احکام سے روگردانی کرنا ہے جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی

اطاعت سے منہ موڑے گا تو اس کو اپنے انجام سے آگاہ ہونا چاہئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تو ہر چیز سے بے نیاز ہر خوبی کے ساتھ موصوف ہے اس کو کسی کی نافرمانی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی اس کو کسی کی فرماں برداری کی کوئی حاجت ہے اس لیے کسی بھی انسان کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں مال و دولت پر مغرور و متکبر نہ ہونا چاہئے اور نہ شیخی اور بڑائی جتلانی چاہئے اور جو کچھ اللہ نے مال عطا کیا ہے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے نہ یہ کہ بخل کرے بلکہ اور ظلم یہ کہ دوسروں کو بھی بخل پر آمادہ کرے تو اس سے بڑھ کر انسان کے واسطے کوئی برائی نہیں ہو سکتی ساتھ ہی اس کو یہ بھی عقیدہ قلب کی گہرائیوں میں راسخ کر لینا چاہئے کہ ہر راحت اللہ کا انعام ہے اس وجہ سے اس پر شکر گزار ہو اور ہر تکلیف ومصیبت خدا ہی کے فیصلہ سے ہے اس لیے اس پر صبر و استقامت چاہئے اور خدا ہی سے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے رجوع کرنا چاہئیے کہ اس کی بارگاہ میں تضرع وزاری اور دعا و التجاء میں مشغول ہو نہ یہ کہ بے صبری اور بے قراری اختیار کر لے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کہ لوگ سیدھے رہیں

بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

انصاف پر ف۱ اور ہم نے اتارا لوہا ف۲ اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں ف۳ اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون

انصاف پر، اور ہم نے اتارا لوہا، اس میں سخت لڑائی ہے، اور لوگوں کے کام چلتے ہیں، اور تا معلوم کرے اللہ کون

یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ ع

مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے ف۴ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔ ف۵ اور ہم نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو

مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے ! بے شک اللہ زور آور ہے زبردست۔ اور ہم نے بھیجے نوح اور ابراہیم،

ف۱ کتاب اور ترازو۔ شاید اسی تولنے کی ترازو کو کہا کہ اس کے ذریعہ سے بھی حقوق ادا کرنے اور لین دین میں انصاف ہوتا ہے۔ یعنی کتاب اللہ اس لیے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ افراط و تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لیے پیدا کی کہ بیع و شراء وغیرہ معاملات میں انصاف کا پلہ کسی طرف اٹھا، یا جھکا نہ رہے۔ اور ممکن ہے "ترازو" شریعت کو فرمایا ہو۔ جو تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ کے حسن و قبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی اپنی قدرت سے پیدا کیا اور زمین میں اس کی کانیں رکھ دیں۔

ف۳ یعنی لوہے سے لڑائی کے سامان (اسلحہ وغیرہ) تیار ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے بہت سے کام چلتے ہیں۔

ف۴ یعنی جو آسمانی کتاب سے راہ راست پر نہ آئیں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں، ضرورت پڑے گی کہ ان کی گوشمالی کی جائے اور ظالم و کج رو معاندین پر اللہ و رسول کے احکام کا وقار و اقتدار قائم رکھا جائے۔ اس وقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور ایک خالص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت کھل جائے گا کہ کون سے وفادار بندے ہیں جو بن دیکھے خدا کی محبت میں آخرت کے غائبانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔

ف۵ یعنی جہاد کی تعلیم و ترغیب اس لیے نہیں دی گئی کہ اللہ کچھ تمہاری امداد و اعانت کا محتاج ہے۔ بھلا اس زور آور اور زبردست ہستی کو کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی تھی۔ ہاں تمہاری وفاداری کا امتحان مقصود ہے تاکہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں ان کو اعلیٰ مقامات پر پہنچایا جائے۔

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑳ ثُمَّ

اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب ف۱ پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت ان میں نافرمان ہیں ف۲ پھر

اور رکھی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب، پھر کوئی ان میں راہ پر ہے، اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ پھر

قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا

پیچھے بھیجے ان کے قدموں پر اپنے رسول ف۳ اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو اور اس کو ہم نے دی انجیل ف۴ اور رکھ دی

پیچھے بھیجے ان کی پچھاڑی پر اپنے رسول اور پیچھے بھیجا عیسیٰ مریم کا بیٹا اور اس کو دی انجیل، اور رکھی

فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا

اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی ف۵ اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انہوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ مگر

اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہر۔ اور ایک دنیا چھوڑنا انہوں نے نیا نکالا ہم نے ان پر نہ لکھا تھا مگر

ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

ان پر کیا چاہنے کو اللہ کی رضامندی پھر نہ نباہا اس کو جیسا چاہیے تھا نباہنا ف۶ پھر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں ایمان دار تھے ان کا بدلہ

چاہنے کو رضامندی اللہ کی، پھر نہ نباہا اس کو جیسا چاہئے نباہنا، پھر دیا ہم نے ان کو جو ان میں ایمان دار تھے، ان کا نیگ

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ㉗ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ

اور بہت ان میں نافرمان ہیں۔ ف۷ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر دے گا تم کو

اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر، دیوے تم کو

ف۱ یعنی پیغمبر اور کتاب کے لیے ان دونوں کی نسل کو چن لیا کہ ان کے بعد یہ دولت ان کی ذریت سے باہر نہ جائے گی۔

ف۲ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجے گئے تھے یا یوں کہو کہ ان دونوں کی اولاد میں سے بعضے راہ پر رہے اور اکثر نافرمان ثابت ہوئے۔

ف۳ یعنی پچھلے رسول ان ہی پہلوں کے نقش قدم پر تھے اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی۔

ف۴ یعنی آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا۔

ف۵ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ جو واقعی ان کے طریقہ پر چلنے والے تھے ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔

ف۶ یعنی آگے چل کر حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین نے بے دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی، جس کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا۔ مگر نیت ان کی یہ ہی تھی کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ پھر اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا، نصاریٰ نے رسم نکالی، جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے۔ نہ جورو رکھتے نہ بیٹا، نہ کماتے نہ جوڑتے، محض عبادت میں لگے رہتے، خلق سے نہ ملتے، اللہ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا (کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ رہیں) مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا، پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔" شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ "اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔" کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ و تعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے۔

(تنبیہ) "بدعت" کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو، اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔

يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾

دو حصے اپنی رحمت سے اور رکھ دے گا تم میں روشنی جس کو لیے پھرو اور تم کو معاف کرے گا اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان ف ۱

دو بوجھے اپنی مہر سے، اور رکھ دے تم میں روشنی، جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کرے۔ اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ

تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے

تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے کچھ اللہ کا فضل، اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے،

يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ ع

دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے ف ۲

دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔

بعثت انبیاء علیہم السلام برائے ہدایت عالم وعطاء اسباب رشد وفلاح

قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ... الی... وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

ربط:...... سابقہ آیات میں دنیا اور دنیا کی ہر راحت ونعمت کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا ذکر تھا اور یہ کہ انسان کو چاہئے کہ آخرت کی فکر کرے دنیا سراسر دھوکہ ہے اس سے غرور وتکبر اور غفلت میں پڑ جانا سب سے بڑی اور مہلک غلطی ہے تو اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت نے تو ہمیشہ ہی تخلیق عالم کے بعد سے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجا، ان پر کتابیں نازل کیں اور بینات ودلائل بھی دیئے تاکہ انسان کو رشد وفلاح کی منزل حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آسکے تو ارشاد فرمایا۔

=ف ۷ یعنی ان میں اکثر نافرمان ہیں اسی لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود دل میں یقین رکھنے کے ایمان نہیں لاتے۔

ف ۱ یعنی اس رسول کے تابع رہو کہ یہ نعمتیں پاؤ۔ گزشتہ خطاؤں کی معافی اور ہر عمل کا دوگنا ثواب اور روشنی لیے پھرو۔ یعنی تمہارا دجود ایمان وتقویٰ سے نورانی ہو جائے۔ اور آخرت میں یہ ہی تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے۔

(تنبیہ) (احقر کے خیال میں یہ خطاب ان اہل کتاب کو ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے۔ اس تقدیر پر "وامنوا برسولہ" سے ایمان پر ثابت ومستقیم رہنا مراد ہوگا۔ باقی اہل کتاب کو دونا ثواب ملنے کا کچھ بیان سورۃ "قصص" میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف ۲ یعنی اہل کتاب پہلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے۔ ہم کو وہ درجے ملنے محال ہیں جو نبیوں کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ سو یہ رسول، اللہ نے کھڑا کیا اس کی صحبت میں پہلے سے دونا کمال اور بزرگی مل سکتی ہے۔ اور اللہ کا فضل بند نہیں ہوگیا۔

(تنبیہ) حضرت شاہ صاحب نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ لیکن اکثر سلف سے یہ منقول ہے کہ یہاں "لِئَلَّا يَعْلَمَ" بمعنی "لِكَيْ يَعْلَمَ" کے ہے۔ یعنی تاکہ جان لیں اہل کتاب (جو ایمان نہیں لائے) کہ وہ دسترس نہیں رکھتے اللہ کے فضل پر۔ اور فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر چاہے کردے۔ چنانچہ اہل کتاب میں سے جو خاتم الانبیاء پر ایمان لائے ان پر یہ فضل کر دیا کہ ان کو دوگنا اجر ملتا ہے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی اور روشنی مرحمت ہوتی ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے وہ ان انعامات سے محروم ہیں۔

تم سورۃ الحدید فللہ الحمد والمنۃ۔

بے شک ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو نشانیاں دیکر اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور ترازو تا کہ لوگ عدل وانصاف قائم کریں کتاب ہدایت سے ہدایت کی باتیں سیکھیں اور اس پر عمل کر کے سیدھی راہ اختیار کریں جس سے نجات و کامیابی حاصل ہو اور ترازو بھی اتاری اس کے ذریعہ ہر عمل اور قول عقیدہ و اخلاق اور معاملہ تولا جا سکے اور معلوم ہو سکے کہ کون سی چیز حق ہے اور کون سی باطل اور کون سا طریقہ معتدل اور افراط و تفریط کے درمیان ہے اور کون سا طریقہ انصاف اور حق کے معیار سے گرا ہوا ہے جس طرح کہ حسی ترازو سے اشیاء کی برابری معلوم ہوتی ہے اور کمی وزیادتی کا علم اس کے پلڑے کے جھکاؤ اور ابھار سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح اس نازل کردہ میزان ہدایت سے ہر قول و عمل کا درست اور ہر چیز کا صراط مستقیم پر ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور شریعت کی یہ ترازو قلب و قالب کے جملہ اعمال کے حسن و قبح کو ٹھیک ٹھیک جانچ تول کر بتاتی ہے اور ہم نے اتارا لوہا کہ زمین میں اس کی کانیں پیدا کیں جس میں بہت سختی ہے اور منافع بھی ہیں لوگوں کے واسطے کہ لوہے سے اسلحہ اور سامان حرب تیار کیا جا سکتا ہے جس سے جہاد و قتال ہوتا ہے اور کافروں پر اس کے ذریعہ سختی وشدت واقع کی جاتی ہے اور ساتھ ہی اس کے ذریعہ لوگوں کی معیشت کے بہت سے مادی فوائد و منفعتیں بھی وابستہ ہیں یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں تا کہ لوگ اس کی خالقیت و قدرت پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت کریں اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بغیر اللہ کو دیکھے بے شک اللہ تعالیٰ بڑی ہی قوت والا غالب و عزیز ہے اس کی قوت و عزت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کافروں کی مجال نہیں کہ اللہ کو اور اس کے رسولوں کو مغلوب کر سکیں، پیغمبری اور کتب ہدایت نازل کرنے کے لیے اللہ نے اپنی ہی حکمت سے اپنے رسولوں کو منتخب کیا۔

اور اس طرح ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو اور رکھ دیا ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت کو اور کتاب کو ان دونوں کو اس طرح نبوت ورسالت اور آسمانی کتابیں نازل کرنے کے لئے چن لیا کہ ان ہی کی اولاد میں رسالت اور سلسلہ نبوت رہا اور ان کے بعد یہ دولت ان دونوں کی اولاد سے باہر نہ جائے اب اس کے بعد جب یہ رسول آئے تو انکی امتوں میں سے بہت سے راہ راست پر آ گئے اور بہت سے ان میں سے نافرمان رہے۔

پھر ہم نے کے بعد بھیجے ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کے لیے اپنے رسول اور ان سب کے بعد بھیجا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اور ان کو ہم نے انجیل دی جن پر انبیاء بنی اسرائیل کو ختم فرما دیا اور ڈال دی ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی جنہوں نے انکی اتباع کی اور رہبانیت ترک علائق دنیویہ کو بھی انہوں نے اختیار کر لیا جو انہوں نے اپنی طرف سے ایک نئی بات ایجاد کی تھی جس کو ہم نے ان پر مقرر نہیں کیا تھا انہوں نے اپنے اوپر دنیوی تعلقات سے علیحدگی اور جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے کا طرز اختیار کیا ہم نے تو ان پر صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنا مقرر کیا تھا لیکن وہ اس کو نباہ نہ سکے جیسا کہ اس کو نبھانے کا حق تھا پھر ہم نے ان لوگوں میں سے ایمان لانے والوں کو اجر دیا جو ایمان پر قائم رہے اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہے اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہوئے اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور انبیاء بنی اسرائیل کا سلسلہ نبوت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر ختم ہو جانے کے بعد اللہ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا اور حکم ہوا۔

اے وہ لوگو! جو پہلے انبیاء پر ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان لاؤ تو وہ تم کو اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تم کو وہ نور دے گا جس کو تم لئے پھرو گے کہ دنیا میں بھی وہ نور تمہارے ساتھ ہوگا اور نور ہدایت سے تمہاری زندگی منور اور مزین ہوگی اور آخرت میں یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہاری مغفرت بھی کرے گا اور اللہ تو بڑا ہی معاف کرنے والا مہربان ہے۔

یہ سب کچھ اللہ نے بیان کر دیا تا کہ جان لیں ❶ اہل کتاب اس بات کو کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں اور اس امر سے انکو لاعلمی اور غفلت نہ ہو کہ وہ اللہ کے فضل پر قادر نہیں بلکہ اللہ کا فضل بے شک اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے وہ عطا کرے اس لئے اگر اللہ نے بنی اسرائیل سے نبوت کو ختم کر کے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں نبوت رکھ دی تو اہل کتاب کو اس پر کسی درجہ میں بھی تذبذب نہ کرنا چاہئے نبوت و رسالت کا فضل اور ہر قسم کی بزرگی اللہ کے قبضہ میں ہے جہاں چاہے وہ بزرگی رکھ دے اور جس کو چاہے عطا کر دے اور اسی طرح اہل کتاب میں سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دو گنا اجر و ثواب دینا بھی اللہ کا فضل و انعام ہے وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل و انعام والا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ثلثه یؤتون اجرهم مرتین رجل من اهل الکتاب امن بنبیه وامن بمحمد صلی الله علیه وسلم ورجل مملوك ادی حق الله تعالیٰ وحق موالیه ورجل کانت وعنده امة ادبها فاحسن تادیبها ثم اعتقها وتزوجها الحدیث (صحیح بخاری)

(ترجمہ) کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو دو گنا اجر دیا جائے گا ایک شخص کتابی جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا تھا پھر وہ آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لایا، دوسرا مملوک غلام جو اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کرتا ہے اور خدا کا بھی حق ادا کرتا ہے، اور تیسرا وہ جس کے پاس باندی تھی جس کو اس نے اچھی تعلیم دی ادب سکھایا پھر اس کو آزاد کیا اور اس سے نکاح کر کے اس کو اپنی منکوحہ بنایا تو تینوں کو دو گنا اجر و ثواب ملے گا۔

الغرض اہل کتاب کا اپنی شریعت اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد آنحضرت ﷺ کی نبوت کو ماننا اور آپ کے دین پر عمل کرنا بہت ہی قابل قدر چیز ہے تو اس پر دو گنے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔

● بالعموم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ﴾ میں "لا" زائد ہے اور مقصد یہ کہ جان لیں اس لئے کہ اس غرض کا اہل کتاب کے لیے جاننا مقصود ہے نہ کہ نہ جانیں تو اکثر حضرات مفسرین سلف یہاں ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ﴾ کا ترجمہ یعلم سے کرتے ہیں یعنی تا کہ جان لیں اہل کتاب الخ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس جگہ لفظ لا کو اپنے معنی پر برقرار رکھتے ہوئے "نہ جانیں سے" ترجمہ کیا ہے تو اس صورت میں کلام کی تقدیر اس طرح ہوگی، لئلا یکون هذا الامر ان لا یعلم۔ اور نفی کی نفی اثبات کو مفید ہے اور ترجمہ کی تقدیر یہ ہوگی تا کہ یہ بات نہ رہے کہ نہ جانیں اہل کتاب اس حقیقت کو بلکہ وہ جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہیں کہ اس کو روک لیں یا جس کو چاہیں نہ دیں چنانچہ ترجمہ کے بعد اضافہ کردہ الفاظ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

لوہے کی سختی اور اس کے منافع

اس مقام پر حق تعالیٰ نے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ سے اپنے رسولوں کی بعثت کا ذکر فرمایا اور اس امر کو ثابت فرمایا کہ رسولوں کی بعثت عالم کی ہدایت اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اللہ نے مقدر فرمائی۔ وہ دلائل و بینات کے ذریعے عالم کو ہدایت اور رشد وفلاح کی دعوت دیتے رہے اب اس کے بعد ارسال رسل کی نعمت کے ساتھ ایک اور انعام کا ذکر فرما دیا گیا کہ لوہے کو اتارا جس میں سختی ہے اور لوگوں کے واسطے منافع ہیں یعنی عالم کی ہدایت جس رسولوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہے اسی کے ساتھ ہدایت کا دوسرا ذریعہ جہاد ہے کہ جو لوگ اپنی طبعی کج روی سے باز نہ آئیں نہ اللہ کے احکام کو مانیں اور نہ انصاف کی ترازو کو سیدھا رکھیں جس سے نظام عالم اور اسکا امن وراحت اور رشد وفلاح وابستہ ہے تو پھر ان سے جہاد و قتال ہوگا اور اس وقت ان باغیوں کے مقابلہ کے لیے تلوار اٹھانا پڑے گی اور ظاہر ہے کہ اس خالص دینی جہاد میں لوہے سے ہی کام لینا ہوگا پھر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ کون اللہ کا مخلص وفرمانبردار ہے اور کون نافرمان وباغی۔

الغرض لوہے کی سختی سے محض ظاہری اور مادی سختی ہی مراد نہیں بلکہ ارسال رسل اور نزول کتب کے ساتھ لوہے کی یہ سختی جہاد میں اسلحہ کا استعمال ہے دلائل وبینات سے بھی کافروں اور کفر کا جہاد ومقابلہ ہے چنانچہ اس نوع کا جہاد مکی زندگی میں تیرہ سال تک جاری رہا اس کے بعد مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد دلائل کے بجائے بصورت جہاد، مقاتلہ شروع ہو گیا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ایک حدیث بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتی یعبد اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ میں مبعوث کیا گیا ہوں تلوار دیکر جہاد مع الکفار کے لئے قیامت سے پہلے اور اس کا مامور ہوں کہ جہاد کرتا رہوں تا آنکہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت وبندگی کی جانے لگے اور میرا رزق میرے تیروں کے سایہ میں بنایا گیا ہے اور ذلت وناکامی ان لوگوں کے حق میں طے کر دی گئی ہے جو میرے حکم کی نافرمانی کریں۔

اس آیت مبارکہ میں بعثت رسل اور انزال کتب کے ساتھ میزان اتارنے کا ذکر فرما کر یہ اشارہ کر دیا گیا کہ دنیا میں عدل وانصاف کا قیام دو چیزوں کے ذریعہ سے ہے ایک کتب سماویہ اور وحی الٰہی اور دوسرے میزان جس سے ہر ایک کو اس کا حق ناپ تول کو پہنچا دیا جائے نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ عدل وانصاف سے ذرہ برابر انحراف ہو یہی چیز ہدایت کی روح اور نظام عالم کو صحیح خطوط پر چلانے والی ہے اور عدل وانصاف جن ہدایات واصول کے ماتحت ہو سکتا ہے وہ آسمانی ہدایات اور پیغمبروں کے ذریعہ ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

اہل کتاب ونصاریٰ کی رہبانیت

﴿وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور انجیل کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا کہ انکے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہربانی کی صفت رکھ دی تھی یہ وصف رکھ دی تھی یہ وصف پسندیدہ تھا اور

ایمان کے آثار میں سے ایک پاکیزہ اثر تھا لیکن اصل ایمان اور اس کی روح، پیغمبر خدا کی اتباع ہے اور جو ہدایات اللہ نے نازل کیں انکی پیروی کرنا ہے اپنے جذبات سے خلاف شرع کسی چیز کو ثواب سمجھ کر اختیار کر لینا کوئی نیکی نہیں بلکہ یہ تو بدعت ہے جس کو نہ اللہ پسند کرتا ہے اور نہ اس کے رسول کی تعلیم ہوتی ہے۔

چنانچہ نصاریٰ میں سے بعض نیک طینت لوگوں نے رہبانیت اور دنیوی علائق کا ترک اختیار کر لیا جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا پھر وہ اس کو نباہ نہ سکے جس کا انجام یہ ہوا کہ اصل اللہ کی ہدایت سے منحرف ہو گئے اور دین صحیحہ کو چھوڑ کو بدعات میں مبتلا ہو گئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت تخریج کی ہے جس کا مضمون ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ جانتے بھی ہو کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں متفرق ہوئے جن میں سے صرف تین گروہ نجات پانے والے ہیں باقی سب ہلاک و برباد ہوئے جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بعد اپنے جبار و مغرور بادشاہوں کے مقابل اللہ کے دین پر قائم رہے اور ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جبکہ وہ گمراہ اور بے دین ہو چکے تھے اور ان بادشاہوں نے اپنی کتاب میں اپنی خواہشات و مرضی کے مطابق تحریف کر لی تھی تو ان میں سے ایک جماعت نے جباروں کے ساتھ مقابلہ کیا اور شہید کر دیئے گئے اور اس جماعت نے صبر کیا اللہ کے فضل سے نجات پائی پھر ایک دوسری جماعت اٹھی جن میں جہاد اور مقابلہ کی قوت تو نہ تھی لیکن اپنے بادشاہوں اور جباروں کے سامنے پہنچ کر ان کو دین کی دعوت دی جس کے باعث ان لوگوں پر ظلم وستم ڈھائے گئے حتیٰ کہ ان کو شہید کیا گیا آروں سے انکے بدن چیرے گئے اس گروہ نے بھی صبر کیا اور نجات پائی پھر ایک تیسری جماعت آئی اس میں بھی مقابلہ اور قتال کی طاقت نہ تھی اور نہ وہ اپنی زندگی اور اعمال میں عدل و اعتدال کو قائم رکھ سکے جس کے واسطے ترازو اتاری گئی تھی تو یہ لوگ آبادیاں چھوڑ کر پہاڑوں بیابانوں میں نکل گئے اگرچہ ان کا جذبہ نیک تھا لیکن وہ اس رہبانیت کو نباہ نہ سکے (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

چاہتے تو یہ تھے کہ اللہ کی رضامندی حاصل کریں یا حکم تو ان کو اللہ کی رضامندی ہی حاصل کرنے کا کیا گیا تھا مگر اس کے برعکس انہوں نے از خود رہبانیت اختیار کر لی اور پھر اس کا حق ادا نہ کر سکے اصل رہبانیت اور علائق دنیویہ سے تعلق قطع کر لینا تو اللہ کی فرماں برداری کا نام ہے اور اپنے طبعی تقاضوں کو اللہ کی خوشنودی کے تابع کر دینا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے فرمایا بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ ایسے بادشاہ آئے جنہوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی اور اپنی مرضی کے مطابق ردو بدل کیا تو ان میں کچھ لوگ ایمان والے تھے اور وہ اس تحریف و تبدیل سے اختلاف کرتے اور اصل اللہ کے ہی پیروی کرتے اور ان ہی کو بیان کرتے تو ان بادشاہوں سے یہ کہا گیا کہ اس قسم کے لوگ آپ کی بہت ہی سخت توہین کرتے ہیں اور آپ کو برا بھلا کہتے اور ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھ کر آپ کو گمراہ و کافر کہتے ہیں اور آپ کے اعمال و افعال پر طعن بھی کرتے ہیں تو آپ ان لوگوں کہیں کہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ایمان اسی طرح کا لائیں یعنی اسی چیز کو

ایمان کہیں جس طرح کہ ہمارا ایمان ہے اور ان کو مجبور کیا کہ یا تو ہماری بات مانو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اس پر اس گروہ نے رہبانیت اختیار کر لی کسی نے اپنے واسطے کوئی طریقہ اختیار کیا اور کسی نے کوئی رنگ اختیار کیا تو اس آیت مبارکہ میں ان ہی ایمان والوں کی رہبانیت کا ذکر ہے تفصیل کیلئے روح المعانی، تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ اور تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر امت کے لئے رہبانیت ہے لیکن میری اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما مشددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلك بقایاھم فی الصوامع والدیار رھبانیة ن ابتدعوھا ماکتبنھا علیھم۔ کہ اے لوگو تم اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا ایک قوم تھی جنہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی فرمائی تو یہ لوگ انھی میں سے کچھ باقی ماندہ ہیں جو صومعوں اور گرجاؤں میں راہب بنے ہوئے ہیں جو انہوں نے خود اختیار کی تھی ہم نے ان پر اس کو لازم نہیں کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اپنی شریعت کے سہل اور آسان ہونے کو تمام سابقہ شریعتوں کے بالمقابل ایک خاص امتیازی وصف بیان فرمایا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الحدید۔
ستائیسویں پارے کی تفسیر بحمد اللہ مکمل ہوئی۔

❀❀❀

تاریخ 15-04-17
حوالہ 52

سرٹیفکیٹ تصحیح

الحمد للہ بندہ قاری محمد اسلام نے "مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ" اردو بازار لاہور سے شائع کی جانے والی تفسیر "معارف القرآن" مع "تفسیر عثمانی" جلد ہفتم کے عربی متن، ترجمہ کو حرف بحرف بغور پڑھا ہے۔ اور یقین [illegible] ہوں کہ اب اس میں کوئی لفظی و اعرابی غلطی نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قاری محمد اسلام